انبیاء علیہم السلام کے بعد دُنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

خلفائے راشدین

۲

دار الاشاعت کراچی

فہرست مضامین

سیر الانصار (حصہ اوّل)

اسمائے انصار کرام

فہرست مضامین

مہاجرین (حصہ اوّل)

اسمائے مہاجرین (حصہ اوّل)

(بہ ترتیب کتاب)

اسمائے مہاجرین (حصہ اول)

(بہ ترتیب حروف تہجی)

اسمائے مہاجرین (حصہ دوم)

(بہ ترتیب کتاب)

اسمائے مہاجرین (حصہ دوم)
(بہ ترتیب حروف تہجی)

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ جلد ان حضرات صحابہ ؓ کے حالات میں ہے، جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے چونکہ اسلام میں ان بزرگوں کی حیثیت بہت بڑی ہے اس لئے ان کو سب سے اوّل جگہ دی گئی اور ان میں بھی چاروں خلفائے راشدین ؓ کے بعد جن کے حالات میں ایک مستقل جلد چھپ چکی ہے، عشرہ مبشرہ میں سے باقی چھ بزرگوار اس جلد میں مذکور ہیں اور ان کو تمام مہاجرینؓ میں سب سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

یہ جلد بھی ہمارے رفیق عزیز مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی کی تالیف ہے، مقدمہ اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوموسیٰؓ اشعری کے فضل وکمال واخلاق کا حصہ ان کے ہم نام اور ہم مدرسہ مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیقِ دارالمصنفین نے لکھا ہے، آئندہ حصہ تمام و کمال ان ہی کا ہوگا۔

کتاب میں دو فہرستیں لگائی گئی ہیں، ایک میں کتاب کی ترتیب کے مطابق ناموں کی فہرست ہے اور دوسری میں حروفِ تہجی کے اعتبار سے نام لکھے گئے ہیں، تاکہ تلاش و مراجعت میں لوگوں کو آسانی ہو۔

سید سلیمان ندوی
ناظم دارالمصنفین
۲۳؍ اکتوبر ۱۹۲۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

اسلام سے پہلے مہاجرین کے خانوادے

مؤرخین اسلام اور علمائے انساب نے عرب کی تین قسمیں قرار دی ہیں، بائدہ، عاربہ اور مستعربہ، بعض صرف دو پر اکتفاء کرتے ہیں، عاربہ اور مستعربہ۔

عرب بائدہ عرب کے وہ قبائل ہیں جن کا زمانہ اس قدر قدیم ہے کہ تاریخوں میں ان کے تفصیلی حالات نہیں ملتے، البتہ عرب کے اشعار میں جا بجا ان کا ذکر آجاتا ہے یا الہامی کتابوں میں کہیں کہیں حالات مل جاتے ہیں، یہ قبائل عاد، ثمود، طسم، جدیس وغیرہ ہیں، عرب عاربہ وہ قحطانی قبائل ہیں جو یمن اور اس کے قرب و جوار میں آباد ہوئے، ان میں سے حمیر، کہلان، بنی عمرو وغیرہ مشہور ہیں، ان کے حالات کثرت سے ملتے ہیں اور ان کی عظیم الشان یادگاریں ابھی تک سرزمین عرب میں موجود ہیں۔

تیسرا طبقہ عرب مستعربہ کا ہے اور یہی ہمارا موضوع بحث ہے کہ اسی سلسلہ اسماعیلی کی ابتدا ہوئی، جس میں مہاجرین کے اکثر خاندان داخل ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے بیٹے اسماعیل اور اپنی بیوی ہاجرہ کو "وادی غیر ذی زرع" میں بسایا تو وہاں اس وقت جرہمی قبائل آباد تھے، ان میں حضرت اسماعیلؑ نے شادی کی اور ان سے جو نسل چلی، وہ "عرب مستعربہ" کے نام سے موسوم ہوئی حضرت اسماعیلؑ کے گیارہ اولادیں ہوئیں، جن میں ایک کا نام قیدار تھا، قیدار کی نسل میں سب سے مشہور عدنان گذرا ہے، قریش کے تمام قبائل اور مہاجرین کے اکثر قبیلوں کا سلسلہ نسب عدنان ہی تک آکر منتہی ہوجاتا ہے، اس طرح یہ سلسلہ تاریخ کے تین دوروں پر منقسم ہوجاتا ہے، ایک حضرت اسماعیلؑ سے عدنان تک، دوسرا عدنان سے فہر تک اور تیسرا فہر سے آخر تک۔ مہاجرین کے حالات میں اگرچہ پہلے اور دوسرے دوروں کا تذکرہ کرنا ضروری نہیں ہے اور صرف قریش کے حالات کا لکھ دینا کافی ہے، مگر اس خیال سے کہ اس سلسلہ

کی تمام کڑیاں سامنے آجائیں، پہلے دور کا اجمالی اور دوسرے دور کا کسی قدر تفصیلی اور تیسرے دور کا نہایت مفصل طور پر تذکرہ کرتے ہیں۔

دورِ اوّل

حضرت اسماعیلؑ کی گیارہ اولادوں میں نابت اور قیدار نے نہایت جاہ وجلال اور دنیاوی اعزاز حاصل کیا، مورخین اس بارہ میں مختلف الرائے ہیں کہ عدنان آل نابت سے تھا، یا آل قیدار سے بعض عدنان کو نابت کی اولاد بتاتے ہیں اور بعض قیدار کی، مگر اکثریت اسی طرف ہے کہ عدنان کا سلسلہ نسب قیدار سے ملتا ہے، چنانچہ مورخ ابوالفداء نے اس اختلاف کو لکھ کر اسی قول کو ترجیح دی ہے،[۱] قیدار اپنے تمام بھائیوں میں زیادہ ممتاز اور نام آور تھا، اور اسی کی نسل سے مشہور قبائل اور اشخاص پیدا ہوئے، حتیٰ کہ دنیا کے سب سے بڑے انسان یعنی آنحضرت ﷺ اسی کی نسل میں پیدا ہوئے، الہامی صحائف میں قیدار کا نام ایک صاحب سطوت شخص اور اس کی اولاد کا تذکرہ ایک جری و بہادر قوم کی حیثیت سے آیا ہے، چنانچہ یسعیاہ نبی فرماتے ہیں کہ قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی اور تیراندازوں کے جو باقی رہے، قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا۔ (یسعیاہ باب ۲۱ آیۃ ۱۶، ۱۷)

اس عظمت وشجاعت کے علاوہ تعداد کی کثرت کے اعتبار سے بھی ان کی بستیاں کی بستیاں آباد تھیں، چنانچہ یسعیاہ نبی فرماتے ہیں۔ "قیدار کی آباد بستیاں اپنی آواز بلند کریں گی۔" (یسعیاہ باب ۴۲ آیہ ۱۱) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عام بدویوں کی طرح ان کے قبائل منتشر نہ تھے، بلکہ ان کی بستیاں منظم اور ان کی معاشرت اجتماعی تھی، اجتماعی زندگی کے لئے ایک نظام اور ناظم کی سخت ضرورت ہے، جو لوگوں کو منتظم اور منضبط رکھ سکے، ورنہ اجتماعی زندگی نہیں پیدا ہوسکتی، چنانچہ آل اسماعیل میں بھی اگرچہ باقاعدہ حکومت نہ تھی، تاہم وہ ایک سردار کے ماتحت زندگی بسر کرتے تھے اور بنو اسماعیل کے علاوہ ان کے پڑوسی قبائل بھی اس سردار کی اطاعت ضروری سمجھتے تھے، چنانچہ بنو جرہم ہمیشہ آل اسماعیل کے اطاعت گزار رہے[۲]، آل قیدار کی زندگی اگرچہ بدویانہ تھی اور ان کا تمدن سادہ تھا، تاہم بالکل بدوی نہ تھے، بلکہ تمدن کے کچھ آثار بھی ان میں پائے جاتے تھے اور تنہا بھیڑ بکریوں کی کھال اور دودھ پر ان کی زندگی کا دارومدار نہ تھا، اس سے ترقی کر کے وہ تجارت بھی کرتے تھے، چنانچہ حزقیال نبی فرماتے ہیں عرب اور قیدار کے سب امیر تجارت کی راہ میں تیرے علاقہ مند تھے، وہ برّے اور مینڈھے اور بکری لے کے تیرے ساتھ

[۱] ابوالفداء جلد ۱ ص ۱۰۶　[۲] یعقوبی جلد ۱ ص ۲۵۴

تجارت کرتے تھے (حزقیال باب ۲۷ آیۂ ۲۱) اسماعیلی قبائل نے تجارت کو اس قدر فروغ دیا کہ وہ تجارتی اشیاء لے کر ملکوں ملکوں پھرتے تھے، چنانچہ وہ مشہور قافلہ جس نے حضرت یوسفؑ کو کنوئیں سے نکالا تھا، اسماعیلی تھا اور بغرض تجارت مصر جارہا تھا۔ چنانچہ توراۃ میں ہے کہ ''جب حضرت یوسفؑ نے آنکھ اٹھائی تو دیکھا کہ اسماعیلیوں کا ایک قافلہ جلعاد سے گرم مصالحہ اور روغن بلساں اور مراونٹوں پر لادے ہوئے کہ انہیں مصر کو لے جائے۔ (پیدائش باب ۳۷ آیۂ ۲۵)۔

اس تجارتی ترقی کا نتیجہ تمول اور تمول کا نتیجہ تمدن تھا، چنانچہ ان کی عورتیں سونے کے زیورات استعمال کرتی تھیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمول کے ساتھ ان میں تمدن بھی آچلا تھا، توراۃ میں ایک موقع پر ان زیورات کا ذکر آیا ہے۔ ''جدعون نے انہیں کہا کہ میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک شخص اپنے لوٹ کے کرن پھول مجھے دے کہ ان کے کرن پھول سونے کے تھے اس لئے کہ وہ اسماعیلی تھے۔ (قضاہ باب ۱۸ آیۂ ۲۴)

ان مذکورۂ بالا شہادتوں سے معلوم ہوا کہ اسماعیلی قبائل بداوت کے ابتدائی دور میں نہ تھے، بلکہ اس سے نکل کر تمدن شاہراہ اختیار کرلی تھی، یعنی ان میں دنیاوی شان وشوکت کے ساتھ ساتھ تجارت بھی پھیلی ہوئی تھی، معاشرت بھی اجتماعی اور منتظم تھی، ان کی عورتیں سونے کے زیورات استعمال کرتی تھیں۔

یہ تو بنی اسرائیل کے صحیفوں کی شہادتیں ہیں، ہماری تاریخوں میں بھی کثرت سے ان کے حالات ملتے ہیں اور ان سے بھی ان کی عزت واحترام کا پتہ چلتا ہے، بنو اسماعیل کی ابتدائی تاریخ خانہ کعبہ سے وابستہ ہے، اس لئے ہم بھی خانہ کعبہ کی روشنی میں ان کے حالات تلاش کرتے ہیں، خانہ کعبہ کی تولیت آل اسماعیلؑ میں بڑی عزت کی چیز تھی، کعبہ کا متولی ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت رکھتا تھا، تمام قبائل اس کا احترام کرتے تھے، دوسرے لفظوں میں کعبہ کی تولیت عرب کی بادشاہی کے مرادف تھی، حضرت اسماعیلؑ کے بعد اس تولیت کا شرف قیدار کو حاصل ہوا، مگر حضرت اسماعیل کی نسل سے یہ سلسلہ دو ہی پشتوں کے بعد منقطع ہوگیا، کیونکہ جب حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں نفوس کی کثرت ہوئی اور ارض حرم میں اتنی گنجائش باقی نہ رہی، کہ وہ ان سب کو اپنے دامن میں سمیٹ سکے، تو وہ لوگ حرم سے نکل کر اس کے اطراف وجوانب میں پھیل گئے اور صرف چند اشخاص حرم کی پاسبانی کے لئے رہ گئے، مگر یہ سب صغیر السن تھے اور اس صغیر سنی کی وجہ سے تولیت کعبہ کے فرائض ادا نہیں کرسکتے تھے، حضرت اسماعیلؑ کے سسرالی قبیلہ جرہم میں یہ عہدہ منتقل ہوگیا اور مضماض جرہمی اس پر فائز ہوا، چنانچہ حارث جرہمی کہتا ہے[1]

---

[1] ابوالفدا ء جلد صفحہ ۱۰۵

وکنا ولاۃ البیت من بعد نابت
نطوف بذاک البیت والامر ظاہر

بنو جرہم میں اس اعزاز کو دیکھ کر سمیدع بن ہوبر عمالقی کو رشک ہوا اور مضماض جرہمی سے آمادۂ جنگ ہو گیا، مگر شکست کھائی اور جرہم میں کئی پشتوں تک یہ منصب قائم رہا، مگر انھوں نے اپنی حکومت کے زعم میں ظلم وستم اور فسق وفجور کا ایک ہنگامہ برپا کر دیا اور سب سے زیادہ نفرت انگیز اور قابل مذمت حرکت یہ کی کہ حرمت کعبہ کا بھی خیال نہ رکھا اور حجاج پر زیادتیاں کرنے لگے، حرم کا چڑھاوا کھا جاتے، لوگوں کو طرح طرح سے ستاتے، غرضیکہ ہر طرح خلق اللہ کو پریشان کرنا شروع کر دیا، آل اسماعیل ان کی ناروا حرکتوں کو دیکھتے تھے، مگر اول تو عزیز داری کے پاس سے کچھ نہیں بولتے تھے، دوسرے حرم میں کشت وخون کو ناپسند کرتے تھے کہ ان کے اخراج میں خونریزی کا ہونا یقینی تھا، آخر کار حرم کی توہین اور خلق اللہ کے مصائب کو دیکھ کر بنو بکر اور عیشان نے سختی سے اس کا تدارک کیا۔" یہاں تک کہ جنگ کی نوبت آئی اور ایک خونریز جنگ کے بعد بنو جرہم کو یمن کی طرف بھگا کر حرم کو ہمیشہ کے لئے ان کی نجاستوں سے پاک کر دیا۔ یہ شکست خوردہ تو تھے ہی، انھوں نے چلتے چلتے حجر اسود کو اکھاڑ کر اس کو حرم کے دیگر تبرکات کے ساتھ چاہ زمزم میں پھینک کر کنویں کو پاٹ دیا[۱]۔

اس تاریخ سے حرم کی تولیت اور مکہ کی سیادت پھر آل اسماعیل میں لوٹ آئی اور چند پشتوں کے بعد عدنان تک پہنچی، ابھی عدنان کا دور تھا کہ بخت نصر کا ملک عرب پر زبردست حملہ ہوا، جس سے عربوں کی قوتیں ٹوٹ گئیں، سارا عرب ویران ہو گیا اور تمام ملک میں خاک اڑنے لگی۔ عدنان اسی حملہ میں مارا گیا۔ مگر اس کے لڑکے معد کو ارمیاہ نبی نے بچا لیا، جس سے آئندہ نسل پھیلی[۲]۔

دورِ دوم

پہلے دور میں حضرت اسماعیلؑ سے لے کر عدنان تک کے مختصر حالات لکھے گئے ہیں، دوسرے دور میں عدنان سے فہر تک کسی قدر تفصیل ہوگی، کیونکہ مہاجرین کا سلسلہ نسب اسی تک منتہی ہوتا ہے، عدنان کا سلسلہ نسب باتفاق نسابین حضرت اسماعیل تک پہنچتا ہے۔ لیکن درمیانی پشتوں کی تعداد اور ان کے ناموں میں اختلاف ہے، اس اختلاف کی وجہ تو یہ ہے، کہ وہ عبری سے عربی میں منتقل ہوئے ہیں اور جب ایک زبان کے نام دوسری زبان میں جاتے ہیں تو لامحالہ کچھ لب ولہجہ کے اختلاف اور کچھ حروف کے تغیرات سے ان کی اصل صورت باقی نہیں رہتی، اس لئے یہ اختلاف قابل توجہ نہیں، البتہ درمیانی کڑیوں کی تعداد کا اختلاف ضرور قابل لحاظ ہے، بعض

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۶۴، ۶۵۔ [۲] ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۲۳۹، ۲۹۹

عدنان سے حضرت اسماعیلؑ تک صرف آٹھ دس پشتیں بتاتے ہیں اور بعضوں کے نزدیک ان کی تعداد چالیس تک پہنچ جاتی ہے اور یہی آخری قول صحیح ہے، کیونکہ اگر صرف نو دس پشتیں مانی جائیں، تو عدنان اور حضرت اسماعیلؑ کے درمیان زمانہ بہت کم رہ جاتا ہے، جو تاریخی مسلمات کے بالکل منافی ہے، چنانچہ علامہ سہیلی روضۃ الانف میں لکھتے ہیں کہ ''عادۃً'' محال ہے کہ عدنان اور حضرت اسماعیلؑ کے درمیان چار یا سات پشتیں یا دس یا بیس پشتیں ہوں، کیونکہ ان دونوں کے درمیان اس سے بہت زیادہ زمانہ ہے۔[۱]''

یہ تو قیاس عقلی ہے، اس کے علاوہ بہت سے علماء عرب میں ایسے تھے، جن کو چالیسوں پشتیں بزباں یاد تھیں۔ چنانچہ علامہ طبری لکھتے ہیں کہ ''مجھ سے بعض عرب نسابوں نے کہا کہ وہ بہت سے ایسے علمائے عرب کو جانتے ہیں جن کو معد بن عدنان سے حضرت اسماعیلؑ تک پشتیں نام بنام حفظ تھیں اور وہ اس پر اشعار عرب سے استدلال کرتے تھے اور ان نسابوں نے علماء کے محفوظ ناموں کا اہل کتاب کے بتائے ہوئے ناموں سے مقابلہ کیا تو تعداد بالکل صحیح نکلی، البتہ لہجہ و زبان کے تغیر سے ناموں میں اختلاف ہو گیا تھا۔[۲]''

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ عربوں کے نزدیک چونکہ عدنان کا حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے ہونا یقینی تھا۔ اس لئے انھوں نے صرف مشہور لوگوں کے نام یاد رکھے اور پورا سلسلہ محفوظ نہیں رکھا، لیکن بہر حال تاریخی شہادت اور عقلی قیاس کا فیصلہ یہی ہے کہ عدنان اور حضرت اسماعیلؑ کے درمیان چالیس پشتیں تھیں۔

قبائل عدنان...... عدنان کی اولاد اس کثرت سے پھیلی کہ اس کا استقصاء اس دیباچہ میں مشکل ہے اور ہمارے موضوع سخن کے لئے زیادہ کارآمد بھی نہیں ہے، اس لئے ہم ان کے مشہور قبائل اور ان میں سے بھی خاص کر ان ہی کا تذکرہ کریں گے، جس سے ہماری کتاب کو کچھ تعلق ہوگا، اس سے قبائل عدنان کا اجمالی خاکہ ذہن میں آجائے گا اور آئندہ جہاں قبائل یا اشخاص کے نام آئیں گے وہاں اس کے سمجھنے میں دقت نہ ہوگی۔[۳]

عدنان کے دولڑکے تھے، عک اور معد، مگر آئندہ نسل صرف معد کے لڑکے نزار سے پھیلی، اس سے پانچ مشہور قبیلے نکلے، جن کو تاریخ عرب میں بہت اہمیت حاصل ہوئی، انمار، ایاد، ربیعہ قضاعہ اور مضر ان میں سے انمار اور ایاد بہت کم پھیلے، البتہ ربیعہ، قضاعہ اور مضر نے کثرت تعداد دنیاوی اعزاز اور تاریخی اہمیت وغیرہ کے لحاظ سے بہت شہرت حاصل کی۔

ربیعہ بن نزار کے متعدد اولادیں جن سے بڑے بڑے قبائل نکلے اور نہایت دنیاوی اعزاز حاصل کیا اور حکومتیں قائم کیں، ان کے مشہور قبائل وبطون یہ ہیں۔

---

[۱] روض الانف صفحہ ۸ جلد ۱ مطبوعہ مصر ، [۲] طبری صفحہ ۱۱۱۸
[۳] قبائل کی تفصیل ابن خلدون جلد ۲ سے ماخوذ ہے

بنو جدیلہ نہب بن افصے (خاندان حضرت صہیبؓ) بنو وائل، بکر بن وائل، بنو عجل، بنو عبد قیس، بنو تغلب وغیرہ پھران سے بھی بہت سے بطون شاخ در شاخ ہو کر نکلے ہیں۔

قضاعہ کو عام مؤرخین اگرچہ قحطانی النسل خیال کرتے ہیں مگر از روئے تحقیق وہ عدنانی ہیں، بنو قضاعہ نے بھی دنیاوی حکومت اور قبائل کی کثرت کے اعتبار سے بہت شان وشوکت حاصل کی، حانی بن قضاعہ کے تین لڑکے تھے، عمرو، عمران اور اسلم ان ہی تینوں سے تمام بطون و شعوب پھیلے۔

بنو عمرو کے مشہور بطون عبدان، بلی، (حضرت کعب بن عجرہ، خدیج بن سلامہ، سہل بن رافع ابو بردہ رضوان اللہ علیہم کا خاندان) بہرا (حضرت مقداد بن اسود کا خاندان)

بنو اسلم کے مشہور بطون ہذیم، جہینہ اور نہد ہیں۔

بنو عمران کے مشہور قبائل بنو سلیم، بنو خثعم، بنو جرم، بنو اسد، بنو تمر، بنو کلب وغیرہ ہیں۔ پھران میں بھی شاخ در شاخ ہو کر سینکڑوں بطون نکلے۔

مضر بن نزار بطون وقبائل کی وسعت اور تاریخی اہمیت میں قضاعہ اور ربیعہ سے زیادہ ممتاز ہے مضر کے دو لڑکے تھے، الیاس اور قیس عیلان ان ہی دونوں کی نسل سے تمام مضری قبائل کا سلسلہ پھیلا۔

بطون خندف بن الیاس بن مضر....... الیاس کے تین لڑکے تھے، مدرکہ، طانجہ، قمعہ، یہ تینوں قبیلہ قضاعہ کی ایک عورت خندف قضاعیہ کے بطن سے تھے، اس لئے یہ اسی کی طرف منسوب ہوئے اور ان کے تمام بطون خندف کہلائے۔

قمعہ کے مشہور قبائل بنو خزاعہ اور بنو افصے ہیں، بنو خزاعہ سے بنو مصطلق بنو کعب (حضرت عمران بن حصینؓ کا خاندان) بنو عدی (ام المومنین حضرت جویریہؓ کا خاندان) بنو جہینہ وغیرہ نکلے ہیں بنو افصے سے بنو مالک اور بنو اسلم (حضرت سلمہ بن اکوعؓ کا خاندان پیدا ہوئے، یہ قبائل مرظہران اور اس کے قرب وجوار میں آباد ہوئے۔

طانجہ کے مشہور بطون وقبائل ضبۃ، رباب، تمیم اور مزنیہ (بجیر وکعب مداح رسول اکرم و معقل ابن یسارؓ کا خاندان) ہیں چھوٹے بطون میں صوفہ اور محارب وغیرہ کا شمار ہے، پھر تمیم کی شاخیں، بنو حارثہ، بنو اسید (حضرت ہند بن زرارہ صحابیؓ اور حنظلہ بن ربیعؓ کاتب نبوی کا خاندان) بنو مالک اور بنو سعد وغیرہ ہیں، یہ سب عراق اور نجد میں آباد تھے۔

مدرکہ کے مشہور قبائل ہذیل قارہ، اسد اور کنانہ ہیں، پھر بنو اسد سے بنو غنم (ام المومنین حضرت زینبؓ اور عکاشہ بن محصن کا خاندان) بنو ثعلبہ وغیرہ نکلے، یہ بھی اضلاع نجد میں آباد تھے، کنانہ سے بنو عبد، مناۃ بنو مالک اور بنو نضر تھے، بنو عبد مناۃ سے بنو بکر، بنو مرہ، بنو حارث اور

بنو عامر تھے، بنو بکر سے بنولیث (ابو واقد اور قیس بن شداخ کا خاندان) بنو سعد (عبدہ بن سعد کا خاندان بنو جزع وغیرہ پیدا ہوئے۔

بطون قیس عیلان...... بنو خندف کی طرح بنو قیس سے بھی بطون وشعوب کا وسیع سلسلہ پھیلا قیس عیلان کے تین لڑکے تھے، عمرو، کعب اور حفصہ ان تینوں سے الگ سلسلے چلے۔

بنو عمرو کے بطون بنو فہم، بنو عدوان وغیرہ ہیں ان دونوں کی اولاد بن طائف اور نجد میں بستی تھیں۔

بنو سعد کے مشہور قبائل غنی، باہلہ، عطفان، مرہ، پھر غطفان کے بنو عبس، بنو ذبیان بنو اشجع، (خاندان حضرت معقل بن سنان) پھر بنو عبس سے بنو حارث (خاندان حضرت حذیفہ بن یمانؓ) اور ذبیان سے بنو ثعلبہ، بنو مرہ (خاندان حضرت سمرہ بن جندبؓ)

بنو حفصہ بن قیس کے دو بڑے بطن بنو سلیم اور بنو ہوازن مستقل صدہا بطون کا منبع تھے، بنو مازن (خاندان عتبہ بن غزوان، بھی بنو حفصہ کا ایک بطن تھا، مگر اس کی مستقل ہستی نہ تھی بلکہ سلیم اور ہوازن کے تحت میں تھا۔

بنو سلیم کے بطون بنو ذکوان، بنو عبس (خاندان حضرت عباس بن مرداسؓ) بنو ثعلبہ، بنو بھز (خاندان حضرت حجاج بن علاطؓ) بنو زغبہ، بنو عوف، بنو سلیم ان میں سے کچھ نجد کے بالائی حصہ میں آباد تھے، کچھ خیبر کے اطراف میں اس کے علاوہ افریقہ میں ان کی بڑی تعداد تھی۔

بنو ہوازن کے مشہور قبائل بنو معاویہ، بنو منبہ، بنو سعد (آنحضرت کا رضائی تعلق اس خاندان سے تھا۔) پھر بنو منبہ سے بنو ثقیف، بنو جشم، بنو سعد وغیرہ ہیں، یہ سب کے سب طائف میں آباد تھے اور بنو معاویہ سے بنو نصر، بنو جشم، بنو سلول، بنو مرہ، بنو عامر وغیرہ تھے، ان میں بھی شاخ در شاخ ہو کر صدہا بطون نکلے۔

قبائل کی تقسیم میں بعض خانوادوں کی کسی قدر تفصیل کر دی گئی ہے اور بعض میں صرف مورث اعلیٰ کی طرف تمام شاخوں کو منسوب کر دیا گیا ہے اور شاخ در شاخ کی تفصیل نہیں کی گئی ہے اور نہ درمیانی واسطوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

عدنان کی حکومتیں...... بنی عدنان نجد، حجاز اور تہامہ میں آباد تھے اور ابتداً سب بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے، جہاں شاداب مرغزار اور پانی کے چشمے ملتے، وہیں خیمہ زن ہو جاتے۔ اونٹ اور بکریوں کے گلے ان کا ذریعہ معاش تھے، ایک عرصہ تک اسی حالت میں رہے، مگر عدنان کی چوتھی پشت کے بعد اس کی اولاد میں اس قدر کثرت ہوئی کہ قدیم اقامت گاہیں ان کے لئے کافی نہ ہو سکیں، چنانچہ عدنان کی پانچوں شاخیں اپنے اپنے مستقر سے نکل کر تمام اطراف میں پھیل گئیں، ان میں سے ربیعہ، قضاعہ اور مضر نے بڑا دنیاوی اعزاز حاصل کیا، متعدد بڑی بڑی حکومتیں اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کیں، جو صدیوں تک بڑی شان و شوکت

سے چلتی رہیں، چنانچہ بنو قضاعہ کی حکومتیں حجاز سے لے کر شام اور عراق تک پھیلی ہوئی تھیں [۱] اور ان کے حکمران قبائل میں تنوخ، اور سلیم نے بڑا جاہ وجلال حاصل کیا اور دونوں یکے بعد دیگرے شام کے تخت حکومت پر بیٹھے [۲] شام کی سلطنت کے علاوہ تبوک اور دومۃ الجندل میں بھی ان کی ریاستیں تھیں۔ [۳] بنو قضاعہ کی طرح اگرچہ ربیعہ کی کوئی باقاعدہ سلطنت نہ تھی، تاہم ان کی سیادت اوران کا اقتدار تمام قبائل میں مسلم تھا، چنانچہ یہ اظہار سیادت اور تفوق کے لئے اپنا ایک شعار مخصوص کر لیتے تھے، جو تمام قبائل کے لئے واجب التسلیم ہوتا تھا اور کوئی قبیلہ اس کی مخالفت کی جرات نہیں کرسکتا تھا۔ حتیٰ کہ اس کی ادنیٰ مخالفت ہی، اعلان جنگ تصور کی جاتی تھی۔ [۴] آل مضر میں بکر وتغلب کی ریاستیں حجاز میں تھیں اور بنو عامر کی حکومت عراق میں تھی۔ [۵] ان کے علاوہ نجد میں کندہ نے بڑی شاندار حکومت قائم کی اگرچہ علمائے انساب کندہ کو حمیر کی شاخ بتاتے ہیں، اگر قیاسات وقرائن کی رو سے نسباً وہ عدنانی ہیں، اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ مشہور شاعر امراء القیس کندہ کا آخری شہزادہ فصیح عدنانی زبان شاعری کرتا تھا اور اس کے کلام میں حمیری زبان کی جھلک تک نہ تھی، اس لسانی استدلال کے علاوہ وہ خود عدنانی ہونے کا مدعی تھا، چنانچہ اپنے باپ کے مرثیہ میں کہتا ہے۔ [۶]

حمیر معد حسبا و نائلا

وجرهم قد علمو شمائلا [۶]

دوسرے موقعہ پر اپنی مدح میں کہتا ہے۔

وانا الذی عرفت معد فضله

اس کے برخلاف حمیر کا بھی متعدد اشعار میں ذکر کیا ہے، مگر کہیں ہم نسبی کا دعویٰ نہیں کیا۔

عدنان کی تجارت....... اگرچہ قریش کے علاوہ تمام عدنانی بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے، تاہم عام عربوں کی طرح ان کا مخصوص پیشہ تجارت تھا، مقامی خرید وفروخت کے علاوہ ملکوں ملکوں پھر کر بھی بیوپار (تجارت) کرتے تھے، چنانچہ بخت نصر کے مشہور حملہ کے وقت جس میں عدنان کام آیا، عدنانی کاروان تجارت اس کے حدود سلطنت میں موجود تھے اور بخت نصر نے پہلے ان ہی کو گرفتار کرایا تھا۔ [۷]

آل عدنان کا مذہب....... دنیا کے سب سے بڑے موحد خلیل بت شکن نے دنیا کے سامنے ایک ایسا دین حنیف پیش کیا تھا، جو شرک وبدعات کی آمیزش سے یکسر پاک تھا اور خانہ کعبہ کی بنیاد توحید خالص پر رکھی تھی، تاکہ آستانوں پر جھکنے والی گردنیں صرف ایک خدائے قدوس

---

[۱] ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۲۴۹　[۲] ایضا　[۳] ایضا　[۴] ابن اثیر جلد ا صفحہ ۳۹۴
[۵] ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۳۰۰،　[۶] ارض القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۰۸　[۷] ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۲۲۸

کی عتبہ توحید پر ناصیہ سائی کریں،

واذبوانا لا براهيم مكان البيت ان لا تشرك بی شيئا وطهر بيتی للطائفين والقائمين والركع السجود، واذن فی الناس بالحج يا توک رجالا وعلی كل ضامرياتين من كل فج عميق. (حج ۲۲: ۲۶، ۲۷)

اور جب ہم نے خانہ کعبہ کے مقام میں ابراہیم کو ٹھکانا دیا، تو کہا کہ میرا شریک نہ ٹھہرانا اور میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں، نماز میں کھڑے ہونے والوں، رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک و صاف کرنا اور لوگوں میں حج کا اعلان کردے، وہ تیرے پاس پیادہ اور سفر سے دبلی ہو جانے والی سواریوں پر دور دراز راستہ سے آئیں گے۔

مگر چند ہی پشتوں کے بعد دین ابراہیم کے شفاف آئینہ میں شرک و بدعات کا زنگ لگ گیا، اور اس نسل میں عمرو بن لحی ایک شخص پیدا ہوا، جس نے مکہ میں بت پرستی رائج کی اور خانہ کعبہ میں متعدد بت لاکر نصب کئے۔[1] چونکہ خانہ کعبہ تمام عرب کا مذہبی مرکز تھا اور تمام اکناف عرب کے لوگ یہاں موسم حج میں جمع ہوتے تھے اور عمرو بن لحی نے بت بھی اسی قلب توحید میں نصب کئے تھے، اس لئے بہت جلد آل عدنان نے بت پرستی قبول کرلی اور چند ہی دنوں میں یہ وباء تمام عرب میں پھیل گئی، اس کی تفصیل آئندہ قریش کے حالات میں آئے گی، بت پرستی کے علاوہ عدنانیوں میں یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت کا اثر بھی جا بجا موجود تھا، چنانچہ قضاعہ اور ربیعہ میں نصرانیت کا اثر غالب تھا، بنی کنانہ میں یہودیت کے اثرات موجود تھے، تمیم میں مجوسیت کی جھلک پائی جاتی تھی، تمیم اور کنانہ دونوں میں کچھ لوگ ستارہ پرستی کی طرف مائل تھے۔[2] کچھ لوگ عقلی بلند پروازی کی آخری حد الحاد تک پرواز کرچکے تھے۔ ان ہی کے متعلق قرآن میں آیا ہے۔

وَقَالُوا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرِ. (جاثيه. ۳)

''اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے، بس یہی ہماری دنیاوی زندگی ہے اور ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو صرف زمانہ ہی مارتا ہے''۔

اگرچہ تمام مذکورہ مذاہب کا اثر آل عدنان میں پایا جاتا تھا، مگر خال خال ورنہ ان کا عام مذہب بگڑا ہوا دین ابراہیمی تھا۔

ایام عدنان...... آل عدنان میں صدہا خونریز جنگیں ہوئیں اور ادنیٰ ادنیٰ سی باتوں پر صدیوں تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا، اگر اسلام نے آکر ان میں اخوت اور مساوات کی بنیاد نہ رکھی

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۴۸　　[2] طبقات الامم اندلسی صفحہ ۴۳

ہوتی، تو عجب نہیں کہ یہ قوم صفحۂ ہستی سے نابود ہوتی، یہ لڑائیاں ایام عرب کے نام سے مشہور ہیں اور دو قسم کی ہیں، ایک وہ لڑائیں ہیں، جو آل عدنان اور دوسری نسل سے ہوئیں اور دوسری خود عدنان کی خانہ جنگیاں ہیں۔

آلِ عدنان کی لڑائیاں دوسری نسل والوں کے ساتھ ...... عدنانیوں میں خانہ جنگیوں کے علاوہ دوسری متعدد جنگیں بھی ہوئیں، جن میں یوم بیضاء یوم خزار، یوم صفقہ، یا یوم مشقر، یوم کلاب ثانی، یوم ذی قار، زیادہ مشہور ہیں، یوم بیضاء بنومذحج یمنی اور بنومعد عدنانی کے درمیان ہوئی تھی جس میں یمن والوں نے بہت سخت ہزیمت اٹھائی تھی، جنگ خزار بھی بنومعد عدنانی اور یمنیوں کے درمیان ہوئی، اس میں بھی عدنانی غالب رہے، جنگ صفقہ یا مشقر فارس اور تمیم عدنانی میں ہوئی۔ اس میں اہل فارس نے تمیم کے بہت آدمی دھوکے سے قتل کر ڈالے، جنگ کلاب ثانی بنومذحج اور تمیم کے درمیان ہوئی، اس میں تمیم غالب رہے، یوم ذی قار عرب اور عجم کی عظیم الشان جنگ تھی، اس میں عجمیوں نے بہت بری طرح شکست کھائی، اسی جنگ کے متعلق عربوں میں یہ مثل مشہور ہے کہ **ھذا اول یوم انتصرت العرب علی العجم**۔ یعنی پہلا دن تھا جس میں عرب عجم پر غالب ہوئے [۱]

عدنان کی خانہ جنگیاں ...... عدنانی قبائل میں بے شمار خانہ جنگیاں ہوئیں، جن کا استقصا مشکل اور بے سود بھی ہے، اس لئے ہم صرف چند مشہور مشہور لڑائیوں کے مختصر تذکرہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

ایام بکر و تغلب ...... ایام عرب میں بکر و تغلب کی لڑائیاں بہت شہرت رکھتی ہیں، اس کی ابتداء ایک معمولی واقعہ سے ہوئی اور چالیس سال تک اس کا سلسلہ برابر قائم رہا، یہ لڑائیاں حرب بسوس کے نام سے بھی مشہور ہیں، اس میں پانچ لڑائیاں بہت زیادہ شہرت رکھتی ہیں اور یوم عنیزہ، یوم واردات، یوم حنو، یوم قصیبات، اور یوم قضہ پہلی میں طرفین برابر رہے، دوسری میں تغلب پر بنو بکر غالب رہے، تیسری میں بکر تغلب پر فتح یاب ہوئے، چوتھی میں بکر نے بڑی زبردست ہزیمت اٹھائی، اس کے علاوہ جنگ تقیع جنگ فصیل متعدد چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں [۲]

یوم عبس ذوبیان ...... عبس ذوبیان کی لڑائیاں داحس وغبراء کے نام سے مشہور ہیں، داحس اور غبراء دو گھوڑے تھے، ان ہی کا مقابلہ بنائے فساد ہوا اور اس سلسلہ میں متعدد لڑائیاں ہوئیں، جن میں یوم عراعر، یوم ہباءہ، یوم بوار، یوم جراجر، یوم غرق، وغیرہ زیادہ مشہور ہیں [۳]

ایام ربیعہ و مضر ...... بنوتمیم مضری اور بنوبکر ربیعی میں بہت لڑائیاں ہوئیں، مشہور لڑائیوں کے نام یہ ہیں، یوم نباج، یوم ذیتجل، یوم ذی طلوح، یوم جدود، یوم آباد، یوم غبیط، یوم شقیقہ، ان

---

[۱] ابن اثیر ایام عرب، [۲] ابن اثیر صفحہ ۳۸۴ تا ۳۹۷
[۳] تفصیل کے لئے دیکھو ابن اثیر صفحہ ۴۲۰ تا ۴۳۴

لڑائیوں میں بنو بکر بنو تمیم پر غالب رہے، یوم فلج، یوم وقیط، یوم زورین، یوم نعف، یوم مبایض، یوم شیطین، ان میں بنو بکر نے شکست کھائی اور بنو تمیم فتح یاب ہوئے، ان لڑائیوں کے علاوہ متعدد چھوٹی چھوٹی لڑائیاں، یوم ذی قار، یوم ساہوق، یوم اہباد، یوم لقیعہ وغیرہ ہوئیں۔ ۱

ایام بنو عامر ...... بنو عامر قیس عیلان کی شاخ ہوازن کا بہت مشہور قبیلہ تھا اور قبائل عرب میں ممتاز درجہ رکھتا تھا، مضری قبائل سے اس کی متعدد لڑائیاں ہوئیں،۔ جن میں مشہور لڑائیوں کے نام یہ ہیں، یوم شعب جبلہ، یوم ذی نجب یوم نسار، یوم جفار، یوم مروت یوم رقم، یوم شعب جبلہ اور ذی نجب، بنو عامر اور بنو تمیم میں ہوئی، پہلی میں عامر غالب رہے، دوسری میں تمیم ۲ یوم نسار اور جفار کا معرکہ بھی ان ہی دونوں میں ہوا۔ اس میں بنو عامر اگر چہ ثابت قدم رہے تاہم ان کا بہت نقصان ہوا۔ ۳ یوم مروت معمولی جھڑپ تھی، جنگ رقم بنو عامر اور غطفان میں ہوئی اور غطفان غالب رہے۔ ۴

دیگر ایام مشہورہ ...... یوم اباغ منذر بن ماء السماء تغلبی اور حارث غسانی کے درمیان ہوئی ۵۔ یوم کلاب اول ایام عرب میں بہت مشہور ہے، یہ باہم حارث کندی کی اولاد میں ہوئی، جس میں معد کے بھی متعدد قبائل شریک تھے، ۶ یوم رحرحان، اس جنگ میں بنو تمیم، بنو عامر، بنو عبس اور بنو ہوازن وغیرہ سب شریک تھے۔ ۷ یوم ادارۃ الاول بنو منذرین امرء القیس اور بنو بکر بن وائل میں ہوئی۔ ۸

دورِ سوم

قریش

مہاجرین کی اصل تاریخ فہر و قریش سے شروع ہوتی ہے، کیونکہ ان کی بڑی تعداد اسی کی نسل سے تھی، اس خاندان کا بانی فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ ہے۔ ''قریش'' فہر کے مورث اعلیٰ نضر کا خطاب تھا۔ مگر چونکہ اس کی نسل میں صرف فہر ہی سے سلسلہ پھیلا، اس لئے یہ خطاب بھی فہر کی طرف منتقل ہو گیا۔ اور بنو فہر سب کے سب قریش کہلانے لگے، بنو نضر تجارت پیشہ تھے اور ''تقرش'' تجارت کے معنوں میں آتا ہے، اس لئے بنو نضر کا نام قریش پڑ گیا۔ اس کے علاوہ

---

۱ ایام عرب ابن اثیر جلد ۱ ۲ ابن اثیر ج ۴۳۵، ۳ ایضاً صفحہ ۴۶۳، ۴ ایضاً صفحہ ۴۸۲
۵ ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۳۹۸ ۶ ایضاً صفحہ ۴۰۶، ۷ ایضاً صفحہ ۴۰۹ ۸ ایضاً صفحہ ۴۰۸

قریش ایک بڑی قسم کی مچھلی ہے۔ جو تمام دریائی جانوروں کو کھا جاتی ہے، لہٰذا قوت وغلبہ کے اظہار کے لئے اپنے کو قریش کہنے لگے۔[۱]

قبائل قریش اور انکے مشاہیر[۲]...... قریش کے عام حالات معلوم کرنے کے قبل ان کے قبائل کی تقسیم سمجھ لینی چاہئے قریش ایک خاندان کا نام نہیں ہے، بلکہ چھوٹے چھوٹے دس خانوادوں پر مشتمل ہے، جو سب کے سب فہر کی نسل سے نکلے، فہر کے تین لڑکے تھے، محارب، حارث، غالب، محارث اور حارث کی نسل زیادہ نہ پھیلی، تاہم بعض اکابر صحابہؓ اور نامورانِ اسلام اس سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ ضحاک بن قیس، ضرار بن خطاب کرز بن جابر وغیرہ بنو محارب تھے۔ عشرہ مبشر میں ابو عبیدہ بن جراحؓ، ان کے علاوہ عقبہ بن نافع، فاتح افریقہ بانی شہر قیروان اور عبدالملک بن قطبی والی اندلس وغیرہ بنو حارث سے تھے۔

البتہ غالب کی اولاد بہت پھلی پھولی، قریش کے دسوں خانوادے اس کی نسل سے تھے، بنو ہاشم، بنو امیہ، بنو نوفل، بنو عبدالدار، بنو اسد، بنو تیم، بنو مخزوم بنو عدی، بنو جمح، بنو سلیم۔

مشاہیر قریش...... بنو امیہ خاندان سلاطین بنو امیہ دمشق و اندلس، ابو سفیانؓ، امیر معاویہؓ، حضرت عثمانؓ، ام المومنین ام حبیبہؓ۔

بنو عدی: خاندان حضرت عمر بن خطاب، سعید بن زید، جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک تھے۔
بنو تیم: خاندان حضرت ابوبکر صدیق، حضرت طلحہؓ عمر بن عبداللہ بن جدعان وغیرہم،
بنی عبدالدار: حضرت عثمان بن طلحہؓ، مصعب بن عمیرؓ
بنی اسد: زبیر بن عوامؓ، ورقہ بن نوفل، ام المومنین حضرت خدیجہؓ وغیرہ۔
بنو مخزوم: خالد بن ولیدؓ، عیاش بن ربیعہ، ابو جہل، ابو سلمہ، ام المومنین ام سلمہؓ
بنو جمح: صفوان بن امیہ، ابو محذورہ، موذن نبی ﷺ عثمان بن مظعونؓ،
بنو سہم: عمرو بن العاصؓ فاتح مصر
بنو ہاشم: خاندان رسالت، عباسؓ، حمزہؓ، مطلب، حضرت علیؓ وغیرہ۔

قریش کے ان چند مشہور خانوادوں کے علاوہ کچھ اور چھوٹے گھرانے تھے، جن کو ان ہی کی شاخ سمجھنا چاہئے۔

بنو زہرہ: خاندان حضرت امیہ، وعبدالرحمٰن بن عوفؓ وسعد بن وقاصؓ،
بنو عبدالعزیٰ: خاندان ابوالعاص داماد رسول اکرم ﷺ
بنو جب: خاندان عبداللہ بن عامر والی عراق۔

---

[۱] ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۳۲۴، روض الانف جلد ۱ صفحہ ۷،
[۲] قبائل قریش کی تقسیم ابن خلدون جلد ۲، از صفحہ ۳۲۴ تا ۳۳۰ سے ماخوذ ہے

بنو امیہ اصغر...... قریش کے مذکورہ خانوادے طرز زندگی کے اعتبار سے دو قسم کے تھے، قریش الظواہر اور قریش البطائح، قریش ظواہر، قریش کے وہ قبائل کہلاتے تھے، جو عام بدویوں کی طرح خانہ بدوش زندگی بسر کرتے تھے۔

قریش البطائح وہ کہلاتے تھے جو مکہ میں آباد تھے اور متمدن زندگی بسر کرتے تھے، تفصیل یہ ہے:

بطائح	ظوار
بنو محارب بنو تیم الادرم بنو خزیمہ بن لوی بنو سعد بنو حارث	بنو قصی بن کلاب بنو کعب بن لوی

ایامِ قریش

عام عربوں کی طرح قریش بھی سخت جنگجو تھے، بات بات پر تلوار بن نکلی آتی تھیں۔ ادنی ادنی باتوں پر قتل و غارت کا ہنگامہ برپا ہو جاتا تھا، ان کی مشہور لڑائیوں میں سے بعض یہ ہیں۔

یوم فجار اول...... یہ لڑائی قریش کنانہ اور قیس عیلان کے درمیان ہوئی، اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ایک کنانی بنو نضر (قیس عیلان) کے قبیلہ کے ایک شخص کا قرض دار تھا، مگر تنگدستی کی وجہ سے اس کو ادا نہ کر سکتا تھا۔ نضری قرضخواہ ایک بندر کو بازار عکاظ میں لے کر آیا، اور کنانی کو ذلیل کرنے کے خیال سے کہا کہ اس بندر کو کنانی قرض دار کی رقم کے مساوی قیمت پر کون خریدتا ہے؟ اتفاق سے ایک کنانی ادھر سے گذر رہا تھا، اس نے سن لیا اور غصہ میں بندر پر ایسی تلوار لگائی کہ وہیں ٹھنڈا ہو کر رہ گیا، نضری شخص نے بنو قیس سے فریاد کی اور کنانی نے اپنے قبیلہ سے مدد مانگی، طرفین کے آدمی جمع ہوئے مگر جنگ کی نوبت نہیں آئی اور آپس میں صلح ہو گئی، یہ واقعہ متعدد صورتوں سے بیان کیا جاتا ہے، مگر نتیجہ سب کا صلح ہے[1]

یوم فجار ثانی...... حرب فجار عرب کی سب سے بڑی اور مشہور جنگ ہے، جو عام فیل کے بیس سال بعد ہوئی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ براض قبیلہ کنانہ کا ایک شخص تھا، اس کے قبیلہ والوں نے اس کو نکال دیا یہ اپنے قبیلہ سے نکل کر نعمان بن منذر کے یہاں آیا، نعمان بن منذر تجارت پیشہ تھا اور ہر سال کچھ نہ کچھ مال بازار عکاظ وغیرہ میں بغرض فروخت بھیجا کرتا تھا، عکاظ کے میلہ

[1] ابن اثیر ج ۱ ص ۴۳۹

کا زمانہ آیا، تو براض نعمان کے یہاں موجود تھا، اتفاق سے عروہ رحال بھی وہیں موجود تھا، یہ شخص سلاطین اور امراء کے درباروں میں بہت آیا جایا کرتا تھا، نعمان نے کہا میں کچھ سامان عکاظ بھیجنا چاہتا ہوں، تم میں سے کون شخص ذمہ داری لیتا ہے؟ عروہ اور براض دونوں نے اس خدمت کے لئے اپنے کو پیش کیا اور اس مسابقت میں سخت کلامی کی نوبت آگئی مگر چونکہ عروہ زیادہ تجربہ کار تھا، اس لئے نعمان نے یہ خدمت اسی کے سپرد کی، جب عروہ مال لے کر نکلا، تو براض بھی بدلہ لینے کے لئے اس کے پیچھے ہولیا اور موقعہ پاکر اس کو قتل کر کے سامان پر قبضہ کرلیا، جب عروہ کے قتل کی خبر مشہور ہوئی، تو قبیلہ قیس کے کچھ لوگ براض سے بدلہ لینے کو نکلے، مگر براض نے ان کو بھی دھوکے سے قتل کر دیا اور مکہ کی طرف روانہ ہوگیا اور امیہ بن حرب سے کہلا دیا کہ میں نے عروہ کو قتل کیا ہے، بنو قیس اس کا بدلہ ضرور لیں گے۔ اس لئے پہلے سے تیار رہنا چاہئے، امیہ کو یہ پیام عکاظ میں ملا، اس نے تمام روسائے قریش کو خبر کر دی اور پھر باہمی مشورہ سے عامر بن مالک سردار بنو قیس کے پاس ایک وفد مصالحت بھیجا، ابھی طرفین میں صلح کی گفت و شنید ہو ہی رہی تھی کہ قریش کے کچھ لوگوں کو یہ غلط خبر ملی کہ قریش اور بنو قیس میں جنگ ہوا چاہتی ہے، قریش یہ سن کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے، عامر بن مالک کو جب قریش کی روانگی کی خبر ہوئی تو سمجھا کہ قریش نے دھوکا دیا، اس لئے ایک جمعیت لے کر قریش کا تعاقب کیا، مکہ کے قریب مقابلہ ہوا، قریش کے پاؤں اکھڑنے ہی کو تھے کہ بڑھ کر حرم میں داخل ہوگئے اور بنو قیس واپس ہوگئے، مگر یہ کہتے ہوئے گئے کہ آئندہ سال عکاظ میں ہمارا تمہارا مقابلہ ہوگا، چنانچہ سال بھر میں دونوں نے پھر تیاری کی اور حسب وعدہ عکاظ میں سخت مقابلہ ہوا، ابتداً قریش پسپا ہو رہے تھے، لیکن ان کے عزم و ثبات نے جنگ کا رخ بدل دیا اور بنو قیس نے سخت ہزیمت اٹھائی آخر میں اس شرط پر صلح ہوگئی کہ طرفین کے مقتولین شمار کئے جائیں، جن کے زیادہ ہوں، بقدر زیادتی دوسرا اس کی دیت ادا کرے، اس جنگ میں آنحضرت ﷺ بھی شریک تھے اور آپ کا سن مبارک بیس سال کا تھا۔[1]

واقعہ فیل...... اصحاب فیل کا واقعہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے چالیس سال قبل ہوا، اس موقعہ پر بھی بڑی ہولناک جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ یمن کے عیسائی حبشی بادشاہ ابرہہ اشرم نے یمن میں ایک عظیم الشان کنیسہ تیار کرایا اور نجاشی اور قیصر روم کو لکھا کہ میں نے ایک بے مثل کنیسہ تعمیر کرایا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ خانہ کعبہ کے حجاج کو اس طرف پھیرلوں، عربوں نے سنا تو بہت برافروختہ ہوئے اور اسی حالت غضب میں ایک کنانی نے کنیسہ میں نجاست ڈال دی، ابرہہ کو اس حرکت کی خبر ہوئی، تو اس کے بدلہ میں خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لئے چلا، مکہ کے پاس پہنچ کر لوٹ مار شروع کر دی، قریش اور کنانہ کو معلوم ہوا تو مقابلہ کا ارادہ کیا،[2] مگر پھر مشورہ سے طے ہوا کہ چند قریش ابرہہ کی ٹڈی دل فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اس

[1] ابن اثیر جلد ۱ ص ۳۴۰، ۳۴۴ [2] سیرۃ ہشام ص ۳۰، ۳۵

لئے خاموش ہو رہے، مکہ کے سردار اس وقت عبدالمطلب تھے، اس لئے ابرہہ نے ان کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم صرف خانہ کعبہ کو ڈھانے کے ارادہ سے آئے ہیں، اگر تم اس میں کسی قسم کا تعرض نہ کرو، تو خواہ مخواہ ہم کو تم سے لڑنے کی ضرورت نہیں ہے، عبدالمطلب خود گئے اور جا کر کہا کہ ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ تمہارا مقابلہ کرسکیں، خدا خود اپنے گھر کا محافظ ہے، اگر اس کو اپنی حرمت کا پاس ہوگا، تو خود ہی بچالے گا، چنانچہ اس گفتگو کے بعد عبدالمطلب واپس آئے اور قریش کو محفوظ مقامات میں بھیج دیا اور خود مع چند قریش کے خانہ کعبہ کی زنجیر پکڑ کر نہایت رقت انگیز دعائیں مانگیں اور چلے گئے جب ابرہہ نے حملہ کیا، تو خدا نے اپنے گھر کو اس کے شر سے بچالیا[1] اور اس کی فوج پر آفت آئی، سپاہیوں میں چیچک کی بیماری پھیلی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر پرندوں کا جھنڈ بھیجا۔

ایک جنگ...... قریش، کنانہ، خزاعہ اور قضاعہ میں تولیت حرم کے بارہ میں دو لڑائیاں ہوئیں، تفصیل یہ ہے کہ قصی جب مکہ میں آیا، تو حرم کے متولی بنوصوفہ تھے، قصی چند کنانی اور قضاعی اشخاص کے ساتھ عقبہ گیا اور بنوصوفہ سے کہا کہ تولیت حرم کے ہم تم سے زیادہ حقدار ہیں، مگر انھوں نے انکار کر دیا، جس پر طرفین میں جنگ ہوئی اور بنوصوفہ نے شکست کھائی، بنوخزاعہ نے جب یہ دیکھا، تو ان کو یقین ہو گیا کہ قصی عنقریب صوفہ کی طرح ان کے اختیارات بھی سلب کر کے ان کو حرم سے الگ کر دے گا۔ اس لئے بنوبکر کو لے کر قصی سے علیحدہ ہو گئے اور چاہا کہ لڑ کر قصی کو الگ کر دیں، قریش کے معاون قضاعہ اور کنانہ تھے، غرضیکہ دونوں میں سخت جنگ ہوئی، فریقین کے ہزاروں آدمی کام آئے، جب دونوں خوب لڑ کر تھک گئے، تو معمر بن عوف کنانی کو حکم بنایا اس نے فیصلہ کیا کہ متولی قصی کو تسلیم کیا جائے اور اپنے مقتولین کا معاوضہ نہ لے اور بنوبکر و خزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کرے، اس پر طرفین راضی ہو گئے۔[2]

یوم ذات نکیف...... چونکہ قصی بنوبکر کو خانہ کعبہ کی تولیت سے بے دخل کر کے خود متولی ہو گیا تھا، اس لئے قبیلہ بنوبکر میں قریش کے خلاف ہمیشہ رشک و رقابت کی آگ سلگتی رہی، مگر کوئی موقعہ نہ ملا آخرکار عبدالمطلب کے زمانہ میں دفعتاً یہ آگ بھڑک گئی، چنانچہ انھوں نے ارادہ کر لیا کہ کسی نہ کسی طرح لڑ بھڑ کر قریش کو حرم سے نکال دیں اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں، ادھر قریش بھی مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے، عبدالمطلب نے بنوہون، بنوحارث، اور بنومصطلق کو جمع کر لیا اور ذات نکیف میں دونوں کا مقابلہ ہوا، بنوبکر بری طرح مغلوب ہوئے اور ان کے بہت سے آدمی مارے گئے۔[3]

خانہ کعبہ کی مرمت...... خانہ کعبہ کی مرمت کے موقعہ پر بھی ایک خونریز جنگ ہوتے

---

[1] سیرۃ ابن ہشام، ص ۳۰ تا ۳۵ [2] طبری ۱۰۹۶ تا ۱۰۹۷ [3] ابن اثیر جلد ا ص ۴۳۸

ہوتے رہ گئی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ خانہ کعبہ کی عمارت امتداد زمانہ سے بہت کمزور ہوگئی تھی، دیواریں پست تھیں، چھت گر گئی تھی، اس لئے قریش نے اس کو منہدم کر کے ازسر نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا اور اس قدر اہتمام کیا تھا کہ ناجائز مال سے ایک حبہ بھی نہیں لگایا، جب دیواریں اس قدر بلند ہوگئیں کہ حجر اسود نصب کیا جائے تو قبائل قریش میں سخت اختلاف ہوا کہ اس کا شرف کس کو حاصل ہو، یہ اختلاف اس حد تک بڑھ گیا کہ بنو عبد دار اور بنو عدی نے موت کا حلف لے لیا، چار دن اسی کشمکش میں گذر گئے، آخر میں یہ طے پایا کہ صبح سویرے جو شخص سب سے پہلے مسجد میں داخل ہو، وہ حکم مانا جائے۔ حسن اتفاق سے دوسرے دن سب سے پہلے آنحضرت ﷺ داخل ہوئے، سب نے باتفاق آپ کو حکم مان لیا، ابھی تک آنحضرت ﷺ اس سے بے خبر تھے، آپ کو اطلاع دی گئی، تو آپ نے رفع شر کی بہترین صورت یہ نکالی کہ ایک چادر پھیلا کر حجر اسود کو اس میں رکھ دیا اور فرمایا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک شخص چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ کر اٹھائے، غرضیکہ اس عاقلانہ تدبیر سے یہ فتنۂ عظیم رک گیا۔[1]

قریش کی سیاسی خود مختاری

مکہ چونکہ حجاز میں تھا، اس لئے وہ عرب کے دوسرے صوبوں کی بہ نسبت زیادہ سیاسی اہمیت رکھتا تھا اور اہمیت کی وجہ سے قدرۃً آس پاس کے حکمرانوں کی نظریں اس طرف اٹھتی تھیں، چنانچہ عجمی سلطنتوں میں روم اور ایران نے اور عربوں میں حمیری اور حبشی حکومتوں نے بارہا حجاز کو لینا چاہا، مگر ہمیشہ ناکام رہیں، یہاں تک کہ بعض محققین نے مکہ کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ مکہ تبک سے مشتق ہے، جس کے معنی میں نخوت اور غرور توڑنا اور سرکشوں کی گردن جھکانا چونکہ مکہ کی تسخیر میں بڑے بڑے جابرہ کی گردنیں جھک جاتی تھیں، اس لئے اس کو مکہ کہنے لگے۔[2] بہر حال مکہ اغیار کی دست برد سے ہمیشہ بچتا رہا، حتیٰ کہ وہاں خود عربوں کی حکومت بھی نہ قائم ہوسکی، اسی آزادی کا یہ نتیجہ تھا، کہ مکہ کے آس پاس بسنے والے قبائل میں کوئی باقاعدہ نظام حکومت قائم نہ تھا، بلکہ عام غیر متمدن اقوام کی طرح ایک سردار کی ماتحتی میں زندگی بسر کرتے تھے، خاص مکہ میں جہاں بہت کچھ تمدن موجود تھا، کوئی نظام اجتماعی نہ تھا، البتہ ان کا ایک مشترکہ مرکز خانہ کعبہ تھا، جس کے گرد قبائل جمع ہوسکتے تھے، چنانچہ آئندہ چل کر ان منتشر قبائل نے جو کچھ بھی حکومت کی شکل اختیار کی، اس کا دارومدار اسی خانہ کعبہ پر تھا، قبائل کے آزاد پسند طبائع اگرچہ کسی کے تابع فرمان ہونا عار سمجھتے تھے، تاہم متولی کعبہ کا وقار ان کی نگاہوں میں بحیثیت مذہبی پیشوا کے ضرور تھا۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام،
[2] معجم البلدان جلد ۸ ص ۱۳۳

قصی کا ظہور اور قریش کا اجتماع...... وحشت اور تمدن کی یہی طبعی عمر ہوتی ہے جس کو ختم کر کے تمدن تباہ ہوتا ہے اور وحشت تمدن کی شکل اختیار کرتی ہے، چنانچہ قریش کی بداوت کا دور ختم ہوا اور تمدن کی بنیاد پڑی، اگر چہ شہر مکہ کے قریش ضرور کچھ متمدن تھے، لیکن عام طور پر ان میں بدویت ہی کا دور تھا، لیکن فہر کی پانچویں پشت میں کلاب بن مرہ کی پشت میں قصی نامی ایک مدبر پیدا ہوا جس نے قریش کی کایا پلٹ دی، قصی ابھی بچہ ہی تھا، کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، ماں نے قبیلہ بنی عذرہ میں شادی کر لی، قصی کی بھی نشوونما وہیں ہوئی، جوان ہوا، تو غیور طبیعت نے اجنبیوں میں رہنا گوارا نہ کیا، ماں کی زبانی اپنی خاندانی وجاہت وعظمت کا حال معلوم کر کے فوراً مکہ کا رخ کیا، دادھیال والوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا، اس وقت حرم کی ولایت حلیل بن حبشہ خزاعی کے ہاتھ میں تھی، قصی نے حلیل کی لڑکی سے شادی کر لی، جب حلیل مر گیا، تو قصی کو خیال ہوا کہ قریش کے ہوتے ہوئے بنو خزاعہ کو ولایت حرم کا کیا حق ہے، چنانچہ اس نے قریش و کنانہ کو آمادہ کر کے بنو خزاعہ کو لڑ کر حرم سے نکال دیا، چونکہ قصی سے زیادہ خدمت حرم کا اہل و مستحق کوئی دوسرا نہ تھا، اس لئے یہ معزز عہدہ اسی کے سپرد ہوا، اس سے فراغت کے بعد قصی نے دیکھا کہ قریش کے تمام قبائل منتشر ہیں، کوئی پہاڑوں پر بسا ہے، کوئی خانہ بدوش ہے، نہ ان میں کوئی نظام ہے اور نہ اصول جس سے ان کی قوت بالکل ٹوٹی ہوئی ہے، چنانچہ اس نے سب کو پہاڑوں اور صحراؤں سے اکٹھا کر کے، ایک جگہ آباد کیا، اس لئے اس کو مجمع بھی کہتے ہیں، اب اس اجتماعی زندگی کے لئے ایک ایسی طاقت کی ضرورت تھی، جو اس کو منتظم صورت میں قائم رکھ سکے، اسی لئے قصی نے ایک چھوٹی سی جمہوری حکومت قائم کی، جو باہمی مشورہ سے چلتی تھی، اس دن سے قریش کی تاریخ کا نیا دور شروع ہوا اور یہ پہلا دن تھا، جب کہ قریش کو حجاز میں سیاسی اہمیت حاصل ہوئی، تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ قصی پہلا شخص ہے، جس کی اطاعت تمام قبائل قریش نے قبول کی اور وہ خود اس سرزمین کا بادشاہ ہوا۔

قریش کا تمدن

حکومت کی بنیاد ڈالنے کے بعد سب سے پہلا اور اہم کام یہ تھا کہ فوجی اور عدالتی نظام کو علیحدہ علیحدہ منظم صورت میں قائم کیا جائے، چنانچہ فوجی، عدالتی اور مذہبی نظام علیحدہ علیحدہ قائم کئے گئے اور جمہوریت کے اصول کو ہر شعبہ حکومت میں ملحوظ رکھا گیا، چنانچہ تمام شعبوں میں ہر قبیلہ کے اشخاص لئے گئے، ان میں بعض بعض عہدے بہت قدیم تھے، لیکن قصی نے تمام صیغوں کو ترقی دے کر بہت سے نئے عہدے بھی اضافہ کئے، ان صیغوں اور عہدوں کی تقسیم حسب ذیل تھی۔

نظام عسکری:۔

قریش نے چار فوجی عہدے قائم کئے تھے، عقاب، قبہ، اعنہ، سفارہ،

نام عہدہ	توضیح	نام قبیلہ
عقاب	نشان قومی کی علمداری	بنو امیہ
قبہ	فوجی کیمپ کا انتظام اور اس کی دیکھ بھال	بنو مخزوم
اعنۃ	فوج کی سپہ سالاری	بنو مخزوم
سفارت	قبائل اور حکومت کے درمیان مراسلت کرنا	بنو عدی

عدالتی نظام:۔

اس کے دو شعبے تھے، حکومت و اشناق

نام عہدہ	توضیح	نام قبیلہ
حکومت	مقدمات کی سماعت اور ان کا فیصلہ	بنو سہم
اشناق	جرمانہ خونبہا اور مالی تاوان کی نگرانی	بنو تیم

نظام مذہبی...... قریش چونکہ خانہ کعبہ کے متولی تھے، جہاں حج کے موقعہ پر ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا اجتماع ہوتا تھا۔ اس پر بڑی بڑی جائیدادیں وقف تھیں۔ لاکھوں روپیہ نقد اور جنس کی صورت میں جمع ہوتا تھا۔ اس بنا پر اس کے لئے نہایت وسیع انتظام کی ضرورت تھی، چنانچہ قریش نے اس کا انتظام بہت وسیع پیمانہ پر کیا تھا اور اس سے زیادہ مکمل ان کا کوئی انتظام نہ تھا، اس لئے چھ عہدے تھے، سقایہ، عمارہ، رفادہ، سدانہ، ایسار، موال، حجرہ، سقایہ اور رفادہ حجاج کے متعلق تھے اور باقی خاص خانہ کعبہ کے متعلق۔

سقایہ: یعنی حج کے موسم میں لاکھوں انسانوں کو پانی پلانا، یہ اہم ذمہ داری بنوہاشم کے سپرد تھی۔

رفادہ: یعنی حجاج کے خورد و نوش کا انتظام، نادار حجاج کی مالی امداد اور ان کے کھانے پینے کی خبر گیری، اس کار خیر کی بنیاد قصی نے ڈالی تھی، ایک دن اس نے تمام قریش کو جمع کر کے تقریر کی کہ برادران قریش حجاج بیت اللہ معلوم نہیں کتنی مصیبتیں اٹھا کر بڑی بڑی مسافتیں طے کر کے محض زیارت بیت اللہ کے خاطر آتے ہیں اور خدا کے مہمان ہوتے ہیں اور تم اپنے آپ کو ''جیر اللہ خدا کے پڑوسی کہتے ہو''، کیا تمہارا اس قدر بھی فرض نہیں کہ تم ان کی خاطر و مدارات کرو، مفلسوں کو کھانا کھلاؤ، ناداروں کی مالی امداد کرو اور ہر طرح ان کی آسائش کا سامان بہم پہنچاؤ[1]۔

---

[1] طبری ص ۱۰۹۶

اس تقریر کا قریش پر بہت اثر ہوا اور ہر شخص نے ایک سالانہ رقم مقرر کر دی جو حجاج پر صرف ہوتی تھی۔[1] اس کا انتظام بنو نوفل کے سپرد تھا۔

عمارہ۔ چونکہ قریش کی ساری عظمت خانہ کعبہ سے تھی، اس لئے ان کو اس کی نگرانی اور دیکھ بھال میں خاص اہتمام تھا اور اس کے لئے علیحدہ علیحدہ عمارہ قائم کیا تھا، جس کے منتظم بنو ہاشم تھے۔

سدانہ: خانہ کعبہ کی کلید برداری یا دربانی، چونکہ خانہ کعبہ ایک حجرے کی شکل کا تھا اور اس میں بیش قیمت سامان بھی رہتا تھا۔ اس لئے عموماً بند رہا کرتا تھا، صرف ضرورت کے اوقات میں کھولا جاتا تھا، اس دربانی کا شرف بنو عبدار کو حاصل تھا۔

ایسار: خانہ کعبہ میں کچھ تیر رکھے ہوئے تھے، جن سے ضرورت کے وقت استخارہ کیا جاتا تھا، اس استخارہ کی خدمت بنو جمح کے سپرد تھی۔

اموال محجرہ...... حجاج و زائرین کعبہ بتوں پر بڑے بڑے چڑھاوے چڑھایا کرتے اور جائیدادیں وقف کرتے تھے، اس لئے اوقاف و محاصل کے انتظام کے لئے مخصوص ایک عہدہ قائم تھا۔ جس کو اموال محجرہ کہتے تھے اس کی نگرانی بنو سہم کے متعلق تھی۔

ندوہ...... دارالندوہ ایک عمارت تھی، جس کو قصی نے خانہ کعبہ کے بالمقابل تعمیر کیا تھا، اس میں اہم کاموں کے وقت قریش جمع ہو کر مشورہ وغیرہ کرتے تھے، بلکہ بہت سی تقریبات بھی یہیں انجام پذیر ہوتی تھیں۔

مشورہ...... اگرچہ قریش کے تمام کام پبلک کے مشورہ سے انجام پاتے تھے، تاہم بنو اسد کا قبیلہ مشورہ کے لئے مخصوص تھا، بغیر ان سے مشورہ کئے ہوئے کوئی کام نہیں انجام پاتا تھا۔

حلف فضول...... عام نظام عدالت کے علاوہ قریش نے انسداد مظالم کے لئے ایک خاص انجمن قائم کر رکھی تھی جس کا محرک ایک واقعہ تھا، وہ یہ کہ بنو زبید کا ایک شخص مکہ میں کچھ مال بغرض فروخت لایا، جس کو عاص ابن وائل نے خرید لیا۔ مگر اس کی قیمت نہیں ادا کی، وہ بے چارہ قبائل قریش میں فریاد لے کر گیا، مگر عاص ابن وائل کی وجاہت سے اس کی فریاد رسی کی کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی، ایک صبح کو جب قریش خانہ کعبہ کے گرد جمع تھے، تو اس تاجر نے چند دردناک اشعار پڑھ کر اپنی بے کسی ظاہر کی زبیر بن عبدالمطلب پر اس کا بہت اثر ہوا اور اس نے بنو ہاشم، بنو زہرہ، بنو تیم بن مرہ کو عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع کیا اور سبھوں نے حلف لے کر عہد کیا کہ جب تک بحر صوفہ میں پانی رواں رہے گا اور جب تک حراء اور ثبیر[2] اپنی جگہ پر قائم رہیں گے، اس وقت تک ہم سب مظلوم کی اعانت کرنا اپنا فرض سمجھیں گے، جب تک کہ ظالم سے مظلوم کا بدلہ نہ لے لیں۔

---

[1] ایضاً [2] حراؤ ثبیر پہاڑ کے نام ہیں [3] روض الانف جلد ا ص ۹۱

اس حلف کی بنیاد ایسے پاکیزہ مقاصد کے لئے رکھی گئی تھی کہ آنحضرت ﷺ نے [۱] فرمایا کہ شهدت فی دار عبدالله بن جدعان حلفا لو دعیت به فی الاسلام لاجبت

"یعنی عبداللہ بن جدعان کے گھر میں، میں ایسے حلف میں شریک ہوا کہ اگر اس کی شرکت کی دعوت مجھ کو زمانہ اسلام میں بھی دی جائے تو قبول کرلوں"۔

قریش کا مذہب...... قریش کا مذہب اگرچہ مذہب ابراہیمی تھا، لیکن اصنام پرستی ان میں اس قدر چھا گئی تھی کہ دین حنیف کے تمام خط و خال بالکل دھندلے ہو کر رہ گئے تھے اور ان کا پہچاننا مشکل تھا، مکہ کی پاک اور مقدس سرزمین میں بت پرستی کا سب سے پہلا بانی عمرو بن لحی ہے یہ ایک مرتبہ کسی ضرورت سے شام گیا، وہاں ایک شہر میں لوگوں کو بت پوجتے دیکھا، تو پوچھا کہ ان کو کیوں پوجتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ یہ ہمارے معبود میں ہم ان کی پرستش کرتے ہیں، اس کے صلہ میں یہ پانی برساتے ہیں اور ہر قسم کی امداد کرتے ہیں، عمرو بن لحی نے کہا، لاؤ ہم کو بھی دو ہم اپنے یہاں لے جا کر ان کی پرستش کریں گے، لوگوں نے ہبل نامی بت اس کو دے دیا، جس کو لاکر اس نے مکہ میں نصب کیا، اور لوگوں کو اس کی پرستش کی ترغیب دینا شروع کردی۔[۱] اس بڑے بت کے علاوہ عمرو بن لحی نے چند چھوٹے چھوٹے بت بھی خانہ کعبہ کے گرد نصب کر دیئے اور مناۃ کو مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام قدید پر لب ساحل نصب کیا تھا۔[۲] غرضیکہ یہ وبا عمرو بن لحی نے عام عرب میں پھیلائی، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا ہے۔ یجر قصبه فی النار۔[۳] یعنی اس کی آنتیں آگ میں گھسیٹی جاتی ہیں، قریش بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے اور ان کا بھی عام مذہب یہی بت پرستی تھا، وہ متعدد بتوں کی پوجا کرتے تھے، جن میں بعض تو قریش کے مخصوص بت تھے اور بعض قریش اور دیگر قبائل میں مشترک تھے، چنانچہ اساف و نائلہ چاہ زمزم کے پاس نصب تھے اور قریش کے مخصوص بت تھے اور وہ ان کے پاس قربانی کیا کرتے تھے، ان دونوں بتوں کے متعلق قریش کا یہ اعتقاد تھا کہ یہ قبیلہ بنو جرہم کے مرد و عورت تھے، لیکن بعض گناہوں کے باعث پتھر کے ہو گئے۔[۴]

لات...... بنو ثقیف کا بت تھا، مگر قریش اور کنانہ بھی اس کی پوجا کرتے تھے۔[۵] اس کی تاریخ یہ ہے کہ لات مکہ میں ایک پتھر تھا، جس پر حجاج کے لئے ستو گوندھا جاتا تھا، اور اسی نام کا ایک شخص بھی بنی ثقیف میں تھا، وہ مر گیا، تو لوگوں نے کہا کہ وہ مرا نہیں، بلکہ اپنے ہم نام پتھر میں گھس گیا ہے، اس وہم سے اس کی پرستش بھی شروع ہوگئی۔

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۷۴ مطبوعہ مصر [۲] معجم البلدان جلد ۸ ص ۱۶۷
[۳] روض الانف جلد ۱ ص ۶۱ مطبوعہ مصر [۴] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۴۹ مطبوعہ مصر
[۵] معجم البلدان ص ۳۴۲

عزیٰ......بنو غطفان کا بت تھا، مگر قریش بھی اس کی پرستش کرتے تھے اور تبرکاً اسی کے نام پر نام رکھتے تھے، چنانچہ عبدالعزیٰ قریش کا مشہور نام ہے، یہ بت بنی غطفان کے باغ میں نصب تھا، قریش برابر وہاں تحائف لے جاتے تھے اور قربانیاں کرتے تھے۔[۱]

مناۃ......بنو خزاعہ اور ہذیل کا بت تھا، مگر قریش لات اور عزیٰ کی طرح اس کی بھی پرستش کرتے تھے چنانچہ طواف کرتے وقت کہا کرتے تھے۔ والات والعزی ومناۃ الثالثۃ الاخری فالھن الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترجی۔ ان تینوں بتوں کو قریش خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور ان کا اعتقاد تھا کہ قیامت کے دن یہ ان کی سفارش کریں گے۔[۲] اس اعتقاد کی تردید قرآن پاک میں ان الفاظ میں آئی ہے۔

افرئیتم اللّٰت والعزی، ومنواۃ الثالثۃ الاخرئ الکم الذکر ولہ الانثی، تلک اذا قسمۃ ضیزی، ان ھی الآسماء سمیتمو ھا انتم وآباء کم ما انزل اللہ بھامن سلطن۔

کیا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسرے بت مناۃ پر نظر کی کیا تمہارے لئے بیٹے اور خدا کے لئے بیٹیاں ہیں، اگر ایسا ہے تو بڑی غیر منصفانہ تقسیم ہے، یہ تو نام ہی نام ہیں، جن کو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے رکھ لیا ہے، خدا نے ان کے معبود ہونے کی کوئی سند نہیں اتاری۔

ہبل......قریش کا یہ بت خانہ کعبہ کے عین وسط میں نصب تھا اور قریش کے تمام بتوں میں سب سے زیادہ معزز مانا جاتا تھا، یہ سب سنگ سرخ کا انسانی مجسمہ تھا، اس پر انسانی قربانیاں بھی چڑھائی جاتی تھیں، چنانچہ عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ وہ جس وقت اپنے دس بیٹوں کو جوان دیکھیں گے، تو ایک کو بیٹے ہبل پر نذر چڑھائیں گے۔[۳] لڑائیوں میں ہبل کی جے پکارتے تھے، جنگ احد کے موقعہ پر جب مسلمانوں کو پسپائی ہوئی اور دشمنوں نے مشہور کر دیا کہ خدانخواستہ آنحضرت ﷺ شہید ہو گئے، تو ابوسفیان نے خوشی و مسرت میں اس کی جے کا نعرہ لگایا۔[۴] خانہ کعبہ کے بتوں کی تعداد تین سو ساٹھ تھی، جن میں حضرت اسماعیل اور حضرت ابراہیم کی مورتیں بھی شامل تھیں۔[۵] ہبل کے سامنے سات تیر رکھے ہوئے تھے جن سے شادی اور غمی وغیرہ کے موقعہ پر قریش استخارہ کیا کرتے تھے، اگر راست آتا تو وہ کام کرتے ورنہ نہ کرتے۔[۶]

بدعات حج......اگرچہ قریش مذہب ابراہیمی کے پیرو تھے، مگر امتداد زمانہ سے اس میں اس قدر تغیر و تبدیل ہو گیا تھا کہ مذہب کی اصل صورت مسخ ہو کر رہ گئی تھی چونکہ حضرت ابراہیم بیت اللہ کے بانی تھے، اس لئے حج ان کی تعلیمات میں راس العبادات تھا، قریش بلکہ پورا عرب اس

---

[۱] معجم البلدان جلد ۶ ص ۱۶۰ [۲] معجم البلدان جلد ۶ ص ۲۱۶ [۳] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱
[۴] بخاری جلد ۲ کتاب المغازی باب غزوہ احد [۵] بخاری جلد ۱ ص ۲۱۸ [۶] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۸۳

فریضہ کو ادا کرتا تھا، مگر اس کے ارکان اور طریقہ ادا میں طرح طرح کی بدعات رائج کر دی تھیں، اشہر حرام یعنی رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم کو ضرورت کے وقت بدل دیتے تھے، یعنی محرم کا نام بدل کر صفر رکھ دیتے اور اس میں تمام وہ باتیں جائز سمجھتے، جو غیر اشہر حرام میں جائز ہیں، حج کے مہینے میں عمرہ کرنا گناہ سمجھتے تھے۔[۱] خاموش حج کرتے، یعنی دوران حج میں منہ سے نہ بولتے، ایک شخص دوسرے شخص کو لگام لگا کر گھسیٹتا ہوا طواف کراتا۔[۲] قریش اپنے کو عام حجاج سے ممتاز رکھنے کے لئے بجائے عرفات کے مزدلفہ میں ٹھہرتے۔[۳] اسی پر آیت نازل ہوئی۔

ثم افیضوا من حیث افاض الناس. (سورۂ بقرہ)

آفتاب نکلنے کے بعد افاضہ کرتے تھے۔[۴] حجاج بغیر متولی کی اجازت اور اس کی ابتدا کے رمی جمار نہیں کر سکتے تھے رمی جمار کے بعد بغیر متولی کے واپس ہوئے لوٹ نہیں سکتے تھے۔[۵] طواف کے وقت واللات والعزی ومناۃ الثالثۃ الاخری فانھن الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترجی۔ پڑھتے تھے۔[۶] تلبیہ میں خدا کے نام کے ساتھ ساتھ بتوں کو بھی داخل کر لیتے تھے۔[۷] قرآن مجید کی اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے ومایومن اکثرھم باللہ الاوھم مشرکون۔ ان کے اکثر لوگ خدا پر ایمان بھی لاتے ہیں، تو اس میں دوسروں کو بھی شریک کر لیتے ہیں۔

قریش میں تنہا اصنام پرستی یا بدعات حج ہی نہیں رائج تھیں، بلکہ تمام وہ اخلاق ذمیمہ جن میں سارا عرب مبتلا تھا، مثلاً: شراب خواری، قمار بازی، دختر کشی، اعیاشی، اوہام پرستی وغیرہ وغیرہ ان سے قریش بھی مستثنیٰ نہ تھے، بلکہ علی الاعلان نہایت فخر و مباہات سے یہ کام کرتے تھے۔ سوتیلی ماں لڑکے کو بطور وراثت ملتی تھی غرض کہ اس قبیل کی صدہا لغویتیں ان میں رائج تھیں، تاہم ان برائیوں کے ساتھ ساتھ ان میں بہت سی خوبیاں تھیں، مظلوموں کی دادرسی ان کا خاص شعار تھا، حلف الفضول کا ذکر اوپر آچکا ہے، جس سے قریش کے اس شریفانہ جذبہ کا بخوبی اندازہ ہوا ہوگا، مہمان نوازی تو ان کی ضرب المثل تھی، موسم حج میں ہزاروں حجاج کی ضیافت کرتے تھے، ناداروں کے ساتھ نقدی سلوک بھی کرتے تھے اور اس سعادت میں قریش کا ہر فرد برابر کا حصہ لیتا تھا۔[۸] حجاج کے پاس کپڑا نہ ہوتا، تو دیتے۔[۹] یہ خاطر تواضع کچھ حجاج کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ عام مہمانوں کے لئے بھی قریش کا دستر خوان اسی طرح وسیع تھا، ایفائے عہد میں خواہ کتنا ہی شدید جانی و مالی نقصان کیوں نہ ہو، مگر عہد سے نہ پھرتے تھے۔

---

[۱] بخاری جلد ۱ باب بنیان الکعبہ باب ایام جاہلیت ص ۵۴۱ [۲] بخاری جلد ۱ کتاب المناسک ص ۲۲
[۳] بخاری جلد ۱ ص ۳۲۶ [۴] ایضاً ص ۲۲۸ [۵] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۶۷
[۶] معجم البلدان جلد ۶ ص ۱۶۶ [۷] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۴۷ [۸] روض الانف
[۹] بخاری جلد ۱ ص ۵۴۰

مورخ یعقوبی نے قریش کی اجمالی حالت کا یہ نقشہ کھینچا ہے کہ مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے تھے، اشہر حرام کی عظمت کرتے تھے، خواہش، مظالم اور قطع رحم کو برا سمجھتے تھے، جرائم کا تدارک کرتے تھے، حرم کے احترام کا اس سے اندازہ ہوگا کہ قصی جو قریش کا سب سے بڑا محسن تھا اور قریش پر اس کا اثر بھی کافی تھا، جب اس نے صفائی کے خیال سے حرم کے درختوں کو کاٹنا چاہا، تو تمام قریش نے انکار کر دیا۔

کفر و شرک کی اس عام تیرگی میں کہیں کہیں خدا پرستی کا نور بھی پرتو فگن تھا، چنانچہ قریش میں خدا پرستوں کی خاصی تعداد موجود تھی، مثلاً: زید بن عمرو بن نفیل زمانہ جاہلیت میں موحد تھے، دین حنیف کی پیاس میں موسوی اور عیسوی چشموں کی طرف لپکے، مگر کہیں پیاس نہ بجھی، آخر میں خانہ کعبہ میں کھڑے ہو کر خدا کو شاہد بنایا، کہ خدایا میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں دین ابراہیم پر ہوں، وہ اس نعمت توحید کو تنہا اپنی ذات تک محدود نہ رکھنا چاہتے تھے، بلکہ قریش میں اپنے عقائد کی اشاعت بھی کرتے تھے، بت کی قربانیوں پر قریش کو ملامت کرتے تھے، دختر کشی کی ممانعت کرتے حتی کہ لڑکیوں کو لے کر خود پرورش کرتے تھے۔[۱] اس کے علاوہ قریش کے اور متعدد اشخاص بھی بت پرستی سے نفرت کرتے تھے، چنانچہ ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن جحش، عثمان بن حویرث، زید کے ساتھ ایک مرتبہ بت خانہ میں گئے، تو ان کو خیال ہوا کہ یہ بھی کیا حماقت ہے کہ ہم پتھر کو پوجتے ہیں، جو نہ سن سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ کسی کو فائدہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔[۲] خود صحابہ کرامؓ میں متعدد مثالیں ایسی ملتی ہیں، جو زمانہ جاہلیت میں فطرت سلیمہ رکھتے تھے، مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ۔

لوازم تمدن

تجارت...... قریش کا پیشہ تجارت تھا، زراعت کو وہ عار سمجھتے تھے حتی کہ ابو جہل مرتے وقت بھی زراعت پیشہ لوگوں کے ہاتھ سے قتل کے عار کو نہ برداشت کر سکا۔[۳] قریش کی تجارت کا سلسلہ بہت وسیع تھا، ان کے تجارتی قافلے ملکوں ملکوں پھر کر بیوپار کرتے تھے، عموماً ان کے کاروان تجارت سال میں دو مرتبہ جاتے تھے، سورۂ قریش میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

لایلف قریش الفهم رحلة الشتاء و الصيف فليعبدوا رب هذا البيت الذى اطعمهم من جوع و امنهم من خوف. (سورۃ القریش)

"تعجب ہے کہ قریش کو اپنے جاڑے اور گرمی کے سفر (تجارت) سے کس قدر الفت ہے،

[۱] بخاری جلد ۱ ص ۵۴۰ [۲] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۷۶ [۳] بخاری جلد ۲ ص ۵۶۵

ان کو چاہئے کہ اس گھر کے رب کو پوجیں جس نے ان کو بھوک سے بچانے کے لئے کھانا کھلایا، اور خوف سے امن بخشا''۔

قریش کی تجارت کو قصی نے بہت با اصول اور منظم کر دیا تھا، نجاشی شاہ حبش اور قیصر شاہ روم سے اجازت نامے حاصل کئے، تاکہ قریش آسانی اور امن سے ان کے حدود حکومت میں اپنا تجارتی کاروبار پھیلا سکیں، اس زمانہ میں اگرچہ راستے پر امن نہ تھے، رہزنی اور لوٹ مار عام تھی، تاہم قریش کے کاروان تجارت سے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا اور وہ بے خوف و خطر گھوم پھر کر اپنا بیوپار کرتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش حرم کے متولی ہونے کی وجہ سے ''جیر اللہ'' خدا کے پڑوسی کہلاتے تھے اور خانہ کعبہ کی عظمت تمام عرب کرتے تھے، اس نسبت سے وہ لوگ قریش کا بھی بہت احترام کرتے تھے اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کرتے تھے، قریش میں اس درجہ تجارت کا چرچا تھا کہ اس میں مرد وعورت، بوڑھے جوان بچے سب اپنا سرمایہ لگاتے تھے، چنانچہ حضرت خدیجہؓ بیوگی کے زمانہ میں بڑے پیمانہ پر تجارت کرتی تھیں، بروایت ابن سعد تنہا حضرت خدیجہؓ کا مال تجارت کل قریش کے سامان تجارت کے برابر ہوتا تھا، خود آنحضرت ﷺ حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر بصرے تشریف لے گئے ہیں۔[۱] آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس بھی تجارت فرماتے تھے اور آپ کی تجارت کے واقعات کتب احادیث میں مذکور ہیں، چنانچہ سائب نامی ایک شخص کی اور آپ کی تجارت مشترک تھی اور بعد اسلام انھوں نے آپ کی خوش معاملگی کی شہادت بھی دی۔[۲] آپ یمن کے بازار جرش میں دوبار تشریف لے گئے، بحرین میں بھی آپ کا جانا ثابت ہے، ابوطالب بھی تاجر تھے، اکابر قریش میں ابوجہل اور ابوسفیان وغیرہ تجارت کرتے تھے۔[۳] حضرت ابوبکرؓ کا بھی شغل تجارت تھا۔[۴] مدینہ میں مقام سنخ پر آپ کا ایک پارچہ بافی کا کارخانہ تھا۔[۴] کبھی کبھی خود مال لے کر باہر تشریف لے جاتے تھے چنانچہ اسلام کے بعد بصریٰ مال تجارت لے کر جاتے تھے۔[۵]

حضرت عمرؓ بھی تاجر تھے[۶]، ان کی تجارت کا سلسلہ ایران تک پھیلا ہوا تھا[۷] اور بذات خود تجارت کے سلسلہ میں بہت آیا جایا کرتے تھے، چنانچہ خود کہتے ہیں کہ بہت سے ارشادات نبویؐ میں تجارت کی دوڑ دھوپ کی وجہ سے نہ سن سکا۔[۸] حضرت عثمانؓ عرب کے بہت بڑے تاجر تھے، اسی بنا پر ان کو غنی کہا جاتا ہے، بنوقینقاع کے بازاروں میں آپ کا کھجوروں کا کاروبار تھا۔[۹] زمانہ جاہلیت میں ربیعہ بن حارث کی شرکت میں تجارت کرتے تھے۔[۱۰] حضرت علیؓ

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۰۰ [۲] ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۱۷
[۳] ارض القرآن ص ۱۳۸ جلد ۱ [۴] ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۰
[۵] ابن ماجہ باب المزاح [۶] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۶۲
[۷] ایضاً جلد ۳ ص ۳۴۷ [۸] بخاری جلد ۱ ص ۲۷۷ [۹] مسند احمد بن حنبل [۱۰] اصابہ جلد ۲ ص ۱۹

نے بھی اذخر کی تجارت کی ہے۔[۱] ابان بن سعید قرشی بھی تاجر تھے، اور شام وغیرہ جا کر تجارت کرتے تھے۔[۲] آنحضرت ﷺ نے شاہان عالم کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے، تو ان میں ایک خط قیصر روم کے نام بھی تھا، جب قاصد خط لے کر پہنچا، تو اس وقت قریش کے تاجر وہاں موجود تھے، چنانچہ قیصر نے ان سے آنحضرت ﷺ کے متعلق سوالات کئے۔[۳] غرضیکہ تمام قریش تجارت پیشہ تھے، چنانچہ ابن اسحاق کے الفاظ یہ ہیں، کانت قریش قوما تجارا۔[۴] چنانچہ قریش نے جب مسلمانوں کو حج سے روکا تو انھوں نے یہ دھمکی دی کہ ہم تمہاری شام کی تجارت روک دیں گے، عرب عموماً ان چیزوں کی تجارت کرتے تھے۔ (۱) کھانے کا مسالہ اور خوشبو دار جڑیں۔ (۲) سونا، لوہا اور جواہرات۔ (۳) خام کھالیں، بنا ہوا چمڑا، زین پوش اور بھیڑ بکری وغیرہ۔

توراۃ میں جا بجا ان چیزوں کا ذکر آیا ہے، قریش بھی غالباً ان کی تجارت کرتے ہوں گے، بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چمڑا اور چاندی کی تجارت زیادہ کرتے تھے، قریش کے مہاجرین کے خلاف جو وفد نجاشی کے پاس تحفہ لے کر بھیجا، وہ تحفہ بھی یہی چمڑا تھا۔[۵] طبری نے لکھا ہے کہ

ومعه فضة كثيرة وهي عظم تجارتهم۔[۶]

عرب کی دس تجارتی منڈیاں تھیں، ان میں قریش زیادہ تر بازار ذوالمجاز اور عکاظ میں شریک ہوتے تھے۔[۷] زمانہ اسلام میں لوگوں نے اس غرض سے حج کی شرکت کو برا جانا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔[۸]

لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم (البقرہ ۲: ۱۹۸)

"تمہارے لئے اس میں کوئی حرج نہیں (کہ زمانہ حج میں) اپنے رب کا فضل تلاش کرو"۔

زمانہ اسلام میں تجارت اور زیادہ چمکی، چنانچہ مہاجرین کا زیادہ وقت بازاروں میں کاروبار تجارت میں گزرتا تھا، اور زمانہ جہالت کی منڈیوں میں بھی وہی چہل پہل باقی رہی، اور زمانہ اسلام میں تقریباً سوا سو برس تک یہ بازار گرم رہے، سب سے پہلے ۱۲۹ھ میں بازار عکاظ خارجیوں کی لوٹ مار کے خوف سے بند ہوا۔[۹]

---

[۱] بخاری جلد ۱ ص ۲۸۰، [۲] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۳۶ [۳] بخاری جلد ۱ ص ۴
[۴] سیرۃ ابن ہشام ص ۱۰۰ [۵] مسند حنبل مسند اہل بیت، [۶] طبری ص ۱۳۷۴
[۷] یعقوبی جلد ۱ ص ۳۱۴ [۸] کتاب البیوع باب ماجاء فی قول اللّٰہ تعالیٰ فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض [۹] بخاری جلد ۱ ص ۲۷۴

علوم وفنون....... یوں تو شاعری اور زبان آوری کا مذاق تمام عرب میں تھا، تاہم بعض مخصوص قبائل ایسے تھے، جن کی زبان معتبر اور قابل اسناد سمجھی جاتی تھی، از آنجملہ قبیلہ مضر کی زبان زیادہ معتبر تھی، ان میں بھی قریش زیادہ فصیح اللسان مانے جاتے تھے، ان کی فصاحت کی سند اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ قرآن کریم جو فصاحت و بلاغت کا سرچشمہ ہے، قریش کی زبان میں اترا۔[۱] خود آنحضرت ﷺ نے قریش کے فصیح اللسان ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے کہ "میں تم سب میں فصیح تر ہوں، اس لئے کہ میں قریش کے خاندان سے ہوں اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے۔[۲] قریش میں بڑے بڑے باکمال شعراء پیدا ہوئے، بلکہ خاص بنو ہاشم میں متعدد شعراء تھے۔ خلفائے اربعہ کو بھی شاعری کا ذوق تھا، چنانچہ ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں ان کے اشعار بھی نقل کئے ہیں۔[۳] قریش میں ذوق شاعری کے ساتھ ساتھ تعلیم کا بھی کچھ نہ کچھ رواج تھا، اگرچہ ان میں تعلیم عام نہ تھی تاہم ظہور اسلام کے وقت پڑھے لکھے اشخاص کی خاصی تعداد موجود تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، ابو عبیدہؓ، طلحہؓ، یزید بن ابی سفیانؓ، ابو حذیفہ بن عتبہ، حاطب بن عمرو، ابو سلمہ بن عبدالاسد، آبان ابن سعید، خالد بن سعید، عبداللہ بن سعد، ابو سفیان بن حرب، امیر معاویہؓ وغیرہم اچھی طرح پڑھنا لکھنا جانتے تھے، یہ تعلیم صرف مردوں تک محدود نہ تھی، بلکہ مشہور عورتوں میں ام المومنین حضرت حفصہؓ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں اور حضرت ام سلمہؓ صرف پڑھ سکتی تھیں۔

لکھ نہیں سکتی تھیں، ان کے علاوہ قریش کی غیر معروف عورتیں مثلاً ام کلثوم بنت عقبہ، کریمہ بنت مقداد لکھنا جانتی تھیں، عائشہ بنت سعد نے تعلیم حاصل کی تھی۔[۴]

رفاہ عام کے کام...... قریش کی مذہبی سیادت کے علاوہ ان کے دوسرے اعمال بھی عام حجازیوں سے ان کو ممتاز کرتے تھے، جس سے ان کے معاصر قبائل میں ان کی قدر و منزلت زیادہ ہوتی تھی، چنانچہ اہل مکہ اور اس کے قرب و جوار کے قبائل کی آسائش کے خیال سے قریش کے خاندان نے متعدد کنوئیں مختلف مقامات پر کھدوائے تھے[۵]، اہل مکہ کی سب سے بڑی خدمت یہی تھی کہ اس بے آب و گیاہ زمین میں ان کے لئے آب شیریں مہیا کیا جائے، ان کے کنوؤں اور ان کے مالکوں کے نام کی تفصیل یہ ہے۔[۶]

---

[۱] بخاری جلد ۱ ص ۴۹۷
[۲] طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۷۱
[۳] کتاب العمدہ ص ۱۳، ۱۴
[۴] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۷۷، ۴۷۸
[۵] بخاری جلد ۲ ص ۹۰۹
[۶] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۸۹

شہر مکہ کے اندرونی کنوئیں

نام شخص	نام کنوؤں	جگہ
عبد شمس	....	مکہ کے بالائی حصہ پر
ہاشم بن عبد مناف	بدر	ابوطالب کی گھاٹی پہ
مطعم بن عدی	سجلہ	
بنو اسد ابن عبد العزیٰ	سقیہ	
بنو عبد دار	ام احراد	
بنو جمح	سبلہ	
بنو سہم	غمر	

مکہ کے بیرونی کنوئیں

مرہ بن کعب	احرم	
بنی کلاب بن مرہ	خم خم	

اسلام کا ظہور...... قریش بلکہ پورے عرب پر جہالت کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں کہ دفعۃً افق مکہ پر برق تجلی چمکی، نور حق کا اجالا تمام عرب میں پھیل گیا، ابھی آفتاب رسالت کی کرنیں پھوٹی ہی تھیں کہ خیرہ چشموں کی آنکھیں تاب نظارہ نہ لاسکیں اور ہر چہار جانب سے ظلم و تعدی کے بادل امنڈ نے لگے کہ نور حق کی روشنی کو تاریکی میں چھپادیں، یعنی آنحضرت ﷺ نے دعوت اسلام کی ابتدا ہی کی تھی کہ ہر طرف سے مخالفت کے طوفان اٹھنے لگے، مگر سیل صداقت برابر پھیلتا گیا، یہاں تک کہ ریگستان عرب کو رشک گلزار بنادیا۔

آنحضرت ﷺ نے جب دعوت اسلام شروع کی تو ابتداءً مشرکین نے آپ کی تعلیم کو زیادہ اہمیت نہ دی، مگر رفتہ رفتہ جب دعوت کا حلقہ وسیع ہونے لگا، اور لوگ برابر دائرہ اسلام میں داخل ہونا شروع ہوئے، تو ان کو سخت تشویش پیدا ہوئی، اور اس کے استیصال کی تمام امکانی کوششیں شروع کردیں، وہ اشاعت اسلام سے زیادہ پیچ و تاب اپنے مذہب اور اپنے معبودوں کی مذمت پر کھاتے تھے، پہلے تو آنحضرت ﷺ کو خود سمجھاتے بجھاتے رہے مگر جب آپ پر اس پر کوئی اثر نہ ہوا اور آپ کی تبلیغی سرگرمی برابر جاری رہی، تو مجبوراً ان لوگوں کو ابوطالب کی طرف رجوع کرنا پڑا کہ وہ آپ کے کفیل تھے، چنانچہ عمائد قریش کا ایک وفد ان کے پاس گیا، اور اپنے ارادہ سے آگاہ کیا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے، ہمارے مذہب کی مذمت کرتا ہے، ہمارے سمجھدار اشخاص کو بے شعور کہتا ہے اور ہمارے آباء و اجداد کو گمراہ بتاتا ہے، اس لئے یا تو تم

اس کو روکو ورنہ ہمارے حوالہ کردو، اس وقت ابو طالب نے خوش اسلوبی سے معاملہ کو رفع دفع کردیا، مگر پھر مشرکین نے دیکھا کہ اس شکایت کا بھی کوئی اثر آنحضرت ﷺ پر نہ پڑا، اور آپ کے سابق طرزِ عمل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تو دوبارہ ابو طالب کے پاس آئے، اس مرتبہ ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کو بہت سمجھایا کہ بیٹا چچا پر ناقابل برداشت بوجھ نہ ڈالو، اور اپنی قوم کی مخالفت چھوڑ دو، یہ سن کر آنحضرت ﷺ کو خیال پیدا ہوا کہ اب چچا ہماری طرف سے مدافعت نہیں کرسکتے، اور ان کی شفقت بھی ہمارا ساتھ چھوڑ دے گی، اس سے آپ بہت متاثر ہوئے، مگر اس بے بسی کے عالم میں بھی آبدیدہ ہوکر جواب دیا کہ چچا! خدا کی قسم اگر کفار میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیں پر ماہتاب رکھ دیں کہ میں اس فریضہ کو چھوڑ دوں، تو بھی نہیں چھوڑ سکتا، تا آنکہ اس میں میں ہلاک ہوجاؤں، یا کامیاب ہوں، اس جواب سے ابو طالب بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ بیٹا! جاؤ جو جی میں آئے کرو، میں تم کو کسی حالت میں نہیں چھوڑوں گا۔[1] جب قریش کو ابو طالب کے اس فیصلہ کی اطلاع ہوئی، تو تیسری مرتبہ پھر آئے، مگر اس مرتبہ انہوں نے صاف جواب دے دیا، جب وہ لوگ اس طرف سے بالکل مایوس ہوگئے، تو آنحضرت ﷺ کو جاہ و ثروت کا لالچ دلانا شروع کیا کہ شاید اس سے وہ باز آجائیں، چنانچہ ابو الولید نے رؤسائے قریش کے مشورہ سے متعدد دنیاوی دلفریبیاں آپ کے سامنے پیش کیں، کہ اگر تم اپنے مذہب کی اشاعت سے مال جمع کرنا چاہتے ہو، تو ہم تمہارے لئے اس قدر مال جمع کردیں، کہ تم ہم سب سے زیادہ دولت مند بن جاؤ، اور اگر سرداری کی خواہش ہے، تو تم کو اپنا سردار بنالیں اور اگر بادشاہی کی تمنا ہے، تو بادشاہ بنانے پر بھی تیار ہیں۔

جب تمام ترغیبات ابو الولید دے چکا، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اب میری بھی کچھ سنو! یہ کہہ کر آپ نے سورۂ حٰم سجدہ کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں، عتبہ نہایت خاموشی اور تاثر سے سنتا رہا، جب سن چکا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ میرا جواب ہے۔

عتبہ جب یہاں سے اپنے ساتھیوں میں گیا تو وہ لوگ اس کا بدلا ہوا رنگ دیکھ کر سرگوشیاں کرنے لگے کہ یہ تو وہ عتبہ نہیں معلوم ہوتے، جو یہاں سے بھیجے گئے تھے، سبھوں نے ماجرا پوچھا، انہوں نے کہا، میں نے عجیب و غریب کلام سنا ہے، خدا کی قسم! اس سے بہتر کلام آج تک میرے کانوں نے نہیں سنا، واللہ نہ وہ جادو ہے نہ وہ شعر ہے اور نہ وہ کہانت ہے، میری رائے ہے کہ تم اس شخص کو اس کی حالت پر چھوڑ دو، عجب نہیں کہ اس کا کلام غیبی آواز ہو، بالفرض اگر وہ کامیاب بھی ہوگیا تو اس کی بادشاہت تمہاری بادشاہت ہے، اور اس کی عزت تمہاری عزت ہے، اور اگر وہ ناکام رہا، تو عربوں کی کامیابی بھی تمہاری کامیابی ہے، عتبہ کے یہ خیالات سن کر لوگوں نے کہا کہ تم اس کی زبان سے مسحور ہوگئے ہو، عتبہ نے جواب دیا کہ جو کچھ بھی ہو، مگر یہ میری رائے ہے، آئندہ تم لوگ جو چاہو کرو۔[2]

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۱۳۹-۱۴۰　　[2] سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۱۵۴، ۱۵۵

غرض جب ترغیب و ترہیب کوئی چیز کارگر نہ ہوئی اور آنحضرت ﷺ کسی طرح اپنے فریضہ سے دست کش نہ ہوئے بلکہ انہماک اور سرگرمی پہلے سے بھی زیادہ بڑھتی گئی اور قبائل قریش میں مسلمانوں کا زور افزوں اضافہ ہوتا گیا، اکابر قریش میں حضرت عمرؓ، اور حضرت حمزہؓ مشرف باسلام ہو چکے، تو مشرکین کا جنون اور تیز ہو گیا، اور شان نبوت میں طرح طرح کی گستاخیاں شروع کر دیں، کوئی آپ پر خاک ڈالتا، کوئی آپ کے دروازہ پر غلاظت ڈال جاتا، کوئی آپ کے برتنوں میں گندی چیزیں ڈال دیتا، امیہ بن خلف آپ کے چہرۂ مبارک پر غلاظت پھینک دیتا، ایک مرتبہ آپ سجدہ میں تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آپ کی گردن پر سوار ہو گیا، اور اس زور سے دبایا کہ آنکھیں نکل پڑیں، بعض مرتبہ یہ سنگ دل اس طرح سے گلا گھونٹتے کہ دم گھٹتے گھٹتے رہ جاتا، ایک مرتبہ قریش کچھ مشورہ کر رہے تھے، اتفاقاً آنحضرت ﷺ اس طرف سے گزرے، سبھوں نے دوڑ کر گھیر لیا، اور پوچھا کہ کیا تم ہی ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہو؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں! میں ہی ہوں، اس پر ایک شخص نے مجمع سے نکل کر آپ کی چادر سے آپ کا گلا بڑی زور سے گھونٹنا شروع کیا، حضرت ابوبکرؓ موجود تھے، یہ دردناک منظر نہ دیکھ سکے اور رو کر فرمانے لگے کہ کیا تم ایسے آدمی کی جان صرف اس بات پر لینے کو آمادہ ہو کہ وہ خدا کو ایک کہتا ہے [1]

آنحضرت ﷺ کا خاندان قریش میں بہت معزز تھا، اس لئے ان مخالفتوں کے باوجود آپ کے بہت سے حامی موجود تھے، آنحضرت ﷺ کے علاوہ دوسرے اکابر قریش جو مشرف باسلام ہو چکے تھے، ان کو بھی خاندانی عظمت اور وجاہت سے زیادہ نہ ستا سکتے تھے، اس لئے سارا غصہ ان غریب مسلمانوں پر ٹوٹتا تھا، جن کا کوئی یار و مددگار نہ تھا اور کفار بھوک پیاس، مار پیٹ ہر طرح سے ان غریب و خستہ حال مسلمانوں پر مظالم ڈھاتے۔ ان کی درندگی کی داستان صرف مار پیٹ پر ختم نہیں ہوتی، بلکہ مار پیٹ کے علاوہ نئے نئے انداز ستم ایجاد کرتے تھے۔

امیہ بن خلف حضرت بلالؓ کو چلچلاتی ہوئی دھوپ میں جب کہ مکہ کی زمین توے کی طرح تپتی ہوئی گرم ریت پر لٹاتا اور سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیتا، کہ جنبش نہ کر سکیں، اور کہتا کہ محمد سے توبہ کر کے لات و عزیٰ کی پرستش کا اقرار کرو، ورنہ یوں ہی سسک سسک کر مر جاؤ گے مگر اس وقت بھی اس شیدائے رسالت کی زبان سے احد احد کی صدا بلند ہوتی [2]

حضرت عمار بن یاسرؓ بھی بے یار و مددگار تھے، اس لئے قریش کا دست ستم ان پر بھی دراز ہوتا اور ان کو دوپہر کے وقت انگاروں پر لٹاتے، پانی میں غوطہ دیتے، مگر زبان کلمۂ حق سے نہ

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۱۵۳، بخاری باب بنیان الکعبہ باب مبعث النبی میں یہی واقعہ تھوڑے تغیر کے ساتھ مذکور ہے۔

[2] سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۱۷۰ و اسد الغابہ جلد ا ص ۲۰۶

پھرتی، ایک مرتبہ مشرکین ان کو انگاروں پر لٹا رہے تھے، کہ آنحضرت ﷺ اس طرف سے گزرے، اور آپ کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا۔ یانا ر کونی بردا وسلا ما علی عمار کما کنت علی ابراھیم. اچھے ہونے کے بعد بھی ان کی پیٹھ پر زخم کے نشانات باقی تھے۔[1]

حضرت خباب بن ارتؓ بھی مشرکین کے ظلم وستم کے شکار تھے وہ خود حضرت عمرؓ کو اپنی مظلومی کی داستان سناتے تھے کہ مشرکین انگارے دہکاتے اور مجھ کو پیٹھ کے بل لٹاتے، اور ایک شخص چھاتی پر پتھر رکھ کر جنبش نہ کرنے دیتا، اور اس عذاب میں اس وقت تک مبتلا رہتا جب تک کہ خود میرے زخموں کی رطوبت آگ کو نہ بجھا دیتی۔[2]

حضرت صہیبؓ بھی ان ہی بے کس لوگوں میں تھے جن کو ستا کر مشرکین دل ٹھنڈا کرتے تھے جب انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا، تو مشرکین نے کہا کہ تو ہمارے یہاں افلاس وفقر کی حالت میں آیا تھا، یہاں رہ کر دولت مند ہوا، اب چاہتا ہے کہ جان مال لے کر نکل جائے، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، انہوں نے فرمایا، اگر میں سب مال ومتاع تم کو دے دوں تو مجھے جانے دو گے؟ انہوں نے کہا ہاں! انہوں نے سارا مال حوالہ کر دیا، آنحضرت ﷺ نے اس قربانی کی خبر سنی تو فرمایا۔ "ربح صھیب ربح صھیب۔" صہیب نفع مندر ہے، صہیب نفع مندر ہے۔[3]

یہ تو مردوں کی مثالیں تھیں، ان اشقیا کے دست ستم سے عورتیں بھی نہ بچ سکیں۔

حضرت سمیہؓ حضرت عمار بن یاسرؓ کی والدہ سابقات اسلام میں تھیں ان کو ابوجہل بہت ستاتا تھا، حتیٰ کہ نیزے سے زخمی کر کے شہید کر ڈالا۔[4]

حضرت زنیرہؓ دائرہ اسلام میں ابتدا ہی میں داخل ہوئیں، ابوجہل ان کو بہت اذیتیں دیتا تھا حضرت عمرؓ بھی قبل از اسلام ان کو بہت مارا کرتے تھے۔[5] ان ہی میں ایک خاتون لبینہؓ تھیں، منجملہ دیگر ضعفائے اسلام کے حضرت ابوبکرؓ نے ان کو بھی خرید کر آزاد کر دیا تھا۔[6]

یہ تمام مہاجرین ضعفائے اسلام میں تھے، جن کا کوئی حامی ومددگار نہ تھا، اس لئے ان پر جو ستم ڈھاتے کم تھے جب کہ ان کی زد سے ذی وجاہت اور صاحب حیثیت لوگ نہ بچ سکے حضرت ابوبکرؓ زمانہ جاہلیت میں خاصی عمر کے تھے، اور اپنے قبیلہ میں معزز تھے، تاہم کسی مشرک نے آنحضرت ﷺ کی حمایت پر ان کی ڈاڑھی نوچ لی۔[7] حضرت عثمانؓ جب مشرف باسلام ہوئے، تو ان کے چچا حکم بن ابوالعاص رسی سے باندھتے اور کہتے کہ اب بھی اس نئے دین کو نہ چھوڑو گے۔

حضرت عمرؓ نے قبل از اسلام اپنی بہن فاطمہؓ اور بہنوئی سعید بن زیدؓ کو اسلام پر اس قدر مارا کہ ان کے چہرے سے خون کے فوارے چھوٹنے لگے۔[8] یہ مذکورۂ بالا چند واقعات مثال کے طور پر لکھ دیئے گئے، ورنہ ان کی فہرست اس سے کہیں زیادہ طویل ہے۔

---

[1] طبقات ابن سعد جزو ثالث قسم اول ص ۱۷۷۔۱۷۸ [2] ایضاً ص ۱۱۷، [3] ایضاً ص ۱۱۲
[4] اصابہ جلد ۸ ص ۱۱۴ [5] ایضاً جلد ۸ ص ۹۱ [6] ایضاً ص ۱۷۹
[7] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۵۳ [8] طبقات جزء اول قسم ثالث ص ۱۳۸

پہلی ہجرت
یا
مہاجرین کی پہلی جماعت

حبشہ کی پہلی ہجرت...... مظلوم مسلمان کفار کی سختیاں سہتے سہتے عاجز آ گئے تھے، نہ کفار کے خوف سے کہیں چل پھر سکتے تھے اور نہ عبادت کر سکتے تھے، اس لئے ان کو ایسی جائے پناہ کی تلاش تھی، جہاں وہ کچھ اطمینان وسکون حاصل کر سکیں، اس لئے آنحضرت ﷺ نے مشورہ دیا کہ تم لوگ فی الحال حبشہ کو ہجرت کر جاؤ، وہاں کا بادشاہ رحم دل اور منصف مزاج ہے، وہ تم کو آرام سے رکھے گا، اس قسم کے حکم کے لوگ منتظر ہی تھے، حکم پاتے ہی بڑی تعداد ہجرت کے لئے آمادہ ہو گئی اور مسلمانوں کا یہ پہلا مصیبت زدہ قافلہ راہ خدا میں غریب الوطن ہوا، یہ جماعت ذیل کے اشخاص پر مشتمل تھی، حضرت عثمان بن مظعونؓ رئیس قافلہ تھے۔

مرد	عورتیں
حضرت عثمانؓ	حضرت رقیہؓ
حضرت ابو حذیفہؓ	حضرت سہلہ بنت سہیلؓ
حضرت زبیر بن عوامؓ	
حضرت مصعب بن عمیرؓ	
حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ	
حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ	حضرت ام سلمہؓ
حضرت عثمان بن مظعونؓ	
حضرت عامر بن ربیعہؓ	حضرت لیلیٰ بنت ابی حثمہؓ
حضرت ابوسبرہ بن ابی رہمؓ	
حضرت سہیل بن بیضاء	
حضرت حاطب بن عمروؓ	

اس قافلہ کی روانگی کے بعد لوگ برابر ہجرت کرتے رہے، یہاں تک کہ حبشہ میں مسلمانوں کی کافی تعداد ہوگئی، اور بہت آرام وآسائش کی زندگی بسر کرنے لگے، مگر قریش مسلمانوں کا آرام وآسائش کب گوارا کر سکتے تھے۔

حبشہ سے مسلمانوں کے اخراج کی کوشش...... اس لئے نجاشی کے پاس ایک وفد ہدایا وتحائف کے ساتھ بھیجا کہ وہ کسی نہ کسی طرح پناہ گزین مسلمانوں کو وہاں سے نکال دے، اس وفد کے ارکان میں عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص تھے، یہ دونوں حبش پہنچے، اور نجاشی کے دربار میں حاضری سے قبل پہلے درباری بطریقوں سے ملے اور فرداً فرداً ہر ایک کو تحفہ دے کر کہا کہ ہماری قوم کے چند سادہ لوح لونڈوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کرلیا ہے، جو ہمارے اور تمہارے دونوں کے مذہب سے مختلف ہے اور وہ اپنے وطن سے بھاگ کر نجاشی کی حکومت میں پناہ گزین ہوئے ہیں، ہم ان کو پکڑنے آئے ہیں، اس لئے آپ لوگوں کی خدمت میں ہماری درخواست ہے کہ جس وقت ہم بادشاہ سلامت کے حضور میں عرض گزار ہوں تو برائے مہربانی آپ لوگ ہماری تائید فرمائیں، اور ان کو مشورہ دیں کہ ہمارے مفرورین ہمارے حوالہ کردیئے جائیں، اس کے بعد نجاشی کی خدمت میں باریاب ہوکر ہدایا پیش کئے اور عرض کیا کہ ہمارے چند سادہ لوح لڑکوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے، جو ہمارے اور آپ دونوں کے مذہب سے مختلف ہے، اس لئے ہم عرض گزار ہیں کہ ان کو ہمارے حوالہ کردینے کا حکم صادر فرمایا جائے بطارقہ کو پہلے ہی ہموار کرلیا تھا، اس لئے انہوں نے پرزور طریقہ سے تائید کی کہ بے شک یہ لوگ ان لڑکوں کی بہ نسبت زیادہ تجربہ کار اور ان کے واقف کار ہیں، اس لئے ان کا حوالہ کردینا ہی مناسب ہے۔

نجاشی کا جواب...... نجاشی یہ درخواست سن کر بہت برہم ہوا، اور کہا کہ جب تک میں ان لوگوں کو بلا کر خود تحقیقات نہ کرلوں گا، اس وقت تک میں اپنے مہمان اور پناہ گزینوں کو ہرگز حوالہ نہیں کرسکتا، البتہ اگر وہ تمہارے بیان کے مطابق ہیں، تو مجھے حوالہ کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا، اور اگر ایسا نہیں ہے، تو تم لوگ کسی طرح ان کو نہیں لے جاسکتے، اور وہ جب تک ہماری پناہ میں رہیں گے، آزادی سے رہ سکیں گے۔

نجاشی کا مسلمانوں کو تحقیق حال کے لئے طلب کرنا....... چنانچہ نجاشی نے مسلمانوں کو بلایا چونکہ یہ واقعہ ان لوگوں کے لئے بالکل نیا تھا، اس لئے بہت گھبرائے اور سوچنے لگے کہ کیا جواب دینا چاہئے مگر آخر میں یہ فیصلہ کیا کہ جو کچھ واقعہ ہے صحیح صحیح بیان کردیں گے، خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو۔

جب یہ لوگ حاضر ہوئے، تو نجاشی نے پوچھا کہ تمہارا کون سا دین ہے جس کے باعث تم نے آبائی مذہب کو چھوڑ دیا، اور وہ تمہارا جدید مذہب ہم سب لوگوں کے مذہب سے نرالا ہے؟ اس کا جواب حضرت جعفرؓ نے ایک مختصر تقریر میں دیا۔

حضرت جعفرؓ کی تقریر ....ایھا الملک، ہم جاہل قوم تھے بتوں کو پوجتے تھے، مردار خوار تھے، فواحش میں مبتلا تھے، قطع رحم کرتے تھے، پڑوسیوں کے ساتھ برا برتاؤ رکھتے تھے، ہمارا زبردست زیردست کو کھا جاتا تھا، ہماری یہ حالت تھی کہ ہم میں خدا نے ایک ایسا پیغمبر مبعوث کیا۔ جس کے صدق، عفاف، امانت اور نسب کو ہم جانتے ہیں، اس نے ہم کو خدائے واحد کی طرف بلایا کہ ہم صرف اسی کی پرستش کریں اور اپنے اور اپنے آباؤ کے اصنام کی پرستش چھوڑ دیں، اس نے ہم کو خدائے واحد کی طرف بلایا کہ ہم صرف اس کی پرستش کریں، اس نے ہم کو سچ بولنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے، حرام باتوں اور خونریزی سے محترز رہنے کا حکم دیا، اور فواحش سے جھوٹ بولنے سے، یتیم کا مال کھانے سے، عفیفہ عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا، اور خدائے واحد کی تنہا عبادت کا حکم دیا کہ اس میں کسی کو شریک نہ کریں اور صوم وصلوٰۃ اور زکوٰۃ کا حکم دیا، ہم نے اس کو مانا اور اس پر ایمان لائے، اب جب کہ ہم نے شرک چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کی اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانا، اس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی، اور ہم کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانے لگی، کہ ہم خدا پرستی کو چھوڑ کر اصنام پرستی شروع کردیں۔[1]

نجاشی کا آیات قرآنی متاثر سے ہونا اور اسلام کی حقانیت کا اعتراف...... نجاشی نے کہا، خدا کا کلام تم کو کچھ یاد ہے؟ حضرت جعفرؓ نے کہا ہاں! نجاشی نے سننے کی خواہش کی، حضرت جعفرؓ نے کھیعص کا تھوڑا سا ابتدائی حصہ سنایا، جس کو سن کر نجاشی اور اس کے درباری اسقف اس قدر متاثر ہوئے کہ روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہوگئیں، نجاشی نے کہا کہ یہ اور عیسیٰ کا لایا ہوا مذہب ایک ہی چراغ کے دو پرتو ہیں۔

وفد مشرکین کی ایک چال...... اور عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ سے کہا کہ تم دونوں چلے جاؤ، یہ لوگ کسی طرح تمہارے حوالہ نہیں کئے جاسکتے، جب یہ دونوں اس طرح ناکام ہوئے، تو ایک دوسری تدبیر سوچی وہ یہ کہ نجاشی کے سامنے مسلمانوں سے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ان کا عقیدہ دریافت کیا جائے، عیسائی ان کو ابن اللہ کہتے ہیں اور مسلمان عبداللہ بتائیں گے، ان کے اس عقیدہ کا اثر نجاشی پر برا پڑے گا، غرض دوسرے دن عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق بہت غلط عقیدہ رکھتے ہیں، اور ان کی شان میں ناروا الفاظ استعمال کرتے ہیں، ہمارے اس قول کی تصدیق آپ ان کو بلا کر کرسکتے ہیں، یہ آزمائش پہلے سے بھی زیادہ سخت تھی، تاہم ان لوگوں نے یہی فیصلہ کیا کہ قرآن میں جو کچھ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق مذکور ہے، وہی نجاشی کے سامنے بیان کریں گے، خواہ اس کا نتیجہ خراب ہی کیوں نہ نکلے۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد اص ۱۸۱۔۱۸۲

مسلمانوں کی دوبارہ طلبی اور وفد کی ناکامی....... غرض کہ یہ لوگ دربار میں بلائے گئے، نجاشی نے سوال کیا کہ عیسیٰؑ کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہو؟ حضرت جعفرؓ نے جواب دیا کہ ہماری کتاب کے رو سے وہ خدا کے بندے اور اس کے رسول اور اس کی روح تھے، نجاشی نے زمین پر ہاتھ مار کر ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ جو تم کہتے ہو، حضرت عیسیٰؑ اس تنکے سے ذرہ برابر بھی زیادہ نہیں تھے، اس پر بطارقہ بہت زیادہ چین بجبیں ہوئے اور قریش کی سفارت ناکام رہی۔[1]

مہاجرین حبش کی واپسی...... ابھی مہاجرین حبش میں کچھ ہی دن رہے تھے کہ ان کو اہل مکہ کے اسلام کی غلط خبر ملی، اس خبر سے فطرۃً ان کو وطن لوٹنے کا شوق پیدا ہوا کہ اب وہاں بھی امن وامان نصیب ہوگا، اس خیال سے یہ لوگ مکہ روانہ ہوگئے، مگر مکہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی، اب یہ لوگ بڑی کشمکش میں پڑے، نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن، لیکن بالآخر یہ سب کسی نہ کسی کی امان میں داخل ہوگئے، البتہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک دن ٹھہر کر واپس چلے گئے۔

دوسری ہجرت

حبشہ کی دوسری ہجرت...... مہاجرین مکہ میں قیام پذیر تو ہوگئے، مگر مشرکین مکہ ان کو کب چین لینے دیتے، بالخصوص اس وجہ سے اور جلے ہوئے تھے کہ قریش کی سفارت مہاجرین کے مقابلہ میں دربار حبش سے ناکام واپس ہوئی تھی، اور مہاجرین وہاں آرام واطمینان کی زندگی بسر کرتے تھے، اس لئے پھر پہلے کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ ایذا رسانی شروع کردی، اس لئے آنحضرت ﷺ نے دوبارہ ہجرت حبشہ کی اجازت دے دی، مگر اس مرتبہ پہلی ہجرت کی طرح آسانی سے قافلہ چلا جانا دشوار تھا، کفار نے سخت مزاحمت کی، طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالنا شروع کیں، تاہم ۸۳ مرد اور ۲۰ عورتوں کا قافلہ کسی نہ کسی طرح حبش روانہ ہوگیا۔[2]
اکثر کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۱	حضرت عثمان بن عفانؓ	۴	حضرت شجاع بن وہبؓ
۲	حضرت ابوحذیفہؓ	۵	حضرت عتبہ بن غزوانؓ
۳	حضرت عبداللہ بن جحشؓ	۶	حضرت طلیب بن عمیرؓ

۱؎ یہ واقعات سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۲۰۲، ۲۰۳ میں مفصل مذکور ہیں۔ ۱۲ منہ
۲؎ طبقات ابن سعد جزو اول قسم اول ص ۱۳۸

نمبر شمار	نام
۷	حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ
۸	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
۹	حضرت مقداد بن عمروؓ
۱۰	حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ
۱۱	حضرت معتب بن عوفؓ
۱۲	حضرت عامر بن ربیعہؓ
۱۳	حضرت خنیس بن حذافہؓ
۱۴	حضرت عثمان بن مظعونؓ
۱۵	حضرت عبداللہ بن مظعونؓ
۱۶	حضرت قدامہ بن مظعونؓ
۱۷	حضرت سائب بن عثمانؓ
۱۸	حضرت ابوسبرہ بن ابی رہمؓ
۱۹	حضرت عبداللہ بن مخرمہؓ
۲۰	حضرت حاطب بن عمروؓ
۲۱	حضرت عبداللہ بن سہلؓ
۲۲	حضرت سعد بن خولہؓ
۲۳	حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ
۲۴	حضرت سہیل بن بیضاءؓ
۲۵	حضرت معمر بن ابی سرحؓ
۲۶	حضرت عیاض بن زہیرؓ
۲۷	حضرت جعفر بن ابی طالبؓ
۲۸	حضرت خالد بن سعیدؓ
۲۹	حضرت معیقیب بن ابی فاطمہؓ
۳۰	حضرت خالد بن حزامؓ
۳۱	حضرت اسود بن نوفلؓ
۳۲	حضرت عمرو بن امیہؓ
۳۳	حضرت یزید بن زمعہؓ
۳۴	حضرت ابوالروم بن عمیرؓ
۳۵	حضرت خراس بن نضرؓ
۳۶	حضرت جہم بن قیسؓ
۳۷	حضرت ابوفکیہہؓ
۳۸	حضرت مطلب بن ازہرؓ
۳۹	حضرت عتبہ بن مسعودؓ
۴۰	حضرت شرحبیل بن حسنہؓ
۴۱	حضرت حارث بن خالدؓ
۴۲	حضرت عمرو بن عثمانؓ
۴۳	حضرت عیاش بن ابی ربیعہؓ
۴۴	حضرت ہاشم بن ابوحذیفہؓ
۴۵	حضرت ہبار بن سفیانؓ
۴۶	حضرت عبداللہ بن سفیانؓ
۴۷	حضرت معمر بن عبداللہؓ
۴۸	حضرت عبداللہ بن حذافہؓ
۴۹	حضرت قیس بن حذافہؓ
۵۰	حضرت ہشام بن عاصؓ
۵۱	حضرت ابوقیس بن حارثؓ
۵۲	حضرت سائب بن حارثؓ
۵۳	حضرت حجاج بن حارثؓ
۵۴	حضرت تمیم بن حارثؓ
۵۵	حضرت سعید بن حارثؓ
۵۶	حضرت سعید بن عمروؓ
۵۷	حضرت محمیہ بن جزءؓ
۵۸	حضرت حاطب بن حارثؓ
۵۹	حرت خطاب بن حارثؓ
۶۰	حضرت سفیان بن معمرؓ
۶۱	حضرت خالد بن سفیانؓ
۶۲	حضرت جنادہ بن سفیانؓ

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۶۳	حضرت نبیہہ بن عثمانؓ	۶۶	حضرت مالک بن زمعہؓ
۶۴	حضرت سلیط بن عمروؓ	۶۷	حضرت عمرو بن حارثؓ
۶۵	حضرت سکران بن عمروؓ	۶۸	حضرت عثمان بن عبد غنمؓ

نمبر شمار	نام	نمبر شمار	نام
۱	حضرت سودہ بنت زمعہؓ	۱۱	حضرت ام کلثوم اسماء بنت عمیسؓ
۲	حضرت فاطمہ بن علقمہؓ	۱۲	حضرت فاطمہ بنت عمیسؓ
۳	حضرت عمیرہ بن سعدیؓ	۱۳	حضرت امینہ بنت خلفؓ
۴	حضرت حسنہ ام شرحبیلؓ	۱۴	حضرت خزیمہ بنت جہمؓ
۵	حضرت حبیبہ بنت ابوسفیانؓ	۱۵	حضرت ام حرملہؓ
۶	حضرت ام سلمہ بنت ابی سلمہؓ	۱۶	حضرت فاطمہ بنت مجللؓ
۷	حضرت ربطہ بنت حارثؓ	۱۷	حضرت فکیہہ بنت یسارؓ
۸	حضرت رملہ بنت ابی عوفؓ	۱۸	حضرت برکہ بنت یسارؓ
۹	حضرت لیلی بنت ابی حثمہؓ	۱۹	حضرت اسماء بنت عمیسؓ
۱۰	حضرت سہلہ بنت سہیلؓ		

غریب مسلمانوں کو خانماں برباد کرنے کے بعد بھی قریش کی آتش غضب نہ ٹھنڈی ہوئی، چنانچہ آنحضرت ﷺ کو اور آپ کی حمایت کے جرم میں بنو ہاشم کا مقاطعہ کر دیا، اور ایک معاہدہ مرتب کیا، جس کی رو سے بنو ہاشم کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات جرم قرار دیے گئے، اس ظالمانہ معاہدہ کے بعد بنو ہاشم شعب ابی طالب میں پناہ گزین ہو گئے، اور تین سال تک قید و بند میں گزارے، بالآخر قریش کے ایک نرم دل آدمی ہشام بن عمرو کو بنو ہاشم کی بے کسی پر رحم آیا، اور انہوں نے چند معززین کی تائید سے اس معاہدہ کو منسوخ کر کے چاک کر ڈالا، اور ہاشمیوں کو قید تنہائی سے نجات ملی[1]

حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال...... اس معاہدہ کی تنسیخ کو تھوڑے ہی دن ہوئے تھے، کہ آنحضرت ﷺ کے حامی اور چہیتے چچا ابو طالب کا انتقال ہو گیا، اس سانحہ کے تقریباً سوا مہینہ بعد ام المومنین حضرت خدیجہؓ نے بھی داغ مفارقت دیا، اور دو ڈھائی مہینہ کے اندر اندر آنحضرت ﷺ کے دونوں محافظ اٹھ گئے۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۲۰۳، ۲۰۵

قریش کی ایذا رسانی...... اب قریش کے لئے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی؟ ابو طالب کی حمایت اور حضرت خدیجہؓ کا تمول اور ان کی وجاہت سب ختم ہو چکے تھے، اس لئے ان کو دل کھول کر بھڑاس نکالنے کا موقعہ ملا، اور انہوں نے کسی ممکن ایذا رسانی سے دریغ نہ کیا، ان میں اکثر واقعات اوپر گزر چکے ہیں ایک مرتبہ ایک گستاخ نے مٹی لا کر فرق مبارک پر جھونک دی، آپ اسی حالت میں گھر تشریف لائے، ایک صاحبزادی نے اس حالت میں دیکھا تو زار و قطار رونے لگیں، سر سے مٹی دھوتی جاتی تھیں اور آنسو بہتے جاتے تھے، سرور عالم ﷺ تشفی دیتے تھے کہ جان پدر مت رو، خدا تمہارے باپ کو کفار کی دراز دستیوں سے روکنے والا ہے، اس موقع پر آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ابو طالب کی زندگی تک قریش میرے ساتھ کوئی ناروا سلوک نہ کر سکے [۱]

تبلیغ اسلام اور طائف کا سفر...... ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد مشرکین مکہ کے جور و ستم نے سرزمین حرم آنحضرت ﷺ کے لئے تنگ کر دی، اس لئے آپ نے زید بن حارثہؓ کی معیت میں طائف کا رخ کیا، کہ شاید وہاں کچھ بندگان خدا توحید کی صدا پر لبیک کہیں، چنانچہ طائف پہنچ کر سرداران ثقیف کے سامنے اسلام پیش کیا، لیکن جواب کیا ملتا ہے؟ کیا خدا نے تم کو بھیجا ہے؟ کیا خدا کو تمہارے علاوہ دوسرا پیغمبر نہیں ملا؟ خدا کی قسم! ہم تم سے بات نہیں کر سکتے، کیونکہ اگر تم پیغمبر ہو جیسا کہ تمہارا خیال ہے، تو تم سے گفتگو کرنے میں بڑا خطرہ ہے اور اگر جھوٹے ہو، تو قابل التفات نہیں [۲] آپ یہ جواب سن کر ایک گونہ مایوس ہو گئے، تاہم دس دن ٹھہر کر قبیلہ ثقیف کے ایک ایک سربرآوردہ شخص سے ملے، لیکن سب نے جواب دیا کہ محمدؐ ہمارے یہاں سے نکل جاؤ، اور جہاں تمہاری آواز سننے والے ہوں وہاں جاؤ، صرف اس جواب پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ کچھ اوباشوں کو پیچھے لگا دیا، جنہوں نے ذات اقدسؐ پر سنگ باری شروع کر دی، اور اس قدر پتھر برسائے کہ آپ کے دونوں پاؤں زخموں سے چور ہو گئے، زید بن حارثہؓ آپ کو بچاتے تھے، اس مدافعت میں وہ بھی زخمی ہوئے [۳]

مکہ کی واپسی اور مطعم بن عدی کی امان...... غرض اس طرح آپ وہاں سے مغموم و ناکام واپس ہوئے، راستہ میں زید ابن حارثہؓ نے گزارش کی کہ مکہ میں ہم کس طرح رہ سکتے ہیں، جب کہ قریش ہمارے نکالنے پر تلے ہوئے ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ خدا اپنے مذہب کا حافظ و ناصر ہے، وہ خود ہماری حفاظت کا سامان کرے گا، چنانچہ خدا نے آپ کی حفاظت کا سامان کیا، اور مطعم بن عدی نے اپنی پناہ میں لے کر عام اعلان کر دیا کہ میں نے محمد ﷺ کو پناہ دی، اس لئے کوئی آپؐ کے ستانے کا ارادہ نہ کرے اور آپؐ اطمینان سے ان کے گھر میں رہنے لگے [۴]

مطعم بن عدی کا گھر اور تبلیغ اسلام...... اسلام اور بانی اسلام (ﷺ) کے خلاف غیظ و

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۲۷　[۲] ایضاً ص ۳۳۹، زید بن حارثہؓ کا نام طبقات میں ہے۔
[۳] ابن سعد حصہ سیرۃ ص ۱۴۲　[۴] ابن سعد حصہ سیرۃ ص ۱۴۲

غضب کا جو طوفان اٹھا تھا، وہ طائف سے واپسی کے بعد پہلے سے بھی زیادہ تند ہو گیا، لیکن آنحضرت ﷺ سے مطلق خوف زدہ اور مایوس نہ ہوئے، بلکہ مطعم بن عدی کے گھر میں بیٹھ کر اور قبائل کا دورہ کر کے بدستور اشاعت اسلام فرماتے رہے، اور اجتماع کا کوئی موقع ایسا نہ چھوڑا جس میں خدا کا پیغام نہ پہنچایا ہو، حج کے موسم میں حجاج کے فرودگاہوں پر بالخصوص عکاظ، مجنہ، اور ذوالمجاز کے بازاروں میں، غرض جہاں کہیں خدا کے کچھ بندے یکجا ہوتے، وہاں آپؐ ان کے کانوں تک اس کا پیغام پہنچا دیتے، پورے دس سال تک آپؐ اس فرض نبوت کو نہایت جانفشانی اور تندہی کے ساتھ ادا کرتے تھے، جن قبائل میں آپؐ نے گشت لگا کر پیغام خداوندی پہنچایا، ان کی فہرست حسب ذیل ہے۔[1]

بنو عامر، بنو محارب، بنو فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نضر، بکا، کندہ کعب، حارث بن کعب، غدرہ، حضارمہ لیکن اس دعوت کا مشترک جواب یہ ملتا کہ آدمی کا قبیلہ اس آدمی کے حالات زیادہ جانتا ہے، یعنی جب قریش نے تمہاری دعوت کو مسترد کر دیا، تو دوسرے کیوں قبول کریں گے۔

تبلیغ کا اثر قبائل پر...... اگرچہ عرب کے تمام قبائل میں اسلام کے خلاف یکساں فضا تھی، تاہم انفرادی طور پر ان میں ایسے نفوس صالحہ موجود تھے، جن کی فطرت سلیمہ دعوت حق سننے پر مستعد تھی، اور ان کے قلب سلیم کا عارضی زنگ تھوڑی کوشش سے دور ہو سکتا تھا، چنانچہ کفر و ضلالت کے بیابان میں توحید کی آواز بالکل بے اثر نہ رہی، بلکہ بہتیرے قبائل میں اسلام کا خاصا پرتو پڑا، ان قبائل اور ان کے ان مقدس نفوس کا اجمالی خاکہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے، اس سے اندازہ ہوگا کہ ہجرت کے قبل مکہ کی زندگی میں اسلام نے کن کن قبائل کو متاثر کیا۔

نام قبیلہ یا بطن	اسمائے گرامی
بنو ہاشم	حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب
	حضرت جعفرؓ بن ابو طالب
	حضرت علیؓ بن ابو طالب
موالی ہاشم	حضرت آنسہؓ مولی آنحضرت ﷺ
	حضرت ابو کبشہ مولیٰؓ آنحضرت ﷺ
	حضرت زید بن حارثہ مولیٰؓ آنحضرت ﷺ
بنو مطلب	حضرت عبیدہ بن حارثؓ
	حضرت طفیل بن حارثؓ
بنو مطلب کے حلیف	حضرت ابو مرثد غنویؓ
	حضرت مرثد بن ابی مرثدؓ

[1] زرقانی جلد ۱ ص ۳۵۹

نام قبیلہ یا بطن	اسمائے گرامی
بنو عبد شمس	حضرت عثمان بن عفانؓ
	حضرت خالد بن سعیدؓ
بنو شمس کے حلیف	حضرت عبداللہ بن جحش
	حضرت ابو احمد بن جحش
	حضرت عکاشہ بن محصنؓ
	حضرت شجاع بن وہبؓ
بنو شمس کے حلیف	حضرت عقبہ بن وہبؓ
بنو نوفل کے حلیف	حضرت عتبہ بن غزوانؓ
بنو اسد بن عبد العزی	حضرت زبیر بن عوامؓ
بنو اسد کے حلیف	حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ
بنو عبد دار	حضرت مصعب بن عمیرؓ
بنو عبد بن قصی	حضرت طلیب بن عمیرؓ
بنی زہرہ بن کلاب	حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ
	حضرت سعد بن ابی وقاصؓ
	حضرت طلیب بن ازہرؓ
	حضرت عبداللہ صقرؓ
	حضرت عبداللہ بن شہابؓ
	حضرت عامر بن ابی وقاصؓ
	حضرت مطلب بن ازہرؓ
بنی زہرہ کے حلیف	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
	حضرت مقداد بن عمرؓ
	حضرت خباب بن ارتؓ
	حضرت مسعود بن ربیعؓ
	حضرت عتبہ بن مسعودؓ
	حضرت شرحبیل بن حسنہؓ
بنو تیم بن مرہ	حضرت ابوبکر صدیقؓ
	حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ
	حضرت عامر بن فہیرہ خادم صدیق اکبرؓ
	حضرت حارث بن خالدؓ

بنو تیم بن مرہ	حضرت عمرو بن عثمانؓ
بنو مخزوم بن یقظہ	حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسدؓ
	حضرت ارقم بن ارقمؓ
	حضرت شماس بن عثمانؓ
	حضرت عیاش بن ابی ربیعہؓ
	حضرت سلمہ بن ہشامؓ
	حضرت ہاشم بن ابو حذیفہؓ
	حضرت ہبار بن سفیانؓ
	حضرت عبداللہ بن سفیانؓ
بنو مخزوم کے حلیف	حضرت عمار بن یاسرؓ
	حضرت مصعب بن عوفؓ
بنو عدی	حضرت عمر بن الخطابؓ
	حضرت زید بن خطابؓ
	حضرت سعید بن زیدؓ
	حضرت عبداللہ بن عمرؓ
بنو عدی	حضرت عمرو بن سراقہؓ
	حضرت نعم النجام بن عبداللہؓ
	حضرت معمر بن عبداللہؓ
	حضرت عدی بن نضلہؓ
	حضرت عروہ بن ابی اثاثہؓ
	حضرت مسعود بن سویدؓ
	حضرت عبداللہ بن سراقہؓ
حلیف بنو عدی	حضرت عامر بن ربیعہؓ
	حضرت عاقل بن ربیعہؓ
	حضرت خالد بن ربیعہؓ
	حضرت ایاس بن ربیعہؓ
	حضرت عامر بن ربیعہؓ
	حضرت خولی بن ابی خولیؓ
	حضرت مہجع بن صالح غلام عمر بن خطابؓ

بنو سہم	حضرت خنیس بن حذافہؓ
	حضرت عبداللہ بن حذافہؓ
	حضرت ہشام بن عاصؓ
	حضرت ابوقیس بن حارثؓ
	حضرت عبداللہ بن حارثؓ
	حضرت سائب بن حارثؓ
	حضرت حجاج بن حارثؓ
	حضرت تمیم بن حارثؓ
	حضرت سعید بن حارثؓ
	حضرت سعید بن عمروؓ
بنی جمح بن عمرو	حضرت عثمان بن مظعونؓ
	حضرت عبداللہ بن مظعونؓ
	حضرت قدامہ بن مظعونؓ
	حضرت سائب بن عثمانؓ
	حضرت معمر بن حارثؓ
	حضرت خطاب بن حارثؓ
	حضرت سفیان بن معمرؓ
	حضرت خالد بن سفیانؓ
	حضرت جنادہ بن سفیانؓ
	حضرت نبیہہ بن عثمانؓ
بنو عامر بن لوی	حضرت ابوسبرہ بن ابی رہمؓ
	حضرت عبداللہ بن مخرمہؓ
	حضرت حاطب بن عمروؓ
	حضرت عبداللہ بن سہیلؓ
	حضرت عمیر بن عوفؓ
	حضرت وہب بن سعدؓ
	حضرت سلیط بن عمروؓ
	حضرت سکران بن عمروؓ
	حضرت مالک بن زمعہؓ

بنوفہر بن مالک	حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ
	حضرت سہیل بن بیضاءؓ
	حضرت معمر بن ابی سرحؓ
	حضرت عیاض بن زہیرؓ
	حضرت عمرو بن حارثؓ
	حضرت عثمان بن عبد غنمؓ
بنواسد بن عبدالعزی	حضرت سعید بن عبد قیسؓ
	حضرت خالد بن حزامؓ
	حضرت اسود بن نوفلؓ
	حضرت عمرو بن امیہؓ
	حضرت یزید بن زمعہؓ
بنوعبد [illegible] بن قصی	حضرت ابوالروم بن عمیرؓ
	حضرت فراس بن نضرؓ
	حضرت جہم بن قیسؓ
بنوعبد بن قصی کے حلیف	حضرت ابوفکیہہؓ
بنی سعد کے حلیف	حضرت محمیہ بن جزاءؓ
قبیلہ دوس	حضرت معیقب بن ابی فاطمہ دوسیؓ
	حضرت طفیل بن عمرو دوسی رئیس قبیلہؓ

قبیلہ دوس کی خواہش......جب کہ مکہ میں چاروں طرف مشرکین کی یورش اور دشمنان اسلام کا نرغہ تھا، اس وقت بھی اطراف مکہ کے وہ قبائل جن پر اسلام کا پرتو پڑ چکا تھا، ذات نبویؐ کی حمایت اور امداد پر آمادہ تھے، چنانچہ قبیلہ دوس جو مستحکم قلعہ کا مالک تھا، اس کے سردار طفیل بن عمروؓ نے خواہش کی آنحضرت ﷺ یہاں ہجرت کر آئیں، لیکن آپؐ نے انکار کر دیا۔[1] اسی طریقہ سے ایک ہمدانی نے آپؐ کی حفاظت پر آمادگی ظاہر کی۔[2] لیکن بغیر آپؐ حکم الٰہی کے مجبور تھے۔

مدینہ کا خواب......بالآخر جس چیز کا انتظار تھا، آنحضرت ﷺ کو عالم رویا میں اس کا مشاہدہ کرا دیا گیا، اور آپؐ نے خواب دیکھا کہ مکہ سے کھجوروں والی زمین میں ہجرت کر رہے ہیں، اس

[1] مسلم جلد ۱ باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لایکفر۔
[2] مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۱۳

سے آپ یمامہ یا ہجر سمجھے، لیکن درحقیقت یہ یثرب کی بابرکت زمین تھی۔[1]

اہل مدینہ کا قبول اسلام...... اوپر گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ حج کے موسم میں حجاج میں تبلیغ اسلام فرماتے تھے، اس سلسلہ میں آپ کو چند خزرجی اشخاص ملے، آپؐ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا، ان کا آئینہ قلب اس کے پہلے ہی عکس میں توحید کے پرتو سے چمک اٹھا، البتہ ان کی تعداد اور اولیت میں اختلاف ہے کہ پہلی مرتبہ کتنے لوگ مشرف باسلام ہوئے اور وہ کون کون لوگ تھے، ان کی تعداد باختلاف روایت ۲، ۶، اور ۸ ہے، لیکن ۶ کی روایت مرجح ہے، اور اس صورت میں واقعہ کی صورت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو موسم حج میں بنونجار کے کچھ آدمی ملے، آپ نے دریافت فرمایا کہ تم یہود کے حلیف ہو؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا، آپؐ نے اسلام پیش کیا، اور قرآن کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں، اور وہ لوگ مشرف باسلام ہوگئے۔

ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔[2]

حضرت اسعد بن زرارہؓ	حضرت عوف بن حارثؓ
حضرت رافع بن مالکؓ	حضرت قطبہ بن عامرؓ
حضرت عقبہ بن عامرؓ	حضرت جابر بن عبداللہؓ

انصارؓ کی پہلی بیعت........ دوسرے سال موسم حج میں خزرج کے بارہ آدمی آئے، اور آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی، یہ بیعت جہاد نہ تھی، بلکہ چند اخلاقی باتوں کا عہد تھا یعنی شرک، چوری، زنا، قتل اولاد، اور بہتان سے احتراز، اور امر بالمعروف میں اطاعت۔ یہ لوگ جب بیعت کر کے واپس جانے لگے تو آنحضرت ﷺ نے مصعب بن عمیرؓ کو تعلیم قرآن کے لئے ساتھ کر دیا۔ یہ وہاں امامت بھی کرتے تھے۔[3]

انصارؓ کی دوسری بیعت...... تیسری مرتبہ خزرجی مسلمان بہتر اشخاص اپنے ساتھ لائے، اور ان سبھوں نے بیعت کی، مگر یہ بیعت آسان نہ تھی، اس میں جان کی بازی تھی کہ وہ ہزاروں دشمنان اسلام کے درمیان آنحضرت ﷺ کی حفاظت اپنے اہل وعیال کی طرح کریں گے۔[4]

عام ہجرت...... انصارؓ کی بیعت اور اذن ہجرت کے بعد ستم رسیدہ مسلمانوں کے لئے بیت الامن مدینہ کی شاہراہ کھل گئی، اور آنحضرت ﷺ نے عام مسلمانوں کو مژدہ سنا دیا، اور ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا، سب سے پہلے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ اور عامر بن ربیعہؓ نے ابتدا کی۔[5] اس کے بعد مسلمان ہر طرف سے جوق در جوق اس جائے پناہ میں آنے لگے، ان کی فہرست بہت طویل ہے، اکثروں کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔[6]

---

[1] بخاری جلد ۱ ص ۵۵۱۔
[2] ابن سعد حصہ سیرۃ ص ۱۴۷
[3] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۲۷۔
[4] ایضاً ص ۲۴۳۔
[5] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۵۰
[6] ناموں کی تفصیل سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۵۳ تا ۲۶۳ سے لی گئی

عبداللہ بن جحشؓ
ابواحمد بن جحشؓ
عکاشہ بن محصنؓ
شجاع بن وہبؓ
عقبہ بن وہبؓ
اربد بن حمیرہؓ
منقذ بن نباتہؓ
یزید بن رقیشؓ
سعید بن رقیشؓ
محرز بن نضلہؓ
قیس بن جابرؓ
عمرو بن محصنؓ
مالک بن عمروؓ
صفوان بن عمروؓ
ثقیف بن عمروؓ
ربیعہ بن اکثمؓ
زبیر بن عبیدہؓ
تمام بن عبیدہؓ
سخبرہ بن عبیدؓ

محمد بن عبداللہ بن جحشؓ
عمر بن خطابؓ
عیاش بن ابی ربیعہؓ
زید بن خطابؓ
عمرو بن سراقہؓ
عبداللہ بن سراقہؓ
خنیس بن حذافہؓ
سعید بن زیدؓ
عمرو بن نفیلؓ
واقد بن عبداللہؓ
خولی بن ابی خولیؓ
مالک بن ابی خولیؓ
ایاس بن بکیرؓ
عامر بن بکیرؓ
عاقل بن بکیرؓ
خالد بن بکیرؓ
طلحہ بن عبیداللہؓ
صہیب بن سنانؓ
حمزہ بن مطلبؓ

زید بن حارثہؓ
کنانہ بن حصینؓ
آنسہؓ
ابوکبشہؓ
عبیدہ بن حارثؓ
طفیل بن حارثؓ
حصین بن حارثؓ
مسطح بن اثاثہؓ
سویط بن سعدؓ
طلیب بن عمیرؓ
جناب مولیٰ عتبہ بن غزوانؓ
زبیر بن عوام
ابوسبرہؓ
مصعب بن عمیرؓ
ابوحذیفہؓ
سالم مولیٰ ابوحذیفہؓ
عتبہ بن غزوانؓ
عثمان بن عفانؓ

مستورات :

زینب بنت جحشؓ
ام حبیب بنت جحشؓ
ام حبیب بنت ثمامہؓ

جذامہ بنت جندلؓ
ام قیس بنت محصنؓ
ام سلمہؓ

سخبرہ بنت تمیمؓ
حمنہ بنت جحشؓ
آمنہ بنت رقیشؓ

ہجرت کا سلسلہ فتح مکہ تک کیوں قائم رہا اور اس کے کیا اسباب تھے..... مدینہ آنے کے بعد مسلمانوں کی زندگی بڑی حد تک محفوظ و مطمئن ہو گئی تھی، تاہم ہجرت عظمیٰ کے بعد اس کا سلسلہ منقطع نہیں کیا گیا، اور کچھ نہ کچھ لوگ برابر ہجرت کرتے رہے، اس کے متعدد وجوہ و اسباب تھے، اول یہ کہ ابھی بہت سے ستم رسیدہ مسلمان مشرکین کے پنجہ ظلم میں اسیر تھے، جب جب ان کی گلو خاصی ہوتی گئی، مدینہ آتے گئے، دوسرے یہ کہ ان مسلمانوں کے لئے جو مکہ سے دور دراز مقامات پر رہتے تھے، اتنا وقت درکار تھا کہ ہجرت کے لئے ضروری انتظامات کر سکیں،

تیسرا اور سب سے اہم سبب یہ تھا کہ ہجرت کے بعد بھی اسلام میں اتنی قوت پیدا نہ ہوئی تھی کہ وہ اپنے ان پرستاروں کے جان و مال کی پوری حفاظت کر سکے، جو مدینہ کے علاوہ دوسرے مقامات پر رہتے تھے، اور یہ اس وقت تک ناممکن تھا، جب تک کہ مشرکین کی قوت نہ ٹوٹ جائے، اور ان کا سب سے بڑا قافلہ اور مرکز مکہ مکرمہ مسلمانوں کے قبضہ میں نہ آ جائے، اس لئے ہجرت کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہا جب تک خانہ کعبہ پر توحید کا علم نصب نہ ہوگیا، اور ہجرت عظمیٰ کے بعد سے فتح مکہ تک برابر مسلمان آتے رہے، چنانچہ غزوہ خیبر کے قبل تک جو فتح مکہ کے کچھ ہی دن پیشتر ہوا، قابل ذکر اشخاص میں سعید بن عامر بن خدیمؓ، حجاج بن علاط اور عوف بن مالک اشجعیؓ آئے، پھر عین غزوہ خیبر کے موقعہ پر مہاجرین حبش کا پورا قافلہ مدینہ آ گیا، ان سب کے نام اوپر لکھے جا چکے ہیں، پھر فتح مکہ کے کچھ دن پہلے مسلمانوں کی کافی تعداد آئی، جن میں ذیل کے اشخاص قابل ذکر ہیں، حضرت عمرو بن عاصؓ، خالد بن ولیدؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، سلمہ بن اکوعؓ، ابو ہریرہؓ، دوسیؓ، عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ، ربیعہ بن کعب اسلمیؓ، سلیمان بن صردؓ، اور یہ سلسلہ فتح مکہ تک قائم رہا، فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ نے اعلان فرما دیا کہ:

لا هجرة بعد الفتح الا جهاد و نية [1]

"فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں، اب صرف جہاد اور نیت کا ثواب ہے"۔

کیونکہ اب اسلام کو کل عرب میں امن و امان حاصل ہوگیا تھا، اور مسلمانوں کی حفاظت کے لئے کسی خاص دارالامان کی ضرورت نہیں تھی۔

مہاجرینؓ کے فضائل و مناقب

کلام اللہ اور مہاجرین...... انسان کے لئے تھوڑے عرصہ تک مصائب برداشت کر لینا زیادہ دشوار نہیں ہے، کچھ دنوں کے لئے وہ مالی نقصان بھی اٹھا سکتا ہے، جسمانی اذیتیں بھی برداشت کر سکتا ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر ایک مرتبہ جان بھی دے سکتا ہے، مگر جیتے جی ہمیشہ کے لئے خویش و اقارب، اہل و عیال، اور مال و دولت سب چھوڑ کر جلاوطنی کی مصیبت نہیں سہہ سکتا، مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سب سے بڑا ایثار، سب سے بڑی قربانی اور سب سے بڑا شرف یہی ہے، کہ وہ صرف خدا اور رسول کی خوشنودی کے لئے اپنے وطن، اپنے اہل و عیال اور اپنے مال و جائیداد سب کو چھوڑ کر بے خانماں ہوئے، یہ وہ جذبہ فدویت ہے، جس کی مثال مذاہب عالم کے تاریخی صفحوں میں نہیں مل سکتی، جب وہ گھر سے بے گھر ہوئے، تو ان کے جیب و دامن مال و دولت کے زخارف سے خالی تھے، کھانے پینے تک کا سہارا نہ تھا، نہ کپڑا تھا، غرض وہ

[1] بخاری کتاب الجہاد، باب وجوب النفیر و ما یجب من الجہاد۔

ہر قسم کی مادی دولت سے تہی دامن تھے، لیکن ان کے دل ایمان، خدا اور رسول کی محبت اور ولولہ مذہب کی دولت سے معمور تھے اور اس نے ان کو تمام مزخرفات دنیوی سے بے نیاز کر دیا تھا۔

خدا نے ان کے یہ تمام صفات قرآن پاک میں خود بیان فرمائے ہیں، چنانچہ سورۂ حشر میں مہاجرینؓ کی یہ خصوصیات شمار کرائی گئی ہیں۔

للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم و اموالهم يبتغون فضلامن اللّٰه و رضواناوينصرون اللّٰه و رسوله اولئک هم الصادقون.
(الحشر ع ۵۹ :۸)

''(مال غنیمت میں) ان محتاج مہاجرین کا بھی حق ہوتا ہے جو اپنے وطن سے نکالے گئے، اور اپنی جائیداد اور دولت سے محروم کر دیئے گئے، اور خدا کے فضل اور اس کی رضا مندی کے متلاشی ہیں، اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہ ہیں راست باز لوگ''۔

ان کے اقوال وافعال یہ تھے۔

الذين اخرجوامن ديارهم بغير حق الا ان يقولوا ربنا اللّٰه ولولا دفع اللّٰه الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع و صلوات و مسجد يذكر فيها اسم اللّٰه كثيرا ولينصرن اللّٰه من ينصره ان اللّٰه لقوى عزيز ٥ الذين ان مكنّٰهم فى الارض اقاموا الصلوة واٰتوا الزكٰوة وامروا بالمعروف ونهوا عن المنكر ولله عاقبة الامور. (الحج ع ۲۲: ۴۰، ۴۱)

''وہ لوگ اپنے گھروں سے ناحق اس جرم میں نکالے گئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے نہ ہٹوا دیتا تو کلیسے اور گرجے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے، گرا دیئے جا چکے ہوتے، اور جو اللہ کی مدد کرے گا، اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا، بے شک اللہ قوت والا اور غالب ہے، یہ لوگ (مہاجرین) اگر ہم ان کو حکومت دے کر زمین پر قادر کر دیں تو یہ نمازیں پڑھیں گے، زکوٰۃ دیں گے اور لوگوں کو اچھے کام کے لئے کہیں گے اور برے کاموں سے منع کریں گے اور انجام خدا ہی کے لئے ہے''۔

ان قربانیوں کے صلہ میں دنیا اور آخرت کی سب سے گراں بہا نعمت ان کو حاصل تھی، یعنی رضائے الٰہی اور اس کی رحمت درجات اور مراتب کے اعتبار سے بھی وہ خدا کے نزدیک سب سے بلند تر تھے۔

الـذین اٰمنوا وھا جروا وجاھدوا فی سبیل اللّٰہ باموالھم وانفسھم اعظم درجۃ عنداللّٰہ واولٰئک ھم الفائزون، یبشر ھم ربھم برحمۃ منہ ورضوان و جنت لھم فیھا نعیم مقیم، خالدین فیھا ابدا۔

(توبہ ع ۹: ۲۰-۲۲)

''جولوگ ایمان لائے، اور ہجرت کی اور جان و مال سے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا، یہ لوگ اللہ کے نزدیک بہت بلند مرتبہ ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں، ان کا رب ان کو اپنی خوشنودی اور رحمت اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے، جن میں ان کو دائمی آسائش ہے، اور یہ لوگ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔''

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہجرت کے علاوہ ان کی شان یہ بھی ہے کہ وہ اپنی جان اور اپنا مال خدا کی راہ میں لٹاتے ہیں۔

ایک دوسری آیت میں نہ صرف مہاجرین کے لئے بلکہ مہاجرین کے نقش قدم پر چلنے والوں کے لئے بھی اس خوشنودی کا مژدہ سنایا گیا ہے۔

والسابقون الاولون من المھٰجرین والانصار والذین اتبعو ھم باحسان رضی اللّٰہ عنھم و رضواعنہ و اعدلھم جنٰت تجری تحتھا الانھار خالدین فیھا ابدا ط ذالک الفوزا لعظیم۔

(توبہ ع ۹: ۱۰۰)

''اور مہاجرین وانصار میں سے جن لوگوں نے اسلام میں سبقت کی اور وہ لوگ جنہوں نے خلوص قلب سے ان کا اتباع کیا، خدا ان سے راضی ہے اور وہ لوگ خدا سے راضی ہیں، اور ان کے لئے ایسے باغ تیار کرائے گئے ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں، ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے۔''

ایمان والوں کی شان یہ ہے کہ وہ رحمتِ الٰہی سے ناامید نہیں ہوتے، اس لئے مہاجرین ہمیشہ اس کی رحمت کے امیدوار رہتے تھے۔

والـذین ھاجروا وجاھد وا فی سبیل اللّٰہ اولٰئک یرجون رحمۃ اللّٰہ واللّٰہ غفوررحیم۔ (بقرہ ع ۲: ۲۱۸)

''جولوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور راہ خدا میں جہاد کیا یہی لوگ خدا کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

خدا ان کی اس امید رحمت کو اس طرح پورا کرے گا کہ ان کے تمام گناہوں سے درگزر کرے گا، اور ان کی خطائیں ان کے نامہ اعمال سے مٹا دے گا۔

فالذین هاجروا واخرجوا من دیارهم واوذوا فی سبیلی وقاتلوا وقتلوا لاکفرن عنهم سیاٰتهم ولادخلنهم جنٰت تجری من تحتها الانهار۔ (آل عمران ع ۳:۱۹۵)

پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے وطن سے نکالے گئے اور میرے راستے میں تکلیفیں پہنچائے گئے، اور لڑے اور مارے گئے، ہم ان کی برائیوں کو مٹادیں گے اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جس کے نیچے نہریں رواں ہوں گی۔

خدا ان کی اس خانہ بربادی کے صلہ میں ان کو دنیا میں بھی بلند مرتبہ کرے گا، اور آخرت میں بھی سرفراز فرمائے گا۔

والذین هاجروا فی اللّٰه من بعد ماظلموا لنبؤنهم فی الدنیا حسنة ولاجر الأخرة اکبر لو کانوا یعلمون. (نحل ع ۱۶:۴۱)

اور جن مسلمانوں نے اپنی مظلومیت کی وجہ سے ہجرت کی ان کو ہم دنیا میں ضرور اچھی جگہ بٹھائیں گے اور آخرت کا اجر اس سے بہت بڑا ہے کاش وہ لوگ جانتے۔

مہاجرین نے راہ خدا میں تمام شدائد اٹھائے، جلاوطن ہوئے، ہر طرح کی جسمانی اور روحانی تکلیفیں برداشت کیں مگر ابرو پر شکن تک نہ آئی، اور نہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹا، خدا نے ان کو اس استقامت اور صبر کا صلہ دیا۔

ثم ان ربک للذین هاجروا من بعد مافتنوا ثم جاهدوا وصبروا ان ربک من بعدها لغفور رحیم۔ (نحل ع ۱۶:۱۱۰)

''پھر خدا ان لوگوں کے لئے جنہوں نے مصیبت میں مبتلا ہونے کے بعد گھر بار چھوڑا، اور جہاد کیا، اور (ان کی تکلیفوں پر) صبر کیا، بے شک تمہارا خدا (ان امتحانوں کے بعد) بخشنے والا مہربان ہے''۔

سورۂ حج میں ایک موقع پر اپنے انعام واکرام کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

والذین هاجروا فی سبیل اللّٰه ثم قتلوا اوماتوا لیرزقنهم اللّٰه رزقا حسناط وان اللّٰه لهو خیر الرازقین لیدخلنهم مدخلا یرضونه۔ (حج:۸۴)

''جن لوگوں نے خدا کی راہ میں ہجرت کی، پھر شہید ہوگئے یا مر گئے، ان

کو خدا ضرور اچھا رزق دے گا، بے شک خدا ہی روزی دینے والوں میں بہتر روزی دینے والا ہے، اور ان کو ایسی جگہ داخل کرے گا جس سے وہ لوگ خوش ہو جائیں گے"۔

تنگدستی و عسرت کے وقت جب کہ تمام رشتہ داریاں منقطع ہو جاتی ہیں اور احباب کنارہ کش ہو جاتے ہیں، مہاجرین نے آنحضرت ﷺ کا ساتھ دیا، خدا نے اس کے عوض میں ان پر اپنا یہ فضل کیا۔

لقد تاب اللّٰہ علی النبی و المھٰجرین و الانصار الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ. (توبہ ع ۹:۱۱۷)

اللہ تعالیٰ نے نبی اور ان مہاجرین و انصار پر...... اپنا فضل و کرم کیا، جنہوں نے عسرت کی گھڑیوں میں نبی کا ساتھ دیا۔

خدا نے صرف اپنے فضل و کرم پر اکتفا نہ کیا، بلکہ صاحب مقدور مسلمانوں کو ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی خطاؤں سے درگزر کرنے کی ہدایت فرمائی، اور اس کو موجب مغفرت قرار دیا۔

ولا یاتل اولوا الفضل منکم و السعۃ ان یوتوا اولی القربیٰ و المساکین و المھاجرین فی سبیل اللہ ولیعفوا ولیصفحوا ط الا تحبون ان یغفر اللہ لکم ط واللّٰہ غفور رحیم. (نور ع ۲۴:۲۲)

تمہارے صاحب فضل اور صاحب مقدور لوگ قرابت والوں اور محتاجوں اور مہاجرین فی سبیل اللہ کی (مالی) مدد نہ کرنے کی قسم نہ کھالیں، بلکہ چاہئے کہ ان کی خطائیں معاف کر دیں، اور ان سے درگزر کریں، کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا تمہاری مغفرت کرے، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ہجرت اخلاص فی الاسلام کی علامت اور ایمان کی کسوٹی ہے، اس سے مومنین اور منافقین میں امتیاز ہوتا ہے، بغیر ہجرت ان پر اعتماد کی اجازت نہیں۔

فلا تتخذوا منھم اولیاء حتی یھاجروا فی سبیل اللہ. (النساء ع ۴:۸۹)

"جب تک یہ لوگ (منافقین) خدا کی راہ میں ہجرت نہ کر جائیں اس وقت تک ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ"۔

مسلمانوں میں صرف وہی ایک دوسرے کے دوست ہیں، جنہوں نے راہ خدا میں گھر چھوڑے اور اس کے راستہ میں جانی اور مالی جہاد کیا، یا جنہوں نے مہاجرین کی امداد کی۔

ان الذین امنوا و ھاجروا و جاھدوا باموالھم و انفسھم فی سبیل

اللّٰہ والذین اووا ونصروا اولٰئک بعضھم اولیاء بعض. (انفال ع ۸: ۷۲)

''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور راہ خدا میں اپنی جان و مال سے جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان مہاجرین کو جگہ دی اور ان کی مدد کی، یہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں''۔

وراثت کے لئے تنہا ایمان کافی نہیں بلکہ ایمان کے ساتھ ساتھ ہجرت بھی نہایت ضروری ہے، ورنہ وارث مورث کی وراثت نہیں پاسکتا۔

والذین امنوا ولم یھاجروا مالکم من ولا یتھم من شئی حتی یھاجروا (انفال ع ۸: ۷۲)

''اور وہ لوگ جو ایمان لائے مگر ہجرت نہیں کی، تو تم کو ان کی وراثت سے کوئی تعلق نہیں، جب تک وہ ہجرت نہ کر جائیں''۔

ایمان کی پختگی کا دار و مدار ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ پر ہے۔

والذین امنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللّٰہ والذین اووا ونصروا اولٰئک ھم المؤمنون حقا لھم مغفرۃ ورزق کریم. (انفال ع ۸: ۷۴)

''اور جو لوگ ایمان لائے، اور انہوں نے ہجرت کی، اور خدا کے راستہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی، یہی لوگ پکے ایمان والے ہیں، اور ان کے لئے مغفرت اور عزت کی روزی ہے''۔

احادیث نبوی ﷺ...... قرآن کے علاوہ احادیث میں بھی ہجرت کی اہمیت اور مہاجرین کے فضائل کا کافی ذخیرہ موجود ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ ایک موقعہ پر مہاجرین کی فضیلت اس پیرایہ میں ظاہر کرتے ہیں [1]

لولا الھجرۃ لکنت امرءا من الانصار. [2]

''اگر ہجرت نہ ہوتی، تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا''۔

ہجرت حفاظت دین کی خاطر کی جاتی تھی۔

فقالت لا ھجرۃ الیوم کان المومنون یفر احدھم بدینہ الی اللّٰہ و رسولہ. [3]

''حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اب ہجرت کا حکم منسوخ ہوگیا، یہ مومنین کے لئے اس وقت تھی، جب وہ اپنے دین کو بچانے کے لئے خدا اور اس کے رسول کی طرف فتنہ کے خوف سے بھاگ کر پناہ گزین ہوتے تھے''۔

---

[1] بخاری باب بنیان الکعبہ، باب ہجرت النبی ﷺ [2] ایضاً [3] بخاری جلد ۱ ص ۵۵۳

ہجرت کا معاملہ نہایت سخت ہے اور وہی لوگ اس کو کر سکتے ہیں جو اپنے ایمان واعتقاد میں نہایت سخت ہوں۔

جاء اعرابی الی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فسالہ عن الھجرۃ فقال ویحک ان الھجرۃ شانھا شدید۔

"ایک اعرابی نے آنحضرت کے پاس آ کر ہجرت کے بارے میں سوال کیا، آپؐ نے فرمایا کہ تجھ پر افسوس ہے، ہجرت بہت ہی سخت ہے"۔

ہجرت کا ثمرہ نیت پر ہے۔

عن عمر قال سمعت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول الاعمال بالنیۃ فمن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او امراۃ یتزوجھا فھجرتہ الی ماھا جر الیہ ومن کانت ھجرتہ الی اللّٰہ و رسولہ فھجرتہ الی اللّٰہ و رسولہ۔[1]

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے، پس جس کی نیت ہجرت دنیا کے لئے یا کسی عورت سے شادی کی نیت سے ہوگی، تو یہ ان ہی چیزوں کے لئے ہوگی، اور جو ہجرت اللہ اور رسول کے لئے ہوگی، اس کا اللہ ورسول کی خوشنودی میں شمار ہوگا۔

اور صحابہ کرامؓ کی ہجرت جاہ ودولت کے لئے نہ تھی، بلکہ جس چیز کے لئے تھی، اس کو خود حضرت خبابؓ بیان کرتے ہیں۔

کناھا جرنا مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نبغی وجہ اللّٰہ فوجب اجرنا علی اللّٰہ۔[2]

"ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خالصتاً لوجہ اللہ ہجرت کی تھی، اس لئے ہم اجر کے مستحق ہو گئے"۔

چونکہ مہاجرینؓ اپنے وطن کو خالصتاً لوجہ اللہ چھوڑتے تھے، اس لئے دوبارہ اس زمین میں رہنا اور مرنا تک گوارا نہ کرتے تھے، چنانچہ حضرت سعدؓ ہجرت کے بعد کسی ضرورت سے مکہ آئے اور وہاں آ کر بیمار پڑ گئے، حالت نازک ہوئی، تو محض اس خیال سے زیادہ پریشان تھے کہ مکہ ہی میں انتقال نہ ہو جائے، آنحضرت ﷺ بھی اس کو ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ آپ خود بیان کرتے ہیں۔

[1] بخاری جلد ا، باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینہ
[2] ایضاً

عن سعد بن ابی وقاص قال جاء نی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعودنی و انا بمکۃ وھو یکرہ ان یموت بالارض التی ھا جرمنھا۔ [1]

''حضرت سعد بن وقاصؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ میری عیادت کو مکہ تشریف لائے، اور آپ اس مقام پر موت کو ناپسند فرماتے تھے، جہاں سے ہجرت کی گئی ہو''۔

اسی حدیث میں اس موقع پر ایک روایت میں ہے کہ خود حضرت سعدؓ نے آنحضرت ﷺ سے دعائے صحت کی درخواست کی تاکہ ان کی ہجرت ناکام نہ رہ جائے۔

قال مرضت فعادنی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقلت یارسول اللّٰہ! ادع اللّٰہ ان لایردنی علی عقبی۔ [2]

''حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہوا، آنحضرت ﷺ میری عیادت کو تشریف لائے میں نے درخواست کی کہ حضورؐ میرے لئے دعا فرمائیں کہ خدا مجھ کو الٹے پاؤں نہ لوٹائے''۔

اس درخواست پر آپ نے یہ دعا فرمائی۔

اللھم امض اصحابی ھجرتھم ولایردھم علی اعقابھم [3]

''خدایا! میرے اصحاب کی ہجرت پوری کردے اور ان کو الٹے پاؤں نہ لوٹا''۔

اکابر اصحابؓ ہجرت کو اپنے لئے سرمایہ فخر سمجھتے تھے، چنانچہ حضرت عثمانؓ فخریہ فرماتے تھے کہ ''ھاجرت الھجرتین اوالتین'' [4]

مہاجرین قیامت کے دن عام مسلمانوں سے ممتاز اور آفتاب کی طرح تاباں ہوں گے۔

عن ابن عمرؓ قال کنا عند رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوما حین طلعت الشمس فقال سیاتی ناس من امتی یوم القیامۃ نورھم کضوء الشمس قلنا من اولئک یارسول اللّٰہ؟ فقال فقراء المھاجرین تتقی بھم المکارہ یموت احدھم وحاجتہ فی صدرہ یحشرون من اقطار الارض۔ [5]

''حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ طلوع آفتاب کے وقت آنحضرت ﷺ کے پاس تھے، آپ نے فرمایا کہ عنقریب قیامت کے دن میری امت کے کچھ لوگ ایسے اٹھیں گے کہ جن کا نور ضیائے شمس کے مماثل

---

[1] بخاری جلد اول ص ۳۸۳
[2] بخاری جلد اول ص ۳۸۳۔
[3] بخاری باب ہجرۃ الحبشہ
[4] ایضا
[5] کنز العمال جلد ۷ ص ۱۳۳

ہوگا، ہم لوگوں نے کہا یارسول اللہ وہ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا کہ فقراء مہاجرین جن کے ذریعہ سے مصیبتوں کا تحفظ کیا جاتا ہے اور اپنی حسرتیں اور تمنائیں سینوں میں لئے ہوئے دنیا سے اٹھتے ہیں، یہ لوگ مختلف اقطاع عالم سے اٹھائے جائیں گے"۔

مہاجرین کے لئے عام مسلمانوں سے مدتوں پہلے جنت کے دروازے کھل جائیں گے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتعلم اول زمرۃ تدخل الجنۃ من امتی فقراء المھاجرین یاتون یوم القیٰمۃ الی باب الجنۃ ویستفتحون فتقول لھم خزنہ اوقدحو سبتم قالو ابای شیء نحاسب وانما کانت اسیافنا علی عواتقنا فی سبیل اللہ حتی متنا علی ذالک فیفتح لھم فیقیلون فیھا اربعین عاما قبل ان ید خلھا الناس.[1] (مسند ابن عمر)

"حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم میری امت کے اس زمرہ کے لوگوں کو جانتے ہو جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا، وہ فقراء مہاجرین ہوں گے، قیامت کے روز وہ جنت کے دروازہ پر آکر باب جنت کھلوانا چاہیں گے دربان سوال کریں گے کہ کیا تمہارا حساب ختم ہو چکا؟ وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہمارا کس چیز کا حساب ہوگا، خدا کے راستہ میں ہماری تلواریں ہمارے زیب دوش رہیں، اور اسی آن کے ساتھ جان دی اس کے بعد جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے، اور عام لوگوں کے داخلہ سے چالیس سال قبل وہ لوگ اس میں آرام کریں گے"۔

مہاجرین کسی حالت اور کسی وقت میں بھی اسلام کی خدمت سے پہلوتہی نہ کرتے تھے فاقہ پر فاقہ ہوتے، مگر ان کی جانفروشیوں میں فرق نہ آتا، غزوہ خندق کے موقعہ پر علی الصباح کڑکڑاتے جاڑوں میں خالی پیٹ خندق کھودتے تھے، چنانچہ اسی موقعہ پر ایک دن صبح سویرے آنحضرت ﷺ نکلے، تو یہ منظر دیکھا۔

قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الخندق فاذا المھاجرون والانصار یحفرون فی غداۃ باردۃ فلم یکن لھم عبید یعملون ذالک فلما رای مابھم من النصب والجوع .

"رسول اللہ ﷺ خندق کی طرف گئے تو آپ نے دیکھا کہ مہاجرین اور

[1] بخاری جلد ۲ کتاب المغازی باب غزوۂ خندق

انصار سردی کی صبح میں خندق کھود رہے ہیں، اور ان کے پاس کوئی نوکر چاکر نہیں
کہ اس کام کو کردے اور ان کی تھکن اور بھوک کو دیکھ کر"۔
یہ دعا فرمائی۔

اللھم ان العیش عیش الأخرۃ فاغفر الانصار والمھاجر
"خدایا اصل عیش آخرت کا عیش ہے، مہاجرین اور انصار کی مغفرت فرما"۔

ان فضائل کے علاوہ مہاجرینؓ کی ایک نمایاں فضیلت یہ تھی کہ ان کا دامن نفاق کے داغ سے پاک وصاف تھا، اس لئے منافق وہ لوگ تھے جو در پردہ تو اسلام کے دشمن تھے مگر خوف سے اس کا اظہار نہ کر سکتے تھے، یا وہ تھے جو مال و دولت کی طمع میں مسلمان ہوئے تھے، یا وہ تھے جو خوف سے اسلام لائے تھے، اور مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اسلام ان تینوں چیزوں کی آمیزش سے پاک تھا، اس لئے کہ جب یہ لوگ مشرف باسلام ہوئے، اس وقت اسلام بالکل ابتدائی حالت میں تھا، نہ اس کے پاس مال وزر تھا، نہ قوت وحکومت تھی، بلکہ اس زمانہ میں جو لوگ مسلمان ہوئے ان کی جان اور ان کا مال خود خطرہ میں پڑ گیا تھا، اس لئے ان کا اسلام خالصۃ للہ تھا، ایک سبب یہ بھی تھا کہ مکہ کی سیزدہ (تیرہ) سالہ زندگی میں مسلمان تعداد اور قوت دونوں حیثیتوں سے کفار کے مقابلہ میں ضعیف تھے، اس لئے وہ مسلمانوں کا مقابلہ اپنی قوت کے بل پر کرتے تھے، اس لئے ان کی دوستی اور دشمنی دونوں کھلی ہوئی تھیں۔

اس کے برعکس مدینہ میں انصارؓ کے علاوہ کچھ لوگ تو خوف سے اسلام کے دائرہ میں داخل ہوئے اور کچھ لوگوں نے مال وزر کی طمع میں اسلام قبول کیا، اس کے علاوہ جن لوگوں کے اقتدار کو اسلام نے صدمہ پہنچایا تھا وہ در پردہ تو ان کے مخالف تھے، مگر علی الاعلان اس کا اظہار نہیں کر سکتے تھے کہ مسلمانوں میں کافی طاقت آچکی تھی، خود انصار ان کے پشت پناہ تھے چنانچہ عبداللہ بن ابی وغیرہ اسی قسم کے لوگوں میں تھے، اس لئے مکی سورتوں میں کہیں نفاق ومنافقت کا تذکرہ نہیں ہے، اور مدنی سورتوں میں اس کا بکثرت ذکر آتا ہے، نساء، توبہ، انفال، احزاب، حدید اور فتح مدنی سورتیں ہیں اور ان سب میں مذمت کے ساتھ نفاق کا ذکر ہے، سورۂ منافقون مخصوص طور پر ان کی پردہ دری میں نازل ہوئی ہے، سورۂ توبہ میں بھی نہایت تفصیل کے ساتھ ان کی نفاق آمیز دوستی کا راز فاش کیا گیا ہے۔

الاعراب اشد کفرا ونفاقا واجدر الا یعلموا حدود ما انزل اللّٰہ علی رسولہ واللّٰہ علیم حکیم، ومن الاعراب من یتخذ ماینفق مغرما ویتربص بکم الدوائر علیھم دائرۃ السوء واللّٰہ سمیع علیم. (توبہ ع ۹: ۹۷، ۹۸)

"دیہاتی بدو کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں، اور یہ اسی لائق ہیں کہ خدا نے اپنے رسول پر جو اتارا ہے، اس کے احکام کو نہ جانیں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے، دیہاتیوں میں کچھ ایسے بھی ہیں کہ جو کچھ خدا کی راہ میں صرف کرتے ہیں اس کو تاوان سمجھتے ہیں اور تم مسلمانوں پر گردش زمانہ کے منتظر ہیں سوان ہی پر بری گردش ہوگی اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے"۔

خداوند تعالیٰ نے دوسرے موقع پر مدینہ کی بھی صراحت کردی ہے۔

ومن حولکم من الاعراب منٰفقون، ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق لاتعلمھم نحن نعلمھم سنعذ بھم مرتین ثم یردون الی عذاب الیم۔ (توبہ ع ۹: ۱۰۱)

"اور مسلمانو! تمہاری آس پاس کے دیہاتیوں میں منافق ہیں اور خود مدینہ والوں میں جو نفاق پر اڑے ہوئے ہیں، ان کو تم نہیں جانتے، ہم ان کو جانتے ہیں عنقریب ہم ان کو دہرا عذاب دیں گے پھر بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے"۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ میں مہاجرینؓ کی اس فضیلت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ:

"احمد بن حنبلؒ اور دوسرے علماء کہتے ہیں کہ مہاجرینؓ میں کوئی منافق نہ تھا، بلکہ نفاق انصارؓ کے قبیلوں میں ظاہر ہوا، جب مدینہ میں اسلام کا غلبہ ہوا، اور اس میں اوس وخزرج کے قبیلے داخل ہوئے اور مسلمانوں کو ایک ایسا محفوظ گھر مل گیا جس کے ذریعہ سے وہ اپنی حفاظت کرنے اور لڑنے پر قادر ہوگئے تو مدینہ کے باشندے اسلام میں داخل ہوگئے اور اس کے قرب و جوار کے اعراب خوف اور جان بچانے کے لئے اسلام لائے، یہ لوگ منافق تھے، جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

ومن حولکم من الاعراب منٰفقون ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق لاتعلمھم نحن نعلمھم سنعذ بھم مرتین"۔

اسی لئے نفاق کا ذکر مدنی سورتوں میں ہے، مکی سورتوں میں نہیں ہے، کیونکہ جو لوگ ہجرت سے قبل مکہ میں اسلام لائے تھے، ان میں کوئی منافق نہ تھا

اور جن لوگوں نے ہجرت کی ان میں بھی کوئی منافق نہ تھا بلکہ یہ سب اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے تھے، اور اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھنے والے تھے، اور اللہ اور اس کا رسول ان کو ان کے اہل وعیال اور ان کے مال و دولت سے زیادہ محبوب تھا۔

شاہ معین الدین احمد ندوی

۱۰؍جولائی ۲۸ء

دارالمصنفین، اعظم گڑھ

حضرت زبیر بن العوامؓ

نام، نسب، خاندان...... زبیر نام، ابوعبداللہ کنیت، حواری رسول اللہ لقب، والد کا نام عوام اور والدہ کا نام صفیہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، زبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی بن کلاب ابن مرہ بن کعب بن لوئی القرشی الاسدی، حضرت زبیرؓ کا سلسلہ نصب قصی بن کلاب پر آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے، اور چونکہ ان کی والدہ حضرت صفیہؓ سرورِ کائناتؐ کی پھوپھی تھیں، اس لئے آنحضرت ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے، اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بھی حقیقی بھتیجے تھے، اور حضرت صدیقؓ کے داماد ہونے کے سبب سے وہ آنحضرت ﷺ کے ساڑھو بھی تھے، اور اس طرح ذات نبویؐ کے ساتھ ان کو متعدد نسبتیں حاصل تھیں۔

حضرت زبیرؓ ہجرت نبویؐ سے اٹھائیس سال قبل پیدا ہوئے، بچپن کے حالات بہت کم معلوم ہیں، لیکن اس قدر یقینی ہے کہ ان کی والدہ حضرت صفیہؓ نے ابتدا ہی سے ان کی ایسی تربیت کی تھی کہ وہ جوان ہوکر ایک عالی حوصلہ، بہادر، اولوالعزم مرد ثابت ہوں، چنانچہ وہ بچپن میں عموماً انہیں مارا پیٹا کرتیں اور سخت سے سخت محنت و مشقت کے کام کا عادی بناتی تھیں، ایک دفعہ نوفل بن خویلد جو اپنے بھائی عوام کے مرنے کے بعد ان کے ولی تھے، حضرت صفیہؓ پر نہایت خفا ہوئے کہ کیا تم اس بچے کو اس طرح مارتے مارتے مار ڈالو گی، اور بنو ہاشم سے کہا کہ تم لوگ صفیہ کو سمجھاتے کیوں نہیں، حضرت صفیہؓ نے حسب ذیل رجز میں اس خفگی کا جواب دیا[1]

من قال انی ابغضه فقد کذب

انما اضربه لکی یلب

جس نے یہ کہا کہ میں اس سے بغض رکھتی ہوں، اس نے جھوٹ کہا، میں اس کو اس لئے مارتی ہوں کہ عقل مند ہو۔

ویهزم الجیش ویاتی بالسلب . الخ

اور فوج کو شکست دے اور مال غنیمت حاصل کرے۔

اس تربیت کا یہ اثر تھا، کہ وہ بچپن ہی میں بڑے بڑے مردوں کا مقابلہ کرنے لگے تھے، ایک دفعہ مکہ میں ایک جوان آدمی سے مقابلہ پیش آیا، انہوں نے ایسا ہاتھ مارا کہ اس کا ہاتھ ٹوٹ

---

[1] ابن سعد اصابہ تذکرہ زبیرؓ

گیا، لوگ اسے لاد کر شاکیۃً حضرت صفیہؓ کے پاس لائے، تو انہوں نے معذرت و عفو خواہی کے بجائے سب سے پہلے یہ پوچھا کہ تم نے زبیرؓ کو کیسا پایا، بہادر یا بزدل؟[1]

اسلام...... حضرت زبیرؓ صرف سولہ برس کے تھے کہ نور ایمان نے ان کے خانہ دل کو منور کر دیا۔[2] بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پانچویں یا چھٹے مسلمان تھے، لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، تاہم سابقین اسلام میں وہ ممتاز اور نمایاں تقدم کا شرف رکھتے ہیں۔

حضرت زبیرؓ اگرچہ کمسن تھے، لیکن استقامت اور جان نثاری میں کسی سے پیچھے نہ تھے قبول اسلام کے بعد ایک دفعہ کسی نے مشہور کر دیا، کہ مشرکین نے آنحضرت ﷺ کو گرفتار کر لیا ہے، یہ سن کر جذبہ جانثاری سے اس قدر بے خود ہوئے کہ اسی وقت ننگی تلوار کھینچ کر مجمع کو چیرتے ہوئے آستانہ اقدس پر حاضر ہوئے، رسول ﷺ نے دیکھا تو پوچھا زبیرؓ! یہ کیا ہے؟ عرض کی مجھے معلوم ہوا تھا کہ (خدانخواستہ) حضور گرفتار کر لئے گئے ہیں۔

سرور کائناتؐ نہایت خوش ہوئے، اور ان کے لئے دعائے خیر فرمائی، اہل سیر کا بیان ہے۔ کہ یہ پہلی تلوار تھی جو راہ فدویت و جان نثاری میں ایک بچے کے ہاتھ سے برہنہ ہوئی۔[3]

ہجرت...... عام بالاکشان اسلام کی طرح حضرت زبیرؓ مشرکین مکہ کے پنجہ ظلم و ستم سے محفوظ نہ تھے، ان کے چچا نے ہر ممکن طریقہ سے ان کو اسلام سے برگشتہ کرنا چاہا، لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا، جو اتر جاتا، بالآخر اس نے برہم ہو کر اور بھی سختی شروع کی، یہاں تک کہ چٹائی میں لپیٹ کر باندھ دیتا، اور اس قدر دھونی دیتا، کہ دم گھٹنے لگتا، لیکن وہ ہمیشہ یہی کہے جاتے "کچھ کرو اب میں کافر نہیں ہوسکتا۔[4] غرض مظالم و شدائد سے اس قدر تنگ آئے کہ وطن چھوڑ کر حبش کی راہ لی، پھر کچھ دنوں کے بعد وہاں سے واپس آئے، تو خود سرور کائناتؐ نے مدینہ کا قصد کیا، اس لئے انہوں نے بھی یثرب کی مبارک سرزمین کو وطن بنایا۔

مواخات...... آنحضرت ﷺ نے مکہ میں حضرت طلحہؓ کو حضرت زبیرؓ کا اسلامی بھائی قرار دیا تھا، لیکن جب مدینہ پہنچنے کے بعد انصار و مہاجرین میں تعلقات پیدا کرنے کے لئے ایک دوسری مواخات منعقد ہوئی، تو اس دفعہ حضرت سلمہ بن سلامہ انصاریؓ سے رشتہ اخوت قائم کیا گیا، جو مدینہ کے ایک معزز بزرگ اور بیعت عقبہ میں شریک تھے۔

غزوات...... غزوات میں ممتاز حیثیت سے شریک رہے، سب سے پہلے غزوۂ بدر پیش آیا، حضرت زبیرؓ نے اس معرکہ میں نہایت جانبازی و دلیری کے ساتھ حصہ لیا، جس طرف نکل جاتے تھے غنیم کی صفیں تہ و بالا کر دیتے تھے، ایک مشرک نے ایک بلند ٹیلے پر کھڑے ہو کر مبارزت چاہی، حضرت زبیرؓ بڑھ کر اس سے لپٹ گئے اور دونوں قلابازیاں کھاتے ہوئے نیچے آئے،

---

[1] اصابہ جلد ا تذکرہ زبیرؓ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۵۹
[3] اسد الغابہ تذکرہ زبیر بن عوامؓ [4] اصابہ جلد ا تذکرہ زبیرؓ

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں میں جو سب سے پہلے زمین پر رکے گا، وہ مقتول ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ مشرک پہلے زمین پر گر کر حضرت زبیرؓ کے ہاتھ سے واصل جہنم ہوا۔[۱] اسی طرح عبیدہ بن سعید سے مقابلہ پیش آیا، جو سر سے پاؤں تک زرہ پہنے ہوئے تھا، صرف دونوں آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، حضرت زبیرؓ نے تاک کر اس زور سے آنکھ میں نیزہ مارا کہ اس پار نکل گیا، اس کی لاش پر بیٹھ کر بمشکل نیزہ کو نکالا، پھل ٹیڑھا ہوگیا تھا، آنحضرت ﷺ نے بطور یادگار حضرت زبیرؓ سے اس نیزہ کو لے لیا، اس کے بعد پھر خلفاء میں تبرکاً منتقل ہوتا رہا، یہاں تک خلیفہ ثالثؓ کے بعد حضرت زبیرؓ کے وارث حضرت عبداللہؓ کے پاس پہنچا، اور ان کی شہادت تک ان کے پاس موجود تھا۔

وہ جس بے جگری کے ساتھ بدر میں لڑے اس کا اندازہ صرف اس سے ہوسکتا ہے کہ ان کی تلوار میں دندانے پڑ گئے تھے، تمام جسم زخموں سے چھلنی ہوگیا تھا، خصوصاً ایک زخم اس قدر کاری تھا کہ وہاں پر ہمیشہ کے لئے گڑھا پڑ گیا تھا، حضرت عروہؓ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ ہم ان میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے۔[۲]

معرکہ بدر میں حضرت زبیرؓ زرد عمامہ باندھے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آج ملائکہ بھی اس وضع میں آئے ہیں۔[۳] غرض مسلمانوں کی شجاعت و ثابت قدمی نے میدان مار لیا، حق غالب رہا اور باطل کو شکست ہوئی۔

غزوۂ احد.... ۳ھ میں معرکہ احد کا واقعہ ہوا، اثنائے جنگ میں رسول ﷺ نے اپنی تلوار کھینچ کر فرمایا، کون اس کا حق ادا کرے گا؟ تمام جاں نثاروں نے بے تابی کے ساتھ اپنے ہاتھ پھیلائے، حضرت زبیرؓ نے تین دفعہ اپنے آپ کو پیش کیا، لیکن یہ فخر حضرت ابو دجانہؓ انصاری کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔[۴]

جنگ احد میں جب تیراندازوں کی بے احتیاطی سے فتح شکست سے مبدل ہوگئی، اور مشرکین کے اچانک حملے سے غازیان دین کے پاؤں متزلزل ہوگئے، یہاں تک کہ شمع نبوت کے گرد صرف چودہ صحابہؓ پروانہ وار ثابت قدم رہ گئے تھے، تو اس وقت بھی یہ جان نثار حواری جان نثاری کا فرض ادا کر رہا تھا۔[۵]

غزوۂ خندق.... ۵ھ میں یہودیوں کی مفسدہ پردازی سے تمام عرب مسلمانوں کے خلاف امنڈ آیا، سرور کائنات نے مدینہ کے قریب خندق کھود کر اس طوفان کا مقابلہ کیا، حضرت زبیرؓ اس حصہ پر مامور تھے جہاں عورتیں تھیں۔[۶]

---

[۱] کنز العمال جلد ۶ ص ۴۱۶۔ [۲] بخاری باب غزوۂ بدر
[۳] کنز العمال جلد ۶ ص ۴۱۶۔ [۴] زرقانی جلد ۲ ص ۳۲
[۵] ایضاً [۶] مسند جلد ۱ ص ۱۶۴۔

بنو قریظہ اور مسلمانوں میں باہم معاہدہ تھا، لیکن عام سیلاب میں وہ بھی اپنے عہد پر قائم نہ رہے، رسول اللہ ﷺ نے دریافت کے لئے کسی کو بھیجنا چاہا اور تین بار فرمایا کون اس قوم کی خبر لائے گا؟ حضرت زبیرؓ نے ہر مرتبہ بڑھ کر عرض کی کہ "میں" آنحضرت ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا "ہر نبی کے لئے حواری ہوتے ہیں، میرا حواری زبیرؓ ہے [۱] اس نازک وقت میں حضرت زبیرؓ کی اس طرح بے خطر تنہا آمد و رفت سے آنحضرت ﷺ ان کی اس جانبازی سے اس قدر متاثر تھے کہ فرمایا فداک ابی وامی یعنی میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔ [۲]

کفار بہت دنوں تک خندق کا محاصرہ کئے رہے۔ لیکن پھر کچھ تو ارضی و سماوی مصائب اور کچھ مسلمانوں کے غیر معمولی ثبات و استقلال سے پریشان ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

غزوۂ خیبر...... غزوۂ خندق کے بعد غزوۂ بنو قریظہ اور بیعت رضوان میں شریک ہوئے، پھر خیبر کی مہم میں غیر معمولی شجاعت دکھائی، مرحب یہودی خیبر کا رئیس تھا وہ مقتول ہوا تو اس کا بھائی یاسر غضبناک ہو کر "ھل من مبارز" کا نعرہ بلند کرتے ہوئے میدان میں آیا، حضرت زبیرؓ نے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا، وہ اس قدر تنومند اور قوی ہیکل تھا کہ ان کی والدہ حضرت صفیہؓ نے کہا یا رسول اللہ! میرا لخت جگر آج شہید ہوگا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہیں! زبیرؓ اس کو مارے گا، چنانچہ درحقیقت تھوڑی دیر رد و بدل کے بعد وہ واصل جہنم ہوا۔ [۳]

غرض خیبر فتح ہوا اور اس کے بعد فتح مکہ کی تیاریاں شروع ہوئیں، مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے تمام کیفیت لکھ کر ایک عورت کے ہاتھ قریش مکہ کے پاس روانہ کی، لیکن آنحضرت ﷺ کو خبر ہو گئی اور ایک جماعت اس عورت کی گرفتاری پر مامور ہوئی، حضرت زبیرؓ بھی اس میں شریک تھے، وہ گرفتار ہو کر آئی اور خط پڑھا گیا، تو ابن ابی بلتعہؓ کا سر ندامت سے جھک گیا، رحمۃ للعالمین نے ان کی عفو خواہی پر جرم معاف فرما دیا، اور یہ آیت نازل ہوئی۔

یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا عدوی وعدو کم اولیاء تلقون الیھم بالمودۃ. الایۃ [۴] (ممتحنۃ ع ۱۰ : ۱)

فتح مکہ...... رمضان ۸ھ میں دس ہزار مجاہدین کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے مکہ کا قصد کیا اور شاہانہ جاہ و جلال کے ساتھ اس سرزمین میں داخل ہوئے جہاں سے آٹھ سال قبل طرح طرح کے مصائب و شدائد برداشت کرنے کے بعد بے بسی کی حالت میں نکلنے پر مجبور ہوئے تھے، اس عظیم الشان فوج کے متعدد دستے بنائے گئے تھے، سب سے چھوٹا اور آخری دستہ وہ تھا جس میں خود آنحضرت ﷺ موجود تھے، حضرت زبیرؓ اس کے علمبردار تھے۔ [۵]

---

[۱] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ خندق۔
[۲] مسند جلد ا ص ۱۶۴ بخاری کتاب المناقب زبیرؓ۔
[۳] سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۸۲
[۴] بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الفتح
[۵] بخاری باب غزوۃ الفتح

آنحضرت ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے اور ہر طرف سکون و اطمینان ہو گیا، تو حضرت زبیرؓ اور حضرت مقداد بن اسودؓ اپنے گھوڑوں پر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر ان کے چہروں سے گرد و غبار صاف کیا اور فرمایا میں نے گھوڑے کے لئے دو حصے اور سوار کے لئے ایک حصہ مقرر کیا ہے، جو ان حصوں میں کمی کرے گا خدا اس کو نقصان پہنچائے گا۔[1]

مختلف غزوات......فتح مکہ کے بعد واپسی کے وقت غزوۂ حنین پیش آیا، کفار کمین گاہوں میں چھپے ہوئے مسلمانوں کی نقل و حرکت دیکھ رہے تھے، حضرت زبیرؓ اس گھاٹی کے قریب پہنچے تو ایک شخص نے اپنے ساتھیوں سے پکار کر کہا، لات و عزیٰ کی قسم! یہ طویل القامت سوار یقیناً زبیرؓ ہے، تیار ہو جاؤ، اس کا حملہ نہایت خطرناک ہوتا ہے۔ یہ جملہ ختم ہی ہوا تھا کہ ایک زبردست جمعیت نے اچانک حملہ کر دیا۔ حضرت زبیرؓ نے نہایت پھرتی اور تیز دستی کے ساتھ اس آفت ناگہانی کو روکا اور اس قدر شجاعت و جانبازی سے لڑے کہ یہ گھاٹی کفار سے بالکل صاف ہو گئی۔

اس کے بعد جنگ طائف اور تبوک کی فوج کشی میں شریک ہوئے، پھر ۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کا قصد کیا، حضرت زبیرؓ اس سفر میں بھی ہمرکاب تھے۔

حج سے واپس آنے کے بعد سرور کائنات ﷺ نے وفات پائی، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے، بعض روایات کے مطابق حضرت زبیرؓ کو بھی خلیفہ اول کی بیعت میں پس و پیش تھا، تاہم وہ زیادہ دنوں تک اس پر قائم نہیں رہے۔

جنگ یرموک کا حیرت انگیز کارنامہ......سوا دو برس کی خلافت کے بعد خلیفہ اول رہ گزین عالم جاودانی ہوئے، اور فاروق اعظمؓ نے مسند حکومت پر قدم رکھا، خلیفہ اول کے عہد میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، حضرت عمرؓ نے تمام عرب میں جوش پھیلا کر اس کو اور بھی زیادہ وسیع کر دیا، حضرت زبیرؓ کا دل گو رسول اللہ ﷺ کی وفات سے افسردہ ہو چکا تھا، تاہم ایک مرد میدان و جانباز بہادر کے لئے اس جوش و ولولہ کے وقت عزلت نشین رہنا سخت تنگ تھا، خلیفہ وقت سے اجازت لے کر شامی رزم گاہ میں شریک ہوئے اس وقت یرموک کے میدان میں ملک شام کی قسمت کا آخری فیصلہ ہو رہا تھا، اثنائے جنگ میں لوگوں نے کہا اگر آپ حملہ کر کے غنیم کے قلب میں گھس جائیں تو ہم بھی آپ کا ساتھ دیں، حضرت زبیرؓ نے کہا تم لوگ میرا ساتھ نہیں دے سکتے، لوگوں نے عہد کیا تو اس زور سے حملہ آور ہوئے کہ رومی فوج کا قلب چیرتے ہوئے تنہا اس پار سے اس پار نکل گئے اور کوئی رفاقت نہ کر سکا، پھر واپس لوٹے تو رومیوں نے گھوڑے کی باگ پکڑ لی، اور نرغہ کر کے سخت زخمی کیا، گردن پر دو زخم اس قدر کاری تھے کہ اچھے ہونے کے بعد بھی گڑھے باقی رہ گئے، عروہ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ بدر کے زخم کے بعد یہ دوسرا زخم کا گڈھا

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۷۳

تھا جس میں بچپن میں ہم انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے۔[1]

غرض ان ہی حیرت انگیز جانبازیوں کا نتیجہ تھا کہ رومیوں کی ٹڈی دل فوج بھاگ کھڑی ہوئی، اور فرزندان توحید تمام ملک شام کے وارث بن گئے۔

فسطاط کی فتح...... فتح شام کے بعد حضرت عمرو بن عاصؓ کی سرکردگی میں مصر پر حملہ ہوا، انہوں نے چھوٹے چھوٹے مقامات کو فتح کرتے ہوئے فسطاط کا محاصرہ کر لیا اور قلعہ کی مضبوطی، نیز فوج کی قلت دیکھ کر دربار خلافت سے اعانت طلب کی، امیر المومنین حضرت عمرؓ نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے اور خط میں لکھا کہ ان افسروں میں ایک ایک ہزار ہزار سوار کے برابر ہے، افسروں میں حضرت زبیرؓ بھی تھے، ان کا جو رتبہ تھا اس کے لحاظ سے عمروؓ نے ان کو افسر بنایا اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات ان کے ہاتھ میں دیئے، انہوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا اور جہاں جہاں مناسب تھا مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور پیادے متعین کئے، اس کے ساتھ منجنیقوں سے پتھر برسانے شروع کر دیئے، اس پر پورے سات مہینے گزر گئے اور فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا، حضرت زبیرؓ نے ایک دن تنگ آ کر کہا کہ آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں، یہ کہہ کر ننگی تلوار ہاتھ میں لی اور سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے، چند اور صحابہؓ نے ان کا ساتھ دیا، فصیل پر پہنچ کر سب نے ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کئے، ساتھ ہی تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین دہل اٹھی، عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے، بدحواس ہو کر بھاگے، ادھر حضرت زبیرؓ نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور تمام فوج اندر گھس آئی، مقوقس حاکم مصر نے یہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی اور اسی وقت سب کو امان دے دی گئی۔[2]

اسکندریہ کی تسخیر...... فسطاط فتح کر کے اسلامی فوج نے اسکندریہ کا رخ کیا اور مدتوں قلعہ کا محاصرہ کئے پڑی رہی، لیکن جس قدر زیادہ دن گزرتے جاتے تھے، اسی قدر دربار خلافت سے اس کے جلد فتح کرنے کا تقاضا بڑھتا جاتا تھا، غرض ایک روز عمرو بن العاصؓ نے آخری اور قطعی حملہ کا ارادہ کر لیا اور حضرت زبیرؓ اور مسلمہ بن مخلدؓ کو فوج کا ہراول بنا کر اس زور سے یورش کی کہ ایک ہی حملہ میں شہر فتح ہو گیا۔

مفتوحہ ممالک کی تقسیم کا مطالبہ...... مصر کامل طور پر مسخر ہو گیا تو حضرت زبیرؓ نے عمرو بن العاصؓ سپہ سالار فوج سے اراضی مفتوحہ کی تقسیم کا مطالبہ کیا اور فرمایا کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے خیبر کو مجاہدین پر تقسیم فرما دیا تھا، اسی طرح تمام ممالک مفتوحہ کو تقسیم کر دینا چاہئے، عمرو بن العاصؓ نے کہا خدا کی قسم! میں امیر المومنینؓ کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا، حضرت عمرؓ کو لکھا گیا تو انہوں نے لکھا کہ اس کو اسی طرح رہنے دینا چاہئے تا کہ آئندہ نسلیں بھی اس سے

[1] بخاری کتاب المغازی [2] فتوح البلدان ص ۲۲۰

مستفید ہوتی رہیں، حضرت زبیرؓ کے ذہن میں بھی اس کی مصلحت آگئی اور خاموش ہو رہے۔[۱]

۲۳ھ میں خلیفہ وقت حضرت عمرؓ نے ایک مجوسی کے ہاتھ ناگہانی طور پر زخمی ہو کر سفر آخرت کی تیاری کی تو عہدۂ خلافت کے لئے چھ آدمیوں کے نام پیش کئے اور فرمایا کہ حضرت سرور کائنات ﷺ آخر وقت تک ان سے راضی رہے تھے، ان چھ بزرگوں میں ایک حضرت زبیرؓ بھی تھے، لیکن تین دن کی مسلسل گفت وشنید اور بحث ومباحثہ کے بعد مجلس شوریٰ نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو اس مسند گرامی پر بٹھا دیا۔ حضرت زبیرؓ نے بھی بے چون وچرا اس انتخاب کو تسلیم کر کے بیعت کر لی۔[۲]

خلیفہ ثالثؓ کے عہد میں حضرت زبیرؓ نے نہایت سکون وخاموشی کی زندگی بسر کی اور کسی قسم کے ملکی مہم میں شریک نہیں ہوئے، درحقیقت عمر بھی اس حد سے متجاوز ہو چکی تھی، لیکن ۳۵ھ میں مصری مفسدوں نے بارگاہ خلافت کا محاصرہ کیا، تو انہوں نے اپنے بڑے صاحبزادہ عبداللہ بن زبیرؓ کو امیر المومنین کی مساعدت وحفاظت پر مامور کر دیا۔

غرض اٹھارہویں ذی الحجہ جمعہ کے روز حضرت عثمانؓ مفسدین کے ہاتھ سے شہید ہوئے، حضرت زبیرؓ نے حسب وصیت پوشیدہ طریقہ پر رات کے وقت نماز جنازہ ادا کی اور مضافات مدینہ میں حش کوکب نامی ایک مقام پر سپرد خاک کیا۔

خلیفہ وقت کے قتل سے تمام مدینہ میں مفسدین کا رعب طاری ہو گیا، ہر شخص دم بخود تھا، حضرت عثمانؓ کے طرفدار اور تمام بنوامیہ مکہ اور دوسرے مقامات کی طرف بھاگ گئے، چونکہ مصری حضرت علیؓ کے طرف دار تھے اس لئے انہوں نے اس کو خلافت کا بار گراں اٹھانے پر مجبور کیا، اور مسجد نبویؐ میں لوگوں کو بیعت کے لئے جمع کیا، حضرت طلحہؓ وزبیرؓ گو برابر کے دعویدار تھے، تاہم مصریوں کے خوف سے زبان نہ ہلا سکے اور کسی طرح بیعت کر لی۔[۳]

حضرت علیؓ کی مسند نشینی کے بعد بھی مدینہ میں امن وامان قائم نہ ہو سکا، سبائی فرقہ جو اس انقلاب کا بانی تھا، اور فتنہ وفساد کے نئے نئے کرشمے دکھاتا رہتا تھا، جاہل بدوی جو ہمیشہ ایسے لوٹ مار کے موقعوں پر شریک ہو جاتے، سبائیوں کے ساتھ ہو گئے، حضرت علیؓ نے کوشش کی کہ یہ لوگ اپنے اپنے وطن کی طرف لوٹ جائیں اور بدویوں کو بھی شہر سے نکال دیا جائے لیکن سبائیوں کے ضد اور انکار سے کامیابی نہ ہوئی۔[۴]

حضرت زبیرؓ جو اساطین امت میں تھے، کب تک خاموشی کے ساتھ اس شورش وہنگامہ آرائی کا تماشا دیکھتے، اصلاح حال اور رفع فساد کا انتظار کرتے کرتے کامل چار ماہ گزر گئے، لیکن امن وسکون کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی، آخر تھک کر حضرت طلحہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کے پاس

---

۱ مسند ابن حنبلؒ جلد ا ص ۱۶۶ ۲ بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ۔
۳ تاریخ طبری ص ۳۰۷۷۔ ۴ تاریخ طبری ص ۳۰۸۱

آئے، اور اصلاح و اقامت حدود کا مطالبہ کیا، انہوں نے جواب دیا، بھائی! میں اس سے غافل نہیں، لیکن ایک ایسی قوم کے ساتھ کیا کر سکتا ہوں جس پر میرا کچھ اختیار نہیں، بلکہ وہ خود مجھ پر حکمران ہے [1] غرض جب اس طرف سے بھی مایوسی ہوئی تو یہ دونوں خود عملاً اس شورش کو رفع کرنے کے لئے مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ حج کے خیال سے مکہ آئی تھیں، اور اب تک مدینہ کی شورشوں کا حال سن کر یہیں مقیم تھیں۔ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سب سے پہلے ام المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان لفظوں میں مدینہ کی بدامنی کا نقشہ کھینچا۔

انا تحملنا بقتینا هر ابامن المدینة من غبوغا اعراب و فارقنا قوما حیاری لایعرفون حقا ولا ینکرون باطلا ولا یمنعون انفسهم.

ہم اعراب کے شور و شر کے خوف سے مدینہ سے بھاگ آئے ہیں اور ہم نے وہاں ایسی حیران قوم کو چھوڑا ہے جو نہ حق کو پہچانتی ہے اور نہ باطل سے احتراز کرتی ہے، اور نہ اپنی جانوں کی حفاظت کرتی ہے۔

ام المومنینؓ نے فرمایا ''تو پھر کوئی رائے قائم کر کے اس شورش کو فرو کرنا چاہئے'' غرض تھوڑی دیر کی بحث و مباحثہ کے بعد علم اصلاح بلند کرنے پر سب کا اتفاق ہوا، بنو امیہ بھی جو مدینہ سے بھاگ کر یہاں مجتمع ہو گئے تھے، جوش انتقام میں ساتھ ہو گئے اور اس طرح داعیان اصلاح کی ایک ہزار جماعت بصرہ کی طرف روانہ ہوئی تا کہ وہاں سے اپنی قوت مضبوط کر کے مدینہ کا رخ کرے، راہ میں امویوں نے خلافت و امامت کی بحث چھیڑ کر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو لڑانا چاہا، لیکن ام المومنینؓ کی مداخلت سے معاملہ رفت و گذشت ہو گیا، بصرہ کے قریب پہنچے تو عثمان بن حنیف والی بصرہ نے مزاحمت کی، لیکن وہاں داعیان اصلاح کے حامیوں کی ایک بڑی جماعت بھی موجود تھی، وہ خود عثمانؓ کے ساتھیوں سے دست و گریبان ہو گئی، یہاں تک کشت وخون کی نوبت پہنچ گئی، عثمان بن حنیف کا بیان تھا کہ جب طلحہؓ و زبیرؓ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تو پھر انہیں علم مخالفت بلند کرنے کا کیا استحقاق ہے؟ ان دونوں کا یہ جواب تھا کہ ہم قہراو جبراً شریک بیعت ہوئے اور اگر فرض کرلو کہ یہ بیعت صحیح تھی تب بھی اس سے مطالبہ اصلاح کی نفی نہیں ہوتی، غرض معاملہ نے زیادہ طول کھینچا تو مصالحت کی یہ صورت قرار پائی کہ ایک شخص تحقیقات کے لئے مدینہ روانہ کیا جائے، اگر ثابت ہو کہ طلحہؓ و زبیرؓ بیعت پر مجبور کئے گئے تھے تو عثمان بن حنیف مزاحمت سے باز آئیں گے ورنہ ان دونوں کو اس جماعت سے کنارہ کش ہونا پڑے گا، چنانچہ کعبؓ اس تحقیقات پر مامور ہوئے، انہوں نے جمعہ کے روز مسجد نبویؐ میں داخل

[1] تاریخ طبری ص ۳۰۸۰۔ [2] ایضاً ص ۳۰۹۹

ہو کر حاضرین سے بآ بانگ بلند سوال کیا۔

یااهل المدينة انى رسول اهل البصرة اليكم اكره هؤلا القوم هذين الرجلين على بيعة على ام اتياها طائعين.

اے اہل مدینہ! میں اہل بصرہ کا قاصد بن کر آیا ہوں، کیا واقعی اس قوم نے ان دونوں کو علیؓ کی بیعت پر مجبور کیا تھا یا وہ خوشی سے اس پر تیار ہوئے تھے؟

مجمع میں تھوڑی دیر تک سناٹا رہا لیکن حضرت اسامہ بن زیدؓ سے نہ رہا گیا، بول اٹھے "خدا کی قسم! ان دونوں نے سخت ناپسندیدگی کے ساتھ بیعت کی تھی" اس سے ایک ہلچل پڑ گئی، تمامؓ اور سہل بن حنیف حضرت اسامہؓ سے الجھ پڑے، صہیب بن سنانؓ، ابوایوبؓ اور محمد بن مسلمہؓ وغیرہ کبار صحابہ نے دیکھا کہ لوگ اسامہؓ کو مار ڈالیں گے تو سب نے ایک زبان ہو کر کہا "ہاں خدا کی قسم اسامہؓ نے سچ کہا، غرض اسی طرح اسامہؓ کی جان بچ گئی اور کعبؓ بصرہ واپس آئے، دوسری طرف حضرت علیؓ کو ان واقعات کی اطلاع مل چکی تھی، انہوں نے عثمان بن حنیف کو لکھا کہ اولاً تو یہی صحیح نہیں کہ وہ مجبور کئے گئے اور اگر مان بھی لو تو قوم و ملک کی بہتری کے لئے ایسا ہونا ضروری تھا، اور اگر وہ مجھے معزول کرنا چاہتے ہیں تو ان کے پاس کوئی معقول عذر نہیں اور اگر کچھ اور مقصد ہے تو اس پر غور ہو سکتا ہے، اس خط کے بعد عثمانؓ نے اپنی رائے بدل دی، اور کعبؓ کی تحقیقات کے باوجود داعیان اصلاح کی مزاحمت پر اڑے رہے۔

حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے دیکھا کہ اب سہولت کے ساتھ یہ معاملہ طے نہ ہوگا تو ایک روز عشاء کے وقت اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسجد پہنچے اور عبدالرحمان بن عتابؓ کو نماز پڑھانے کے لئے کھڑا کر دیا، حضرت عثمان بن حنیف نے اس کو اپنے حق میں مداخلت تصور کر کے ایرانی "زط" اور سیابچہ سپاہیوں کو حملہ کا حکم دے دیا، لیکن حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے پامردی کے ساتھ مقابلہ کر کے ان کو بھگا دیا، دوسری طرف چند آدمی دارالامارت میں گھس گئے اور حضرت عثمان ابن حنیف کو پکڑ کر سامنے لائے، ان لوگوں نے اس بے رحمی کے ساتھ ان کو مارا کہ تھا اور ڈاڑھیاں نوچی تھیں کہ چہرہ پر ایک بال بھی باقی نہ تھا، حضرت طلحہؓ و زبیر کو یہ سخت ناگوار گذرا اور حضرت عائشہؓ سے اس کے متعلق دریافت کیا، انہوں نے حکم دیا کہ عثمان کو چھوڑ دو، جہاں جی چاہے جائے، غرض اس طرح بصرہ پر قبضہ ہو گیا[1] اور ایک بڑی جماعت اس مہم میں ساتھ دینے پر تیار ہو گئی۔

جنگ جمل اور حضرت زبیرؓ کی حق پسندی .... حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے اہل کوفہ کو بھی خطوط لکھ کر شرکت کی ترغیب دی لیکن وہاں حضرت امام حسینؓ نے پہنچ کر پہلے ہی ان کو اپنا طرفدار بنا لیا اور تقریباً نو ہزار کی عظیم الشان جمعیت مقام ذی قار میں حضرت علیؓ کی فوج سے مل کر بصرہ کی طرف بڑھی، حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی اپنی فوج کو مرتب و منظم

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۷۴

کر کے آگے بڑھایا، دسویں جمادی الآخر ۳۶ھ جمعرات کے دن دونوں فوجوں میں مڈبھیڑ ہوئی، کیسا عبرت انگیز نظارہ تھا، چند دن پیشتر جو لوگ بھائی بھائی تھے، آج باہم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو کر نگاہ غیظ وغضب سے اپنے مقابل کو گھور رہے ہیں لیکن ذاتی مخاصمت و عداوت سے نہیں بلکہ حق وصداقت کے جوش میں، یہی وجہ ہے کہ ایک ہی قبیلہ کے کچھ آدمی اس طرف ہیں تو کچھ اس طرف چونکہ دونوں جماعتوں کے سربراہ کاروں کو اصلاح مدنظر تھی، اس لئے پہلے مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی، حضرت علیؓ تنہا گھوڑا آگے بڑھا کر بیچ میدان میں آئے اور حضرت زبیرؓ کو بلا کر کہا ''ابوعبداللہ! تمہیں وہ دن یاد ہے جب کہ ہم اور تم دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیئے رسالت مآب ﷺ کے سامنے گذر رہے تھے، اور رسول اللہ ﷺ نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم اس کو دوست رکھتے ہو؟ تم نے عرض کی تھی، ہاں! یا رسول اللہؐ، یاد کرو اس وقت تم سے حضور انور ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم اسی سے ناحق لڑو گے۔[1] حضرت زبیرؓ نے جواب دیا ہاں! اب مجھے بھی یاد آیا۔

حضرت علیؓ تو صرف ایک بات یاد دلا کر پھر اپنی جگہ پر چلے گئے، لیکن حضرت زبیرؓ کے قلب حق پرست میں ایک خاص سخت تلاطم برپا ہو گیا، تمام عزائم اور ارادے فسخ ہو گئے، ام المومنینؓ کے پاس آکر کہنے لگے، میں برسر غلط تھا، علیؓ نے مجھے رسول اللہ ﷺ کا مقولہ یاد دلا دیا، حضرت عائشہؓ نے پوچھا پھر اب کیا ارادہ ہے؟ بولے 'اب میں اس جھگڑے سے کنارہ کش ہوتا ہوں۔'' حضرت زبیرؓ کے صاحبزادہ حضرت عبداللہؓ نے کہا آپ ہم لوگوں کو دو گروہوں کے درمیان پھنسا کر خود علیؓ کے خوف سے بھاگنا چاہتے ہیں، حضرت زبیرؓ نے کہا میں قسم کھاتا ہوں کہ علیؓ سے نہیں لڑوں گا۔'' عبداللہؓ نے کہا قسم کا کفارہ ممکن ہے، اور اپنے غلام مکحول کو بلا کر آزاد کر دیا، لیکن حواری رسول کا دل اچاٹ ہو چکا تھا، کہنے لگے، جان پدر علیؓ نے ایسی بات یاد دلائی کہ تمام جوش فرو ہو گیا، بے شک ہم حق پر نہیں ہیں آؤ تم بھی میرا ساتھ دو، حضرت عبداللہ نے انکار کر دیا تو تنہا بصرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے تا کہ وہاں سے اپنا اسباب وسامان لے کر حجاز کی طرف نکل جائیں، احنف بن قیس نے حضرت زبیرؓ کو جاتے دیکھا تو کہا دیکھو یہ کس وجہ سے واپس جا رہے ہیں، کوئی جا کر خبر لائے، عمرو بن جرموز نے کہا میں جاتا ہوں اور ہتھیار سجا کر گھوڑا دوڑاتے ہوئے حضرت زبیرؓ کے پاس پہنچا وہ اس وقت اپنے غلاموں کو اسباب وسامان کے ساتھ روانگی کا حکم دے کر بصرہ کی آبادی سے دور نکل آئے تھے، ابن جرموز نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

ابن جرموز۔ ابوعبداللہ! آپ نے قوم کو کس حال میں چھوڑا؟

حضرت زبیرؓ۔ سب باہم ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے تھے۔

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۶۶

ابن جرموز۔ آپ کہاں جارہے ہیں؟

حضرت زبیرؓ۔ میں اپنی غلطی پر متنبہ ہوگیا، اس لئے اس جھگڑے سے کنارہ کش ہوکر کسی طرف نکل جانے کا قصد ہے۔

ابن جرموز نے کہا چلئے مجھے بھی اسی طرف کچھ دور تک جانا ہے، غرض دونوں ساتھ چلے، ظہر کی نماز کا وقت آیا تو زبیرؓ نماز پڑھنے کے لئے ٹھہرے، ابن جرموز نے کہا میں بھی شریک ہوں گا، حضرت زبیرؓ نے کہا میں تمہیں امان دیتا ہوں، کیا تم بھی میرے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھو گے؟ اس نے کہا ہاں! اس عہد و پیمان کے بعد دونوں اپنے گھوڑے سے اترے اور معبود حقیقی کے سامنے سر نیاز جھکانے کو کھڑے ہوگئے۔

شہادت...... حضرت زبیرؓ جیسے ہی سجدہ میں گئے کہ عمرو بن جرموز نے غداری کر کے تلوار کا وار کیا اور حواریؓ رسول کا سرتن سے جدا ہوکر خاک و خون میں تڑپنے لگا، افسوس! جس نے اعلاء کلمۃ اللہ کی راہ میں کبھی اپنی جان کی پروانہ کی اور جس نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے بارہا مصائب و شدائد کے پہاڑ ہٹائے تھے وہ آج خود ایک کلمہ خواں اور پیرو رسول (ﷺ) کی شقاوت اور بے رحمی کا شکار ہوگیا۔ انا لله وانا اليه راجعون ۔

ابن جرموز حضرت زبیرؓ کی تلوار اور زرہ وغیرہ لے کر بارگاہ مرتضویؓ میں حاضر ہوا، اور فخر کے ساتھ اپنا کارنامہ بیان کیا، جناب مرتضٰی نے تلوار پر ایک حسرت کی نظر ڈال کر فرمایا "اس نے بار بار رسول اللہ (ﷺ) کے سامنے سے مصائب کے بادل ہٹائے ہیں، اے ابن صفیہ کے قاتل! تجھے بشارت ہو کہ جہنم تیری منتظر ہے[1]

حضرت زبیرؓ نے چونسٹھ برس کی عمر پائی اور ۳۶ھ میں شہید ہو کر وادی السباع میں سپرد خاک ہوئے۔ فنور الله مرقده و حسن مثواه۔

اخلاق و عادات...... حضرت زبیرؓ کا دامن اخلاقی زر و جواہر سے مالا مال تھا، تقوی، پارسائی، حق پسندی بے نیازی، سخاوت اور ایثار آپ کا خاص شیوہ تھا، رقت قلب اور عبرت پذیری کا یہ عالم تھا کہ معمولی سے معمولی واقعہ پر دل کانپ اٹھتا تھا۔

خشیت الٰہی...... جب یہ آیت نازل ہوئی انك ميت وانهم ميتون ثم انكم يوم القيامة عند ربكم تختصمون الاية. تو سرور کائنات ﷺ سے پوچھا "یارسول اللہ! کیا قیامت کے روز ہمارے جھگڑے پھر دہرائے جائیں گے؟" ارشاد ہوا ہاں! ایک ایک ذرہ کا حساب ہوکر حقدار کو اس کا حق دلایا جائے گا، یہ سن کر ان کا دل کانپ اٹھا کہنے لگے "اللہ اکبر! کیسا سخت موقع ہوگا۔[2]

تقویٰ و پرہیزگاری حضرت زبیرؓ کی کتاب اخلاق کا سب سے روشن باب ہے، وہ خود اس کا خیال رکھتے تھے، اور دوسروں کو بھی ہدایت کرتے تھے، ایک دفعہ وہ اپنے غلام ابراہیم کی دادی

[1] مسند جلد اص ۸۹ [2] ایضا جلد اص ۱۶۷

ام عطاء کے پاس گئے، دیکھا کہ یہاں ایام تشریق کے بعد بھی قربانی کا گوشت موجود ہے، کہنے لگے "ام عطاء! رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے، انہوں نے عرض کی کہ "میں کیا کروں لوگوں نے اس قدر ہدیئے بھیج دیئے کہ ختم ہی نہیں ہوتے۔[1]

حضرت زبیرؓ نے جب دعوت اصلاح کا علم بلند کیا تو ایک شخص نے آ کر کہا "اگر حکم دیجئے تو علیؓ کی گردن اڑادوں ؟" بولے تم تنہا اس قدر عظیم الشان فوج کا کیسے مقابلہ کرو گے؟ اس نے کہا میں علیؓ کی فوج میں جا کر مل جاؤں گا، اور کسی وقت موقع پا کر دھوکے سے قتل کر ڈالوں گا" فرمایا کہ نہیں! رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "ایمان قتل ناگہانی کی زنجیر ہے، اس لئے کوئی مومن کسی کو اچانک نہ مارے۔"[2]

قلت روایت کا سبب...... حضرت زبیرؓ اگر چہ رسول اللہ ﷺ کے حواری اور ہر وقت کے حاضر رہنے والوں میں سے تھے، لیکن کمال اتقاء کے باعث بہت کم حدیثیں روایت کرتے تھے ایک دفعہ آپ کے صاحبزادہ حضرت عبداللہؓ نے کہا، پدر بزرگوار کیا سبب ہے کہ آپ حضورؐ کی اتنی باتیں بیان نہیں کرتے جتنی اور لوگ بیان کرتے ہیں، فرمایا جان پدر! حضورؐ کی رفاقت اور معیت میں دوسروں سے میرا حصہ کم نہیں ہے، میں جب سے اسلام لایا، رسول اللہ ﷺ سے جدا نہیں ہوا، لیکن حضورؐ کی صرف اس تنبیہ نے مجھے محتاط بنا دیا ہے۔

من كذب علي متعمدا فليتبوا مقعده من النار.

"یعنی جس نے قصداً میری طرف غلط بات منسوب کی، اسے چاہئے کہ جہنم میں اپنا ٹھکانا بنالے۔"[3]

مساوات پسندی...... مساوات اسلامی کا اس قدر خیال تھا کہ دو مسلمان لاشوں میں بھی کسی تفریق یا امتیاز کو جائز نہیں سمجھتے تھے، جنگ احد میں آپ کے ماموں حضرت حمزہؓ شہید ہوئے تو حضرت صفیہؓ نے بھائی کی تجہیز و تکفین کے لئے دو کپڑے لا کر دیئے، لیکن ماموں کے پہلو میں ایک انصاری کی لاش بھی بے گور و کفن پڑی تھی، دل نے گوارا نہ کیا کہ ایک کے لئے دو دو کپڑے ہوں اور دوسرا بے کفن رہے، غرض تقسیم کرنے کے لئے دونوں ٹکڑوں کو ناپا، اتفاق سے چھوٹا بڑا نکلا قرعہ ڈال کر تقسیم کیا کہ اس میں بھی کسی طرح کی ترجیح نہ پائی جائے۔[4]

استقلال...... حضرت زبیرؓ خطرات کی مطلق پروا نہ کرتے اور موت کا خوف کبھی ان کے

---

[1] مسند جلد ا ص ۱۶۶۔ [2] مسند جلد ا ص ۱۶۶۔

[3] ابوداؤد کتاب العلم باب فی التشدید فی الکذب علی رسول اللہ ﷺ و مسند جلد ا ص ۱۶۵ و صحیح بخاری جلد اول ص ۲۱

[4] مسند جلد ا ص ۱۶۵

عزم و ارادہ میں حائل نہ ہوتا، اسکندریہ کے محاصرہ نے طول کھینچا تو چاہا کہ سیڑھی لگا کر قلعہ پر چڑھ جائیں، لوگوں نے کہا قلعہ میں سخت طاعون ہے، فرمایا "ہم طعن وطاعون ہی کے لئے آئے ہیں۔" یعنی موت سے ڈرنا کیا ہے، غرض سیڑھیاں لگائی گئیں اور جان بازی کے ساتھ چڑھ گئے۔

امانت..... حواری رسول کی امانت، دیانت اور انتظامی قابلیت کا عام شہرہ تھا، یہاں تک کہ لوگ عموماً اپنی وفات کے وقت ان کو اپنے آل واولاد اور مال ومتاع کے محافظ بنانے کی تمنا ظاہر کرتے تھے، مطیع بن الاسود نے ان کو وصی بنانا چاہا، انہوں نے انکار کیا تو لجاجت کے ساتھ کہنے لگے "میں آپ کو خدا، رسولؐ اور قرابت داری کا واسطہ دلاتا ہوں، میں نے فاروق اعظمؓ کو کہتے سنا ہے کہ زبیرؓ دین کے ایک رکن ہیں۔" حضرت عثمانؓ، مقدادؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبدالرحمن بن عوفؓ وغیرہ نے بھی ان کو اپنا وصی بنایا تھا، چنانچہ یہ دیانتداری کے ساتھ ان کے مال ومتاع کی حفاظت کر کے ان کے اہل وعیال پر صرف کرتے تھے۔[1]

فیاضی..... فیاضی، سخاوت اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں بھی پیش پیش رہتے تھے، حضرت زبیرؓ کے پاس ایک ہزار غلام تھے، روزانہ اجرت پر کام کر کے ایک بیش قرار رقم لاتے تھے، لیکن انہوں نے اس میں سے ایک حبہ بھی کبھی اپنی ذات یا اپنے اہل وعیال پر صرف کرنا پسند نہ کیا بلکہ جو کچھ آیا اسی وقت صدقہ کر دیا۔[2] غرض ایک پیغمبر کے حواری میں جو خوبیاں ہو سکتی ہیں، حضرت زبیرؓ کی ذات والا صفات میں ایک ایک کر کے وہ سب موجود تھیں۔

ذریعہ معاش اور تمول...... معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا، اور عجیب بات ہے کہ انہوں نے جس کام میں ہاتھ لگایا وہ کبھی گھٹا نہیں۔[3]

تجارت کے علاوہ مال غنیمت سے بھی گراں قدر رقم حاصل کی، حضرت زبیرؓ کے تمول کا صرف اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے تمام مال کا تخمینہ پانچ کروڑ دو لاکھ درہم (یا دینار) کیا گیا تھا، لیکن یہ سب نقد نہیں بلکہ جائیداد غیر منقولہ کی صورت میں تھا، اطراف مدینہ میں ایک جھاڑی تھی، اس کے علاوہ مختلف مقامات میں مکانات تھے، چنانچہ خاص مدینہ میں گیارہ، بصرہ میں دو اور مصر وکوفہ میں ایک ایک مکان تھا۔[4]

قرض اور اس کی ادائیگی....... حضرت زبیرؓ اس قدر تمول کے باوجود بائیس لاکھ کے مقروض تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ عموماً اپنا مال ان کے پاس جمع کرتے تھے، لیکن یہ احتیاط کے خیال سے سب سے کہہ دیتے تھے کہ امانت نہیں بلکہ قرض کی حیثیت سے لیتا ہوں، ہوتے

---

[1] اصابہ جلد ۳ ص ۶ [2] ایضاً جلد ۲ ص ۶

[3] استیعاب جلد ۱ ص ۲۰۸

[4] بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ

ہوتے اسی طرح بائیس لاکھ کے مقروض ہو گئے [1]

حضرت زبیرؓ جب جنگ جمل کے لئے تیار ہوئے تو انہوں نے اپنے صاحبزادہ عبداللہؓ سے کہا "جان پدر! مجھے سب سے زیادہ خیال اپنے قرض کا ہے، اس لئے میرا مال و متاع بیچ کر سب سے پہلے قرض ادا کرنا اور جو کچھ بچ رہے اس میں سے ایک ثلث خاص تمہارے بچوں کے لئے وصیت کرتا ہوں، ہاں! اگر مال کفایت نہ کرے تو میرے مولیٰ کی طرف رجوع کرنا۔" حضرت عبداللہؓ نے پوچھا "آپ کا مولیٰ کون ہے؟ فرمایا "میرا مولیٰ خدا ہے جس نے ہر مصیبت کے وقت میری دستگیری کی ہے۔"

حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ نے حسب وصیت مختلف آدمیوں کے ہاتھ جھاڑی بیچ کر قرض ادا کرنے کا سامان کیا، اور چار برس تک موسم حج میں اعلان کرتے رہے کہ زبیرؓ پر جس کا قرض ہو آکر لے لے، غرض اس طرح سے قرض ادا کرنے کے بعد بھی اس قدر رقم بچ رہی کہ صرف حضرت زبیرؓ کی چار بیویوں میں سے ہر ایک کو بارہ بارہ لاکھ حصہ ملا، موصی لہ اور دوسرے ورثہ کے علاوہ تھے۔ [2]

جاگیر و زراعت...... فتح خیبر کے بعد رسول ﷺ نے اس کی زمین کو مجاہدین پر تقسیم فرمادیا تھا، چنانچہ حضرت زبیرؓ کو بھی اس میں سے ایک وسیع اور سرسبز قطعہ ملا تھا، اس کے علاوہ مدینہ کے اطراف میں بھی ان کے کھیت تھے، جن کو وہ خود آباد کرتے تھے، کبھی کبھی آب پاشی وغیرہ کے متعلق دوسرے شرکاء سے جھگڑا بھی ہو جاتا تھا، ایک دفعہ ایک انصاری سے جن کا کھیت حضرت زبیرؓ کے کھیت سے ملا ہوا نیچے کی طرف تھا، آب پاشی کے متعلق جھگڑا ہوا انصارؓ نے بارگاہ نبوت میں شکایت کی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیرؓ سے فرمایا کہ تم اپنا کھیت سینچ کر اپنے پڑوسی کے لئے پانی چھوڑ دیا کرو، انصاری اس فیصلہ سے ناراض ہوئے اور کہنے لگے "یارسول اللہ! آپ نے اپنے پھوپھی زادہ کی پاسداری فرمائی۔ چونکہ انصاری کو اس آب پاشی سے متمتع ہونے کا کوئی حق نہ تھا اور رسول اللہ ﷺ نے محض ان کی رعایت سے یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا، اس لئے چہرہ سرخ ہو گیا، اور حضرت زبیرؓ کو حکم دیا کہ تم اپنے پورے حق سے فائدہ اٹھاؤ، یعنی خود آب پاشی کر کے پانی کو روک رکھو یہاں تک کہ نالیوں کے ذریعہ سے دوسری طرف بہہ جائے۔ [3]

کھیت کی نگرانی اور فصل کی حفاظت کا فرض بسا اوقات خود ہی انجام دیتے تھے، ایک دفعہ عہد فاروقیؓ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت مقداد بن الاسودؓ کے ساتھ اپنی جاگیر کی دیکھ بھال کے لئے خیبر تشریف لے گئے اور رات کے وقت تک تینوں علیحدہ اپنی اپنی جاگیر کے قریب سوئے، رات کی تاریکی میں کسی یہودی نے شرارت سے حضرت عبداللہ بن

---

[1] بخاری [2] بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ
[3] بخاری کتاب المساقاۃ

عمرؓ کی کلائی اس زور سے موڑ دی کہ بے اختیار ہو کر چلا اٹھے، حضرت زبیرؓ وغیرہ مدد کے لئے دوڑے، اور واقعہ دریافت کر کے ان کو لئے ہوئے بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے اور یہودیوں کی شرارت کا حال بیان کیا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسی واقعہ کے بعد یہودیوں کو خیبر سے جلاوطن کر دیا۔[1]

حضرت ابوبکرؓ نے بھی مقام جرف میں انہیں ایک جاگیر مرحمت فرمائی تھی، اسی طرح حضرت عمرؓ نے مقام عقیق کی زمین انہیں دے دی تھی۔[2] جو مدینہ کے اطراف میں ایک خوش فضا میدان ہے۔

آل و اولاد سے محبت۔۔۔۔۔۔۔ حضرت زبیرؓ کو بیوی بچوں سے نہایت محبت تھی، خصوصاً حضرت عبداللہؓ اور ان کے بچوں کو بہت مانتے تھے، چنانچہ اپنے مال میں سے ایک ثلث کی خاص ان کے بچوں کے لئے وصیت کی تھی، لڑکوں کی تربیت کو بھی خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے، جنگ یرموک میں شریک ہوئے تو اپنے صاحبزادہ عبداللہ بن زبیرؓ کو بھی ساتھ لے گئے، اس وقت ان کی عمر صرف دس سال کی تھی، لیکن حضرت زبیرؓ نے ان کو گھوڑے پر سوار کر کے ایک آدمی کے سپرد کر دیا کہ جنگ کے ہولناک مناظر دکھا کر جرات و بہادری کا سبق دے۔

غذا و لباس۔۔۔۔۔۔ دولت و ثروت کے باوجود طرز معاشرت نہایت سادہ تھا، غذا بھی پر تکلف نہ تھی لباس عموماً معمولی اور سادہ زیب بدن فرماتے، البتہ جنگ میں ریشمی کپڑے استعمال کرتے تھے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر ان کو اجازت دی تھی، آلات حرب کا نہایت شوق تھا اور اس میں تکلف جائز سمجھتے تھے، چنانچہ ان کی تلوار کا قبضہ نقرئی تھا۔

حلیہ۔۔۔۔۔۔ بدن چھریرا، قد بلند و بالا، خصوصاً پاؤں اس قدر لمبے کہ گھوڑے پر چڑھتے تو پاؤں زمین سے چھو جاتا، رنگ گندم گوں اور سر پر کندھوں تک بالوں کی لٹیں۔

اولاد و ازواج[3]۔۔۔۔۔ حضرت زبیرؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں اور کثرت کے ساتھ اولاد پیدا ہوئی، بعض بچے تو ان کی حیات ہی میں قضا کر گئے تاہم پھر بھی بہت سی اولاد یادگار رہ گئی،

ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱)۔۔۔۔۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ۔ ان کے بطن سے چھ بچے ہوئے۔ نام یہ ہیں

(۱) عبداللہ　(۲) عروہؓ　(۳) منذر　(۴) خدیجۃ الکبریٰ　(۵) ام الحسن　(۶) عائشہ

---

[1] ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۰۱۔　[2] ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۷۳

[3] اولاد و ازواج کی تفصیل فتح الباری جلد ۶ ص ۱۶۱ سے ماخوذ ہے۔

(۲)...... حضرت ام خالد بنت خالد بن سعید، انہوں نے

(۷) خالد، (۸) عمر (۹) حبیبہ، (۱۰) سودہ (۱۱) ہند۔ یادگار چھوڑی۔

(۳)...... حضرت رباب بنت انیف ان سے

(۱۲) مصعب، (۱۳) حمزہ (۱۴) رملہ پیدا ہوئیں۔

(۴)...... حضرت زینب بنت بشر، ان کے بطن سے

(۱۵) عبیدہ، (۱۶) جعفر (۱۷) حفصہ پیدا ہوئیں۔

(۵) حضرت ام کلثوم بنت عقبہ ان سے صرف ایک لڑکی (۱۸) زینب پیدا ہوئی۔

حضرت طلحہؓ

نام ونسب، خاندان........ طلحہ نام، ابومحمد کنیت، فیاض اور خیر لقب، والد کا نام عبیداللہ اور والدہ کا نام صعبہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، طلحہ بن عبداللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی ابن غالب القرشی التیمی، چونکہ مرہ بن کعب آنحضرت ﷺ کے اجداد میں سے ہیں اس لئے حضرت طلحہؓ کا نسب چھٹی ساتویں پشت میں حضرت سرور کائنات ﷺ سے مل جاتا ہے۔

حضرت طلحہؓ کے والد عبیداللہ نے آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے یا کم سے کم حضرت طلحہؓ کے اسلام قبول کرنے سے قبل وفات پائی، البتہ ان کی والدہ حضرت صعبہؓ نے نہایت طویل زندگی پائی، مسلمان ہوئیں، اور حضرت عثمانؓ کے محصور ہونے کے وقت تک زندہ تھیں، چنانچہ امام بخاریؒ کی تاریخ الصغیر میں ایک روایت ہے کہ جب صعبہؓ کو امیر المومنینؓ کے محصور ہونے کی خبر ملی تو وہ گھر سے نکل کر آئیں اور اپنے صاحبزادہ حضرت طلحہؓ سے خواہش کی کہ وہ اپنے اثر سے مفسدین کو دور کر دیں، اس وقت خود حضرت طلحہؓ کی عمر ساٹھ برس سے زیادہ تھی، اس لئے اگر تاریخ الصغیر کی روایت صحیح ہے تو حضرت صعبہؓ نے اسی برس سے زیادہ عمر پائی۔

حضرت طلحہ ہجرت نبویؐ سے چوبیس پچیس برس قبل پیدا ہوئے، ابتدائی حالات نامعلوم ہیں، لیکن اس قدر یقینی ہے کہ ان کو بچپن ہی سے تجارتی مشاغل میں مصروف ہونا پڑا، اور عنفوان شباب ہی میں دور دراز ممالک کے سفر کا اتفاق ہوا۔

اسلام...... ایک دفعہ جب کہ غالباً سترہ یا اٹھارہ برس کی عمر تھی، تجارتی اغراض سے بصری تشریف لے گئے، وہاں ایک راہب نے حضرت سرور کائنات ﷺ کے مبعوث ہونے کی بشارت دی، لیکن یوم ولادت سے اس وقت تک جس قسم کی آب وہوا میں پرورش پائی تھی اور گردو پیش جس قسم کے مذہبی چرچے تھے، اس کا اثر صرف ایک راہب کی پیشین گوئی سے زائل نہیں ہوسکتا تھا، بلکہ ابھی مزید تعلیم وتلقین کی ضرورت تھی، مکہ واپس آئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صحبت اور ان کے مخلصانہ وعظ وپند نے تمام شکوک رفع کر دیئے، چنانچہ ایک روز صدیق اکبرؓ کی وساطت سے دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور خلعت ایمان سے مشرف ہو کر واپس آئے، اس طرح حضرت طلحہؓ ان آٹھ آدمیوں میں سے ہیں جو ابتدائے اسلام میں نجم صداقت کی پرتو ضیاء سے ہدایت یاب ہوئے اور آخر کار خود بھی آسمان اسلام کے روشن ستارے بن کر چمکے[1]

اسلام لانے کے بعد حضرت طلحہ بھی عام مسلمانوں کی طرح کفار کے ظلم وستم سے محفوظ نہ

---

[1] ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۵۳۔

رہے، عثمان بن عبید اللہ نے جو نہایت سخت مزاج اور حضرت طلحہؓ کا حقیقی بھائی تھا، ان کو اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ایک ہی رسی میں باندھ کر مارا کہ اس تشدد سے اپنے نئے مذہب کو ترک کر دیں، لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا جو چڑھ کر اتر جاتا۔[1]

مواخات...... مکہ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیرؓ بن عوام سے ان کا بھائی چارہ کرا دیا۔

ہجرت...... حضرت طلحہؓ نے مکہ میں نہایت خاموش زندگی بسر کی اور اپنے تجارتی مشاغل میں مصروف رہے، چنانچہ جس وقت رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ مدینہ تشریف لے جارہے تھے، اس وقت وہ اپنے تجارتی قافلہ کے ساتھ شام سے واپس آرہے تھے، راہ میں ملاقات ہوئی، انہوں نے ان دونوں کی خدمت میں کچھ شامی کپڑے پیش کئے اور عرض کی کہ اہل مدینہ نہایت بے چینی اور اضطراب کے ساتھ انتظار کر رہے ہیں، غرض آنحضرت ﷺ نہایت عجلت کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے اور حضرت طلحہؓ نے مکہ پہنچ کر اپنے تجارتی کاروبار سے فراغت حاصل کی اور حضرت ابوبکرؓ کے اہل وعیال کو لے کر مدینہ پہنچے حضرت اسعد بن زرارہؓ نے ان کو اپنا مہمان بنایا اور آنحضرت ﷺ نے حضرت ابی بن کعب انصاریؓ سے ان کا بھائی چارہ کرا دیا۔[2]

غزوات اور دیگر حالات

ہجرت مدینہ کے دوسرے سال سے غزوات کا سلسلہ شروع ہوا، اور کفر واسلام کی پہلی آویزش جنگ بدر کی صورت میں ظاہر ہوئی، لیکن حضرت طلحہؓ کسی خاص مہم پر مامور ہو کر ملک شام تشریف لے گئے تھے، اس لئے اس میں شریک نہ ہو سکے، وہاں سے واپس آئے تو دربار رسالت میں حاضر ہو کر غزوۂ بدر کے مال غنیمت میں سے اپنے حصے کی درخواست کی، سرور کائنات ﷺ نے مال غنیمت میں حصہ دیا اور فرمایا کہ تم جہاد کے ثواب سے بھی محروم نہیں رہو گے۔

بعض اہل سیر کا بیان ہے کہ حضرت طلحہؓ اپنے تجارتی اغراض سے شام گئے تھے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں مال غنیمت میں حصہ طلب کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی، نیز ایک دوسری روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اور سعید بن زیدؓ کو شام کی طرف قریش کے قافلہ کی تحقیق حال کی خدمت پر مامور کر کے بھیجا تھا، اس روایت سے بھی ہمارے خیال کی تائید ہوتی

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۵۹
[2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۵۴

ہے، بہر حال اگرچہ حضرت طلحہؓ غزوۂ بدر میں شریک نہ تھے تاہم وہ اپنی اہم کارگزاریوں کے باعث اس کے اجر وثواب سے محروم نہیں رہے۔[1]

غزوۂ احد...... ۳ھ میں غزوۂ احد پیش آیا، اس جنگ میں پہلے مسلمانوں کی فتح ہوئی اور کفار بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن مسلمان جیسے ہی اپنی اپنی جگہ سے ہٹ کر لوٹ کھسوٹ میں مصروف ہوئے، کفار نے پھر پلٹ کر حملہ کردیا، اس ناگہانی حملہ نے مسلمانوں کو ایسا بدحواس کیا کہ ان کو سرور کائنات ﷺ کی حفاظت کا بھی خیال نہ رہا اور جو جس طرف تھا اسی طرف سے بھاگ کھڑا ہوا میدان جنگ میں صرف دس بارہ آدمی ثابت قدم رہ گئے تھے، لیکن وہ سب بھی شمع ہدایت سے دور تھے، اور اس وقت صرف حضرت طلحہؓ پروانہ وار فدویت و جان نثاری کے حیرت انگیز مناظر دکھارہے تھے، کفار کا ہر طرف سے نرغہ تھا، تیروں کی بارش ہورہی تھی، خون آشام تلواریں چمک چمک کر آنکھوں کو خیرہ کررہی تھیں اور صدہا کفار صرف ایک مقدس ہستی کو فنا کردینے کے لئے ہر طرف سے یورش کررہے تھے، اس نازک وقت میں جمال نبوت کا یہ شیدائی ہالہ بن کر خورشید نبوت کو آگے پیچھے داہنے بائیں ہر طرف سے بچارہا تھا، تیروں کی بوچھاڑ کو ہتھیلی پر روکتا، تلوار اور نیزہ کے سامنے اپنے سینہ کو سپر بناتا، پھر اسی حال میں کفار کا نرغہ زیادہ ہوجاتا تو شیر کی طرح تڑپ کر حملہ کرتا اور دشمن کو پیچھے ہٹادیتا، ایک دفعہ کسی نابکار نے ذات قدسی پر تلوار کا وار کیا، خادم جاں نثار یعنی طلحہؓ جانباز نے اپنے ہاتھ پر روک لیا، اور انگلیاں شہید ہوئیں تو آہ کے بجائے زبان سے نکلا، ''حسن'' یعنی خوب ہوا، سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اس لفظ کے بجائے بسم اللہ کہتے تو ملائکہ آسانی تمہیں ابھی اٹھالے جاتے، غرض حضرت طلحہؓ دیر تک حیرت انگیز جانبازی اور بہادری کے ساتھ مدافعت کرتے رہے، یہاں تک کہ دوسرے صحابہؓ بھی مدد کے لئے آپہنچے، مشرکین کا ہلہ کسی قدر کم ہوا تو سرور کائنات ﷺ کو اپنی پشت پر سوار کرکے پہاڑی پر لے آئے، اور مزید حملوں سے محفوظ کردیا۔[2]

حضرت طلحہؓ نے غزوۂ احد میں فدویت، جان نثاری اور شجاعت کے جو بے مثل جوہر دکھائے یقیناً تمام اقوام عالم کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، تمام بدن زخموں سے چھلنی ہوگیا تھا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے جسم پر ستر سے زیادہ زخم شمار کئے تھے۔[3] دربار رسالت (ﷺ) سے اسی جان بازی کے صلہ میں ''خیر'' کا لقب مرحمت ہوا، صحابہؓ کو واقعہ احد میں ان کی اس غیر معمولی شجاعت اور جانبازی کا دل سے اعتراف تھا، حضرت ابوبکر صدیقؓ غزوۂ احد کا تذکرہ کرتے تو فرماتے کہ یہ طلحہؓ کا مخصوص دن تھا، حضرت عمرؓ ان کو صاحب احد فرمایا

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۵۹
[2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۵۵
[3] فتح الباری جلد ۶ ص ۶۶۔

کرتے تھے، خود حضرت طلحہ ﷺ بھی اس پرفخر کارنامہ پر بڑا ناز تھا اور ہمیشہ لطف وانبساط کے ساتھ اس کی داستان سنایا کرتے تھے۔[1]

متفرق غزوات..... غزوۂ احد کے بعد فتح مکہ تک جس قدر غزوات ہوئے، حضرت طلحہؓ سب میں نمایاں طور پر شریک رہے، بیعت رضوان کے وقت بھی موجود تھے، اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔

فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین پیش آیا، اس معرکہ میں بھی غزوۂ احد کی طرح پہلے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، لیکن چند بہادر اور ثابت قدم مجاہدین کے استقلال وثبات نے پھر اس کو سنبھال لیا، اور اس طرح جم کر لڑے کہ غنیم کی فتح شکست سے بدل گئی اور بے شمار سامان اور مال غنیمت چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا، حضرت طلحہؓ اس جنگ میں بھی ثابت قدم اصحابؓ کی صف میں تھے۔

۹ھ میں آنحضرت ﷺ کو خبر ملی کہ قیصر روم بڑے ساز وسامان کے ساتھ عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے اس لئے آپ نے صحابہ کرامؓ کو تیاری کا حکم دیا اور جنگی اسباب وسامان کے لئے مال و زر صدقہ کرنے کی ترغیب دی، حضرت طلحہؓ نے اس موقع پر ایک بیش قرار رقم پیش کی اور بارگاہ رسالتؐ سے فیاض کا لقب حاصل کیا۔[2]

سرور کائنات ﷺ ایک طرف حملہ قیصر کے مدافعانہ اہتمام میں مصروف تھے۔ دوسری طرف منافقین جو ہمیشہ درپے تخریب رہتے تھے، اس موقع پر بھی اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے اور مدینہ سے کچھ فاصلہ پر سویلم یہودی کے مکان میں مجتمع ہو کر ان تدابیر پر غور کرتے تھے جن سے مسلمانوں میں بددلی پیدا ہو اور اس مہم میں شرکت سے انحراف کریں، آنحضرت ﷺ نے حضرت طلحہؓ کو اس خانہ برانداز جماعت کی تنبیہ پر مامور فرمایا، انہوں نے چند آدمیوں کو ساتھ لے کر نہایت مستعدی کے ساتھ سویلم یہودی کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور اس میں آگ لگا دی، ضحاک بن خلیفہ نے مکان کے پشت سے کود کر حملہ کیا اور اس حالت میں اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور اس کے ساتھی اس کو مسلمانوں کے پنجہ اقتدار سے بچا کر لے بھاگے۔[3]

غرض تیس ہزار مجاہدین نہایت جاہ وجلال کے ساتھ رومیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے، تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی، اس لئے وہاں چودہ دن قیام کر کے سب لوگ واپس آئے پھر ۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ نے آخری حج کیا۔ حضرت طلحہؓ ہمرکاب تھے حج سے واپس آنے کے بعد ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ دوشنبہ کے دن آفتاب رسالت دنیا سے غروب ہوا، حضرت طلحہؓ کو اس سانحہ کبریٰ سے جو صدمہ ہوا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جس وقت سقیفہ بنی ساعدہ میں

---

[1] بخاری کتاب المغازی غزوۂ احد
[2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۵۹
[3] سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۳۱۵

سیادت وخلافت کا فیصلہ ہورہا تھا، اس وقت یہ کسی گوشۂ تنہائی میں مصروف گریہ تھے۔

عہد صدیقیؓ...... سقیفہ بنی ساعدہ کی مجلس نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت پر اتفاق کیا، حضرت طلحہؓ نے بھی کچھ دنوں کے بعد بیعت کی اور مہمات امور میں رائے اور مشورہ کے لحاظ سے جانشین رسول کے ہمیشہ دست وبازو ثابت ہوئے، سوا دو برس کی خلافت کے بعد جب خلیفہ اول مرض الموت کے بستر پر تھے اور انہوں نے منصب کے لئے فاروق اعظمؓ کو نامزد کیا تو حضرت طلحہؓ نے نہایت آزادی کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ سے جاکر کہا کہ آپ کے موجود ہوتے ہوئے عمرؓ کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ اب وہ خود خلیفہ ہوں گے تو خدا جانے کیا کریں گے؟ آپ اب خدا کے ہاں جاتے ہیں، یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیجئے گا؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا میں خدا سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو امیر کیا جو ان میں سب سے زیادہ اچھا تھا۔

عہد فاروقیؓ...... حضرت عمرؓ کے متعلق حضرت طلحہؓ کی جو رائے تھی وہ کسی بغض وعداوت سے ملوث نہ تھی بلکہ اکثر صحابہؓ کی یہ رائے تھی کہ ان کا تشدد نا قابل تحمل ہوگا، لیکن جب حضرت عمرؓ نے اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ اس منصب عظیم کے لئے سب سے موزوں ہیں تو دفعتاً حضرت طلحہؓ کا خیال بھی بدل گیا اور مجلس شوریٰ کے ایک رکن کی حیثیت سے انہوں نے ہمیشہ حضرت فاروق اعظمؓ کی اعانت کی، اختلافی مسائل میں ساتھ دیا، اور اہم امور میں نہایت مخلصانہ مشورے دیئے، ایک دفعہ عہد فاروقیؓ میں یہ سوال پیدا ہوا کہ ممالک مفتوحہ مجاہدین میں باہم تقسیم کر دیئے جائیں اور ایک بڑی جماعت اس کی مؤید ہوگئی، صرف حضرت عمرؓ اور چند دوسرے صحابہؓ کو اس سے اختلاف تھا، تین دن تک بحث ہوتی رہی، حضرت طلحہؓ نے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ اس مسئلہ میں حضرت عمرؓ کی تائید کی، یہاں تک کہ ان ہی کی رائے پر آخری فیصلہ ہوا، اسی طرح معرکہ نہاوند کے موقع پر ایرانی ٹڈی دل نے فاروق اعظمؓ کو مشوش کر دیا اور انہوں نے صحابہؓ سے اس کے متعلق مشورہ چاہا، تو حضرت طلحہؓ نے کھڑے ہو کر کہا آپ ہم سے زیادہ بہتر جانتے ہیں، البتہ ہم لوگ تعمیل حکم کے لئے تیار ہیں۔

امیر المؤمنین فاروق اعظمؓ نے ۲۳ھ میں دس برس کی خلافت کے بعد سفر آخرت کی تیاری کی اور عہدۂ خلافت کے لئے چھ آدمیوں کا نام پیش کیا، ان میں حضرت طلحہؓ بھی تھے، لیکن انہوں نے نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ حضرت عثمانؓ کو اپنے اوپر ترجیح دی اور ان کا نام اس منصب کے لئے پیش کیا، چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی کوشش اور حضرت طلحہؓ کی تائید سے وہی خلیفہ منتخب ہوئے۔

عہد عثمانیؓ...... حضرت عثمانؓ نے بارہ برس تک خلافت کی لیکن آخری چھ سالہ عہد خلافت میں تمام ملک عام طور پر شورش وبے چینی کا آماجگاہ ہوگیا تھا اور ہر طرف ریشہ دوانی وفتنہ پردازی

کا بازار گرم تھا، حضرت طلحہؓ نے دربار خلافت کو مشورہ دیا کہ اسباب شورش کی تفتیش و تحقیق کے لئے تمام ملک میں وفود روانہ کئے جائیں، چنانچہ یہ رائے پسند کی گئی اور ۳۵ھ میں محمد بن مسلمہؓ، اسامہ بن زیدؓ، عمار بن یاسرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ مختلف حصص ملک میں روانہ کئے گئے، ان لوگوں نے واپس آ کر اپنی تحقیقات کا جو نتیجہ پیش کیا اس پر عمل بھی نہ ہونے پایا تھا کہ مفسدین نے بارگاہ خلافت کا محاصرہ کر لیا، گو حضرت طلحہؓ نے اس موقع پر حضرت عثمانؓ کی کوئی خاص اعانت نہیں کی، تاہم وہ اکثر خود ایک غیر جانب دار شخص کی حیثیت سے دریافت حال کے لئے محاصرین کی جماعت میں تشریف لے گئے چنانچہ وہ ایک دفعہ وہاں موجود تھے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے بالا خانہ پر کھڑے ہو کر کبار صحابہؓ میں ایک ایک کا نام لے کر پکارا اسی ضمن میں حضرت طلحہؓ کا نام بھی آیا، انہوں نے جواب دیا "ہاں! میں حاضر ہوں" حضرت عثمانؓ نے اپنے احسانات اور فضائل و مناقب بیان کر کے ان سے تصدیق چاہی، تو انہوں نے مفسدین کے سامنے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ اس کی تصدیق کی۔[1]

آخر میں جب محاصرہ زیادہ خطرناک ہو گیا تو حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کی طرح حضرت طلحہؓ نے بھی اپنے صاحبزادہ محمد کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے متعین کر دیا، چنانچہ جب مفسدین نے یورش کی تو محمد بن طلحہؓ نے نہایت تندہی اور جانفشانی سے ان کا مقابلہ کیا۔[2]

محافظین نے باوجود قلت تعداد کے اس سیلاب کو روکے رکھا، لیکن چند نابکار دوسری طرف سے اندر گھس آئے اور صبر و حلم کے آفتاب کو ہمیشہ کے لئے خونیں شفق کے پردہ میں نہاں کر دیا، حضرت طلحہؓ کو معلوم ہوا تو افسوس کے ساتھ فرمایا "خدا عثمانؓ پر رحم کرے" لوگوں نے کہا مفسدین اب اپنے فعل پر نادم ہیں، فرمایا خدا انہیں ہلاک کرے، اس کے بعد یہ آیت پڑھی

فلا یستطیعون توصیۃ ولا الی اھلھم یرجعون. (یس ۳۶:۵۰)

حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بادل نخواستہ بیعت کی...... حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مصریوں نے حضرت علیؓ کو عنان خلافت سنبھالنے پر مجبور کیا، اور مسجد نبویؐ میں لوگوں کو بیعت عام کے لئے جمع کیا، حضرت طلحہؓ گو برابر کے دعویدار تھے تاہم اس شورش و ہنگامہ کے وقت زبان نہ ہلا سکے اور بادل نخواستہ بیعت کر لی۔[3]

خلیفہ وقت کے مقابلہ میں خروج اور اس کی وجہ...... خلیفہ وقت کا قتل کوئی معمولی حادثہ نہ تھا، اس سے تمام علاقہ میں شورش اور بدنظمی پھیل گئی، اور مفسدین کی مطلق العنانی نے خود مدینہ کو پرفتن بنا دیا، حضرت طلحہؓ کامل چار ماہ تک خاموشی کے ساتھ اس فتنہ و فساد کا تماشا دیکھتے رہے، لیکن جب دربار خلافت کی طرف سے اس کے انسداد کی کوئی امید نہ رہی تو خود علم اصلاح

---

[1] ابن سعد جز ۳ قسم اول ص ۴۷ [2] ابن اثیر جلد ۳ ص ۴۰
[3] طبقات ابن سعد جز ۳ ق ۱

بلند کرنے کے لئے حضرت زبیرؓ کو ساتھ لے کر مدینہ سے مکہ چلے آئے، حضرت عائشہؓ حج کے خیال سے مکہ آئی تھیں اور مدینہ کی شورشوں کا حال سن کر اس وقت تک یہیں مقیم تھیں، اس لئے ان دونوں نے سب سے پہلے ام المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر مدینہ کی کیفیت بیان کی اور علم اصلاح بلند کرنے پر آمادہ کیا، تھوڑی دیر کی بحث ومباحثہ کے بعد حضرت عائشہؓ راضی ہو گئیں اور حضرت طلحہؓ کی رائے کے مطابق بصرہ جانے کی تیاری ہوئی، کیونکہ وہاں ان کے طرفداروں کی ایک بڑی جماعت موجود تھی، اور نہایت آسانی کے ساتھ اس مہم کی شرکت پر آمادہ ہو سکتی تھی۔

بصرہ پر قبضہ...... غرض داعیان اصلاح کی ایک ہزار جماعت مکہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوئی، بنوامیہ بھی جو مدینہ سے بھاگ کر مکہ میں پناہ گزین تھے جوش انتقام میں ساتھ ہو گئے، بصرہ کے قریب پہنچے تو عثمان بن حنیف والی بصرہ نے مزاحمت کی، پہلے کچھ دنوں تک ان سے مصالحت کی سلسلہ جنبانی ہوتی رہی لیکن جب وہ راہ پر نہ آئے تو بزور شہر پر قابض ہو گئے اور حضرت طلحہؓ کے حامیوں نے جوش وخروش کے ساتھ اہل دعوت کو لبیک کہا۔

حضرت علیؓ کی فوج سے مقابلہ کے لئے بڑھنا..... حضرت علیؓ کو مدعیان اصلاح کے خروج کا حال معلوم ہو چکا تھا، اس لئے مدینہ سے روانہ ہو کر ذی قار پہنچے اور یہاں سے تقریباً کوفہ کے نو ہزار جنگ آزما نوجوان ساتھ لے کر بصرہ کی طرف بڑھے، حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے اس فوج کا حال سنا تو انہوں نے بھی اپنی فوج کو منظم و مرتب کر کے آگے بڑھایا، دسویں جمادی الآخر ۳۶ھ میں دونوں فوجوں میں مڈبھیڑ ہوئی۔

شہادت...... جنگ شروع ہونے سے پہلے صلح کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی، اور حضرت علیؓ نے حضرت زبیرؓ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی یاد دلائی کہ اسی وقت ان کا دل اس خانہ جنگی سے پھر گیا، حضرت طلحہؓ نے اپنے زور بازو کو برداشتہ خاطر دیکھا تو ان کا ارادہ بھی متزلزل ہوا، اور جنگ سے کنارہ کش ہونے کی رائے قائم کر لی، مروان نے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے معاملہ میں ان سے بدظن تھا، اس موقع کو غنیمت جان کر ایک تیر مارا جو اگرچہ پاؤں میں لگا لیکن ان کے لئے تیر قضا ثابت ہوا[1] لوگوں نے نکالنے کی کوشش کی تو فرمایا چھوڑ دو، یہ تیر نہیں بلکہ پیام خداوندی ہے۔

تجہیز وتکفین...... اختلاف روایات حضرت طلحہؓ نے باسٹھ یا چونسٹھ برس کی عمر میں شہادت حاصل کی، اور غالباً اسی میدان جنگ کے کسی گوشہ میں مدفون ہوئے لیکن یہ زمین نشیب میں تھی اس لئے اکثر غرق آب رہتی تھی، ایک شخص نے مسلسل تین دفعہ حضرت طلحہؓ کو خواب میں دیکھا کہ وہ اپنی لاش کو اس قبر سے منتقل کرنے کی ہدایت فرما رہے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے خواب کا حال سنا تو حضرت ابو بکرہؓ صحابیؓ کا مکان دس ہزار درہم میں خرید کر ان کی لاش کو اس

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۷۱

میں منتقل کر دیا، دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اتنے دنوں کے بعد بھی یہ جسم خاکی اسی طرح مصئون محفوظ تھا، یہاں تک کہ آنکھوں میں جو کافور لگایا گیا تھا وہ بھی بعینہ موجود تھا۔[1]

اخلاق وعادات..... حضرت طلحہؓ کا اخلاقی پایہ نہایت ارفع واعلیٰ تھا، خشیت الٰہی اور رسول اللہ ﷺ کی محبت سے ان کا پیمانہ لبریز تھا، معرکہ احد اور دوسرے غزوات میں جس جوش وفدا کاری کے ساتھ پیش پیش رہے وہ اسی جذبہ کا اثر تھا، اس راہ میں ان کو جان کے ساتھ مال کی قربانی سے بھی دریغ نہ تھا۔

چنانچہ انہوں نے نذر مانی تھی کہ غزوات کے مصارف کے لئے اپنا مال راہ خدا میں دیا کریں گے، اس نذر کو انہوں نے اس پابندی کے ساتھ پوری کرنے کی کوشش کی کہ خاص قرآن پاک میں ان کی مدح میں یہ آیت نازل ہوئی۔

رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه . الاية .

(احزاب ۳۳:۲۳)

"یعنی کچھ آدمی ایسے ہیں جنہوں نے خدا سے جو کچھ عہد کیا اس کو سچا کر دکھایا، چنانچہ بعض ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے اپنی نذر پوری کی"۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت طلحہؓ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو ارشاد ہوا، "طلحہؓ تم بھی ان لوگوں میں ہو جنہوں نے اپنی نذر پوری کی۔"[2]

حضرت طلحہؓ اقلیم سخاوت کے بادشاہ تھے، فقراء ومساکین کے لئے ان کا دروازہ کھلا رہتا تھا، حضرت قیس ابن ابی حازم کا بیان ہے کہ میں نے طلحہؓ سے زیادہ کسی کو بے طلب کی بخشش میں پیش پیش نہ دیکھا۔[3]

غزوۂ ذی القرد میں آنحضرت ﷺ مجاہدین کے ساتھ پانی کے ایک چشمہ پر گذرے جس کا نام بلیان مالح تھا، حضرت طلحہؓ نے اس کو خرید کر وقف کر دیا۔[4] اسی طرح غزوۂ ذی العسرہ میں تمام مجاہدین کی دعوت کی، غزوہ تبوک کے موقع پر جب کہ عموماً تمام مسلمان افلاس وناداری کی مصیبت اور فلاکت میں مبتلا تھے، انہوں نے مصارف جنگ کے لئے ایک گرانقدر رقم پیش کی اور دربار رسالت سے فیاض کا خطاب حاصل کیا۔[5]

ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ اپنی جائیداد سات لاکھ درہم میں فروخت کی اور سب راہ خدا میں صرف کر دیا، آپ کی بیوی سعدیٰ بنت عوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے انہیں غمگین دیکھا، پوچھا "آپ اس قدر اداس کیوں ہیں مجھ سے کوئی خطا تو سرزد نہیں ہوئی؟ بولے "نہیں!

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۶۱
[2] فتح الباری جلد ۸ ص ۳۹۰
[3] ایضاً جلد ۷ ص ۶۶
[4] اصابہ جلد ۳ ص ۲۹۱
[5] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۶۰

تم نہایت اچھی بیوی ہو، تمہاری کوئی بات نہیں ہے، اصل قصہ یہ ہے کہ میرے پاس ایک بہت بڑی رقم جمع ہوگئی ہے، اس وقت اسی کی فکر میں تھا کہ کیا کروں؟ میں نے کہا ''اس کو تقسیم کرادیجئے'' یہ سن کر انہوں نے اسی وقت لونڈی کو بلایا اور چار لاکھ کی رقم اپنی قوم میں تقسیم کرادی۔[1]

حضرت طلحہؓ بنوتیم کے تمام محتاج وتنگدست خاندانوں کی کفالت کرتے تھے، لڑکیوں اور بیوہ عورتوں کی شادی کردیتے تھے، جولوگ مقروض تھے ان کا قرض ادا کردیتے تھے چنانچہ صبیحہ تیمی پر تیس ہزار درہم قرض تھا، وہ سب انہوں نے اپنے پاس سے ادا کردیا ام المومنین حضرت عائشہؓ سے بھی خاص عقیدت تھی اور ہر سال دس ہزار درہم پیشِ خدمت کرتے تھے۔[2]

مہمان نوازی حضرت طلحہؓ کا خاص شیوہ تھا، ایک دفعہ بنی عذرہ کے تین آدمی مدینہ آکر مشرف بہ اسلام ہوئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کون ان کی کفالت کا ذمہ لیتا ہے؟ حضرت طلحہؓ نے کھڑے ہوکر عرض کی ''میں یارسول اللہ'' اور وہ تینوں نو مسلم مہمانوں کو خوشی خوشی گھر لے آئے، ان میں سے دو نے یکے بعد دیگرے مختلف غزوات میں شہادت حاصل کی اور تیسرے نے بھی ایک مدت کے بعد حضرت طلحہؓ کے مکان میں وفات پائی ان کو اپنے مہمانوں سے جوانس پیدا ہوگیا تھا اس کا اثر یہ تھا کہ ہر وقت ان کی یاد تازہ رہتی تھی اور رات کے وقت خواب میں بھی ان ہی کا جلوہ نظر آتا تھا، ایک روز خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے تینوں مہمانوں کے ساتھ جنت کے دروازہ پر کھڑے ہیں، لیکن جو سب سے پیچھے مرا تھا وہ سب سے آگے ہے، اور جو سب سے پہلے شہید ہوا تھا وہ سب سے پیچھے ہے، حضرت طلحہؓ کو اس تقدم وتاخر پر سخت تعجب ہوا، صبح کے وقت سرور کائنات ﷺ سے خواب کا واقعہ بیان کیا تو ارشاد ہوا، اس میں تعجب کی کیا بات ہے، جو زیادہ دنوں تک زندہ رہا اس کو عبادت ونیکوکاری کا زیادہ موقع ملا، اس لئے وہ جنت کے داخلہ میں اپنے ساتھیوں سے پیش تھا۔[3]

احباب کی مسرت وشادمانی ان کے لئے بھی سامان انبساط بن جاتی تھی، حضرت کعب بن مالکؓ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے کے باعث معتوب بارگاہ تھے، ایک مدت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کی خطا معاف کردی اور وہ خوش خوش دربار رسالت میں حاضر ہوئے تو حضرت طلحہؓ نے دوڑ کر ان سے مصافحہ کیا اور مبارکباد دی، حضرت کعب فرمایا کرتے تھے کہ میں طلحہؓ کے اس اخلاق کو کبھی نہ بھولوں گا، کیونکہ مہاجرین میں سے کسی نے ایسی گرمجوشی کا اظہار نہیں کیا تھا۔

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۵۷ [2] ایضاً ص ۱۵۸

[3] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۱۶۳

حضرت طلحہؓ کو دوستوں کی خدمت گزاری سے بھی دریغ نہ تھا، ایک دفعہ ایک اعرابی مہمان ہوا، اور اس نے درخواست کی کہ بازار میں میرا اونٹ فروخت کرادیجئے، حضرت طلحہؓ نے فرمایا" گو رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شہری، دیہاتی کا معاملہ نہ چکائے تاہم میں تمہارے ساتھ چلوں گا، اور اس کے ساتھ جا کر مناسب قیمت پر اس کا اونٹ فروخت کرادیا، اعرابی نے اس کے بعد خواہش ظاہر کی کہ دربار رسالتؐ سے زکوۃ کی وصولی کا ایک مفصل ہدایت نامہ دلوادیجئے تاکہ عمال کو اسی کے مطابق دیا کروں حضرت طلحہؓ نے اپنے مخصوص تقرب کے باعث اس کی یہ خواہش بھی پوری کردی۔[۱]

رسول خدا ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو طرز عمل بنانا ہر مسلمان کی سب سے بڑی سعادت ہے، حضرت طلحہؓ نے اس سعادت کے حصول کو اپنے فرائض میں شامل کرلیا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی مختلف صحبتوں میں جو کچھ دیکھتے یا سنتے اس کو ہمیشہ یادرکھتے اور اگر اتفاق سے کبھی کوئی بات بھول جاتے تو سخت مغموم ورنجیدہ نظر آتے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کو مغموم دیکھ کر پوچھا" تمہارا حال کیسا ہے؟ کسی سے کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا؟" کہنے لگے نہیں! میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا تھا کہ" اگر کوئی بندہ موت کے وقت ایک کلمہ زبان سے ادا کرے تو نزع کی مصیبت دور ہوجائے گی اور اس کا چہرہ چمکنے لگے گا" مجھے اس وقت وہ کلمہ معلوم تھا، لیکن اب یاد نہیں آتا، حضرت عمرؓ نے کہا کیا تم اس کلمہ سے بھی زیادہ باعظمت و پراثر کلمہ جانتے ہو جس کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا یعنی لا الٰہ الا اللہ حضرت طلحہؓ خوش ہو کر اچھل پڑے فرمایا" ہاں! خدا کی قسم یہی کلمہ ہے۔"[۲]

حسن معاشرت...... حضرت طلحہؓ اپنے حسن معاشرت کے باعث بیوی بچوں میں نہایت محبوب تھے، وہ اپنے کنبہ میں جس لطف ومحبت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اس کا اندازہ صرف اس سے ہوسکتا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ کی لڑکی ام ابان سے اگرچہ بہت سے معزز اشخاص نے شادی کی درخواست کی، لیکن انہوں نے حضرت طلحہؓ کو سب پر ترجیح دی، لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہا" میں ان کے اوصاف حمیدہ سے واقف ہوں وہ گھر آتے ہیں تو ہنستے ہوئے باہر جاتے ہیں تو مسکراتے ہوئے کچھ مانگو تو بخل نہیں کرتے اور خاموش رہو تو مانگنے کا انتظار نہیں کرتے، اگر کوئی کام کردو شکر گزار ہوتے ہیں اور خطا ہوجائے تو معاف کردیتے ہیں۔"[۳]

ذریعہ معاش...... حضرت طلحہؓ کے معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا، چنانچہ نیر اسلام کے طلوع ہونے کی بشارت بھی اسی تجارتی سفر میں ملی تھی، جب مدینہ پہنچے تو زراعت کا شغل بھی شروع کیا، اور رفتہ رفتہ اس کو نہایت وسیع پیمانہ پر پھیلادیا، خیبر کی جاگیر کے علاوہ عراق عرب میں

---

۱ بخاری باب غزوۂ تبوک ۲ مسند جلد اص ۱۶۱
۳ کنز العمال جلد ۶ ص ۴۱۳

متعدد علاقے حاصل کیے، ان میں سے قناۃ اور سراۃ نہایت مشہور ہیں، ان دونوں مقامات میں کاشتکاری کا نہایت وسیع اہتمام تھا، صرف قناۃ کے کھیتوں پر بیس اونٹ سیرابی کا کام کرتے تھے، ان علاقوں کی پیداوار کا صرف اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرت طلحہؓ کی روزانہ آمدنی کا اوسط ایک ہزار دینار تھا۔[1]

تمول...... غرض تجارت وزراعت نے ان کو غیر معمولی دولت وثروت کا مالک بنادیا تھا، چنانچہ لاکھوں دینار ودرہم راہ خدا میں لٹادینے کے بعد بھی اہل وعیال کے لئے ایک عظیم الشان دولت چھوڑ گئے، ایک دفعہ امیر معاویہؓ نے موسیٰ بن طلحہؓ سے پوچھا کہ تمہارے والد نے کس قدر دولت چھوڑی تو انہوں نے کہا "بائیس لاکھ درہم اور دو لاکھ دینار، اس کے علاوہ نہایت کثیر مقدار میں سونا اور چاندی" یہ نقدی کی تفصیل تھی، جائیداد غیر منقولہ اس کے علاوہ تھی جس کی کل قیمت کا اندازہ تین کروڑ درہم تھا۔[2]

غذا ولباس...... طرز معاش نہایت سادہ تھا، کپڑے اکثر رنگین پہنتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے حالت احرام میں رنگین لباس زیب جسم دیکھا بولے "طلحہؓ یہ کیا ہے؟" عرض کی "امیر المومنین یہ گیرو رنگ ہے" فرمایا، آپ لوگ ائمہ دین ہیں، عوام آپ کا اتباع کرتے ہیں، کوئی جاہل دیکھ لے گا تو وہ بھی رنگین کپڑے استعمال کرے گا اور دلیل پیش کرے گا کہ میں نے طلحہؓ کو حالت احرام میں پہنے ہوئے دیکھا تھا۔[3]

حضرت طلحہؓ کے ہاتھ میں ایک سونے کی انگوٹھی تھی جس میں نفیس سرخ یاقوت کا نگ جڑا ہوا تھا، لیکن بعد کو یاقوت نکال کر معمولی پتھر سے مرصع کرایا تھا۔[4] دستر خوان بھی وسیع تھا، لیکن پر تکلف نہ تھا۔

حلیہ...... حلیہ یہ تھا، قد میانہ بلکہ ایک حد تک پست، چہرہ کا رنگ سرخ وسفید، بدن خوب گٹھا ہوا، سینہ چوڑا، پاؤں نہایت پر گوشت اور ہاتھ کی انگلیاں غزوۂ احد میں شل ہوگئی تھیں۔

اولاد وازواج...... حضرت طلحہؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کی تھیں۔ بیویوں کے نام یہ ہیں، حمنہ بنت جحشؓ، ام کلثوم بنت ابوبکر الصدیقؓ، سعدی بنت عوف، ام ابان بنت عتبہ بن ربیعہ، خولہ بنت القعقاع، ان میں سے ہر ایک کے بطن سے متعدد اولاد ہوئی تھی، لڑکوں کے نام یہ ہیں۔

محمد، عمران، عیسیٰ، یحییٰ، اسماعیل، اسحاق، زکریا، یعقوب، موسیٰ، یوسف ان کے علاوہ چار صاحبزادیاں بھی تھیں، ان کے نام یہ ہیں، ام اسحاق، عائشہ، صعبہ، مریم

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۵۸
[2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۵۸
[3] ایضاً ص ۱۵۶ [4] ایضاً ص ۱۵۷

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ

نام، نسب خاندان۔۔۔۔۔ عبدالرحمٰن نام، ابو محمد کنیت والد کا نام عوف اور والدہ کا نام شفاء تھا، یہ دونوں زہری خاندان سے تعلق رکھتے تھے، سلسلہ نسب یہ ہے عبدالرحمٰن بن عوفؓ بن عبد جوف بن عبد بن الحارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ القرشی الزہری۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کا اصلی نام عبد عمرو تھا، ایمان لائے تو رسول اللہ ﷺ نے بدل کر عبدالرحمٰن رکھا۔[1]

اسلام۔۔۔۔۔ عام روایت کے مطابق حضرت عبدالرحمٰنؓ واقعہ فیل کے دسویں سال پیدا ہوئے تھے، اس لحاظ سے جس وقت رسول اللہ ﷺ نے دعوت توحید کی صدا بلند کی، اس وقت ان کا سن تیس سال سے متجاوز ہو چکا تھا، فطری عفت و سلامت روی کے باعث شراب سے پہلے ہی تائب ہو چکے تھے، صدیق اکبرؓ کی راہنمائی سے صراط مستقیم کی شاہراہ بھی نظر آ گئی اور بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر رہروان حق کے قافلہ میں شامل ہو گئے، اس وقت تک صرف چند روشن ضمیر بزرگوں کو اس کی توفیق ہوئی تھی اور قافلہ سالار یعنی سرور دو عالم ﷺ ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔[2]

ہجرت۔۔۔۔۔ خلعت ایمان سے مشرف ہونے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو بھی عام بلا کشان اسلام کی طرح جلا وطن ہونا پڑا، پہلے ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے، پھر وہاں سے واپس آئے تو سب کے ساتھ سرزمین یثرب کی طرف ہجرت کر گئے۔[3]

مواخات۔۔۔۔۔ مدینہ پہنچنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن الربیع انصاریؓ سے بھائی چارہ کرا دیا، اور وہ انصار میں سے سب سے زیادہ مالدار اور فیاض طبع تھے، کہنے لگے "میں اپنا نصف مال و منال تمہیں بانٹ دیتا ہوں اور میری دو بیویاں ہیں، ان کو دیکھو جو پسند آئے اس کا نام بتاؤ میں طلاق دے دوں گا، عدت گزارنے کے بعد تم نکاح کر لینا۔" لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ کی غیرت نے گوارا نہ کیا، جواب دیا "خدا تمہارے مال و منال اور اہل و عیال میں برکت دے، مجھے صرف بازار دکھا دو۔" لوگوں نے بنی قینقاع کے بازار میں پہنچا دیا، وہاں سے واپس آئے تو کچھ گھی اور پنیر وغیرہ نفع میں بچا لائے، دوسرے روز با قاعدہ تجارت شروع کر دی

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۰۶ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث
[3] بخاری باب بنیان الکعبہ باب کیف اخی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین الصحابہ

یہاں تک کہ چند دنوں کے بعد بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو جسم پر مراسم شادی کی علامتیں موجود تھیں، استفسار ہوا" یہ کیا ہے" عرض کی "ایک انصاریہ سے شادی کر لی ہے۔" سوال ہوا مہر کس قدر ادا کیا؟ عرض کی "ایک کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا" حکم ہوا" تو پھر ولیمہ کرو اگر چہ ایک بکری ہی سہی۔"[۱]

غزوات...... ۲ھ سے غزوات کا سلسلہ شروع ہوا، حضرت عبدالرحمٰنؓ اکثر معرکوں میں پامردی وشجاعت کے ساتھ شریک رہے، غزوۂ بدر میں دونو جوان انصاری پہلو میں کھڑے تھے، انہوں نے آہستہ سے پوچھا" یا ام! ابوجہل کون ہے جو سرور کائنات ﷺ کی شان میں بدزبانی کرتا ہے؟" اسی اثناء میں ابوجہل سامنے آ گیا، حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا" وہ دیکھو! جس کو تم پوچھتے تھے سامنے موجود ہے۔" ان دونوں نے جھپٹ کر ایک ساتھ وار کیا اور اس ناپاک ہستی سے دنیا کو نجات دلا دی۔[۲]

غزوۂ احد میں جس جانبازی وشجاعت سے لڑے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بدن پر بیس سے زیادہ آثار جراحت (زخم) شمار کیے گئے تھے، خصوصاً پاؤں میں ایسے کاری زخم لگے تھے کہ صحت کے بعد بھی ہمیشہ لنگڑا کر چلتے تھے۔[۳]

دومۃ الجندل کی مہم...... شعبان ۶ھ میں دومۃ الجندل کی مہم پر مامور ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے بلا کر اپنے دست اقدس سے عمامہ باندھا، پیچھے شملہ چھوڑا، اور ہاتھ میں علم دے کر فرمایا۔ "بسم اللہ! راہ خدا میں روانہ ہو جا، جو لوگ خدا کی نافرمانی وعصیان میں مبتلا ہیں ان سے جا کر جہاد کر، لیکن کسی کو دھوکا نہ دینا، فریب نہ کرنا، بچوں کو نہ مارنا، یہاں تک کہ وہ دومۃ الجندل پہنچ کر قبیلہ کلب کو اسلام کی دعوت دے، اگر وہ قبول کریں تو ان کے بادشاہ کی لڑکی سے نکاح کر لے۔"

حضرت عبدالرحمٰنؓ اس اعزاز کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہو کر دومۃ الجندل پہنچے اور تین دن تک دعوت وتبلیغ اسلام کا فرض اس خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے کہ قبیلہ کلب کے سردار، اصبغ بن عمرو الکلبی جو مذہبا عیسائی تھے، اور اس کی قوم کے بہت سے لوگ بطیب خاطر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے، البتہ بعضوں نے جن کو اس کی توفیق نہ ہوئی جزیہ منظور کر لیا، حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حسب فرمان اصبغ کی لڑکی تماضر سے شادی کر لی اور رخصت کرا کے مدینہ ساتھ لائے، چنانچہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔[۴]

فتح مکہ...... مکہ کی فوج کشی میں بھی شریک تھے، اس کے زیر نگین ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو قبیلہ بنو جذیمہ کے پاس جو اطراف مکہ میں مسکن گزین

---

[۲] مسند جلد ا ص ۱۹۳ و بخاری کتاب المغازی باب قتل ابی جہل

[۳] سیرت ابن ہشام جلد ا ص ۴۶۱ [۴] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۴

[۱] طبقات ابن سعد ق ا جزو ثالث،

تھا دعوت اسلام کے لئے بھیجا، انہوں نے غلطی سے قتل وخون ریزی کا بازار گرم کر دیا، سرور کائنات ﷺ کو اطلاع ہوئی تو نہایت متاسف ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر بارگاہ رب العالمین میں تین دفعہ اپنی برائت ظاہر کی "خدایا! خالدؓ نے جو کچھ کیا میں اس سے بری ہوں۔"

حضرت عبدالرحمٰنؓ کے خاندان اور قبیلہ بنو جذیمہ میں گو قدیم زمانہ سے عداوت چلی آتی تھی، یہاں تک کہ ان کے والد عوف کو اسی قبیلہ کے ایک آدمی نے قتل کیا تھا، تاہم اخوت اسلامی نے اس دیرینہ عداوت کو بھی محو کر دیا، چنانچہ اس خونریزی سے بیزار ہو کر حضرت خالد بن ولیدؓ سے کہا "افسوس تم نے اسلام میں جاہلیت کا بدلہ لیا" انہوں نے جواب دیا "میں نے تمہارے باپ کے قاتل کو مارا" حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا "بے شک تم نے میرے باپ کے قاتل کو مارا، لیکن درحقیقت یہ فاکہ بن مغیرہ کا انتقام تھا، جو تمہارا چچا تھا [1] اس کے بعد دونوں میں نہایت گرم گفتگو ہوئی، آنحضرتؐ کو اطلاع ہوئی تو حضرت خالدؓ سے ارشاد ہوا بس خالد! میرے اصحاب کو چھوڑ، اگر تو راہ خدا میں کوہ احد کے برابر بھی سونا صرف کرے گا تب بھی ان کے برابر نہ ہوگا۔"

فتح مکہ کے بعد حجۃ الوداع تک جس قدر مہمات اور جنگیں پیش آئیں، حضرت عبدالرحمٰنؓ سب میں شریک رہے، آخری سفر حج سے واپس آنے کے بعد ۱۰ھ میں سرور کائنات ﷺ نے وفات پائی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کا قصہ پیش آیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اسی گتھی کے سلجھانے میں شریک تھا اور صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں ان کا تیسرا نمبر تھا۔

عہد صدیقیؓ...... خلیفہ اول کے عہد میں حضرت عبدالرحمٰنؓ ایک مخلص مشیر اور صائب الرائے رکن کی حیثیت سے ہر قسم کے مشوروں میں شریک رہے ۱۳ھ میں جب صدیق اکبرؓ کا آفتاب حیات لب بام آیا اور ایک جانشین نامزد کرنے کی فکر دامن گیر ہوئی تو انہوں نے سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو بلا کر اس کے متعلق مشورہ کیا اور اس منصب جلیل کے لئے فاروق اعظمؓ کا نام لیا، حضرت عبدالرحمٰنؓ نے نہایت آزادی اور خلوص کے ساتھ کہا "عمر کی اہلیت میں کیا شک ہے لیکن مزاج میں سختی ہے۔" حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "ان کی سختی اس لئے بھی تھی کہ میں نرم تھا، لیکن جب یہ بار گراں ان ہی پر آپڑے گا تو خود بخود نرم ہو جائیں گے [3]" غرض چند روزہ علالت کے بعد خلیفہ اول نے داعی اجل کو لبیک کہا اور حضرت فاروقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے۔

عہد فاروقیؓ...... فاروق اعظمؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھنے کے ساتھ نظام خلافت کو

---

[1] حضرت عبدالرحمٰنؓ کے والد عوف اور حضرت خالدؓ کے چچا فاکہ بن مغیرہ تجارت کے خیال سے یمن جارہے تھے بنو جذیمہ نے راہ میں ایک ساتھ دونوں کو قتل کیا تھا (سیرت ابن ہشام جلد ۲)

[2] سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۵۶　　[3] طبری ۲۱۳۷

پہلے سے زیادہ منتظم و مرتب کر دیا، مہمات مسائل پر بحث و مباحثہ کے لئے ایک مستقل مجلس شوریٰ قائم کی، حضرت عبدالرحمٰنؓ اس مجلس کے نہایت صائب الرائے، پرجوش اور سرگرم رکن ثابت ہوئے، بہت سے معاملات میں ان ہی کی رائے پر آخری فیصلہ ہوا، عراق پر مستقل اور باقاعدہ فوج کشی کے لئے جب دارالخلافہ کے گرد ایک عظیم الشان لشکر مجتمع ہوا اور عوام نے زور ڈالا کہ خود امیر المومنین اس فوج کی باگ اپنے ہاتھ میں لیں، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ خود بھی اس کے لئے تیار ہو گئے تو اس وقت صرف حضرت عبدالرحمٰنؓ ہی تھے جنہوں نے سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کی اور کہا کہ لڑائی کے دونوں پہلو ہیں، خدانخواستہ اگر شکست ہوئی اور امیر المومنین کو کچھ صدمہ پہنچا تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے، حضرت عبدالرحمٰنؓ کی اس مآل اندیشی نے تمام اکابر صحابہؓ کی آنکھیں کھول دیں اور سب نے پرزور الفاظ میں اس کی تائید کی، لیکن مشکل یہ تھی کہ اس مہتم بالشان عہدہ کے لائق کوئی شخص نہ تھا، حضرت علیؓ سے کہا گیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا، غرض اسی حیص بیص میں تھے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کی نگاہ انتخاب نے یہ مشکل بھی حل کر دی، اور کھڑے ہو کر کہا میں نے پالیا، حضرت عمرؓ نے پوچھا کون؟ بولے سعد بن ابی وقاصؓ اس حسن انتخاب پر ہر طرف سے صدائے تحسین و آفرین بلند ہوئی[۱] اور واقعات نے بہت جلد ثابت کر دیا کہ یہ انتخاب کس قدر موزوں تھا۔

اسی طرح معرکہ نہاوند میں بھی حضرت عمرؓ کو موقع جنگ پر جانے سے روکا، لیکن کبھی کبھی جوش مآل اندیشی پر غالب آجاتا تھا۔ چنانچہ جب مہم شام میں اسلامی فوجیں رومیوں کی عظیم الشان تیاریوں کے باعث مقامات مفتوحہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ آئیں، اور حضرت ابوعبیدہؓ سپہ سالار اعظم نے رومیوں کے جوش و خروش اور ٹڈی دل اجتماع کی اطلاع دارالخلافہ میں بھیجی، تو حضرت عبدالرحمٰنؓ کو اس قدر جوش آیا کہ بیتاب ہو کر بولے "امیر المومنین تو خود سپہ سالار بن اور مجھ کو ساتھ لے کر چل، خدانخواستہ اگر ہمارے بھائیوں کا بال بیکا ہوا تو پھر جینا بے سود ہے[۲]" لیکن اس موقع پر دوسرے مآل اندیش صحابہؓ نے مخالفت کی اور اسی پر فیصلہ ہوا۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ نے انتظامی اور قانونی حیثیت سے جو رائیں دیں، ان کا اجمالی تذکرہ انشاءاللہ علم و فضل کے سلسلہ میں آئے گا۔

واقعہ ہائلہ...... ۲۳ھ میں ایک روز حسب معمول حضرت عمرؓ صبح کی نماز پڑھانے کھڑے ہوئے کہ دفعتاً فیروز نام ایک عجمی غلام نے حملہ کیا اور متعدد زخم پہنچائے، حضرت عبدالرحمٰنؓ کا ہاتھ پکڑ کر امامت کے مصلے پر کھڑا کیا، حضرت عبدالرحمٰنؓ نے جلدی جلدی نماز تمام کی[۳] اور حضرت عمرؓ کو اٹھا کر ان کے گھر لائے۔

---

۱ طبری ص ۲۲۱۵

۲ طبری ص ۲۲۱۵ ۳ ابن سعد جز ۳ قسم اول ص ۲۴۴

حضرت عبدالرحمنؓ کا ایثار..... خلیفہ دوم کی حالت غیر ہوئی تو لوگوں نے منصب خلافت کے لئے کسی کو نامزد کرنے کی درخواست کی، حضرت عمرؓ نے چھ آدمیوں کے نام پیش کرکے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ان سے آخر وقت تک خوش رہے تھے، یہ باہم کسی ایک کو منتخب کرلیں، لیکن تین دن کے اندر یہ مسئلہ طے پا جائے۔

خلیفہ دوم کی تجہیز وتکفین کے بعد حسب وصیت انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا، لیکن دو دن تک کچھ فیصلہ نہ ہوسکا، تیسرے روز حضرت عبدالرحمنؓ نے کہا کہ یہ مسئلہ چھ آدمیوں میں دائر ہے، اس کو تین شخصوں میں محدود کرنا چاہئے اور جو اپنے خیال میں جس کو زیادہ مستحق سمجھتا ہے اس کا نام لے، چنانچہ حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کی نسبت رائے، حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کو پیش کیا، اور حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کا نام لیا، لیکن حضرت عبدالرحمنؓ اپنے حق سے باز آگئے اور حضرت علیؓ اور عثمانؓ سے کہا کہ اب تم دونوں میں جو احکام الٰہی، سنت نبویؐ اور طریقہ شیخینؓ کی پابندی کا عہد کرے گا، اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی، عام روایت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے کہا میں سب سے پہلے اس عہد پر راضی ہوں، لیکن صحیح بخاری کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں خاموش رہے بہر حال حضرت عبدالرحمنؓ نے دونوں کو راضی کرکے اس کا تصفیہ اپنے ہاتھ میں لے لیا، اور ہر ایک کو علیحدہ لے جاکر ان کے فضائل ومناقب یاد دلائے اور کہا "مجھے توقع ہے کہ اگر میں تمہیں یہ منصب دوں تو عدل وانصاف کروگے، اور اگر تمہارے مقابل کو یہ شرف نصیب ہو تو اطاعت سے کام لوگے" غرض اس عہد و پیمان کے بعد حضرت عبدالرحمنؓ نے مجمع عام میں ایک مؤثر تقریر کی اور حضرت عثمانؓ سے کہا ہاتھ پھیلاؤ اور خود بڑھ کر بیعت کرلی، ان کا بیعت کرنا تھا کہ تمام خلقت ٹوٹ پڑی۔[1]

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمنؓ کی نگاہ انتخاب نے حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ پر کیوں ترجیح دی؟ عام خیال یہ ہے کہ ان دونوں کی باہمی یگانگت ومحبت اور رشتہ داری کا نتیجہ تھا، چنانچہ طبری کی ایک روایت کے مطابق حضرت عباسؓ نے ابتدا ہی میں حضرت علیؓ سے اپنا شبہ ظاہر کردیا تھا۔[2] لیکن یہ صحیح نہیں ہے، رشتہ داری بے شک ایک مؤثر چیز ہے، مگر ایسے اہم معاملات میں بنائے فیصلہ نہیں ہوسکتی۔

اصل یہ ہے کہ گو اسلام نے قبائل کو باہم متحد کردیا تھا تاہم ایک حد تک منافست ومسابقت کا خیال باقی تھا، اور لوگ اس کو پسند نہ کرتے تھے کہ نبوت وخلافت ایک ہی قبیلہ یعنی بنو ہاشم میں مجتمع ہوجائے، چنانچہ خلافت مرتضوی میں جو خانہ جنگیاں برپا ہوئیں، وہ اسی منافست کا نتیجہ تھیں، حضرت عبدالرحمنؓ کی نگاہ عاقبت بین نے اس کا پہلے ہی اندازہ کرلیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ

---

[1] بخاری باب الاتفاق علی بیعۃ عثمانؓ، لیکن بعض تفصیلی باتیں تاریخ طبری سے ماخوذ ہیں۔
[2] طبری ص ۲۷۸۰

انہوں نے حضرت عثمانؓ کو جناب امیرؓ پر ترجیح دی، ورنہ اسلام کا شیرازہ اسی وقت بکھر جاتا، جیسا کہ بعد کو واقعات نے ثابت کر دیا ہے۔

اس ترجیح کی ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ نے شیخینؓ کی روش پر کار بند ہونے میں پس و پیش کیا تھا، جیسا کہ متعدد روایتوں سے ثابت ہوتا ہے، بر خلاف اس کے حضرت عثمانؓ نے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ حامی بھری تھی، بہر حال حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اس عقدہ کو جس ایثار، دور اندیشی اور دانائی کے ساتھ حل کیا وہ یقیناً ان کی زندگی کا مایہ ناز کارنامہ ہے۔

وفات:..... عہد عثمانیؓ میں حضرت عبدالرحمٰنؓ نے نہایت خاموش زندگی بسر کی اور جہاں تک معلوم ہے مہمات ملکی میں انہوں نے کوئی دلچسپی نہیں لی، یہاں تک کہ روح اطہر نے پچھتر (۷۵) برس تک اس سرائے فانی کی سیر کر کے ۳۱ھ میں داعیٔ حق کو لبیک کہا۔ ان للہ و انا الیہ راجعون۔

حضرت علیؓ نے جنازہ پر کھڑے ہو کر کہا:۔

اذھب یا ابن عوف فقدادر کت صفوھا وسبقت زلقھا.

یعنی ''ابن عوف! جا تو نے دنیا کا صاف پانی پایا اور گدلا چھوڑ دیا۔''

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جنازہ اٹھانے والوں میں شریک تھے اور کہتے جاتے تھے ''واجبلاہ''۔ یعنی یہ پہاڑ بھی چل بسا، حضرت عثمانؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیا۔[۲]

علم و فضل:...... رسول اللہ ﷺ کی صحبت نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کے کیسۂ فضل و کمال کو علمی زر و جواہر سے پر کر دیا تھا، گو انہوں نے دوسرے کبار صحابہؓ کی طرح حدیثیں بہت کم روایت کیں۔ تاہم خلفائے راشدینؓ کو بہت اہم اور ضروری موقعوں پر انہی معلومات سے فائدہ پہنچایا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں جب رسول اللہ ﷺ کی وراثت کا جھگڑا چھڑا تو انہوں نے بلند آہنگی کے ساتھ اس حدیث کی تصدیق کی کہ '' آنحضرت ﷺ کے متروکہ میں وراثت نہیں ہے۔''

اسی طرح حضرت عمرؓ کے عہد میں جب ایران فتح ہوا اور انہیں فکر دامن گیر ہوئی کہ آتش پرستوں کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہئے تو اس وقت حضرت عبدالرحمٰنؓ ہی نے اس عقدہ کو حل کیا اور بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کے ساتھ اہل کتاب کی روش اختیار کی تھی اور انہیں ذمی قرار دیا۔[۳]

---

[۱] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۱۷

[۲] استیعاب جلد ۲ و طبقات ابن سعد تذکرہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ

[۳] کتاب الخراج ص ۷۴ و مسند ص ۱۹۴

۱۸ھ میں مقام عمواس میں طاعون پھیلا اور حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ سے بلا کر دریافت کیا کہ طاعون زدہ مقام سے ہٹنا جائز ہے یا نہیں؟ تو کوئی اس کا قطعی جواب نہ دے سکا، حضرت عبدالرحمٰنؓ اس وقت موجود نہ تھے لیکن جب انہیں خبر ملی تو انہوں نے حاضر ہو کر کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جہاں طاعون ہو وہاں نہ جاؤ، اگر تم پہلے سے طاعون زدہ مقام میں ہو تو وہاں سے نہ ہٹو۔[1]

اصابت رائے..... خدائے تعالیٰ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو اصابت رائے، اور دور اندیشی کا نہایت وافر حصہ دیا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے وقت مستحقین خلافت پر ریمارک کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ ''عبدالرحمانؓ نہایت صائب الرائے، ہوشمند اور سلیم الطبع ہیں، ان کی رائے کو غور سے سننا اور اگر انتخاب میں مخالفت پیدا ہو جائے تو جس طرف عبدالرحمٰنؓ ہوں ان کا ساتھ دینا۔[2]''

حضرت عمرؓ کی رائے صرف حسن ظن نہیں بلکہ دیرینہ تجربات پر مبنی تھی، چنانچہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے خلافت کی گرہ کو حسن خوبی کے ساتھ سلجھایا وہ ان کی تجربہ کاری اور ہوش مندی کی نہایت بین شہادت ہے۔

اخلاق و عادات..... حضرت عبدالرحمٰنؓ کا دامن فضل و کمال اور اخلاقی جواہر پاروں سے مالا مال تھا، خصوصاً خوف خدا، حب رسول، صدق و عفاف، ترحم، فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ ان کے نہایت درخشاں اوصاف تھے۔

خوف خدا..... خوف خدا کے باعث دنیا کا ہر واقعہ ان کے لئے مرقع عبرت بن جاتا تھا اور اس کی ہیبت و جلال کو یاد کر کے رونے لگتے تھے، ایک دفعہ دن بھر روزہ سے رہے، شام کے وقت کھانا سامنے آیا تو بے اختیار مسلمانوں کا گذشتہ فقر و فاقہ یاد آ گیا، بولے ''مصعب بن عمیرؓ مجھ سے بہتر تھے، وہ شہید ہوئے تو کفن میں صرف ایک چادر تھی جس سے سر چھپایا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے، اور پاؤں چھپائے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، اسی طرح حمزہؓ شہید ہوئے، حالانکہ وہ مجھ سے بہتر تھے، لیکن اب دنیا ہمارے لئے کشادہ ہو گئی ہے، اور ہمیں اس قدر دنیاوی نعمتیں مرحمت کی گئی ہیں کہ مجھے ڈر ہے کہ شاید ہماری نیکیوں کا معاوضہ دنیا ہی میں ہو گیا'' اس کے بعد اس قدر رقت طاری ہوئی کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔[3]

حبّ رسول..... ایک بارگاہ صحابی کی حیثیت سے حضرت عبدالرحمٰنؓ رسالت مآب ﷺ کی محبت اور خدمت و حفاظت میں ہمیشہ پیش پیش رہے، واقعہ احد صحابہؓ کی جاں نثاری و محبت کا نہایت سخت امتحان تھا، حضرت عبدالرحمٰنؓ اس آزمائش میں پورے اترے، بدن پر بیس

---

[1] بخاری باب طاعون۔
[2] تاریخ طبری ص ۲۷۸۰
[3] بخاری باب غزوہ احد

زخم کھائے، پاؤں میں ایسا کاری زخم لگا کر لنگڑا کر چلنے لگے، لیکن جذبہ جاں نثاری نے میدان سے منہ موڑنے نہ دیا۔

حضرت سرور کائنات ﷺ کبھی باہر تشریف لے جاتے تو حضرت عبدالرحمٰن پیچھے پیچھے ساتھ ہو لیتے، ایک دفعہ آنحضرت ﷺ باہر نکلے، حضرت عبدالرحمٰنؓ بھی پیچھے چلے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ ایک نخلستان میں پہنچ کر سربسجود ہو گئے اور اس قدر دیر تک سجدہ میں رہے کہ ان کو خوف ہوا کہ شاید روح اطہر خدا سے جا ملی، گھبرا کر قریب آئے، آنحضرت ﷺ نے سر مبارک اٹھا کر فرمایا کیا ہے عبدالرحمٰنؓ؟ انہوں نے اپنی گھبراہٹ کی وجہ عرض کی، ارشاد ہوا "جبرائیلؑ نے مجھ سے کہا کیا میں آپ کو یہ بشارت نہ دوں کہ خداوند جل وعلا نے فرمایا ہے کہ جو آپ پر درود بھیجے گا، میں اس پر درود بھیجوں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا، میں اس پر سلام بھیجوں گا۔[۱] یعنی یہ طویل سجدہ سجدۂ تشکر تھا۔

آنحضرت ﷺ کے بعد بھی ہمیشہ آپ کی یاد تازہ رہتی تھی، نوفل بن ایاس فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے اکثر لطف صحبت رہتا تھا، درحقیقت وہ خوب ہم نشین تھے، ایک روز ہم کو اپنے دولت کدہ پر لے گئے، پھر خود اندر داخل ہوئے اور غسل کر کے باہر نکلے، اس کے بعد کھانا آیا تو روٹی اور گوشت دیکھ کر بے اختیار رونے لگے، میں نے پوچھا "ابومحمد! یہ گریہ وزاری کیسی؟ بولے رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی لیکن تمام عمر آپ کو اور آپ کے اہل وعیال کو پیٹ بھر جو کی روٹی بھی نہ ملی، ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اتنے دنوں تک دنیا میں رہنا ہمارے لئے بہتر نہیں ہے۔[۲]

صدق وعفاف..... دیانتداری، صدق وعفاف حضرت عبدالرحمٰنؓ کے دستار فضل وکمال کا نہایت خوبصورت طرہ تھا، صحابہ کرامؓ کو ان کی صداقت پر اس قدر اعتماد تھا کہ مدعی یا مدعا علیہ ہونے کی حیثیت میں بھی وہ تنہا ان کے بیان کو کافی سمجھتے تھے، ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کی عدالت میں حضرت زبیرؓ نے مقدمہ دائر کیا کہ "میں نے آل عمرؓ سے ایک قطعہ زمین خریدا ہے جو عمرؓ کو دربار نبوتؐ سے بطور جاگیر مرحمت ہوا تھا، لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ کا دعویٰ ہے کہ ان کو اور عمرؓ کو ایک ساتھ جاگیر ملی تھی اور فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک ان کا حصہ ہے۔" حضرت عثمانؓ نے فرمایا "عبدالرحمٰنؓ اپنے موافق یا مخالف شہادت دے سکتے ہیں۔[۳]

آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ میرے بعد جو شخص میری ازواج (مطہراتؓ) کی نگرانی و محافظت کرے گا وہ نہایت صادق اور نیکوکار ہوگا، چنانچہ یہ فرض مخصوص طور پر حضرت عبدالرحمٰنؓ سے متعلق تھا، وہ سفر حج کے موقعوں پر ساتھ جاتے تھے، سواری اور پردہ کا انتظام کرتے تھے،

[۱] مسند جلد ۱ ص ۱۹۱، [۲] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۷
[۳] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۱۹۲

جہاں پڑاؤ ہوتا تھا وہاں انتظام واہتمام کے ساتھ اتارتے تھے، غرض انہیں صرف اپنی عصمت و عفت کے باعث امہات المومنینؓ کی خدمت وحفاظت کا فخر نصیب ہوا تھا جو ان کا مخصوص طغرائے امتیاز ہے۔[1]

انفاق فی سبیل اللہ...... ہجرت کے بیان میں گذر چکا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کو بے نیازی اور استغناء نے تجارت کی طرف مائل کر دیا تھا، چنانچہ اس میں انہوں نے اس قدر ترقی کی کہ ایک عظیم الشان دولت کے مالک ہو گئے، یہاں تک کہ ایک دفعہ ان کا تجارتی قافلہ مدینہ آیا تو اس میں سات سو اونٹ پر صرف گیہوں آٹا اور دوسری اشیائے خوردنی بار تھیں، اس عظیم الشان قافلہ کا تمام مدینہ میں غل پڑ گیا، حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا "میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ عبدالرحمٰنؓ جنت میں رینگتے ہوئے جائیں گے۔" حضرت عبدالرحمٰنؓ کو اطلاع ہوئی تو ام المومنینؓ کے پاس حاضر ہو کر عرض کی "میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ یہ پورا قافلہ مع اسباب وسامان بلکہ اونٹ اور کجاوہ تک راہ خدا میں وقف ہے۔[2]"

صحابہؓ کی دولت ذاتی راحت وآسائش کے لئے نہ تھی بلکہ جو جس قدر زیادہ دولت مند تھا، اسی قدر اس کا دست کرم زیادہ کشادہ تھا، حضرت عبدالرحمٰنؓ کی فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کا سلسلہ آنحضرت ﷺ کے عہد ہی سے شروع ہو چکا تھا، اور وقتاً فوقتاً قومی و مذہبی ضروریات کے لئے گراں قدر رقمیں پیش کیں، سورۂ برأت نازل ہوئی اور صحابہؓ کو صدقہ وخیرات کی ترغیب دی گئی تو حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اپنا نصف مال یعنی چار ہزار پیش کئے، پھر دو دفعہ چالیس چالیس ہزار دینار وقف کئے، اسی طرح جہاد کے لئے پانچ سو گھوڑے اور پانچ سو اونٹ حاضر کئے۔[3]

عام خیرات وصدقات کا یہ حال تھا کہ ایک ہی دن میں تیس تیس غلام آزاد کر دیتے تھے ایک دفعہ انہوں نے اپنی ایک زمین چالیس ہزار دینار میں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ فروخت کی اور سب راہ خدا میں لٹا دیا۔[4] لیکن اس فیاضی کے باوجود ہر وقت یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ کہیں اس قدر تمول آخرت کے لئے موجب نقصان نہ ہو، ایک دفعہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر گزارش کی "اماں! مجھے خوف ہے کہ کثرت مال مجھے ہلاک کر دے گا۔" ارشاد ہوا بیٹا راہ خدا میں صرف کرو، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ "میرے اصحابؓ میں بعض ایسے ہیں کہ مفارقت کے بعد انہیں میرا دیدار نصیب ہوگا۔"[5]

غرض فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کا سلسلہ آخری لمحہ حیات تک قائم رہا، وفات کے وقت

---

[1] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۷

[2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۱۶　[3] ایضاً ص ۳۱۶

[4] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث تذکرۂ عبدالرحمٰنؓ

[5] استیعاب جلد ۲ ص ۴۰۲

بھی پچاس ہزار دینار اور ایک ہزار گھوڑے راہ خدا میں وقف کئے، نیز بدر میں جو صحابہؓ شریک ہوئے تھے اور اس وقت تک زندہ موجود تھے، ان میں سے ہر ایک کے لئے چار چار سو دینار کی وصیت کی، بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت ایک سو اصحاب بدر بقید حیات تھے اور سب نے نہایت خوشی کے ساتھ اس وصیت سے فائدہ اٹھایا یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ نے بھی حصہ لیا۔[۱]

امہات المومنینؓ کے لئے بھی ایک باغ کی وصیت کی جو چار لاکھ درہم میں فروخت ہوا، نیز اس سے پہلے مختلف موقعوں پر بڑی بڑی رقمیں پیش کیں، ایک دفعہ ایک جائیداد پیش کی جو چالیس ہزار دینار میں فروخت ہوئی تھی، چنانچہ حضرت عائشہؓ ان کے صاحبزادہ ابوسلمہ سے اکثر بطریق تشکر دعا فرمایا کرتی تھیں، خدا تمہارے باپ کو سلسبیل جنت سے سیراب کرے۔[۲]

مذہبی زندگی...... حضرت عبدالرحمٰنؓ نماز نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھتے تھے خصوصاً ظہر کے وقت فرض سے پہلے دیر تک نوافل سے شغل رکھتے تھے۔[۳]

اکثر روزے رکھتے تھے، حج کے لئے بھی بارہا تشریف لے گئے، جس سال حضرت عمرؓ مسند نشین خلافت ہوئے اس سال امارت حج کی خدمت بھی ان ہی کے سپرد ہوئی تھی۔[۴]

ذریعۂ معاش...... تجارت اصلی ذریعہ معاش تھا، آخر میں زراعت کا کاروبار بھی نہایت وسیع پیمانہ پر قائم ہوگیا تھا، آنحضرت ﷺ نے خیبر میں ایک وسیع جاگیر مرحمت فرمائی تھی، پھر انہوں نے خود بہت سی قابل زراعت اراضی خرید کر کاشت کاری شروع کی تھی، چنانچہ صرف مقام "جرف" کے کھیتوں میں بیس اونٹ آب پاشی کا کام کرتے تھے۔[۵]

حضرت عبدالرحمٰنؓ کے کاروبار میں خدائے پاک نے غیر معمولی برکت دی تھی، وہ خود فرماتے ہیں کہ اگر میں پتھر بھی اٹھاتا تو اس کے نیچے سونا نکل آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس قدر فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کے باوجود وہ اپنے وارثوں کے لئے نہایت وافر دولت چھوڑ گئے، یہاں تک کہ چاروں بیویوں نے جائیداد متروکہ کے صرف آٹھویں حصہ سے اسی اسی ہزار دینار پائے، سونے کی اینٹیں اتنی بڑی بڑی تھیں کہ کلہاڑی سے کاٹ کاٹ کر تقسیم کی گئیں اور کاٹنے والوں کے ہاتھ میں آبلے پڑ گئے، جائیداد غیر منقولہ اور نقدی کے علاوہ ایک ہزار اونٹ اور سو گھوڑے اور تین ہزار بکریاں چھوڑیں۔[۶]

غذا ولباس...... دستر خوان وسیع تھا لیکن پر تکلف نہ تھا، کبھی قیمتی اور خوش ذائقہ کھانا سامنے آجاتا تو گذشتہ فقر وفاقہ یاد کر کے آنکھیں پرنم ہو جاتیں، لباس میں زیادہ تر ریشم کا استعمال تھا کیونکہ فقر وفاقہ میں بیماری کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر اجازت دی تھی

---

[۱] اسد الغابہ جلد ۳ ص [۲] ترمذی ص ۶۲۱ [۳] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۷
[۴] اصابہ جلد ۳ ص ۳۱۷ [۵] استیعاب جلد ۲ ص ۴۰۳
[۶] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۱۷

ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے صاحبزادے ابوسلمہ ریشمی کرتہ زیب تن کئے ہوئے تھے حضرت عمرؓ نے دیکھا تو گریبان میں ہاتھ ڈال کر اس کے چیتھڑے اڑادیئے، حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اجازت دی ہے؟" فرمایا کہ ہاں! معلوم ہے لیکن صرف تمہارے لئے اجازت ہے دوسروں کے لئے نہیں۔"[1]

حلیہ...... حلیہ یہ تھا، قد طویل، رنگ سرخ وسپید، چہرہ خوبصورت، ریش دراز، سر پر کان سے نیچے تک گھونگھر دار کاکلیں، کلائی گٹھی ہوئی، انگلیاں موٹی اور مضبوط، سامنے کے دو دانت گر گئے تھے، اور غزوۂ احد میں زخمی ہونے کے باعث پاؤں میں لنگ تھا۔[2]

اولاد و ازواج...... حضرت عبدالرحمٰنؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے ساتھ عموماً لطف ومحبت سے پیش آتے تھے، ایک انصاریہ سے شادی کی تو بیس ہزار دینار مہر میں دیئے۔[3] بیویوں کے نام یہ ہیں۔

حضرت کلثوم بنت عتبہ بن ربیعہ، تماضر بنت الاصبغ، کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط، سہلہ بنت عاصم، بحریہ بنت ہانی، سہلہ بنت سہیل، ام حکیم بنت قارظ، بنت ابی الخشخاش، اسماء بنت سلامہ، ام حریث، یہ بہراسے قید ہو کر آئی تھیں، مجد بنت یزید، غزال بنت کسریٰ، یہ مدائن سے گرفتار ہو کر آئی تھیں، بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ خاندان کسریٰ کی شہزادی تھیں، زینب بنت الصباح بادیہ بنت غیلان۔[4]

حضرت عبدالرحمٰنؓ کی اولاد نہایت کثیر تھی، جن لڑکوں کے نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں، سالم، اسلام سے پہلے پیدا ہوئے اور پہلے ہی مرے، محمد، ابوسلمہ فقیہہ، ابراہیم، اسماعیل، حمید، زید، معن، عمر، عدی، عروہ، اکبر، سالم اصغر، ابوبکر، عبداللہ، عبدالرحمٰن، مصعب، سہیل (ابوالابیض) عثمان، عروہ، یحییٰ، بلال۔

صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں۔

"ام القسم۔ یہ زمانہ جاہلیت ہی میں پیدا ہوئی تھیں، حمیدہ، امۃ الرحمٰنؓ صغریٰ، ام یحییٰ، جویریہ، امیہ، مریم۔

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث تذکرۂ عبدالرحمٰن بن عوفؓ
[2] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۷
[3] طبقات قسم اول جزء ثالث تذکرۂ عبدالرحمٰن بن عوفؓ
[4] استیعاب جلد ۲ ص ۴۰۲

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

نام،نسب، خاندان...... سعد نام، ابو اسحاق کنیت، والد کا نام مالک اور ابو وقاص کنیت، والدہ کا نام حمنہ تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، سعد بن مالک بن وہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن نضر بن کنانہ القرشی الزہری، چونکہ آنحضرتؐ کی نانہال زہری خاندان میں تھی، اس لئے حضرت سعد وقاصؓ رشتہ میں آپ کے ماموں تھے، سرور کائنات ﷺ نے خود بھی بارہا اس رشتہ کا اقرار فرمایا تھا[1]

اسلام...... حضرت سعد وقاصؓ کا سن مبارک صرف انیس سال کا تھا کہ دعوت اسلام کی صدائے سامعہ نواز نے توحید کا شیدائی بنا دیا، اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر خلعت ایمان سے مشرف ہوئے۔

بخاری میں حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ ان سے پہلے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوا تھا، اور ایک دوسری روایت میں وہ اپنے کو تیسرا مسلمان بتاتے ہیں، لیکن محدثین عظام کی تحقیق کے مطابق چھ سات بزرگوں کو ان پر تقدم کا فخر حاصل ہو چکا تھا، البتہ یہ ممکن ہے کہ حضرت سعد وقاصؓ کو ان کی اطلاع نہ ہو کیونکہ کفار کے خوف سے انہوں نے اپنے ایمان لانے کا اعلان نہیں کیا تھا[2]

استقامت...... حضرت سعد وقاصؓ کی ماں نے لڑکے کی تبدیل مذہب کا حال سنا تو نہایت کبیدہ خاطر ہوئیں، بات چیت، کھانا پینا سب چھوڑ بیٹھیں، چونکہ وہ اپنی ماں کے حد درجہ فرماں بردار اور اطاعت شعار تھے، اس لئے یہ سخت آزمائش کا موقع تھا، لیکن جو دل توحید کی لذت کا آشنا ہو چکا تھا وہ پھر کفر وشرک کی طرف کس طرح رجوع ہو سکتا تھا، ماں مسلسل تین دن تک بے آب ودانہ رہیں، لیکن بیٹے کی جبین استقلال پر شکن تک نہ پڑی، خدائے پاک کو یہ شان استقامت کچھ ایسی پسند آئی کہ تمام مسلمانوں کے لئے معصیت الٰہی میں والدین کے عدم اطاعت کا ایک قانون عام بنا دیا گیا[3]

وَاِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا

(الاية).

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۹۱ [2] بخاری مع فتح الباری مناقب سعد وقاصؓ
[3] مسلم مناقب سعد وقاصؓ

مکہ کی زندگی ...... اسلام قبول کرنے کے بعد ہجرت نبویؐ تک مکہ میں ہی مقیم رہے گو یہ سرزمین عام مسلمانوں کی طرح ان کے لئے مصائب وشدائد سے خالی نہ تھی، تاہم استقلال کے ساتھ ہر قسم کی سختیاں جھیلتے رہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کفار کے خوف سے عموماً مکہ کی ویران وسنسان گھاٹیوں میں چھپ کر معبود حقیقی کی پرستش وعبادت فرمایا کرتے تھے، ایک دفعہ ایک گھاٹی میں چند صحابہؓ کے ساتھ مصروف عبادت تھے، اتفاق سے کفار کی ایک جماعت اس طرف آنکلی، اور اسلام کا مذاق اڑانے لگے، حضرت سعد وقاصؓ کو اس بے بسی کی زندگی میں بھی جوش آ گیا، اور اونٹ کی ہڈی اٹھا کر اس زور سے ماری کہ ایک مشرک کا سر پھٹ گیا، اور خون بہنے لگا، بیان کیا جاتا ہے کہ اسلام کی حمایت میں یہ پہلی خونریزی تھی جو حضرت سعد وقاصؓ کے ہاتھ سے عمل میں آئی۔[۳]

ہجرت ...... مکہ میں جب کفار کے ظلم وستم سے مسلمانوں کا پیمانہ صبر وتحمل لبریز ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو ہجرت مدینہ کا حکم دیا، اس حکم عام کی بنا پر حضرت سعد وقاصؓ نے مدینہ کی راہ لی، اور اپنے بھائی عتبہ بن ابی وقاصؓ کے مکان میں فروکش ہوئے۔[۴]

جنہوں نے ایام جاہلیت میں ایک خون کیا تھا اور انتقام کے خوف سے مدینہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

یہاں پہنچ کر مسلمانوں کو آزادی وطمانیت نصیب ہوئی، تاہم قریش مکہ کی حملہ آوری کا خطرہ موجود تھا، آنحضرت ﷺ نے پیش بینی کر کے حضرت عبیدہ بن الحارثؓ کو ساٹھ یا اسی سواروں کے ساتھ غنیم کی نقل وحرکت دریافت کرنے کے لئے روانہ فرمایا حضرت سعد وقاصؓ بھی اس جماعت میں شامل تھے، غرض دورہ کرتے ہوئے حجاز کے ساحلی علاقہ میں قریش کی ایک بڑی تعداد سے مڈبھیڑ ہوئی، چونکہ محض تجسس مقصود تھا، اس لئے کوئی جنگ پیش نہ آئی، مگر حضرت وقاصؓ کو کہاں تاب تھی، انہوں نے ایک تیر چلا ہی دیا، چنانچہ یہ اسلام کا پہلا تیر تھا جو راہ خدا میں چلا گیا۔[۵]

دوسری دفعہ خود حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے زیر قیادت آٹھ مہاجرین کی ایک جماعت تجسس کے لئے روانہ کی گئی، چنانچہ یہ مقام خرار تک دورہ کر کے واپس آئے اور کوئی جنگ پیش نہ آئی، اس کے بعد حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے ساتھ دشمن کی خبر گیری پر مامور ہوئے، آنحضرت ﷺ نے حضرت

---

[۱] مسلم مناقب سعد وقاصؓ

[۲] ترجمہ: اگر والدین تجھ کو میرے ساتھ شرک پر مجبور کریں جن کا کوئی علم ویقین تیرے پاس نہیں ہے تو اس میں ان کی اطاعت نہ کر

[۳] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۹۱ [۴] ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۹۹

[۵] سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۳۸

عبداللہ بن جحشؓ کو ایک سربمہر فرمان دیا تھا کہ دوروز سفر کرنے کے بعد کھول کر پڑھیں اور اس کی ہدایتوں پر عمل کریں، انہوں نے حسب ہدایت دوروز کے بعد پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ مکہ اور طائف کے درمیان جو نخلستان ہے وہاں پہنچ کر قریش کی نقل وحرکت کا پتہ چلائیں، حضرت عبداللہؓ نے اپنے ساتھیوں کو فرمان کا مضمون سنا کر کہا ''میں کسی کو مجبور نہیں کرتا جس کو شہادت منظور ہو وہ ساتھ چلے ورنہ واپس جائے۔''

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور تمام دوسرے ساتھیوں نے جوش کے ساتھ سمعاً وطاعۃً کہا، لیکن کچھ دور جانے کے بعد عتبہ بن غزوانؓ اور حضرت سعد وقاصؓ کا اونٹ جو مشترکہ طور پر دونوں کی سواری میں تھا گم ہوگیا، اور اس طرح وہ دونوں پیچھے چھوٹ گئے، حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے نخلستان میں پہنچ کر قریش کے ایک قافلہ سے جنگ کی اور مال غنیمت اور چند قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس آئے، چونکہ یہ وہ مہینہ تھا جس میں رسماً جنگ ممنوع سمجھی جاتی تھی، اس لئے سرور کائنات ﷺ نے اس پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں جنگ کا حکم نہیں دیا تھا، مسلمانوں نے بھی عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کو ملامت کی لیکن وحی الٰہی نے اس مسئلہ کو اس طرح صاف کردیا۔

> یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیر و صدعن سبیل اللہ و کفر بہ والمسجد الحرام واخراج اھلہ منہ اکبر عنداللہ والفتنۃ اکبر من القتل. (بقرہ ۲:۲۱۷)
>
> لوگ تم سے ماہ حرام کی نسبت پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑنا (جائز ہے) کہہ دو اس میں لڑنا بڑا گناہ اور خدا کی راہ سے روکنا اور اس کا نہ ماننا اور مسجد حرام سے باز رکھنا اور اس کے اہل کو اس سے نکال دینا خدا کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر ہے اور فتنہ کشت وخون سے زیادہ برا ہے۔

قریش فدیہ لے کر اپنے قیدیوں کو چھڑانے آئے لیکن اس وقت تک عتبہ بن غزوانؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا کچھ پتہ نہ تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تک یہ دونوں صحیح وسلامت پہنچ نہ جائیں تمہارے قیدی رہا نہ ہوں گے، غرض جب یہ دونوں جانثار واپس آگئے تو مشرکین چھوڑ دیئے گئے۔

غزوات

غزوۂ بدر...... معرکہ بدر سے مستقل جنگوں کی ابتدا ہوئی، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اس جنگ میں غیر معمولی شجاعت و جان بازی کے جوہر دکھائے اور سعید بن العاص سر خیل کفار کو تہ تیغ کیا، حضرت سعدؓ کو اس کی ذوالکتیفہ نامی تلوار پسند آ گئی تھی، اس تلوار کو لئے ہوئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، چونکہ اس وقت تک تقسیم غنیمت کے متعلق کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا اس لئے ارشاد ہوا کہ جہاں سے اٹھائی ہے وہیں رکھ دو۔

حضرت سعدؓ کے برادر عزیز حضرت عمیرؓ اس جنگ میں شہید ہوئے تھے کچھ تو ان کی مفارقت کا صدمہ اور کچھ تلوار نہ ملنے کا افسوس، غرض غمگین وملول واپس آئے، لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد سورۂ انفال نازل ہوئی اور سرور کائنات ﷺ نے ان کو بلا کر تلوار لینے کی اجازت دے دی۔[1]

غزوۂ احد...... ۳ھ میں غزوۂ احد پیش آیا، اس جنگ میں تیر اندازوں کی غفلت سے اتفاقاً مسلمانوں کی فتح شکست سے مبدل ہوگئی اور ناگہانی حملہ کے باعث اکثر غازیوں کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ان ثابت قدم اصحاب کی صف میں تھے، جن کے پائے استقلال کو اخیر وقت تک لغزش نہ ہوئی، حضرت سعدؓ تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے، اس لئے جب کفار کا نرغہ ہوا تو آنحضرت ﷺ ان کو اپنے ترکش سے تیر دیتے جاتے اور فرماتے۔

یاسعد ارم فداک امی وابی

یعنی اے سعد! تیر چلا میرے باپ ماں تجھ پر فدا ہوں۔[2]

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سعدؓ کے سوا اور کسی کے لیے "فداک ابی وامی" کا جملہ نہیں سنا، لیکن دوسری روایتوں میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی نسبت بھی ایسے ہی جملے منقول ہیں، بہر حال محدثین کا فیصلہ ہے کہ غزوۂ احد میں یہ فخر صرف سعدؓ بن ابی وقاص کے لیے مخصوص تھا۔[3]

اثنائے جنگ میں ایک مشرک سامنے آیا جس نے اپنے تیز و تند حملوں سے مسلمانوں کو پریشان کر رکھا تھا، آنحضرت ﷺ نے اس کو نشانہ بنانے کا حکم دیا، لیکن اس وقت ترکش تیروں سے خالی ہو چکا تھا، حضرت سعدؓ نے تعمیل ارشاد کے لیے ایک تیر اٹھا کر جس میں پھل نہیں تھا اس صفائی کے

---

[1] مسند جلد ا ص ۱۸۰ و مسلم مناقب سعد وقاصؓ
[2] بخاری کتاب المغازی غزوۂ احد
[3] فتح الباری کتاب المناقب سعد وقاصؓ

ساتھ اس کی پیشانی پر مارا کہ وہ بدحواسی کے ساتھ برہنہ ہو کر گر گیا، آنحضرت ﷺ ان کی تیر اندازی اور اس کی بدحواسی پر بے اختیار ہنس پڑے، یہاں تک کہ دندان مبارک نظر آنے لگے۔[1]

اسی طرح طلحہ بن ابی طلحہ کے حلق میں تاک کر ایسا تیر مارا کہ زبان کتے کی طرح باہر نکل پڑی اور تڑپ کر داخل سقر (جہنم) ہوا۔[2]

متفرق غزوات...... غزوۂ احد سے فتح مکہ تک جس قدر معرکے پیش آئے، حضرت سعدؓ بہادری و جانبازی کے ساتھ سب میں پیش پیش رہے، پھر فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین میں اسی فدویت، جان نثاری اور ثبات و پامردی کا کارنامہ پیش کیا، جس کا اظہار غزوۂ احد میں کر چکے تھے۔

غزوۂ طائف اور تبوک کی فوج کشی میں بھی شریک تھے، پھر ۱۰ھ میں سرور کائنات ﷺ نے حجۃ الوداع کا قصد فرمایا تو حضرت سعد وقاصؓ ہمرکاب تھے، لیکن مکہ پہنچ کر سخت علیل ہو گئے، یہاں تک کہ جب آنحضرت ﷺ عیادت کے لئے تشریف لائے تو زندگی سے مایوس ہو کر عرض کرنے لگے یارسول اللہ! میں مالدار آدمی ہوں لیکن ایک لڑکی کے سوا کوئی وارث نہیں ہے، اس لئے اگر اجازت ہو تو اپنا دو ثلث مال کار خیر میں لگا دوں؟ ارشاد ہوا "نہیں! پھر عرض کی "دو ثلث نہیں تو نصف سہی" حکم ہوا، نہیں صرف ایک ثلث اور یہ بھی بہت ہے، تم اپنے وارثوں کو مالدار و تونگر چھوڑ کر جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے دست سوال نہ پھیلاتے پھریں، تم جو کچھ بھی خدا کی رضا جوئی کے لئے صرف کرو گے اس کا اجر ملے گا، یہاں تک کہ اپنی بیوی کے منہ میں جو لقمہ ڈالتے ہو اس کا بھی ثواب پاؤ گے۔[3]

ایک مبارک پیشین گوئی...... حضرت سعدؓ کو مدینہ سے اس قدر محبت ہوگئی تھی کہ مکہ میں مرنا بھی پسند نہ تھا، بیماری جس قدر طول کھینچتی جاتی تھی اسی قدر ان کی بے قراری بڑھتی جاتی تھی، رسول اللہ ﷺ نے اشکبار دیکھ کر پوچھا "روتے کیوں ہو؟" عرض کی "معلوم ہوتا ہے کہ اسی سرزمین کی خاک نصیب ہوگی، جس کو خدا اور رسول کی محبت میں ہمیشہ کے لئے ترک کر چکا تھا۔" آنحضرت ﷺ نے تشفی دیتے ہوئے ان کے قلب پر ہاتھ رکھ کر تین دفعہ دعا فرمائی۔

اللھم اشف سعدا اللھم اشف سعدا۔[4]

یعنی اے خدا سعدؓ کو صحت عطا کر! سعد کو صحت عطا کر!

رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک سے جو الفاظ نکلے تھے وہ اس مریض بستر مرگ کے لئے آب حیات ثابت ہوئے، یعنی دعا مقبول ہوئی اور وہ صحیح و تندرست ہوئے ساتھ ہی یہ بشارت

---

[1] مسلم کتاب المناقب مناقب سعدؓ [2] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۲۸
[3] مسلم کتاب الوصیہ [4] ایضاً

سنائی کہ اے سعدؓ! تم اس وقت تک نہ مرو گے جب تک تم سے ایک قوم کو نقصان اور دوسری قوم کو نفع نہ پہنچ لے۔[1] یہ پیشین گوئی عجمی فتوحات کے ذریعہ پوری ہوئی، جن میں عجم قوم نے آپ کے ہاتھوں سے نقصان اور عرب قوم نے فائدہ اٹھایا۔

مکہ سے واپس آنے کے بعد اسی سال رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اور حضرت ابوبکرؓ صدیق سقیفۂ بنی ساعدہ میں کثرت آراء سے مسند نشین خلافت ہوئے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے بھی جمہور کا ساتھ دیا اور خلیفہ اول کے ہاتھ پر بلا توقف بیعت کر لی۔

خلیفہ اول نے صرف سوا دو برس کی خلافت کے بعد داعی حق کو لبیک کہا اور فاروق اعظمؓ کو جانشین کر کے رحلت گزین عالم جاوداں ہوئے، اس وقت اندرونی مہمات کا فیصلہ ہو کر شام و عراق پر فوج کشی کی ابتدا ہو چکی تھی، حضرت عمرؓ نے مسند نشین ہونے کے ساتھ ہی تمام عرب میں جوش و خروش کی آگ بھڑکا دی، اور ان حملوں کا انتظام زیادہ وسیع پیمانہ پر قائم کر دیا، خصوصاً عراق کی فوج کشی پر سب سے پہلے توجہ کی چونکہ حضرت سعد وقاصؓ کے آئندہ کارناموں کا تعلق تمام تر اسی سرزمین سے وابستہ ہے، اس لئے اس ملک کی لشکر کشی کے ابتدائی حالات تسلسل قائم رہنے کے خیال سے درج ذیل ہیں۔

عراق کی فوج کشی ...... اہل عرب اور ایرانیوں میں نہایت قدیم زمانہ سے عداوت چلی آتی تھی، ایرانیوں نے بارہا عربوں کے تفرق، اختلاف اور کمزوری سے فائدہ اٹھا کر تمام عرب کو تباہ و برباد کر دیا تھا، خصوصاً عراق عرب اور سرحدی علاقوں پر مستقل قبضہ جما لیا تھا، لیکن عرب بھی دب کر رہنے والے نہ تھے، جب موقع ملتا بغاوت کر دیتے تھے، چنانچہ پوران وخت کے زمانہ میں جب طوائف الملوکی کے باعث ایرانی حکومت کا نظام ابتر ہو گیا تو سرحدی قبائل کو پھر شورش کا موقع ملا اور مثنیٰ شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی جمعیت فراہم کر کے عراق کی سرحد حیرہ اور ابلہ کی طرف غارت گری شروع کر دی، یہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا، مثنیٰ نے بارگاہ خلافت میں حاضر ہو کر باقاعدہ عراق پر حملہ آوری کی اجازت طلب کی، چونکہ عام عرب میں اسلام کی روشنی پھیل چکی تھی، اس لئے اس کے ایک وسیع خطہ کا کسی دوسری حکومت کے زیر اقتدار رہنا مذہبی اور قومی نقطہ نگاہ سے نہایت خطرناک تھا، اس بنا پر خلیفہ اول نے مثنیٰ کو اجازت دے دی، اور حضرت خالدؓ سیف اللہ کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ مدد کے لئے روانہ کیا، انہوں نے حملہ کر کے بہت سے سرحدی مقامات فتح کر لئے، لیکن چونکہ دوسری طرف شام کی مہم بھی درپیش تھی اور وہاں کمک کی بہت زیادہ ضرورت تھی، اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ کو حکم دیا کہ مثنیٰ کو اپنا جانشین کر کے شامی رزمگاہ کی طرف روانہ ہو جائیں، لیکن خالدؓ سیف اللہ کا جانا تھا کہ عراق کی مہم دفعتاً سرد پڑ گئی۔

حضرت عمرؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھا تو پھر نئے سرے سے عراق کی مہم پر توجہ مبذول

[1] مسلم کتاب الوصیۃ

فرمائی اور حضرت ابو عبیدہؓ کو ایک فوج گراں کے ساتھ اس طرف روانہ فرمایا، انہوں نے ایرانیوں کو متفرق معرکوں میں شکست دے کر تمام متصلہ علاقوں پر قبضہ کرلیا اور مشرقی فرات کے کنارے ایک مقام پر جس کا نام مروحہ تھا، غنیم کی ایک زبردست فوج کے سامنے صف آرائی کی، چونکہ بیچ میں دریا حائل تھا، اس لئے ایرانی سپہ سالار بہمن نے کہلا بھیجا کہ یا تو تم اس پار اتر کر آؤ یا ہم آئیں، ابوعبیدہؓ نے سرداران فوج کے اختلاف کے باوجود شجاعت کے نشے میں خود دریا کے پار اتر کر مقابلہ کیا، لیکن اس غلطی کا جو نتیجہ ہونا چاہئے تھا وہ ہوا یعنی مسلمانوں کو نہایت افسوس ناک شکست ہوئی۔

حضرت عمرؓ نے کمک بھیج کر فوج کو از سرنو مستحکم کردیا اور چونکہ حضرت ابوعبیدہؓ کام آچکے تھے، اس لئے مثنیٰ شیبانی کو سپہ سالاری کی خدمت سپرد کردی، انہوں نے معرکہ بویب اور دوسری جنگوں میں دشمن کو پے در پے شکستیں دے کر عراق کے ایک وسیع خطہ پر قبضہ کرلیا۔

ایرانیوں کو اب تک مسلمانوں کی جارحانہ قوتوں کا اندازہ نہ تھا، ان فتوحات نے ان کی آنکھیں کھول دیں، ارا کین سلطنت نے حکومت کیانی کو محفوظ رکھنے کے لئے نئی تدبیریں اختیار کیں، پوران دخت کو جو ایک عورت تھی تخت سے اتار کر خاندان کسریٰ کے اصلی وارث یزدگرد کو تخت نشین کیا اور تمام ملک میں اتحاد، اتفاق اور جوش وخروش کی آگ بھڑکادی، یہاں تک کہ مسلمانوں کے مفتوحہ مقامات میں بھی بغاوت وسرکشی کی آگ بھڑک اٹھی اور مثنیٰ کو مجبوراً عرب کی سرزمین میں ہٹ آنا پڑا۔

حضرت عمرؓ نے ان واقعات سے مطلع ہوکر تمام عرب میں پر جوش و جادو بیان خطیب پھیلا دیئے، کہ وہ اپنی پرتاثیر تقریروں سے قبائل عرب کو جنگ میں شریک ہونے کے لئے آمادہ کریں، اس کا اثر یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں دارالخلافت کی طرف جنگ آزما بہادروں کا ایک طوفان امنڈ آیا، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ عہد صدیقی سے ہوازن کے عامل تھے، انہوں نے اپنے اثر سے ایک ہزار آدمی بھیجے، جن میں سے ہر ایک تیغ وتفنگ کا ماہر تھا، غرض فوج توقع سے زیادہ فراہم ہوگئی لیکن سب سے زیادہ دقت یہ تھی کہ اس عظیم الشان لشکر کی سربراہی کے لئے کوئی شخص موزوں نظر نہ آتا تھا، حضرت علیؓ سے درخواست کی گئی تو انہوں نے بھی اس بار گراں کے اٹھانے سے انکار کردیا، عوام کے اصرار سے خود حضرت عمرؓ تیار ہوگئے، لیکن اہل الرائے صحابہؓ مانع ہوئے کہ آپ کا جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے، لوگ اسی حیص بیص میں تھے کہ دفعتاً حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اٹھ کر کہا کہ میں نے پالیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کون؟ بولے کہ سعد بن ابی وقاصؓ، تمام حاضرین اس انتخاب پر بھڑک اٹھے، اور سب نے متفقہ طور پر تائید کی [1] سپہ سالاری...... حضرت سعدؓ نہایت بلند پایہ صحابی اور رسول اللہ ﷺ کے ماموں تھے، اس

[1] طبری ص ۲۲۱۵

کے ساتھ بہادری وشجاعت میں بھی بے نظیر تھے، تمام فوج نے ان کی سپہ سالاری کو نہایت پسندیدگی وفخر کی نگاہ سے دیکھا، حضرت عمرؓ کو سپہ سالاری کے لحاظ سے مجبور ہو کر منظور کرلیا اور ہر قسم کی ہدایتیں اور نشیب وفراز سمجھا کر رزمگاہ کی طرف کوچ کرنے کی اجازت دے دی۔

غرض اس طرح حضرت سعدؓ کی تاریخ زندگی کا وہ صفحہ شروع ہوا جو سب سے زیادہ درخشاں وتاباں ہے اور جس نے دنیا کے بڑے بڑے الوالعزم، حوصلہ منداور خوش تدبیر نام آوروں کی صف میں ان کو ممتاز کردیا ہے، وہ اپنے لشکر کو آراستہ کرکے منزل بہ منزل طے کرتے ہوئے ثعلبہ پہنچے، یہاں تین مہینے تک قیام رہا، پھر وہاں سے چل کر شراف میں خیمہ زن ہوئے، حضرت مثنیٰ مقام ذی قار میں آٹھ ہزار نبرد آزما سپاہیوں کے ساتھ ان کی آمد کا انتظار کررہے تھے، لیکن داعی اجل نے ملاقات کا موقع نہ دیا اور وہ اپنے بھائی کو سپہ سالار اعظم سے ملنے کی ہدایت کرکے رہ گزین عالم جاوداں ہوئے، معنیٰ نے حسب ہدایت (مقام) شراف میں آکر ملاقات کی اور مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیئے تھے، حضرت سعد وقاصؓ سے بیان کیے۔

حضرت سعدؓ نے شراف میں اپنی فوج کا باقاعدہ جائزہ لیا، جو کم وبیش تیس ہزار ٹھہری پھر میمنہ ومیسرہ وغیرہ کی تقسیم کرکے ہر ایک پر جدا جدا افسر مقرر کئے اور مقام کا نقشہ، فرودگاہ کا ڈھنگ، لشکر کا پھیلاؤ اور رسد کی کیفیت وغیرہ سے دربار خلافت کو مطلع کیا، وہاں سے حکم آیا کہ شراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ پر اس طرح مورچے جمائیں کہ پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں اور سامنے دشمن کا ملک ہو، چنانچہ وہ یہاں سے روانہ ہو کر عذیب میں عجمیوں کے میگزین پر قبضہ کرتے ہوئے قادسیہ پہنچے اور مناسب موقعوں پر مورچے جمادیئے۔

حضرت سعدؓ نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے سرادارن قبائل میں سے چودہ نامور اشخاص منتخب کئے، سفیر بنا کر مدائن روانہ کیا تاکہ شاہ ایران کو اسلام یا جزیہ قبول کرنے کی دعوت دیں، چنانچہ انہوں نے پہلے اسلام پیش کیا، اور طرفین میں بڑی ردوقدح ہوتی رہی، آخر میں مسلمانوں نے کہا اگر تم اسلام نہیں قبول کرتے تو ہم اپنے نبی کی پیشین گوئی یاد دلاتے ہیں کہ ایک دن تمہاری زمین ہمارے تصرف میں آئے گی، مسلمانوں کی صاف بیانی پر غضب ناک ہو کر، مسلمانوں کی اس دلیری پر جھلا کر خاک دھول منگا کر کہا لو یہ تم کو ملے گا، حضرت عمرو بن سعدی کرب نے اس کو اپنی چادر میں لے لیا، اور سعدؓ کے پاس پہنچے اور ان کے سامنے رکھ کر کہا کہ "فتح مبارک ہو دشمن نے خود اپنی زمین ہم کو دے دی، غرض سفراء واپس آگئے، اور جنگ کی تیاریاں شروع ہوگئیں، عجمی سپہ سالار رستم نے بھی جو ساباط میں مقیم تھا، اپنی فوج کو آگے بڑھا کر قادسیہ میں ڈیرے ڈالے۔

رستم کی فوجیں قادسیہ پہنچیں تو حضرت سعدؓ نے ہر طرف جاسوس پھیلا دیئے کہ دشمن کی نقل وحرکت سے ہر وقت مطلع کرتے رہیں، نیز غنیم کی فوج کا رنگ ڈھنگ، لشکر کی ترتیب اور پڑاؤ

کی حالت دریافت کرنے کے لئے فوجی افسر متعین کردیئے، اس میں کبھی کبھی دشمن کا سامنا بھی ہوجاتا تھا، چنانچہ ایک دفعہ رات کے وقت غنیم کے کیمپ میں گشت کررہے تھے، ایک جگہ ایک بیش بہا گھوڑا بندھا دیکھا، تلوار سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے اٹکالی، لوگوں نے ان کا تعاقب کیا تو ایک سپاہی کو قید کر کے لڑتے بھڑتے صاف نکل آئے، قیدی نے حضرت سعدؓ کے سامنے آکر اسلام قبول کیا، اور عجمی فوج کے بہت سے اسرار بیان کئے۔

عرصہ تک صرف اسی قسم کی جھڑپ ہوتی رہی، اور کوئی باقاعدہ جنگ پیش نہ آئی، رستم قصداً جنگ سے جی چراتا تھا، اس نے ایک دفعہ پھر صلح کی کوشش کی اور حضرت سعدؓ نے اس کی خواہش پر متعدد سفارتیں روانہ کیں، آخری سفارت میں حضرت مغیرہؓ بھیجے گئے، لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی۔ رستم کو ناکامی ہوئی تو اس نے غضب ناک ہوکر کہا کہ ''کل تمہاری فوجیں تہ و بالا کرڈالوں گا۔'' حضرت مغیرہؓ نے واپس آکر رستم کا مقولہ بیان کیا تو حضرت سعدؓ نے بھی جوش و خروش کے ساتھ مسلمانوں کو تیاری کا حکم دے دیا۔

جنگ قادسیہ...... رستم اس قدر غضب ناک ہوگیا تھا کہ اس نے اسی وقت فوج کو کمر بندی کا حکم دے دیا اور دوسرے روز صبح کے وقت درمیان کی نہر کو عبور کر کے میدان جنگ میں صف آراء ہوا، دوسری طرف حضرت سعدؓ کا لشکر بھی تیار تھا، مشہور شعراء اور پرجوش خطیب رزمیہ اشعار اور جادو اثر تقریروں سے تمام بہادر سپاہیوں کے شجاعانہ ولولے بھڑکا رہے تھے، اس کے ساتھ قاریوں کی خوش الحانی اور جہاد کی آیتوں نے جنت کے عاشقوں کو بے تاب کر رکھا تھا۔

حضرت سعدؓ نے قاعدہ کے موافق اللہ اکبر کے تین نعرے بلند کئے، اور چوتھے پر جنگ شروع ہوگئی، گو وہ خود عرق النساء کے عارضہ میں مبتلا ہونے کے باعث عام فوج کا ساتھ نہ دے سکے اور حضرت خالد ابن عرطفہ کو قائم مقام کر کے میدان جنگ کے قریب جو قصر تھا اس کے بالا خانہ پر رونق افروز ہوئے تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب سمجھتے تھے پرچوں پر لکھ کر اور گولیاں بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے اور خالد ان ہی ہدایتوں کے مطابق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے، ایک دفعہ ایرانی ہاتھیوں کے ریلے کی وجہ سے قریب تھا کہ بجیلہ سواروں کے پاؤں اکھڑ جائیں، حضرت سعدؓ نے یہ رنگ دیکھ کر فوراً قبیلہ اسد کو حکم بھیجا کہ بجیلہ کو مدد پہنچائیں، پھر جب اس کالی آندھی نے اس طرف رخ کیا تو قبیلہ تمیم کو جو نیزہ بازی اور قادر اندازی میں کمال رکھتے تھے کہلا بھیجا کہ تمہارا کمال ہاتھیوں کے مقابلہ میں کیا ہوا؟ یہ سن کر انہوں نے اس جوش سے تیر برسائے کہ دفعتاً جنگ کا نقشہ بدل گیا، غرض تمام دن اسی زور کا رن ہوا، شام ہوئی تو دونوں فریق اپنے اپنے پڑاؤ میں واپس آئے، قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا جس کو عربی میں یوم الارماث کہتے ہیں۔

دوسرے روز پھر جنگ شروع ہوئی، عین ہنگامہ کارزار میں شام کی امدادی فوجیں بھی پہنچ

گئیں، اس تائید غیبی سے مسلمانوں کا جوش دوبالا ہو گیا اور اس زور شور سے تیغ وسنان اور تیر و تفنگ کا بازار گرم ہوا کہ دور سے دیکھنے والوں کی رگ شجاعت میں ہیجان پیدا ہو رہا تھا حضرت ابو محجن ثقفی جن کو حضرت سعدؓ نے شراب خواری کے جرم میں اپنے قصر میں مقید کر دیا تھا، اس ولولہ انگیز منظر کو دیکھ کر بے تاب ہو رہے تھے، ضبط نہ کر سکے تو حضرت سلمٰیٰ سعدؓ کی بیوی سے درخواست کی کہ اس وقت مجھ کو چھوڑ دو، لڑائی سے جیتا بچا تو پھر خود آ کر بیڑیاں پہن لوں گا، سلمٰیٰ نے انکار کیا تو حسرت کے ساتھ یہ اشعار پڑھنے لگے۔

کفی حزنا ان تردی الخیل بالقنا
واترک مشدودا علی وثاقیا

اس سے بڑھ کر کیا غم ہوگا کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں، اور میں زنجیر میں بندھا پڑا ہوں۔"

اذاقمت عنافی الحدیر و اغلقت
مصاریع دونی تصنم المنادیا

"جب میں کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر باگ کھینچ لیتی ہے اور دروازے اس طرح سامنے بند کر دیے جاتے ہیں کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک جاتا ہے"۔

ان اشعار سے سلمٰیؓ نے متاثر ہو کر ان کی بیڑیاں کاٹ دیں اور وہ حضرت سعدؓ کے گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ کی دہکتی ہوئی آگ میں کود پڑے اور ان لوگوں کو اپنی شجاعت و جانبازی سے متحیر کر دیا، حضرت سعدؓ بھی حیران تھے کہ یہ کون بہادر ہے؟ شام کو جنگ ختم ہوئی تو ابو محجنؓ نے خود آ کر بیڑیاں پہن لیں، حضرت سلمٰیٰ نے یہ حالات سعدؓ سے بیان کیے تو انہوں نے کہا "خدا کی قسم! میں ایسے فدائی اسلام کو سزا نہیں دے سکتا۔" اور اسی وقت رہا کر دیا ابو محجن پر بھی اس قدر دانی کا یہ اثر ہوا کہ آئندہ شراب پینے سے توبہ کر لی۔

تیسرے روز حسب معمول پھر معرکہ شروع ہوا، حضرت سعدؓ نے آج آخری فیصلہ کا ارادہ کر لیا تھا، لیکن شام ہوگئی اور جنگ کے زور وشور میں کچھ فرق نہ آیا، زیادہ دقت ہاتھیوں کی وجہ سے تھی، وہ جس طرف جھک پڑتے تھے، صفیں کی صفیں درہم برہم کر دیتے تھے، حضرت سعدؓ نے قعقاع اور چند دوسرے بہادر سپاہیوں کو بلا کر کہا کہ تم ہاتھیوں کو مار لو تو پھر میدان تمہارے ہاتھ میں ہے، انہوں نے نہایت جانبازی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی اور نرغہ کر کے بڑے بڑے ہاتھیوں کو مار ڈالا تو دوسرے ہاتھی خود بخود بھاگ کھڑے ہوئے ہاتھیوں سے میدان صاف ہونا تھا کہ حضرت سعدؓ نے اپنی فوج کو سمیٹ کر پھر نئے سرے سے ترتیب دیا اور حکم دیا کہ جب میں

تیسرا نعرہ بلند کروں تو غنیم پر حملہ کر دیا جائے، لیکن ابھی پہلا ہی نعرہ بلند ہوا تھا کہ قعقاع نے جوش سے بے تاب ہو کر حملہ کر دیا، حضرت سعدؓ نے فرمایا اللھم اغفرلہ وانصرہ یعنی اے خدا! قعقاع کو معاف کرنا اور اس کا مددگار رہنا، قعقاع کو دیکھ کر دوسرے قبائل بھی ٹوٹ پڑے، حضرت سعدؓ ہر قبیلے کے حملے پر کہتے جاتے تھے کہ اے خدا! اس کو معاف کرنا اور اس کا معین و مددگار رہنا، غرض دن ختم ہونے کے بعد تمام رات ہنگامہ کارزار گرم رہا، لیکن بالآخر مسلمانوں کے ثبات و استقلال نے ایرانیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے رستم کو بھی مجبوراً بھاگنا پڑا، مگر ہلال نامی ایک مسلمان سپاہی نے تعاقب کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔

حضرت سعدؓ نے بارگاہ خلافت میں نامہ فتح روانہ کر کے مقتولین و مجروحین (زخمیوں) کی تجہیز و تدفین اور مرہم پٹی کا اہتمام کیا، چونکہ وہ خود اس جنگ میں شریک نہ تھے اس لئے بعض سپاہیوں کو ان کی طرف سے بدگمانی تھی، چنانچہ ایک شاعر نے اعلانیہ اس خیال کو ظاہر کر دیا۔

وقاتلت حتی انزل اللّٰہ نصرہ

وسعد بباب القادسیة معصم

میں نے جنگ کی یہاں تک کہ خدا نے اپنی مدد بھیجی، حالانکہ سعد قادسیہ کے دروازے سے چمٹے رہے۔

فابنا وقد اذملت نساء کثیرة

ونسوة سعد لیس فیھن ایم

ہم لوٹے تو بہت سی عورتیں بیوہ ہوئیں، حالانکہ سعدؓ کی بیویوں میں سے کوئی بھی بیوہ نہ ہوئی۔

حضرت سعدؓ نے اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے تمام فوج کو جمع کیا اور ایک مفصل تقریر کر کے اپنی معذوری ظاہر کی۔

عراق عرب پر عام لشکر کشی ...... حضرت سعدؓ نے معرکہ قادسیہ کے بعد ۱۵ھ میں تمام عراق عرب کو زیر نگین کر لینے کا تہیہ کر لیا، ایرانی بابل میں پناہ گزین تھے، اس لئے سب سے پہلے اسی طرف بڑھے، انہوں نے خود عجمیوں پر اس قدر رعب بٹھا دیا تھا کہ راہ میں بڑے بڑے سرداروں نے پیشوائی کر کے صلح کر لی اور بابل تک موقع بموقع پل تیار کرا دیے، کہ اسلامی فوجیں آسانی کے ساتھ گذر جائیں، بابل پہنچ کر حضرت سعدؓ نے ایک ہی حملہ میں اس کو فتح کر لیا اور خود یہاں قیام کر کے حضرت زہرہ کی افسری میں کچھ فوجیں آگے روانہ کر دیں، انہوں نے کوثی پہنچ کر دم لیا اور وہاں کے رئیس شہریار کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔

کوثی ایک تاریخی جگہ تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے یہیں قید کیا تھا، چنانچہ قید

خانہ کی جگہ اس وقت تک محفوظ نہ تھی، حضرت سعدؓ بابل سے تشریف لائے تو اس کی زیارت کو گئے اور درود پڑھ کر یہ آیت پڑھی۔ تلك الايام نداو لها بين الناس ط

کوثی سے آگے بڑھ کر پایہ تخت کے قریب ایک مستحکم مقام بہرہ شیر تھا، اس نام کی وجہ یہ تھی کہ یہاں خاص کسریٰ کا شکاری شیر رہتا تھا، حضرت سعدؓ کا لشکر جب اس شہر کے قریب پہنچا تو شیر مقابلہ کے لئے چھوڑا گیا، اس نے تڑپ کر اسلامی شیروں پر حملہ کیا، لیکن حضرت سعدؓ کے بھائی ہاشمؓ نے جو ہراول کے افسر تھے، اس صفائی سے تلوار ماری کہ وہیں ڈھیر ہو گیا، حضرت سعدؓ نے اس بہادری پر خوش ہو کر ان کی پیشانی چوم لی، اور انہوں نے ان کے قدم کو بوسہ دیا۔

بہرہ شیر کا کامل دو ماہ تک محاصرہ رہا اور اس اثناء میں متعدد ہولناک جنگیں ہوئیں، لیکن کچھ نہ ہو سکا، ایک روز خود ایرانی فوجیں تنگ آ کر جوش وخروش کے ساتھ قلعہ سے باہر نکلیں اور دیر تک شجاعانہ لڑتی رہیں۔ اسی حالت میں ان کا سپہ سالار شہر براز جو نہایت بہادر افسر تھا، ایک مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا، اس کا مقتول ہونا تھا کہ عجمی فوجیں بھاگ کھڑی ہوئیں اور شہر والوں نے صلح کا پھریرا اڑا دیا۔

بہرہ شیر اور مدائن (پایہ تخت عراق) کے درمیان صرف دجلہ حائل تھا، ایرانیوں نے مسلمانوں کے خوف سے جہاں جہاں پل تھے سب توڑ کر بیکار کر دیئے تھے، لیکن حضرت سعدؓ کی اولوالعزمی کے آگے دنیا کی کون سی چیز حائل ہو سکتی تھی؟ انہوں نے اہل فوج کو مخاطب کر کے کہا ''برادران اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن میں پناہ لی ہے، آؤ اس کو بھی تیر جائیں تو پھر مطلع صاف ہے'' یہ کہہ کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا، سپہ سالار اعظم کی جانبازی دیکھ کر تمام فوج نے بھی جوش کے ساتھ گھوڑے ڈال دیئے اور باہم باتیں کرتے ہوئے دوسرے کنارے پر جا پہنچے۔ ایرانی اس عجیب وغریب جوش واستقلال کا منظر دیکھ کر ''دیوان آمدند'' کہتے ہوئے بھاگے تاہم سپہ سالار حرزاد تھوڑی سی فوج کے ساتھ جما رہا اور دریا سے نکلنے پر مزاحم ہوا، لیکن مسلمانوں نے ان کو کاٹ کر ڈھیر کر دیا، اور مدائن پہنچ کر شاہی محلات پر قبضہ کر لیا یزدگرد شاہ ایران پہلے ہی بھاگ چکا تھا، البتہ تمام اسباب وسامان موجود تھا، جو بجنسہ مدینہ روانہ کیا گیا۔

حضرت سعدؓ جس وقت مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا، نہایت عبرت ہوئی اور بے اختیار زبان سے یہ آیتیں نکلیں۔

کم ترکوا من جنٰت وعیون، و زروع و مقام کریم، ونعمة کانوا فیها فکهین، کذالک واورثنها قوما اخرین. (دخان ع ۲۵:۴۴۔ ۲۸)

(اگلی قومیں) کس قدر باغ، چشمے، کھیتیاں اور طرح طرح کی نعمتیں، عمدہ عمدہ محلات چھوڑ کر چل بسیں جس میں خوش باش زندگی بسر کرتی تھیں اور ہم نے

ان چیزوں کا مالک دوسری قوموں کو بنادیا۔

مدائن فتح ہونے کے ساتھ تمام عراق عرب پر تسلط قائم ہوگیا، بڑے بڑے رؤساء اور جاگیرداروں نے سپر ڈال کر صلح کرلی، اور تمام ملک میں امن وامان کی منادی ہوگئی، جو لوگ گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے تھے وہ پھر واپس آگئے اور حاکم ومحکوم میں اس قدر ارتباط پیدا ہوا کہ باہم ازدواج ومناکحت کا سلسلہ جاری ہوگیا۔

عراق عرب کے مفتوح ہونے کے بعد حضرت سعدؓ کے اہتمام سے جلولا، اور تکریت پر فوج کشی ہوئی اور نہایت کامیابی وفیروزمندی کے ساتھ ان مقامات پر اسلامی پھریرا نصب کردیا گیا، اس کے بعد حضرت سعدؓ نے دربار خلافت سے آگے بڑھنے کی اجازت طلب کی تو جواب آیا کہ ''دولت وحکمرانی کے مقابلہ میں مجھے ایک ایک سپاہی کا خون زیادہ محبوب ہے، کاش ہمارے اور عجمیوں کے درمیان سد سکندری حائل ہوتی کہ نہ ہم ان کی طرف بڑھتے اور نہ وہ ہم پر حملہ آور ہوتے، غرض سردست اسی پر اکتفا کرکے ممالک مفتوحہ کا نظم ونسق اپنے ہاتھ میں لو''

امارت ...... اس فرمان کے مطابق حضرت سعدؓ کی سپہ سالاری کا زمانہ ختم ہوگیا اور وہ روانی ملک کی حیثیت سے مدائن کو صوبہ کا مرکز بنا کر نظم ونسق میں مصروف ہوگئے، اصل یہ ہے کہ کسی غیر قوم پر حکمرانی اور ملکی نظام کو بہترین اصول پر مرتب کرنا بھی اسی قدر مشکل ہے جس قدر کسی ملک کو فتح کرنا، حضرت سعدؓ اپنی فطری قابلیت کے باعث ان دونوں مشکلات پر غالب آئے، انہوں نے جس خوبی وعمدگی کے ساتھ اپنے عہدۂ جلیلہ کے فرائض انجام دیئے، اس سے زیادہ اس زمانہ میں ممکن نہ تھا، دربار خلافت کے ایماء سے تمام عراق کی مردم شماری اور پیمائش کرائی، اراضی مفتوحہ کو ملک کے اصلی باشندوں کے ہاتھ میں رہنے دیا، البتہ جس زمین کا کوئی وارث نہ تھا، اس کا پھر نئے سرے سے بندوبست کیا، اسی طرح لگان اور جزیہ کے اصول بنائے اور رعایا کے امن وآسائش کا انتظام کیا، عجمیوں کے ساتھ اس قدر خلق وشفقت سے پیش آئے کہ ان کے دل پر قبضہ کرلیا، چنانچہ بڑے بڑے امراء اور رؤساء اسی اثر سے متاثر ہوکر مسلمان ہوگئے، اسی طرح ویلم کی چار ہزار فوج جو شاہی رسالہ کے نام سے موسوم تھی حلقہ بگوش اسلام ہوئی۔

تعمیر کعبہ ...... حضرت سعدؓ نے ایک عرصہ تک مدائن میں قیام کرنے کے بعد محسوس کیا کہ یہاں کی آب وہوا نے اہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل دیا ہے، حضرت عمرؓ کو اس سے مطلع کیا تو حکم آیا کہ عرب کی سرحد میں کوئی مناسب سرزمین تلاش کرکے ایک نیا شہر بسائیں اور عربی قبائل کو آباد کرکے اس کو مرکز حکومت قرار دیں، حضرت سعدؓ نے اس حکم کے مطابق مدائن سے نکل کر ایک موزوں جگہ منتخب کرکے کوفہ کے نام سے ایک وسیع شہر کی بنیاد ڈالی، عرب کے جدا جدا قبیلوں کو جدا جدا محلوں میں آباد کیا، وسط شہر میں ایک عظیم الشان مسجد بنوائی، جس میں تقریباً چالیس ہزار نمازیوں کی گنجائش رکھی گئی، مسجد کے قریب ہی بیت المال کی عمارت اور اپنا محل تعمیر

کرایا جو قصر سعدؓ کے نام سے مشہور تھا۔

کچھ دنوں کے بعد بیت المال میں چوری ہوگئی، حضرت سعدؓ نے اس کی رپورٹ دارالخلافت میں بھیجی تو حکم آیا کہ بیت المال کو مسجد سے ملا دیا جائے تا کہ ہر وقت نمازیوں کی آمد و رفت سے خزانہ محفوظ رہے، چنانچہ انہوں نے روز بہ نام ایک مشہور پارسی معمار کو بلا کر یہ خدمت سپرد کی، اس نے نہایت خوبی و موزونی کے ساتھ بیت المال کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا، حضرت سعدؓ نے اس کی کاریگری کی بڑی قدر کی اور خوش ہو کر اس کو دارالخلافت بھیج دیا، جہاں ہمیشہ کے لئے اس کا روزینہ مقرر ہوگیا۔

حضرت سعدؓ کا قصر چونکہ وسط بازار میں تھا، اس لئے شور وشغب کے ساتھ باہم گفتگو کرنا بھی دشوار تھا، انہوں نے اس سے بچنے کے لئے قصر کے سامنے ایک ڈیوڑھی بنوائی اور اس میں پھاٹک لگوایا، بارگاہ خلافت میں اس ڈیوڑھی کی اطلاع پہنچی تو اس خیال سے کہ اہل حاجت کے لئے یہ سدراہ نہ ہو جائے، حضرت محمد بن مسلمہؓ کو حکم ہوا کہ کوفہ جا کر اس میں آگ لگا دیں، چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی، اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اطاعت شعاری کے ساتھ خاموشی سے دیکھا کئے۔

متفرق انتظامات...... کوفہ دراصل ایک فوجی چھاؤنی تھی، جہاں تقریباً ایک لاکھ نبرد آزما سپاہی بسائے گئے تھے، ان کو علی قدر مراتب تنخواہیں دی جاتی تھیں، تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ دس دس سپاہیوں پر افسر ہوتے تھے، جو امراء الاعشا کہلاتے تھے، تنخواہیں ان کو دی جاتی تھیں اور وہ اپنے ماتحت سپاہیوں کو تقسیم کر دیتے تھے، ایک دفعہ امرائے اعشا نے تنخواہوں کی تقسیم میں بے اعتدالی کی، اور اس کی وجہ سے فوج میں برہمی کے آثار نمایاں ہوئے، حضرت سعدؓ نے فوراً دربار خلافت کو اس واقعہ سے مطلع کیا اور فرمان خلافت کے مطابق دوبارہ نہایت صحت و تحقیق کے ساتھ لوگوں کے عہدے اور روزینے مقرر کئے اور اس دفعہ دس کے بجائے سات سات سپاہیوں پر ایک ایک افسر متعین کیا۔[1]

شام کی اسلامی فوجوں نے حمص پر چڑھائی کی تو اہل جزیرہ ایک جمعیت عظیم کے ساتھ رومیوں کی مدد کے لئے روانہ ہوئے، لیکن حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے جو ملک کے اندرونی و سرحدی واقعات سے ہر وقت باخبر رہتے تھے ایک فوج گراں بھیج کر ان کو وہیں روک لیا اور آگے بڑھنے نہ دیا۔[2]

۲۱ھ میں ایرانیوں نے عراق عجم میں نہایت عظیم الشان جنگی تیاریاں کیں اور مسلمانوں کو ان کے مفتوحہ ممالک سے نکال دینا چاہا، حضرت عمرؓ نے ان تیاریوں کا حال سنا تو تمام فوجی مرکزوں میں اسلامی فوج کو بھی آراستہ کرنے کے احکام صادر کئے، کوفہ سب سے بڑا مرکز تھا،

[1] طبری ص ۲۴۹۵ [2] ابن اثیر جلد ۲ ص ۱۲۸۱

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے یہاں نہایت اہتمام کے ساتھ تیاریاں شروع کیں اور دربار خلافت کے ایماء سے نعمان بن مقرن کو جو پہلے ان کی ماتحتی میں افسر مال تھے، اس فوج کا امیر عسکر مقرر کیا، لیکن یہاں ایک جماعت ایسی پیدا ہوگئی تھی جو قصداً جنگ سے جی چراتی تھی، اور کہتی تھی کہ بصرہ والوں نے خواہ مخواہ فارس پر حملہ کر کے یہ لڑائی مول لی ہے، حضرت سعدؓ وقاص نے بارگاہ خلافت میں ان لوگوں کی شکایت لکھی تو ان میں سے جراح بن سنان اور اس کے چند ساتھیوں کو ان سے شدید عداوت پیدا ہوگئی اور انہوں نے مدینہ پہنچ کر شکایت کی، کہ وہ نماز اچھی طرح نہیں پڑھاتے، ظاہر ہے کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جیسے عالی مرتبت و بلند پایہ صحابی کی نسبت یہ شکایت کس قدر مہمل تھی حضرت عمرؓ کو بھی اس کے لغو ہونے کا یقین تھا تاہم رفع حجت کے خیال سے حضرت محمد بن سلمہؓ کو تحقیقات کے لئے روانہ فرمایا، انہوں نے کوفہ کی ہر ایک مسجد میں گشت کر کے اس شکایت کی حقیقت دریافت کی تو ہر جگہ سب نے یک زبان ہو کر اس کی تکذیب کی اور لغو بتایا، محمد بن مسلمہ تحقیقات سے فارغ ہو کر دونوں فریق کو ساتھ لئے ہوئے مدینہ پہنچے، حضرت عمرؓ نے دیکھنے کے ساتھ پوچھا ''سعد! تم کیسی نماز پڑھاتے ہو کہ لوگ شکایت کرتے ہیں؟'' انہوں نے جواب دیا کہ پہلی دو رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھتا ہوں اور دونوں آخری میں صرف فاتحہ پر اکتفا کرتا ہوں، حضرت عمرؓ نے فرمایا بے شک تمہاری نسبت یہی گمان ہو سکتا ہے [۱]

معزولی ...... گو الزام بے بنیاد ثابت ہوا، تاہم حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ ایک جماعت مخالفت پر آمادہ ہوگئی تھی ان کو اس عہدہ سے سبکدوش ہی کر دینا مناسب سمجھا، چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جن کو اپنا جانشین بنا آئے تھے، حضرت عمرؓ نے ان ہی کو مستقل کر دیا اور ان کو دوبارہ واپس جانے کی زحمت نہ دی [۲]

حضرت سعد وقاصؓ کو اپنے اوپر اس بے ہودہ الزام کے قائم ہونے کا نہایت افسوس تھا، فرمایا کرتے تھے کہ میں عرب میں سب سے پہلا شخص ہوں جس نے راہ خدا میں تیر اندازی کی ہے، ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ درخت کے سوکھے پتے کھا کھا کر لڑے تھے، لیکن خدا کی شان آج یہ بنو اسد پیدا ہوئے ہیں جو خود مجھے مذہب سکھاتے ہیں کہ میں نماز اچھی نہیں پڑھاتا [۳]

فاروق اعظمؓ کی سفارش...... ۲۳ھ میں حضرت عمرؓ نے ایک مجوسی غلام کے ہاتھ سے شہادت پائی، حالت نزع میں لوگوں نے خلیفہ نامزد کرنے کی طرف توجہ دلائی تو انہوں نے اس منصب کے لئے چھ آدمیوں کے نام پیش کئے، ان میں ایک حضرت سعدؓ بھی تھے اور فرمایا کہ اگر وہ خلافت کے لئے منتخب نہ ہو سکیں تو جو منتخب ہو اسے چاہئے کہ ان کی خدمات سے فائدہ اٹھائے

---

۱ طبری ص ۲۶۰۶، ۲۶۰۷ ۲ ایضاً ص ۲۶۰۸۔

۳ بخاری باب مناقب سعد

کیونکہ میں نے انہیں کسی کمزوری یا خیانت کی وجہ سے معطل نہیں کیا تھا۔

دوبارہ تقرری...... حضرت فاروق اعظمؓ کی تجہیز و تکفین کے بعد مجلس شوریٰ نے حضرت عثمانؓ کے سر پر دستار خلافت باندھی اور انہوں نے حسب وصیت حضرت سعدؓ کو دوبارہ کوفہ کا والی مقرر کیا، لیکن اس تقرری کے تین سال بعد یعنی ۲۶ھ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مہتمم بیت المال سے اختلاف پیدا ہو جانے کے باعث پھر معزول ہو گئے۔[۱]

دور فتنہ اور حضرت سعدؓ کی گوشہ نشینی...... حضرت سعدؓ نے معزول ہونے کے بعد مدینہ میں عزلت نشینی اختیار کر لی، یہاں تک کہ جب خلیفہ ثالث کے آخری عہد حکومت میں فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوا تو یہ ہنگامہ بھی ان کی گوشہ گیری میں مخل نہ ہوا، البتہ جب مفسدین نے کاشانہ خلافت کا محاصرہ کر لیا تو ان کو سمجھانے کی کوشش کی، مگر ناکام رہے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، لیکن معاملات ملکی سے بے تعلق رہنے کی روش پر اس وقت بھی قائم رہے، چنانچہ حضرت علیؓ جب حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے مقابلہ میں اپنی فوج کے ساتھ روانہ ہوئے تو لوگوں نے ان کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی، لیکن انہوں نے معذرت کی اور کہا "مجھے ایسی تلوار بتاؤ جو مسلم و کافر میں امتیاز رکھے۔"[۲]

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے خود ان کے صاحبزادہ عمر بن سعدؓ نے ایک دفعہ جب کہ وہ جنگل میں اونٹ چرا رہے تھے آ کر کہا "کیا یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ آپ جنگل میں اونٹ چرائیں اور لوگ بادشاہت و حکومت کے لئے اپنی اپنی قسمت آزمائیں؟" حضرت سعدؓ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا "خاموش! میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ "خدا مستغنی اور پرہیزگار بندہ کو محبوب رکھتا ہے۔"[۳]

جناب مرتضیٰؓ اور امیر معاویہؓ کے منازعات کا فیصلہ کرنے کے لئے جب پنچایت مقرر ہوئی، تو حضرت سعدؓ وقاص بھی اس خوشی میں کہ اب خانہ جنگیوں اور خونریزیوں کا خاتمہ ہو جائے گا، فیصلہ سننے کے لئے دومۃ الجندل تشریف لائے، لیکن جب یہ بے نتیجہ ثابت ہوئی تو پھر اپنے عزلت کدہ میں واپس آ گئے، اور تمام جھگڑوں سے قطعی طور پر کنارہ کش رہے۔

وفات...... حضرت سعدؓ نے مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقام عقیق میں اپنے لئے ایک قصر تعمیر کرایا تھا، چنانچہ عزلت نشینی کی زندگی اسی میں بسر ہوئی، آخر عمر میں قویٰ مضمحل ہو گئے تھے اور آنکھوں کی بصارت بھی جاتی رہی تھی، یہاں تک کہ ۵۵ھ میں طائر روح نے باغ رضوان کے اشتیاق میں ہمیشہ کے لئے اس قفس عنصری کو خیر باد کہا۔[۴] حضرت سعدؓ نے وصیت کی تھی کہ جنگ

---

[۱] استیعاب جلد ۲ تذکرۂ سعدؓ [۲] ابن سعد جزء ۳ قسم اول ترجمہ سعد بن ابی وقاصؓ

[۳] اسد الغابہ تذکرۂ سعدؓ میں اجمالاً اس کا ذکر ہے

[۴] طبقات ابن سعد جزء سادس

بدر میں جوادنیٰ کپڑا میرے جسم پر تھا اس سے کفن کا کام لیا جائے، چنانچہ اس پر عمل کیا گیا۔[۱] اور لاش مدینہ طیبہ لائی گئی، بعض امہات المومنینؓ اس وقت زندہ تھیں انہوں نے حکم دیا کہ اس جاں نثار رسول اللہ ﷺ کا جنازہ مسجد میں لایا جائے، چنانچہ مسجد میں ان کے حجروں کے سامنے نماز ادا کی گئی، امہات المومنینؓ بھی نماز میں شریک تھیں کسی نے مسجد میں نماز جنازہ پر اعتراض کیا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا "لوگ کس قدر جلد بھول گئے، کہ رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن البیضاءؓ پر مسجد میں نماز نہیں پڑھائی تھی۔[۲]

غرض اس تزک واحتشام کے ساتھ مقام بقیع میں مدفون ہوئے ستر برس سے زیادہ عمر پائی اور اس عرصہ میں اپنے عظیم الشان کارناموں کی ایسی یادگار چھوڑ گئے کہ ان کے خلاف قیامت تک فخر ومباہات کے ساتھ ان پر رطب اللسان رہیں گے۔

علم و فضل...... حضرت سعد وقاصؓ کا علمی پایہ نہایت ارفع تھا، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب سعدؓ رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث روایت کریں تو پھر اس کے متعلق کسی دوسرے سے نہ پوچھو۔

رسول اللہ ﷺ سے تحصیل علم میں کبھی پس وپیش یا شرم وحجاب دامن گیر نہ ہوتا تھا، ایک دفعہ بارگاہ نبوت میں حاضر تھے، آنحضرت ﷺ نے ایک جماعت کو کچھ عطیے مرحمت فرمائے، لیکن اس میں سے ایک شخص کو محروم رکھا، حضرت سعدؓ کو اس کی محرومی پر سخت تعجب ہوا، عرض کی یا رسول اللہ!، میرا خیال ہے کہ یہ بھی مومن ہے؟ ارشاد ہوا "مومن یا مسلم" لیکن حضرت سعدؓ کو تشفی نہ ہوئی، انہوں نے پھر اپنا سوال دہرایا، آنحضرت ﷺ نے اس دفعہ بھی وہی جواب دیا، غرض حضرت سعدؓ نے مکرر سہ کرر اس سوال کو جاری رکھا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرما کر تشفی کردی کہ بسا اوقات اس سے جس کو عطیے دیتا ہوں وہ شخص جس کو کچھ نہیں دیتا میرے نزدیک زیادہ محبوب ہوتا ہے۔[۳]

اخلاق و عادات...... حضرت سعدؓ کے مصحف اخلاق میں خشیت الٰہی، حب رسول، تقویٰ، زہد، بے نیازی اور خاکساری سب سے روشن ابواب ہیں، خوف خدا اور عبادت گزاری کا یہ حال تھا کہ عموماً رات کے اخیر حصے میں مسجد نبویؐ میں آکر نمازیں پڑھا کرتے تھے۔[۴] طبیعت رہبانیت کی طرف بہت مائل تھی، لیکن اسلام میں ممنوع ہونے کی وجہ سے مجبور تھے، چنانچہ فرمایا

---

[۱] اسد الغابۃ تذکرہ سعد

[۲] ابن سعد جزء ۳ قسم اول تذکرہ سعد بن ابی وقاصؓ

[۳] بخاری کتاب الایمان باب اذالم یکن الاسلام علی الحقیقہ

[۴] مسند ابن حنبل جلد ا ص ۱۷۰

کرتے تھے کہ عثمان بن مظعونؓ کو رسول اللہ ﷺ نے رہبانیت اور تبتل سے منع نہ فرمایا ہوتا تو میں اس کو اختیار کر لیتا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت و جان نثاری کا صرف اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تقریباً تمام غزوات میں ہمرکاب رہے، غزوۂ احد میں جب شکست رونما ہوئی اور تمام صحابہؓ پریشانی اور گھبراہٹ میں منتشر ہو گئے تو اس وقت تھوڑی دیر تک تنہا انہوں نے اور حضرت طلحہؓ نے خیر الانام (نبی کریم ﷺ) کی حفاظت کا فرض انجام دیا تھا، سفر میں عموماً خود شوق سے رسول اللہ ﷺ کے خیمے کے گرد رات رات بھر پہرا دیتے تھے، ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کسی غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے، رات کے وقت ایک جگہ قیام ہوا، یہاں دشمنوں کا سخت خطرہ تھا، آنحضرت ﷺ دیر تک جاگتے رہے اور فرمانے لگے کہ کاش! میرے اصحاب میں سے کوئی مرد صالح آج پہرہ دیتا، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ابھی یہ جملہ تمام بھی نہیں ہوا تھا کہ اسلحہ کی جھنکار سننے میں آئی، آنحضرت ﷺ نے پوچھا کون ہے؟ عرض کی سعد بن ابی وقاصؓ! ارشاد ہوا ''تم کیسے آئے؟'' عرض کی ''خود بخود یہ خیال پیدا ہوا کہ آج رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرنا چاہئے۔'' اس فرض کو انجام دینے آیا ہوں، آنحضرت ﷺ اس جانثاری سے نہایت خوش ہوئے اور دعا دی۔[2]

عتبہ بن ابی وقاص حضرت سعدؓ کے حقیقی بھائی تھے، انہوں نے حالت کفر میں غزوۂ احد میں رسول اللہ ﷺ کا روئے مبارک زخمی کیا تھا، حضرت سعدؓ فرمایا کرتے تھے ''واللہ میں عتبہ سے زیادہ کبھی کسی شخص کے خون کا پیاسا نہیں ہوا۔''

اتباع سنت اور رسول اللہ ﷺ کے اعمال و احکام کی کامل پیروی کو اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے، اہل کوفہ نے دربار خلافت میں شکایت کی کہ یہ نماز اچھی نہیں پڑھاتے تو فرمانے لگے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز سے سر مو انحراف نہیں کرتا۔[3]

ایک دفعہ مدینہ سے اپنے قصر کی طرف جو مقام عقیق میں تھا، تشریف لے جا رہے تھے، راہ میں ایک غلام کو درخت کاٹتے دیکھا، چونکہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو حرم قرار دیا تھا، اس لئے انہوں نے اس کے اوزار چھین لئے، غلام کے مالک نے آ کر اس کا مطالبہ کیا تو فرمانے لگے، معاذ اللہ! میں رسول اللہ ﷺ کی بخشش کو واپس کر دوں گا؟ اور اوزار کے واپس دینے سے قطعاً انکار کر دیا۔[4]

زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جس وقت دنیائے اسلام حکومت و بادشاہت کے جھگڑوں میں مبتلا تھی، اس وقت وہ مدینہ کے ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے اس فتنہ سے محفوظ رہنے کی دعائیں مانگ رہے تھے اور جو کوئی ان جھگڑوں کے متعلق کچھ پوچھتا تو فرماتے کہ میں نے رسول اللہ

---

[1] مسند ابن حنبل ص ۱۷۵
[2] مسلم مناقب سعدؓ
[3] بخاری باب صفۃ الصلوٰۃ
[4] مسلم باب فضل المدینہ

ﷺ سے سنا ہے کہ "میرے بعد عنقریب ایک فتنہ برپا ہوگا، جس میں سونے والا بیٹھنے والے سے، بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اچھا ہوگا۔"[1]

ذریعۂ معاش و جاگیر......ایک زمانہ وہ تھا کہ حضرت سعدؓ درخت کے پتے کھا کھا کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں جانبازی دکھاتے تھے لیکن اسلام نے بہت جلد روحانیت کے ساتھ ساتھ مادی حیثیت سے بھی اپنے فدائیوں کی عسرت و تنگ حالی کو دولت و ثروت سے مبدل کر دیا، خیبر کی مفتوحہ اراضی میں جاگیر ملی، ایران کے مال غنیمت میں حصہ ملا، اسی طرح دور فتنہ و فساد میں ایک غیر آباد زمین خرید کر زراعت کا مشغلہ اختیار کیا، غرض اخیر زندگی میں ایک بڑی دولت کے مالک ہوئے، کوفہ اور مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقام عقیق میں عالی شان محلات تعمیر کرائے مگر باوجود اس کے غذا و لباس کی سادگی میں کچھ فرق نہیں آیا تھا۔

حلیہ......حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، جسم فربہ، ناک چپٹی، سر بڑا اور ہاتھ کی انگلیاں نہایت موٹی اور مضبوط

ازواج......حضرت سعدؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں۔

بنت الشہاب، بنت قیس بن معدی کرب، ام عامر بنت عمرو، زبد، ام بلال بنت ربیع، ام حکیم بنت قارظ، سلمٰی بنت حفص، ظبیہ بنت عامر، ام حجر۔

اولاد......حضرت سعدؓ کے چونتیس اولادیں تھیں ان میں سے لڑکے سترہ تھے، لڑکیاں بھی اسی قدر تھیں، سب کے نام حسب ترتیب درج ذیل ہیں۔

لڑکے......اسحاق اکبر، عمر، محمد، عامر، اسحاق اصغر، اسماعیل، ابراہیم، موسیٰ، عبداللہ، عبداللہ اصغر، عبدالرحمٰن، عمیر اکبر، عمیر الاصغر، عمرو، عمران، صالح، عثمان۔

لڑکیاں......ام الحکیم کبریٰ، حفصہ، ام القسم، کلثوم، ام عمران، ام الحکیم صغریٰ، ام عمرو، ہند، ام الزبیر، ام موسیٰ، حمنہ، ام عمر، ام ایوب، ام اسحاق، ملہ، عمرہ، عائشہ۔

[1] مسند جلد اص ۱۶۹

حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ

نام،نسب،خاندان..... عامر نام،ابوعبیدہ کنیت،امین الامۃ لقب،گو والد کا نام عبداللہ تھا، لیکن دادا کی طرف منسوب ہو کر ابن الجراح کے نام سے مشہور ہوئے،سلسلہ نسب یہ ہے عامر بن عبداللہ بن الجراح ابن ہلال بن اہیب بن ضبہ بن الحارث بن الفہر القرشی الفہری،حضرت ابو عبیدہؓ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں فہر پر حضرت سرور کائنات ﷺ سے مل جاتا ہے۔

ماں بھی اسی فہری خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور اصحاب سیر کی تحقیق کے مطابق مسلمان ہوئیں۔

اسلام..... حضرت ابوعبیدہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تبلیغ و دعوت پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے، اس وقت تک رسول اللہ ﷺ ارقم کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔[1]

ہجرت..... اسلام قبول کرنے کے بعد قریش مکہ کے ظلم وستم سے دو مرتبہ ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے،پھر آخری دفعہ سب کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت فرما ہوئے،یہاں رسول اللہ ﷺ نے ان میں اور حضرت بن معاذؓ میں باہم بھائی چارہ کرا دیا۔[2]

غزوات..... مشرکین قریش نے مدینہ پہنچنے کے بعد بھی مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے نہ دیا، اور مبارزت طلبی کر کے میدان جنگ کی دعوت دی،چنانچہ غزوۂ بدر اس سلسلہ کی پہلی کڑی تھی، حضرت ابوعبیدہؓ شجاعت و جانبازی کے ساتھ اس جنگ میں سرگرم پیکار ہوئے،ان کے والد عبداللہ بھی اس وقت تک زندہ تھے اور کفار کی طرف سے لڑنے آئے تھے،انھوں نے تاک تاک کر خود اپنے لخت جگر کو نشانہ بنانا چاہا،حضرت ابوعبیدہؓ تھوڑی دیر تک طرح دیتے رہے،لیکن جب دیکھا کہ وہ باز نہیں آتے تو بالآخر جوش توحید نسبی تعلق پر غالب آ گیا،اور ایک ہی ہاتھ میں ان کا کام تمام کر دیا،درحقیقت یہ والہانہ جوش اور مذہبی وارفتگی کی نہایت سچی مثال تھی جس میں ماں،باپ،بھائی،بہن،غرض تمام رشتہ دار بالکل ایک اجنبی دشمن کی طرح نظر آتے ہیں،چنانچہ قرآن پاک نے اس انقطاع الی اللہ کی ان الفاظ میں داد دی۔

لاتجد قوما یؤمنون باللّٰہ والیوم الأخر یوادون من حاد اللّٰہ و رسولہ ولو کانوا اباءھم او ابناء ھم او اخوانھم او عشیر تھم اولئک

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۹۸۔
[2] اصابہ جلد ۴ ص ۷۶

کتب فی قلوبھم الایمان و ایدھم بروح منه. [1]

(سورہ مجادلہ ۵۸: ۲۲)

''تم نہ پاؤ گے اس قوم کو جو خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لائی کہ وہ خدا اور اس کے رسول کے مخالفین سے محبت رکھتے ہوں گے گو وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی یا ان کے کنبہ کے ہی کیوں نہ ہوں یہی وہ مسلمان ہیں جن کے دلوں کے اندر خدا نے ایمان نقش کر دیا ہے اور اپنے فیضان غیبی سے ان کی مدد کی ہے''۔

غزوۂ احد میں آنحضرت ﷺ کا چہرۂ مبارک زخمی ہو گیا اور زرہ کی دو کڑیاں چبھ گئیں تھیں جس سے سخت تکلیف ہوئی تھی، حضرت ابو عبیدہؓ نے دانت سے پکڑ کر کھینچا، اگرچہ ان کڑیوں نے نکلتے نکلتے ان کے دو دانت شہید کر دیے، لیکن رسول اللہ ﷺ کی خدمت گزاری میں دو دانت کیا جان بھی نثار ہو جاتی تو پرواہ نہ تھی۔ [2]

غزوۂ خندق، اور بنو قریظہ کی سرکوبی میں بھی سرگرم پیکار تھے، پھر ۶ھ میں جب قبیلہ ثعلبہ اور انمار نے قحط زدہ ہو کر اطراف مدینہ میں غارت گری شروع کی تو بارگاہ رسالت سے ان کی سرکوبی پر مامور ہوئے، چنانچہ انہوں نے ربیع الثانی کے مہینے میں چالیس آدمیوں کے ساتھ ڈاکوؤں کے مرکزی مقام ذی القصہ پر چھاپہ مار کر ان کو پہاڑوں میں منتشر کر دیا اور ایک شخص کو گرفتار کر کے لے آئے جس نے مدینہ پہنچ کر بطیب خاطر اسلام قبول کر لیا۔ [3]

اسی سال بیعت رضوان میں شریک ہوئے، بلکہ مقام حدیبیہ میں قریش مکہ نے جو عہد نامہ طے پایا، اس پر ان کی شہادت بھی تھی۔ [4] پھر ۷ھ میں خیبر کی فتح کشی میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب ہوئے، اور اس کی فتح میں شجاعت و بہادری کے ساتھ حصہ لیا، ان مہمات سے فارغ ہو کر سرور کائنات ﷺ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو ایک جمعیت کے ساتھ ذات السلاسل کی طرف روانہ فرمایا، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے، اس لئے انہوں نے دربار رسالت سے کمک طلب کی، آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو عبیدہؓ کی زیر امارت دو سو جنگی بہادر روانہ فرمائے، اس امدادی فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ شامل تھے، غرض جب یہ فوج حضرت عمرو بن العاصؓ کی فوج سے مل گئی، تو قدرۃً امامت و سپہ سالاری عام کی بحث پیدا ہوئی، ظاہر ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ کی جلالت شان و علو مرتبت کے مقابلہ میں حضرت عمرو بن العاصؓ کو اس شرف گرامی کا استحقاق نہ تھا، تاہم ان کی ضد اور اصرار سے حضرت ابو عبیدہؓ نے اطاعت کا طوق خود

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۸۵

[2] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۲۹۸

[3] ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۲، [4] ایضا

اپنے گلے میں ڈال لیا، اور نہایت کامیابی کے ساتھ حملہ کر کے غنیم کو زیروزبر کر دیا۔[1]

رجب ۸ھ میں ایک دوسری مہم خود حضرت ابوعبیدہؓ کی زیر قیادت ساحلی علاقہ کی طرف روانہ کی گئی، تاکہ قریشی قافلوں کی نقل وحرکت کا پتہ چلائیں، اور سامان رسد میں صرف کھجوریں ساتھ کر دی گئیں، یہاں تک کہ جب یہ سرمایہ ختم ہونے لگا تو چند دنوں تک صرف ایک ایک کھجور پر قناعت کرنا پڑی، لیکن خدائے پاک نے بہت جلد یہ مصیبت دور کر دی اور سمندر کے کنارے ایک ایسی عظیم الشان مچھلی مل گئی کہ مجاہدین نے عرصہ تک اس پر گذر اوقات کی اور کامیابی کے ساتھ مدینہ واپس آئے۔[2]

اسی سال مکہ فتح ہوا، پھر حنین اور طائف کی جنگیں پیش آئیں، حضرت ابوعبیدہؓ ان تمام معرکوں میں جانبازی کے ساتھ پیش پیش رہے۔

متفرق خدمات ...... جنگی مہمات کے علاوہ حضرت ابوعبیدہؓ کو بعض دوسری اہم خدمتیں بھی سپرد ہوئیں۔ مثلاً ۹ھ میں اہل نجران نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر ایک معلم دین کی درخواست کی جو مذہبی تعلیم وتلقین کے سوا ان کے جھگڑوں کو بھی فیصل کرے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا "ابوعبیدہ اٹھ" جب وہ کھڑے ہوئے تو اہل نجران سے مخاطب ہو کر فرمایا "یہ امت کا امین ہے" اس کو تمہارے ساتھ کرتا ہوں۔"[3]

آنحضرت ﷺ نے اہل بحرین سے مصالحت کر لی تھی، اور حضرت علاء بن الحضرمی کو بحرین کا امیر مقرر کیا تھا، حضرت ابوعبیدہؓ ایک دفعہ وہاں سے جزیہ کی رقم لانے پر مامور ہوئے، جب لے کر مدینہ پہنچے تو اس روز نماز صبح میں انصار کا غیر معمولی مجمع ہوا آنحضرت ﷺ نے متبسم ہو کر فرمایا شاید تم لوگوں کو ابوعبیدہؓ کے آنے کی اطلاع ہو گئی ہے، لوگوں نے عرض کی "ہاں یارسول اللہ!" سرور عالم ﷺ نے فرمایا "بشارت ہو کہ آج تمہیں خوش کر دوں گا، لیکن خدا کی قسم! میں تمہارے فقر وافلاس سے نہیں ڈرتا بلکہ مجھے ڈر ہے کہ پہلی قوموں کی طرح تمہارے اوپر بھی دنیا کشادہ ہو جائے گی، اور جس طرح ان کو منافست باہمی اور حسد وطمع سے ہلاک کر دیا ہے، تمہیں بھی ہلاک کرے گی۔[4]

۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے، حضرت ابوعبیدہؓ ہمرکاب تھے، اس سفر سے واپس آنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے وفات پائی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کا جھگڑا پیدا ہو گیا، لیکن صلحائے امت کی کوشش سے بہت جلد فرو ہو گیا، اس آتش خرمن سوز کے بجھانے میں امین امت کی کوششیں بھی کسی سے کم نہ تھیں، چنانچہ انہوں نے انصارؓ کو

---

[1] ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۵
[2] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ سیف البحر
[3] بخاری قصۂ اہل نجران
[4] بخاری کتاب الرقاق باب مایحذر من زهرة الدنیا

مخاطب کر کے فرمایا۔

یامعشر الانصار انکم کنتم اول من نصر فلا تکونوا اول من غیر۔[1]

''اے گروہ انصار! تم نے سب سے پہلے امداد و اعانت کا ہاتھ بڑھایا تھا، اس لئے تم ہی سب سے پہلے افتراق و اختلاف کے بانی نہ ہو جاؤ''۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خود ان کے نام کو پیش کر کے فرمایا، دیکھو یہ عمر بن الخطاب موجود ہیں، جن کی نسبت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، کہ ان کی ذات سے۔ خدا نے دین کو معزز کیا ہے، یہ دیکھو ابوعبیدہ بن الجراحؓ موجود ہیں، جن کو امین الامت کا خطاب عطا کیا گیا ہے، ان دونوں میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو، بیعت کر لو، لیکن ان دونوں بزرگوں نے بالاتفاق صدیق اکبرؓ کی موجودگی میں اپنے استحقاق سے انکار کیا، اور بڑھ کر سب سے پہلے بیعت کر لی[2] اس کے بعد تمام مہاجرین و انصار بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے، اور فتنہ کا ابر تاریک افق اسلام سے چھٹ گیا۔

شام کی سپہ سالاری...... حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسند نشینی کے بعد ۱۳ھ میں ملک شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کا اہتمام کیا، حضرت ابوعبیدہؓ کو حمص پر یزید بن ابی سفیان کو دمشق پر شرحبیل کو اردن پر عمرو بن العاصؓ کو فلسطین پر مامور کیا، اور ہدایت کی کہ جب سب ایک جگہ مجتمع ہو جائیں، تو ابوعبیدہؓ سپہ سالار عام ہوں گے۔

حضرت ابوعبیدہؓ جب عرب کی سرحد سے باہر نکلے، تو کثیر التعداد رومی فوجوں کا سامنا ہوا یہ دیکھ کر انہوں نے تمام اسلامی فوجوں کو یکجا کر لیا، اور دربار خلافت سے مزید کمک طلب کی، چنانچہ حضرت خالد بن ولیدؓ جو عراق کی مہم پر مامور تھے، دربار خلافت کے حکم سے راہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے ہوئے شامی فوج سے آ کر مل گئے[3]۔ اور متحدہ فوج نے بصریٰ، فحل اور اجنادین کو فتح کر کے دمشق کا محاصرہ کر لیا۔

فتح دمشق...... دمشق کا محاصرہ جاری تھا کہ خلیفہ اول نے داعی اجل کو لبیک کہا، اور فاروق اعظمؓ کی ابتدائی حکومت میں خالد بن ولیدؓ بیدار مغزی اور حسن تدبیر کے ساتھ فصیل پھاند گئے، اور شہر میں داخل ہو کر دروازے کھول دیئے، حضرت ابوعبیدہؓ اپنی فوج کے ساتھ تیار کھڑے تھے، فوراً اندر گھس گئے، عیسائیوں نے یہ رنگ دیکھا تو مصلحت اندیشی کے ساتھ اسلامی سپہ سالار اعظم سے مصالحت کر لی، حضرت خالدؓ کو خبر نہ تھی، وہ شہر کے دوسرے حصہ میں سرگرم پیکار تھے، عیسائی آ کر ملتجی ہوئے کہ ہم کو خالدؓ سے بچایئے، وسط بازار میں دونوں آدمیوں کا سامنا ہوا، حضرت ابوعبیدہؓ نے صلح کر لی اور مفتوحہ حصہ کو بھی صلح میں رکھا اور اس پر صلح کے شرائط جاری کئے۔

---

[1] یعقوبی جلد ۲ ص ۱۳۷ [2] ایضاً
[3] ابن اثیر جلد ۲ ص ۳۳۰

معرکۂ فحل ...... دمشق فتح کرکے اسلامی فوجیں آگے بڑھیں، اور مقام فحل میں خیمہ افگن ہوئیں، رومیوں کا پڑاؤ فحل کے سامنے مقام بیسان میں تھا، انہوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس مصالحت کا پیام بھیجا اور گفت وشنید کے لئے ایک سفیر بلایا، چنانچہ حضرت معاذؓ بن جبل اس عہدہ پر مامور ہوئے، لیکن یہ سفارت بے نتیجہ رہی، اور رومیوں نے براہ راست حضرت ابو عبیدہؓ سے گفتگو کرنے کے لئے قاصد بھیجا، جس وقت وہ پہنچا تو یہ دیکھ کر متحیر رہ گیا، کہ یہاں ہر ایک ادنیٰ و اعلیٰ ایک ہی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے، اور افسری اور ماتحتی کی کوئی تمیز نظر نہیں آتی، آخر اس نے گھبرا کر پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ لوگوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کی طرف اشارہ کیا، اس وقت وہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے، اس نے متعجب ہوکر کہا کیا درحقیقت تم ہی سردار ہو؟ فرمایا ہاں'' قاصد نے کہا'' تمہاری فوج کو دو اشرفیاں فی کس دیں گے، تم یہاں سے چلے جاؤ، حضرت ابو عبیدہؓ نے انکار فرمایا، اور قاصد کے تیور دیکھ کر فوج کو تیاری کا حکم دے دیا، غرض دوسرے دن جنگ شروع ہوئی، حضرت ابو عبیدہؓ ایک ایک صف میں جا کر کہتے تھے۔

عباد اللّٰہ استوجبوا من اللّٰہ النصر بالصبر فان اللّٰہ مع الصابرین

خدا کے بندو! صبر کے ساتھ خدا سے مدد چاہو کیونکہ خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

حضرت ابو عبیدہؓ خود قلب فوج میں تھے، اور دانشمندی کے ساتھ سب کو لڑا رہے تھے، یہاں تک کہ مسلمانوں کی قلیل تعداد نے رومیوں کی پچاس ہزار باقاعدہ فوج کو شکست دے دی، اور ضلع اردن کے تمام مقامات فرزندان توحید کے زیر نگین ہوگئے۔

فتح حمص ...... یہاں سے چھوٹے چھوٹے مقامات فتح کرتے ہوئے حمص کی طرف بڑھے، اور محاصرہ کا سامان پھیلا دیا، اہل حمص کچھ عرصہ تک کمک کی امید پر مدافعت کرتے رہے، لیکن جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو انہوں نے خود بخود شہر حوالہ کردیا۔[1] حضرت ابو عبیدہؓ نے یہاں عبادہ بن صامتؓ کو چھوڑ کر لاذقیہ کا رخ کیا اور راہ میں شیرز، حماۃ، معرۃ النعمان اور دوسرے مقامات میں اسلامی جھنڈا گاڑتے ہوئے منزل مقصود پر دم لیا۔

لاذقیہ نہایت مستحکم مقام تھا، حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کو فتح کرنے کی ایک نئی تدبیر اختیار کی، یعنی میدان میں بہت سے پوشیدہ غار کھدوائے، اور محاصرہ اٹھا کر حمص کی طرف روانہ ہوگئے، شہر والوں نے جو مدت کی قلعہ بندی سے تنگ آگئے تھے، اس کو تائید غیبی خیال کیا، اور اطمینان کے ساتھ شہر پناہ کا دروازہ کھول کر کاروبار میں مصروف ہوگئے، لیکن حضرت ابو عبیدہؓ اسی رات کو اپنے سپاہیوں کے ساتھ پلٹ کر غاروں میں چھپ رہے تھے، صبح کے وقت نکل کر دفعتہ شہر میں گھس گئے، اور آسانی کے ساتھ اسلام کا علم بلند کردیا۔[2]

---

[1] ابن اثیر جلد ۲ ص ۳۸۱ وفتوح البلدان۔ ص ۱۳۷ [2] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۳۸

یرموک کی فیصلہ کن جنگ...... رومیوں کی متواتر ہزیمتوں نے ان کے آتش غیظ و غضب کو بھڑکا دیا اور ہرقل شہنشاہ روم کی دعوت پر تمام اطراف ملک سے ٹڈی دل فوج مجتمع ہوگئی، حضرت ابوعبیدہؓ کو خود شامی امراء اور رؤساء نے جو باوجود مذہبی اختلاف کے ان کے اخلاق کے گرویدہ ہوگئے تھے، تمام واقعات کی اطلاع دی انہوں نے اچھی طرح سے غنیم کی تیاریوں کی تحقیقات کر کے اپنے ماتحت افسروں کو جمع کیا، اور ایک پر جوش تقریر کے بعد اس مہیب سیلاب کے روکنے کے متعلق مشورہ طلب کیا، یزید بن ابی سفیانؓ نے کہا "میری رائے یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں چھوڑ کر ہم لوگ مقابلہ کے لئے نکلیں، اس کے ساتھ خالدؓ اور عمرو بن العاصؓ کو لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدد کو آئیں۔" حضرت شرحبیل بن حسنہ نے کہا "یزید کی رائے یقیناً مخلصانہ ہے، لیکن ہم کو اپنا ننگ وناموس شہر کے عیسائی باشندوں کے رحم پر نہ چھوڑنا چاہئے۔" حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا، تو پھر سردست اس کی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر بدر کردیں، حضرت شرحبیل نے اٹھ کر کہا، اے امیر! یہ صریحاً نقض عہد ہوگا تجھ کو ہرگز اس کا حق نہیں ہے۔" حضرت ابوعبیدہؓ نے فوراً اپنی غلطی تسلیم کرلی، اور بالآخر بحث و مباحثہ کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ مفتوحہ ممالک چھوڑ کر تمام فوجیں دمشق میں جمع ہوں، غرض اس قرارداد کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ نے عیسائیوں سے جو کچھ جزیہ یا خراج لیا تھا واپس کردیا اور فرمایا کہ یہ تمہاری حفاظت کا معاوضہ تھا، لیکن جب ہم سردست، اس سے عاجز ہیں تو پھر ہم کو اس سے مستفید ہونے کا کوئی استحقاق نہیں ہے، چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی سب واپس کردی گئی، عیسائیوں پر اس حق پسندی وانصاف کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے تھے، اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ "خدا تم کو پھر واپس لائے۔"[۱]

دمشق میں جب اسلامی فوجیں مجتمع ہوگئیں تو حضرت ابوعبیدہؓ نے آگے بڑھ کر یرموک کے میدان میں (جو جنگی ضروریات کے لحاظ سے نہایت مناسب موقع تھا) مورچہ جمایا، اسی اثناء میں اردن سے حضرت عمرو بن العاصؓ کا خط پہنچا کہ آپ کی معاودت نے اس علاقہ پر بہت برا اثر ڈالا ہے اور ہر طرف بغاوت وشورش پھیل گئی ہے، حضرت ابوعبیدہؓ نے جواب میں لکھا کہ ہم کو مصلحتاً پیچھے ہٹنا پڑا تا کہ تمام منتشر قوت مجتمع ہوجائے، بہر حال تم اپنی جگہ جمے رہو، میں عنقریب آکر تم سے ملتا ہوں۔

مسلمانوں کے پیچھے ہٹ آنے سے رومیوں کی ہمت بڑھ گئی اور ایک عظیم الشان جمعیت کے ساتھ یرموک پہنچ کر مسلمانوں کے مقابلہ میں خیمہ زن ہوئے تاہم جو عربی تلوار کا مزہ چکھ چکے تھے وہ دل سے صلح کے متمنی تھے، سپہ سالار اعظم باہان کی بھی یہی خواہش تھی، غرض جارج نامی

[۱] فتوح البلدان ص ۱۴۳، ۱۴۴

ایک رومی قاصد اسلامی لشکرگاہ میں پہنچا کہ کسی مسلمان سفیر کو ساتھ لے جائے، اس وقت شام ہوچکی تھی، ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی، مسلمانوں کے موثر طریقہ عبادت خشوع و خضوع اور محویت اور استغراق نے اس پر عجیب وغریب کیفیت طاری کی، وہ استعجاب کے ساتھ دیکھتا رہا، یہاں تک کہ جب نماز ہوچکی تو اس نے حضرت ابوعبیدہؓ نے چند سوالات کئے جن میں ایک یہ بھی تھا کہ عیسیٰؑ کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ حضرت ابوعبیدہؓ نے قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں۔

یاهل الکتب لاتغلوا فی دینکم و لاتقولوا علی اللّٰه الا الحق انما المسیح عیسی بن مریم رسول اللّٰه و کلمته القها الی مریم

(نساء ع ۴: ۱۷۱)

اے اہل کتاب اپنے دین میں زیادہ غلو نہ کرو اور خدا کی طرف حق کے سوا غلط باتیں نہ منسوب کرو حقیقت میں مسیح بن مریم خدا کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے ان کی طرف ڈال دیا تھا۔

لن یستنکف المسیح ان یکون عبد اللّٰه و لا الملئکة المقربون

(نساء ع ۴: ۱۷۲)

مسیح بن مریم اور ملائکہ مقربین کو خدا کی بندگی میں عار نہیں ہے۔

جارج نے ان آیتوں کا ترجمہ سنا تو بے اختیار پکار اٹھا، بے شک عیسیٰؑ کے یہی اوصاف ہیں اور درحقیقت تمہارا پیغمبر سچا ہے، یہ کہہ کر بطیب خاطر مسلمان ہوگیا، وہ اپنی قوم میں واپس جانا نہیں چاہتا تھا، لیکن حضرت ابوعبیدہؓ نے اس خیال سے کہ رومیوں کو بدعہدی کا گمان نہ ہو واپس جانے پر مجبور کیا، اور فرمایا کہ کل جو سفیر یہاں سے جائے گا اس کے ساتھ چلے آنا۔[1]

غرض دوسرے روز حضرت خالدؓ سفیر بنا کر بھیجے گئے لیکن اس سفارت کا بھی اس کے سوا کوئی نتیجہ نہ نکلا کہ دونوں فریق اور بھی زیادہ جوش وخروش کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہوگئے، کیونکہ مسلمانوں کی صرف دو شرطیں تھیں جو ہر موقع پر پیش کی جاتی تھیں اور اس میں تغیر و تبدل قطعاً ناممکن تھا، یعنی ''اسلام'' یا ''جزیہ'' دوسری طرف رومی جو اپنی شہنشاہی کے نشہ میں سرشار تھے ایسے شرائط کا سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے، بہرحال جنگ شروع ہوئی اور گو مسلمان تعداد میں صرف تیس بتیس ہزار تھے تاہم افسران فوج کی دانش مندی، فن سپہ گری کی واقفیت اور خود سپاہیوں کے غیر معمولی جوش نے غنیم کے پاؤں اکھاڑ دیئے، اس جنگ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ تقریباً ستر ہزار رومی کھیت رہے، مسلمان بھی کم وبیش تین ہزار شہید ہوئے، جن

[1] طبری کے نزدیک جارج خالدؓ کی کوششوں سے اسلام لایا۔

میں ضرار بن ازورؓ، ہشام بن العاصؓ، ابان، سعیدؓ وغیرہ جیسے جنگ آزما افسر بھی تھے۔

فتح یرموک کے بعد تمام ملک شام مسلمانوں کے خیر مقدم کے لئے تیار تھا، حضرت ابوعبیدہؓ نے حمص پہنچ کر حضرت خالدؓ سیف اللہ کو قنسرین روانہ کیا اور خود حلب کی طرف بڑھے، یہ دونوں مقامات آسانی کے ساتھ مفتوح ہوگئے، چند دنوں کے بعد اہل انطاکیہ نے بھی سپر ڈال دی، غرض بیت المقدس کے سوا تمام شام پر آسانی کے ساتھ قبضہ ہوگیا۔

بیت المقدس..... ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ فلسطین کی مہم حضرت عمرو بن العاصؓ کے سپرد تھی، چنانچہ وہ بڑے بڑے شہر فتح کر کے عرصہ سے بیت المقدس کا محاصرہ کئے ہوئے تھے، حضرت ابو عبیدہؓ کو اپنی مہم سے فرصت ہوئی تو وہ بھی اس فوج سے آملے، عیسائیوں نے ایک عرصہ ایک قلعہ بندی سے تنگ آکر صلح کی درخواست کی اور مزید اطمینان کے لئے یہ شرط لگائی کہ امیر المومنین خود یہاں آکر اپنے ہاتھ سے معاہدہ صلح لکھیں، حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھ کر اس شرط سے مطلع کیا اور ملک شام تشریف لانے کی دعوت دی، حضرت عمرؓ مدینہ سے روانہ ہوکر مقام جابیہ پہنچے، حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنے ماتحت افسروں کے ساتھ ان کا استقبال کیا، بیت المقدس کے نمائندے بھی یہیں پہنچے اور معاہدۂ صلح ترتیب پانے کے بعد اس مقدس شہر پر قبضہ ہوگیا۔[1]

رومیوں کی آخری کوشش..... شام جیسے سرسبز و شاداب ملک کا ہاتھ سے نکل جانا رومیوں کے لئے سخت سوہان روح تھا، انہوں نے جزیرہ اور آرمینیہ والوں کی امداد سے ایک مرتبہ پھر قسمت آزمائی کی اور ایک عظیم الشان جمعیت کے ساتھ حمص کی طرف بڑھے۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے بھی ادھر ادھر سے فوجیں جمع کیں اور دربار خلافت کو تمام واقعات سے مطلع کیا، چنانچہ امیر المومنین کے حکم سے عراق سے ایک بہت بڑی کمک پہنچ گئی اور حضرت ابوعبیدہؓ اس عظیم الشان قوت کے ساتھ رومی سیلاب کو روکنے کے لئے آگے بڑھے۔

میدان جنگ میں پہنچ کر باقاعدہ صف آرائی کی اور ایک پرجوش و موثر تقریر کے بعد فرمایا ''مسلمانو! آج جو ثابت قدم رہ گیا اور اگر زندہ بچا تو ملک و مال ہاتھ آئے گا اور مارا گیا تو شہادت کی دولت ملے گی، میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص مرے اور مشرک ہوکر نہ مرے وہ ضرور جنت میں جائے گا، اس زمانہ میں اسلام کا ہر ایک فرزند جوش ملی اور غیرت دینی کا مجسم پتلا تھا، اس تقریر نے اور بھی گرما دیا، غرض مجاہدین نے اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور مرج الدیباج تک بھاگتے چلے گئے، اس طرح رومیوں کی آخری کوشش بھی ناکام رہی اور پھر انہیں کبھی پیش قدمی کا حوصلہ نہ ہوا۔

امارت..... حضرت خالدؓ سیف اللہ دمشق کے امیر یا والی مقرر ہوئے تھے، لیکن ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر کے یہ عہدہ بھی حضرت ابوعبیدہؓ کو تفویض کیا، حضرت خالدؓ دمشق

[1] فتوح البلدان ص ۱۴۵

سے روانہ ہونے لگے تو انہوں نے لوگوں سے کہا "تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ امین امت تمہارا والی ہے" حضرت ابوعبیدہؓ نے اس کے جواب میں کہا "میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ "خالدؓ خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے" غرض اسی لطف ومحبت کے ساتھ امارت یا ولایت کا چارج لینے کے بعد ملکی انتظامات میں مصروف ہوئے۔

حضرت عمرؓ نے انتظامی حیثیت سے ملک شام میں جو مختلف اصلاحیں جاری کیں، ان میں سے اکثر حضرت ابوعبیدہؓ کے ہاتھ سے عمل میں آئیں ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو نہایت سرگرمی کے ساتھ شام سے چار ہزار اونٹ غلے سے لدے ہوئے بھیجے۔[۱] اشاعت اسلام کا بھی ان کو خاص خیال تھا، چنانچہ قبیلہ تنوخ، بنو سلیح اور عرب کے دوسرے بہت سے قبائل جو مدت سے شام میں آباد ہو گئے تھے اور عیسائی مذہب کے پیرو تھے، صرف ابوعبیدہؓ کی کوشش سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے، بعض شامی اور رومی عیسائی بھی ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام لائے۔

طاعون عمواس..... ۱۸ھ میں تمام ممالک مفتوحہ میں نہایت شدت کے ساتھ طاعون کی وبا پھیلی خصوصاً شام میں اس نے بہت نقصان پہنچایا، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ خود تدبیر وانتظام کے لئے دارالخلافہ چھوڑ کر مقام سرغ پہنچے، حضرت ابوعبیدہؓ اور دوسرے سرداروں نے یہاں استقبال کیا، حضرت عمرؓ نے شدت کی کیفیت سن کر پہلے مہاجرینؓ اور پھر انصارؓ سے مشورہ طلب کیا، سب نے مختلف رائیں دیں، اس کے بعد مہاجرین فتح سے جو عموماً قریش کے بوڑھے تجربہ کار لوگ تھے مشورہ چاہا، انہوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ سردست یہاں سے لوگوں کا منتقل ہو جانا مناسب ہوگا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے منادی کرا دی کہ میں کل صبح واپس جاؤں گا، سب ساتھ چلیں، چونکہ حضرت ابوعبیدہؓ نہایت شدت کے ساتھ تقدیر کے قائل تھے، اس لئے ان کو یہ حکم ناگوار ہوا اور آزادی کے ساتھ کہا "افرا رامن قدر الله" یعنی تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہو، حضرت عمرؓ عموماً حضرت ابوعبیدہؓ کی رائے سے اختلاف ظاہر کرنا ناپسند کرتے تھے، اس لئے انہوں نے کہا "کاش! تمہارے سوا کوئی دوسرا یہ جملہ کہتا، ہاں تقدیر الٰہی سے بھاگتا ہوں لیکن تقدیر الٰہی کی طرف۔[۲]"

غرض حضرت عمرؓ مدینہ واپس آئے اور حضرت ابوعبیدہؓ کو خط لکھ کر بلایا کہ کچھ دنوں کے لئے یہاں چلے آؤ، تم سے کچھ کام ہے، حضرت ابوعبیدہؓ اس طلبی کا مقصد سمجھ گئے اور لکھا کہ جو مقدر ہے وہ ہوگا میں مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے یہاں سے ٹل نہیں سکتا، حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ وہ کسی طرح ٹلنے کا نام نہیں لیتے تو پھر بتاکید لکھا کہ فوج کو لے کر کسی بلند اور صحت بخش مقام کی طرف چلے جاؤ، اس وقت جہاں پڑاؤ ہے وہ نہایت نشیبی اور مرطوب جگہ

---

[۱] طبری ص ۲۵۷۷

[۲] مسلم باب الطاعون

ہے، حضرت ابوعبیدہؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے انتخاب پر جابیہ اٹھ گئے [۱]
جابیہ پہنچ کر حضرت ابوعبیدہؓ طاعون میں مبتلا ہوئے، جب مرض کی زیادہ شدت ہوئی تو حضرت معاذ بن جبلؓ کو جوان کے اسلامی بھائی تھے اپنا جانشین کیا اور لوگوں کو جمع کر کے ایک نہایت مؤثر تقریر کی، آخر میں فرمایا ''صاحبو! یہ مرض خدا کی رحمت اور تمہارے نبی کریمؐ کی دعوت ہے، پہلے بہت سے صلحائے روزگار اس میں جاں بحق ہو گئے ہیں، اور اب عبیدہؓ بھی اپنے خدا سے اس سعادت میں حصہ پانے کا متمنی ہے۔'' [۲]

نماز کا وقت آیا تو حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنے جانشین کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، ادھر نماز ختم ہوئی اور ادھر راضی برضائے الٰہی یعنی ابوعبیدہؓ بن الجراحؓ امین الامت نے داعی حق کو لبیک کہا، حضرت معاذؓ ابن جبل نے تجہیز و تکفین کا سامان کیا اور حاضرین کے سامنے ایک مؤثر پر درد تقریر کے بعد کہا ''صاحبو! آج تم سے ایک شخص ایسا اٹھ گیا کہ خدا کی قسم میں نے اس سے زیادہ صاف دل، بے کینہ، سیر چشم، عاقبت اندیش، باحیا اور خیر خواہ خلق کبھی نہیں دیکھا، پس خدا سے اس کے لئے رحم و مغفرت کی دعا کرو۔'' [۳]

حضرت ابوعبیدہؓ نے اٹھاون (۵۸) برس کی عمر پائی اور اس قلیل عرصہ میں اپنے حیرت انگیز کارناموں کا منظر دکھا کر ۱۸ھ میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ فانا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

اخلاق و عادات..... حضرت ابوعبیدہؓ کے صحیفہ اخلاق میں خدا ترسی، اتباع سنت، تقویٰ، زہد، تواضع، مساوات اور ترحم کے ابواب نہایت روشن ہیں۔

خوف خدا کا یہ حال تھا کہ محض معمولی واقعات ان کے لئے سرمایہ عبرت بن جاتے اور اکثر خدا کی ہیبت و جلال کو یاد کر کے چشم پرنم ہو جاتے تھے، ایک دفعہ ایک شخص ان کے گھر آیا دیکھا تو زار و قطار رو رہے ہیں، اس نے متعجب ہو کر پوچھا ''ابوعبیدہؓ خیر ہے؟ یہ رونا دھونا کیسا؟ کہنے لگے ''ایک روز رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے آئندہ فتوحات اور تمول کا ذکر کرتے ہوئے شام کا تذکرہ فرمایا اور کہا! ابوعبیدہ! اگر اس وقت تک تمہاری عمر وفا کرے تو تمہارے لئے صرف تین خادم کافی ہوں گے، ایک خاص تمہاری ذات کے لئے، ایک تمہارے اہل و عیال کے لئے اور ایک سفر میں ساتھ جانے کے لئے، اسی طرح سواری کے تین جانور کافی ہیں، ایک تمہارے لئے، ایک غلام کے لئے اور ایک اسباب و سامان کے لئے، لیکن اب دیکھتا ہوں تو میرا گھر غلاموں سے اور اصطبل گھوڑوں سے بھرا ہوا ہے، آہ! میں رسول اللہ ﷺ کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ شخص میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوگا جو اسی حال

---

[۱] فتح الباری جلد ۱۰ ص ۱۵۹ [۲] مسند جلد ۱ ص ۱۹۶
[۳] اصابہ جلد ۴ ص ۱۲

میں ملے گا جس حال میں میں اسے چھوڑ جاؤں گا۔[1]

ہادیٔ دین کی اطاعت محبت اور خدمت گذاری میں امین امت سے زیادہ کون پیش پیش رہتا؟ واقعہ بدر میں باپ کو قتل کیا، رسول برحق کی راحت رسانی کے لئے دو دانت شہید کئے، غزوۂ ذات السلاسل میں حضرت عمرو بن العاصؓ سے اختلاف ہوا تو صرف اس لئے طوق اطاعت گلے میں ڈال لیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اتفاق باہمی کی ہدایت کی تھی اور فرمایا کہ میں تمہاری اطاعت نہیں کرتا بلکہ فرمان رسول ﷺ پر گردن جھکاتا ہوں۔[2]

امین امت کا آخری لمحہ حیات بھی اطاعت رسول میں گذرا، شام میں طاعون کی شدت ہوئی تو بڑے بڑے ثابت قدم بزرگوں کے پاؤں ڈگمگا گئے، لیکن انہوں نے صرف اس وجہ سے ٹلنے کا نام نہ لیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھاگنے کی ممانعت کی تھی، حضرت ابو عبیدہؓ زہد و بے نیازی کے بادشاہ تھے، ان کی نظر میں دنیا اور اس کی نعمتیں ایک حقیر ذرہ سے بھی زیادہ بے وقعت تھیں، شام کی آب و ہوا نے بڑے بڑے صحابہ کے طرز معاشرت کو بدل دیا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے سفر شام کے موقع پر افسروں کو پرتکلف قبا میں، اور زرق برق پوشاک پہنے دیکھا تو اس قدر غصہ ہوئے کہ گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگریزے اٹھا کر ان کی طرف پھینکنے لگے کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کر لیں، لیکن حضرت ابو عبیدہؓ جس حال میں ملے وہ وہی عرب کی سادگی تھی، بدن پر سادہ کپڑے اور سواری میں اونٹنی جس کی نکیل بھی معمولی رسی کی تھی، حضرت عمرؓ ان کے قیام گاہ پر تشریف لائے تو وہاں اس سے بھی زیادہ سادگی تھی، یعنی ڈھال، تلوار اور اونٹ کے کجاوہ کے سوا کوئی سامان راحت نہ تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا ''ابو عبیدہؓ! کاش تم ضروری سامان تو فراہم کر لیتے، اس بے نیاز عالم نے جواب دیا ''امیر المومنین! ہمارے لئے بس یہی ہے۔''[3]

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس چار سو دینار اور چار ہزار درہم بطور انعام بھیجے، انہوں نے تمام رقم فوج میں تقسیم کر دی اور اپنے لئے ایک حبہ بھی نہ رکھا، حضرت عمرؓ نے سنا تو فرمایا ''الحمد للہ کہ اسلام میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔''[4]

امین امت کی خاکساری اور تواضع کا اس سے اندازہ ہوگا کہ انہوں نے باوجود سپہ سالار اعظم ہونے کے جاہ و حشم سے کبھی سروکار نہ رکھا، رومی سفراء جب کبھی اسلامی لشکر گاہ میں آئے تو انہیں ہمیشہ سردار فوج کی شناخت میں دقت پیش آئی، ایک دفعہ ایک رومی قاصد آیا، وہ یہ دیکھ کر متحیر ہو گیا کہ یہاں سب ایک ہی رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں، بالآخر اس نے گھبرا کر پوچھا تھا کہ سردار کون ہے؟ لوگوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کی طرف اشارہ کیا، دیکھا تو ایک نہایت معمولی وضع قطع کا عرب فرش خاک میں بیٹھا ہے۔

---

[1] مسند ج ۱ ص ۱۹۶　[2] ایضاً　[3] اصابہ جلد ۳ ص ۱۲

[4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۰۱

مساوات اسلامی کا حد درجہ خیال تھا، ان کے لشکر گاہ میں ایک معمولی مسلمان سپاہی کو بھی وہی عزت حاصل تھی جو ایک بڑے سے بڑے سردار کو ہو سکتی ہے، ایک دفعہ ایک مسلمان نے غنیم کے ایک سپاہی کو پناہ دی، حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، لیکن سپہ سالار اعظم حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح نے فرمایا ''ہم اس کو پناہ دیتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک مسلمان سب کی طرف سے پناہ دے سکتا ہے۔''[1]

حضرت ابوعبیدہؓ کا خلق وترحم تمام خلق اللہ کے لئے عام تھا، شام میں ان کی شفقت اور رعایا پروری نے عیسائیوں کو بھی مرہون منت بنا رکھا تھا، وہاں عیسائیوں کو نماز کے وقت ناقوس بجانے کی اور عام گذرگاہوں میں صلیب نکالنے کی سخت ممانعت تھی، لیکن انہوں نے عرضی پیش کی کہ کم سے کم سال میں ایک دفعہ عید کے روز صلیب نکالنے کی اجازت دی جائے؟ حضرت ابو عبیدہؓ نے خوشی کے ساتھ یہ درخواست منظور کر لی، اس رواداری کا یہ اثر ہوا کہ شامی خود اپنے ہم مذہب رومیوں کے دشمن ہو گئے اور خوشی کے ساتھ جاسوسی اور خبر رسانی کے فرائض انجام دینے لگے۔

حضرت ابوعبیدہؓ کی خانگی زندگی کے حالات نامعلوم ہیں تاہم اس قدر یقینی ہے کہ جذبہ انقطاع الی اللہ نے بیوی بچوں سے غیر معمولی شغف پیدا ہونے نہ دیا۔

حلیہ...... حلیہ یہ تھا، قد لمبا، جسم نحیف ولاغر، چہرہ کم گوشت، سامنے کے دو دانت خدمت رسولؐ میں قربان ہو گئے تھے، ڈاڑھی گھنی نہ تھی، اور بعض روایات کے مطابق خضاب استعمال کرتے تھے۔

اولاد وازواج...... حضرت ابوعبیدہؓ کی صرف دو بیویوں سے اولاد ہوئی، ہند بنت جابر سے یزید اور ورجا سے عمیر پیدا ہوئے، لیکن دونوں لاولد فوت ہوئے۔

---

[1] مسند جلد ۱ ص ۱۹۵

حضرت سعید بن زیدؓ

نام، نسب، خاندان..... سعید نام، ابوالاعور کنیت، والد کا نام زید اور والدہ کا نام فاطمہ بنت بعجہ تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بن عبدالعزی بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن زراح ابن عدی بن کعب بن لوی القرشی العدوی۔

حضرت سعید بن زیدؓ کا سلسلہ نسب کعب بن لوی پر آنحضرت ﷺ سے اور نفیل پر حضرت عمرؓ سے مل جاتا ہے، حضرت سعیدؓ کے والد زید ان سعادت مند بزرگوں میں تھے جن کی آنکھوں نے اسلام سے پہلے ہی کفر و شرک کے ظلمت کدہ میں توحید کا جلوہ دیکھا تھا اور ہر قسم کے فسق و فجور یہاں تک کے مشرکین کے ذبیحہ سے بھی محترز رہے تھے، چنانچہ ایک دفعہ ان سے اور آنحضرت ﷺ سے قبل بعثت وادی بلدح میں ملاقات ہوئی،[۱] آنحضرت ﷺ کے سامنے کھانا پیش کیا گیا تو آپ نے انکار فرمایا پھر انہوں نے بھی انکار کیا اور کہا "میں تمہارے بتوں کا چڑھایا ہوا ذبیحہ نہیں کھاتا"۔[۲]

زید کا دل کفر و شرک سے متنفر ہوا تو جستجوئے حق میں دور دراز ممالک کی خاک چھانی، اور شام پہنچ کر ایک یہودی عالم سے مقصود کی رہبری چاہی، اس نے کہا اگر خدا کے غضب میں حصہ لینا ہے تو ہمارا مذہب حاضر ہے، زید نے کہا "میں اسی سے بھاگا ہوں، پھر اس میں گرفتار نہیں ہوسکتا البتہ کوئی دوسرا مذہب بتاسکتے ہو تو بتاؤ"؟ اس نے دین حنیف کا پتہ دیا، انہوں نے پوچھا "دین حنیف کیا ہے" بولا دین حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب ہے جو نہ یہودی تھے، نہ عیسائی بلکہ صرف خدائے واحد کی پرستش کرتے تھے، یہاں سے بڑھے تو ایک عیسائی عالم سے چارہ خواہ ہوئے، اس نے کہا "اگر خدا کی لعنت کا طوق چاہتے ہو تو ہمارا مذہب موجود ہے" زید نے کہا "خدارا کوئی ایسا مذہب بتاؤ جس میں نہ خدا کا غضب ہو، نہ لعنت، میں ان دونوں سے بھاگتا ہوں، بولا میرے خیال میں ایسا مذہب صرف دین حنیف ہے، غرض جب ہر جگہ سے دین ابراہیم کا پتہ ملا تو شام سے واپس ہوئے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا "خدایا! تجھے گواہ بناتا ہوں کہ .....اب میں دین حنیف کا پیرو ہوں"۔[۳]

---

[۱] تنعیم کی راہ میں ایک مقام کا نام تھا فتح الباری جلد ۷ ص ۱۸۰

[۲] بخاری باب حدیث زید ۱۲ منہ

[۳] بخاری باب حدیث زید میں مفصل قصہ مذکور ہے

زید کو اس کفرستان میں اپنے موحد ہونے کا نہایت فخر تھا، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دفعہ زید کو دیکھا کہ کعبہ سے پشت ٹیک کر کہہ رہے تھے، ''اے گروہ قریش! خدا کی قسم! میرے سواتم میں کوئی بھی دین ابراہیم پر قائم نہیں ہے'' [1]

ایام جاہلیت میں اہل عرب عموماً اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، لیکن خدائے واحد کے اس تنہا پرستار کو ان معصوم ہستیوں کے بچانے میں خاص لطف حاصل ہوتا تھا، اور جب کوئی ظالم باپ اپنی بے گناہ بچی کے حلق پر چھری پھیرنا چاہتا تھا تو اس کی کفالت اپنے ذمہ لے لیتے اور جب جوان ہو جاتی تو اس کے باپ سے کہتے ''جی چاہے لے لو یا میری ہی کفالت میں رہنے دو'' [2]

اسلام ..... جب رسول ﷺ نے دین حنیف کو زیادہ مکمل صورت میں دوبارہ دنیا کے سامنے پیش کیا اور دعوت توحید شروع کی، تو گو اس وقت اس کے سچے شیدائی زید صفحہ ہستی پر موجود نہ تھے تاہم ان کے فرزند حضرت سعیدؓ کے لئے یہ آواز بالکل مانوس تھی، انہوں نے جوش کے ساتھ لبیک کہا اور اپنی نیک بخت بیوی کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

حضرت سعیدؓ کی بیوی حضرت فاطمہؓ حضرت عمرؓ کی حقیقی بہن تھیں، لیکن وہ خود اس وقت تک اسلام کی حقیقت سے نا آشنا تھے، بہن اور بہنوئی کی تبدیل مذہب کا حال سن کر نہایت برافروختہ ہوئے، اور دونوں میاں بیوی کو اس قدر مارا کہ وہ لہولہان ہو گئے [3] لیکن یہاں کچھ ایسی وارفتگی تھی کہ اس تمام زدوکوب کا صرف یہی ایک جواب تھا۔

من ز جاناں گر چہ صد اندوہ جان خواہم کشید
تانہ پنداری کہ خود را برکراں خواہم کشیدہ

یہاں تک کہ ان بزرگوں کی اسی استقامت واستقلال نے خود حضرت عمرؓ کو بھی اسلام کی حقانیت کا جلوہ دکھا دیا، اور بالآخر عمر بن الخطاب سے فاروق اعظمؓ بنا دیا۔

ہجرت اور غزوات ..... حضرت سعیدؓ مہاجرین اولین کے ساتھ مدینہ پہنچے، اور حضرت رفاعہ بن عبدالمنذرؓ انصاری کے مہمان ہوئے کچھ دنوں کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان میں اور حضرت رافع بن مالکؓ انصاری میں بھائی چارہ کرا دیا۔ [4]

۲ھ میں قریش مکہ کا وہ مشہور قافلہ جس کی وجہ سے جنگ بدر پیش آئی ملک شام سے آرہا تھا، رسول ﷺ نے ان کو اور حضرت طلحہؓ کو اس تجسس پر مامور فرمایا، یہ دونوں حدود شام میں تجبار پہنچ

---

[1] بخاری [2] ایضا
[3] طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۱۹۳
[4] طبقات ابن سعد حصہ بدریئن ترجمہ سعید بن زیدؓ

کر کشد جہنی کے مہمان ہوئے اور جب قافلہ وہاں سے آگے بڑھا تو نظر بچا کر تیزی کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے کہ رسالت مآب ﷺ کو پوری کیفیت سے مطلع کریں، لیکن قافلہ نے کچھ سن گن پا کر ساحلی راستہ اختیار کیا، اور کفار قریش کی ایک بڑی جمعیت کے جو اس کی مدد کے لئے آئی تھی، اور پرستاران حق کے درمیان بدر کے میدان میں وہ مشہور معرکہ پیش آیا جس نے اسلام کو ہمیشہ کے لئے سر بلند کر دیا۔

غرض جس وقت حضرت سعیدؓ مدینہ پہنچے اس وقت غازیان دین فاتحانہ سرور و انبساط کے ساتھ میدان جنگ سے واپس آرہے تھے، چونکہ یہ بھی ایک خدمت پر مامور تھے اس لئے رسول ﷺ نے ان کو بدر کے مال غنیمت میں حصہ مرحمت فرمایا اور جہاد کے ثواب سے بھی بہرہ ور ہونے کی بشارت دی۔[1]

حضرت سعیدؓ جنگ بدر کے سوا تمام غزوات میں مردانگی وشجاعت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہمرکاب رہے، لیکن افسوس ہے کہ کسی غزوہ کے متعلق کوئی تفصیلی واقعہ نہیں ملتا۔

عہد فاروقی میں جب شام پر باقاعدہ فوج کشی ہوئی تو حضرت سعیدؓ حضرت ابوعبیدہؓ کے ماتحت پیدل فوج کی افسری پر متعین ہوئے، دمشق کے محاصرہ اور یرموک کی فیصلہ کن جنگ میں نمایاں شجاعت وجانبازی کے ساتھ شریک کارزار تھے، اثنائے جنگ میں حضرت ابوعبیدہؓ نے ان کو دمشق کی گورنری پر مامور کیا، لیکن شوق جہاد نے اس سے بیزار کر دیا، حضرت ابوعبیدہؓ کو لکھا کہ میں ایسا ایثار نہیں کر سکتا کہ آپ لوگ جہاد کریں اور میں اس سے محروم رہوں، اس لئے خط پہنچنے کے ساتھ ہی کسی کو میری جگہ بھیج دیجئے میں عنقریب آپ کے پاس پہنچتا ہوں حضرت ابوعبیدہؓ نے مجبور ہو کر حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کو دمشق پر متعین کیا اور حضرت سعیدؓ پھر میدان رزم میں پہنچ گئے۔

وفات...... فتح شام کے بعد حضرت سعیدؓ کی تمام زندگی نہایت سکون وخاموشی سے بسر ہوئی، یہاں تک کہ ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں ستر برس تک اس سرائے فانی میں رہ کر رحلت گزین عالم جاوداں ہوئے، چونکہ نواح مدینہ میں بمقام عقیق آپ کا مستقل مسکن تھا، اس لئے وہیں وفات پائی جمعہ کا دن تھا عبداللہ بن عمرؓ نماز جمعہ کی تیاری کر رہے تھے کہ وفات کی خبر سنی، اسی وقت عقیق کی طرف روانہ ہو گئے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے غسل دیا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور مدینہ لا کر سپرد خاک کیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون[2]

ذاتی حالات اور اخلاق و عادات...... حضرت سعیدؓ کا دل دنیاوی جاہ وحشمت سے مستغنی تھا، صرف مقام عقیق کی جاگیر پر گذر اوقات تھی، آخر میں حضرت عثمانؓ نے عراق میں بھی

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ بدریین تذکرہ سعید بن زیدؓ
[2] طبقات ابن سعد حصہ بدریین تذکرہ سعید بن زیدؓ

ایک جاگیر دی تھی۔

امیر معاویہؓ کے عہد میں اروی نامی ایک عورت نے جس کی زمین ان کی جاگیر سے ملی ہوئی تھی، مدینہ کے عامل مروان بن حکم کے دربار میں شکایت کی کہ انہوں نے اس کی کچھ زمین دبالی ہے، مروان نے تحقیقات کے لئے دو آدمی متعین کیے، حضرت سعیدؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "جو اپنے مال کے آگے قتل ہو وہ شہید ہے"۔ ا پھر مروان سے کہا "کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں نے اس کے ساتھ ظلم کیا ہے؟ حالانکہ میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی ایک بالشت زمین بھی ظلم وزبردستی سے لے گا تو ویسی سات زمینیں قیامت میں اس کے گلے کا ہار ہوں گی" مروان نے قسم کھانے کو کہا یہ اپنی زمین سے باز آگئے اور اس عورت کے حق میں بددعا کے طور پر فرمایا "اے خدا! اگر یہ جھوٹی ہے تو اندھی ہو کر مرے اور اس کے گھر کا کنواں خود اس کے لئے قبر بنے، خدا کی قدرت بددعا کا تیر ٹھیک نشانہ پر لگا، وہ عورت بہت جلد بصارت کی نعمت سے محروم ہوگئی اور ایک روز گھر کے کنویں میں گر کر راہی عدم ہوئی، چنانچہ یہ واقعہ اہل مدینہ کے لئے ضرب المثل ہو گیا اور وہ عموماً یہ بددعا دینے لگے، اعماک اللہ کما اعمی اروی

حضرت سعیدؓ کے سامنے بہت سے انقلابات برپا ہوئے، بیسوں خانہ جنگیاں پیش آئیں اور گو وہ اپنے زہد واتقاء کے باعث ان جھگڑوں سے ہمیشہ کنارہ کش رہے تاہم جس کی نسبت جو رائے رکھتے تھے اس کو آزادی کے ساتھ ظاہر کرنے میں شامل نہیں کرتے تھے، حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تو وہ عموماً کوفہ کی مسجد میں فرمایا کرتے تھے، "تم لوگوں نے عثمانؓ کے ساتھ جو سلوک کیا، اس سے اگر کوہ احد متزلزل ہو جائے تو کچھ عجب نہیں"۔ ۲

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ امیر معاویہؓ کی طرف سے کوفہ کے گورنر، ایک روز وہ جامع مسجد میں عوام کے ایک حلقہ میں بیٹھے تھے کہ حضرت سعیدؓ بن زیدؓ داخل ہوئے تو انہوں نے نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور اپنے پاس بٹھایا، اسی اثناء میں ایک دوسرا آدمی اندر آیا اور حضرت علیؓ کی شان میں ناملائم کلمات استعمال کرنے لگا، حضرت سعیدؓ سے ضبط نہ ہوسکا بولے "مغیرہ! مغیرہ! لوگ تمہارے سامنے رسول ﷺ کے جان نثاروں کو گالیاں دیتے ہیں اور تم منع نہیں کرتے، اس کے بعد اصحاب عشرہؓ سے آٹھ آدمیوں کا نام لے کر فرمایا کہ رسول ﷺ نے ان کو جنت کی بشارت دی ہے اور اگر چاہو تو میں نویں آدمی کا نام بھی لے سکتا ہوں، لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا نواں میں ہوں ۔ ۳

حضرت سعیدؓ کے حالات کتب میں بہت کم ہیں تاہم وہ بالاتفاق ان صحابہ کرامؓ میں تھے جو

---

۱ بخاری باب بنیان الکعبہ باب اسلام سعید بن زیدؓ

۲ مسند جلد ا ص ۱۸۷

۳ استیعاب جلد ۲ ص ۵۵۴

آسمان اسلام کے مہر و ماہ ہیں، وہ لڑائیوں میں آنحضرت ﷺ کے آگے رہتے تھے اور نماز میں پیچھے۔[1]

حلیہ یہ تھا : قد لمبا، بال بڑے بڑے اور گھنے۔

اہل وعیال...... حضرت سعیدؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کی تھیں، بیویوں کے نام یہ ہیں، فاطمہ، ام الجمیل، جلیسہ بنت سوید، امامہ بنت الدجیج، حزمہ بنت قیس، ام الاسود، صخ بنت الاصبغ بنت قربہ، ام خالد، ام بشیر بنت ابی مسعود انصاری۔

ان بیویوں نیز لونڈیوں کے بطن سے نہایت کثرت کے ساتھ اولاد ہوئی، لیکن ان میں سے اکثر لاولد ہوئی، جن لڑکیوں اور لڑکوں کے نام معلوم ہو سکے، وہ علیحدہ علیحدہ درج ذیل ہیں۔

لڑکے...... عبدالرحمٰن اکبر، عبدالرحمٰن اصغر، عبداللہ اکبر، عبداللہ اصغر، عمر اکبر، عمر اصغر، محمد، اسود، زید، طلحہ، خالد، ابرہیم اکبر، ابرہیم اصغر۔

لڑکیاں...... عاتکہ، ام موسیٰ، ام الحسن، ام سلمٰی، ام حبیب کبریٰ، ام حبیب صغریٰ، ام زید کبریٰ، ام زید صغریٰ، ام سعید، ام سلمہ، حفصہ، ام خالد، عائشہ، زینب، ام عبدالحولا، ام صالح۔[2]

---

[1] اسد الغابہ ترجمہ سعید بن زیدؓ

[2] طبقات ابن سعد قسم جزو ثالث سے ازواج و اولاد کی تمام تفصیل ماخوذ ہے

سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبد المطلبؓ

نام ونسب...... حمزہ نام، ابو یعلیٰ اور ابو عمارہ کنیت، اسد اللہ لقب، آنحضرت ﷺ کے حقیقی چچا تھے، ماں کی طرف سے یہ تعلق تھا کہ ان کی والدہ ہالہ بنت وہیب سرور کائنات ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کی چچا زاد بہن تھیں، پورا سلسلہ نسب یہ ہے حمزہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی۔

اس نسبی تعلق کے علاوہ حضرت حمزہؓ آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے، یعنی ابولہب کی لونڈی حضرت ثوبیہؓ نے دونوں کو دودھ پلایا تھا، عمر میں حضور ﷺ سے دو برس بڑے تھے، شمشیر زنی، تیر اندازی اور پہلوانی کا بچپن ہی سے شوق تھا، سیر وشکار سے بھی غیر معمولی دلچسپی تھی چنانچہ زندگی کا بڑا حصہ اسی مشغلہ میں بسر ہوا۔

اسلام...... دعوت توحید کی صدا گو ایک عرصہ سے مکہ کی گھاٹیوں میں گونج رہی تھی، تاہم حضرت حمزہؓ جیسے سپاہی منش کو ان باتوں سے کیا تعلق؟ انہیں صحرا نوردی اور سیر وشکار سے کب فرصت تھی جو شرک وتوحید کی حقانیت پر غور کرتے لیکن خدا نے عجیب طرح سے ان کی رہنمائی کی، ایک روز حسب معمول شکار سے واپس آرہے تھے، کوہ صفا کے پاس پہنچے تو ایک لونڈی نے کہا ”ابو عمارہ! کاش تھوڑی دیر پہلے تم اپنے بھتیجے محمد کا حال دیکھتے، وہ خانہ کعبہ میں اپنے مذہب کا وعظ کہہ رہے تھے کہ ابو جہل نے نہایت سخت گالیاں دیں اور بہت بری طرح ستایا، لیکن محمدؐ نے کچھ جواب نہ دیا اور بے بسی کے ساتھ لوٹ گئے، یہ سننا تھا کہ رگ حمیت میں جوش آگیا، تیزی کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف بڑھے، ان کا قاعدہ تھا کہ شکار سے واپس آتے ہوئے کوئی راہ میں مل جاتا تو کھڑے ہو کر ضرور اس سے دو دو باتیں کر لیتے تھے، لیکن اس وقت جوش انتقام نے مغضوب الغضب کر دیا تھا، کسی طرف متوجہ نہ ہوئے اور سیدھے خانہ کعبہ پہنچ کر ابو جہل کے سر پر زور سے اپنی کمان دے ماری جس سے وہ زخمی ہو گیا، یہ دیکھ کر بنی مخزوم کے چند آدمی ابو جہل کی مدد کے لئے دوڑے اور بولے ”حمزہ! شاید تم بھی بددین ہو گئے، فرمایا ”جب اس کی حقانیت مجھ پر ظاہر ہوگی تو کون چیز اس سے باز رکھ سکتی ہے؟ ہاں! میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ خدا کے رسول ہیں، اور جو کچھ وہ کہتے ہیں سب حق ہے، خدا کی قسم! میں اس سے پھر نہیں سکتا، اگر تم سچے ہو تو مجھے روک کر دیکھ لو“ ابو جہل نے کہا ابو عمارہ کو چھوڑ دو، خدا کی قسم! میں نے ابھی اس کے بھتیجے کو سخت گالیاں دی ہیں۔

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۹۳

یہ اسلام کا وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت ﷺ ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزین تھے، اور مومنین کا حلقہ صرف چند کمزور و ناتواں ہستیوں پر محدود تھا، لیکن حضرت حمزہؓ کے اضافہ سے دفعۃً حالت بدل گئی اور کفار کی مطلق العنان دست درازیوں اور ایذا رسانیوں کا سد باب ہو گیا، کیونکہ ان کی شجاعت و جانبازی کا تمام مکہ لوہا مانتا تھا۔[1]

حضرت امیر حمزہؓ کے اسلام لانے کے بعد ایک روز حضرت عمرؓ نے آستانہ نبویؐ پر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف تھے، اس لئے صحابہ کرام کو تردد ہوا لیکن اس شیر خدا نے کہا "کچھ مضائقہ نہیں آنے دو، اگر مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے اسکا سر قلم کر دوں گا"، غرض وہ اندر داخل ہوئے اور کلمہ توحید ان کی زبان پر تھا اور مسلمان جوش مسرت سے اللہ اکبر کے نعرے بلند کر رہے تھے۔[2]

مواخات...... مکہ کی مواخات میں حضرت خیر الانام ﷺ کے محبوب غلام حضرت زید بن حارثہؓ حضرت حمزہؓ کے اسلامی بھائی قرار پائے ان کو حضرت زیدؓ سے اس قدر محبت ہوگئی تھی کہ جب غزوات میں تشریف لے جاتے تو ان ہی کو ہر قسم کی وصیت کر جاتے تھے۔[3]

ہجرت...... بعثت کے تیرہویں سال تمام صحابہ کرامؓ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے، جہاں ان کو زور بازو اور خداداد شجاعت کے جوہر دکھانے کا نہایت اچھا موقع ہاتھ آیا، چنانچہ، پہلا اسلامی پھریرا ان ہی کو عنایت ہوا، اور تین آدمیوں کے ساتھ ساحلی علاقہ کی طرف روانہ کیے گئے کہ قریشی قافلوں کے سدراہ ہوں، غرض وہاں پہنچ کر ابوجہل کے قافلہ سے جس میں تین سو سوار تھے مڈبھیڑ ہوئی اور طرفین نے جنگ کے لئے صف بندی کی، لیکن مجدی بن عمرو الجہنی نے بیچ بچاؤ کر کے لڑائی روک دی اور حضرت امیر حمزہؓ بغیر کشت وخون واپس آئے۔[4]

غزوات...... اسی سال ماہ صفر میں خود سرور کائنات ﷺ نے سب سے پہلی دفعہ تقریباً ساٹھ صحابہ کرامؓ کے ساتھ قریش مکہ کی نقل وحرکت میں سدراہ ہونے کے لئے ابواپر فوج کشی فرمائی، حضرت حمزہؓ علمبردار تھے اور تمام فوج کی کمان ان کے ہاتھ میں تھی، لیکن قریش کا قافلہ آگے بڑھ چکا تھا، اس لئے جنگ وجدل کا موقع پیش نہ آیا تاہم اس مہم کا سب سے زیادہ نتیجہ خیز اثر یہ تھا کہ بنوضمرہ سے ایک دوستانہ معاہدہ طے پا گیا۔[5]

اسی طرح ۲ھ میں غزوہ عشیرہ پیش آیا، اس میں بھی علمبرداری کا طرۂ افتخار حضرت امیر حمزہؓ کے دستار فضل وکمال پر آویزاں تھا، لیکن اس دفعہ بھی کوئی جنگ واقع نہ ہوئی اور صرف

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حمزہؓ
[2] طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳، ص ۹۴
[3] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث
[4] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۲
[5] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۳

بنومدلج سے امداد باہمی کا ایک عہدنامہ طے پایا۔[1]

غزوۂ بدر...... اسی سال بدر کا مشہور معرکہ پیش آیا، صف آرائی کے بعد عتبہ، شیبہ، اور ولید نے کفار کی طرف سے نکل کر مبارز طلبی کی تو غازیان دین میں سے چند انصار نوجوان مقابلہ کے لئے آگے بڑھے لیکن عتبہ نے پکار کر کہا "محمدؐ! ہم ناجنسوں سے نہیں لڑ سکتے، ہمارے مقابل والوں کو بھیجو" ارشاد ہوا "حمزہؓ، علیؓ عبیدہؓ! اٹھو اور آگے بڑھو، حکم کی دیر تھی کہ یہ تینوں نبرد آزما بہادر نیزے ہلاتے ہوئے اپنے حریف کے مقابل جا کھڑے ہوئے، حضرت حمزہؓ نے پہلے ہی حملہ میں عتبہ کو واصل جہنم کیا، حضرت علیؓ بھی اپنے حریف پر غالب آئے، لیکن حضرت ابوعبیدہؓ اور ولید میں دیر تک کشمکش جاری رہی، وہ زخمی ہو گئے تو ان دونوں نے ایک ساتھ حملہ کر کے ان کو تہ تیغ کر دیا،[2] یہ دیکھ کر طعیمہ بن عدی جوش انتقام میں آگے بڑھے لیکن شیر خدا نے ایک ہی وار میں اس کو بھی ڈھیر کر دیا، مشرکین نے طیش میں آ کر عام ہلہ کر دیا، دوسری طرف سے مجاہدین اسلام بھی اپنے دلاوروں کو نرغہ میں دیکھ کر ٹوٹ پڑے، نہایت گھمسان کا رن پڑا، اسد اللہ حمزہؓ کے دستار پر شترمرغ کی کلغی تھی اس لئے جس طرف گھس جاتے تھے صاف نظر آتے تھے، دونوں ہاتھ میں تلوار تھی اور مردانہ وار دودستی حملوں سے پرے کا پرا صاف کر رہے تھے، غرض جب تھوڑی دیر میں غنیم بہت سے قیدی اور مال غنیمت چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا تو بعض قیدیوں سے پوچھا "یہ کلغی لگائے کون ہے؟" لوگوں نے کہا "حمزہ!" بولا "آج ہم کو سب سے زیادہ نقصان اسی نے پہنچایا"[3]

غزوۂ بنی قینقاع...... بنوقینقاع نام کی اطراف مدینہ میں یہودیوں کی ایک جماعت تھی، چونکہ یہ عبداللہ بن ابی سلول کے حلیف تھے، اس لئے رسول ﷺ سے دوستانہ معاہدہ طے پا گیا تھا، لیکن غزوۂ بدر کی کامیابی نے ان کے دلوں میں رشک وحسد کی آگ بھڑکا دی اور علانیہ سرکشی پر آمادہ ہو گئے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس عہد شکنی کے باعث اسی سال ماہ شوال میں ان پر فوج کشی فرمائی، اور بزور اطراف مدینہ سے جلاوطن کر دیا، حضرت حمزہؓ اس معرکہ میں بھی علمبرداری کے منصب پر مامور تھے۔[4]

غزوۂ احد...... بدر کی شکست فاش نے مشرکین قریش کے توسن غیرت کے لئے تازیانہ کا کام کیا اور جوش انتقام سے برانگیختہ ہو کر ۳ھ میں قریش کا سیلاب عظیم پھر مدینہ کی طرف بڑھا، حضرت سرور کائنات ﷺ نے اپنے جان نثاروں کے ساتھ نکل کر کوہ احد کے دامن میں اس کو روکا ۷ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی، کفار کی طرف سے سباع نے بڑھ کر مبارز طلبی کی تو حضرت امیر حمزہؓ اپنی شمشیر خاراشگاف تولتے ہوئے میدان میں آئے اور للکار کر کہا "اے سباع!

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۴
[2] ابوداؤد جلد ۱ ص ۲۶۳،
[3] اسد الغابہ تذکرہ حمزہ
[4] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۹

اے ام انمار مضغہ نجس کے بچے! کیا تو خدا اور اس کے رسول سے لڑنے آیا ہے" یہ کہہ کر اس زور سے حملہ کیا کہ ایک ہی وار میں اس کا کام تمام ہو گیا[1] اس کے بعد گھمسان کی جنگ شروع ہوئی، اس شیر خدا نے روباہ کفر کے ٹڈی دل میں گھس کر کشتوں کے پشتے لگا دیئے اور جس طرف جھک پڑے صفیں کی صفیں الٹ دیں، غرض اس جوش سے لڑے کے تنہا تیں کافروں کو واصل جہنم کر دیا۔[2]

شہادت...... حضرت امیر حمزہؓ نے چونکہ جنگ بدر میں چن چن کر اکثر صنادید قریش کو تہ تیغ کیا تھا اس لئے تمام مشرکین قریش سب سے زیادہ ان کے خون کے پیاسے تھے، چنانچہ جبیر بن مطعم نے ایک غلام کو جس کا نام وحشی تھا، اپنے چچا طعیمہ بن عدی کے انتقام پر خاص طور سے تیار کیا تھا اور اس صلہ میں.......... آزادی کا لالچ دلایا تھا، غرض وہ جنگ احد کے موقع پر ایک چٹان کے پیچھے گھات میں بیٹھا ہوا حضرت حمزہؓ کا انتظار کر رہا تھا، اتفاقاً وہ ایک دفعہ قریب سے گذرے تو اس۔ نے اچانک اس زور سے اپنا حربہ پھینک کر مارا کر دو ٹکڑے ہو کر گر پڑے،[3] اس شیر خدا کی شہادت پر کفار کی عورتوں نے خوشی و مسرت کے ترانے گائے، ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے ناک کان کاٹ کر زیور بنائے، نیز شکم چاک کر کے جگر نکالا اور چبا چبا کر تھوک دیا، حضرت سرور کائنات ﷺ نے سنا تو پوچھا "کیا اس نے کچھ کھایا بھی ہے" لوگوں نے عرض کی نہیں "فرمایا اے خدا! حمزہ کے کسی جزو کو جہنم میں داخل ہونے نہ دینا"۔[4]

تجہیز و تکفین...... اختتام جنگ کے بعد شہدائے اسلام کی تجہیز و تکفین شروع ہوئی، حضرت سرور کائنات ﷺ اپنے عم محترم کی لاش پر تشریف لائے، چونکہ ہندہ نے ناک کان کاٹ کر نہایت دردناک صورت بنادی تھی، اس لئے یہ منظر دیکھ کر بے اختیار دل بھر آیا اور مخاطب ہو کر فرمایا: تم پر خدا کی رحمت ہے، کیونکہ تم رشتہ داروں کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے، نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے، اگر مجھے صفیہ کے رنج وغم کا خیال نہ ہوتا تو میں تمہیں اسی طرح چھوڑ دیتا کہ درند اور پرند کھا جائیں، اور تم قیامت میں ان ہی کے شکم سے اٹھائے جاتے، خدا کی قسم! مجھ پر تمہارا انتقام واجب ہے، میں تمہارے عوض ستر کافروں کا مثلہ کروں گا"، لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد وحی الٰہی نے اس ناجائز انتقام کی ممانعت کر دی، اس لئے کفارۂ یمین ادا کر کے صبر و شکیبائی اختیار فرمائی،[5]

حضرت صفیہؓ حضرت امیر حمزہؓ کی حقیقی بہن تھیں، بھائی کی شہادت کا حال سنا تو روتے ہوئے جنازہ کے پاس آئیں، لیکن آنحضرت ﷺ نے دیکھنے نہ دی اور تسلی و تشفی دے کر واپس فرمایا، حضرت صفیہؓ اپنے صاحبزادہ حضرت زبیرؓ کو دو چادریں دے گئی تھیں کہ ان سے کفن کا

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب قتل حمزہؓ، [2] اسد الغابہ تذکرہ حمزہؓ،
[3] بخاری باب قتل حمزہؓ، [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۷
[5] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۷

کام لیا جائے، لیکن پہلو میں ایک انصاری کی لاش بھی بے گور وکفن تھی، اس لئے انہوں نے دونوں شہیدانِ ملت میں ایک ایک چادر تقسیم کر دی، اس ایک چادر سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر برہنہ ہو جاتا تھا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ چادر سے چہرہ چھپا دو اور پاؤں پر گھاس اور پتے ڈال دو غرض اس عبرت انگیز طریقہ سے سید الشہداء کا جنازہ تیار ہوا، سرورِ کائنات ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی، اس کے بعد ایک ایک کر کے شہدائے احد کے جنازے ان کے پہلو میں رکھے گئے اور آپ نے علیحدہ علیحدہ ہر ایک پر نماز جنازہ پڑھائی، اسی طرح تقریباً ستر نمازوں کے بعد غازیانِ دین نے بصد اندوہ والم اس شیر خدا کو اسی میدان میں سپردِ خاک کیا۔[1]

آنحضرت ﷺ کا حزن وملال...... سرورِ کائنات ﷺ کو اس سانحہ پر شدید قلق تھا، مدینہ منورہ تشریف لائے اور بنی عبدالاشہل کی عورتوں کو اپنے اپنے اعزہ واقارب پر روتے سنا تو فرمایا "افسوس! حمزہؓ کے لئے رونے والیاں بھی نہیں" انصار نے یہ سن کر اپنی عورتوں کو آستانہ نبوت پر بھیج دیا، جنہوں نے نہایت رقت آمیز طریقہ سے سید الشہداء پر گریہ وزاری شروع کی، اسی حالت میں آنحضرت ﷺ کی آنکھ لگ گئی، کچھ دیر کے بعد بیدار ہوئے تو دیکھا کہ وہ اب تک رو رہی ہیں، فرمایا کیا "یہ سب اب تک یہیں بیٹھی رو رہی ہیں، انہیں حکم دو کہ واپس جائیں اور آج کے بعد پھر کسی مرنے والے پر نہ روئیں"[2] بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت سے مدینہ کی عورتوں کا یہی دستور ہو گیا تھا کہ جب وہ کسی پر روتی تھیں تو پہلے حضرت امیر حمزہؓ پر دو آنسو بہا لیتی تھیں۔

قاتل سے بیزاری...... حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشیؓ اسلام قبول کر کے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے دیکھ کر پوچھا "کیا تم ہی وحشی ہو؟" عرض کی "ہاں" فرمایا "تم نے حمزہؓ کو قتل کیا تھا؟" بولے "حضور کو جو کچھ معلوم ہوا وہ صحیح ہے" ارشاد ہوا "کیا تم اپنا چہرہ مجھ سے چھپا سکتے ہو؟ غرض اسی وقت باہر آنا پڑا، اور پھر تمام عمر سامنے نہ جا سکے، آنحضرت ﷺ کے بعد جب مسیلمہ کذاب پر فوج کشی ہوئی تو یہ بھی اس میں شریک ہوئے کہ شاید میں اس کو قتل کر کے حمزہؓ کے نقصان کی تلافی کر سکوں، چنانچہ وہ اس ارادہ میں کامیاب ہوئے،[3] اس طرح خدا نے ان کی ذات سے اسلام کو جس قدر نقصان پہنچایا تھا اس سے زیادہ فائدہ پہنچایا۔

اخلاق...... حضرت امیر حمزہؓ کے اخلاق میں سپاہیانہ خصائل نہایت نمایاں ہیں، شجاعت جانبازی، اور بہادری ان کے مخصوص اوصاف تھے، مزاج قدرۃً تیز وتند تھا، شراب حرام ہونے سے پہلے اس کے عادی تھے، ایک دفعہ ایک انصار کے میخانہ میں صحبت احباب گرم تھی، اور دورِ ساغر کے ساتھ ایک رقاصہ کی خوش الحان راگنیوں سے محل کا رنگ جما ہوا تھا، اسی حالت میں

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۹
[2] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۱۰،　　[3] بخاری باب قتل حمزہؓ

اس نے دواونٹوں کی طرف اشارہ کر کے جو سامنے بندھے ہوئے تھے یہ مصرعہ پڑھا

الا یا حمزۃ للشرف النواء

حضرت حمزہؓ نشہ کی مدہوشی میں بے اختیار کود ے اور دونوں کے جگر اور کوہان کاٹ لائے ، یہ اونٹ حضرت علیؓ کے تھے، انہوں نے یہ حال دیکھا تو آبدیدہ ہوکر دربار نبوت میں شکایت کی، آنحضرت ﷺ ان کو اور حضرت زید بن حارثہؓ کو ساتھ لئے ہوئے اسی وقت اس محفل طرب میں تشریف لائے اور حضرت حمزہؓ کو ملامت فرمانے لگے، لیکن یہاں ہوش وحواس کا قبضہ ہو چکا تھا، انہوں نے ایک دفعہ سر سے پاؤں تک آنحضرت ﷺ کو گھور کر دیکھا اور آنکھیں لال پیلی کر کے بولے" تم سب میرے باپ کے غلام ہو، آپ نے مدہوشی کی یہ کیفیت دیکھی تو الٹے پاؤں لوٹ آئے۔[۱]

حضرت امیر حمزہؓ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور تمام نیک کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے، چنانچہ شہادت کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کی لاش سے مخاطب ہوکر اس طرح ان محاسن کی داد دی تھی۔

رحمة اللّٰه علیک فانک کنت ما علمت وصولا للرحم فعولا للخیرات ۔[۲]

"تم پر خدا کی رحمت ہو کیونکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے تم قرابت داری کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے، نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے"،

ازواج واولاد...... حضرت حمزہؓ نے متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں، بنت الملہ ، خولہ بنت قیس، سلمٰی بنت عمیس، ان میں سے ہر ایک کے بطن سے اولاد ہوئی، لڑکوں کے نام یہ ہیں، ابویعلی، عامر، عمارہ آخر الذکر دونوں لاولد فوت ہوئے، ابو یعلی سے چند اولادیں ہوئیں لیکن وہ سب بچپن ہی میں قضا کر گئیں، اس طرح حضرت حمزہ کا سلسلہ نسل شروع ہی میں منقطع ہو گیا ،[۳] سلمٰی بنت عمیس کے بطن سے امامہ نامی ایک لڑکی بھی تھی، فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مراجعت فرمائی تو بھائی بھائی کہہ کر اس نے پیچھا کیا، حضرت حمزہؓ کے رشتہ داروں میں سے حضرت علیؓ ، حضرت جعفرؓ، اور حضرت زید بن حارثہؓ نے ان کو اپنی اپنی تربیت میں لینے کا دعوی پیش کیا، لیکن آپ نے حضرت جعفرؓ کے حق میں فیصلہ دیا کیونکہ ان کی بیوی اسماء بنت عمیس امامہؓ کی حقیقی خالہ تھیں، حضرت علیؓ نے آنحضرت ﷺ کو امامہؓ سے شادی کر لینے کی ترغیب دی تھی، لیکن آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا حمزہؓ میرا رضاعی بھائی تھا۔[۴]

---

[۱] بخاری کتاب فرض الخمس [۲] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۷
[۳] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۷
[۴] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۷

حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ

نام ونسب...... عباس نام، ابوالفضل کنیت، والد کا نام عبدالمطلب اور والدہ کا نام نتیلہ تھا شجرہ نسب یہ ہے۔

عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف الہاشمی القرشی۔

آنحضرت ﷺ کے چچا تھے، لیکن عمر میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا، غالباً حضرت عباسؓ دو یا تین برس آپ سے پہلے پیدا ہوئے تھے[1]

ابتدائی حالات...... حضرت عباسؓ عہد طفولیت میں ایک مرتبہ گم ہو گئے تھے، ان کی والدہ نے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھانے کی نذر مانی، چنانچہ ان کے صحیح وسلامت مل جانے کے بعد نہایت تزک واحتشام کے ساتھ یہ نذر پوری کی گئی، بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پہلی عرب خاتون تھی، جنہوں نے ایام جاہلیت میں خانہ کعبہ کو دیبا وحریر سے مزین کیا[2]

زمانہ جاہلیت میں وہ قریش کے ایک سر برآوردہ رئیس تھے، خانہ کعبہ کا اہتمام وانصرام اور لوگوں کو پانی پلانے کا عہدہ ان کو اپنے والد عبدالمطلب سے وراثت میں ملا تھا[3]

آنحضرت ﷺ کو خلعت نبوت عطا ہوا اور آپ نے مکہ میں علانیہ دعوت توحید کی صدا بلند فرمائی تو حضرت عباسؓ نے گو بظاہر ایک عرصہ تک بیعت کے لئے ہاتھ نہیں بڑھایا، تاہم دل سے وہ اس تحریک کے حامی تھے، چنانچہ اہل یثرب نے جب رسالت پناہ ﷺ کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی اور زمانہ حج میں بہتر انصار نے کفار سے چھپ کر منی کی ایک گھاٹی میں آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس ازداری کے موقع پر حضرت عباسؓ بھی موجود تھے، انہوں نے انصار سے خطاب کر کے کہا ”گروہ خزرج! تم کو معلوم ہے کہ محمد ﷺ اپنے خاندان میں معزز ومحترم رہے ہیں اور دشمنوں کے مقابلہ میں ہم نے ہمیشہ ان کی حفاظت کی ہے، اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں، اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی سے صاف جواب دے دو[4] انصارؓ نے اس کو جواب میں جانثاری ووفا شعاری کی حامی بھری اور اس کے کچھ عرصہ کے بعد ہی آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔

---

[1] استیعاب تذکرہ عباس بن عبدالمطلبؓ،
[2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۰۹، [3] ایضا۔
[4] سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۲۴۲،

جنگ بدر...... مشرکین قریش کے مجبور کرنے پر ان کے ساتھ معرکہ بدر میں شریک ہوئے، لیکن رسول اللہ ﷺ حقیقت حال سے آگاہ تھے، آپ نے صحابہ کرامؓ کو ہدایت فرمائی کہ اگر اثنا ئے جنگ میں ابوالبختری عباس اور دوسرے بنی ہاشم سامنے آجائیں تو قتل نہ کیے جائیں، کیونکہ وہ زبردستی میدان میں لائے گئے ہیں، حضرت ابوحذیفہؓ بول اٹھے کہ ''ہم اپنے باپ، بیٹے، بھائی سے درگذر نہیں کرتے، تو بنی ہاشم میں کیا خصوصیت ہے؟ واللہ! اگر عباس مجھ کو ہاتھ آئیں گے تو میں ان کو تلوار کی لگام دوں گا، آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ''ابو حفص! دیکھتے ہو، عم رسول کا چہرہ تلوار کے قابل ہے؟'' حضرت عمرؓ نے کہا ''اجازت دیجئے کہ اس کا سر اڑادوں''، لیکن حضرت ابوحذیفہؓ ایک بلند پایہ صحابی تھے، یہ جملہ اتفاقاً زبان سے نکل گیا تھا آپ نے کچھ مواخذہ نہ فرمایا۔[1]

اس جنگ میں دوسرے مشرکین قریش کے ساتھ حضرت عباسؓ، عقیلؓ اور نوفل بن حارث بھی گرفتار ہوئے تھے، اتفاق سے حضرت عباسؓ کی مشکیں اس قدر کس کر باندھی گئی تھیں کی وہ دردناک آواز کے ساتھ کراہ رہے تھے، یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ انکی کراہ سن کر رات کو آرام نہ فرما سکے، صحابہ کرامؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ان کی مشکیں ڈھیلی کردیں۔[2]

اسیران جنگ کے پاس کپڑے نہ تھے، آنحضرت ﷺ نے سب کو کپڑے دلوائے لیکن حضرت عباسؓ کا قد اس قدر اونچا تھا کہ کسی کا کرتا، ان کے بدن پر ٹھیک نہیں اترتا تھا، عبداللہ بن ابی نے جو کہ حضرت عباسؓ کا ہم قد تھا، اپنا کرتا منگوا کر دیا،[3] آنحضرت ﷺ نے منافق ہونے کے باوجود مرنے کے بعد اس کی لاش کو اپنا کرتا پہنانے کے لئے دیا، وہ درحقیقت اسی احسان کا معاوضہ تھا۔

دربار رسالت نے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا، چونکہ حضرت عباسؓ کی والدہ انصار کے ایک قبیلہ (خزرج سے تھیں) اس لئے انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ عباسؓ ہمارے بھانجے ہیں ہم ان کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں، لیکن آنحضرت ﷺ نے مساوات کی بناپر گوارہ نہیں فرمایا اور دولت مند ہونے کے باعث ان سے ایک بڑی رقم طلب فرمائی،[4] حضرت عباسؓ نے ناداری کا عذر پیش کر کے کہا ''میں دل سے پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا، مشرکین نے مجھ کو بجبر اس جنگ میں شریک کیا، ارشاد ہوا کہ دل کا حال خدا جانتا ہے اگر آپ کا دعوی صحیح ہے تو خدا اس کا اجر دے گا، لیکن ظاہری حالت کے لحاظ سے کوئی رعایت نہیں ہو سکتی، ناداری کا عذر بھی قابل تسلیم نہیں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ مکہ میں ام الفضل کے پاس ایک بڑی رقم رکھ آئے ہیں، حضرت عباسؓ نے متعجب ہو کر کہا خدا کی قسم! اس رقم کا حال میرے

[1] ابن سعد قسم اول جز ۴ ص ۵
[2] ابن سعد قسم اول جز ۴ ص ۷،
[3] طبقات ابن سعد قسم اول دورد ربع ص ۷، [4] بخاری جلد ۲ ص ۵۷۲

اور ام الفضل کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا، بے شک آپ رسول خدا ہیں اور اپنی طرف سے نیز اپنے بھتیجے عقیل ونوفل بن حارث کی طرف سے گرانقدر فدیہ دے کر مخلص حاصل کی۔[1]

تاخیر اسلام اور قیام مکہ کی غایت...... حضرت عباسؓ کا ایک عرصہ تک مکہ میں مقیم رہنا اور علانیہ دائرہ اسلام میں داخل نہ ہونا درحقیقت ایک مصلحت پر مبنی تھا، وہ کفار مکہ کی نقل و حرکت اور ان کے رازہائے سربستہ سے رسول ﷺ کو اطلاع دیتے تھے، نیز اس سرزمین کفر میں جو ضعفائے اسلام رہ گئے تھے ان کے لئے تنہا مامن وملجا تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے جب کبھی رسالت پناہ ﷺ سے ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپ نے باز رکھا اور فرمایا کہ ''آپ کا مکہ میں مقیم رہنا بہتر ہے، خدا نے جس طرح مجھ پر نبوت ختم کی ہے اسی طرح آپ پر ہجرت ختم کرے گا''۔[2]

گو حضرت عباسؓ نے عرصہ تک اپنے ایمان وعقیدہ کو مشرکین قریش سے مخفی رکھا تاہم وہ اپنے دلی رجحان کو چھپا نہ سکے، ایک مرتبہ حضرت حجاج بن علاطؓ آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر مکہ آئے، اس زمانہ میں جنگ خیبر درپیش تھی، اور اہل مکہ نہایت بے چینی کے ساتھ اس کے نتیجہ پر آنکھیں لگائے ہوئے تھے، لوگوں نے ان کو مدینہ کی طرف سے آتے ہوئے دیکھ کر گھیر لیا اور جنگ کی خبر پوچھی بولے ''خیبر کی جنگ میں مسلمانوں کو نہایت عبرت ناک شکست ملی محمد ﷺ گرفتار ہوئے، اور ان کے اکثر جان نثار قتل کیے گئے ہیں، اپنا مال لینے آیا ہوں کہ دوسرے تاجروں کو خبر نہ ہونے سے پہلے اہل خیبر سے تمام مال غنیمت خرید لو۔

اس خبر سے یکایک تمام مکہ میں خوشی ومسرت کی لہر دوڑ گئی، وادی بطحا کا ہر بچہ بادہ انبساط سے مخمور ہو گیا، گھر گھر خوشی کے ترانے گائے جانے لگے، لیکن حضرت عباسؓ کا گھر ماتم کدہ تھا، وہ افسردہ دل اور مغموم صورت حجاج بن علاطؓ سے تخلیہ میں ملے اور پوچھا ''حجاج! کیا یہ خبر صحیح ہے!'' بولے ''نہیں! خدا کی قسم آپ کے لئے نہایت خوش آیند خبر ہے، خدا نے آپ کے بھتیجے کو خیبر پر کامل فتح عطا فرمائی، اکثر روسائے خیبر قتل کیے گئے ان کا تمام مال واسباب مجاہدین اسلام کے ہاتھ آیا اور میں نے رسول ﷺ کو اس حال میں چھوڑا کہ خیبر کی شہزادی داخل حرم ہو رہی تھی، میں اسلام قبول کر چکا ہوں، اور یہاں صرف اس لئے آیا ہوں کہ بلطائف الحیل اپنا مال لے کر رسول ﷺ سے جا ملوں، آپ میرے جانے کے بعد تین دن تک اس خبر کو پوشیدہ رکھیں، کیوں کہ مجھے تعاقب کا خوف ہے''۔

حضرت عباسؓ کی مسرت وانبساط کی کوئی انتہا نہ رہی، وہ بمشکل تین دن تک اس کو چھپا سکے اور چوتھے روز نہا دھو کر اور بیش قیمت کپڑے زیب بدن کر کے ہاتھ میں عصا لئے ہوئے

[1] مسند جلد ا ص ۳۶۳
[2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۱۰

خانہ کعبہ آئے اور طواف کرنے لگے، لوگوں نے چھیڑ کر کہا، ''خدا کی قسم! یہ مصیبت پر اظہار صبر ہے'' بولے ''قسم ہے اس ذات کی جس کی تم نے قسم کھائی ہرگز نہیں! بالکل غلط ہے، خیبر فتح ہو گیا اور اس کا ایک ایک چپہ محمد ﷺ اور ان کے اصحاب کے تصرف میں ہے''، لوگوں نے تعجب سے پوچھا ''یہ خبر کہاں سے آئی؟'' فرمایا حجاج بن علاطؓ نے بیان کیا جو اسلام قبول کر چکے ہیں اور یہاں محض اپنا مال لینے آئے تھے، اس حقیقت نے مشرکین مکہ کی تمام مسرت خاک میں ملا دی اور وہ ایک فریب خوردہ دشمن کی طرح دانت پیسنے لگے۔[1]

اسلام و ہجرت...... فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حضرت عباسؓ کو ہجرت کی اجازت مل گئی، چنانچہ وہ مع اہل و عیال رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علانیہ بیعت کر کے مستقل طور سے مدینہ میں سکونت پذیر ہوئے۔

غزوات...... مکہ کی فوج کشی میں شریک تھے، حنین کی جنگ میں حضرت خیر الانام (نبی ﷺ) کے ہمرکاب تھے، اور رہوار رسالت کی باگ تھامے ہوئے ساتھ ساتھ دوڑتے تھے فرماتے ہیں کہ اثنائے جنگ میں جب کفار کا غلبہ ہوا اور مسلمانوں کے منہ پھر گئے، تو ارشاد ہوا ''عباسؓ! نیزہ برداروں کو آواز دو'' فطرۃً میری آواز نہایت بلند تھی، میں نے ''این اصحاب السمرہ؟'' کا نعرہ مارا تو سب کے سب یکا یک پلٹ پڑے اور مسلمانوں کا بگڑا ہوا کھیل بن گیا[2] محاصرہ طائف، غزوہ تبوک اور حجۃ الوداع میں بھی شریک تھے۔

آنحضرت ﷺ کی وفات...... حجۃ الوداع سے واپس آکر آنحضرت ﷺ بیمار ہوئے، مرض روز بڑھتا گیا، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ اور دوسرے بنی ہاشم تیمارداری کی خدمت انجام دیتے تھے، وفات کے دن حضرت علیؓ باہر نکلے، لوگوں نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کا مزاج کیسا ہے؟ چونکہ بظاہر حالت سنبھل گئی تھی، اس لئے انہوں نے کہا کہ ''خدا کے فضل سے اب اچھے ہیں''۔ لیکن حضرت عباسؓ خاندان کا دیرینہ تجربہ رکھتے تھے، انہوں نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا ''تمہارا کیا خیال ہے؟ خدا کی قسم! تین دن کے بعد تم غلامی کرو گے، میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اس مرض میں وفات پائیں گے کیونکہ میں خاندان عبدالمطلب کے چہروں سے موت کا اندازہ کر سکتا ہوں، آؤ چلو رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد منصب خلافت کس کو حاصل ہوگا، اگر ہم مستحق ہیں تو معلوم ہو جائے گا، ورنہ عرض کریں گے کہ ہمارے لئے وصیت فرما جائیں، حضرت علیؓ نے کہا ''خدا کی قسم میں نہ پوچھوں گا، اگر پوچھنے پر آپ نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ ہمیشہ کے لئے اس سے محروم ہو جاؤں گا''[3] حضرت علیؓ کے انکار سے حضرت عباسؓ کو بھی جرأت نہ ہوئی۔

[1] اسد الغابہ تذکرہ حجاج بن علاط، [2] مسند جلد ۱ ص ۲۰۷
[3] بخاری جلد ۲ ص ۹۲۷،

غرض آنحضرت ﷺ نے اسی روز وفات پائی، حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ اور دوسرے بنو ہاشم کی مدد سے تجہیز و تکفین کی خدمت انجام دی، چونکہ وہ آنحضرت ﷺ کے عم محترم تھے، خاندان ہاشم میں سب سے معمر تھے، اس لئے تعزیت و ماتم پرسی کے خیال سے لوگ ان ہی کے پاس آئے۔[1]

بارگاہ نبوت میں اعزاز...... آنحضرت ﷺ اپنے عم محترم کی نہایت تعظیم و توقیر فرماتے تھے اور ان کی معمولی اذیت سے بھی آپ کو تکلیف ہوتی تھی، ایک مرتبہ انہوں نے بارگاہ نبوت میں شکایت کی کہ قریش جب باہم ملتے ہیں تو ان کے چہروں پر تازگی و شگفتگی برستی ہے، لیکن جب ہم سے ملتے ہیں تو بشاشت کے بجائے برہمی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، آنحضرت ﷺ یہ سن کر غضبناک ہوئے اور فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو شخص خدا اور رسول کے لئے تم لوگوں سے محبت نہ کرے گا اس کے دل میں نور ایمان نہ ہوگا۔[2] چچا باپ کا قائم مقام ہے۔

ایک دفعہ حضرت عمر بن خطابؓ مدینہ کے محصل مقرر ہوئے، انہوں نے حسب قاعدہ حضرت عباسؓ سے بھی رقم طلب کی، انہوں نے انکار کیا تو حضرت عمرؓ نے سختی سے تقاضا کیا، اور آنحضرت ﷺ سے جا کر صورت واقعہ عرض کی، آپ نے فرمایا کہ تم عباسؓ سے کیا چاہتے ہو؟ بدر کے فدیہ میں تم ان سے بہت کچھ لے چکے، عباسؓ رسول خدا کا چچا ہے اور چچا باپ ہی کا قائم مقام ہے۔[3]

خلفائے راشدین...... آنحضرت ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی حضرت عباسؓ کی عزت و احترام کا مخصوص لحاظ رکھا، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اگر کبھی گھوڑے پر سوار ہو کر ان کی طرف سے گذرتے تو تعظیماً اتر پڑتے، اور فرماتے کہ "یہ رسول اللہ ﷺ کے عم محترم ہیں۔[4]

حضرت عمرؓ اکثر ان کو اپنے مشوروں میں شریک کرتے تھے اور قحط و خشک سالی کے موقعوں پر ان سے دعائیں کراتے تھے، قحط عام الرمادہ کے موقعہ پر حضرت عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا "خدایا! پہلے ہم رسول ﷺ کا وسیلہ پکڑ کر حاضر ہوتے تھے، اور اب ہم آنحضرت ﷺ کے عم محترم کا وسیلہ لے کر آئے ہیں، ان کے طفیل میں ہم کو سیراب کر"۔[5] ان کے بعد حضرت عباسؓ نے منبر پر بیٹھ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا تو یکا یک صاف و شفاف آسمان پر لکہ ہائے ابر نمودار ہوئے اور تھوڑی ہی دیر میں باران رحمت سے تمام کوہ و بیابان جل تھل ہو گئے حضرت حسان بن ثابتؓ نے اس واقعہ کو اس طرح نظم کیا ہے۔

---

[1] استیعاب تذکرہ عباس بن عبدالمطلبؓ

[2] جامع ترمذی مناقب حضرت عباسؓ مسند جلد ۱ ص ۲۰۷،

[3] جامع ترمذی وغیرہ مناقب عباسؓ،

[4] استیعاب تذکرہ عباسؓ　　[5] بخاری جلد ۱ ص ۵۲۶

سال الامام و قد تتا بع جد بنا

فسقی الغمام بعزة العباس

امام کے دعا مانگنے پر بھی خشک سالی بڑھتی گئی لیکن عباس کی شرافت کے طفیل میں ابر نے سیراب کر دیا

عم النبی و صنو و الده الذی

و رث النبی بذاک دون الناس

''وہ آنحضرت ﷺ کے چچا اور آپ کے والد کے حقیقی بھائی ہیں انہوں نے تمام لوگوں کے مقابلہ میں رسول ﷺ کی وراثت پائی''۔

احیی الا له به البلا دفا صبحت

محضرة الا جناب بعد الباس

''ان کے طفیل میں خدا نے ملک کو زندہ کر دیا اور ناامیدی کے بعد پھر تمام میدان سرسبز ہو گئے''۔

چونکہ یہ بارش نہایت غیر متوقع تھی، اس لئے لوگ فرط مسرت سے ان کے ہاتھ پاؤں چوم چوم کر کہتے تھے ''ساقی حرمین! مبارک ہو، ساقی حرمین! مبارک ہو''[1]

وفات...... حضرت عباسؓ اٹھاسی (۸۸) برس کی عمر پا کر ۳۲ھ میں بماہ رجب یا رمضان جمعہ کے روز رہ گزین عالم جاوداں ہوئے، خلیفہ ثالثؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے قبر میں اتر کر سپرد خاک کیا۔[2]

اخلاق...... حضرت عباسؓ نہایت فیاض، مہمان نواز اور رحم دل تھے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مقام بقیع میں آنحضرت ﷺ نے حضرت عباسؓ کو آتے دیکھ کر فرمایا ''عباسؓ عم رسول ہیں، یہ قریش میں سب سے زیادہ کشادہ دست ہیں اور اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھتے ہیں''۔[3]

دل نہایت نرم تھا، دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تو آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو جاتا، یہی وجہ ہے کہ ان کی دعاؤں میں خاص اثر ہوتا تھا۔

تموّل و ذریعۂ معاش...... حضرت عباسؓ ایام جاہلیت میں نہایت متمول تھے، چنانچہ جنگ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے بیس اوقیہ سونا فدیہ لیا تھا جو دوسرے قیدیوں کے

---

[1] استیعاب تذکرہ عباسؓ بن عبدالمطلبؓ،
[2] استیعاب تذکرہ عباسؓ بن عبدالمطلبؓ
[3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۰۱

مقابلہ میں بہت زیادہ تھا۔[1]

تجارت ذریعۂ معاش تھی، ساتھ ہی وہ سودی لین دین بھی کرتے تھے، لوگوں کو سود پر قرض دیتے تھے، یہ سلسلہ فتح مکہ تک قائم رہا، حجۃ الوداع کے موقع پر محرم ۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ نے جب اپنا مشہور آخری خطبہ دیا تو اس میں فرمایا "آج سے عرب کے تمام سودی کاروبار بند کئے گئے اور سب سے پہلا سودی کاروبار جس کو میں بند کرتا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا ہے۔[2]

آنحضرت ﷺ مال غنیمت کے خمس اور فدک کی آمدنی سے بھی ان کی اعانت فرماتے تھے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد انہوں نے حضرت فاطمہؓ کے ساتھ خلیفہ سے فدک اور آنحضرت ﷺ کی دوسری متروکہ جائیداد میں وراثت کا مطالبہ کیا لیکن "لانورث ماترکنا صدقة" کی حدیث سن کر خاموش ہو گئے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں باغ فدک حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے حوالہ کر دیا تھا، لیکن وہ دونوں باہمی اتفاق سے اس کا انتظار قائم نہ رکھ سکے، اور بارگاہ خلافت میں تقسیم کر دینے کی درخواست پیش کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ محض گذارہ کے لئے دیا گیا ہے اس میں وراثت کا قاعدہ جاری نہیں ہو سکتا۔[3]

حلیہ...... حلیہ یہ تھا، قد بلند وبالا، چہرہ خوبصورت، رنگ سفید اور جلد نہایت نازک۔

ازواج و اولاد...... حضرت عباسؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں جن سے کثرت سے اولادیں ہوئیں، سب سے پہلی بیوی لبابہ بنت حارث تھیں، ان سے حسب ذیل اولادیں ہوئیں۔

فضل، عبداللہ، عبیداللہ، عبدالرحمٰن، قثم، معبد ام حبیبہ

ام ولد سے یہ اولادیں ہوئیں،

کثیر، تمام صفیہ، امیمہ

تیسری بیوی حجیلہ تھیں، ان بطن سے حارث تھے،[4]

---

[1] مسند جلد اص ۳۵۳
[2] صحیح مسلم و ابوداؤد،
[3] بخاری باب غزوہ خیبر
[4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ۴ ص ۲

حضرت بلال بن رباحؓ

نام ونسب...... بلال نام، ابو عبداللہ کنیت، والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا، یہ حبشی نژاد غلام تھے لیکن مکہ ہی میں پیدا ہوئے، بنی جمح ان کے آقا تھے۔[1]

اسلام...... حضرت بلالؓ صورت ظاہری کے لحاظ سے گوسیاہ فام حبشی تھے، تاہم آئینہ دل شفاف تھا، اس کو ضیائے ایمان نے اس وقت منور کیا، جب کہ وادی بطحاء کی اکثر گوری مخلوق غرور حسن وزعم شرافت میں ضلالت وگمراہی کی ٹھوکریں کھارہی تھی، جن......معدودے چند بزرگوں نے داعی حق کو لبیک کہا تھا ان میں صرف سات آدمیوں کو اس کے اعلان کی توفیق ہوئی تھی جن میں ایک یہ غلام حبشی بھی تھا،[2] سچ ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ابتلاء واستقامت...... کمزور ہمیشہ سب سے زیادہ ظلم وستم کا آماجگاہ رہتا ہے، حضرت بلالؓ کی جو ذاتی حالت تھی، اس کے لحاظ سے وہ اور بھی اس ناموس جفا کے شکار ہوئے، گوناگوں مصائب اور طرح طرح کے مظالم سے ان کے استقلال واستقامت کی آزمائش ہوئی، تپتی ہوئی ریگ، جلتے ہوئے سنگریزوں اور دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹائے گئے، مشرکین کے لڑکوں نے گلوے مبارک میں رسیاں ڈال کر بازیچہ اطفال بنایا، لیکن ان تمام روح فرسا وجان گسل آزمائشوں کے باوجود توحید کا جل متین ہاتھ سے نہ چھوٹا، ابوجہل ان کو منہ کے بل سنگریزوں پر لٹا کر اوپر سے پتھر کی چکی رکھ دیتا اور جب آفتاب کی تمازت بیقرار کر دیتی تو کہتا، بلالؓ! اب بھی محمد کے خدا سے باز آ، لیکن اس وقت بھی دہن مبارک سے یہی "احد احد" نکلتا تھا۔[3]

ستم پیشہ مشرکین میں امیہ بن خلف سب سے زیادہ پیش پیش تھا، اس کی جدت طرازیوں نے ظلم وجفا کے نئے طریقے ایجاد کیے تھے، وہ اس کو طرح طرح سے اذیتیں پہنچاتا کبھی گائے کی کھال میں لپیٹتا، کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر جلتی ہوئی دھوپ میں بٹھاتا اور کہتا "تمہارا خدا لات اور عزیٰ ہے" لیکن اس وارفتہ توحید کی زبان سے "احد احد" کے سوا اور کوئی کلمہ نہ نکلتا، مشرکین کہتے کہ تم ہمارے ہی الفاظ کا اعادہ کرو تو فرماتے کہ میری زبان ان کو اچھی طرح ادا نہیں کر سکتی۔[4]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۶۔
[2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۶
[3] اسد الغابہ جلد ص ۲۰۶　[4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۵

آزادی..... حضرت بلالؓ ایک روز حسب معمول وادی بطحاء میں مشق ستم بنائے جارہے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ اس طرف سے گذرے تو یہ عبرت ناک منظر دیکھ کر دل بھر آیا اور ایک گرانقدر رقم معاوضہ دے کر آزاد کردیا، آنحضرت ﷺ نے سنا تو فرمایا "ابوبکر! تم مجھے اس میں شریک کرلو"، عرض کی "یارسول اللہ! میں آزاد کراچکا ہوں"[1]

ہجرت..... وہ مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ پہنچے تو حضرت سعد بن خیثمہؓ کے مہمان ہوئے، حضرت ابورویحہؓ عبداللہ ابن عبدالرحمٰن خثعمیؓ سے مواخات ہوئی، ان دونوں میں نہایت شدید محبت پیدا ہوگئی تھی، عہد فاروقی میں حضرت بلالؓ نے شامی مہم میں شرکت کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ نے پوچھا "بلالؓ! تمہارا وظیفہ کون وصول کرے گا؟ عرض کی "ابورویحہؓ کیونکہ رسول ﷺ نے ہم دونوں میں جو برادرانہ تعلق پیدا کردیا ہے وہ کبھی منقطع نہیں ہوسکتا"[2]

موذن..... مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس اور مجبور نہ تھا، یہاں پہنچنے کے ساتھ شعار اسلام و دین متین کی اصولی تدوین و تکمیل کا سلسلہ شروع ہوا، مسجد تعمیر ہوئی، خدائے لایزال کی عبادت و پرستش کے لئے نماز پنجگانہ قائم ہوئی اور اعلان عام کے لئے اذان کا طریقہ وضع کیا گیا، حضرت بلالؓ سب سے پہلے وہ بزرگ ہیں جو اذان دینے پر مامور ہوئے[3]

حضرت بلالؓ کی آواز نہایت بلند و بالا و دلکش تھی، ان کی ایک صدا توحید کے متوالوں کو بے چین کردیتی تھی، مرد اپنا کاروبار، عورتیں شبستان حرم اور بچے کھیل کود چھوڑ کر والہانہ وارفتگی کے ساتھ ان کے اردگرد جمع ہوجاتے، جب خدائے واحد کے پرستاروں کا مجمع کافی ہوجاتا تو نہایت ادب کے ساتھ آستانہ نبوت پر کھڑے ہوکر کہتے **حی علی الصلوہ حی علی الفلاح الصلوۃ یا رسول اللّٰہ!** یعنی یارسول اللہ! نماز تیار ہے، غرض آپ تشریف لاتے اور حضرت بلالؓ کی صدائے سامعہ نواز تکبیر اقامت کے نعروں سے بندگان توحید کو بارگاہ ذوالجلال والاکرام میں سربسجود ہونے کے لئے صف بصف کھڑا کردیتی[4]

حضرت بلالؓ اگر کسی روز مدینہ میں موجود نہ ہوتے تو حضرت ابومحذورہؓ اور حضرت عمرو بن ام مکتومؓ ان کی قائم مقامی کرتے تھے، صبح کی اذان عموماً کچھ رات رہتے ہوئے دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ صبح کی وقت دو اذانیں مقرر کی گئی تھیں، آخری اذان حضرت عمرو بن ام مکتومؓ دیتے تھے، چونکہ وہ نابینا تھے، اس لئے ان کو وقت کا پتہ نہ چلتا تھا، جب لوگ ان سے کہتے کہ "صبح ہوگئی" تو اٹھ کر ندائے تکبیر بلند فرماتے تھے، اس بنا پر رمضان میں حضرت بلالؓ کی اذان کے بعد اکل و شرب جائز تھا، کیونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ بلالؓ کی اذان صرف اس لئے ہے کہ جو لوگ رات بھر عبادت الٰہی میں مصروف رہے ہیں، وہ کچھ دیر آرام کریں اور جو تمام رات خواب راحت میں

---

[1] طبقات ابن سعد و بخاری
[2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ۱۲۷
[3] بخاری باب بدء الاذان
[4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۶

سرشار رہے ہیں وہ بیدار ہوکر نماز صبح کی تیاری کریں، لیکن وہ صبح کا وقت نہیں ہوتا بلکہ کچھ رات باقی رہتی ہے۔[1]

حضرت بلالؓ سفر و حضر ہر موقع پر رسول ﷺ کے موذن خاص تھے، ایک دفعہ سفر درپیش تھا ایک جگہ رات ہوگئی، بعض صحابہؓ نے عرض کی "یارسول اللہ! اگر اسی جگہ پڑاؤ کا حکم ہوتا تو بہتر تھا، ارشاد ہوا "مجھے خوف ہے کہ نیند تم کو نماز سے غافل کر دے گی، حضرت بلالؓ کو اپنی شب بیداری پر اعتماد تھا، انہوں نے بڑھ کر ذمہ لیا کہ وہ سب کو بیدار کر دیں گے غرض پڑاؤ کا حکم ہوا اور سب لوگ مشغول راحت ہوئے، حضرت بلالؓ نے مزید احتیاط کے خیال سے شب زندہ داری کا ارادہ کرلیا اور رات بھر اپنے کجاوہ پر ٹیک لگائے بیٹھے رہے، لیکن اتفاق وقت اس حالت میں بھی آنکھ لگ گئی اور ایسی غفلت طاری ہوئی کہ طلوع آفتاب تک ہوشیار نہ ہوئے، آنحضرت ﷺ نے خواب راحت سے بیدار ہوکر سب سے پہلے ان کو پکارا اور فرمایا "بلالؓ! تمہاری ذمہ داری کیا ہوئی" عرض کی "یارسول اللہ! آج کچھ ایسی غفلت طاری ہوئی کہ مجھے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا۔" ارشاد ہوا "بے شک خدا جب چاہتا ہے تمہاری روحوں پر قبضہ کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے تم میں واپس کر دیتا ہے اچھا اٹھو اذان دو اور لوگوں کو نماز کے لئے جمع کرو۔[2]

غزوات...... حضرت بلالؓ تمام مشہور غزوات میں شریک تھے، غزوہ بدر میں انہوں نے امیہ بن خلف کو تہ تیغ کیا جو اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا، اور خود ان کی ایذا رسانی میں بھی اس کا ہاتھ سب سے پیش پیش تھا۔[3]

فتح مکہ میں بھی آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے، آپؐ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو اس مؤذن خاص کو معیت کا فخر حاصل تھا،[4] انہیں حکم ہوا کہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہوکر توحید کی پر عظمت صدائے تکبیر بلند کریں، خدا کی قدرت وہ حریم قدس جس کو ابوالانبیاء ابراہیمؑ نے خدائے واحد کی پرستش کے لئے تعمیر کیا تھا، مدتوں صنم خانہ رہنے کے بعد پھر ایک حبشی نژاد کے نغمۂ توحید سے گونجا۔[5]

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت بلالؓ نے اپنے محسن و ولی نعمت حضرت صدیق اکبرؓ سے عرض کی یا خلیفہ رسول اللہ ﷺ آپ نے خدا کے لئے آزاد کیا ہے یا اپنی مصاحبت کے لئے؟ فرمایا کہ خدا کے لئے، بولے "میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ راہ خدا میں جہاد کرنا مومن کا سب سے بہتر کام ہے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ پیام موت تک اسی عمل خیر کو لازمہ

---

[1] بخاری باب الاذان بعد الفجر و باب اذان الاعمی ۱۲ منہ

[2] بخاری باب الاذان بعد ذہاب الوقت　　　[3] اسد الغابہ جلد اص ۲۰۷،

[4] کتاب المغازی باب دخول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اعلی مکہ،

[5] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۷

حیات بنالوں'' حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، بلالؓ! میں تمہیں خدا اور اپنے حق کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے اس عالم پیری میں داغ مفارقت نہ دو'' ، اس موثر فرمان نے حضرت بلالؓ کو عہد صدیقیؓ کے غزوات میں شریک ہونے سے باز رکھا۔[1]

حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھا تو انہوں نے پھر شرکت جہاد کی اجازت طلب کی خلیفہ نے بھی ان کو روکنا چاہا لیکن جوش جہاد کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا، بے حد اصرار کے بعد اجازت حاصل کی ، اور شامی مہم میں شریک ہو گئے ۔[2] حضرت عمرؓ نے ۱۶ھ میں شام کا سفر کیا تو دوسرے افسران فوج کے ساتھ حضرت بلالؓ نے بھی مقام جابیہ میں ان کو خوش آمدید کہا اور بیت المقدس کی سیاحت میں ہمرکاب رہے، ایک روز حضرت عمرؓ نے اسے اذان دینے کی فرمائش کی تو بولے'' گو میں عہد کر چکا ہوں کہ حضرت خیر الانام ﷺ کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دوں گا، تاہم آج آپ کی خواہش پوری کروں گا، یہ کہہ کر اس عندلیب توحید نے کچھ ایسے لحن میں خدائے ذوالجلال کی عظمت وشوکت کا نغمہ سنایا کہ تمام مجمع بیتاب ہو گیا، حضرت عمرؓ اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی، حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ بھی بے اختیار رو رہے تھے، غرض سب کے سامنے عہد نبوی کا نقشہ کھنچ گیا اور تمام سامعین نے ایک خاص کیفیت محسوس کی ۔[3]

شام میں توطن ...... حضرت بلالؓ کو ملک شام کی سرسبز وشاداب سرزمین پسند آگئی تھی، انہوں نے خلیفہ دوم سے درخواست کی کہ ان کو اور ان کے اسلامی بھائی حضرت ابورویحہؓ کو یہاں مستقل سکونت کی اجازت دی جائے، یہ درخواست منظور ہوئی تو ان دونوں نے قصبہ خولان میں مستقل اقامت اختیار کر لی اور حضرت ابوالدرداء انصاریؓ کے خاندان سے جو پہلے ہی یہاں آکر آباد ہو گیا تھا، رشتہ مناکحت کی سلسلہ جنبانی فرماتے ہوئے کہا'' ہم دونوں کافر تھے، خدا نے ہماری ہدایت کی ، ہم غلام تھے، اس نے آزاد کرایا، ہم محتاج تھے، اس نے مالدار بنایا، اب ہم تمہاری خاندان سے پیوستہ ہونے کی آرزو رکھتے ہیں، اگر تم رشتہ ازدواج سے یہ آرزو پوری کرو گے تو خدا کا شکر ہے، ورنہ کوئی شکایت نہیں'' اسلام نے کالے، گورے، حبشی اور عربی کی تفریق مٹا دی تھی ، انصارؓ نے نہایت خوشی کے ساتھ ان کے اس پیام کو لبیک کہا اور اپنی لڑکیوں سے شادی کردی ۔[4]

حضرت بلالؓ نے ایک عرصہ تک شام میں متوطن رہنے کے بعد ایک روز رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں'' بلالؓ! یہ خشک زندگی کب تک؟ کیا تمہارے لئے وہ

---

[1] بخاری وطبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۹،

[2] بخاری وطبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۹،

[3] تاریخ طبری واسد الغابہ جلد ا ص ۲۰۸

[4] اسد الغابہ جلد ا ص ۲۰۸

وقت نہیں آیا کہ ہماری زیارت کرو؟ اس خواب نے گذشتہ زندگی کے پرلطف افسانے یاد دلائے، عشق ومحبت کے مرجھائے ہوئے زخم پھر ہرے ہوگئے، اسی وقت مدینہ کی راہ لی اور روضہ اقدس پر حاضر ہوکر مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے، آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا، اور مضطربانہ جوش و محبت کے ساتھ جگر گوشگان رسولؐ یعنی امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو چمٹا چمٹا کر پیار کررہے تھے، ان دونوں نے خواہش ظاہر کی کہ آج صبح کے وقت اذان دیجئے گوارادہ کرچکے تھے کہ رسول ﷺ کے بعد وہ اذان نہ دیں گے تاہم ان کی فرمائش ٹال نہ سکے، صبح کے وقت مسجد کی چھت پر کھڑے ہوکر نعرہ تکبیر بلند کیا تو تمام مدینہ گونج اٹھا، اس کے بعد نعرہ توحید نے اس کو اور بھی پر عظمت بنادیا، لیکن جب اشھد ان محمد رسول اللہ کا نعرہ بلند کیا تو عورتیں تک بیقرار ہوکر پردوں سے نکل پڑیں اور تمام عاشقان رسولؐ کے رخسار آنسوؤں سے تر ہوگئے، بیان کیا جاتا ہے کہ مدینہ میں ایساپر اثر منظر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔[1]

وفات..... ۲۰ھ میں اس مخلص باوفا نے اپنے محبوب آقا کی دائمی رفاقت کے لئے دنیائے فانی کو خیر باد کہا، کم وبیش ساٹھ برس کی عمر پائی، دمشق میں باب الصغیر کے قریب مدفون ہوئے۔[2]

اخلاق..... محاسن اخلاق نے حضرت بلالؓ کے پایہ فضل وکمال کو نہایت بلند کردیا تھا، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے، ابوبکرؓ سیدنا و اعتق سیدنا یعنی، ابوبکرؓ ہمارے سردار ہیں، اور انہوں نے سردار بلالؓ کو آزاد کیا ہے۔[3]

حبیب خدا ﷺ کی خدمت گذاری ان کا مخصوص مقصد حیات تھا، ہروقت بارگاہ نبویؐ میں حاضر رہتے، آپ کہیں باہر تشریف لے جاتے تو خادم جان نثار کی طرح ہمراہ ہوتے عیدین و استسقاء کے مواقع پر بلم لے کر آگے آگے چلتے،[4] وعظ و پند کی مجلسوں میں ساتھ جاتے، افلاس و ناداری کے باوجود ان کو جو کچھ میسر آجاتا اس کا ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کی ضیافت کے لئے پس انداز کرتے، ایک دفعہ برنی کھجوریں (جو نہایت خوش ذائقہ ہوتی ہیں) آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے، آپ نے تعجب سے پوچھا "بلالؓ! یہ کہاں سے؟" عرض کی میرے پاس جو کھجوریں تھیں، وہ نہایت خراب قسم کی تھیں، چونکہ مجھے حضور کی خدمت میں پیش کرنا تھا اس لئے میں نے دو صاع دے کر یہ ایک صاع اچھی کھجوریں حاصل کیں، ارشاد ہوا "اف! اف! ایسا نہ کیا کرو، یہ تو عین ربا (سود) ہے، اگر تمہیں خریدنا تھا تو پہلے اپنی کھجوروں کو فروخت کرتے پھر اس کی قیمت سے اس کو خریدلیتے۔[5]

حضرت بلالؓ مکہ کی زندگی میں جن عبرتناک مظالم ومصائب کے متحمل ہوئے، اس سے

---

[1] اسد الغابہ جلد اول ص ۲۰۸
[2] اسد الغابہ جلد ا ص ۲۰۹، [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۸۴،
[4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۸، [5] بخاری جلد ا ص ۳۱۱

ان کی غیر معمولی استقامت و استقلال کا اندازہ ہوا ہوگا، تواضع و خاکساری ان کی فطرت میں داخل تھی،[1] لوگ ان کے فضائل و محاسن کا تذکرہ کرتے تو فرماتے "میں صرف ایک حبشی ہوں جو کل تک معمولی غلام تھا،[2] صداقت، بے لوثی اور دیانت داری نے ان کو نہایت معتمد علیہ بنا دیا تھا، ان کے ایک بھائی نے جو بزعم خود اپنے آپ کو عرب سمجھتے تھے، ایک عربی خاتون کے پاس نکاح کا پیام بھیجا، اس کے خاندان والوں نے جواب دیا کہ اگر بلالؓ ہمارے پاس آکر تصدیق کریں گے تو ہمیں بخوشی منظور ہے، حضرت بلالؓ نے کہا "صاحبو! میں بلالؓ بن رباح ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، میں جانتا ہوں کہ اخلاق و مذہب کے لحاظ سے یہ بڑا آدمی ہے، اگر تم چاہو تو اس سے بیاہ دو ورنہ انکار کرو" انہوں نے کہا "بلالؓ! تم جس کے بھائی ہو گے اس سے تعلق پیدا کرنا ہمارے لئے عار نہیں"۔[3]

مذہبی زندگی...... حضرت بلالؓ رسول اللہ ﷺ کے مؤذن خاص تھے، اس بنا پر ان کو ہمیشہ خانہ خدا میں حاضر رہنا پڑتا تھا، معاملات دنیاوی سے سروکار نہ ہونے کے باعث عبادت و شب زندہ داری ان کا خاص مشغلہ تھا، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم کو کس عمل خیر پر سب سے زیادہ ثواب کی امید ہے؟ عرض کی "میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا ہے البتہ ہر طہارت کے بعد نماز ادا کی ہے" نماز میں سب سے پہلے آمین کہتے تھے، لیکن رسول ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے سبقت نہ کیا کرو۔[4]

ایمان کو تمام اعمال حسنہ کی بنیاد سمجھتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ بولے "خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، پھر جہاد، پھر حج مبرور"[5]

حلیہ...... حلیہ یہ تھا، قد نہایت طویل، جسم لاغر، رنگ نہایت گندم گوں بلکہ مائل بہ سیاہی، سر کے بال گھنے، خمدار اور اکثر سفید تھے۔[6]

ازواج...... حضرت بلالؓ نے متعدد شادیاں کیں، ان کی بعض بیویاں عرب کے نہایت شریف و معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں، حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی سے خود رسول اللہ ﷺ نے نکاح کرا دیا تھا، بنی زہرہ اور حضرت ابوالدرداءؓ کے خاندان میں بھی رشتہ مصاہرت قائم ہوا تھا، لیکن کسی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔[7]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۹
[2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۸۳،　[3] بخاری جلد ۲ ص ۱۱۲۴۔
[4] اصابہ تذکرہ بلالؓ بحوالہ بخاری　[5] بخاری جلد ۲ ص ۱۱۲۴
[6] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۰
[7] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۹

حضرت جعفر طیارؓ

نام ونسب...... جعفر نام، ابو عبداللہ کنیت، والد کا نام عبدالمناف (ابو طالب) اور والدہ کا نام فاطمہ تھا شجرہ نسب یہ ہے، جعفر بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی القرشی الہاشمی۔

آنحضرت ﷺ کے ابن عم اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے سگے بھائی تھے، اور عمر میں ان سے تقریباً دس سال بڑے تھے۔

اسلام...... آنحضرت ﷺ ایک روز حضرت علیؓ کے ساتھ مشغول عبادت تھے، خاندان ہاشم کے سردار ابو طالب نے اپنے دو عزیزوں کو بارگاہ صمدیت میں سربسجود دیکھا تو دل پر خاص اثر ہوا، اپنے صاحبزادہ حضرت جعفرؓ کی طرف دیکھ کر کہا ''جعفرؓ! تم بھی اپنے ابن عم کے پہلو میں کھڑے ہو جاؤ'' حضرت جعفرؓ نے بائیں طرف کھڑے ہو کر نماز ادا کی، ان کو خدائے لایزال کی عبادت و پرستش میں ایسا مزہ ملا کہ وہ بہت جلد یعنی آنحضرت ﷺ کے زید بن ارقم کے گھر میں پناہ گزین ہونے کے قبل ہمیشہ کے لئے اس کے پرستاروں میں داخل ہو گئے اس وقت تک اکتیس بتیس آدمی اس سعادت سے مشرف ہوئے تھے۔

ہجرت حبش...... مشرکین مکہ کی ستم آرائیوں سے تنگ آکر جب مسلمانوں کی جماعت نے حبش کی راہ لی تو حضرت جعفرؓ بھی اس کے ساتھ ہو گئے، لیکن قریش نے یہاں بھی چین لینے نہ دیا، نجاشی کے دربار میں مکہ سے گراں قدر تحائف کے ساتھ ایک وفد آیا اور اس نے درباری پادریوں کو تائید پر آمادہ کر کے نجاشی سے درخواست کی کہ ''ہماری قوم کے چند نا سمجھ نوجوان اپنے آبائی مذہب سے برگشتہ ہو کر حضور کے قلمرو حکومت میں چلے آئے ہیں، انہوں نے ایک ایسا نرالا مذہب ایجاد کیا ہے جس کو پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا ہم کو ان کے بزرگوں اور رشتہ داروں نے بھیجا ہے کہ حضور ان لوگوں کو ہمارے ساتھ واپس کر دیں'' درباریوں نے بھی بلند آہنگی کے ساتھ اس مطالبہ کی تائید کی، نجاشی نے مسلمانوں سے بلا کر پوچھا کہ ''وہ کون سا نیا مذہب ہے جس کے لئے تم لوگوں نے اپنا خاندانی مذہب چھوڑ دیا؟''۔

حضرت جعفرؓ کی دربار حبش میں اسلام پر تقریر...... مسلمانوں نے نجاشی سے گفتگو کے لئے اپنی طرف سے حضرت جعفرؓ کو منتخب کیا، انہوں نے اس طرح تقریر کی'' بادشاہ سلامت!

۱؎ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۸۷ و ابن سعد جز ۴ قسم اوّل ص ۲۳

ہماری قوم نہایت جاہل تھی، ہم بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو ستاتے تھے، طاقتور کمزوروں کو کھا جاتا، غرض ہم اسی بدبختی میں تھے کہ خدا نے خود ہی ہماری جماعت میں سے ایک شخص کو ہمارے پاس رسول بنا کر بھیجا، ہم اس کی شرافت، راستی، دیانتداری اور پاکبازی سے اچھی طرح سے آگاہ تھے، اس نے ہم کو شرک و بت پرستی سے روک کر توحید کی دعوت دی، راست بازی، امانت داری، ہمسایوں اور رشتہ داروں سے محبت کا سبق ہم کو سکھایا اور ہم سے کہا کہ ہم جھوٹ نہ بولیں، بے وجہ دنیا میں خونریزی نہ کریں، بدکاری اور فریب سے باز آئیں، یتیم کا مال نہ کھائیں، شریف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، بت پرستی چھوڑ دیں، ایک خدا پر ایمان لائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں، ہم اس پر ایمان لے آئے اور اس کی تعلیم پر چلے، ہم نے بتوں کو پوجنا چھوڑ دیا، صرف ایک خدا کی پرستش کی، اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا، اس پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہوگئی، اس نے طرح طرح سے ظلم و تشدد کرکے ہم کو پھر بت پرست اور جاہلیت کے برے کاموں میں مبتلا کرنا چاہا، یہاں تک کہ ہم لوگ ان کے ظلم و ستم سے تنگ آکر آپ کی خدمت میں چلے آئے“۔

نجاشی نے کہا ”تمہارے نبی پر جو کتاب نازل ہوئی اسکو کہیں سے پڑھ کر سناؤ“ حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی چند آیتیں، تلاوت کیں تو نجاشی پر ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی،“ اس نے کہا ”خدا کی قسم! یہ اور تورات ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں، اور قریش کے سفیروں سے مخاطب ہوکر کہا ”واللہ! میں انکو کبھی واپس جانے نہ دوں گا“۔

سفرائے قریش نے ایک دفعہ پھر کوشش کی اور دوسرے روز دربار میں باریاب ہوکر عرض کی ”حضور! کچھ یہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ان لوگوں کا کیا خیال ہے“ نجاشی نے جواب دینے کے لئے مسلمانوں کو بلایا، ان لوگوں کو سخت تردد تھا کہ کیا جواب دیں، حضرت جعفرؓ نے کہا کچھ بھی ہو، خدا اور رسول نے جو کچھ بتایا ہے، ہم اس سے انحراف نہیں کریں گے، غرض دربار میں پہنچے تو نجاشی نے پوچھا ”حضرت عیسیٰؑ کی نسبت تمہارا کیا اعتقاد ہے؟“ حضرت جعفرؓ نے کہا ”ہم ان کو خدا کا بندہ، پیغمبر اور اس کی روح مانتے ہیں“ نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا ”واللہ جو کچھ تم نے کہا عیسیٰ بن مریم اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں ہیں یہ سن کر دربار کے پادری جو ابن اللہ کا عقیدہ رکھتے تھے، نہایت برہم ہوئے نتھنوں سے خرخراہٹ کی آوازیں، آنے لگیں، لیکن نجاشی نے کچھ پرواہ نہ کی، اور قریش کی سفارت ناکام واپس آئی[1]۔

حبش سے مدینہ...... حضرت جعفرؓ آنحضرت ﷺ کے مدینہ کی ہجرت کے چھ سال بعد تک حبشہ ہی میں رہے، ۷ھ میں وہ حبش سے مدینہ آئے، یہ وہ زمانہ تھا کہ خیبر فتح ہوگیا تھا اور مسلمان اس کی خوشی منا رہے تھے، کہ مسلمانوں کو اپنے ان دور افتادہ بھائیوں کی واپسی کی دوہری خوشی

[1] مسند احمد جلد ا ص ۲۰۱

حاصل ہوئی، حضرت جعفرؓ سامنے آئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو گلے سے لگایا اور پیشانی چوم کر فرمایا "میں نہیں جانتا کہ مجھ کو جعفر کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی یا خیبر کی فتح سے۔"[1]

حضرت جعفرؓ کی واپسی کو ابھی ایک سال بھی گذرنے نہ پایا تھا کہ ان کے امتحان کا وقت آ گیا۔

غزوۂ موتہ...... جمادی الاول ۸ھ میں موتہ پر فوج کشی ہوئی، آنحضرت ﷺ نے فوج کا علم حضرت زید بن حارثہؓ کو عطا کر کے فرمایا کہ اگر زید شہید ہوں تو جعفرؓ اور اگر جعفرؓ بھی شہید ہوں تو عبداللہ بن رواحہؓ اس جماعت کے امیر ہوں گے"[2] چونکہ حضرت جعفرؓ اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر متوقع شرف امارت ان ہی کو حاصل ہوگا، اس لئے انہوں نے کھڑے ہو کر عرض کی "یا رسول اللہ! میرا کبھی یہ خیال نہ تھا کہ آپ زیدؓ کو مجھ پر امیر بنائیں گے" ارشاد ہوا "اس کو جانے دو تم نہیں جان سکتے کہ بہتری کس میں ہے"[3] آنحضرت ﷺ اس غزوہ کے انجام و نتیجہ سے آگاہ تھے، اس لئے فرمایا کہ اگر زیدؓ شہید ہوں تو جعفرؓ علم سنبھالیں، اگر وہ بھی شہید ہوں تو عبداللہ بن رواحہ ان کی جگہ لیں۔[4]

شہادت...... موتہ پہنچ کر معرکہ کارزار گرم ہوا، تین ہزار غازیان دین کے مقابلہ میں غنیم کا ایک لاکھ ٹڈی دل لشکر تھا، امیر فوج حضرت زیدؓ شہید ہوئے تو حضرت جعفرؓ گھوڑے سے کود پڑے اور علم کو سنبھال کر غنیم کی صفیں چیرتے ہوئے آگے بڑھے، دشمنوں کا ہر طرف سے زغہ تھا، تیغ و تبر، تیر و سنان کی بارش ہو رہی تھی، یہاں تک کہ تمام بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا، دونوں ہاتھ بھی یکے بعد دیگرے شہید ہوئے مگر اس جانباز نے اس حالت میں بھی توحید کے جھنڈے کو سرنگوں ہونے نہ دیا،[5] بالآخر شہید ہو کر گرے تو عبداللہ بن رواحہؓ نے اور ان کے بعد حضرت خالد سیف اللہؓ نے علم ہاتھ میں لیا اور مسلمانوں کو بچالائے۔[6]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس جنگ میں شریک تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے جعفرؓ کی لاش کو تلاش کر کے دیکھا تو صرف سامنے کی طرف پچاس زخم تھے، تمام بدن کے زخموں کا شمار تو نوے سے بھی متجاوز تھا[7] لیکن ان میں سے کوئی زخم پشت پر نہ تھا۔[8]

رسول اللہ ﷺ کا حزن و ملال...... میدان جنگ میں جو کچھ ہو رہا تھا، خدا کے حکم سے آنحضرت ﷺ کے سامنے تھا، چنانچہ خبر آنے سے پہلے ہی آپ نے حضرت جعفرؓ وغیرہ کی شہادت کا حال بیان فرمادیا، اس وقت آپ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے، اور روئے انور پر حزن و ملال کے آثار نمایاں تھے۔[9]

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۴ قسم اول ص ۲۲، مختصراً بخاری ذکر غزوۂ خیبر میں ہے
[2] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ موتہ، [3] طبقات ابن سعد قسم اول ۳۳،
[4] طبقات ابن سعد حصہ مغازی غزوۂ موتہ، [5] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۸۸،
[6] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ۱۲۰ منہ، [7] بخاری باب غزوہ موتہ،
[8] بخاری باب غزوۂ موتہ، [9] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۸۸

حضرت جعفرؓ کی اہلیہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ فرماتی ہیں کہ میں آٹا گوندھ چکی تھی، اور لڑکوں کو نہلا دھلا کر صاف کپڑے پہنا رہی تھی کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ بچوں کو لاؤ، میں نے ان کو حاضر خدمت کیا، تو آپؐ نے آبدیدہ ہو کر ان کو پیار فرمایا، میں نے کہا میرے ماں باپ فدا ہوں، حضور آبدیدہ کیوں ہیں کیا جعفر اور ان کے ساتھیوں کے متعلق کوئی اطلاع آئی ہے؟ فرمایا ہاں! وہ شہید ہو گئے، یہ سن کر میں چیخنے چلانے لگی، محلہ کی عورتیں میرے اردگرد جمع ہو گئیں، آنحضرت ﷺ واپس تشریف لے گئے، اور ازواج مطہراتؓ سے فرمایا کہ آل جعفرؓ کا خیال رکھنا، آج وہ اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔[1]

سیدہ جنت حضرت فاطمہ زہراؓ کو بھی اپنے عم محترم کی مفارقت کا شدید غم تھا، شہادت کی خبر سن کر دیدہ تر واعماہ! واعماہ! کہتے ہوئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، بے شک! جعفرؓ جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا چاہیے، آپؐ کو عرصہ تک شدید غم رہا، یہاں تک کہ روح الامین نے یہ بشارت دی کہ ''خدا نے جعفر کو دو کٹے ہوئے بازوؤں کے بدلہ میں دو نئے بازو عنایت کیے ہیں، جن سے وہ ملائکہ جنت کے ساتھ مصروف پرواز رہتے ہیں''[2] چنانچہ ذوالجناحین اور طیاران کا لقب ہو گیا۔

فضائل ومحاسن...... حضرت جعفرؓ کشادہ دست وفیاض تھے، غرباء ومساکین کو کھانا کھلانے میں ان کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا، آنحضرت ﷺ ان کو ابوالمساکین کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں اکثر بھوک کے باعث پیٹ کو کنکروں سے دبائے رکھتا تھا، اور آیت یاد بھی رہتی تو اس کو لوگوں سے پوچھتا پھرتا، کہ شاید کوئی مجھ کو اپنے گھر لے جائے اور کچھ کھلائے میں نے جعفرؓ کو مسکینوں کے حق میں سب سے بہتر پایا، وہ ہم لوگوں (اصحاب صفہ) کو اپنے گھر لے جاتے تھے، اور جو کچھ ہوتا تھا، سامنے لاکر رکھ دیتے تھے، یہاں تک بعض اوقات گھی یا شہد کا خالی مشکیزہ تک لا دیتے تھے اس کو پھاڑ کر ہمارے سامنے رکھ دیتے اور ہم اس کو چاٹ لیتے تھے۔[3]

حضرت جعفرؓ کے فضائل ومناقب کا پایہ نہایت بلند تھا، خود آنحضرت ﷺ ان سے فرمایا کرتے تھے، کہ ''جعفرؓ! تم میری صورت وسیرت دونوں میں مجھ سے مشابہ ہو''[4] آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے، ''مجھ سے پہلے جس قدر نبی گذرے ہیں ان کو سات رفیق دیئے گئے تھے، لیکن میرے رفقائے خاص کی تعداد چودہ ہے، ان میں سے ایک جعفرؓ بھی ہیں''[5] حضرت ابو ہریرہؓ

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۰۹
[2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۰۹،
[3] صحیح بخاری مناقب حضرت جعفرؓ
[4] صحیح بخاری مناقب حضرت جعفرؓ
[5] جامع ترمذی مناقب اہل بیت،

فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ کے بعد جعفرؓ سب سے افضل ہیں''[1] حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان کے صاحبزادہ کو سلام کرتے تو کہتے ''السلام علیک یا ابن ذی الجناحین''[2] حضرت عبداللہ بن جعفرؓ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات میں حضرت علیؓ سے کچھ مانگتا تو وہ انکار کر دیتے، لیکن جب اپنے والد جعفرؓ کا واسطہ دیتا تو بغیر کچھ دیئے نہ رہتے۔

ازواج واولاد...... بیویوں کی صحیح تعداد نہیں معلوم، آپ کی بیوی اسماء سے تین صاحبزادے تھے، عبداللہ، محمد اور عوف، ان میں صرف عبداللہ سے نسل چلی۔

۱؎ صحیح ترمذی مناقب حضرت جعفرؓ

۲؎ صحیح بخاری غزوہ موتہ

حضرت زید بن حارثہؓ

نام ونسب...... زید نام، ابواسامہ کنیت، حب رسول اللہ ﷺ لقب، والد کا نام حارثہ اور والدہ کا نام سعدی بنت ثعلبہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، زید بن حارثہ بن شرحبیل بن کعب ابن عبدالعزی بن امراء القیس بن عامر بن نعمان بن عامر بن عبدود بن عوف بن کنانہ بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید اللات بن رفیدہ بن ثور بن کلب بن دبرہ بن ثعلب بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ۔

ابتدائی حالات...... گذشتہ بالا نسب سے ظاہر ہوا ہوگا کہ حضرت زیدؓ کے والد حارثہ بنی قضاعۂ سے تعلق رکھتے تھے، جو یمن کا ایک نہایت معزز قبیلہ تھا، ان کی والدہ سعدی بنت ثعلبہ بنی معن سے تھیں جو قبیلہ طے کی ایک شاخ تھی، وہ ایک مرتبہ اپنے صغیر السن بچے حضرت زیدؓ کو ساتھ لے کر اپنے میکہ گئیں، اسی اثناء میں بنو قین کے سوار جو غارتگری سے واپس آ رہے تھے اس نونہال کو خیمہ کے سامنے سے اٹھا لائے اور غلام بنا کر عکاظ کے بازار میں فروخت کے لئے پیش کیا، ستارہ اقبال بلند تھا، غلامی میں بھی سیادت مقدر تھی، حکیم بن حزام نے چار سو درہم میں خرید کر اپنی پھوپھی ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ کی خدمت میں پیش کیا، جن کی وساطت سے سرور دو عالم ﷺ کی غلامی کا شرف نصیب ہوا،! جس پر ہزاروں آزادیاں اور تمام دنیا کی شاہنشاہیاں قربان ہیں۔[1]

حضرت زیدؓ کے والد حارثہ بن شرحبیل کو قدرۃً اپنے لخت جگر کے گم ہو جانے کا شدید غم ہوا، آنکھوں سے سیل اشک بہائے، دل آتش فراق سے بھڑک اٹھا اور محبت پدری نے الفاظ کی رنگ آمیزی سے اس طرح اس رنج والم کا نقشہ کھینچا۔

بکیت علی زید و لم ادرما فعل
احی فیرجی ام اتی دونہ الاجل

میں نے زید پر گریہ وزاری کی لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کیا ہو گیا، آیا زندہ ہے جس کی امید رکھی جائے یا اسے موت آ گئی۔

فواللہ ما ادری وان کنت سائلا
اغالک سھل الارض ام غالک الجبل

[1] طبقات ابن سعد جلد ثانی قسم اول ص ۲۷

خدا کی قسم میں جانتا ہوں اگرچہ پوچھتا بھی ہوں کہ "کیا تجھے نرم زمین نگل گئی یا پہاڑ کھا گیا؟

فیالیت شعری ھل لک الدھر رجعة
فحسبی من الدنیا رجوعک لی بحل

کاش! میں جانتا کہ آیا تیرا آنا کبھی ممکن ہے؟ پس تیرا واپس آنا ہی میرے لئے دنیا میں کافی ہے۔

تذکرینه الشمس عند طلوعها
و تعرض ذکراه اذا قارب الطفل

آفتاب اپنے طلوع ہونے کے وقت اس کو یاد دلاتا ہے، اور جب غروب کا وقت قریب آجاتا ہے تو اس کی یاد کو پھر تازہ کر دیتا ہے۔

و ان هبت الا رواح هیجن ذکره
فیا طول ماحزنی علیه و یاوجل

باد بہاری کی لپٹ اس کی یاد کو برانگیختہ کر دیتی ہے، آہ! مجھے اس پر کس قدر شدید رنج والم ہے۔

ساعمل نص العیش فی الارض جاهدا
والا اسام التطواف او تسام الا بل

عنقریب میں اونٹ کی طرح چل کر تمام دنیا چھان ماروں گا، میں اس آوارہ گردی سے اپنی زندگی بھر نہیں تھکوں گا یہاں تک کہ اونٹ تھک جائے گا۔

حیاتی او تاتی علی منیتی
و کل امرء فان و ان غره الامل

یا مجھ پر موت آجائے..... ہر آدمی فانی ہے، اگرچہ سراب امید اسے دھوکا دے۔

و اوصی به قیسا و عمرا کلیهما
اوصی یزید اثم من بعدهم جبل

میں قیس اور عمر دونوں کو اس کے جستجو کی وصیت کرتا ہوں، اور یزید کو پھر ان کے بعد جبل کو وصیت کرتا ہوں۔

جبل سے مراد جبلہ بن حارثؓ ہیں، جو حضرت زیدؓ کے بڑے بھائی تھے اور یزید ان کے اخیافی بھائی تھے۔

ایک سال بنی کلب کے چند آدمی حج کے خیال سے مکہ آئے تو انہوں نے اس یوسف گم گشتہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور یعقوب صفت باپ کا ماجرائے غم کہہ سنایا، بولے یقیناً انہوں نے میری فرقت میں نوحہ خوانی کی ہوگی، تم میری طرف سے میرے خاندان والوں کو یہ اشعار سنا دینا

احن الی قومی و ان کنت نائیا
بانی قطین البیت عند المشاعر

''میں اپنی قوم کا مشتاق ہوں گو ان سے دور ہوں، میں خانہ کعبہ میں مشعر حرام کے قریب رہتا ہوں''۔

فکفوا من الوجد الذی قد شما کم
ولا تعملوا فی الارض نص الاباعر

''اس لئے اس غم سے باز آ جاؤ، جس نے تم کو پُر الم بنا رکھا ہے اور اونٹوں کی طرح چل کر دنیا کی خاک نہ چھانو''۔

فانی بحمداللّٰہ فی خیر اسرۃ
کرام معد کابرا بعد کابر

''الحمد للہ کہ میں بنی معد کے ایک معزز اور اچھے خاندان میں ہوں جو پشتہا پشت سے معزز ہے''۔

بنی کلب کے زائروں نے واپس جا کر ان کے والد کو اطلاع دی تو تعجب سے ان کی آنکھیں چمک اٹھیں اور وفور یاس نے یک بیک یقین نہ ہونے دیا''بولے رب کعبہ کی قسم! کیا میرا ہی نور نظر تھا؟ ان لوگوں نے جب تفصیل کی ساتھ حلیہ، جائے قیام اور مربی کے حالات بیان کیے تو اسی وقت اپنے بھائی کعب بن شرحبیل کو ہمراہ لے کر مکہ کی طرف چل کھڑے ہوئے، اور حضرت سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بصد منت و لجاجت عرض کی''اے ابن عبداللہ! اے ابن عبدالمطلب! اے اپنی قوم کے رئیس زادہ! تم اہل حرم اور اس کے مجاور ہو، مصیبت زدوں کی دستگیری کرتے ہو، قیدیوں کو کھانا دیتے ہو، ہم تمہارے پاس اس غرض سے آئے ہیں کہ ہمارے لڑکے کو آزاد کر کے ہم کو رہین منت بنا دو، زرفدیہ جس قدر چاہو لو، ہم بیش قرار معاوضہ دینے کو تیار ہیں''ارشاد ہوا''وہ کون ہے''بولے''زید بن حارثہ'' آنحضرت ﷺ نے حضرت زیدؓ کا نام سنا تو ایک لمحہ تفکر کے بعد فرمایا''کیا اس کے سوا تمہاری کوئی اور حاجت نہیں؟'' عرض کی''نہیں''فرمایا''بہتر زیدؓ کو بلا کر اختیار دو، اگر وہ تمہیں پسند کرے تو تمہارا ہے، اور اگر مجھے ترجیح دے تو خدا کی قسم! میں ایسا نہیں ہوں جو اپنے ترجیح دینے والے پر کسی کو ترجیح دوں'' حارثہ اور کعب نے اس شرط پر شکریہ کے ساتھ رضا مندی ظاہر کی''حضرت زیدؓ بلائے گئے،

آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا "تم ان دونوں کو پہچانتے ہو؟" عرض کی "ہاں! یہ میرے والد اور چچا ہیں" آپ نے ان کے ہاتھ میں قرعہ انتخاب دے کر فرمایا "میں کون ہوں؟ اس سے تم واقف ہو، میری ہم نشینی کا حال تم کو معلوم ہے، اب تمہیں اختیار ہے چاہے مجھے پسند کرو یا ان دونوں کو" حضرت زیدؓ کو شہنشاہ کونینؐ کی غلامی میں جو لطف ملا تھا اس پر صدہا آزادیاں نثار تھیں بولے "میں ایسا نہیں ہوں جو حضورؐ پر کسی کو ترجیح دوں، آپؐ ہی میرے ماں باپ ہیں" حضرت زیدؓ کی اس مخلصانہ وفا شعاری نے ان کے باپ اور چچا کو محو حیرت کر دیا، تعجب سے بولے "زیدؓ! افسوس تم آزادی، باپ چچا اور خاندان پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو، فرمایا "ہاں! مجھے اس ذات پاک میں ایسے محاسن نظر آئے ہیں کہ میں اس پر کسی کو کبھی ترجیح نہیں دے سکتا"۔

حضرت زیدؓ نے اپنی غیر متزلزل وفا شعاری سے آقائے شفیق کے دل میں محبت کی دبی ہوئی چنگاری کو مشتعل کر دیا، آنحضرت ﷺ نے خانہ کعبہ میں مقام حجر کے پاس ان کو لے جا کر اعلان فرمایا کہ "زید آج سے میرا فرزند ہے میں اس کا وارث ہوں گا، وہ میرا وارث ہوگا" اس اعلان سے ان کے چچا اور باپ کے افسردہ دل گل شگفتہ کی طرح کھل گئے گو والد کو مفارقت گوارہ نہ تھی تاہم اپنے لخت جگر کو ایک شفیق ومعزز باپ کے آغوش عاطفت میں دیکھ کر اطمینان ہو گیا اور امتنان ومسرت کے ساتھ واپس گئے۔

اس اعلان کے بعد حضرت زیدؓ آنحضرت ﷺ ہی کے انتساب کے ساتھ زید بن محمد کے نام سے زبان زدعام وخاص ہوئے، یہاں تک کہ جب اسلام کا زمانہ آیا اور قرآن پاک کی الہامی زبان نے صرف اپنے نسبی آباء کے ساتھ انتساب کی ہدایت فرمائی تو وہ پھر حارثہ کی نسبت سے زید بن حارثہ مشہور ہوئے۔[1]

اسلام...... آنحضرت ﷺ کو خلعت نبوت عطا ہوا تو حضرت زیدؓ نے ابتداء ہی میں شرف بیعت حاصل کیا، محققین کا فیصلہ ہے کہ وہ غلاموں میں سب سے پہلے مومن تھے، حضرت حمزہؓ ایمان لائے تو ان سے رسول اللہ ﷺ نے بھائی چارہ کرا دیا، ان دونوں میں اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ حضرت حمزہؓ جب غزوات میں تشریف لے جاتے تھے تو ان ہی کو اپنا وصی بنا کر جاتے تھے۔[2]

شادی...... حضرت ام ایمنؓ آنحضرت ﷺ کی آیا اور کنیز تھیں، آپؐ ان کو نہایت محبوب رکھتے تھے، اور اماں کہہ کر مخاطب فرماتے تھے، ایک روز آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی جنتی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کو ام ایمنؓ سے نکاح کرنا چاہیے، حضرت زیدؓ نے (جو رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، ان سے نکاح کر لیا،

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۷ تا ۲۹،

[2] طبقات ابن سعد جزء ثالث تذکرہ حمزہ

چنانچہ حضرت اسامہؓ بن زیدؓ جو اپنے والد کے بعد حب رسول اللہ ﷺ کے لقب سے مشہور ہوئے، ان ہی کے بطن سے مکہ میں پیدا ہوئے۔[1]

ہجرت...... مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو آنحضرت ﷺ کی طرح یہ حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے مہمان ہوئے، حضرت اسید بن حضیر انصاری جو قبیلہ عبدالاشہل کے معزز رئیس تھے، ان کے اسلامی بھائی بنائے گئے، وہ اب تک خاندان نبوت کے ایک ممبر کی طرح آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، لیکن یہاں پہنچ کر آپ نے ان کے لئے ایک علیحدہ مکان مخصوص فرما دیا اور اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح کر دیا، اس طرح درحقیقت یہ دوسرا طرۂ افتخار تھا جو حضرت زیدؓ کے دستار فضل پر نصب ہوا، لیکن یہ پیوند زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا، نسبی وخاندانی عدم توازن نے دونوں کے سطح مزاج میں نشیب وفراز پیدا کر دیا، حضرت زیدؓ نے دربار نبوت میں بار بار ناموافقت کی شکایت کی اور بالآخر طلاق دینے پر مجبور ہو گئے، انقضائے عدت کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت زیدؓ کی معرفت پیام نکاح بھیجا تو انہوں نے کہا "جب تک خدا کی طرف سے کچھ نہ آئے کچھ نہیں کر سکتی"، چنانچہ اس کے بعد ہی اس آیت نے ان کو امہات المومنین میں داخل کر دیا۔[2]

فلما قضی زید منها وطراً زوجناکها،

"جب زیدؓ نے حاجت پوری کی تو ہم نے اس کو تم سے بیاہ دیا"۔

حضرت زیدؓ چونکہ آنحضرت ﷺ کے متبنی اور زید بن محمد کے نام سے مشہور تھے اس لئے منافقین نے اس واقعہ کو نہایت ناگوار پیرایہ میں شہرت دی اور کہنے لگے "محمد ایک طرف تو بہو سے نکاح کرنا حرام قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف خود اپنے لڑکے زیدؓ کی بیوی سے نکاح کرتے ہیں لیکن قرآن پاک نے اس مفسدہ پردازی کا اس طرح پردہ فاش کر دیا۔

ما کان محمد اباء احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین

"محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ خدا کے رسول اور انبیاء کی مہر ہیں"۔

اور مسلمانوں کو حکم ہوا۔

ادعوهم لآبائهم هو اقسط عندالله.

"لوگوں کو ان کے باپ کی نسبت سے پکارو، یہ خدا کے نزدیک زیادہ قرین انصاف ہے"۔

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۳۰

[2] طبقات ابن سعد جز ۳ قسم اول ص ۳۰

چنانچہ اس کے بعد ہی وہ اپنے والد حارثہ کی نسبت سے زید بن حارثہ مشہور ہوئے۔[1]

غزوات...... حضرت زیدؓ تیراندازی میں مخصوص کمال رکھتے تھے، ان کا شمار ان مشاہیر صحابہ میں تھا جو اس فن میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، معرکہ بدر سے غزوہ موتہ تک جس قدر اہم و خونریز معرکے پیش آئے سب میں پامردی و شجاعت کے ساتھ شریک کارزار ہوئے، غزوہ مریسیع میں چونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو مدینہ میں اپنی جانشینی کا فخر بخشا اس لئے اس مہم میں حصہ نہ لے سکے۔[2]

متفرق کارنامے...... مشہور معرکوں کے علاوہ اکثر چھوٹی چھوٹی مہمات خاص ان کے سپہ سالاری میں سرہوئیں، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جس فوج کشی میں زیدؓ شریک ہوتے تھے، اس میں امارت کا عہدہ ان ہی کو عطا ہوتا تھا،[3] اس طرح نو دفعہ سپہ سالار بنا کر بھیجے گئے،[4] ان مہمات میں سے پہلی مہم سریہ قردہ تھی جس میں انہوں نے غنیم کو نہایت کامیابی کے ساتھ شکست دی، اور بہت سے اونٹ مال و اسباب اور دشمن کے ایک سردار فرات بن حیان عجلی کو گرفتار کر کے لائے۔[5]

ربیع الثانی ۶ھ میں بنی سلیم کو سرکوبی پر مامور ہوئے جو مقام جموم میں مسکن گزین تھے، اس مہم میں بھی حضرت زیدؓ کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی، بہت سے اونٹ بکریاں اور قیدی پکڑ کر لائے۔[6]

اسی سال قریش کے ایک قافلہ کو جو شام سے واپس آرہا تھا روکنے کا حکم ہوا، حضرت زیدؓ ایک سو ستر سواروں کو ساتھ لیکر یکایک مقام عیص میں اس قافلہ پر جا پڑے اور تمام اہل قافلہ کو مع سامان گرفتار کر لائے، مال غنیمت میں چاندی کا ایک بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا جو صفوان بن امیہ کے لئے شام سے آرہا تھا، قیدیوں میں ابوالعباس بن الربیع آنحضرت ﷺ کے داماد بھی تھے، جنہوں نے اپنی اہلیہ اور حضرت سرور کائنات ﷺ کی دختر نیک اختر حضرت زینبؓ کی پناہ حاصل کر کے مخلصی پائی۔[7]

اسی سال ماہ جمادی الثانیہ میں مقام طرف پر حملہ آور ہوئے، لیکن کوئی جنگ نہ ہوئی کیونکہ غنیم پہلے ہی خائف ہو کر بھاگ گیا تھا،[8] اس کے بعد مقام حمی پر فوج کشی ہوئی، پانچ سو جانباز مجاہدان کے زیر کمان تھے، حضرت زیدؓ احتیاط کے خیال سے دن کو پہاڑوں میں چھپ جاتے

---

[1] بخاری کتاب التفسیر، [2] طبقات ابن سعد حصہ مغازی

[3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۱

[4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۱۔

[5] طبقات حصہ مغازی باب سریہ قردہ ص ۴۴ [6] ایضاً سریہ جموم ص ۴۴

[7] طبقات حصہ مغازی باب سریہ عیص ص ۴۴، [8] طبقات حصہ مغازی باب سریہ طرف ص ۴۶۴

تھے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے قطع منازل کرتے تھے، یہاں تک کہ ایک روز یکا یک غنیم پر جا پڑے، ہر اور اس کے خاندان کو جس نے حضرت دحیہ کلبیؓ کو قسطنطنیہ کی سفارت سے واپس آتے وقت لوٹ لیا تھا، تہ تیغ کیا اور ایک ہزار اونٹ، پانچ ہزار بھیڑ بکریاں اور بہت سے قیدی گرفتار کر کے زید بن رفاعہ کے ساتھ دربار نبوت میں ارسال کیے، چونکہ اس قوم کے ایک ممبر ابو یزید بن عمرو نے دوراندیشی سے پہلے ہی پہنچ کر اسلام قبول کر لیا تھا اس لئے ان کی سفارش پر تمام قیدی رہا کر دیئے گئے، اور مال غنیمت واپس کر دیا گیا[1] پھر اسی سال ماہ رجب میں وادی قری کی مہم پر بھیجے گئے اور کامیابی کے ساتھ واپس آئے۔

ماہ رمضان المبارک ۶ھ میں حضرت زیدؓ ایک اسلامی کاروان تجارت کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا بہت سا سامان تجارت ان کے ساتھ تھا، مدینہ سے سات منزل دور وادی قری کے نواح میں پہنچے تو بنی بدر کے ایک رہزن و غارت پیشہ جماعت کے تمام قافلہ کو لوٹ لیا اور کلمہ گویان توحید کو سخت اذیتیں پہنچائیں، حضرت زیدؓ بمشکل جان بچا کر مدینہ واپس آئے اور دربار نبوت میں اس واقعہ کو اطلاع دی، چونکہ اس قسم کے متعدد واقعات پیش آ چکے تھے، اس لئے حضرت سرور کائنات ﷺ نے ان کو ایک جمعیت کے ساتھ اس قبیلہ کی سرکوبی پر مامور فرمایا، حضرت زیدؓ کمال احتیاط کے ساتھ دن کو چھپتے ہوئے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے یکا یک ان ڈاکوؤں پر جا پڑے اور قرار واقعی سزا دے کر مدینہ واپس آئے، انہوں نے آستانہ نبوت پر پہنچ کر دستک دی تو آنحضرت ﷺ جس حالت میں تھے اسی حالت میں باہر تشریف لے آئے، اور جوش مسرت سے گلے لگا کر ان کی پیشانی پر بوسہ دیا، اور دیر تک مفصل کیفیت دریافت فرماتے رہے۔[2]

مہم موتہ اور شہادت...... موتہ دمشق کے قریب ایک مقام کا نام تھا، حضرت حارث بن عمیر ازدیؓ کو شاہ بصری کے دربار میں سفارت کی خدمت انجام دے کر واپس آ رہے تھے، اسی مقام پر شرحبیل ابن عمر غسانی کے ہاتھ سے شہید ہوئے، یہ پہلا موقعہ تھا کہ دربار رسالت کے ایک قاصد کے ساتھ اس قسم کی جسارت کی گئی،[3] آنحضرت ﷺ نے ان کے انتقام کے لئے تین ہزار مجاہدین کی جمعیت فراہم کر کے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو لوائے قیادت (جھنڈا، علم) عطا کیا اور فرمایا اگر زید شہید ہوں تو جعفرؓ اور ان کے بعد عبداللہ بن رواحہؓ اس جماعت کے امیر ہوں گے[4] حضرت جعفرؓ چونکہ اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر متوقع تھے کہ امارت کا طغرائے امتیاز ان کے سینہ پر آویزاں ہوگا اس لئے انہوں نے کھڑے ہو کر عرض کی "یا رسول اللہ! میرا بھی یہ خیال نہ تھا کہ آپ زیدؓ کو مجھ پر امیر

[1] طبقات ابن سعد ص ۶۳، ۶۴

[2] طبقات ابن سعد حصہ مغازی سریہ زید الی ام القری ص ۶۵۔

[3] ایضاً باب غزوۂ موتہ　　[4] بخاری باب غزوۂ موتہ

بنائیں گے"، ارشاد ہوا "اس کو جانے دو تم نہیں جان سکتے کہ بہتر کیا ہے؟[1]

جمادی الاولیٰ ۸ھ میں یہ مہم روانہ ہوئی، چونکہ غنیم کو اس فوج کشی کی اطلاع پہلے سے مل چکی تھی، اس لئے ایک لاکھ کا ٹڈی دل لشکر امنڈ آیا تھا، لیکن حضرت زیدؓ نے اس کثرت کی پرواہ نہ کی اور علم سنبھال کر پیادہ پا دشمن کی صف میں گھس گئے، ان کے اتباع میں دوسرے سرداران فوج نے بھی ہلہ کر دیا، دیر تک گھمسان کی جنگ رہی، اس حالت میں نیزہ کے ایک وار نے اسلامی سالارِ فوج یعنی حضرت خیر الانام ﷺ کے محبوب غلام حضرت زید کو شہید کیا، اس کے بعد یکے بعد دیگرے حضرت جعفرؓ طیار اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے علم سنبھالا اور شدید کشت و خون کے بعد واصل بحق ہوئے، ان کے بعد حضرت خالدؓ سیف اللہ نے علم ہاتھ میں لیا اور غازیانِ دین کو مجتمع کر کے ایک ایسا حملہ کیا کہ غنیم کے پاؤں اکھڑ گئے۔[2]

آنحضرت ﷺ نے میدان جنگ سے اطلاع آنے کے قبل ہی لوگوں کو امرائے فوج کی خبر شہادت سنادی اور فرطِ غم سے آبدیدہ ہو گئے،[3] حضرت زیدؓ کی ایک صاحبزادی شفیق باپ کا سایہ اٹھ جانے سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں، تو آپ بھی ضبط نہ فرما سکے، اور اس قدر روئے کہ گلو گرفتہ ہو گئے، حضرت سعد بن عبادہؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ! یہ کیا ہے" فرمایا "یہ جذبہ محبت ہے"[4]

انتقام...... حضرت سرورِ کائنات ﷺ کو اپنے محبوب و وفا شعار غلام کی مفارقت کا شدید غم تھا، حجۃ الوداع سے واپس آنے کے بعد ان کے صاحبزادہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کو ایک جمعیت کے ساتھ انتقام پر مامور فرمایا، چونکہ وہ نہایت کمسن تھے اس لئے بعض نے ان کی سیادت پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا "تم لوگ پہلے جس طرح اس کے باپ کی سرداری پر طعن و طنز کرتے تھے اسی طرح اب اس کی امارت کو ناپسند کرتے ہو، خدا کی قسم! زید سزاوارِ امارت و محبوب ترین شخص تھا، اور اس کے بعد اسامہ مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔[5]

یہ مہم ابھی روانہ بھی نہیں ہوئی تھی، کہ آفتابِ رسالت غروب ہو گیا، لیکن خلیفہ اول نے ہجوم مصائب و صعوبات گوناگوں کے باوجود کوچ کا حکم دے دیا اور حضرت اسامہؓ اپنے پدرِ شفیق کے قاتلوں سے انتقام لے کر غیر معمولی کامیابی کے ساتھ مدینہ واپس آئے۔

اخلاق...... حضرت زیدؓ کے صحیفہ اخلاق میں وفا شعاری کا باب سب سے نمایاں ہے، گذشتہ واقعات سے اس کا اندازہ ہوا ہوگا، آقائے نامدار کی رضامندی ان کا پُر لطف مقصدِ حیات تھا حضرت ام ایمنؓ کو ایک معمر عورت تھیں تاہم انہوں نے محض اس لئے ان سے نکاح کر لیا، آنحضرت ﷺ ان کو

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۲

[2] بخاری باب غزوۂ موتہ، [3] ایضاً،

[4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۲

[5] بخاری ذکر اسامہ بن زیدؓ

بہت زیادہ محبوب رکھتے تھے۔[۱]

حضرت رسالت مآب ﷺ اور ان کے متعلقین کا بے حد ادب واحترام ملحوظ رکھتے تھے، حضرت زینب بنت جحش کے پاس (جن کو انہوں نے ناموافقت کے باعث طلاق دے دی تھی) آنحضرت ﷺ کی طرف سے پیام لے کر گئے تو محض اس خیال سے کہ آپ نے ان سے نکاح کی خواہش ظاہر فرمائی ہے تعظیماً دیکھ نہ سکے اور جو کچھ کہنا تھا منہ پھیر کر کہا۔[۲]

گو حضرت زیدؓ کے اخلاقی کارناموں کی تفصیل نہیں ملتی تاہم درحقیقت ان کے وہ اوصاف حسنہ ومحاسن جمیلہ ہی تھے جس نے انکو اور ان کی اولاد کو حضرت رسالت مآب ﷺ کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب بنادیا تھا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر وہ آنحضرت ﷺ کے بعد زندہ رہتے تو آپ ان ہی کو اپنا جانشین بناتے،[۳] حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک دفعہ ان کے پوتے محمد بن اسامہ کو مدینہ کی مسجد میں دیکھا تو تعظیم سے گردن جھکالی اور بولے "اگر رسول اللہ ﷺ دیکھتے تو اس کو بھی محبوب رکھتے۔"[۴]

حلیہ اور عمرؓ...... حضرت زیدؓ کا حلیہ یہ تھا، قد کوتاہ، ناک پست اور رنگ گہرا گندمی ۵۴ یا ۵۵ برس کی عمر میں شہادت پائی۔[۵]

ازواج...... مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں:-

ام ایمن، ام کلثوم بنت عقبہ، درہ بنت لہب، ہند بنت العوام، زینب بنت جحش، ناموافقت کے باعث ان کو طلاق دے دی اور اس کے بعد وہ امہات المومنین میں شامل کی گئیں۔[۶]

اولاد...... دولڑکے اسامہ بن زید، زید بن زید اور ایک لڑکی رقیہ پیدا ہوئی، لیکن حضرت اسامہؓ کے سوا مؤخر الذکر دونوں بچوں نے بچپن ہی میں داغ مفارقت دیا۔[۷]

---

[۱] طبقات ابن سعد تذکرہ ام ایمنؓ، [۲] مسلم باب زواج زینب بنت جحشؓ

[۳] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ۳۱، [۴] بخاری ذکر اسامہ بن زیدؓ

[۵] اصابہ تذکرہ زیدؓ بن حارثہؓ [۶] اسد الغابہ تذکرہ زید بن حارثہ

[۷] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۳۰

حضرت عبداللہ بن عباسؓ

نام ونسب...... عبداللہ نام، ابو العباس کنیت، والد کا نام عباسؓ اور والدہ کا نام ام الفضل لبابہ تھا شجرہ نسب یہ ہے۔

عبداللہ بن العباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف القرشی الہاشمی۔

آنحضرت ﷺ کے ابن عم اور ام المومنین حضرت میمونہؓ کے خواہر زادہ تھے، کیونکہ ان کی والدہ حضرت ام الفضل حضرت میمونہؓ کی حقیقی بہن تھیں۔

ولادت...... حضرت عبداللہؓ ہجرت سے تین سال قبل مکہ کی اس گھاٹی میں پیدا ہوئے جہاں مشرکین قریش نے تمام خاندان ہاشم کو محصور کر دیا تھا، حضرت عباسؓ ان کو بارگاہ نبوت میں لے کر آئے تو آپ نے منہ میں لعاب دہن ڈال کر دعا فرمائی۔[۱]

اسلام...... حضرت عباسؓ نے بظاہر فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا، لیکن حضرت عبداللہؓ کی والدہ حضرت ام الفضلؓ نے ابتدا ہی میں داعی توحید کو لبیک کہا تھا، ابن سعد کی روایت ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بعد عورتوں میں ان کا ایمان سب پر مقدم تھا، اس بنا پر حضرت عبداللہؓ نے یوم ولادت ہی سے توحید کی لوریوں میں پرورش پائی اور ہوش سنبھالنے کے ساتھ وہ قدرۃً ایک پرجوش مسلم ثابت ہوئے امام بخاری ترجمۃ الباب میں فرماتے ہیں:[۲]

كان ابن عباس مع امه من المستضعفين ولم يكن مع ابيه على دين قومه و قال الاسلام يعلو و لا يعلى

''حضرت ابن عباسؓ اپنی ماں کے ساتھ ضعفائے اسلام میں تھے (جو اپنی مجبوریوں کے باعث مکہ میں رہ گئے تھے) وہ اپنے والد کے ساتھ اپنی قوم کے مذہب پر نہ تھے وہ کہا کرتے تھے کہ اسلام سربلند رہے گا مغلوب نہ ہوگا''۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جب یہ آیت تلاوت فرماتے ''**الا المستضعفين من الرجال والنساء والولدان**'' تو فرماتے تھے کہ میں بھی اپنی والدہ کے ساتھ ان لوگوں میں شامل تھا جن کو خدا نے معذور قرار دیا ہے۔[۳]

---

[۱] اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن عباسؓ

[۲] بخاری جلد ا ص ۱۸۰ [۳] بخاری جلد ۲ ص ۶۶۰

ہجرت...... حضرت عباسؓ ۸ھ میں فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے، اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے،[1] حضرت عبداللہؓ کی عمر اس وقت گیارہ برس سے زیادہ نہ تھی، لیکن وہ اپنے والد کے حکم سے اکثر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے تھے، ایک روز انہوں نے واپس آکر بیان کیا" میں نے رسول اللہ! کے پاس ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کو میں نہیں جانتا تھا، کاش مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کون تھے؟" حضرت عباسؓ نے آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا، آپ نے ان کو بلا کر فرط محبت سے اپنے آغوش عاطفت میں بٹھایا، اور سر پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی، "اے خدا! اس میں برکت نازل فرما اور اس سے علم کی روشنی پھیلا"[2]

عہد طفولیت ومصاحبت رسول...... حضرت عبداللہ بن عباسؓ گو فطرۃً ذہین، سلیم الطبع، متین اور سنجیدہ تھے، تاہم انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت کا جو زمانہ پایا وہ درحقیقت ان کا عہد طفولیت تھا، جس میں انسان کو کھیل کود سے دل آویزی ہوتی ہے، فرماتے ہیں کہ میں لڑکوں کے ساتھ گلیوں میں کھیلتا پھرتا تھا، ایک روز رسول اللہ ﷺ کو پیچھے آتے ہوئے، دیکھا تو جلدی سے ایک گھر کے دروازے میں چھپ گیا، لیکن آپؐ نے آکر مجھے پکڑ لیا اور سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا" جا معاویہؓ کو بلا لا" وہ آنحضرت ﷺ کے کاتب تھے، میں دوڑ کر ان کے پاس گیا اور" کہا چلیے رسول ﷺ آپ کو یاد فرماتے ہیں، کوئی خاص ضرورت ہے"[3]

ام المؤمنین حضرت میمونہؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خالہ تھیں اور ان کو نہایت عزیز رکھتی تھیں، اس لئے وہ اکثر ان کی خدمت میں حاضر رہتے، کبھی کبھی رات کے وقت بھی ان ہی کے گھر سو رہتے تھے، اس طرح ان کو رسول ﷺ کی صحبت سے مستفیض ہونے کا بہترین موقع میسر تھا، فرماتے ہیں کہ" ایک مرتبہ میں رات کے وقت اپنی خالہ (حضرت میمونہؓ) کے پاس سو رہا تھا، آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور چار رکعت نماز پڑھ کر استراحت فرما ہوئے، پھر کچھ رات باقی تھی کہ بیدار ہوئے اور مشکیزہ کے پانی سے وضو کر کے نماز پڑھنے لگے میں بھی اٹھ کر بائیں طرف کھڑا ہو گیا، آپؐ نے میرا سر پکڑ کر مجھے داہنی طرف کر لیا،[4]

اسی سلسلہ میں بارہا خدمت گذاری کا شرف بھی حاصل ہوا، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے بیدار ہوئے، انہوں نے وضو کے لئے پانی لا کر رکھ دیا، آپؐ نے وضو فرما کر پوچھا" پانی کون لایا تھا؟" حضرت میمونہؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا نام لیا، آنحضرت ﷺ نے خوش ہو کر دعائیں دیں اور فرمایا" اللهم فقهه في الدين و علمه التاويل" یعنی اے خدا! اس کو مذہب کا فقیہ بنا اور تاویل کا طریقہ سکھا،[5]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ عباس بن عبدالمطلبؓ، [2] اصابہ تذکرہ عبداللہ بن عباسؓ
[3] مسند جلد ۱ ص ۲۹۱، [4] بخاری جلد ۱ ص ۹۷
[5] مسند احمد جلد ۱ ص ۳۲۸، ومستدرک جلد ۳ ص ۵۳۴

ایک دفعہ وہ نماز میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے، آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اپنے برابر کھڑا کر لیا، لیکن وہ حیص بیص میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے، آنحضرت ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ عرض کی "یا رسول اللہ! کیا آپ کے برابر کھڑا ہونا کسی کے لئے مناسب ہے، حالانکہ آپ رسول خدا ہیں، آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے ازدیاد علم وفہم کی دعا فرمائی [1]

خلفائے راشدینؓ کا عہد...... حضرت عبداللہ بن عباسؓ صرف تیرہ برس کے تھے کہ حضرت سرور کائنات ﷺ نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی، سوا دو برس کے بعد خلیفہ اول نے بھی داغ مفارقت دیا، خلیفہ دوم یعنی حضرت عمر فاروقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو وہ سن شباب کو پہنچ چکے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کو جوہر قابل پا کر خاص طور سے اپنے دامن تربیت میں لے لیا، اور اکابر صحابہؓ کی علمی صحبتوں میں شریک کیا، یہاں تک کہ لوگوں کو اس پر رشک ہوتا تھا، صحیح بخاری میں خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ مجھ کو شیوخ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے، اس پر بعض بزرگوں نے کہا کہ آپ اس نوعمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں، اور ہمارے لڑکوں کو جو ان کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا "یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے" [2]

محدث ابن عبدالبر استیعاب میں تحریر فرماتے ہیں "کان عمر یحب ابن عباس و یقربہ" یعنی حضرت عمرؓ ابن عباسؓ کو محبوب رکھتے تھے، اور ان کو تقرب دیتے تھے، بسا اوقات حضرت عمرؓ کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس کا جواب دینا چاہتے لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے، حضرت عمرؓ ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے "علم عمر کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں ہے، تم اپنے نفس کو حقیر نہ بناؤ" [3] حضرت عمرؓ اکثر پیچیدہ اور مشکل مسائل ان سے حل کراتے تھے، اور ان کی فطری ذہانت وطباعی سے خوش ہو کر داد دیتے تھے، انشاء اللہ علم وفضل کے بیان میں اسکی تفصیل آئے گی۔

خلیفہ ثالث کے عہد میں عبداللہ بن ابی سرح والی مصر کے زیر اہتمام ۲۷ھ میں افریقہ پر فوج کشی ہوئی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایک جماعت کے ساتھ مدینہ منورہ سے چل کر اس مہم میں شریک ہوئے اور ایک سفارت کے موقع میں جرجیر شاہ افریقہ سے مکالمہ ہوا، اس کو ان کی ذہانت وطباعی سے نہایت حیرت ہوئی اور بولا "میں خیال کرتا ہوں کہ آپ حبر عرب (عرب کے کوئی عالم متبحر) ہیں" [4]

---

[1] مسند احمد جلد ا ص ۳۳۰ ومستدرک جلد ۳ ص ۵۳۵،

[2] بخاری جلد ۲ ص ۶۱۵، [3] ایضاً ص ۲۵۱

[4] اصابہ تذکرہ عبداللہ بن عباسؓ

امارت حج ..... چونکہ ۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ محصور تھے، اس لئے اس سال وہ خود امارت حج کا فرض انجام نہ دے سکے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بلا کر فرمایا ''خالد بن عاص کو میں نے مکہ کا والی مقرر کیا ہے، میں ڈرتا ہوں کہ امارت حج کے فرائض انجام دینے پر شاید ان کی مزاحمت کی جائے اور اس طرح خانہ خدا میں بھی فتنہ و فساد اٹھ کھڑا ہو، اس لئے میں تم کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجتا ہوں''۔[1]

حضرت عبداللہؓ اس خدمت کو سر انجام دے کر واپس آئے تو مدینہ نہایت پر آشوب ہو رہا تھا، خلیفہ ثالث شہید ہو چکے تھے، اور حضرت علیؓ کو بار خلافت اٹھانے پر لوگ مجبور کر رہے تھے، انہوں نے ان سے مشورہ طلب کیا۔

حضرت علیؓ: خلافت کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ میں خیال کرتا ہوں کہ اس حادثہ عظیم کے بعد کوئی شخص اس بار کو اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ: یہ ضروری ہے کہ اب جس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی اس پر خون ناحق کا اتہام لگایا جائے گا، تاہم لوگوں کو اس وقت آپ کی ضرورت ہے۔

غرض اہل مدینہ کے اتفاق عام سے حضرت علیؓ مسند آرائے خلافت ہوئے اور نئے سرے سے ملکی نظم و نسق کا اہتمام شروع ہوا، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے مشورہ دیا کہ سر دست موجودہ عمال و حکام برقرار رکھے جائیں، لیکن جب حضرت علیؓ نے سختی کے ساتھ اس سے انکار کیا تو انہوں نے دوسرے روز اپنی رائے واپس لے لی، اور کہا ''امیر المؤمنین! میں نے رائے دینے کے بعد غور کیا تو آپ ہی کا خیال انسب نظر آیا''۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فوراً اصل حقیقت کو تاڑ گئے اور بولے، میرے خیال میں مغیرہ کی پہلی رائے خیر خواہی پر مبنی تھی، لیکن دوسری دفعہ انہوں نے آپ کو دھوکہ دیا''

حضرت علیؓ: خیر خواہی کیا تھی؟

حضرت عبداللہ بن عباسؓ: آپ جانتے ہیں کہ معاویہ اور ان کے احباب دیندار ہیں، اگر آپ ان کو برطرف کر دیں گے تو وہ تمام ملک میں شورش و فتنہ پردازی کی آگ بھڑکا دیں گے، اور اہل شام و عراق کو خلیفۂ ثالث کے انتقام پر ابھار کر آپ کے خلاف کھڑا کر دیں گے۔

حضرت علیؓ: اس میں شک نہیں کہ تمہاری رائے مصالح دنیاوی کے لحاظ سے نہایت صائب ہے، تاہم میرا ضمیر اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں جن لوگوں کی بداعمالیوں سے واقف ہوں ان کو اپنے عہدوں پر برقرار رہنے دوں گا، خدا کی قسم! میں کسی کو نہ رہنے دوں گا، اگر سرکشی کریں گے تو تلوار سے فیصلہ کروں گا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ: میری بات مانئے، گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جایئے یا اپنی

[1] طبری واقعات ۳۵ھ

جاگیر پر منبع چلے جایئے، لوگ تمام دنیا کی خاک چھان ماریں گے، لیکن آپکے سوا کسی کو خلافت کے لائق نہ پائیں گے، خدا کی قسم! اگر آپ ان مصریوں کا ساتھ دیں گے تو کل ضرور آپ پر عثمانؓ کے خون کا اتہام لگایا جائے گا۔

حضرت علیؓ:- اب کنارہ کش ہونا میرے امکان سے باہر ہے۔

حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو امیر معاویہؓ کے بجائے شام کا والی مقرر کرنا چاہا، لیکن انہوں نے انکار کیا، اور بار بار یہی مشورہ دیا کہ آپ معاویہؓ کو برقرار رکھ کر اپنا طرفدار بنا لیجئے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے برہم ہو کر نہایت سختی سے انکار کر دیا اور فرمایا" خدا کی قسم یہ کبھی نہیں ہو سکتا" [1]

غرض اس تشدد آمیز طرز عمل پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ واقعہ بن کر سامنے آیا، تمام ملک میں جناب امیرؓ کے خلاف مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی، ایک طرف حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، اور حضرت عائشہؓ نے مطالبہ اصلاح وانتقام کا علم بلند کر کے بصرہ پر قبضہ کر لیا اور دوسری طرف امیر معاویہؓ نے شام میں ایک عظیم الشان جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

جنگِ جمل ...... حضرت علیؓ بصرہ کو محفوظ رکھنے کے خیال سے ایک فوج گراں کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے، لیکن وہ پہلے داعیان اصلاح کے قبضہ میں آ چکا تھا، اس لئے طرفین نے میدان ذی قار میں صف آرائی کی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ جناب امیرؓ کی طرف سے اہل حجاز کی افسری پر مامور ہوئے اور جنگ شروع ہونے پر نہایت شجاعت و جانبازی کے ساتھ نبرد آزما ہوئے، یہاں تک کہ حامیان عرش خلافت کی فتح پر اس افسوس ناک خانہ جنگی کا خاتمہ ہوا۔

ولایت بصرہ ...... بصرہ پر دوبارہ قبضہ ہونے کے بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ یہاں کے گورنر بنائے گئے اور زیاد ان کے مشیر اور بیت المال کے مہتمم مقرر ہوئے۔

معرکہ صفین ...... جنگ جمل کے بعد امیر معاویہؓ سے معرکہ صفین پیش آیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ بصرہ سے ایک جماعت فراہم کر کے جناب امیرؓ کی حمایت میں میدان جنگ میں پہنچے اور نہایت جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار ہوئے، حضرت علیؓ نے ان کو میسرہ کا افسر مقرر فرمایا تھا، چونکہ دونوں طرف سے روزانہ تھوڑی تھوڑی فوجیں نکل کر معرکہ آرا ہوتی تھیں، اس لئے اس جنگ کا سلسلہ طویل عرصہ تک قائم رہا، لیکن رفتہ رفتہ حامیان خلافت کا پلّہ بھاری ہونے لگا یہاں تک کہ ایک روز شامی فوجوں نے شکست کے خوف سے اپنے نیزوں پر قرآن مجید بلند کر کے صلح کی دعوت دی، گو جناب مرتضیٰؓ اور ان کے ہوا خواہوں نے اپنی فوج کو اس دام تزویر سے

[1] طبری ص ۳۰۸۵

محفوظ رکھنے کی بے پناہ کوشش کی تاہم مخالف کا جادو چل چکا تھا، ایک بڑی جماعت نے دعوت قرآن کی تسلیم کرنے پر اصرار کیا۔

ثالثی اور اس کا حشر...... غرض جنگ ملتوی ہوگئی اور مسئلہ خلافت کا فیصلہ دو حکم پر محمول ہوا، شامیوں نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو حکم مقرر کیا اور اہل عراق کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا انتخاب ہوا، حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ثالث بنانا چاہتے تھے، لیکن لوگوں نے اس پر اعتراض کیا اور کہا" آپ اور عبداللہ بن عباسؓ ایک ہی ہیں، حکم کو غیر جانبدار ہونا چاہیے"۔

دونوں فریق کے اتفاق سے دومۃ الجندل حکمین کے لئے مقام اجلاس قرار پایا، اور ہر ایک نے اپنے حکم کے ساتھ چار ہزار آدمیوں کے جمعیت ساتھ کردی، حضرت ابوموسیٰؓ اشعری کے ساتھ جو فوج گئی تھی اس کے افسر شریح بن ہانی اور مذہبی نگران حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نہایت نیک طبیعت وسادہ مزاج تھے، وہ جب تخلیہ میں حضرت عمرو بن العاصؓ سے کسی فیصلہ پر متفق ہوکر باہر تشریف لائے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان سے کہا" خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ عمرو نے آپ کو دھوکہ دیا ہوگا، اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان میں سبقت نہ کیجئے گا، وہ نہایت چالاک ہیں، کیا عجب ہے کہ آپ کے بیان کی مخالفت کر بیٹھیں،" بولے "ہم دونوں ایک ایسی رائے پر متحد ہوئے ہیں کہ اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں" غرض دوسرے روز مسجد میں مسلمانوں کا مجمع ہوا، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کے اصرار پر کھڑے ہوکر یہ متفق علیہ فیصلہ سنایا۔

صاحبو! ہم نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے پھر نئے سرے سے مسلمانوں کو مجلس شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا، وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا، وہ نہایت صحیح ثابت ہوا عمرو بن العاصؓ نے قرارداد سے منحرف ہوکر کہا! بے شک علیؓ کو جیسا کہ ابوموسیٰ نے معزول کیا، میں بھی معزول کرتا ہوں، لیکن معاویہؓ کو اس منصب پر قائم رکھتا ہوں کیونکہ وہ امیر المومنین عثمانؓ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔"

حضرت ابوموسیٰؓ اس خلاف بیانی پر ششدر رہ گئے، چلا کر کہنے لگے یہ کیا غداری ہے؟ یہ کیا بے ایمانی ہے؟ افسوس! ابن عباسؓ نے مجھے عمرو کی غداری سے ڈرایا تھا، لیکن میں نے اس پر اطمینان رکھا، مجھے کبھی یہ گمان نہ تھا کہ وہ مسلمانوں کی خیر خواہی پر کسی چیز کو ترجیح دیں گے، غرض اس ثالثی نے گتھی کو سلجھانے کے بجائے اور زیادہ الجھا دیا، جناب امیرؓ کے اعوان و انصار میں تفریق و اختلاف کی ہوا چل گئی اور ایک بڑی جماعت نے لشکر حیدری سے کنارہ کش ہوکر خارجی فرقہ کی بنیاد ڈالی اس کا عقیدہ تھا کہ معاملات دین میں حکم مقرر کرنا کفر ہے، اس بنا پر دونوں حکم

اوران کے انتخاب کرنے والے کافر ہیں۔[1]

حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو خارجیوں کے پاس بھیجا کہ بحث و مباحثہ سے ایک ضلالت دور کردیں، لیکن قلوب تاریک ہو چکے تھے، آنکھوں پر ضلالت و گمراہی کا پردہ پڑ چکا تھا، اس لئے ارشاد و ہدایت کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔

معرکہ نہروان...... خارجیوں نے نہروان میں مجتمع ہوکر عملاً سرکشی اختیار کی اور تمام ملک میں قتل وغارتگری کا بازار گرم کردیا، حضرت علیؓ دوبارہ شام پر فوج کشی کے خیال سے روانہ ہوچکے تھے، ان سرکشوں کا حال سنکر نہروان کی طرف پلٹ پڑے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ گورنری کے عہدہ پر بصرہ پہنچ گئے تھے، وہاں سے تقریباً سات ہزار کی جمعیت فراہم کر کے مقام نخیلہ میں افواج خلافت سے مل گئے اور نہروان پہنچ کرنہایت بہادری و پامردی کے ساتھ سرگرم پیکار ہوئے۔[2]

ایران کی حکومت...... جنگ نہروان نے گو خارجیوں کا زور توڑ دیا تھا تاہم ان کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں نے فارس، کرمان وایران کے دوسرے اضلاع میں پھیل کر ایک عام شورس برپا کردی، اور ذمیوں کو بھڑکا کر آمادہ بغاوت کردیا، چنانچہ ایران کے اکثر صوبوں میں عمال نکال دیئے گئے، اور عجمیوں نے خراج ادا کرنے سے قطعاً انکار کردیا، حضرت علیؓ نے اپنے تمام عمال کو بلا کر اس شورش کے متعلق مشورہ طلب کیا حضرت عبداللہ نے کہا،'' میں ایران میں تسلط قائم کرنے کا ذمہ لیتا ہوں''، چونکہ بصرہ ایران کے باغی اضلاع سے بالکل متصل تھا اور وہ ایک عرصہ وہاں کامیابی کے ساتھ گورنری کے فرائض انجام دے رہے تھے، اس لئے حضرت علیؓ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور ان کو تمام ایران کا حاکم اعلیٰ بنادیا۔[3]

بغاوت کا استیصال...... حضرت عبداللہ نے بصرہ پہنچ کر زیاد بن ابیہ کو ایک زبردست جمعیت کے ساتھ ایران کی بغاوت فرو کرنے پر مامور فرمایا، چنانچہ انہوں نے بہت جلد کرمان، فارس اور تمام ایران میں امن وسکون پیدا کردیا۔[4]

مکہ میں عزلت نشینی...... ایک روایت کے مطابق ۳۹ھ یعنی حضرت علیؓ کی زندگی ہی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بصرہ کے عہدہ امارت سے مستعفی ہوکر مکہ میں عزلت نشینی اختیار کرلی، وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ابوالاسود دوئلی قاضی بصرہ میں باہم مخالفت تھی، ابوالاسود نے بارگاہ خلافت میں ان کی شکایت لکھی کہ انہوں نے بیت المال میں تصرف بے جا کیا ہے، حضرت علی نے ان سے جواب طلب کیا تو انہوں نے لکھا۔

ان الذی بلغک باطل و انی لما تحت یدی ضابط قائم له وله حافظ فلا تصدق الظنون.

---

[1] یہ تمام واقعات طبری سے ماخوذ ہیں، [2] تاریخ الطوال
[3] تاریخ طبری ص ۳۴۴۹، [4] ایضاً

''آپ کو جو خبر ملی ہے وہ قطعاً غلط ہے، میرے قبضہ میں جو کچھ ہے میں اس کا محافظ و نگہبان ہوں، آپ ان بدگمانیوں کو باور نہ فرمائیں''۔

حضرت علیؓ نے اس کے جواب میں ان سے بیت المال کا تمام و کمال حساب طلب کیا، حضرت عبداللہ عباسؓ کو یہ ناگوار گذرا، انہوں نے برداشتہ خاطر ہو کر لکھا

فهمت تعظيمك مر زاة ما بلغك انى رزاته من مال اهل هذا البلد فا بعث الى عملك من احببت فانى ظاعن منه و السلام[1]

''میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس شکایت کو کہ میں نے اس شہر والوں کے مال میں کچھ خورد برد کیا ہے، زیادہ اہمیت دینا چاہتے ہیں، اس لئے آپ اپنے کام پر جس کو چاہئے بھیج دیجئے میں اس سے کنارہ کش ہوتا ہوں''۔

ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے جب زیادہ باز پرس کی تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ ابھی میں نے اپنا پورا حق نہیں لیا ہے اور بیت المال سے ایک بڑی رقم لے کر مکہ چلے گئے، لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت علیؓ کی شہادت تک بصرہ کی گورنری پر مامور تھے، البتہ جب حضرت امام حسینؓ اور امیر معاویہؓ میں مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی تو انہوں نے بطور حفظ ماتقدم پہلے ہی امیر معاویہؓ کو خط لکھ کر جان و مال کی امان حاصل کی اور مکہ جا کر گوشہ نشین ہو گئے۔[2]

حضرت امام حسینؓ کو کوفہ جانے سے منع کرنا ...... ۶۰ھ میں امیر معاویہؓ کے بعد جب یزید مسند نشین حکومت ہوا تو شیعان علی مرتضی نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اس انقلاب سے فائدہ اٹھانے پر ابھارا اور کوفہ آنے کی دعوت دی چنانچہ وہ مدینہ سے مکہ آئے اور یہاں سے عازم کوفہ ہوئے۔

چونکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کوفیوں کے غداری کا دیرینہ تجربہ رکھتے تھے، اس لئے انہوں نے حضرت حسینؓ کو بہ اصرار کوفہ جانے سے منع کیا اور کہا۔

عبداللہ بن عباسؓ:- اے ابن عم! میں اپنے دل کو مطمئن کرنا چاہتا ہوں، لیکن وہ نہیں ہوتا، اس طریقہ سے جانے میں مجھ کو تمہاری ہلاکت و تباہی کا خوف ہے، اہل عراق نہایت غدار ہیں، تم ان کے قول و قرار پر اعتبار نہ کرو، تم اہل حجاز کے سردار ہو، اس لئے کوفہ جانے سے یہیں مقیم رہنا زیادہ مناسب ہے، ہاں! اگر اہل کوفہ درحقیقت تمہارے عقیدت کیش ہیں، تو ان کو لکھو کہ وہ پہلے اپنے ملک سے دشمن کو نکال باہر کریں، پھر ان کے پاس جاؤ، اگر یہ منظور نہ ہو تو یمن کی راہ لو، وہاں بہت سے قلعے اور گھاٹیاں ہیں، ملک نہایت وسیع و فراخ ہے اور تمہارے والد کا اثر بھی

[1] تاریخ طبری ص ۳۴۵۴　[2] طبری ذکر بیعت حسن بن علیؓ

خاصہ ہے، علاوہ ازیں دشمن کے دور ہونے کے باعث لوگوں سے مراسلت و مکاتبت کر سکتے ہو اور تمام ملک میں اپنے داعی پھیلا سکتے ہو، مجھے امید ہے کہ اسی طرح زیادہ آسانی و اطمینان[1] کے ساتھ تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا،

حضرت حسینؓ:- اے ابن عم! خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ آپ مہربان ہیں، لیکن اب سفر کوفہ کی تیاریاں ہو چکی ہیں اور میں نے وہاں جانے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ:- اگر تم جاتے ہو تو خدارا بیوی، بچوں کو ساتھ نہ لے جاؤ، خدا کی قسم! مجھے خطرہ ہے کہ کہیں تم بھی اس طرح نہ شہید کیے جاؤ جس طرح (حضرت عثمانؓ) اپنی عورتوں اور بچوں کے سامنے ذبح کیے گئے۔

لیکن مشیت الٰہی میں کس کو دخل تھا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ضد و اصرار کے باوجود حضرت امام حسینؓ اپنے تمام خاندان کے ساتھ راہی کوفہ ہوئے اور میدان کربلا نے وہ خونین منظر پیش کیا جس سے جگر پاش پاش ہوتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اپنے خاندان کی تباہی کا جو روح فرسا صدمہ ہوا ہوگا اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ وہ بیس سال سے گوشہ نشین تھے، لیکن اس واقعہ کے بعد تمام دنیا ان کے سامنے تیرہ و تار تھی، بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اخیر عمر میں نابینا ہو گئے تھے، شاید اسی جگر خراش سانحہ کا اثر ہو۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت سے انکار..... اسی سال حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ میں خلافت کا دعویٰ کیا، چونکہ حجاز و عراق میں عبداللہ بن عباسؓ کے معتقدین کی ایک بڑی جماعت تھی، اس لئے انہوں نے ان سے بیعت کے لئے بے حد اصرار کیا اور بصورت انکار آگ میں جلا دینے کی دھمکی دی، لیکن وہ تمام جھگڑوں سے کنارہ کش ہو چکے تھے، اس بنا پر انہوں نے نہایت سختی سے انکار کیا، اور ابوالطفیل کو کوفہ بھیج کر اپنے معتقدین سے مدد طلب کی۔

ابوطفیل کا بیان ہے کہ ہم کوفہ سے چار ہزار جان نثاروں کی ایک جماعت لے کر نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے، مکہ میں داخل ہوئے تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے غلاف کعبہ تھام کر پناہ حاصل کی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مکان کے ارد گرد لکڑیوں کا انبار لگایا جا چکا تھا، ہم نے ان سے کہا "اگر آپ اجازت دیجیے تو اس شخص سے مخلوق الٰہی کو نجات دیں" بولے "نہیں یہ حرم ہے! یہاں کشت و خون جائز نہیں، تم صرف میری حفاظت کرو اور مجھے پناہ دو"[2]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ درحقیقت بنوامیہ کی بہ نسبت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے، ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا "کیا آپ ابن زبیرؓ سے لڑ کر حرم الٰہی کو حلال کرنا چاہتے ہیں؟" بولے معاذ اللہ! حرم میں

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۵

[2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۵

خونریزی کرنا تو صرف بنوامیہ اور ابن زبیرؓ کی قسمت میں لکھا ہے، میں خدا کی قسم! کبھی ایسی جرأت نہ کروں گا، میں نے کہا "لوگ ابن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں، معلوم نہیں ان کو خلافت کا دعویٰ کس بنا پر ہے؟" فرمایا "کیوں نہیں! ان کے والد زبیرؓ حواری رسولؐ تھے، ان کے نانا، ابوبکرؓ آنحضرت ﷺ کے رفیق غار تھے، ان کی ماں اسماءؓ ذات النطاق تھیں، ان کی خالہ عائشہ، ام المؤمنین تھیں، ان کے والد کی پھوپھی خدیجہؓ آنحضرت ﷺ کی حرم محترم تھیں، اور ان کی دادی صفیہؓ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں، پھر وہ ایک خود بھی پاک باز مومن اور قاری قرآن ہیں، خدا کی قسم! اگر وہ میرے ساتھ کوئی احسان کریں گے تو ایک رشتہ دار کا احسان ہوگا اگر وہ میری پرورش کریں گے تو یہ اپنے ایک ہمسر محترم کی پرورش ہوگی۔[1]

طائف منتقل ہونا...... لیکن دلی ہمدردی اور جانبداری کے باوجود انکار بیعت سے جو مخالفت پیدا ہوگئی تھی، اس کی بنا پر مکہ میں ان کا رہنا خطرہ سے خالی نہ تھا، اس لئے کوفی معاونین کی حفاظت میں مکہ سے طائف منتقل ہوگئے اور بقیہ زندگی کے دن وہیں پورے کئے۔

وفات...... ۶۸ھ میں پیمانہ حیات لبریز ہوگیا، ایک روز سخت بیمار ہوئے، بستر علالت کے اردگرد احباب ومعتقدین کا ہجوم تھا، بولے "میں ایک ایسی جماعت میں دم توڑوں گا جو روئے زمین پر خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب مشرف ومقرب ہے، اس لئے اگر میں تم لوگوں میں مروں تو یقیناً تم ہی وہ بہتر جماعت ہو"۔ غرض ہفت روزہ علالت کے بعد طائر روح نے قفس عنصری چھوڑا، محمد بن حنفیہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور سپرد خاک کر کے کہا "خدا کی قسم! آج دنیا سے حبر امت اٹھ گیا"۔ غیب سے ندا آئی

يا ايتها النفس المطمئنة ارجعي الى ربک راضية مرضية (فجر)

"یعنی اے نفس مطمئن! اپنے خدا کی طرف خوشی خوشی لوٹ آ"[2]

علم وفضل

فضل وکمال کے اعتبار سے حضرت ابن عباسؓ اس عہد مبارک کے ممتاز ترین علماء میں تھے ان کی ذات ایسی زندہ کتاب خانہ تھی، جس میں تمام علوم ومعارف بہ ترتیب جمع تھے، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، شاعری، وغیرہ کوئی ایسا علم نہ تھا جس میں ان کو یدطولی حاصل نہ رہا ہو۔

تفسیر...... بالخصوص قرآن پاک کی تفسیر وتاویل میں جو مہارت اور آیات قرآنی کے شان نزول اور ناسخ ومنسوخ کے علم میں جو وسعت ان کو حاصل تھی، وہ کم کسی کے حصہ میں آئی، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جو علم وفضل میں ان کے ہمسر تھے، فرماتے تھے کہ "عبداللہ بن عباسؓ قرآن

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۶۸۲، [2] اصابہ جلد ۳ ص ۹۴

کے کیا اچھے ترجمان ہیں" شقیق تابعی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حج کے موسم میں عبداللہ بن عباسؓ نے خطبہ دیا اور اس میں سورہ نور کی تفسیر بیان کی، میں کیا بتاؤں وہ کیا تفسیر تھی، اس سے پہلے نہ میرے کانوں نے سنی تھی، نہ آنکھوں نے دیکھی تھی، اگر اس تفسیر کو فارس اور روم والے سن لیتے تو پھر اسلام سے ان کو کوئی چیز نہ روک سکتی[1]

حضرت عمرؓ کی علمی مجلسوں میں یہ برابر شریک تھے، اور قرآن پاک کی فہم میں وہ اکثر بڑے بڑے صحابہؓ سے بازی لے جاتے تھے، ایک دن فاروق اعظمؓ کے حلقۂ مجلس میں اکابر صحابہؓ کا مجمع تھا، ابن عباسؓ بھی موجود تھے، حضرت عمرؓ نے اس آیت کا مطلب پوچھا۔

ایو داحد کم ان تکو ن لہ جنۃ من نخیل و اعناب تجری من تحتھا الا نھر لہ فیھا من کل الثمرات و اصا بہ الکبر و لہ ذریۃ ضعفاء فا صا بھا اعصا رفیہ نا ر فا حتز قت کذالک یبین اللہ لکم الایٰت لعلکم تتقون

"کیا تم میں سے کوئی اس کو پسند کریگا کہ اس کا کھجور اور انگور کا ایک باغ ہے جس کے نیچے نہریں رواں ہوں، اس کے لئے ہر قسم کے پھل اس میں موجود ہوں، اور اس شخص پر بڑھاپا آ گیا ہو اور اس کے ناتواں بچے ہوں، اس حالت میں اس باغ میں ایسا بگولہ آیا جس میں آگ بھری تھی، اس نے باغ کو جلا دیا، اسی طریقہ سے اللہ تمہارے لئے کھول کھول کر نشانیاں بیان کرتا ہے، شاید تم بچو"،

لوگوں نے کہا واللہ اعلم! حضرت عمرؓ کو اس بے معنی جواب پر غصہ آ گیا، بولے اگر نہیں معلوم تو صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ نہیں معلوم، حضرت ابن عباسؓ جھجکتے ہوئے بولے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، فرمایا کہ تم اپنے کو چھوٹا نہ سمجھو جو دل میں ہو بیان کرو، کہاں اس میں عمل کی مثال دی گئی ہے، جواب گو صحیح تھا، تاہم ناکافی تھا، حضرت عمرؓ نے پوچھا کیسا عمل؟ ابن عباسؓ اس سے زیادہ نہ بتا سکے، تب حضرت عمرؓ نے بتایا کہ اس میں اس دولت مند کی تمثیل ہے جو خدا کی اطاعت بھی کرتا ہے، لیکن اس کو شیطانی وسوسہ گناہوں میں مبتلا کر دیتا ہے، اور اس کے تمام اچھے اعمال برباد ہو جاتے ہیں[2]

حضرت عمرؓ ان کی ذہانت اور ذکاوت کی وجہ سے ان کو شیوخ بدر کے ساتھ مجلسوں میں شریک کرتے تھے، بعض صحابہؓ کو اس سے شکایت پیدا ہوئی، انہوں نے کہا کہ ان کو ہمارے ساتھ مجلسوں میں کیوں شریک کرتے ہو، ان کے برابر تو ہمارے لڑکے ہیں؟ فرمایا تم لوگ ان کا مرتبہ جانتے ہو؟ اس کے بعد، ان کی ذہانت کا مشاہدہ کرانے کے لئے ایک دن ان کو بلا بھیجا اور

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۷

[2] بخاری جلد کتاب التفسیر باب قولہ ایو داحد کم ان تکون لہ الخ

لوگوں سے پوچھا کہ

اذا جاء نصر الله و الفتح ..... الخ (نصر)

''جب خدا کی نصرت اور فتح آ گئی تو اے پیغمبر توبہ اور استغفار کرنا''۔

کے بارہ میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے اس کے کیا معنی ہیں؟ کسی نے جواب دیا کہ نصرت و فتح پر ہم کو خدا کی حمد و ثنا کا حکم دیا گیا ہے، کوئی خاموش رہا، پھر حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ ابن عباسؓ! تمہارا بھی یہی خیال ہے؟ انہوں نے کہا نہیں! پوچھا پھر کیا ہے؟ عرض کی اس میں آنحضرت ﷺ کی وفات کا اشارہ ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا جو تم کہتے ہو یہی میرا بھی خیال ہے،[1] در حقیقت حضرت ابن عباسؓ کی فہم تفسیر قرآن میں ایسی دقیقہ رس تھی کہ وہاں تک مشکل سے دوسروں کا خیال پہنچ سکتا تھا، چنانچہ اس سورہ کا مقصد خاص محرمان اسرار کے علاوہ عام لوگ کم سمجھ سکتے تھے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو اکثر صحابہؓ میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی کہ اس میں خدا نے فتح و نصرت اور اسلام کی مقبولیت کے ایفائے عہد پر حمد و ثنا کا حکم دیا ہے، لیکن مقرب بارگاہ رسالت محرم، اسرار نبوت، ثانی اثنین فی الغار حضرت ابوبکر صدیقؓ کی آنکھوں سے جوئے اشک رواں ہوگئی، کہ اس کی صبح وصل کا نور چھنتا ہوا اور شام فراق کی تاریکی چھاتی ہوئی نظر آ گئی تھی۔[2]

بظاہر اس سورہ کا آنحضرت ﷺ کی وفات سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا لیکن اگر انسان کے مقصد حیات کو پیش نظر رکھ کر اس کی ترتیب اور اسکے معنی پر غور کیا جائے تو مطلب واضح ہو جاتا ہے، دنیا میں انسان ایک نہ ایک مقصد لے کر آتا ہے، اور اس کے حصول کے بعد اس کے آنے کا مقصد پورا ہو جاتا ہے، پھر قیام کی ضرورت باقی نہیں رہتی، آنحضرت ﷺ دین الٰہی کی تبلیغ کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے، وہ پوری ہو چکی تو خدا نے فرمایا کہ جب خدا کی مدد اور اس کی فتح آ چکی اور تم نے دیکھ لیا جوق در جوق خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اب تم خدا کی تحمید و تقدس کرو، اس سے مغفرت چاہو، وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے، یعنی خدا کو کچھ کام تمہارے ذریعہ لینا تھا وہ لے چکا اب تم کو اس سے ملنے کی تیاری کرنی چاہیے۔

حضرت ابن عباسؓ تفسیر میں ہمیشہ عام، جامع اور قرین عقل شق کو اختیار کرتے تھے، سورۂ کوثر کی تفسیر خود آنحضرت ﷺ سے حضرت عائشہؓ اور متعدد اکابر صحابہؓ کے ذریعہ سے منقول ہے، حضرت انسؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے سورۂ کوثر کے نزول کے وقت پوچھا ''جانتے ہو کوثر کیا چیز ہے؟'' لوگوں نے عرض کی خدا اور اس کا رسول خوب جانتا ہے، فرمایا کہ خدا نے مجھ سے ایک نہر کا وعدہ کیا ہے جس میں بیشمار بھلائیاں ہیں، قیامت کے دن اس حوض پر میری امت آئے

[1] بخاری جلد ۲ ص ۷۴۳، کتاب التفسیر باب قوله فسبح بحمد ربک الخ۔
[2] صحیح بخاری
[3] مسلم

گی"۱؎ حضرت عائشہؓ اور حضرت انسؓ کوثر سے مراد نہر لیتے ہیں اور حضرت ابن عباسؓ "خیر کثیر"!
حضرت ابن عباسؓ کی اس تفسیر سے عطیہ الٰہی کی وسعت اور عظمت بہت بڑھ جاتی ہے، اور دوسری تفسیریں بھی اس کے تحت آجاتی ہے، اور قرآن پاک کے سلسلہ کلام کا بھی یہی اقتضا ہے کہ کوثر سے مراد "خیر کثیر" لیا جائے، تاکہ اس کے بعد کفار سے برأت (قل یا ایھا الکافرون) اور فتح ونصر (فتح مکہ) کی بشارت اسی سلسلہ میں داخل ہو جائے۔

قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی (شوریٰ ۳)

"کہہ دو اے محمد (تبلیغ رسالت کے عوض) میں تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا، صرف قرابت داری کی محبت ملحوظ رکھو"۔

عام مفسرین "قربیٰ" سے مراد خاص آنحضرت ﷺ کے اہل بیت لیتے ہیں، لیکن ابن عباسؓ قریش کے تمام قبائل کو اس میں شامل کرتے ہیں، ایک مرتبہ کسی نے ان سے مودۃ فی القربی کی تفسیر پوچھی، سعید بن جبیر بولے اس سے مراد آنحضرت ﷺ کی قرابت ہے، یعنی آپ کے اہل بیت کی قرابت، ابن عباسؓ نے کہا تم نے جلد بازی سے کام لیا، قریش کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس سے آنحضرت ﷺ کی قرابت نہ رہی ہو، اس آیت میں یہ سب شامل ہیں۔۲؎

تفسیر قرآن و فہم قرآن کے فطری ملکہ کے علاوہ شان نزول اور ناسخ و منسوخ کے بارے میں اس قدر حاضر المعلومات تھے کہ بمشکل کوئی ایسی آیت نکل سکے گی جس کے تمام جزئیات اور مالہ و ماعلیہ سے پوری ان کو واقفیت نہ ہو۔

لا تقولوا لمن القی الیکم السلم لست مومنا (نساء ۱۳)

"اے مسلمانو! (اظہار اسلام کے لئے) جو تم کو سلام کرے، اس کو تم خواہ مخواہ نہ کہو تو مسلمان نہیں ہے"۔

بظاہر یہ ایک عام حکم ہے اس کی تفسیر بھی ابن عباسؓ کی ممنون احسان ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ کسی غزوہ میں ایک شخص کچھ مال غنیمت لئے ہوئے تھے، مسلمانوں کا سامنا ہوا تو اس نے سلام کیا، ان لوگوں نے (شبہ میں) مار ڈالا، اور مال غنیمت چھین لیا، اس پر یہ حکم نازل ہوا۔۳؎
اسی طریقہ اس آیت،

ولقد علمنا المستقدمین منکم و لقد علمنا المستاخرین

"ہم نے تم میں سے بعض ان لوگوں کو جو آگے بڑھ کر کھڑے ہوتے ہیں جان

۱؎ بخاری کتاب التفسیر انا اعطینک الکوثر
۲؎ ایضاً باب قولہ تعالیٰ قل لا الخ
۳؎ بخاری باب قولہ تعالیٰ لاتقولوا، ومسند احمد بن حنبل جلد اص ۲۲۹

لیا ہے اوران کو بھی جو پیچھے کھڑے ہوتے ہیں''،
کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ایک خوبصورت عورت جماعت کی نماز میں شریک ہوتی تھی، بعض محتاط اشخاص اگلی صف میں چلے جاتے تھے کہ اس پر نظر نہ پڑے اور بعض دیکھنے کی نیت سے پیچھے رہتے تھے، اور رکوع میں بغل کے راستہ میں نظر ڈال لیتے تھے، ان کی اس خیانت پر یہ آیت نازل ہوئی۔[1]

قرآن مجید کا یہ حکم:-

لا تحسبن الذین یفرحون بما اتو و یحبون ان یحمد و ابمالم یفعلوا فلا تحسبنھم بمفازۃ من العذاب ولھم عذاب الیم(آل عمران ۱۹)

''اور جولوگ اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں، اور جو نہیں کیا ہے اس پر تعریف چاہتے ہیں تو ایسے لوگوں کی نسبت ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے، بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے''۔

بظاہر انسانی فطرت کے کس قدر خلاف ہے، کیونکہ ہر شخص اپنے کیے پر خوش ہوتا ہے اور جو نہیں کرتا ہے اس پر بھی تعریف کا خواہاں ہے، اگر بہت بلند اخلاق کا شخص ہے تو زیادہ سے زیادہ وہ یہ کہ دوسرا جذبہ اس میں نہ ہوگا، اس تہدیدی حکم کے استفسار کے لئے مروان نے اپنے دربان کو عبداللہ بن عباسؓ کے پاس بھیجا کہ ان سے جا کر پوچھو کہ ہم میں سے کون ایسا ہے، جس کے دل میں یہ جذبہ نہ ہو، اس حکم کے مطابق تو ہم سب عذاب میں مبتلا ہوں گے؟ حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ اس کو ہم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں، یہ ایک خاص موقعہ پر اہل کتاب کے بارہ میں نازل ہوئی تھی، پھر یہ آیت

واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب لتبیّننہ للناس (ال عمران ۱۹)

''جب خدا نے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی ہے وہ وعدہ لیا کہ وہ اسے لوگوں کو کھول کھول کے سنائیں گے''۔

تلاوت کر کے کہا کہ ان کو وہ حکم ملا تھا، مگر انہوں نے بالکل اس کے برعکس عمل کیا، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان سے کسی بات کے متعلق استفسار فرمایا، انہوں نے اصل جواب جوان کی کتاب میں تھا چھپا ڈالا اور اپنے حسب منشا، دوسرا فرضی جواب دے کر آنحضرت ﷺ پر ظاہر کیا کہ انہوں نے اصل جواب دیا ہے، اور پھر اس فعل پر آنحضرت ﷺ سے خوشنودی کے طالب ہوئے اور اپنی اس چالا کی پر شاداں و فرحاں ہوئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کو جولوگ اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں (جیسا کہ اہل کتاب اپنی چالا کی پر خوش ہوئے تھے) اور جو نہیں کیا ہے

[1] مسند احمد بن حنبل جلد اص ۳۰۵

اس پر تعریف کے خواہاں ہوتے ہیں (جیسا کہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی خوشنودی کے خواہاں ہوئے تھے) تو ایسے لوگوں کے لئے عذاب سے چھٹکارا نہیں ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔[1]

ذیل کے واقعہ سے ان کی فراست طبائی، دقیقہ سنجی، اور قوت استنباط کا اندازہ ہوگا ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کے مجمع میں سوال کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے اخیر عشرہ کی ایک طاق رات ہے، تم لوگ اس سے کون سی طاق رات سمجھتے ہو؟ کسی نے ساتویں کسی نے پانچویں، کسی نے تیسری بتائی حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا تم کیوں نہیں بولتے؟ عرض کی اگر آپ فرماتے ہیں تو مجھ کو کیا عذر ہوسکتا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا میں نے بولنے ہی کے لئے تم کو بلایا تھا، کہا اپنی ذاتی رائے دوں گا، فرمایا ذاتی رائے تو پوچھتا ہی ہوں؟ کہا میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات کے عدد کو بہت اہمیت دی ہے، چنانچہ فرمایا کہ سات آسمان، سات زمین ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا کہ ہم نے زمین کو پھاڑا اور اس میں ا۔غلہ، ۲۔انگور، ۳۔شاخ، ۴۔زیتون، ۵۔کھجور کے درخت گنجان باغ اور میوے اگائے، یہ بھی سات باتیں ہیں، حضرت عمرؓ نے یہ جواب سن کر فرمایا کہ تم لوگ اس بچہ سے بھی گئے گذرے ہوئے، جس کے سر کے گوشہ بھی ابھی درست نہیں ہوئے، یہ جواب کیوں نہ دیا،[2] گو بعض دوسرے صحابہؓ نے بھی سات کی تعیین کی تھی، لیکن کسی استدلال کے ساتھ نہیں، سبھوں نے ایک ایک طاق رات اپنے اپنے قیاس وفہم کے مطابق لی، کسی نے سات کی شب بھی لی.........لیکن ابن عباسؓ نے قرآن سے اس کی تائید پیش کی، حضرت ابن عباسؓ تفسیر میں نہایت دلیری سے کام لیتے تھے، بعض محتاط صحابہؓ کی اس دلیری کو ناپسند کرتے تھے، لیکن بالآخر ان کو بھی ان کی مہارت تفسیر کا اعتراف کرنا پڑا۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ کے پاس ایک شخص آیا، اور اس نے آیت کا کانتا رتقاً ففتقنھا کا مطلب پوچھا، انہوں نے امتحان کی غرض سے ابن عباسؓ کے پاس بھیج دیا کہ ان سے پوچھ کر بتاؤ، اس نے جا کر پوچھا، انہوں نے بتایا کہ آسمان کا فتق یہ ہے کہ پانی برسائے زمین کا فتق یہ نباتات نہ اگائے، سائل نے واپس آکر یہ جواب حضرت ابن عمرؓ کو سنایا انہوں نے کہا ابن عباسؓ کو نہایت سچا علم مرحمت ہوا ہے، مجھ کو تفسیر قرآن میں ان کی دلیری پر حیرت تھی لیکن اب معلوم ہوا کہ درحقیقت علم ان ہی کا حصہ ہے،[3] حضرت ابن عمرؓ اس کے بعد قرآن کے سائلین کو خود جواب نہ دیتے تھے، بلکہ ابن عباسؓ کے پاس بھیج دیتے تھے، ایک مرتبہ عمرو بن حبشی نے ایک آیت کے متعلق ان سے استفسار کیا، انہوں نے کہا ابن عباسؓ سے پوچھو، قرآن کے جاننے والے جو لوگ

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ا ص ۲۹۸
[2] مستدرک حاکم جل ۳ ص ۵۳۹
[3] اصابہ جلد ۴ ص ۹۲

باقی رہ گئے ہیں، ان میں سب سے زیادہ معلومات وہی رکھتے تھے۔[1]

علوم قرآنی میں علم النسخ کی اہمیت بالکل عیاں ہے، حضرت ابن عباسؓ اس بحر زخار کے بھی شناور تھے، اور تمام ناسخ اور منسوخ احکام ان کے ذہن میں مستحضر تھے، یہ اس علم کو اسقدر اہمیت دیتے تھے، کہ بغیر اس پر حاوی ہوئے وعظ کی لب کشائی کی اجازت نہ دیتے تھے، ایک مرتبہ کسی راستہ سے گذر رہے تھے، ایک واعظ وعظ کہہ رہا تھا، اس سے پوچھا ناسخ منسوخ جانتے ہو کسے کہتے ہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں؟ فرمایا، تو تم خود بھی ہلاک ہوئے اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا''۔[2]

گو حضرت ابن عباسؓ قرآن کی تعلیم میں بخل نہ کرتے تھے، اور ان کا دروازہ ہر طالب قرآن کے لئے کھلا ہوا تھا، تاہم وہ اس نکتہ سے بھی بے خبر نہ تھے، کہ جب کثرت سے قرآن کی اشاعت ہوئی اور ہر کس و ناکس فہم قرآن کا مدعی ہو جائے گا تو امت میں اختلاف کا دروازہ کھل جائے گا، ان کی اس نکتہ رسی کا اعتراف حضرت عمرؓ کو بھی کرنا پڑا، حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں سارے ممالک محروسہ میں حافظ قرآن .... مقرر کر دیئے تھے، وہ مسلمانوں کو قرآن کی تعلیم دیں، ایک دن ابن عباسؓ ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، حاکم کوفہ کا خط آیا کہ کوفہ والوں نے اتنا اتنا قرآن پڑھ لیا، حضرت عمرؓ نے یہ مژدہ سنکر تکبیر کا نعرہ لگایا، لیکن ابن عباسؓ بولے کہ اب ان میں اختلاف کا تخم پڑ گیا، حضرت عمرؓ نے غصہ سے پوچھا تم کو کیسے معلوم ہوا؟ اس واقعہ کے بعد یہ گھر چلے آئے، لیکن حضرت عمرؓ کے دل میں ان کا کہنا کھٹکتا رہا، چنانچہ آدمی بھیج کر ان کو بلا بھیجا، انہوں نے عذر کر دیا، دوبارہ پھر آدمی بھیجا کہ تم کو آنا ہوگا، اس تاکید پر یہ چلے آئے، حضرت عمرؓ نے پوچھا تم نے کوئی رائے ظاہر کی تھی، انہوں نے کہا پناہ بخدا اب میں کبھی دوبارہ کوئی خیال نہ ظاہر کروں گا، حضرت عمرؓ نے کہا میں طے کر چکا ہوں کہ جو تم نے کہا تھا اس کو کہلوا کر رہوں گا، اس اصرار پر انہوں نے کہا کہ آپ نے جب کہا کہ میرے پاس خط آیا ہے، کہ کوفہ والوں نے اتنا اتنا قرآن یاد کر لیا؟ اس پر میں نے کہا کہ ان لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا، حضرت عمرؓ نے کہا یہ تم نے کیسے جانا؟ انہوں نے سورہ بقرہ کی یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں۔

و من الناس من يعجبک قوله في الحيوٰة الدنيا و يشهد الله على ما في قلبه وهو الد الخصام ، واذا تو لى سعى في الا رض ليفسد فيها و يهلک الحرث و النسل و الله لا يحب الفساد و اذا قيل له اتق الله اخذته العز ة با لا ثم فحسبه جهنم ولبئس المها د ، ومن ا لناس من يشرى نفسه ابتغاء مرضات الله و الله ر ء وف العباد (بقره ، ع ۲۵)

'' اے محمد! لوگوں میں سے بعض ایسے آدمی بھی ہیں جن کی باتیں تم کو دنیاوی زندگی میں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنی دلی باتوں پر خدا کو گواہ بناتا ہے، حالانکہ وہ

[1] ایضاً [2] کتاب الناسخ والمنسوخ ابوجعفر نحاس

دشمنوں میں بڑا جھگڑالو ہے اور جب وہ تمہارے پاس لوٹ کر جائے تو ملک میں پھرے تا کہ اس میں فساد پھیلائے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا اور جب اس سے کہا جائے کہ خدا سے ڈرو تو ان کو عزت نفس گناہ پر آمادہ کرے ،ایسے شخص کے لئے جہنم کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے ،اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی رضا جوئی کے لئے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ بندوں پر شفقت کرنے والا ہے''۔

یہ آیتیں سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ،تم نے سچ کہا۔[۱]

حدیث...... حضرت ابن عباسؓ ان مخصوص صحابہؓ میں ہیں جو علم حدیث کے اساطین سمجھے جاتے ہیں ،اگر حدیث کی کتابوں سے ان کی روایتیں علیحدہ کر لی جائیں تو اس کے بہت سے اوراق سادہ رہ جائیں گے ،ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۱۶۶۰ ہے ان میں ۷۵ متفق علیہ ہیں ،یعنی بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں ،ان کے علاوہ ۱۸ روایتوں میں بخاری منفرد ہیں ،اور ۴۹ میں مسلم۔[۲]

ان کی روایات کی کثرت اور معلومات کی وسعت خود انکی ذاتی کاوش وجستجو کا نتیجہ ہیں ،گو بہت سی روایتیں براہ راست خود زبان وحی والہام سے لی ہیں ،لیکن آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت انکی عمر ۱۴، ۱۵ سال سے زائد نہ تھی ،ظاہر ہے کہ اس عمر میں علم کا اتنا سرمایہ کہاں سے حاصل کر سکتے تھے ،ان کے ذوق علم اور تلاش ،وجستجو کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ایک انصاری سے کہا کہ آنحضرت ﷺ وفات پا گئے ،مگر آپ کے اصحاب زندہ ہیں چلو ان سے تحصیل علم کریں ،انھوں نے کہا ابن عباسؓ مجھ کو تم پر حیرت ہوتی ہے ،تم دیکھتے ہو کہ لوگ علم میں خود تمہارے محتاج ہیں ،پھر تم دوسروں کے پاس جاتے ہو ،یہ جواب سن کر ان کو چھوڑ دیا اور تنہا جہاں کہیں سراغ ملتا کہ فلاں شخص نے آنحضرت ﷺ سے کوئی حدیث سنی ہے ،فوراً مشقت اٹھا کر اس کے پاس پہنچتے .....اور اطلاع دیتے ،وہ گھر سے نکلتا اور کہتا کہ تم نے آنحضرت ﷺ سے کوئی حدیث سنی ہے ،وہ کہتا ....ابن عم رسول ﷺ! آپ نے کیوں زحمت گوارا کی ،کیسی دوسرے کو بھیج دیا ہوتا ،کہتے نہیں یہ میرا فرض تھا ،اس طریقہ سے عرب کے گوشہ گوشہ سے ایک ایک دن چن چن کر خرمن علم کا انبار لگایا ،جب انکے فضل وکمال کا چرچہ زیادہ ہوا ،اس وقت ان انصاری نے جنہوں نے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا تھا ،ندامت کے ساتھ اقرار کیا کہ ''ابن عباسؓ ہم سے زیادہ عقل مند تھے''۔[۳]

---

[۱] مستدرک حاکم جلد ۴ص ۴۰۵ ،شرط شیخین ، [۲] تہذیب الکمال ص ۲۰۲
[۳] مستدرک حاکم جلد ۳ فضائل بن عباسؓ سعی ابن عباسؓ فی طالب العلم

ابو سلمہؓ روایت کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ کہتے تھے، کہ جس شخص کے متعلق مجھ کو پتہ چلتا کہ اس نے آنحضرت ﷺ سے کوئی حدیث سنی ہے تو میں خود اس کے مکان پر جا کر حاصل کرتا، حالانکہ اگر میں چاہتا تو راوی کو اپنے یہاں بلوا سکتا تھا۔[1]

حضرت ابو رافعؓ آنحضرت ﷺ کے غلام تھے، اس لئے ان کو آنحضرت ﷺ کے افعال دیکھنے اور اقوال سننے کا زیادہ موقع ملتا تھا، ابن عباسؓ ان کے پاس کاتب لے کر آتے اور پوچھتے کہ آنحضرت ﷺ نے فلاں فلاں دن کیا کیا، ابو رافعؓ بیان کرتے اور کاتب قلمبند کرتا جاتا۔[2]

اس تلاش و جستجو نے ان کو اقوال و افعال نبوی کا سب سے بڑا حافظ بنا دیا تھا، اکثر اکابر صحابہؓ کو جو عمر اور مرتبہ ان سے کہیں زیادہ تھے، ان کا مقابلہ میں اپنے قصور علم کا اعتراف کرنا پڑتا تھا، یہ فتویٰ دیتے تھے! کہ حائضہ طواف رخصت کیے بغیر لوٹ جائے، حضرت زیدؓ بن ثابتؓ انصاری کاتب وحی کو معلوم ہوا تو انہوں نے پوچھا تم حائضہ عورت کو یہ فتویٰ دیتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں، زید بن ثابتؓ نے کہا یہ فتویٰ نہ دیا کرو، انہوں نے کہا میں تو یہی دوں گا، اگر آپ کو شک ہے تو فلاں انصاری سے یہ جا کر پوچھ لیجئے کہ اس کو یہ حکم دیا تھا یا نہیں، حضرت زید بن ثابتؓ نے جا کر پوچھا تو ابن عباسؓ کا فتویٰ صحیح نکلا، چنانچہ ہنستے ہوئے واپس آئے اور بولے تم نے سچ کہا تھا۔[3]

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ ان میں اور مسور بن مخرمہ میں محرم کے سر دھونے کے بارے میں اختلاف ہوا، یہ کہتے تھے، محرم سر دھو سکتا ہے، مخرمہ اس کے خلاف تھے، اس پر عبداللہ بن عباسؓ نے عبداللہ بن حنینؓ کو حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے پاس تحقیق کے لئے بھیجا، یہ اس وقت کپڑا آڑ کیے ہوئے کنوئیں پر نہا رہے تھے، عبداللہ نے سلام کیا، انہوں نے پوچھا کون ہو؟ کہا میں ہوں، عبداللہ بن حنینؓ، ابن عباسؓ نے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ احرام کی حالت میں کس طرح سر دھوتے تھے؟ ابو ایوبؓ نے عملاً نقشہ کھینچ کر بتا دیا۔[4]

جب صحابہ کرامؓ میں آنحضرت ﷺ کے کسی قول و فعل کے بارہ میں اختلاف ہوتا تو وہ ابن عباسؓ کی طرف رجوع کرتے، اس بارہ میں کہ آنحضرت ﷺ نے کہاں سے احرام باندھا؟ صحابہؓ میں بہت اختلاف ہے، سعید بن جبیر نے ابن عباسؓ سے کہا کہ ابو العباس مجھ کو حیرت ہوتی ہے، کہ آنحضرت ﷺ کے اصحابؓ میں آپ کے احرام باندھنے کی جگہ کی تعیین میں بہت زیادہ اختلاف ہے، انہوں نے کہا میری معلومات اس بارہ میں سب سے زیادہ ہیں، چونکہ آنحضرت ﷺ نے ایک ہی حج کیا ہے، اس لئے لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا، اس کا سبب یہ ہے کہ جب آپ نے ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد احرام باندھا اور لبیک کہنا شروع

---

۱ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۵، ۲ اصابہ جلد ۴ ص ۹۲
۳ مسند احمد بن حنبل جلد ص ۲۲۶،
۴ ابوداؤد کتاب المناسک باب المحرم یغسل راسہ

کیا، جولوگ اس وقت موجود تھے انہوں نے اسی کو یاد رکھا، پھر جب آپ اونٹنی پر سوار ہوئے اور وہ چلی تو پھر آپ نے لبیک کہا، اس وقت جولوگ موجود تھے وہ یہ سمجھے کہ آپ نے یہیں ابتدا کی ہے، چنانچہ وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ جب آپ اونٹنی پر سوار ہو کر چلے اس وقت سے لبیک کہنا شروع کیا، اس کے بعد آپ بلندی پر چڑھے اس وقت سے کہنا شروع کیا، لیکن میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ نے مسجد میں احرام باندھا، اس کے بعد جب اونٹنی چلی تب، اور جب بلند مقام پر چڑھے تب، دونوں مرتبہ لبیک کہا۔[۱]

روایتوں میں احتیاط...... عموماً کثیر الروایت راویوں کے متعلق یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ وہ روایت کرنے میں محتاط نہیں ہوتے، اور رطب و یابس کا امتیاز نہیں رکھتے، لیکن ابن عباسؓ کی ذات اس سے مستثنیٰ اور اس قسم کے شکوک وشبہات سے ارفع و اعلیٰ تھی، وہ حدیث بیان کرتے وقت اس کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے، کہ کوئی غلط روایت آنحضرت ﷺ کی جانب نہ منسوب ہونے پائے، جہاں اس قسم کا کوئی خفیف سا بھی خطرہ ہوتا، وہ بیان نہ کرتے تھے، چنانچہ اکثر کہا کرتے تھے، کہ ہم اس وقت تک آنحضرت ﷺ کی حدیث بیان کرتے تھے، جب تک جھوٹ کا خطرہ نہ تھا، لیکن جب سے لوگوں نے ہر قسم کی رطب و یابس حدیثیں بیان کرنا شروع کی ہیں، اس وقت سے ہم نے روایت ہی کرنا چھوڑ دیا۔[۲] لوگوں سے کہتے کہ تم کو قال رسول اللہ کہتے وقت یہ خوف نہیں معلوم ہوتا کہ تم پر عذاب نازل ہو جائے گا یا زمین شق ہو جائے اور تم اس میں سما جاؤ۔[۳] اسی احتیاط کی بنا پر فتویٰ دیتے........ تو آنحضرت ﷺ کا نام نہ لیتے تھے۔[۴] کہ آپ کی طرف نسبت کرنے کا بار نہ اٹھانا پڑے۔

حلقۂ درس:...... حضرت ابن عباسؓ کا حلقۂ درس بہت وسیع تھا، سینکڑوں طلب گار روزانہ ان کے خرمن کمال سے خوشہ چینی کرتے تھے، ان کی زندگی کا ہر لمحہ درس و تدریس کے لئے وقف تھا کبھی کوئی شخص ان کے چشمہ فیض سے ناکام واپس نہ ہوا، اس عام فیض کے علاوہ بعض مجلسیں خصوصیت کے ساتھ درس و تدریس اور علمی مذاکروں کے لئے مخصوص تھیں، اور ان میں باقاعدہ ہر علم وفن کی جدا جدا تعلیم ہوتی تھی، ابوصالح تابعی بیان کرتے ہیں کہ ''میں نے ابن عباسؓ کی طرف ایک ایسی علمی مجلس دیکھی ہے اگر سارا قریش اس پر فخر کرے تو بھی بجا ہوگا، اس مجلس کا یہ حال تھا کہ عبداللہ بن عباسؓ کے مکان کے سامنے آدمیوں کا اتنا اژدحام تھا کہ ان کی کثرت سے آمد و رفت مشکل تھی، میں جا کر اس اژدحام کی اطلاع تو مجھ سے پانی مانگا، میں لایا، انہوں

---

[۱] ابوداؤد کتاب المناسک باب وقت الاحرام۔
[۲] مسند دارمی باب فی الحدیث عن الثقات
[۳] ایضاً باب ما یتقی من تفسیر حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم
[۴] مسند احمد بن حنبل جلد اص ۳۵۰

نے وضو کیا، وضو کر کے بیٹھ گئے، پھر مجھ سے کہا جاؤ قرآن کے جس شعبہ کے متعلق جو سائل ہوں ان کو اطلاع دو، میں نے اطلاع دی، دیکھتے دیکھتے سائلوں سے سارا گھر اور تمام حجرے بھر گئے، جس نے سوال کیا اس کے سوال سے زیادہ اس کا جواب دے کر رخصت کیا، پھر مجھ سے کہا جاؤ حرام وحلال اور فقہ کے سائلوں کو بلاؤ، میں نے ان لوگوں کو اطلاع دی، چنانچہ ان کا جم غفیر آیا، اور جن کو جو سوالات کرنا تھے، پیش کیے، فرداً فرداً سب کو نہایت تشفی بخش اور ان کے سوالات سے زیادہ جواب دے کر رخصت کیا، پھر فرمایا کہ اب تمہارے دوسرے بھائیوں کی باری ہے، اسکے بعد فرائض وغیرہ کے سائلوں کو بلایا، ان کی تعداد بھی اتنی بڑی تھی کہ پورا گھر بھر گیا، ان کے پیشروؤں کی طرح ان کے سوالات سے زیادہ دے کر فارغ ہوئے، تو مجھ سے کہا کہ عربی زبان، شعر و شاعری اور ادب وانشاء کے سائلوں کو بلالاؤ، چنانچہ میں نے اطلاع دی، وہ لوگ آئے ان کے ہجوم کا بھی وہی حال تھا، ان لوگوں نے جو سوالات کیے، ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دیئے، ابوصالح یہ واقعہ بیان کر کے کہتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کی اتنی بڑی مجلس نہیں دیکھی تھی۔[1]

درس کے ان مستقل حلقوں کے علاوہ کبھی کسی نماز کے بعد تقریر اور خطبہ کے ذریعہ سے تعلیم دیتے، عبداللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ابن عباسؓ نے عصر کے بعد ہم لوگوں کے سامنے تقریر کی، اور اتنی دیر تک کرتے رہے کہ آفتاب غروب ہو گیا، اور تارے نکل آئے لوگوں نے نماز نماز کی آوازیں بلند کرنا شروع کیں، ایک تمیمی نے مسلسل نماز کہنا شروع کیا، ابن عباسؓ جھنجھلا کر بولے لاام لک، تو مجھ کو سنت کی تعلیم دیتا ہے، میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا ہے، آپ ظہر، عصر اور مغرب وعشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھتے تھے، عبداللہ بن شقیق کے دل میں یہ بات کھٹکتی رہی، انہوں نے جا کر حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا ہاں صحیح ہے۔[2]

حضرت کے علاوہ سفر میں بھی ان کا یہ چشمہ فیض جاری رہتا تھا، چنانچہ جب چند دنوں کے لئے حج کی غرض سے مکہ معظمہ تشریف لے جاتے تھے، اس وقت بھی انکی قیام گاہ طالبان علم کی درسگاہ بن جاتی۔[3]

ترجمان کا تقرر...... اسلامی فتوحات کے بعد جب اسلام عرب کے حدود سے نکل کر ایران ومصر وغیرہ میں پھیلا، تو وہ قومیں اسلام کے حلقہ اثر میں آئیں جن کی زبان عربوں سے جدا تھی، ابن عباسؓ نے انکی آسانی کے لئے مخصوص ترجمان رکھے کہ ان کو سوال میں زحمت نہ ہو۔[4]

تلامذہ...... ان کی اس فیض رسانی وعلم وعرفان کی بارش نے ان کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع کر دیا تھا، جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے، مشہور تلامذہ اور شاگردوں کی مختصر فہرست یہ ہے۔

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۸
[2] مسلم کتاب صلوۃ المسافرین و قصرها باب الجمع بین الصلوتین فی الحضر،
[3] استیعاب جلد ۱ ص ۳۵۳ [4] مسلم جلد ۱

بیٹوں میں محمد اور علی، پوتوں میں محمد بن علی، بھائیوں میں کثیر، بھتیجوں میں عبداللہ بن عبید اللہ، اور عبداللہ بن معبد، اور عام لوگوں میں عبداللہ بن عمر، ثعلبہ بن حکم، مسور بن مخرمہ، ابوالطفیل، ابوامامہ بن سہل، سعید بن مسیب، عبداللہ بن حارث، عبداللہ بن عبداللہ، عبداللہ بن شداد، یزید بن اصم، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، ابوجمرہ ضبعی، ابومجلز لاحق بن حمید، ابورجاء عطاردی، قاسم بن محمد، عبید بن اسباق، علقمہ بن وقاص، علی بن حسین، عبیداللہ ابن عبداللہ بن عتبہ، عکرمہ، عطاء، طاؤس کریب، سعید بن جبیر، مجاہد عمرو بن دینار، ابوالجوزاء، اوس بن عبداللہ ربعی، ابوالشعثا، جابر بن زید، بکر بن عبداللہ مزنی، حصین بن جندب، حکم بن اعرج، ابوالجویرہ، حطان بن خفاف، حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف، رفیع ابوالعالیہ، مقسم، ابوصالح السمان سعد بن ہشام، سعید بن ابوالحسن بصری، سعید بن حویرث، سعید بن ابی ہند، ابوالحباب سعید بن یسار، سلیمان بن یسار، ابوزمیل سماک بن ولید، سنان بن سلمہ، صہیب، طلحہ بن عبداللہ بن عوف، عامر الشعبی، عبداللہ بن ابی ملیکہ، عبداللہ بن کعب، ابن مالک، عبداللہ بن عبید، عبید بن حنین، عبدالرحمٰن مطعم، عبدالرحمٰن بن وعا[illegible] العزی بن رفیع، عبدالرحمٰن بن عاص نخعی، عبیداللہ بن ابی ثور، عبیداللہ بن یزید المکی، علی [illegible] ابوطلحہ، عمرو بن مرہ، عمرو بن میمون، عمران بن حطان، عمار بن ابی عمار، محمد بن عباد بن جعفر، مسلم بن صبیح سلم القریر، موسیٰ بن سلمہ، میمون بن مہران جزری، نافع بن جبیر بن مطعم، ناعم، نضر بن انس، یحییٰ بن یعمر، ابوالبختری الطائی، ابوالحسان الاعرج، یزید بن ہرمز، ابوحمزہ قصاب، ابوالزبیر مکی، ابوعمر البہرانی، ابوالمتوکل الناجی، ابونضرہ العبدی، فاطمہ بنت حسین، محمد بن سیرین وغیرہ[1]

فقہ وفرائض...... حضرت ابن عباسؓ کے فتاوی فقہ کی سنگ بنیاد ہیں، اس کی تشریح کے لئے ایک دفتر چاہیے، اس لئے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں، تاہم ان کی فقہ دانی کا سرسری اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ابوبکر محمد موسیٰ خلیفہ مامون الرشید کے پڑپوتے نے جو اپنے زمانہ کے امام تھے، ان کے فتاوی ۲۰ جلدوں میں جمع کیے تھے[2]

مکہ میں فقہ کی بنیاد ان ہی نے رکھی، وہ تمام فقہاء جن کا سلسلہ مکہ کے شیوخ تک پہنچتا ہے، وہ سب بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کے خوشہ چین تھے، ایک فقیہ ومجتہد کے لئے قیاس ناگزیر ہے، کیونکہ وقتاً فوقتاً بہت سے ایسے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں، جو حضرت حامل شریعت علیہ السلام کے عہد میں نہ تھے، اوران کے متعلق کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے، ایسے وقت میں مجتہد کا یہ فرض ہے کہ وہ منصوصہ احکام اوران میں علت مشترک نکال کران پر قیاس کر کے حکم صادر کرے ورنہ فقہ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گا، حضرت ابن عباسؓ کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو وہ پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے، اگر اس سے جواب مل جاتا تو فبہا، ورنہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف رجوع کرتے، اگر اس سے بھی مقصد برآری نہ ہوتی،

[1] تہذیب التہذیب۔ [2] اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۱۳

تو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا فیصلہ دیکھتے، اگر اس سے بھی عقدہ حل نہ ہوتا تو، پھر اجتہاد کرتے، مگر اسی کے ساتھ قیاس بالرائے کو برا سمجھتے تھے، چنانچہ وہ اس کی مذمت میں کہتے ہیں کہ "جو شخص کسی مسئلہ میں ایسی رائے دیتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں نہیں ہے، تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب وہ خدا سے ملے گا تو اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔[۲]

حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے، حضرت علیؓ نے ان کو زندہ جلا دیا، ابن عباسؓ کو معلوم ہوا تو کہا اگر ان کی جگہ میں ہوتا، تو جلانے کے بجائے قتل کی سزا دیتا، کیونکہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص مذہب تبدیل کرے اس کو قتل کر دو، پھر فرمایا کہ "جو عذاب خدا کا مخصوص ہے، اس کو تم لوگ نہ دو" یعنی آگ میں کسی کو نہ جلاؤ، حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا ابن عباسؓ پر افسوس ہے۔[۳]

فقہ کے ساتھ ساتھ فرائض میں بھی درک تھا، اگرچہ وہ اس فن میں حضرت معاذ بن جبلؓ زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے برابر نہ تھے، تاہم عام صحابہؓ میں حضرت ابن عباسؓ بھی اس فن میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، عبیداللہ بن عبداللہؓ کا بیان ہے کہ حساب اور فرائض میں ابن عباسؓ ممتاز درجہ رکھتے تھے۔[۴]

دیگر علوم...... ان مذہبی علوم کے علاوہ ان تمام علوم میں جو اس زمانہ میں لازمۂ شرافت سمجھے جاتے تھے، کافی دستگاہ اور ناقدانہ نظر رکھتے تھے، اوپر گذر چکا ہے کہ مذہبی علوم کے علاوہ ان کے حلقہ درس میں عربی شعری و شاعری اور ادب و انشاء کے طالبین بھی آتے تھے، عربوں میں شاعری لازمہ شرافت تھی، بالخصوص قریش کی آتش بیانی مشہور تھی، ابن عباسؓ نہ صرف سخن و سنج تھے، بلکہ خود بھی اشعار کہتے تھے، ابن رشیق نے ان کے یہ چند اشعار کتاب العمدہ میں نمونہ کے طور پر نقل کیے ہیں۔

اذا طارقات الهم ضاجعت الفتیٰ
واعمل فکر اللیل و اللیل عاکر

"جب رات کے آنے والے غم کسی جواں مرد کے ساتھ ہم خواب ہوتے ہیں
اور شب کے آخر حصہ میں تفکرات اپنا عمل کرتے ہیں"۔

و باکرنی فی صاحبة لم یجد بها
سوای ولا من نکبة الدهر ناصر

---

[۱] اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۱۳، [۲] اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۳،
[۳] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۹، [۴] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۹۳

''اور وہ صبح کو میرے پاس اس حالت میں اپنی حاجت لے کر آتا ہے کہ اس میں اور اس کی زمانہ کی بدبختیوں میں اس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا''۔

فرجت بمالی همه من مقامه
و زائله هم طروق مسام

''تو میں اپنے مال کے ذریعہ اس کا غم دور کرتا ہوں اور اس کے رات کی آنے والی تفکرات دور ہو جاتے ہیں''۔

و کان له فضل علی بظنه
بی الخیر انی للذی ظن شاکر

''اور میں اس کا ممنون ہوں کیونکہ وہ میرے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے اور جو شخص میرے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے اس کا میں مشکور ہوتا ہوں''۔

شعر گوئی کے ساتھ فصیح و بلیغ بھی تھے، اگرچہ خطیب کی حیثیت سے انہوں نے کوئی شہرت نہیں حاصل کی، تاہم ان کی روزانہ کی گفتگو بھی ادب کی چاشنی سے خالی نہ ہوتی تھی، مسروق کا بیان ہے کہ جب ابن عباسؓ گفتگو کرتے تھے، تو فصیح ترین آدمی معلوم ہوتے تھے۔[1]

حضرت حسینؓ کی وفات کے بعد ان میں اور امیر معاویہؓ میں جو گفتگو ہوئی، وہ حسن بیان کا ایک دل آویز نمونہ ہے۔[2]

معاویہؓ: اجرک اللّٰہ ابا العباس فی ابی محمد الحسن بن علی

معاویہؓ: ابوالعباس خدا تمہیں ابی محمد الحسن بن علی کی موت پر اجر دے۔

فقال ابن عباس: انا للّٰہ و انا الیہ راجعون و غلبہ البکاء فردہ ثم قال لا یسد اللّٰہ مکانہ حفرتک و لا یزید موتہ فی اجلک و اللّٰہ لقد اصبنا بمن ھو اعظم منہ فقد فما ضیعنا و اللّٰہ بعدہ.

ابن عباس: ابن عباسؓ نے انا للّٰہ و انا الیہ راجعون پڑھا اور آنسو ضبط کر کے بولے، خدا کی قسم! ان کی موت سے تمہاری قبر پر نہ ہو جائے گی اور نہ ان کی موت سے تمہاری زندگی میں کچھ اضافہ ہوگا خدا کی قسم ہم کو ان سے بڑے کی موت کا صدمہ اٹھانا پڑا، خدا کی قسم اس کے بعد ہمارا کیا چارہ تھا۔

معاویہؓ: کم کانت سنہ.

معاویہ: ان کی عمر کتنی تھی۔

[1] کتاب العمدہ ص ۵
[2] استیعاب جلد ۱ ص ۳۸۴

ابن عباس : هو لده اشهر من ان تعرف سنه

ابن عباسؓ: ان کی ولادت اتنی مشہور ہے کہ تم کو ان کی عمر معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔

معاویہؓ : احسبه ترک اولاذا صغارًا

معاویہؓ: میرا خیال ہے کہ انہوں نے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے

ابن عباس : کان کانا صغیرا فکبر ولئن اختار اللّٰه لابی محمد ما عنده و قبضه الی رحمته لقد ابقی اللّٰه ابا عبد اللّٰه و فی مثله الخلف الصالح

ابن عباسؓ: ہم سب چھوٹے تھے، پھر بڑے ہوئے، اگر خدا نے ابو محمد (حسنؓ) کو اپنی رحمت کی طرف بلا لیا اور ابھی اس نے ابو عبداللہ (حسنؓ) کو زندہ رکھا ہے اور ان کے ایسے لوگ خلف صالح ہوتے ہیں۔

تقریر اس قدر شیریں ہوتی تھی، کہ بے ساختہ سننے والوں کی زبانوں سے مرحبا نکل جاتا تھا، ہم نے مستدرک حاکم کے حوالہ سے اوپر کہیں نقل کیا ہے کہ شقیق بیان کرتے تھے، ''ابن عباسؓ نے ایک مرتبہ حج کے موسم میں سورہ نور کی تفسیر اس اچھوتے انداز سے بیان کی تھی کہ اس سے بہتر نہ میرے کانوں نے سنی تھی، نہ آنکھوں سے دیکھی تھی، اگر اس کو فارس وروم سن لیتے تو پھر ان کو اسلام سے کوئی چیز نہیں روک سکتی تھی،'' ابن ابی شیبہ کی روایت میں اتنا اور اضافہ ہے کہ ایک شخص بولا کہ ابن عباسؓ کی شیریں بیانی اور حلاوت پر میرا بے اختیار دل چاہتا تھا کہ ان کا سر چوم لوں''۔[1]

حضرت ابن عباسؓ کی جامعیت...... اوپر کی تفصیلات سے ان کی جامعیت کا اندازہ ہوا ہوگا، عبیداللہ بن عبداللہ کے اس تبصرہ سے اس کا پورا اندازہ ہوگا وہ کہا کرتے تھے کہ اس زمانہ کے علوم میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا، معاملہ فہمی اور اصابت رائے میں وہ سب پر فائق تھے، نسب دانی اور تاویل قرآن کے بڑے ماہر تھے، احادیث نبوی اور ابوبکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ کے فیصلوں کا ان سے زیادہ کوئی واقف کار نہ تھا، شعر وشاعری، ادب، تفسیر، حساب، اور فرائض میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، اور ان سب میں ان کی رائے بے نظیر ہوتی تھی، ان کے علمی مذاکرے کے دن مقرر تھے، کسی دن فقہ کا درس دیتے تھے، کسی دن تاویل قرآن پر روشنی ڈالتے تھے، کسی دن مغازی کے واقعات کا تذکرہ کرتے تھے، کسی دن ایام عرب کی داستان سناتے تھے، کسی دن شعر وشاعری، کا چرچا ہوتا، غرض ان کا چشمہ معرفت فیض ہر دن نئے رنگ سے اُبلتا تھا، میں نے کسی بڑے سے بڑے عالم کو

[1] کتاب البیان والتبیین جاحظ جلد ۲ ص ۱۸

نہیں دیکھا جو تھوڑی دیر کے لئے ان کی صحبت میں بیٹھا ہو اور ان کے کمال علم کے سامنے اس کی گردن نہ جھک گئی ہو، کسی علم کے متعلق کوئی سوال بھی کرتا اس کو اس کا جواب ضرور ملتا تھا۔"[۱]

معاصرین کا اعتراف...... حضرت ابن عباسؓ صحابہؓ کی جماعت میں گو عمر میں بہت چھوٹے تھے مگر ان کا علم سب سے بڑا تھا، ان کے تمام معاصرین جن میں سے بڑے بڑے صحابہؓ تک تھے انکے فضل وکمال کے معترف تھے۔

حضرت عمرؓ فرماتے تھے ابن عباسؓ ادھیڑ عمر والوں میں نوجوان ہیں، ان کی زبان سائل اور ان کا ذہن رسا ہے، مجاہد تابعی کہتے تھے کہ "میں نے ابن عباسؓ کے فتاوی سے بہتر کسی شخص کا فتوی نہیں دیکھا تھا، علاوہ اس شخص کے جو قال رسول اللہ کہتا ہے" طاؤس کہتے تھے، کہ "میں نے آنحضرت ﷺ کے پانچ سو اصحابؓ کو دیکھا ہے کہ جب وہ کسی مسئلہ میں ابن عباسؓ سے مباحثہ کرتے اور دونوں میں اختلاف رائے ہوتا تو آخر میں ابن عباسؓ ہی کی رائے پر فیصلہ ہوتا تھا"

حضرت عبید اللہ بن عباسؓ کہتے تھے کہ میں نے عبداللہ بن عباسؓ سے زیادہ سنت کا عالم، ان سے زیادہ صائب الرائے ان سے بڑا دقیق النظر کسی کو نہیں دیکھا، حضرت عمرؓ باوجود اپنے ملکہ اجتہاد اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے ابن عباسؓ کو مشکلات کے لئے تیار کرتے تھے، قاسم بن محمد کا بیان ہے کہ "ہم نے ابن عباسؓ کی مجلس میں کبھی کوئی باطل تذکرہ نہیں سنا، اور ان سے زیادہ کسی کا فتوی سنت نبوی کے مشابہ نہیں دیکھا۔"[۲]

حضرت طاؤس تابعی حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ بہت رہا کرتے تھے، ابو سلیم نے ان پر اعتراض کیا کہ آنحضرت ﷺ کے اکابر صحابہؓ کو چھوڑ کر تم اس چھوکرے سے کیوں چمٹے رہتے ہو؟ انہوں نے کہا میں نے آنحضرت ﷺ کے ستر اصحابؓ کو دیکھا ہے جب وہ کسی مسئلہ میں گفتگو کرتے تھے تو آخر میں ان کو ابن عباسؓ ہی کے قول کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا،[۳] حضرت زید بن ثابتؓ کا انتقال ہوا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا آج اس امت کا عالم اٹھ گیا، امید ہے کہ خدا ابن عباسؓ کو ان کا قائم مقام بنائے گا[۴] مشہور عالم صحابی ابی بن کعبؓ کے بیٹے محمد روایت کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ ایک دن میرے والد کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، جب وہ اٹھ کر چلے تو میرے باپ نے کہا کہ ایک دن یہ شخص اس امت کا حبر (زبردست عالم) ہوگا،[۵] حضرت ابی بن کعبؓ کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی، اور ابن عباسؓ اپنے کثرت علم کی وجہ سے حبر الامۃ کہلانے لگے۔[۶]

---

[۱] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۳، ۱۹۴۔
[۲] یہ تمام اقوال استیعاب سے منقول ہیں جلد اص ۳۸۴
[۳] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۴ [۴] اصابہ جلد ۴ ص ۹۲۔
[۵] اصابہ جلد ۴ ص ۹۸ [۶] مستدرک حاکم فضائل ابن عباسؓ

معاصرین کی عزت...... اس ذاتی علم وفضل کے باوجود دوسرے علماء کی بڑی عزت کرتے تھے، اور ان سے نہایت تواضع اور انکساری سے پیش آتے تھے، ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابتؓ سوار ہوئے تو، ابن عباسؓ نے احتراماً ان کی رکاب تھام لی، زید بن ثابتؓ نے کہا اے ابن عم رسول! ایسا نہ کیجئے، فرمایا ہم کو اپنے علماء کا ایسا ہی احترام کرنا چاہیے، زید بن ثابتؓ نے ان کا ہاتھ چوم کر کہا، ہم کو اپنے نبی کے اہل بیت کا ایسا ہی احترام کرنا چاہیے[1]

بدعت سے نفرت...... عقیدہ کی صحت مذہب کی روح ہے، اس میں جہاں رخنہ پیدا ہوا، مذہب کی بنیاد دہیں ہل جاتی ہے، تقدیر کا مسئلہ مذہب میں ایسا نازک اور پیچیدہ ہے کہ اس میں ادنی افراط وتفریط سے عظیم الشان فتنوں کا دروازہ کھل جاتا ہے، صحابہؓ کے آخر زمانہ میں نو مسلم عجمیوں کے ذریعہ سے خیر وشر اور قضاء وقدر کی بحث عراق میں پیدا ہو چلی تھی، ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ کو معلوم ہوا کہ ایک شخص تقدیر کا منکر ہے، اس وقت اس کی آنکھوں کی بصارت زائل ہو چکی تھی، پھر بھی لوگوں سے کہا کہ مجھ کو اس شخص تک پہنچا دو، لوگوں نے پوچھا آپ اس کے ساتھ کیا طرز عمل اختیار کریں گے؟ بولے اگر ہوسکا تو اس کی ناک کاٹ ڈالوں گا اور اگر گردن ہاتھ میں آ گئی تو اس کو توڑ دوں گا، میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ "میں بنو فہر کی عورتوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ خزرج کا طواف کر رہی ہیں، اور سب کی سب اعمال شرک میں مبتلا ہیں، "تقدیر کا انکار اس امت کا پہلا شرک ہے، میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ایسے لوگوں کی بری رائے یہیں تک نہ محدود رہے گی، بلکہ جس طرح انہوں نے خدا کو شر کی تقدیر سے معطل کر دیا ہے، اسی طرح اس کی خیر کی تقدیر سے منکر ہو جائیں گے[2]

رسول ﷺ کی محبت...... حضرت ابن عباسؓ کو ذات نبویؐ کے ساتھ غیر معمولی شیفتگی اور گرویدگی تھی، آپ کی وفات کے موقع کے ایک واقعہ کو یاد کرتے تو روتے روتے بیقرار ہو جاتے تھے، حضرت سعید بن جبیر تابعی روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا "پنجشنبہ کا دن، کون پنجشنبہ" اتنا کہنے پائے تھے، ابھی مبتدا کی خبر نہ نکلی تھی کہ زار وقطار رونے لگے، اور اس قدر روئے کہ سامنے پڑے ہوئے سنگ ریزے ان کی آنسوؤں سے تر ہو گئے، ہم لوگوں نے کہا ابو العباسؓ! پنجشنبہ کے دن کیا خاص بات تھی؟ بولے اسی دن آنحضرت ﷺ کی بیماری نے شدت پکڑی تھی، آپ نے فرمایا "لاؤ میں تم لوگوں کو ایک پرچہ پر لکھ دوں کہ گمراہی سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاؤ، اس پر لوگ جھگڑنے لگے، حالانکہ نبی کے پاس جھگڑا مناسب نہیں ہے اور کہنے لگے کہ (بیماری کی تکلیف سے) ہذیان ہو گیا ہے، اور آپ سے بار بار پوچھتے تھے کہ یہ حکم آپ حواس کی حالت میں دے رہے ہیں، یا ہذیان ہے؟ آپ نے فرمایا: میرے پاس سے ہٹ

---

[1] اصابہ جلد ۴ ص ۹۲
[2] مسند احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۳۰

جاؤ میں جس حالت میں وہ اس سے بہتر ہے، جس کی طرف مجھے لے جانا چاہتے ہو"۔[1]

رسول ﷺ کی خدمت...... ام المومنین حضرت میمونہؓ انکی خالہ تھیں، یہ ان کے پاس بہت رہا کرتے تھے، اکثر راتوں کو بھی رہ جاتے تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ کی خدمت گذاری کا بھی انہیں موقعہ ملتا رہتا تھا، ایک دن آنحضرت ﷺ حضرت میمونہؓ کے گھر میں تشریف فرما تھے، ابن عباسؓ نے آپ کے لئے وضو کا پانی رکھا، حضرت میمونہؓ نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ابن عباسؓ نے آپ کے لئے وضو کا پانی رکھا ہے، آپ نے دعا دی، "خدایا ان کو دین میں سمجھ اور قرآن کی تفسیر کا علم عطا فرما"۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جائے ضرورت سے فارغ ہو کر تشریف لائے، تو ایک طشت میں پانی ڈھکا ہوا رکھا دیکھا پوچھا کس نے رکھا ہے؟ ابن عباسؓ نے عرض کی میں نے فرمایا "خدایا ان کو قرآن کی تفسیر کا علم عطا فرما"۔[2] کبھی کبھی آپ خود بھی ان سے کام لیا کرتے تھے، ایک دفعہ یہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا، سمجھ گئے کہ میرے پاس آرہے ہیں، بچپن کا زمانہ تھا بھاگ کے ایک مکان کے دروازے کی آڑ میں چھپ رہے، آنحضرت ﷺ نے پشت سے آکر پکڑ لیا اور فرمایا جاؤ معاویہ کو بلا لاؤ۔ حضرت معاویہؓ اس وقت آپ کا تب وحی تھے، ابن عباسؓ نے جا کر کہا کہ نبی ﷺ کو تمہاری ضرورت ہے، فوراً چلو۔[3]

رسول ﷺ کا احترام...... آنحضرت ﷺ کا اتنا احترام کرتے تھے کہ نماز میں بھی آپ کے برابر کھڑا ہونا گستاخی سمجھتے تھے، ایک مرتبہ آخر شب میں نماز کے لئے کھڑے ہوئے، ابن عباسؓ آکر پیچھے کھڑے ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے ان کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنے برابر کر لیا، اس وقت تو یہ ساتھ کھڑے ہو گئے، مگر جیسے ہی آپ نے نماز پڑھنا شروع کی، ابن عباسؓ ہٹ کر اپنی جگہ پر آگئے، نماز ختم کرنے کے بعد آپ نے پوچھا کہ "میں نے تم کو اپنے ساتھ کھڑا کیا تھا تم پیچھے کیوں ہٹ گئے"؟ عرض کی "کسی کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ............رسول اللہ ﷺ کے شانہ بہ شانہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے، آنحضرت ﷺ اس معقول عذر پر خوش ہوئے اور ان کے لئے فہم و فراست کی دعا فرمائی۔[4]

امہات المومنینؓ کا احترام...... آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس غیر معمولی عقیدت کا فطری اقتضاء یہ تھا کہ وہ امہات المومنین کے ساتھ بھی اس عزت و تکریم سے پیش آتے تھے، جب

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد اول ۳۳۰

[2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۴، ۵۳۵ بشرط شیخین،

[3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۴ بشرط شیخین

[4] ایضاً

حضرت میمونہؓ کا انتقال ہوا، اور لوگ مقام سرف میں جنازہ کی شرکت کے لئے جمع ہوئے تو انہوں نے کہا کہ "لوگو! یہ آنحضرت ﷺ کی حرم محترم کا جنازہ ہے، نعش آہستہ اٹھاؤ ہلنے نہ پائے"[1]

یہ احترام حضرت میمونہؓ کی ذات کے ساتھ مخصوص نہ تھا، بلکہ تمام امہات المومنینؓ کے ساتھ وہ اسی تعظیم سے پیش آتے تھے، البتہ خاندانی مناقشوں کی وجہ سے حضرت عائشہؓ سے کچھ بدمزگی ہوگئی تھی، مگر ان کی وفات سے پہلے خود ان کے در دولت پر حاضر ہو کر صفائی کر لی۔

حضرت ذکوان حضرت عائشہؓ کے حاجب بیان کرتے تھے کہ حضرت عائشہؓ کے مرض الموت میں ابن عباسؓ آئے، اور حضوری کی اجازت چاہی میں نے حضرت عائشہؓ سے جا کر عرض کی، اس وقت حضرت عائشہؓ کے بھتیجے، عبداللہ بن عبدالرحمن ان کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے بھی کہا کہ ابن عباسؓ آنے کی اجازت چاہتے ہیں، بولیں ان کو آنے کی ضرورت نہیں، عبداللہ بن عبدالرحمن نے کہا، اماں! ابن عباسؓ آپ کے سعادت مند بیٹے ہیں، وہ سلام کرتے ہیں، اور رخصت کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں ان کو اجازت دیجئے فرمایا خیر اگر تم چاہتے ہو تو بلا لو، چنانچہ ان کو باریابی کی اجازت مل گئی، بیٹھنے کے بعد عرض کی، آپ کو بشارت ہو (یعنی آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچنا چاہتی ہیں) حضرت عائشہؓ نے جواب میں فرمایا "تم کو بھی بشارت ہو" اس خوش آیند سلسلہ کلام کے بعد ابن عباسؓ نے عرض کی کہ اب آپ کے اور آنحضرت ﷺ اور آپ کے اعزہ واحباب سے ملنے میں صرف روح کو جسم کے ساتھ چھوڑنے کی دیر ہے، آپ آنحضرت ﷺ کی محبوب ترین بیوی تھیں، اور آنحضرت ﷺ ہمیشہ طیب ہی چیز کو محبوب رکھتے تھے، پھر حضرت عائشہؓ کے فضائل بیان کیے۔[2]

---

[1] مسلم کتاب الرضاع باب ھبتھا الضرتھا۔
[2] مسند احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۷۶

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

نام ونسب...... عبداللہ نام، ابو عبدالرحمٰن کنیت، والد کا نام مسعود اور والدہ کا نام ام عبد تھا شجرہ نسب یہ ہے، عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن الحارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر

حضرت عبداللہؓ کے والد مسعود ایام جاہلیت میں عبداللہ بن حارث کے حلیف تھے[1]

ابتدائی حالات...... ایام جاہلیت میں زمانہ طفولیت عموماً بھیڑ بکریوں کے چرانے میں بسر ہوتا تھا یہاں تک کہ شرفاء امراء کے بچے اس سے مستثنیٰ نہ تھے، گویا یہ ایک درس گاہ تھی جہاں سادگی، جفاکشی وفا شعاری اور راستبازی کا عملی سبق دیا جاتا تھا۔

مکہ میں جب دعوت توحید کا غلغلہ بلند ہوا تو حضرت عبداللہؓ اسی درسگاہ میں تعلیم پا رہے تھے اور عقبہ بن معیط کی بکریاں ان کے سپرد تھیں[2]

اسلام...... ایک روز آنحضرتؐ اپنے مونس و ہمدم حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ اس طرف سے گذرے جہاں یہ بکریاں چرا رہے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے ان سے فرمایا "صاحبزادے! تمہارے پاس کچھ دودھ ہو تو پیاس بجھاؤ" بولے "میں آپ کو دودھ نہیں دے سکتا کیونکہ یہ دوسرے کی امانت ہے" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "کیا تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس نے بچے نہ دیئے ہوں" عرض کی ہاں" اور ایک بکری پیش کی، آپ نے تھن پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی، یہاں تک کہ وہ دودھ سے لبریز ہو گیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کو علیحدہ لے جا کر دوہا تو اس قدر دودھ نکلا کہ تینوں آدمیوں نے یکے بعد دیگرے خوب سیر ہو کر نوش فرمایا[3] "اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تھن سے فرمایا "خشک ہو جا اور وہ پھر اپنی اصلی حالت پر عود کر آیا۔

اس کرشمہ قدرت نے حضرت عبداللہؓ کے دل پر بے حد اثر کیا، حاضر ہو کر عرض کی "مجھے اس مؤثر کلام کی تعلیم دیجئے"، آپ نے شفقت سے ان کے سر پر دست مبارک پھیر کر فرمایا "تم تعلیم یافتہ بچے ہو" غرض اس روز سے وہ معلم دین مبین کے حلقہ تلمذ میں داخل ہوئے، اور بلا واسطہ خود مہبط وحی والہامؐ سے ستر سورتوں کی تعلیم حاصل کی جن میں کوئی اور ان کا شریک وسہیم نہ تھا[4]

اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ہمیشہ خدمت بابرکت میں حاضر رہنے لگے اور رسول اللہ ﷺ

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ تذکرہ عبداللہ بن مسعودؓ [2] ایضاً
[3] اسد الغابہ جلد ۳ ص تذکرہ عبداللہ بن مسعودؓ [4] مسند احمد بن حنبل

نے ان کو اپنا خادم خاص بنالیا انشاء اللہ آگے ایک خاص باب میں خدمت گذاریوں کی تفصیل آئے گی۔

جوش ایمان...... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس زمانہ میں ایمان لائے تھے جب کہ مؤمنین کی جماعت صرف چند اصحاب پر مشتمل تھی اور مکہ کی سرزمین میں رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کسی نے علانیہ بلند آہنگی کے ساتھ تلاوت قرآن کی جرأت نہیں کی تھی، چنانچہ ایک روز مسلمانوں نے باہم مجتمع ہوکر اس مسئلہ پر گفتگو کی اور سب نے بالاتفاق کہا "خدا کی قسم! قریش نے اب تک بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہوئے نہیں سنا" لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اس پر خطر فرض کو کون انجام دے؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے آگے بڑھ کر اپنے آپ کو پیش کیا، لوگوں نے کہا کہ تمہارا خطرہ میں پڑنا مناسب نہیں، اس کام کے لئے تو ایک ایسا شخص درکار ہے جسکا خاندان وسیع ہو، اور وہ اس کی حمایت میں مشرکین کے دست ستم سے محفوظ رہے، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جوش ایمان سے برانگیختہ ہوکر کہا "مجھے چھوڑ دو! خدا میرا محافظ ہے"

غرض دوسرے روز چاشت کے وقت جب کہ تمام مشرکین قریش اپنی انجمن میں حاضر تھے، اس وارفتہ اسلام نے ایک طرف کھڑے ہوکر ساز توحید پر مضراب لگائی اور **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کے بعد علم قرآن کا سحر آفرین راگ چھیڑا کہ مشرکین نے تعجب اور غور سے سنکر پوچھا "ابن ام عبد کیا کہہ رہا ہے"؟ کسی نے کہا کہ محمد پر جو کتاب اتری ہے اس کو پڑھتا ہے، یہ سنناتھا کہ تمام مجمع غیظ وغضب سے مشتعل ہوکر ٹوٹ پڑا اور اس قدر مارا کہ چہرہ ورم کر آیا لیکن جس طرح پانی کے چند چھینٹے آگ کو اور زیادہ مشتعل کر دیتے تھے، اسی طرح حضرت عبداللہؓ کا شعلہ ایمان اس ظلم وتعدی سے بھڑک اٹھا، مشرکین مارتے گئے لیکن ان کی زبان بند نہ ہوئی۔

حضرت عبداللہ جب اس فرض کو انجام دے کر خستگی وشکستہ حالی کے ساتھ اپنے احباب میں واپس آئے تو لوگوں نے کہا کہ ہم اسی ڈر سے تم کو جانے نہ دیتے تھے، بولے "خدا کی قسم! دشمنان خدا آج سے زیادہ میری نظر میں کبھی ذلیل نہ تھے، اگر تم چاہو تو کل میں پھر اسی طرح ان کے مجمع میں جاکر قرآن کریم کی تلاوت کروں، لوگوں نے کہا "بس جانے دو" اس قدر کافی ہے کہ جس کو سننا وہ ناپسند کرتے تھے اس کو تم نے بلند آہنگی کے ساتھ ان کے کانوں تک پہنچادیا"[1]

ہجرت...... حضرت عبداللہؓ کے جوش وغیرت ایمان نے رفتہ رفتہ تمام مشرکین قریش کو دشمن بنادیا، یہاں تک کہ ان کی مسلسل وپیہم ایذارسانیوں سے تنگ آکر دو دفعہ سرزمین حبش کی صحرانوردی پر مجبور ہوئے، پھر تیسری دفعہ دائمی ہجرت کا ارادہ کر کے یثرب کی راہ لی اور یہاں پہنچ کر حضرت معاذ بن جبلؓ کے مہمان ہوئے، آنحضرت ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد ان دونوں میں بھائی چارہ کرادیا اور مستقل سکونت کے لئے حضرت عبداللہ کو مسجد نبوی کے متصل ایک

[1] اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن مسعودؓ

قطعہ زمین مرحمت فرمایا۔[1]

غزوات...... حضرت عبداللہ بن مسعود تمام مشہور و اہم جنگوں میں جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرم پیکار تھے، غزوہ بدر میں دو انصاری نوجوانوں نے سرخیل کفار ابوجہل بن ہشام کو تہ تیغ کیا تھا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کوئی ابوجہل کی خبر لاتا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ گئے ابھی کچھ کچھ جان باقی تھی، اس کی ڈاڑھی پکڑ کر کہا کہ ابوجہل تو ہی ہے۔[2]

غزوۂ احد، خندق، حدیبیہ، خیبر اور فتح مکہ میں بھی رسول ﷺ کے ہمرکاب تھے مکہ سے واپس آتے ہوئے راہ میں غزوہ حنین پیش آیا، اس جنگ میں مشرکین اس طرح یکا یک ٹوٹ پڑے کہ مسلمان بدحواسی کے ساتھ منتشر ہوگئے اور دس ہزار کی جماعت میں سے صرف اسی اصحاب ثابت قدمی کے ساتھ شمع نبوت کے اردگرد پروانہ وار اپنی فدویت کے جوہر دکھاتے رہے، حضرت، عبداللہ بن مسعودؓ ان ہی جان نثاروں میں تھے، فرماتے ہیں کہ جب مشرکین نے سخت حملہ کیا تو ہم لوگ تقریباً اسی قدم تک پسپا ہوئے لیکن پھر جم کر کھڑے ہوگئے آنحضرت ﷺ اپنے رہوار کو آگے بڑھاتے تھے لیکن وہ پیچھے کی طرف ہٹتا تھا اسی حالت میں ایک دفعہ زین سے جھکے، میں نے پکار کر کہا ”آپ سربلند رہیں، خدا نے آپ کی رفعت عطا فرمائی ہے“ فرمایا مجھے ایک مٹھی خاک اٹھادو“ میں نے خاک اٹھا کر دی، تو آپؐ نے مشرکین کے منہ کی جانب پھینک دی، جس سے ان کی آنکھیں غبار آلود ہوگئیں، پھر ارشاد ہوا مہاجرین و انصار کہاں ہیں؟“ میں نے اشارہ سے بتایا تو حکم ہوا کہ انہیں آواز دے کر بلاؤ میں نے چیخ کر پکارا تو یکا یک سب کے سب پلٹ پڑے، اس وقت ان کی تلواریں نور ایمان سے اس طرح چمک رہی تھیں جس طرح شعلہ دہکتا ہے، غرض بگڑا ہوا کھیل پھر بن گیا، مشرکین مغلوب ہوکر بھاگ کھڑے ہوئے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔[3]

جنگ یرموک...... رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک عزلت نشین رہے، لیکن عہد فاروقی میں جن عظیم الشان فتوحات کا سلسلہ چھڑ گیا تھا اس نے بالآخر ان کی رگ شجاعت میں بھی ہیجان پیدا کیا، ۱۵ھ میں گوشۂ خلوت سے نکل کر رزمگاہ شام کی طرف چل کھڑے ہوئے اور میدان یرموک کی فیصلہ کن جنگ میں سرگرم پیکار ہوکر خوب داد شجاعت دی۔[4]

عہدۂ قضاء...... ۲۰ھ میں کوفہ کے قاضی مقرر کئے گئے، عہد قضاء کے علاوہ خزانہ کی افسری مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور والی کوفہ کی وزارت کے فرائض بھی ان کے متعلق تھے، چنانچہ فرمان تقرری کے الفاظ یہ ہیں۔

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ تذکرہ عبداللہ بن مسعودؓ
[2] بخاری جلد ۲ ص ۵۶۵، [3] احمد جلد اص ۴۵۴
[4] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۷

انی بعثت الیکم عمار بن یا سر امیرا و ابن مسعود معلما و زیرا و قد جعلت ابن مسعود علی بیت مالکم و انهما لمن النجبا من اصحاب محمد من اهل بد رفا سمعو الهما و اطیعوا و اقتدو ابهما و قد اثر تکم یا بن ام عبد علی نفسی[1]

''میں نے تم پر عمار بن یاسر کو امیر اور ابن مسعود کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے، ابن مسعود کو بیت المال کی افسری بھی دی ہے، یہ دونوں آنحضرت ﷺ کے ان ذی عزت اصحاب میں سے ہیں جو کہ معرکہ بدر میں شریک تھے اس لئے ان کو سمعاً وطاعۃ کہو اور اتباع کرو، حقیقت یہ ہے کہ میں نے تمہارے لئے ابن ام عبد عبداللہ بن مسعودؓ کو اپنی ذات پر ترجیح دی ہے''۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کامل دس سال تک نہایت مستعدی و خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے ہیں، اس طویل عرصہ میں بساط سیاست پر گوناگوں انقلاب ہوئے خلیفہ دوم نے وفات پائی، خلیفہ ثالثؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھا، اور خاص کوفہ کی عنان حکومت اہل کوفہ کی شکایت واحتجاج پر یکے بعد دیگرے مختلف والیوں کے ہاتھ میں آئی لیکن وہ جس احتیاط اور انصاف کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے تھے اس کے لحاظ سے کسی کو ان سے شکایت پیدا نہ ہوئی۔

فطری رحم دلی، نرمی اور تلطف کے باعث عفو و درگذر اور چشم پوشی ان کا مخصوص شیوہ تھا، لیکن اسی کے ساتھ وہ اس راز سے بھی واقف تھے کہ بارگاہ عدالت میں جب کسی مجرم پر کوئی جرم ثابت ہو جائے تو اس کے ساتھ نرمی و درگذر سے پیش آنا، درحقیقت نظام حکومت ارکان و اساطین کو متزلزل کر دینا ہے، اس بنا پر وہ اثبات جرم کے بعد اپنی طبعی نرمی و شفقت کے باوجود قانون معدلت کے اجرا میں کبھی دریغ نہ فرماتے تھے، ایک دفعہ ایک شخص نے اپنے برادرزادہ کو شراب خوری کے جرم میں پیش کیا، حضرت عبداللہ نے تحقیقات کے بعد حد جاری کرنے کا حکم دے دیا، لیکن جب درے پڑنے لگے تو اس کا دل رحم و شفقت سے بھر آیا اور منت وسماجت کے ساتھ سفارش کرنے لگا، انہوں نے غضبناک ہو کر فرمایا تو نہایت ظالم چچا ہے اس کو حد شرعی کا مستحق ثابت کر کے چھوڑ دینے کی سفارش کرتا ہے جواب ممکن نہیں اسلام میں سب سے پہلے ایک عورت پر حد جاری ہوگئی تھی جس نے چوری کی تھی، آنحضرت ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ تم لوگوں کو اعراض و چشم پوشی سے کام لینا چاہیے کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ خدا تمہیں بخش دے''

بعض اوقات ایک ہی جرم مجرموں کے اختلاف حیثیات کے لحاظ سے ان کو مختلف سزاؤں کا

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۸

مستوجب قرار دیتا ہے، حضرت عبداللہؓ اس نکتہ سے بھی اچھی طرح آگاہ تھے، ایک دفعہ ان کو اطلاع دی گئی کہ مسیلمہ کذاب کے متبعین میں سے کچھ لوگ اب تک موجود ہیں جو اس کو رسول خدا کہتے ہیں، حضرت عبداللہؓ نے چند سپاہی بھیج کر ان کو گرفتار کرا دیا اور سب کی توبہ قبول کر کے چھوڑ دیا لیکن ان کے سرگروہ ابن نواحہ کے لئے قتل کی سزا تجویز کی لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو بولے کہ ابن نواحہ اور ابن اثال دو شخص مسیلمہ کذاب کی طرف سے رسول ﷺ کی خدمت میں سفیر بن کر گئے تھے آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم مسیلمہ کی رسالت پر ایمان رکھتے تھے؟ انہوں نے کہا ''ہاں'' آپ نے فرمایا کہ اگر تم سفیر نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کرا دیتا'' اس بنا پر جبکہ وہ اب تک اس کے اس باطل عقیدہ سے باز نہیں آیا ہے تو رسول ﷺ کی خواہش کا پورا کرنا ضروری تھا

حضرت عثمانؓ کے آخری عہد خلافت میں جب کوفہ سازش فتنہ پردازی اور بدامنی کا مرکز ہو گیا تو عہدہ قضا کے لحاظ سے قدرۃً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بھی غیر معمولی دشواریاں پیش آئیں، ایک دفعہ عقبہ بن ولید کے دور امارت میں ایک ساحر کا مقدمہ پیش ہوا، جو امیر کوفہ کے سامنے اپنی بازیگری کے کرشمے دکھا رہا تھا، لیکن فیصلہ صادر ہونے سے پہلے ہی جندب نامی ایک شخص نے اس کو قتل کر ڈالا، چونکہ صریحاً معاملات حکومت میں مداخلت بیجا تھی، اس لئے انہوں نے قاتل کی گرفتاری کا حکم دے کر دوبارہ خلافت کو مفصل واقعہ سے مطلع کیا، وہاں سے حکم آیا کہ معمولی تنبیہ و تعزیر کے بعد اس کو چھوڑ دو اور لوگوں کو سمجھاؤ کہ پھر آئندہ اس قسم کے واقعات کا اعادہ نہ ہونے پائے حضرت عبداللہؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور اہل کوفہ کو جمع کر کے فرمایا ''صاحبو! صرف شک وشبہ پر کوئی کام نہ کرو اور عدالت کو اپنے ہاتھ میں نہ لو مجرموں اور خطاکاروں کو سزا دینا ہمارا فرض ہے، تم کو اس میں مداخلت کی ضرورت نہیں ہے''[1]

اسی سال ولید بن عقبہ والی کوفہ پر شراب خواری کا الزام لگایا گیا اور ایک جماعت نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ وہ تخلیہ میں شراب پیتا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ جاسوسی میرا فرض نہیں ہے، اگر ایک شخص چھپ کر کوئی کام کرتا ہے تو میں اس کی پردہ دری کے درپے نہیں ہو سکتا، ولید نے یہ جواب سنا تو ناراض ہو کر ان کو بلا بھیجا اور پوچھا کہ ''کیا مفسدین کو ایسا ہی جواب دینا مناسب تھا؟ میں چھپ کر کون سا کام کرتا ہوں، یہ تو اس شخص سے کہا جا سکتا ہے جو مشکوک ہو'' غرض اسی سوال و جواب میں بات بڑھ گئی اور دونوں ایک دوسرے سے کشیدہ خاطر اٹھے[2]

خزانہ کی افسری...... حضرت عبداللہ منصب قضاء کے ساتھ خزانہ کی افسری پر بھی مامور تھے، کوفہ عظمت، وسعت و کثرت محاصل کے لحاظ سے اس کا بیت المال نہایت اہمیت رکھتا تھا، اس سے لاکھوں روپے کے وظائف جاری تھے فوجی مرکز ہونے کے باعث ہزاروں سپاہیوں کی

[1] تاریخ طبری ص ۲۸۴۵،
[2] ایضا

تنخواہیں مقرر تھیں، اور خراساں، ترکستان اور آرمینیہ پر وقتاً فوقتاً جو فوج کشی ہوتی رہتی تھی، اس کے مصارف ادا کئے جاتے تھے، اس بنا پر دوسرے اہم مشاغل کے ساتھ شعبہ کی اس طرح نگرانی کرنا کہ ایک حبہ بھی ادھر کا ادھر نہ ہونے پائے درحقیقت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی انتظامی قابلیت بیدار مغزی اور حساب فہمی کا حیرت انگیز کارنامہ ہے۔

ذاتی حیثیت سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ زہد و بے نیازی کے اقلیم کے بادشاہ تھے، دنیا کی بڑی سے بڑی نعمتوں کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیتے تھے، لیکن قومی سرمایہ کے تحفظ میں اس قدر سخت تھے کہ اعزہ احباب، افسر اور ولی ملک کے ساتھ بھی کسی قسم کی رعایت ملحوظ نہ رکھتے تھے، ایک دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ والی کوفہ نے بیت المال سے قرض لیا اور ناداری کے باعث عرصہ تک ادا نہ کر سکے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مہتمم بیت المال کی حیثیت سے نہایت سختی کے ساتھ ان سے تقاضا شروع کیا، یہاں تک کہ ایک روز تلخ کلامی کی نوبت پیش آئی، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے جھلا کر چھڑی زمین پر پھینک دی اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا "اے آسمانوں وزمین کے پیدا کرنے والے"

چونکہ وہ نہایت مستجاب الدعوات مشہور تھے، اس لئے حضرت عبداللہ نے خوف زدہ ہو کر کہا "دیکھو میرے لئے بددعا نہ کرنا" بولے "خدا کی قسم! اگر خوف خدا نہ ہوتا تو میں تمہارے لئے سخت بددعا کرتا" حضرت عبداللہ نے ان کی برافروختگی کا یہ انداز دیکھا تو تیزی کے ساتھ کاشانہ امارت سے باہر نکل آئے۔

اس واقعہ کی رپوٹ دربار خلافت میں پہنچی تو امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے سخت ناراضگی ظاہر فرمائی اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو معزول کر کے ولید بن عقبہ کو کوفہ کا والی بنا کر بھیجا، حضرت عبداللہؓ بھی گو اس ناراضگی سے مستثنیٰ نہ تھے، تاہم وہ ایک عرصہ تک اپنے عہدہ پر برقرار رہے[1]

معزولی...... حضرت عثمانؓ کے اخیر عہد حکومت میں جب سازش ومفسدہ پردازی کا بازار گرم ہوا تو مخفی ریشہ دوانیوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بھی زیادہ دنوں تک اپنے عہدہ پر برقرار رہنے نہ دیا، اور یکایک معزول کر دیئے گئے، معزولی کی خبر نے کوفہ کی علمی دنیا کو ماتم کدہ بنا دیا، احباب معتقدین تلامذہ اور اعیان شہر کی ایک بڑی جماعت نے مجتمع ہو کر اس فرمان عزل پر سخت ناراضگی ظاہر کی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مصر ہوئے کہ "آپ کوفہ سے تشریف نہ لے جائیں اگر اس کی پاداش میں کوئی مصیبت پیش آئے گی تو ہم سب اپنی جانیں قربان کرنے کو حاضر ہیں، بولے "امیر المومنین کی اطاعت مجھ پر فرض ہے، میں نہیں چاہتا کہ فتنہ وفساد جو عنقریب برپا ہونے والا ہے اس کی ابتدا میری ذات سے ہو، غرض وہ عمرہ کی نیت کر کے ایک جماعت کے ساتھ حجاز کی طرف روانہ ہو گئے[2]

[1] تاریخ طبری ص ۲۸۱۱، [2] اصابہ تذکرہ عبداللہ بن مسعودؓ

حضرت ابوذرؓ کی تجہیز و تکفین...... جب مقام ربذہ میں پہنچے تو وسط راہ میں ایک عورت کو سرگرداں و پریشان دیکھ کر پوچھا خیر ہے، کہا ایک مرد مسلمان کی تجہیز و تکفین کیجئے پوچھا کون؟ کہا ابوذرؓ صحابی رسول ﷺ' آپ فدیتہ با بی و امی کہہ کر مع اپنے ساتھیوں کے اتر پڑے، حضرت ابوذرؓ ایک بلند پایہ اور نہایت زاہد و متقشف صحابی تھے، وہ دارالخلافت کی روز افزوں تمدنی زندگی سے اس قدر بیزار ہوئے کہ ربذہ کے سنسان جنگل میں اٹھ آئے اور بالآخر اسی سرزمین نے ان کے لئے اپنا آغوش شوق پھیلا دیا، یہ لوگ حضرت ابوذرؓ کے پاس پہنچے، ان کا دم واپسیں تھا، اپنی تجہیز و تکفین کے متعلق ضروری ہدایات دے کر واصل بحق ہوئے، حضرت عبداللہؓ نے حضرت ابوذرؓ کی وصیت کے مطابق ان کی تجہیز و تکفین کر کے نماز جنازہ پڑھا کہ سپرد خاک کیا۔[1]

حضرت عبداللہ نے مکہ پہنچ کر امیر المؤمنین کو حضرت ابوذرؓ کی وفات کی اطلاع دی، اور عمرہ سے فارغ ہو کر مدینہ پہنچے کہ زندگی کے بقیہ ایام عزلت نشینی و عبادت الٰہی میں بسر ہوں۔

علالت...... ۳۲ھ میں جب کہ حضرت عبداللہؓ کا سن مبارک ساٹھ برس سے متجاوز ہو چکا تھا ایک روز ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی، خدا مجھے آپ کی آخری زیارت سے محروم نہ رکھے، میں نے گذشتہ شب کو خواب میں دیکھا کہ حضرت رسول خدا ﷺ ایک بلند منبر پر تشریف فرما ہیں اور آپ سامنے حاضر ہیں، اسی حالت میں ارشاد ہوتا ہے ''ابن مسعودؓ! میرے بعد تمہیں بہت تکلیف پہنچائی گئی، آؤ میرے پاس چلے آؤ'' فرمایا کہ خدا کی قسم! تم نے یہ خواب دیکھا ہے؟ بولا ''ہاں'' فرمایا تم میرے جنازہ میں شریک ہو کر مدینہ سے کہیں جاؤ گے''

یہ خواب درحقیقت واقعہ ہو کر پیش آیا، چند ہی دنوں کے بعد اس طرح بیمار ہوئے کہ لوگوں کو ان کی زندگی سے مایوسی ہوگئی، امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ سے چونکہ ایک گونہ شکر رنجی تھی اور انہوں نے دو برس سے ان کا مقررہ وظیفہ مطلقاً بند کر دیا تھا، اس لئے وہ اس آخری لمحہ حیات میں عفو خواہی و عیادت کے لئے تشریف لائے اور اس طرح گفتگو شروع کی۔

حضرت عثمانؓ: آپ کو کس مرض کی شکایت ہے؟

حضرت عبداللہؓ: اپنے گناہوں کی۔

حضرت عثمانؓ: آپ کیا چاہتے ہیں؟

حضرت عبداللہؓ: خدا کی رحمت۔

حضرت عثمانؓ: آپ کے لئے طبیب بلاؤں؟

حضرت عبداللہؓ: مجھے طبیب ہی نے بیمار ڈالا۔

حضرت عثمانؓ: آپ کا وظیفہ جاری کردوں؟

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ۱۶۶، اس روایت میں عبداللہؓ کے نام کی تصریح نہیں لیکن مستدرک حاکم میں صراحت کے ساتھ نام موجود ہے

حضرت عبداللہؓ: مجھے اس کی ضرورت نہیں۔
حضرت عثمانؓ: آپ کی صاحبزادیوں کے کام آئے گا۔
حضرت عبداللہؓ: کیا آپ کو میری لڑکیوں کے محتاج و دست نگر ہو جانے کا خوف ہے؟
میں نے انہیں حکم دیا کہ ہر رات سورۂ واقعہ پڑھ لیا کریں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''جو ہر رات کو سورہ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ مست نہ ہوگا''[1]

مذکورہ بالا سوال و جواب سے بعض اصحاب سیر کو یہ غلط فہمی ہے کہ اس آخری وقت میں بھی دونوں ایک دوسرے سے صاف نہ ہوئے لیکن طبقات ابن سعد کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ باہمی عفو خواہی کے صیقل نے دونوں کے آئینۂ قلب کو بالکل شفاف کر دیا تھا، محمد بن سعد نے اس واقعہ کی صحت پر خاص طور سے زور دیا ہے۔[2]

وفات...... حضرت عبداللہؓ کو جب سفر آخرت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے حضرت زبیرؓ اور ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو بلا کر اپنے مال و اسباب اور اولاد و نیز خود اپنی تجہیز و تکفین کے متعلق مختلف وصیتیں فرمائیں اور ساٹھ برس سے کچھ زیادہ عمر پا کر ۳۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا، مستند و صحیح روایت کے مطابق امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پہلو میں سپرد خاک کیا۔[3] انا للہ و انا الیہ راجعون

علم و فضل

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان صحابہ کرام میں ہیں جو اپنے علم و فضل کے لحاظ سے تمام دنیائے اسلام کے امام تسلیم کئے گئے ہیں تم نے پہلے پڑھا ہے کہ وہ ایام جاہلیت میں عقبہ بن معیط کی بکریاں چراتے تھے، لیکن خدا کی قدرت معلم ربانی کی نگاہ انتخاب نے گلہ بانی کی درسگاہ سے نکال کر اپنے حلقہ تلمذ میں داخل کر لیا اور علم و فضل کے آسمان پر مہر منیر بنا کر چمکایا۔

علم کا شوق...... حضرت عبداللہؓ ابتداء ہی سے علم کے شائق تھے، قبول اسلام کے ساتھ ہی انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! مجھے تعلیم دیجئے'' بشارت ملی

انک غلام معلم
تم تعلیم یافتہ لڑکے ہو

[1] یہ تمام تفصیل، اسد الغابہ سے ماخوذ ہے۔
[2] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۱۴
[3] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ۱۱۳
[4] مسند ابوداؤد طیالسی و مسند احمد جلد ۱ ص ۳۸۹ و ابن سعد و دلائل ابی نعیم و اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۶

اس شوق کا یہ اثر تھا کہ شب و روز سر چشمہ علم سے مستفیض ہوتے، خلوت، جلوت، سفر، حضر، غرض ہر موقع پر ساقی معرفت کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، لیکن طلب صادق کی پیاس نہ بجھتی، یہاں تک کہ آپ جب داخل حرم نہ ہوتے تو اپنی والدہ حضرت ام عبدؓ کو بھیجتے کہ وہ خانگی زندگی کے معلومات بہم پہنچائیں۔[1]

رسالت مآب ﷺ کی خدمت وصحبت کا اثر...... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضور پر نور ﷺ کے خادم خاص میں شامل تھے، مسواک اٹھا کر رکھنا، جوتہ پہنانا، سفر کے موقع پر کجاوہ کسنا اور عصا لے کر آگے چلنا آپ کی مخصوص خدمت تھی، اس خدمت گزاری کے ساتھ وہ آنحضرت ﷺ کے ہمدم وہمراز بھی تھے[2] مخصوص صحبتوں میں شریک کئے جاتے تھے بلا اذن تخلیہ کے موقعوں پر حاضر ہوتے اور راز کی تمام باتیں سن سکتے تھے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے ان کو حضور کی بستر مسواک اور وضو کے پانے والے کا معزز خطاب دے رکھا تھا۔[3]

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ہم یمن سے آئے اور کچھ دنوں تک مدینہ میں رہے ہم نے عبداللہ بن مسعودؓ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ ہم ان کو عرصہ تک خاندان رسالت کا ایک رکن گمان کرتے رہے[4] غرض اس خدمت گزاری اور ہر وقت کی حاضر باشی نے ان کو قدرۃً سب سے زیادہ وہ خرمن کمال کی خوشہ چینی کا موقع دیا۔

قرآن...... قرآن کریم جو اصل اصول اسلام ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کے سب سے بڑے عالم تھے، فرماتے ہیں کہ "ستر سورتیں میں نے خاص مہبط وحی اور الہامؑ کے دہن مبارک سے سن کر یاد کی تھیں،[5] ان کا دعویٰ تھا کہ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں جن کی نسبت میں یہ نہ جانتا ہوں کہ کب اور کہاں اور کس بارہ میں اتری ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر کوئی شخص قرآن مجید کا مجھ سے زیادہ عالم ہوتا تو میں اس کے پاس سفر کر کے جاتا ایک دفعہ انہوں نے مجمع عام میں دعویٰ کیا کہ "تمام صحابہ جانتے ہیں کہ میں قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہوں، گو سب سے بہتر نہیں ہوں" شقیق اس جلسہ میں موجود تھے، وہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد اکثر صحابہؓ کے حلقوں میں شریک ہوا، مگر کسی کو عبداللہ بن مسعود کے دعویٰ کا منکر نہیں پایا۔

حضرت ابوالاحوص فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم اور عبداللہ بن مسعودؓ اپنے چند احباب کے ساتھ ابوموسیٰ اشعریؓ کے مکان میں تھے، حضرت عبداللہؓ چلنے کے قصد سے کھڑے ہوئے تو ابومسعود نے انکی طرف اشارہ کیا اور کہا "میں نہیں جانتا کہ رسول ﷺ کے بعد ان سے زیادہ کوئی شخص قرآن کا عالم ہے" ابوموسیٰؓ نے کہا "کیوں نہیں! یہ اس وقت بارگاہ رسالت میں حاضر

---

[1] مسند اعظم ص ۱۸۴،
[2] مستدرک جلد ۳ ص ۳۱۶، [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۰۹
[4] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۴۳، [5] بخاری جلد ۲ ص ۷۴۸

رہتے تھے جب کہ ہم لوگ غائب ہوتے تھے اور ان کو ان موقعوں میں باریاب ہونے کی اجازت تھی جب کہ ہم لوگ روک دیئے جاتے تھے" حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کو اس دن سے بہت دوست رکھتا ہوں جس دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو" اور سب سے پہلے ابن ام عبدؓ کا نام لیا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جب وفات پائی تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابومسعودؓ نے ایک دوسرے سے کہا "کیا عبداللہؓ نے اپنے جیسا کسی کو چھوڑا؟ دوسرے نے کہا نہیں وہ خلوت جلوت ہر موقع پر حاضر رہتے تھے جبکہ ہم لوگوں کے لئے یہ ممکن نہ تھا"[1]

حضرت عبداللہؓ کے پاس عہد نبوت کا جمع کیا ہوا ایک مصحف بھی تھا جس کو نہایت عزیز رکھتے تھے، چنانچہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے جب مصحف صدیقی کے سوا تمام مصاحف کو تلف کر دینے کا حکم دیا تو انہوں نے نہایت ناگواری کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی۔

چونکہ اس مصحف کے نقل و ترتیب کی خدمت زید بن ثابتؓ نے انجام دی تھی، اس لئے وہ اکثر ان کی ناتجربہ کاری پر معترض ہوتے تھے، شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا، ستر سے کچھ زیادہ سورتیں میں نے خاص رسول ﷺ کی زبان سے سن کر یاد کی تھیں، حالانکہ زید بن ثابتؓ اس وقت لڑکے تھے، اور لڑکوں کے ساتھ کھیلتے پھرتے تھے[2] اس سے بڑھ کر ان کی قرآن دانی کی اور کیا سند ہو سکتی ہے کہ خود حضور ﷺ نے ایک موقع پر لوگوں سے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے سیکھنا، عبداللہ بن مسعودؓ، سالمؓ، معاذؓ اور ابی بن کعبؓ[3]

تفسیر...... قرآن مجید کی تفسیر اور مناسب موقعوں پر برجستہ آیات قرآنی کی تلاوت میں خاص مہارت رکھتے تھے، ایک دفعہ یہ حدیث زیر بحث تھی کہ جو شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا مال مارے گا، قیامت کے روز خدا اس پر نہایت غضبناک ہوگا" حضرت عبداللہؓ نے اس حدیث کی تصدیق میں برجستہ یہ آیت تلاوت فرمائی۔

ان الذین یشترون بعھد اللّٰہ و ایمانھم ثمنا قلیلا اولئک لا خلاق لھم فی الاخرۃ

بے شک وہ لوگ جو خدا کے عہد اور اپنی قسموں کے معاوضہ میں نفع قلیل حاصل کرتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔

اسی طرح ایک دفعہ اپنے حلقہ درس میں بیان فرما رہے تھے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟، ارشاد ہوا کہ شرک پھر قتل اولاد پھر آپ نے

---

[1] مسلم باب فضائل عبداللہ بن مسعودؓ
[2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۹ بخاری باب القراء من اصحاب النبی ﷺ جلد ا ص ۳۷۷، و بخاری جلد ۲ ص ۶۵۲

ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا" اس حدیث کو بیان کر کے انھوں نے برجستہ اس آیت سے اس کی تصدیق فرمادی۔[1]

و الذین لا یدعون مع اللّٰہ الٰھا اٰخر و لا یقتلون النفس التی حرم اللّٰہ الا با لحق و لا یز نون و من یفعل ذلک یلق اثا ما

جو لوگ خدا کے ساتھ، کسی دوسرے خدا کو نہیں پکارتے اور ناحق جان نہیں مارتے کہ اللہ نے اس کو حرام کر رکھا ہے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو شخص ایسا کریگا وہ ان گناہوں کا خمیازہ اٹھائے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تفسیریں حدیث وتفسیر کی کتابوں میں بکثرت منقول ہے، اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہوسکتی ہے۔

تفسیر بالرائے سے احتراز...... محض اپنی رائے وقیاس سے آیت قرآنی کی تشریح وتفسیر کرنا علمائے امت کے نزدیک بالاتفاق ناجائز ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اگر کسی کو ایسا کرتے دیکھتے تو نہایت برہم ہوتے، ایک مرتبہ کسی نے آکر کہا کہ ایک شخص مسجد میں یوم تاتی السماء بدخان مبین کی تفسیر محض اپنی رائے سے کر رہا ہے، وہ کہتا ہے کہ "قیامت کے روز اس قدر دھواں ہوگا کہ لوگ اس میں سانس لے کر زکام یا اسی قسم کی ایک بیماری میں مبتلا ہو جائیں گے"، بولے "دانشمندی یہ ہے کہ اگر انسان کسی امر سے واقف ہو تو بیان کرے اور اگر ناواقف ہو تو اللہ اعلم کہہ کر خاموش ہو جائے، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب کہ قریش کی نافرمانی اور آنحضرت ﷺ کی بددعا کے باعث تمام عرب قحط کی مصیبت میں مبتلا تھا، لوگ جب آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے تو بھوک کی شدت اور ضعف و ناتوانی کے باعث زمین سے آسمان تک دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا، خدائے پاک نے اس موقع پر کفار کو متنبہ کیا کہ اس سے بھی ایک زیادہ ہولناک اور سخت انتقام کا دن آنے والا ہے، اور وہ جنگ بدر کا دن ہے"۔[2]

قرأت...... قرآت میں غیر معمولی کمال حاصل تھا، صحاح میں بکثرت ایسی روایتیں ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ قرآت میں ابن ام عبد یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی پیروی کی جائے۔ ایک مرتبہ وہ نماز میں سورہ نساء تلاوت فرما رہے تھے کہ خیر الامؐ (نبی کریمؐ) حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کے ساتھ مسجد میں تشریف لائے اور ان کی خوش الحانی اور باقاعدہ ترتیل سے خوش ہو کر فرمایا۔

اسئل تعطہ اسئل تعطہ

(جو کچھ) سوال کرو پورا کیا جائے گا (جو کچھ) سوال کرو پورا کیا جائے گا۔

پھر ارشاد ہوا کہ "جو پسند کرتا ہے کہ قرآن کو اسی طرح تروتازہ پڑھنا سیکھے، جس طرح وہ

---

[1] مسند احمد جلد اص ۳۸۰

[2] مسند جلد اص ۳۱۸ و بخاری جلد ۲ ص ۷۱۰

نازل ہوا ہے تو اس کو قرأۃ ابن ام عبد کی اتباع کرنا چاہیے''۔

دوسرے روز حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کے پاس بشارت وتہنیت کے خیال سے تشریف لائے، اور پوچھا کہ ''رات آپ نے خدا سے کیا دعا مانگی؟'' بولے ''میں نے کہا اے خدا! مجھے ایسا ایمان عطا کر جس کو کبھی جنبش نہ ہو، ایسی نعمت دے جو کبھی ختم نہ ہو، اور خلد بریں میں (حضرت محمد ﷺ) کی دائمی رفاقت نصیب ہو''۔[1]

وہ تلاوت قرآن کے نہایت شائق تھے، اور تنہائی کے موقع میں عموماً اس سے دل بہلایا کرتے تھے، بسا اوقات خود آنحضرت ﷺ بھی ان سے قرآن کی کوئی سورہ پڑھوا کر سنتے اور محظوظ ہوتے، خود کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ارشاد ہوا کہ سورہ نساء پڑھ کر سناؤ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ پر نازل ہوا اور آپ کو میں سناؤں! ارشاد ہوا'' کیوں نہیں! لیکن میں دوسرے کی زبان سے سننا چاہتا ہوں'' غرض میں نے تعمیل ارشاد کی اور جب اس آیت پر پہنچا'' فكيف اذا جئنا من كل امة بشهيد و جئنا بك على هؤ لاء شهيدا'' آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔[2]

روایت میں خوف اور احتیاط...... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بارگاہ نبوت میں جو مخصوص تقرب حاصل تھا اس کے لحاظ سے نہایت وسیع معلومات رکھتے تھے، لیکن روایت میں وہ حد درجہ محتاط تھے ابو عمر شیبانی کہتے ہیں کہ میں ابن مسعودؓ کی صحبت میں کامل ایک سال رہا، لیکن بہت کم قال رسول اللہ کا لفظ ان کی زبان سے سنا، ایک مرتبہ انہوں نے ایک حدیث بیان کی تو تمام جسم میں رعشہ آ گیا، اور کہنے لگے، آپ نے اسی طرح فرمایا: اس کے قریب قریب یا اسی کے مشابہ۔[3]

حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ تقریباً ایک سال تک عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں میری آمد ورفت رہی، لیکن میں نے کبھی ان کو رسول اللہ کے انتساب سے کچھ بیان کرتے ہوئے نہیں سنا، ایک مرتبہ حدیث بیان کرتے ہوئے اتفاقاً ان کی زبان سے قال رسول اللہ کا فقرہ نکل گیا، تو دیکھا کہ ان کا تمام بدن تھرا اٹھا اور خوف وہراس سے عرق عرق (پسینہ پسینہ) ہو گئے۔[4]

تلامذہ کو احتیاط کی ہدایت...... شاگردوں کو بھی عموماً روایت حدیث میں احتیاط کی ہدایت کیا کرتے اور فرماتے کہ جب تم کوئی حدیث بیان کرو تو اس خیال کو پیش نظر رکھو کہ رسول ﷺ سب سے زیادہ مقدس پرہیزگار اور ہدایت یاب تھے۔[5]

کثرت روایات کی وجہ...... لیکن ان واقعات سے یہ قیاس نہ کرنا چاہیے کہ وہ مطلقاً حدیثیں روایت نہیں کرتے تھے، کیونکہ معلم دین ہونے کی حیثیت سے حضرت خیر الانامؐ کی

[1] مسند جلد اص ۴۵۴
[2] ایضاً ص ۳۷۴ بخاری جلد ۲ ص ۶۵۹
[3] تذکرۃ الحفاظ جلد اص ۱۴، [4] ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۱۰، [5] مسند احمد جلد اول ص ۳۸۵

تعلیمات وارشادات کا پھیلانا ان کے فرائض منصبی میں داخل تھا، یہی وجہ ہے کہ خوف و احتیاط کے باوجود صحاح ومسانید میں ان سے بکثرت روایات منقول ہیں، چنانچہ آپ کے جملہ مرویات کی تعداد ۸۴۸ ہے ان میں سے ۶۴ بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں، ان کے علاوہ ۲۱ بخاری میں ہیں اور ۳۵ مسلم میں ہیں [۱]

مذاکرہ حدیث کا شوق ...... بسا اوقات وہ مذاکرہ حدیث کے شوق میں تلامذہ واحباب کے گھر پر تشریف لے جاتے اور دیر تک عہد نبوت کا ذکر مذکور رہتا، وابصہ اسدی فرماتے ہیں کہ میں کوفہ میں دوپہر کے وقت اپنے گھر میں تھا کہ یکا یک دروازہ سے السلام علیکم کی آواز بلند ہوئی، میں نے جواب دیا باہر نکل کر دیکھا، تو عبداللہ بن مسعودؓ تھے، میں نے کہا ابوعبدالرحمٰن! یہ ملاقات کا کون سا وقت ہے؟ بولے "آج بعض مشاغل ایسے پیش آگئے کہ دن چڑھ گیا اور اب فرصت ملی تو یہ خیال کہ کسی سے باتیں کر کے عہد مقدس کی یاد تازہ کرلوں" غرض وہ بیٹھ کر حدیثیں بیان فرمانے لگے، اور دیر تک پر لطف صحبت رہی [۲]

آداب روایت ...... حضرت عبداللہؓ حدیث روایت کرتے وقت نہایت مؤدب متین اور سنجیدہ بن جاتے ہیں اور اس طرح نقشہ کھینچ دیتے تھے کہ گویا سامع خود حضرت رسول مقبول ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے سن رہا ہے، ایک مرتبہ انہوں نے ایک طولانی حدیث بیان فرمائی جس میں قیامت، جنت اور مؤمنین وسجان رب العزت کے سوال و جواب کا تذکرہ تھا، حدیث ختم کر کے متبسم ہوئے اور فرمایا "تم پوچھتے نہیں کہ میں کیوں ہنستا ہوں؟ لوگوں نے کہا آپ کیوں ہنستے ہیں؟ اس لئے کہ اس موقع پر رسول ﷺ نے اسی طرح تبسم فرمایا تھا [۳]

فقہ ...... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان فاضل صحابہ میں ہیں جو فقہ کے مؤسس اور بانی سمجھے جاتے ہیں، خصوصاً فقہ حنفی کی عمارت تمام تر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی کے سنگ اساس پر تعمیر ہوئی۔

پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت عبداللہؓ کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے تو اس کے ساتھ تعلیم دین کی خدمت بھی سپرد ہوئی تھی، اس بنا پر ان کو قدرۃً ایک حلقہ درس قائم کرنا پڑا، اور عام مسلمانوں میں مسائل فقہ اور اپنے اجتہادات کی ترویج واشاعت کا نہایت کافی موقع ہاتھ آیا، اس طرح تمام خطہ عراق فقہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا پیرو ہو گیا، اور ان کی درس گاہ سے بڑے بڑے اہل کمال سند فضیلت لے کر نکلے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مخصوص تلامذہ میں سے علقمہ اور اسود نے فقہ میں خاص شہرت حاصل کی، پھر ان کے بعد ابراہیم نخعی نے کوفہ کی فقہ کو بہت کچھ وسعت دی، یہاں تک کہ ان کو

---

[۱] تہذیب الکمال ص ۲۱۴ [۲] مسند احمد جلد اول ص ۴۴۸
[۳] ایضاً مسند عبداللہ بن مسعودؓ

فقیہ العراق کا لقب ملا۔

حضرت ابراہیم نخعی کے پاس حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فتاوی کا نہایت کافی ذخیرہ تھا، جوان کو تمام تر زبانی یاد تھا، ان سے حماد نے حاصل کیا، اور حماد سے منتقل ہو کر وہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حصہ میں آیا، جنہوں نے اپنے علم و اجتہاد سے اسکو اس قدر وسعت دی کہ آپ اکثر دنیائے اسلام ان کے فیوض و برکات سے مالا مال ہے۔

اصول فقہ...... قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس فقہ اسلامی کی عمارت کے چار ستون ہیں اور یہی اصول فقہ کے موضوع فن بھی ہیں، ان میں سے دونوں مؤخر الذکر کی ضرورت رسول ﷺ کے بعد پیش آئی کیونکہ مہبط وحی والہام کی موجودگی میں اجماع وقیاس کی ضرورت ہی کیا تھی۔

اجماع...... اجماع کو عملی حیثیت سے رواج دینا گو حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمر فاروقؓ کا خاص طغرائے امتیاز ہے، تاہم اصولی حیثیت سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کو مستحسن قرار دیا اور فرمایا۔

مارای المسلمون حسنا فهو عند الله حسن و مار ا و اسیئا فهو عندالله سیٔ[1]

''جس چیز کو تمام مسلمان بہتر سمجھ لیں وہ خدا کے نزدیک بھی بہتر ہے اور جس کو برا سمجھ لیں وہ خدا کے نزدیک بھی برا ہے''۔

اور یہی درحقیقت اجماع کی اصلی روح ہے۔

قیاس...... اصول فقہ کا چوتھا رکن قیاس ہے، جو درحقیقت قرآن پاک، حدیث نبوی اور اجماع ہی کی ایک شاخ ہے، لیکن توسیع فقہ اور نئے نئے مسائل کی گتھیوں کو سلجھانے کے لحاظ سے وہ خاص اہمیت رکھتا ہے، یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام جزئیات مذکور نہیں، اور نہ اس قدر احاطہ ممکن تھا، اس لئے علت مشترکہ نکال کر ان جزئیات غیر منصوصہ کو احکام منصوصہ پر قیاس کرنا فقیہ یا مجتہد کا سب سے اہم فرض ہے اور درحقیقت یہی موقع ہے، جہاں اس کی قوت اجتہاد تفریع مسائل و استنباط احکام کا امتحان ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے عملاً قیاس شرعی سے کام لے کر آئندہ نسلوں کے لئے ایک وسیع شاہراہ قائم کر دی اور ضمناً بہت سے ایسے قاعدے مقرر کر دیئے جو آج ہمارے علم اصول فقہ کی بنیاد ہیں، ہم یہیں ان کے چند قیاسی مسائل نقل کرتے ہیں جن سے ان کی قوت استنباط کا اندازہ ہوگا۔

حج یا عمرہ کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی احرام باندھ لے اور دشمن کے سدراہ ہو جانے سے حج یا عمرہ کے ارکان کو پورا نہ کر سکے تو وہ صرف قربانی کا جانور بھیج کر حرام کھول دے، اور آئندہ

[1] مسند احمد جلد اول ۳۷۹۔

جب کبھی موقع میسر آئے اپنے ارادہ کو پورا کرے، جیسا کہ خود آنحضرت ﷺ نے غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر کیا تھا، لیکن عبداللہ بن مسعودؓ مجبوری کو علت مشترکہ قرار دے کر مریض یا دوسرے مجبور اشخاص کے لئے بھی یہی حکم جاری فرماتے ہیں، چنانچہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ ''میں عمرہ کے لئے احرام باندھ چکا تھا کہ اتفاقاً سانپ نے کاٹ کھایا اور اب جانے کی طاقت نہیں رہی'' بولے ''تم صرف قربانی بھیج کر احرام کھول دو، اور جب ممکن ہو عمرہ ادا کرو''[1]

اس قیاس سے ضمناً دو نہایت اہم اصول منضبط ہوتے ہیں (۱) اشتراک علت اشتراک حکم کا باعث ہے (۲) سبب کا خاص ہونا حکم کی تعمیم پر کچھ اثر نہیں ڈالتا۔

علم فرائض کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ میت سے جس کو زیادہ قرابت ہوگی، اس کو وراثت میں ترجیح دے جائے گی، مثلاً حقیقی بھائی کو اخیافی یا علاتی بھائی پر صرف اس لئے ترجیح ہے کہ اوّل الذکر کو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے قرابت ہے برخلاف اس کے دونوں موخر الذکر میں صرف ایک ہی حیثیت پائی جاتی ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس اصول کو دوسرے قرابت داروں میں بھی پیش نظر رکھتے ہیں مثلاً ایک میت نے زید اور بکر دو چچازاد بھائی چھوڑے اور زید اس رشتہ کے علاوہ میت کا اخیافی بھائی بھی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس صورت میں زیادہ قرابت کی علت مرجحہ نکال کر زید کو بکر پر ترجیح دیتے ہیں، لیکن جمہور علمائے اہل سنت عصبہ ہونے کی حیثیت سے ان دونوں میں کوئی تفریق نہیں کرتے ہیں[2]

اجتہاد ...... مذکورہ بالا قیاسی مسائل کے علاوہ فقہ اسلامی کی بہت سی پیچیدہ گتھیاں صرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ناخن اجتہاد سے حل ہوئیں، آپ استنباط احکام وتفریع مسائل پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے، اور نصوص شرعیہ میں ناسخ ومنسوخ، موقت ومؤبد کی تفریق کر کے صحیح استنباط حکم راہ پیدا کر لیتے تھے، مثلاً ایک دفعہ استفتاء آیا کہ ایک حاملہ عورت کے لئے جس کا شوہر مر گیا ہو، عدت کیا ہے؟ کیونکہ قرآن مجید میں عدت کے متعلق مختلف احکام ہیں، سورۂ بقرہ میں عام حکم یہ ہے۔

و الذین یتو فون منکم و یذرون ازو اجا یتر بصن با نفسھن اربعة اشھر و عشرا

''تم میں سے جو لوگ مر جائیں، اور بیویاں چھوڑیں تو وہ (عورتیں) اپنے آپ کو چار مہینے دس دن تک روکے رکھیں''۔

اور سورۂ نساء میں خاص حاملہ عورتوں کے لئے جن کے شوہر مر گئے ہوں یہ حکم ہے۔

و اولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن

---

[1] موطا امام محمد ص ۲۳۲
[2] التوضیح والتلویح

''اور جو عورتیں حاملہ ہوں ان کی مدت یہ ہے کہ اپنا حمل وضع کریں''۔

اس بنا پر حضرت علی کا خیال تھا کہ جس میں زیادہ مدت صرف ہو وہی اس زمانہ عدت قرار دیا دے تا کہ دونوں آیتوں کا توافق پیدا ہو جائے، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حاملہ عورت کے حق میں سورۂ بقرہ کی آیت کو سورۂ نساء کی آیت سے منسوخ قرار دے کر وضع حمل عدت قرار دی، اور فرمایا کہ میں اس کے لئے مباہلہ کر سکتا ہوں کہ سورۂ بقرہ سورہ نساء کے بعد نازل ہوئی ہے۔[1]

یہ مسئلہ کہ جہری نمازوں میں مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ آج تک احناف اور دیگر فرق اسلامیہ کے درمیان ایک معرکۃ الآراء بحث ہے اور اس کا کسی طرح فیصلہ ہی نہیں ہونے پاتا، حضرت عبداللہؓ کے زمانہ میں یہ بحث پیدا ہو چکی تھی، چنانچہ ایک شخص نے بطریق استفتاء اس مسئلہ کو ان کے سامنے پیش کیا انہوں نے جواب دیا۔

انصت فان فی الصلوٰۃ شغلا سیکفیک ذاک الامام[2]

''خاموش رہو کیونکہ نماز میں توجہ قائم نہیں رہتی، امام کا پڑھنا تمہارے لئے کافی ہے''۔

اس جواب میں درحقیقت حسب ذیل تین دلیلوں کی طرف اشارہ ہے، جو آج بھی احناف کے لئے مخالفین کے مقابلہ میں بمنزلہ سپر ہے۔

(۱) اذا قری القران فاستمعوا له و انصتوا

''جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور خاموش رہو''

(۲) مقتدی کی قرأت سے نماز میں توجہ قلب باقی نہیں رہتی۔

(۳) آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے من کان له امام فقراة الامام قراة له، یعنی جو امام کے پیچھے ہو اس کے لئے امام کی قرأت کافی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس فرائض کا یہ استفتاء آیا کہ ایک میت نے ورثہ میں ایک لڑکی ایک پوتی اور ایک بہن چھوڑی ہے، اس کی جائداد کس طرح تقسیم ہوگی، انہوں نے جواب دیا کہ لڑکی اور بہن نصف کی مستحق ہیں اور پوتی محروم الارث ہے ابوموسیٰؓ کے جواب کے ساتھ یہی استفتاء حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں آیا انھوں نے فرمایا ''اگر میں رسول ﷺ کے فرمان پر ابوموسیٰ کے قول کو ترجیح دوں تو میں گمراہ ہوں گا، بیشک لڑکی نصف پائے گی، لیکن دو ثلث پورا کرنے کے لئے ایک سدس پوتی کو بھی ملے گا، اور جو باقی رہے گا وہ بہن کا حصہ ہے''[3] یہ جواب حضرت ابوموسیٰؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا ''جب تک یہ بڑا عالم ہم میں موجود ہے اس وقت تک ہم سے پوچھنے کی ضرورت نہیں'' چنانچہ آج یہی فتویٰ تمام مسلمانوں کا معمول ہے۔

---

[1] التوضیح والتلویح [2] موطا امام محمد جلد اص ۹۶

[3] مسند احمد بن حنبل اص ۴۲۸، بخاری جلد ۲ ص ۹۹۷

معاصرین فضل و کمال کے معترف تھے...... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تبحر علمی و ملکہ اجتہاد کے تمام صحابہ کرامؓ معترف تھے، حضرت عمرؓ جب ان کو دیکھتے تو چہرہ بشاش ہو جاتا اور فرماتے۔
کیف ملی علما (مستدرک حاکم، مناقب)۔ ایک ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے[1]

ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے چند کوفیوں نے ان کے تقویٰ حسن خلق اور تبحر علمی کی بیحد تعریف کی، انہوں نے پوچھا ''کیا تم سچے دل سے کہتے ہو؟'' بولے ہاں ''فرمایا تم لوگوں نے عبداللہ بن مسعودؓ کی جو کچھ تعریف کی ہے، میں ان کو اس سے بھی بہتر خیال کرتا ہوں''[2]

ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ اگر کسی کے حلق سے بیوی کا دودھ فرو ہو جائے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ اس پر حرام ہو جائے گی ، حضرت عبداللہؓ موجود تھے، انہوں نے (روک کر کہا) آپ یہ کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ رضاعت صرف دو سال تک ہے، حضرت ابو موسیٰؓ نے خوش ہو کر اعتراف فضل کے لہجہ میں لوگوں سے کہا'' جب تک یہ حبر (یعنی عالم تبحر) تم میں موجود ہے مجھ سے کچھ نہ پوچھو''۔[3]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص سے جو تہ بند ٹخنوں سے نیچے لٹکائے ہوئے تھا، کہا ''تہ بند ذرا اوپر کر کے باندھو'' اس نے کہا ابن مسعودؓ تم بھی تہ بند اوپر کرو۔ لے ''میں تمہارے جیسا نہیں ہوں، میری ٹانگیں پتلی ہیں'' حضرت عمرؓ نے اس ردوقدح کا حال سنا تو اس شخص کے کوڑے لگوائے کہ تو نے عبداللہ بن مسعودؓ جیسے شخص سے منہ زوری کی[4]

نامعلوم مسائل میں رائے زنی سے احتراز...... ایک طرف تو کی قوت اجتہاد و جلالت شان کا یہ حال تھا، لیکن دوسری طرف حزم و احتیاط کا یہ عالم تھا کہ نا م مسائل میں کبھی رائے زنی سے کام نہ لیتے اور اپنے شاگردوں کو ہمیشہ ہدایت فرمایا کرتے ۔ جس چیز کو تم نہ جانتے ہو اس کی نسبت۔ یہ نہ کہا کرو کہ میری رائے یہ ہے یا میرا خیال یہ ہے بلکہ صاف کہہ دیا کرو کہ میں نہیں جانتا۔[5]

حضرت مسروق جو ان کے خاص تلامذہ میں ہیں بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ اکثر حسرت و افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ عنقریب ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے، جبکہ علماء باقی نہ رہیں گے اور لوگ ایسے جاہلوں کو سردار بنالیں گے جو تمام امور کو محض اپنی عقل و رائے سے قیاس کریں گے۔[6]

ایک مرتبہ ان کے پاس یہ استفتاء آیا کہ ایک عورت کا نکاح ہوا لیکن اس میں مہر کا کوئی

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۱۰
[2] طبقات ابن سعد قسم ا جزء ۳ ص ۱۱۰
[3] موطا امام مالک ص ۲۲۳، [4] اصابہ جلد ۳ ص ۱۳۰،
[5] اعلام الموقعین ص ۶۴، [6] اعلام الموقعین ص ۶۴

تذکرہ نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا، اس کے لئے کیا حکم ہے وہ مہر و وراثت کی مستحق ہے یا نہیں؟ چونکہ ان کو اس کے متعلق کوئی واقفیت نہ تھی اس لئے لوگوں کے ضد اوراصرار کے باوجود تقریباً ایک مہینہ تک خاموش رہے، لیکن جب زیادہ مجبور کئے گئے تو بولے" میرا فیصلہ یہ ہے کہ وہ مہر مثل اور وراثت کی مستحق ہے اور اس کو عدت میں بیٹھنا چاہیے" پھر فرمایا" اگر یہ صحیح ہے، تو خدا کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے خدا اور اس کا رسول اس سے بری ہے" اس وقت حاضرین میں دو صحابی حضرت جراحؓ اور حضرت ابوسنانؓ موجود تھے، انہوں نے اٹھ کر کہا" ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول ﷺ نے بروع بنت واشق کے حق میں یہی فیصلہ فرمایا تھا"۔ اس توافق سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو غیر معمولی مسرت حاصل ہوئی [1]

فتوی سے رجوع کرنا...... اگر وہ کبھی کوئی فتوی دیتے اور بعد کو اس کے خلاف ثابت ہو جاتا تو فوراً اس سے رجوع کر لیتے، ایک مرتبہ کوفہ میں ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ" اگر کسی نے اپنی بیوی کو ہاتھ نہ لگایا ہو تو اس کے بعد اسکی ماں سے نکاح کر سکتا ہے؟" حضرت عبداللہؓ نے جواز فتوی دیا، لیکن جب مدینہ آئے اور لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ربیبہ لڑکیوں کے سوا اور تمام صورتوں میں ناجائز ہے، چنانچہ انہوں نے کوفہ واپس آکر براہ راست مستفتی سے ملاقات کی اور اپنے فتوی سے رجوع کر کے فسخ نکاح کا حکم دیا" [2]

معاصرین سے استفادہ...... نامعلوم مسائل میں ان کو اپنے اہل علم معاصرین سے استفادہ کرنے میں عار نہ تھا، ایک مرتبہ انہوں نے اپنی بیوی سے ایک لونڈی خریدی اور شرط یہ قرار پائی کہ اگر وہ فروخت کی جائے تو اس کی قیمت ان کی بیوی کو ملے گی، چونکہ ان کو خود اس بیع کی تکمیل میں شک تھا، اس لئے انہوں نے حضرت عمرؓ سے فتوی پوچھا، انہوں نے جواب دیا کہ بیع مشروط سے ملکیت حاصل نہیں ہوتی تم اس کے قریب نہ جاؤ [3]

امام محمد نے کتاب الآثار میں روایت کی ہے" صحابہ کرام میں سے چھ شخص مجتہد تسلیم کئے جاتے ہیں، اور وہ باہم مسائل فقہ میں بحث و مذاکرہ کرتے رہتے تھے، علیؓ، ابی بن کعبؓ اور حضرت ابوموسی اشعریؓ ایک ساتھ اور عمرؓ، زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ ایک ساتھ" امام شعبی کا بیان ہے کہ عمرؓ، زید اور عبداللہ بن مسعود باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے، اور اسی وجہ سے ان کے مسائل باہم ملتے جلتے تھے۔

ارباب علم کی قدر شناسی...... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ارباب علم و فضل کی نہایت عزت کرتے تھے، حضرت عمرؓ کی نسبت ان کا قول تھا کہ" اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے

[1] ابوداؤد باب فیمن تزوج ولم یسم صداقہا [2] موطا امام مالک ص ۱۹۳
[3] موطا امام محمد ص ۳۴۲

اور عمرؓ کا علم دوسرے پلہ میں تو عمر کا پلہ بھاری رہے گا'' وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ عمرؓ کے ساتھ ایک گھڑی بیٹھنا میں سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں ۔[۱]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی نسبت فرمایا کرتے تھے، ابن عباسؓ بہترین ترجمان قرآن ہیں، اگر وہ (عہد رسالت میں) ہم لوگوں کا سن (عمر، زمانہ) پاتے تو کوئی ان کی برابری نہ کر سکتا''۔[۲]

حضرت علقمہ ان کے شاگرد تھے، انہوں نے محض اپنی ذہانت و کثرت معلومات کے باعث ان کے حلقہ درس میں ممتاز عزت حاصل کر لی تھی، حضرت عبداللہؓ ان کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ ''علقمہ کی معلومات سے میری معلومات زیادہ نہیں ہیں''۔[۳]

احترام خلافت...... منصب خلافت کا نہایت ادب واحترام ملحوظ رکھتے تھے، اور کبھی خلیفہ وقت کا کوئی حکم یا فعل سنت ماضیہ کے خلاف نظر آتا تو عملاً اس کی مخالفت نہ فرماتے تھے کہ اس سے امت مرحومہ میں تفریق وانتشار کا اندیشہ تھا، ایک سال حج کے موقع پر حضرت عثمانؓ نے منی میں دو کے بجائے چار رکعتیں ادا کیں، حضرت عبداللہؓ کو خبر ملی تو متاسف ہو کر بولے انا للّٰہ و انا الیہ راجعون میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں، ابوبکرؓ اور عمرؓ کے عہد میں بھی دو ہی رکعتیں تھیں، اب یہ کیا انقلاب ہے؟''[۴] اس لئے عملاً انہوں نے چار ہی رکعتیں پڑھیں لوگوں نے اس پر تعجب ظاہر کیا تو بولے کہ خلافت کا احترام ضروری ہے۔[۵]

درس وتدریس...... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ میں باقاعدہ حدیث، فقہ اور قرآن پاک کی تعلیم دیتے تھے، ان کی درس گاہ میں شاگردوں کا بڑا مجمع رہتا تھا، جن میں سے علقمہؒ، اسودؒ، مسروق، عبیدہ حارث، قاضی شریح اور ابووائل نہایت نامآور ہوئے، خاص کر علقمہ ان کی صحبت میں اس التزام سے رہے تھے اور ان کے طور وطریقہ کے اس قدر پابند تھے کہ لوگوں کا بیان تھا کہ جس نے علقمہ کو دیکھ لیا اس نے عبداللہ بن مسعودؓ کو دیکھ لیا۔

شاگردوں کی ایک جماعت سفر میں بھی عموماً ہمراہ ہوتی تھی، علقمہ اس قدر اہتمام کرتے تھے کہ اگر خود جانے سے مجبور ہوتے تو اپنے کسی رفیق کو ساتھ کر دیتے اور تاکید کرتے کہ ہمیشہ حاضر خدمت رہیں، عبدالرحمن بن یزید کا بیان ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک مرتبہ حج کا قصد کیا علقمہ نے مجھ کو ان کے ہمراہ بھیجا اور تاکید کی کہ ہر وقت حاضر رہوں اور جو کچھ معلومات حاصل ہوں ان سے ان کو مطلع کروں''[۶]

ایک مرتبہ حضرت خبابؓ نے ان کے وسیع حلقہ درس کو دیکھ کر کہا ''ابوعبدالرحمن کیا آپ کی طرح آپ کے یہ نوجوان شاگرد بھی باقاعدہ قرأت کر سکتے ہیں؟'' بولے'' اگر آپ کی خواہش

---

[۱] استیعاب تذکرہ عمر فاروقؓ [۲] تذکرۃ الحفاظ جلد ا ص ۳۵
[۳] تہذیب التہذیب جلد ۳۰۸ [۴] بخاری جلد ا ص ۱۴۷،
[۵] مسند اعظم ص ۸۶، [۶] مسند احمد جلد ا ص ۴۶۱

ہوتو کسی کو سنانے کا حکم دوں" حضرت خبابؓ نے کہا کیوں نہیں؟ حضرت عبداللہؓ نے علقمہ کی طرف اشارہ کیا، انہوں نے تقریباً پچاس آیتوں کی ایک سورۂ پڑھ کر سنائی حضرت عبداللہؓ نے حضرت خبابؓ کی طرف دیکھ کر کہا "کیا رائے ہے؟" انہوں نے نہایت تعریف کی۔[1]

معتقدین کا ہجوم...... تلامذہ کے علاوہ معتقدین کا ایک بڑا مجمع بھی ہر وقت حاضر رہتا تھا حضرت شقیق کا بیان ہے کہ "ہم لوگ مسجد میں بیٹھ کر عبداللہ بن مسعودؓ کے مکان سے برآمد ہونے کا انتظار کرتے رہتے تھے"۔[2]

حضرت طارق بن شہاب کہتے ہیں "ہم لوگ عبداللہ بن مسعودؓ کے گرد بیٹھتے اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے ایک روز حسب معمول بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص السلام یا ابا عبد الرحمن کہتا ہوا تیزی کے ساتھ اس طرف سے گذرا انہوں نے جواب دیا "صدق اللہ و رسولہ یعنی خدا اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے" یہ کہہ کر داخل حرم ہوئے "ہم لوگوں کو اس جواب پر سخت حیرت ہوئی، باہم مشورہ ہوا کہ ان کے برآمد ہونے کے بعد کون اس کے متعلق سوال کرے؟ میں نے کہا کہ میں پوچھوں گا، غرض وہ تشریف لائے اور میں نے پوچھا بولے "رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ خاص خاص آدمیوں کو سلام کرنا تجارت کا ترقی کرنا، اعزہ کے ساتھ بدسلوکی، جھوٹی گواہی دینا اور حق کو چھپانا قرب قیامت کی نشانی ہے"۔[3]

قوت تقریر اور وعظ و پند...... تقریر و خطابت میں خاص مہارت رکھتے تھے، ایجاز واختصار کے ساتھ تاثیر ان کی تقریر اور وعظ کی ممتاز صفت تھی، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مختصر تقریر فرمائی، پھر حضرت ابوبکرؓ اور ان کے بعد عمرؓ کو تقریر کا حکم دیا، ان دونوں نے باری باری اختصار کے ساتھ اپنا بیان ختم کیا، تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو حکم ہوا، انہوں نے کھڑے ہو کر حمد و نعت کے بعد کہا

> ایھا الناس ان اللہ ربنا وان الاسلام دیننا و ان ھذا نبینا (و اوما بیدہ الی النبی ﷺ) رضینا مارضی اللہ لنا و رسولہ السلام علیکم
>
> "صاحبو! بے شک خدا ہمارا مالک ہے، اسلام ہمارا مذہب ہے اور یہ (ہاتھ سے آنحضرت ﷺ کی طرف اشارہ کر کے) ہمارے نبیؐ ہیں، خدا اور اس کے رسول نے جو کچھ ہمارے لئے پسند کیا ہے ہم نے بھی اس کو پسند کیا، السلام علیکم"

آنحضرت ﷺ نے اس مختصر تقریر کی نہایت تعریف کی اور فرمایا "ابن ام عبد نے سچ کہا"۔[4]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے مواعظ حسنہ میں عموماً توحید، نماز باجماعت اور خوف خدا کی تلقین فرماتے، اور تمثیلات سے ذہن نشین کراتے تھے، مثلاً ایک وعظ میں انہوں نے فرمایا کہ

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۶۳۰ [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۳۷۷
[3] ایضاً ص ۴۰۷ [4] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۳

''ایک شخص نے جس کے نامہ اعمال میں توحید کے سوا اور کوئی نیکی نہ تھی، مرنے کے وقت وصیت کی کہ میری لاش کو جلا کر اور چکی میں پیس کر سمندر میں ڈال دینا، لوگوں نے اس کی وصیت پوری کی، خدا نے اس کی روح سے سوال کیا'' تو نے اپنی لاش کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟'' بولا'' خدایا تیرے خوف اور ڈر سے'' اس گذارش پر دریائے رحمت جوش میں آیا اور وہ بخش دیا گیا''۔[1] اس تمثیل سے درحقیقت یہ سمجھانا تھا کہ خشیت باری تمام اعمال حسنہ کی روح ہے۔

کثرتِ وعظ سے احتراز...... وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ وعظ و پند کی کثرت اس کے اثر کو زائل کر دیتی ہے، اس بنا پر لوگوں کی ضد و اصرار کے باوجود بہت کم منبر وعظ پر تشریف لے جاتے اور جو کچھ کہنا ہوتا اس کو نہایت مختصر صاف و سادہ لیکن موثر الفاظ میں فرماتے کہ سامعین تقریر کی طوالت سے گھبرانہ اٹھیں، ایک مرتبہ وعظ سننے کے شوق میں معتقدین کا ہجوم تھا، یزید بن معاویہ نخعی نے ان کو خبر دی، لیکن وہ بہت دیر کے بعد گھر سے برآمد ہوئے اور فرمایا'' صاحبو! مجھے معلوم تھا کہ آپ دیر سے میرا انتظار کر رہے ہیں، لیکن میں اس ڈر سے باہر نہیں آیا کہ کثرت بیان آپ کو تھکا دے گی، رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کی تکلیف کے خیال سے کئی کئی دن ناغہ دے کر وعظ فرماتے تھے''۔[2]

یوں تو ان کا دولت کدہ ہر وقت طالبان علم کا مرجع رہتا تھا، لیکن طلوع آفتاب کے بعد کے وقت مسئلہ مسائل کے لئے مخصوص تھا، ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دن فجر کی نماز کے بعد عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس گئے، وہ اس وقت تسبیح وتہلیل میں مصروف تھے، طلوع آفتاب کے بعد ایک شخص نے پوچھا میں نے رات نماز میں پوری مفصل پڑھیں، عبداللہؓ نے کہا شعر کی طرح جلدی جلدی پڑھی ہوں گی، ہم نے قرآن کی تلاوت سنی ہے اور مجھے وہ قرآئن یاد ہیں جن کو آنحضرت ﷺ پڑھا کرتے تھے، آپ دس مفصل اور دو سورتیں آل حم کی پڑھتے تھے۔[3]

اخلاق...... سنت نبوی کی پیروی کے شوق نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اخلاق وطرز معاشرت میں ایک گونہ حضرت خیر الانام ﷺ کے مکارم ومحامد کی جھلک پیدا کر دی تھی، عبدالرحمٰن بن یزید کا بیان ہے کہ ہم نے حضرت حذیفہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا، ہم کو کسی ایسے شخص کا پتہ دیجئے جو خلق وہدایت میں آنحضرت ﷺ سے قریب تر ہوتا کہ ہم اس سے کچھ حاصل کریں'' بولے'' عبداللہ بن مسعودؓ سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ کی ہدایت حسن خلق اور طور طریقے کے پابند تھے اور محمد ﷺ کے دوستوں میں سے جو لوگ موجود ہیں وہ جانتے ہیں کہ بارگاہ نبوت میں

---

[1] مسند احمد ا ص ۳۹۸۔

[2] مسند احمد جلد ا ص ۳۷۷۔

[3] مسلم جلد اوّل ص ۳۰۴، مطبوعہ مصر اس حدیث میں اور واقعات میں بھی ہیں، مگر ان کی تعلیم نہیں ہے اس لئے ہم نے حذف کر دیئے

تقرب کے لحاظ سے ابن ام عبد کا درجہ سب سے بلند ہے"۔[1]

حضرت علیؓ جب کوفہ تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے چند دیرینہ احباب ان سے ملنے آئے، حضرت علیؓ نے امتحاناً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی نسبت ان کے خیالات دریافت کئے سب نے باتفاق تعریف کی اور کہا امیر المؤمنین ہم نے عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ متقی پرہیز گار، خلیق، نرم دل اور بہتر ہم نشین نہیں دیکھا، حضرت علیؓ نے فرمایا" بے شک میرا بھی یہی خیال ہے بلکہ تم نے جو کچھ تعریف کی میں ان کو اس سے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں، انہوں نے قرآن پڑھا، حلال کو حلال اور حرام کو حرام کیا وہ دین کے فقیہ اور سنت کے عالم تھے"۔[2]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک دفعہ اپنے ایک دوست ابو عمیر سے ملنے گئے، اتفاق سے وہ موجود نہ تھے انہوں نے ان کی بیوی کو سلام کہلا بھیجا اور پینے کے لئے پانی مانگا، گھر میں پانی موجود نہ تھا، ایک لونڈی کسی ہمسایہ کے یہاں سے لینے گئی اور دیر تک واپس نہ آئی، اور ابو عمیر کی بیوی نے غضبناک ہو کر اس کو سخت وسست کہا اور اس پر لعنت بھیجی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یہ سن کر تشنہ لب واپس چلے آئے اور دوسرے روز ابو عمیر سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اس قدر جلد بازی کے ساتھ واپس چلے آنے کی وجہ پوچھی بولے" خادمہ نے جب پانی لانے میں دیر کی تو تمہاری بیوی نے اس پر لعنت بھیجی، چونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، جس پر لعنت بھیجی جاتی ہے اگر وہ بے قصور ہوتا ہے تو بھیجنے والے پر لوٹ آتی ہے میں نے خیال کیا کہ خادمہ اگر معذور ہوئی تو بے وجہ میں اس لعنت کے واپس آنے کا باعث ہوں گا۔[3]

ایک بار انہوں نے ایک شخص سے ایک لونڈی خریدی لیکن قیمت بے باق ہونے سے پہلے بائع مفقود الخبر ہو گیا، حضرت عبداللہؓ نے ایک سال تک اس کو تلاش کیا، مگر کچھ پتہ نہ چلا بالآخر مایوس ہو کر ایک ایک دو دو درہم کر کے اس کی طرف سے صدقہ کر دیا اور فرمایا کہ اگر وہ واپس آجائے تو قیمت ادا کر دوں گا اور یہ صدقہ میری طرف سے ہو گا۔[4]

حضرت تمیم بن حرام فرماتے ہیں کہ مجھ کو اکثر اصحاب رسول ﷺ کی ہم نشینی کا فخر حاصل ہے، لیکن میں نے عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ کسی کو دنیا سے بے نیاز اور آخرت کا طالب نہ دیکھا۔[5] حضرت عثمانؓ نے دو برس تک کا وظیفہ بند کر دیا تھا وفات کے وقت انہوں نے ان کی اولاد کے لئے جاری کر دینا چاہا لیکن حضرت عبداللہؓ نے نہایت بے نیازی کے ساتھ انکار کر دیا بولے" کیا آپ کو میری اولاد کے محتاج و دست نگر ہو جانے کا اندیشہ ہے؟ میں نے انہیں حکم دیا ہے کہ ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھ لیا کریں، کیونکہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ مست نہ ہو گا"۔[6]

---

[1] جامع ترمذی مناقب عبداللہ بن مسعودؓ [2] طبقات ابن سعد قسم ا جلد ۳ ص ۱۱۰ [3] مسند احمد جلد ا ص ۴۰۸
[4] بخاری جلد ۲ ص ۷۹۷ [5] اصابہ تذکرہ عبداللہ بن مسعودؓ [6] اسد الغابہ جلد ا ص ۳ ص ۲۵۹

حضرت عبداللہؓ کو مہمان نوازی کا نہایت شوق تھا، انہوں نے کوفہ میں موضع الرمادہ کا مکان مخصوص طور سے مہمانوں کے لئے خالی کر دیا تھا۔[1]

مذہبی زندگی...... حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ رات کے وقت جب کہ تمام دنیا محو راحت ہوتی تھی، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بیٹھ کر صبح تک آہستہ آہستہ قرآن کی تلاوت فرماتے تھے۔[2] رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی تمام طاق راتیں شب قدر کی تلاش میں بسر ہوتی تھی، حضرت ابوعقرب کہتے ہیں کہ میں رمضان میں ایک روز علی الصباح ان کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ چھت پر بیٹھے ہوئے فرما رہے ہیں "خدا اور اس کے رسول نے سچ کہا" میں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ بولے "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس روز جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس میں شعاع نہیں ہوتی چنانچہ آج میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔[3]

سارا گھر صبح سویرے بیدار ہو کر عبادت میں مشغول ہو جاتا تھا، خود صبح صادق سے طلوع آفتاب تک تسبیح وتہلیل میں مصروف رہتے تھے۔

حضرت ابووائل راوی ہیں کہ ایک دن ہم لوگ صبح کی نماز پڑھ کر عبد اللہ بن مسعودؓ کے پاس گئے دروازہ پر کھڑے ہو کر سلام کیا، اندر آنے کی اجازت ملی لیکن ہم لوگ تھوڑی دیر دروازے پر ٹھہرے رہے کہ اتنے میں لونڈی نے آکر کہا آتے کیوں نہیں، ہم لوگ گھر میں گئے تو وہ بیٹھے ہوئے تسبیح پڑھ رہے تھے، کہا اجازت ملنے کے بعد تم لوگوں کو اندر آنے سے کس نے روکا تھا؟ ہم لوگوں نے کہا کسی نے نہیں، خیال ہوا ممکن ہے۔ بعض اہل بیت سو رہے ہوں، کہا ابن ام عبد کی اولاد پر تم نے غفلت کا گمان کیا، اس کے بعد پھر تسبیح میں مشغول ہو گئے، جب سمجھے کہ آفتاب نکل چکا تو لونڈی سے کہا دیکھو آفتاب طلوع ہوا، اس نے جا کر دیکھا تو ابھی طلوع نہ ہوا تھا، پھر تسبیح میں مشغول ہو گئے تھوڑی دیر کے بعد پھر لونڈی سے کہا دیکھو آفتاب طلوع ہوا، اس نے جا کے دیکھا تو طلوع ہو چکا تھا تو پھر یہ دعا پڑھی، اس خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو آج کے دن معاف کر دیا، مہدی راوی کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ بھی کہا تھا اور ہمارے گناہوں کے بدلے میں ہم کو ہلاک نہیں کیا۔[4]

نمازیں نہایت کثرت سے پڑھتے تھے، فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل خیر کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ نماز کا اپنے وقت پر ادا کرنا، میں نے کہا پھر کیا ہے؟ فرمایا "والدین کے ساتھ نیکوکاری" میں نے کہا "پھر؟" حکم ہوا "راہ خدا میں جہاد کرنا" اس کے

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۸۴۲،
[2] اسد الغابہ تذکرہ عبد اللہ بن مسعودؓ
[3] مسند احمد جلد ۱ ص ۴۰۶
[4] مسلم جلد اول ص ۳۰۵ باب ترتیل القراۃ واجتناب

بعد خاموش ہوگیا، ہاں اگر میں اپنا سوال آگے بڑھاتا تو آپ اس پر کچھ اور اضافہ فرماتے، الغرض اس ارشاد کے مطابق وہ فرائض ٹھیک وقت پر ادا کرتے تھے، ایک مرتبہ ولید بن عقبہ والی کوفہ کو پہنچنے میں دیر ہوگئی، حضرت عبداللہؓ نے بغیر توقف وانتظار نماز پڑھائی، ولید نے برہم ہو کر کہلا بھیجا" آپ نے ایسا کیوں کیا؟ کیا امیر المومنین کا کوئی حکم ہے یا اپنی ایجاد؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہ تو امیر المومنین کا حکم ہے، اور نہ اپنی ایجاد، البتہ خدا کو یہ ناپسند ہے کہ تم اپنے مشاغل میں مصروف رہو اور لوگ نماز میں تمہارے منتظر رہیں۔[۲]

رمضان کے علاوہ ہفتہ میں دو دن دوشنبہ اور جمعرات عموماً روزوں کے لئے مخصوص تھے عاشورے کا روزہ بھی پابندی کے ساتھ رکھتے تھے، باوجود اس کے عبدالرحمٰن ابن یزید کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کے سوا اور کسی فقیہ کو اس قدر کم روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا، چنانچہ ایک دفعہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ روزے کیوں نہیں رکھتے؟ بولے "میں روزہ پر نماز کو ترجیح دیتا ہوں، اگر روزے رکھوں گا تو ضعف کے باعث نماز نہ ہو سکے گی"۔[۳]

خشیت الٰہی اور خوف قیامت سے حضرت عبداللہؓ کا دل ہمیشہ مضطرب رہتا تھا، وہ فرمایا کرتے تھے "کاش! میں مرنے کے بعد اٹھایا نہ جاتا"[۴]

خانگی زندگی...... بیوی بچوں سے محبت رکھتے تھے، گھر میں داخل ہوتے تو باہر ہی سے کھنکھارتے اور بلند آواز سے کچھ بولتے تاکہ گھر کے لوگ باخبر ہو جائیں، ان کی اہلیہ محترمہ حضرت زینبؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز عبداللہؓ کھنکھارتے ہوئے اندر آئے، اس وقت ایک بڑھی عورت مجھے تعویذ پہنا رہی تھی، میں نے ان کے ڈر سے اس کو پلنگ کے نیچے چھپا دیا عبداللہؓ آکر میرے پاس بیٹھ گئے، اور گلے کی طرف دیکھ کر پوچھا "یہ دھاگہ کیسا ہے؟" میں نے کہا "تعویذ ہے" انہوں نے اس کو توڑ کر پھینک دیا اور کہا "عبداللہ کا خاندان شرک سے بری ہے، رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا ہے کہ تعویذ اور گنڈے شرک میں داخل ہیں" میں نے کہا "آپ یہ کیا فرماتے ہیں میری آنکھیں جوش کر آتی تھیں تو میں فلاں فلاں یہودی سے تعویذ لینے جایا کرتی تھی اور اس کے تعویذ سے سکون ہو جاتا تھا، بولے یہ سب عمل شیطانی ہے، تمہارے لئے صرف رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا کافی ہے۔[۵]

اذهب الباس رب الناس اشف وانت الشافی لا شفاء الا شفاءک شفاء لا یغادر سقما

"خوف دور کر! اے پروردگار شفا دے تو ہی شفا دینے والا ہے تیرے سوا کوئی شفا نہیں، وہ شفا ایسی ہے جو کسی بیماری کو نہیں چھوڑتی"۔

---

[۱] بخاری جلد ۱ ص ۳۹۰، [۲] مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۴۵۰
[۳] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۰۹ [۴] ایضاً ص ۱۱۰
[۵] مسند احمد جلد ۱ ص ۳۸۱ ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۸۶

پوشاک نہایت سادہ پہنتے تھے، ہاتھ میں ایک آہنی انگوٹھی رہتی تھی،[1] جو غالباً مہر وغیرہ کے کام آتی ہوگی، غذا بھی پر تکلف نہ تھی، کھانے کے بعد عموماً نبیذ (چھوہاروں کا شربت) استعمال کرتے تھے، ایک مرتبہ علقمہ نے ان سے کہا "خدا آپ پر رحم کرے، آپ تمام امت کے مقتداء اور پیشوا ہو کر نبیذ پیتے ہیں، بولے "میں نے رسول اللہ ﷺ کو نبیذ پیتے ہوئے دیکھا تھا، اگر میں آپ کو نہ دیکھتا تو استعمال نہ کرتا"[2]

وظیفہ...... حضرت عبداللہؓ کے لئے بیت المال سے پانچ ہزار درہم کا سالانہ وظیفہ مقرر تھا جو ان کی وفات سے دو برس پہلے خلیفۂ ثالث کے حکم سے بند کر دیا گیا تھا، لیکن حضرت زبیرؓ نے سفارش کر کے ان کی اولاد کے لئے واگذار کرا دیا، اس طرح ان کے پسماندوں کو ایک مشت دس یا پندرہ ہزار درہم مل گئے، اس کے علاوہ انہوں نے تقریباً ۹۰ ہزار درہم نقد چھوڑے"۔[3]

حلیہ...... حلیہ یہ تھا، جسم لاغر، قد کوتاہ، رنگ گندم گوں، اور سر پر کانوں تک نہایت نرم خوبصورت زلف، حضرت عبداللہ اس کو اس طرح سنوارتے تھے کہ ایک بال بھی بکھرنے نہیں پاتا تھا۔ پاکستان

ٹانگیں نہایت پتلی تھیں، حضرت عبداللہؓ ہمیشہ ان کو چھپائے رکھتے تھے، ایک مرتبہ وہ آنحضرت ﷺ کے لئے مسواک توڑنے کے خیال سے پیلو کے درخت پر چڑھے تو ان کی پتلی پتلی ٹانگیں دیکھ کر لوگوں کو بے اختیار ہنسی آ گئی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا "تم ان کی پتلی ٹانگوں پر ہنستے ہو حالانکہ یہ قیامت کے روز میزان عدل میں کوہ احد سے بھی زیادہ بھاری ہوں گی"۔[4]

---

[1] طبقات [2] مسند اعظم ص ۲۰۱
[3] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۱۳
[4] ایضاً ص ۱۱۰

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ

نام، نسب و خاندان...... عبداللہ نام، ابوموسیٰ کنیت، والد کا نام قیس اور والدہ کا نام طیبہ تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے۔

عبداللہ بن قیس بن سلیم بن حضار بن حرب بن عامر بن عنز ابن بکر بن عامر بن عذر بن وائل بن ناجیہ بن الجماہر بن الاشعر بن ادد بن زید بن یشجب۔

حضرت ابوموسیٰ یمن کے رہنے والے تھے، ان کا خاندان قبیلہ اشعر سے تعلق رکھتا تھا، اسی کے انتساب سے وہ اشعری مشہور ہوئے، اور ان کے والدہ طیبہ بنت وہب قبیلہ عک سے تعلق رکھتی تھیں، وہ اپنے صاحبزادہ کی ہدایت سے ایمان لائیں، اور مدینہ پہنچ کر وفات پائی۔[1]

اسلام...... ساقی توحید کے صدائے عام پر نزدیک والوں نے اپنے کان بند کر لئے تھے، لیکن تشنہ کامان حق دور دراز ممالک سے دشوار گذار منزلیں طے کر کے آتے تھے، اور اپنی پیاس بجھاتے تھے، حضرت ابوموسیٰؓ یمن سے چل کر مکہ آئے اور بادہ اسلام کے ایک ہی جام میں سرشار ہو گئے، وہ مکہ میں قبیلہ عبدشمس سے حلیفانہ تعلق پیدا کر کے پھر مراجعت فرمائے وطن ہوئے[2] کہ اپنے اعزہ اور احباب کو بھی یہ مژدہ جانفزا سنائیں۔

ہجرت...... حضرت ابوموسیٰؓ خاندان کے ایک ذی اثر رئیس تھے، اس لئے ان کی دعوت حق نے بہت جلد قبولیت عام حاصل کر لی اور وہ تقریباً پچاس حلقہ بگوشان اسلام کی ایک جماعت لے کر بحری راستہ سے بارگاہ نبوت کی طرف چل کھڑے ہوئے، لیکن طوفان و باد مخالف نے اس کشتی کو حجاز کی بجائے حبش پہنچا دیا، حضرت جعفرؓ اور دوسرے ستم زدگان اسلام جو یہاں ہجرت کر کے آئے تھے اور اب تک موجود تھے، مدینہ منورہ کے قصد سے روانہ ہوئے تو حضرت ابوموسیٰؓ بھی اس قافلہ میں شریک ہوئے، اور عین اس وقت مدینہ پہنچے جب کہ مجاہدین اسلام خیبر فتح کر کے واپس آرہے تھے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوموسیٰؓ اور ان کی تمام جماعت کو بھی خیبر کے مال غنیمت میں حصہ مرحمت فرمایا۔[3]

غزوات...... حضرت ابوموسیٰؓ فتح مکہ اور غزوہ حنین میں شریک تھے، بنوہوازن رزمگاہ حنین سے بھاگ کر وادی اوطاس میں پھر مجتمع ہونے لگے تو آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوعامرؓ کو ایک

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۴۵ [2] ایضاً
[3] بخاری جلد ۳ ص ۶۰۸

جمعیت کے ساتھ ان کے استیصال کامل پر مامور فرمایا، انہوں نے اوطاس پہنچ کر بنو ہوازن کے سردار درید بن الصمہ کو قتل کیا اور خدا نے اس کے ساتھیوں کو شکست فاش دی، لیکن اتفاقاً جشمی نام ایک مشرک کے تیر نے ان کو بھی زخمی کر دیا، حضرت ابو موسیٰؓ اس مہم میں شریک تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے بڑھ کر ان سے پوچھا "یا عم! کس نے آپ کو زخمی کیا؟" انہوں نے اشارہ سے بتایا تو میں اس پر جھپٹ پڑا، وہ مجھ کو دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا لیکن میں تعاقب کرتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا، کیا تجھے شرم نہیں آتی ؟ کیا تو ثابت قدم نہ رہے گا؟" غرض وہ (ان غیرت انگیز جملوں سے جوش میں آکر) پلٹ پڑا اور تلوار کے دو دو ہاتھ چلنے لگے، یہاں تک کہ میں نے اس کو قتل کیا، اور ابو عامر کو آکر بشارت دی کہ خدا نے آپ کے دشمن کو مار ڈالا۔

حضرت ابو عامرؓ کا زخم نہایت مہلک تھا، انہوں نے حالت نزع میں حضرت ابو موسیٰؓ اشعریؓ کو اپنا جانشین بنایا اور کہا "جان برادر! رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرنا اور کہنا کہ میرے لئے دعائے مغفرت فرمائیں، اس وصیت کے تھوڑی دیر بعد روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، حضرت ابو موسیٰؓ نے ان کو سپرد خاک کر کے فوج کو مراجعت کا حکم دیا اور بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر میدان جنگ کی کیفیت اور حضرت ابو عامرؓ کی وصیت بیان کی، سرور کائنات ﷺ نے اسی وقت پانی مانگ کر وضو فرمایا، پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اے خدا! ابو عامرؓ کو بخش دے، اے خدا! تو اس کو قیامت کے روز اپنی بہت سی مخلوق پر تفوق عطا فرما" حضرت ابو موسیٰؓ نے عرض کی "یارسول! میرے لئے بھی، فرمایا خدایا عبداللہ ابن قیس کی خطائیں بخش دے اور قیامت کے دن اس کا باعزت داخلہ فرما"۔[1]

۹ھ میں غزوہ تبوک کا اہتمام شروع ہوا تو حضرت ابو موسیٰؓ کو ان کے ساتھیوں نے بھیجا کہ دربار نبوت سے ان کے لئے سواریوں کا انتظام کریں، اتفاق سے آنحضرت ﷺ اس وقت حالت غیظ میں تھے، لیکن ابو موسیٰؓ اس کا اندازہ نہ کر سکے، اور عرض کی "یارسول! میرے ساتھیوں نے مجھ کو بھیجا ہے کہ حضور ان کو سواریاں مرحمت فرمائیں" حضرت ابو موسیٰؓ کچھ اپنی محرومی اور کچھ اس خوف سے کہ شاید رسول اللہ ﷺ ان سے ناراض ہیں، نہایت غمزدہ واپس آکر اپنے ساتھیوں کو اس کی اطلاع دی، لیکن وہ ابھی اچھی طرح کھڑے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ حضرت بلالؓ پکارتے ہوئے آئے "عبداللہ بن قیس کہاں ہیں؟" چلو رسول اللہ ﷺ یاد فرماتے ہیں، وہ ان کے ساتھ پھر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دو ساتھ بندھے ہوئے اونٹوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان کو اپنے ساتھیوں کے پاس لے جاؤ، حضرت ابو موسیٰؓ ان کو لئے ہوئے اپنی قوم میں آئے اور کہا کہ "رسول اللہ ﷺ نے یہ دو اونٹ تمہاری سواری کے لئے مرحمت فرمائے ہیں، لیکن خدا کی قسم! چند آدمیوں کو میرے ساتھ کسی ایسے شخص کے پاس چلنا ہوگا جس نے

[1] بخاری جلد ۲ ص ۶۹۹

رسول ﷺ کی گفتگو سنی تھی، تاکہ یہ خیال نہ کرو کہ میں نے پہلے جو کچھ کہا تھا وہ دل سے گھڑ کر کہا تھا ''لوگوں نے کہا'' خدا کی قسم! ہم آپ کو سچے سمجھتے ہیں، آئندہ جو آپ کی خوشی ہو'' غرض انہوں نے چند آدمیوں کو ساتھ لے جا کر لوگوں سے تمام واقعہ کی تصدیق کرادی۔[1]

ولایت یمن...... تبوک سے واپس آنے کے بعد ایک روز دو اشعری بزرگ حضرت ابوموسیٰؓ اشعری کو اپنے ساتھ لے کر دربار نبوتؐ میں حاضر ہوئے اور آنحضرت ﷺ سے کسی عہدہ کی خواہش کی، آپ مسواک فرما رہے تھے، اس سوال پر دفعۃً مسواک رک گئی، اور حضرت ابوموسیٰؓ اشعری کی طرف دیکھ کر فرمایا ''ابوموسیٰ! ابوموسیٰ! انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ میں ان کے دل کے حال سے آگاہ نہ تھا اور نہ یہ جانتا تھا کہ وہ کسی عہدہ کے خواہش کریں گے'' ارشاد ہوا کہ جو کوئی خود سے کسی عہدہ کی خواہش کرے گا اس کو ہرگز اس پر مامور نہ کروں گا، لیکن ابوموسیٰؓ تم یمن جاؤ میں نے تم کو وہاں کا عامل مقرر کیا۔[2]

یمن دو حصوں پر منقسم تھا، ایک اقصائے یمن جس میں جند اور عدن وغیرہ دور کے اضلاع شامل تھے، اور دوسرا یمن ادنی یا زیرین یمن، اول الذکر پر حضرت معاذ بن جبلؓ کا تقرر ہوا، اور دوسرے پر حضرت ابوموسیٰؓ مامور ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کو رخصت کرتے وقت حسب ذیل نصیحت فرمائی۔

یسرا ولا تعسرا و بشرا و لاتنفرو اتطا وعا

''یعنی ملک والوں سے نرمی کے ساتھ پیش آنا سختی نہ کرنا، لوگوں کو خوش رکھنا، متنفر نہ کردینا اور باہم میل جول سے رہنا''۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے عرض کی یارسول اللہ! ہمارے ملک میں جو سے ایک قسم کی شراب بنائی جاتی ہے، اس کو ''مزر'' کہتے ہیں نیز شہد سے ایک طرح کی شراب ہوتی ہے جو ''تبع'' کے نام سے مشہور ہے، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ ''ہر وہ چیز جو نشہ لائے حرام ہے''۔[3]

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ چونکہ اپنے وطن میں گورنر ہو کر آئے تھے جہاں پہلے سے ان کا اثر موجود تھا، اس لئے قدرۃً انہوں نے اپنے خدمات نہایت کامیابی کے ساتھ انجام دیئے، حضرت معاذ بن جبلؓ سے دوستانہ تعلقات و مراسم کا سلسلہ بھی قائم تھا، بسا اوقات یہ دونوں بزرگ سرحد پر آکر فروکش ہوتے اور باہم ملاقات کر کے تبادلہ خیالات فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضرت معاذؓ ابن جبل حضرت ابوموسیٰؓ کی ملاقات کے لئے تشریف لائے تو دیکھا کہ ان کے پاس لوگوں کا ہجوم ہے اور ایک شخص کے دونوں ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہیں، انہوں نے تعجب سے پوچھا

[1] بخاری جلد ۲ ص ۶۳۳، [2] بخاری جلد ۲ ص ۱۰۲۳ [3] بخاری کتاب المغازی

کہ ''عبداللہ بن قیس! کون ہے؟ بولے'' یہ مرتد ہو گیا ہے انہوں نے اس کے قتل کا مشورہ دیا، حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا کہ ''یہ اسی لئے گرفتار ہو کر آیا ہے'' آپ گھوڑے سے اتر آیئے بولے ''جب تک وہ قتل نہ ہوگا، میں نہ اتروں گا'' حضرت ابو موسیٰؓ نے اس کے قتل کا حکم دیا تو وہ اتر کر اندر آئے اور دیر تک دوستانہ صحبت قائم رہی، حضرت معاذؓ نے پوچھا کہ ''آپ قرآن کس طرح پڑھتے ہیں؟'' بولے کہ ''رات دن میں جب موقع مل جاتا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے پڑھ لیتا ہوں'' پھر پوچھا کہ ''آپ کس طرح تلاوت کرتے ہیں؟'' بولے کہ میں رات کو ایک نیند سو کر اٹھ بیٹھتا ہوں اور اس وقت خدا کو جس قدر منظور ہوتا ہے پڑھ لیتا ہوں''[1]

حجۃ الوداع میں شرکت...... ۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ نے آخری حج فرمایا، حضرت ابو موسیٰؓ یمن سے شرکت کے لئے آئے، آنحضرت ﷺ نے پوچھا ''عبداللہ بن قیس! کیا تم حج کے ارادے سے آئے ہو؟'' عرض کی ''ہاں! یا رسول اللہ!'' فرمایا نیت کیا تھی؟ بولے میں نے کہا تھا کہ جو رسول اللہ ﷺ کی نیت ہے وہی میری نیت ہے'' ارشاد ہوا کہ ''قربانی اپنے ساتھ لائے؟ عرض کی ''نہیں''، حکم ہوا کہ ''تم طواف اور سعی کر کے احرام کھول دو'' یہ اس وجہ سے کہ حج قران کی صورت میں قربانی لانا ضروری تھا۔[2]

یمن میں فتنہ وفساد...... حضرت ابو موسیٰؓ حج سے فارغ ہو کر پھر یمن واپس آئے، لیکن یہاں اسود عنسی کے ادعائے نبوت نے بہت جلد تمام ملک میں شورش و بغاوت پھیلا دی، یہاں تک کہ حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت ابو موسیٰؓ کے مرکز حکومت ''مارب'' چلے آنے پر مجبور ہوئے، لیکن یہ بھی زیادہ دنوں تک محفوظ نہ رہ سکا اور بالآخر ان دونوں کو حضر موت میں پناہ لینی پڑی۔[3]

گو ابن مکتوح مرادی کی تلوار نے بہت جلد اسود عنسی کا قصہ تمام کر دیا، تاہم آنحضرت ﷺ کی وفات سے دفعۃً پھر ارتداد و سرکشی کی آگ بھڑک اٹھی، لیکن خلیفہ اول حضرت ابو بکرؓ نے ایک زبردست مہم بھیج کر از سر نو تسلط قائم کر دیا، اور اس طرح یمن کے امراء اور حکام پھر اپنے اپنے عہدوں پر واپس آ گئے، حضرت ابو موسیٰؓ بھی حضرت موت سے اپنے دار الحکومت ''مارب'' واپس آئے اور خلیفہ دوم کی ابتدائے خلافت تک نہایت تدبر و جانفشانی کے ساتھ گورنری کے فرائض انجام دیتے رہے۔

فتح نصیبین...... حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں جب بیرونی فتوحات کا زیادہ وسیع پیمانہ پر انتظام کیا گیا، اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی زیر قیادت رزمگاہ عراق کی طرف ایک بہت بڑی مہم روانہ ہوئی تو حضرت ابو موسیٰؓ اشعری بھی شوق جہاد میں عہدہ امارت سے مستعفی ہو کر اس

[1] بخاری باب بعث ابی موسیٰ ومعاذؓ الی الیمن
[2] بخاری جلد ۲ ص ۶۲۴
[3] تاریخ طبری ص ۱۸۵۴

فوج کشی میں شریک ہوئے۔

عراق کا اکثر حصہ فتح کر لینے کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ۱۷ھ میں دریائے دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقہ یعنی الجزیرہ پر ایک عام فوج کشی کا اہتمام کیا، اور حضرت ابوموسیٰؓ کو نصیبین کی فتح پر مامور کیا، انہوں نے نہایت کامیابی کے ساتھ یہ مہم سرانجام دی۔[1]

ولایت بصرہ...... اسی سال دربار خلافت نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو معزول کر کے حضرت موسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کا والی مقرر کیا، اس موقع پر اہل بصرہ کے نام جو فرمان آیا تھا، اس کے الفاظ یہ تھے۔

اما بعد فانی قد بعثت ابا موسی امیر اعلیکم لیا خذ لضعیفکم من قو یکم و لیقا تل بکم عد و کم و لید فع عن ذمتکم و لیحصی لکم فینکم ثم لیقسمه بینکم و لینقی لکم طر قکم[2]

''میں نے ابوموسیٰؓ کو تم پر امیر بنا کر بھیجا ہے تا کہ قوی سے کمزور کا حق دلائیں، تمہارے دشمنوں سے لڑیں، ذمیوں کی حفاظت کریں، تمہاری آمدنی کا تم کو حساب دیں، پھر اس کو تم میں تقسیم کریں اور تمہارے راستوں کو تمہارے لئے صاف رکھیں''۔

فتح خوزستان...... بصرہ کی سرحد خوزستان سے ملی ہوئی تھی، اور وہ اب تک ایرانیوں کے قبضہ میں تھا، ۱۶ھ میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اس کو فتح کرنے کے خیال سے اہواز پر فوج کشی کی تو یہاں کے رئیس نے ایک قلیل سی رقم دے کر صلح کر لی، اور حضرت مغیرہؓ وہیں رک گئے، ۱۷ھ میں ان کی جگہ پر حضرت ابوموسیٰؓ آئے، اس انقلاب میں اہواز کے رئیس نے سالانہ رقم بند کردی، اور علانیہ بغاوت کا اظہار کیا، مجبوراً انہوں نے لشکر کشی کی، اور اہواز کو فتح کر کے مناذر کا رخ کیا، یہ ایک نہایت مستحکم مقام تھا، حضرت مہاجر بن زیدؓ جو ایک معزز افسر تھے، یہاں ایک معرکہ میں شہید ہوئے اور قلعہ والوں نے ان کا سر کاٹ کر برج کے کنگرہ پر لٹکا دیا۔

حضرت ابوموسیٰؓ حضرت مہاجرؓ کے بھائی ربیع کو اس کے محاصرہ پر چھوڑ کر سوس کی طرف بڑھے، ربیع نے مناذر کو سر کر لیا، اور حضرت ابوموسیٰؓ نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد بند کردی، قلعہ میں کھانے پینے کا سامان ختم ہو چکا تھا، مجبوراً رئیس شہر نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اس کے خاندان کے سو آدمی زندہ چھوڑ دیئے جائیں، حضرت ابوموسیٰؓ نے منظور کیا، رئیس نے ایک ایک کر کے سو آدمیوں کو پیش کیا، اور وہ سب چھوڑ دیئے گئے، لیکن بدقسمتی سے اس نے شمار میں خود اپنا نام نہیں لیا، چنانچہ سو آدمیوں کی تعداد پوری ہوگئی، تو انہوں نے رئیس کو جو شمار سے باہر تھا قتل کرادیا۔

سوس کے بعد رامہر مز کا محاصرہ ہوا، اور آٹھ لاکھ درہم سالانہ پر صلح ہوگئی، یزدگرد نوجوان

[1] طبری ۲۵۰۶، [2] ایضاً ص ۲۵۳۲

شہنشاہ ایران اس وقت قم میں مقیم تھا، اس کو حضرت ابو موسیٰؓ کی فتوحات کی خبریں پہنچیں تو اس نے اپنے ماموں ہرمزان کو خوزستان کی حفاظت کے لئے بھیجا، ہرمزان نے شوستر پہنچ کر اس کو مستحکم کیا اور تمام ملک میں جوش پیدا کر کے اپنے گرد ایک بہت بڑی فوج جمع کر لی، حضرت ابو موسیٰؓ نے ان حالات سے دربار خلافت کو مطلع کیا، اور مدد کی درخواست کی، وہاں سے حضرت عمار بن یاسرؓ کے نام جو کوفہ کے گورنر تھے، حکم آیا کہ نعمان بن مقرن کو ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ مدد کو بھیجیں، لیکن غنیم کی کثرت اور سرو سامان کے مقابلہ میں یہ جمعیت بیکار تھی، حضرت ابو موسیٰؓ نے دوبارہ لکھا جس کے جواب میں حضرت عمار بن یاسرؓ کوفہ سے ایک بڑی فوج لے کر آئے اور دوسری طرف جریر بجلی ایک جرار لشکر لے کر جلولاء پر حملہ آور ہوئے، غرض حضرت ابو موسیٰؓ نے اس سرو سامان سے شوستر کا رخ کیا، اور شہر کے قریب پہنچ کر ڈیرے ڈالے، ہرمزان نے خود قلعہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا اور شکست کھا کر پھر قلعہ بند ہو گیا۔

شوستر نہایت مستحکم مقام تھا، اس کی تسخیر کے متعلق حضرت ابو موسیٰؓ کی تمام کوششیں بے نتیجہ رہیں، لیکن خدا نے غیب سے سامان پیدا کر دیا، ایک دن شہر کا ایک آدمی چھپ کر ان کے پاس آیا اور کہا کہ اگر میری جان و مال کو امن دیا جائے تو میں شہر پر قبضہ کرادوں، حضرت ابو موسیٰؓ نے منظور کیا، اس نے ایک عرب کو جس کا نام اشرس تھا، ساتھ لیا، اور نہر وجیل سے گذر کر ایک تہ خانہ کی راہ لی خاص شہر میں داخل ہوا، اشرس کے منہ پر چادر ڈال دی، اور یہ کہا کہ نوکر کی طرح میرے پیچھے چلے آؤ، چنانچہ شہر کے گلی کوچوں سے گذرتا ہوا خاص ہرمزان کے محل میں آیا شہری نے ان کو تمام عمارات کی سیر کرائی اور موقع کے نشیب وفراز دکھا کر، حضرت ابو موسیٰؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اشرس نے تفصیل کے ساتھ تمام کیفیت بیان کی، اور کہا کہ دوسو جانباز میرے ساتھ ہوں تو شہر فوراً فتح ہو جائے، حضرت ابو موسیٰؓ نے فوج کی طرف دیکھا، دوسو بہادروں نے بڑھ کر کہا: خدا کی راہ میں ہماری جان حاضر ہے، اشرس ان کو لے کر اسی تہ خانہ کی راہ سے شہر میں داخل ہوئے اور پہرہ والوں کو تہ تیغ کر کے اندر کی طرف سے دروازے کھول دیئے ادھر حضرت ابو موسیٰؓ تمام فوج کے ساتھ موقع پر موجود تھے، دروازہ کھلنے کے ساتھ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر میں ہلچل پڑ گئی، ہرمزان نے بھاگ کر قلعہ میں پناہ لی، مسلمان قلعہ کے نیچے پہنچے تو اس نے برج پر چڑھ کر کہا کہ میرے ترکش میں اب تک سو تیر ہیں، اور جب تک اتنی ہی لاشیں یہاں نہ ڈھیر ہو جائیں میں گرفتار نہیں ہو سکتا، تاہم میں اس شرط پر اتر آتا ہوں کہ تم مجھ کو مدینہ پہنچادو اور جو کچھ فیصلہ ہو عمرؓ کے ہاتھ سے ہو، حضرت ابو موسیٰؓ نے منظور کیا اور اس کو حضرت انسؓ کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔[1]

شوستر کے بعد جندی سابور پر حملہ ہوا، اس کا کئی دن تک محاصرہ رہا، ایک دن شہر والوں نے خود شہر کے دروازے کھول دیئے، اور نہایت اطمینان کے ساتھ تمام لوگ اپنے کاروبار میں

[1] طبری ۲۵۵۵

مصروف ہوئے، مسلمانوں کو ان کے اطمینان پر تعجب ہوا، سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ تم ہم کو جزیہ کی شرط پر امن دے چکے ہو، اب کیا جھگڑا رہا، سب کو حیرت ہوئی کہ امن کس نے دیا؟ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپا کر امن کا رقعہ لکھ دیا ہے، حضرت ابو موسیٰؓ نے فرمایا کہ ایک غلام کی خود رائی حجت نہیں ہو سکتی، شہر والے کہتے تھے کہ ہم آزاد اور غلام نہیں جانتے، بالآخر دربار خلافت سے استصواب کیا گیا تو حکم ہوا کہ مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے اور جس کو اس نے امان دے دی تمام مسلمان امان دے چکے[1] اس شہر کی فتح نے تمام خوزستان میں اسلام کا سکہ بٹھا دیا اور اس طرح نہ صرف فتوحات کی فہرست میں ایک نئے ملک کا اضافہ ہوا، بلکہ بصرہ (جہاں حضرت ابو موسیٰؓ امارت پر سرفراز ہوئے تھے، دشمنوں سے بالکل محفوظ ہو گیا)

معرکہ نہاوند...... خوزستان کی شکست سے متاثر ہو کر ۲۱ھ میں ایرانیوں نے نہاوند میں ایک آخری اور فیصلہ کن جنگ کی تیاریاں کیں، حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ ان کا مقابلہ کے لئے روانہ فرمایا اور حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کو لکھا کہ بصرہ سے ان کو مدد پہنچائیں، چنانچہ وہ ایک بڑی جماعت کے ساتھ خود کمک لے کر گئے اور نہاوند فتح کر کے واپس آئے[2]

تبادلہ...... بصرہ کی کثرت آبادی کے لحاظ سے اس صوبہ کا رقبہ نہایت مختصر تھا، اس بنا پر اہل بصرہ نے حضرت ابو موسیٰؓ کی وساطت سے دربار خلافت میں یہ درخواست پیش کی کہ خوزستان کے مفتوحہ علاقہ سے رامہرمز، ایذج اور ماہ یا ماسپندان کے اضلاع بصرہ سے ملحق کر دیئے جائیں، لیکن اہل کوفہ اس علاقہ کی فتح میں برابر کے شریک تھے، انہوں نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی اور حضرت عمار بن یاسرؓ والی کوفہ سے درخواست کی، کہ وہ اس علاقہ کو کوفہ میں شامل کرنے کی کوشش کریں، لیکن حضرت عمارؓ نے اس معاملہ میں بالکل غیر جانب داری اختیار کر لی، اور فرمایا کہ ''مجھے ان جھگڑوں میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے''۔

غرض حضرت ابو موسیٰؓ کی تحریک پر یہ اضلاع بصرہ سے ملحق کر دیئے گئے، اور اہل کوفہ نے حضرت عمار بن یاسرؓ سے ناخوش ہو کر مسلسل شکایتوں کے بعد ان کو معزول کرا دیا، حضرت عمرؓ نے کوفہ والوں سے پوچھا کہ تم کس کو اپنا والی بنانا چاہتے ہو،؟ حضرت ابو موسیٰؓ نے جس خوش اسلوبی کے ساتھ بصرہ والوں کی حمایت کی تھی، اس لحاظ سے انہوں نے حضرت ابو موسیٰؓ کا نام لیا، چنانچہ وہ ان کی درخواست پر ۲۲ھ میں بصرہ سے کوفہ تبدیل کر دیئے گئے۔ لیکن ایک ہی سال کے بعد یعنی ۲۳ھ میں پھر بصرہ منتقل کئے گئے۔[3]

الزام...... اسی سال منبہ نامی ایک شخص نے حضرت ابو موسیٰؓ کے خلاف دربار خلافت میں

---

[1] طبری ص ۲۵۶۸، [2] ایضاً ۲۶۰۱
[3] تاریخ طبری ص ۲۶۷۸

حسب ذیل شکایتیں پیش کیں۔

۱۔ابو موسیٰؓ نے اسیران جنگ میں سے ساٹھ رئیس زادے چھانٹ کر اپنے لئے رکھے تھے۔

۲۔انہوں نے عنان حکومت زیاد بن سمیہ کو سپرد کردی ہے،اور وہی سیاہ وسپید کا مالک ہے۔

۳۔انہوں نے حطیہ شاعر کو ایک ہزار انعام دیا ہے۔

۴۔عقیلہ نامی ان کی ایک لونڈی ہے جس کو دونوں وقت نہایت عمدہ غذائیں بہم پہنچائی جاتی ہیں،حالانکہ اس قسم کی غذا عام مسلمانوں کو میسر نہیں۔

حضرت عمرؓ نے ان شکایتوں کو اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا،اور حضرت ابو موسیٰؓ کو دارالخلافہ طلب کرکے باضابطہ تحقیقات کی،چنانچہ پہلا الزام غلط ثابت ہوا،دوسرے الزام کا انہوں نے یہ جواب دیا کہ زیاد صاحب تدبیر وسیاست ہے،اس لئے میں نے اس کو اپنا مشیر کار بنایا ہے، حضرت عمرؓ نے زیاد کو بلا کر کے امتحان لیا تو حقیقت میں قابل آدمی تھا،اس لئے انہوں نے خود حکام بصرہ کو ہدایت کی کہ زیاد کو مشیر کار بنائیں،تیسرے الزام کے جواب میں حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا کہ حطیہ کو میں نے اپنے جیب خاص سے انعام دیا ہے کہ وہ ہجو نہ کہے،لیکن چھوتھے الزام کا وہ کوئی جواب نہ دے سکے،حضرت عمرؓ نے معمولی فہمائش کے بعد ان کو رخصت کردیا۔[۱]

فتح اصفہان...... حضرت ابو موسیٰؓ نے اسی سال یعنی ۲۳ھ میں اصفہان پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کرکے اسلامی ممالک محروسہ میں داخل کرادیا۔[۲]

اصفہان فتح کرکے واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے ان کو اسی سال بصرہ سے کوفہ کی گورنری پر نقل کردیا،لیکن کچھ دنوں کے بعد ہی وہ پھر بصرہ تبدیل ہوکر آگئے۔

تعمیر نہر ابی موسیٰ...... بصرہ میں لوگوں کو پانی کی سخت تکلیف تھی،دربار خلافت میں اس کی شکایت پہنچی تو حکم آیا دریائے دجلہ سے نہر کاٹ کر لائی جائے،وہ شہر سے تقریباً دس میل دور تھا، لیکن اس کی ایک شاخ صرف چھ میل پر واقع تھی،حضرت ابو موسیٰؓ نے خود مستعد ہوکر اس شاخ سے شہر بصرہ تک ایک نہر بنوائی جواب "نہر ابی موسیٰ" کے نام سے مشہور ہے۔

اخیر ذی الحجہ ۲۳ھ میں خلیفہ دوم نے شہادت پائی اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھا،اس انقلاب میں عہد فاروقیؓ کے اکثر عمال وحکام ایک ہی سال کے بعد سبکدوش ہوگئے، لیکن حضرت ابو موسیٰؓ اشعری ۲۹ھ تک بصرہ میں عہد امارت کے فرائض انجام دیتے رہے،بیان کیا جاتا ہے کہ خود حضرت عمرؓ نے ان کو چار سال تک برقرار رکھنے کی وصیت فرمائی تھی۔[۳]

۱ے تاریخ طبری ص ۲۷۱۱ ۲ے تاریخ طبری ص ۲۷۱۳

۳ے تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۶۳

معزولی..... ۲۹ھ میں کردوں نے بغاوت کردی، حضرت ابوموسیٰؓ نے مسجد میں ان کے خلاف جہاد کا وعظ کہا، اور راہ خدا میں پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کیے، اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے مجاہدین جن کے پاس گھوڑے موجود تھے، وہ بھی پیادہ پا چلنے پر تیار ہوگئے، لیکن حضرت ابو موسیٰؓ کے چند مخالفین نے کہا کہ "ہم کو جلدی نہ کرنا چاہیے، دیکھیں، ہمارا والی کس شان سے چلتا ہے،" غرض صبح کے وقت دارالامارت کے قریب مجاہدین کا مجمع ہوا، حضرت ابوموسیٰؓ گھوڑے پر سوار ہوکر برآمد ہوئے، لوگوں نے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی، اور اس پر اعتراض کیا۔

ظاہر ہے کہ حضرت ابوموسیٰؓ کا مقصد یہ نہ تھا کہ جن کے پاس گھوڑے موجود ہوں وہ راہ خدا میں ان سے کام نہ لیں، لیکن درحقیقت خلیفہ سومؓ کے عہد خلافت کا نصف اخیر فتنہ اور سازش کا دور تھا، مفسدہ پردازوں نے اسی وقت دارالخلافہ کی راہ لی اور دربار خلافت سے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ان کو معزول کر کے ایک کمسن نوجوان عبداللہ بن عامر کو اس منصب پر مامور فرمایا۔[1]

امارت کوفہ..... ۳۴ھ میں اہل کوفہ کی درخواست پر حضرت ابوموسیٰؓ اشعری پھر سعید بن العاصؓ کی جگہ کوفہ کے والی مقرر کیے گئے، لیکن یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام دنیائے اسلام پرآشوب تھی، اور ملک میں ہر طرف سازش وفتنہ پردازی کا بازار گرم تھا، چونکہ حضرت ابوموسیٰؓ کو رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی یاد تھی، اس لئے ان کو یقین تھا کہ عنقریب ہولناک خانہ جنگیوں کا سلسلہ شروع ہوگا وہ عموماً اپنے وعظ میں اہل کوفہ کو رسول ﷺ کی پیشین گوئی سنانے اور اس آنے والے دور فتنہ سے کنارہ کش رہنے کی ہدایت فرماتے تھے، چنانچہ ۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مسند نشینی کے بعد وہ خطرہ بالکل سر پرآ گیا۔

خانہ جنگی سے اجتناب...... حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے خلیفہ ثالثؓ کے قصاص اور مطالبہ اصلاح کا علم بلند کر کے بصرہ کا رخ کیا، حضرت علیؓ ان کے مقابلہ کے لئے مدینہ سے چل کر مقام ذی قار میں آئے اور حضرت امام حسنؓ کو حضرت عمار بن یاسرؓ کے ساتھ کوفہ بھیجا کہ وہاں لوگوں کو خلافت کی اعانت پر آمادہ کریں، حضرت امام حسنؓ کوفہ پہنچے تو اس وقت حضرت ابوموسیٰؓ مسجد میں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے تقریر کر رہے تھے، سرور کائنات ﷺ نے جس فتنہ کا خوف دلایا تھا وہ اب سر پر ہے اس لئے اسلحہ بیکار کردو اور عزلت نشین ہوکر بیٹھ جاؤ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ فتنہ وفساد کے زمانہ میں سونے والا بیٹھنے والے سے، اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے۔ اسی اثناء میں حضرت امام حسنؓ داخل مسجد ہوئے اور حضرت ابوموسیٰؓ سے مخاطب ہوکر کہا "آپ ابھی ہماری مسجد سے نکل جائیے، وہ نہایت سکون و خاموشی کے ساتھ منبر سے اتر آئے، اور ملک شام کے ایک غیر معروف گاؤں میں جاکر گوشہ نشین ہوگئے۔

[1] تاریخ طبری ص ۲۸۲۸

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اہل کوفہ کو بارہا جس خطرہ سے آگاہ کیا تھا، اس کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، جنگ جمل میں عرب کے ہزاروں گھر بے چراغ ہو گئے، اور میدان صفین میں حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی باہمی آویزش نے بیشمار مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہادیا۔[1]

حکم مقرر ہونا...... معرکہ صفین میں جب امیر معاویہؓ کو حامیوں نے حریف کا پلہ بھاری دیکھا، تو اپنے نیزوں پر دمشق کا مصحف اعظم بلند کر کے عجیب وغریب طریقہ مصالحت کی دعوت دی، گو جناب امیرؓ اس پر راضی نہ تھے، تاہم قرآن کی دعوت کا رد کرنا آسان نہ تھا، خود آپ کی فوج میں پھوٹ پڑ گئی انجام کار تمام مابہ النزاع امور کا فیصلہ طرفین کے دو ثالث پر محول ہوا امیر معاویہؓ نے اپنی طرف سے حضرت عمرو بن العاصؓ کو حکم مانا اور حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰؓ کا انتخاب ہوا، دومۃ الجندل مقام اجلاس قرار پایا، اور دونوں حکم ایک مقررتاریخ پر مجتمع ہوئے، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ ایک نہایت نکتہ رس اور معاملہ فہم بزرگ تھے، انہوں نے حضرت ابو موسیٰؓ اور عمرو بن العاصؓ سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کر کے ان کی رائے کا اندازہ کیا، تو ان کو یقین ہو گیا کہ یہ دونوں کسی امر پر متفق نہیں ہو سکتے، کیونکہ اگر ایک طرف کمال غیر جانبداری و بےلوثی ہے تو وہ دوسری طرف شدید خود غرضی و پاسداری،

غرض دونوں حکم باہم مشورہ کے لئے گوشہ خلوت میں مجتمع ہوئے، حضرت ابو موسیٰؓ نے محض بےلوثی کے ساتھ صرف مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے خیال سے اس عہدہ کو قبول کیا تھا، ان کی رائے تھی کہ عنان کسی غیر جانبداری کے ہاتھ میں دے دی جائے تو اس خانہ جنگی کا دروازہ خود بخود بند ہو جائے گا، چنانچہ دونوں میں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

ابو موسیٰؓ: عمرو! تم ایک ایسی رائے کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو جس سے خدا کی خوشنودی اور قوم کی بہبودی دونوں میسر آئے؟

عمرو بن العاصؓ: وہ کیا ہے؟

ابو موسیٰؓ: عبداللہ بن عمر کو منصب خلافت پر متمکن کرنا چاہئے کیونکہ انہوں نے خانہ جنگیوں میں کسی طرح کا حصہ نہیں لیا۔

عمرو بن العاصؓ: معاویہ میں کیا خرابی ہے؟ آپ جانتے ہیں کہ عثمانؓ مظلوم شہید ہوئے، معاویہؓ ان کے قصاص کے دعویدار ہیں، ام المومنین ام حبیبہؓ ان کی بہن ہیں، اور خود ان کو رسول ﷺ کی مصاحبت کا شرف حاصل ہے۔

ابو موسیٰؓ: معاویہؓ کے جن فضائل کا تم نے تذکرہ کیا، وہ استحقاق خلافت کے لئے کافی نہیں، اگر فضل وشرف ہی پر معیار ہو تو علیؓ سے بڑھ کر کون ہے؟ رہا قصاص کا دعویٰ تو اس کے لئے

---

[1] بخاری کتاب الفتن

معاویہؓ کو خلافت کے معاملہ میں مہاجرین اولین پر ترجیح نہیں دی جا سکتی ہے، ہاں اگر تم مجھ سے اتفاق کرو، تو فاروق اعظمؓ کا عہد لوٹ آئے، اور فاضل و عالم عبداللہ اپنے باپ کی یاد پھر تازہ کر دے۔

عمرو بن العاصؓ: میرے لڑکے عبداللہ پر آپ کی نظر انتخاب کیوں نہیں پڑتی؟ فضل و منقبت میں تو وہ بھی کچھ کم نہیں"۔

ابو موسیٰؓ: بیشک وہ صاحب فضل و منقبت ہیں، لیکن ان خانہ جنگیوں میں شریک کر کے تم نے ان کے دامن کو بھی داغدار کر دیا ہے، برخلاف اس کے طیب بن الطیب عمرؓ کے بیٹے عبداللہ کا لباس تقوی تمام دھبوں سے محفوظ ہے،

عمرو بن العاصؓ: ابو موسیٰ! اس منصب کی صلاحیت صرف اسی میں ہو سکتی ہے، جس کے دو داڑھ ہوں، ایک سے کھائے اور دوسرے سے کھلائے۔

ابو موسیٰؓ: عمرو! تمہارا برا ہو، شدید کشت و خون کے بعد مسلمانوں نے ہمارا دامن پکڑا ہے، ہم ان کو پھر فتنہ میں مبتلا نہیں کریں گے۔

عمرو بن العاصؓ: پھر آپ کی کیا رائے ہے؟

ابو موسیٰؓ: ہمارا خیال ہے کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں برطرف کیے جائیں، اور مسلمانوں کی مجلس شوریٰ کو پھر نئے سرے سے اختیار دیا جائے کہ وہ جس کو چاہے منتخب کرے۔

عمرو بن العاصؓ: مجھے بھی اس سے اتفاق ہے۔

اس قرارداد کے بعد دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت ابو موسیٰؓ کے پاس آ کر کہا: "خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ عمروؓ نے آپ کو دھوکہ دیا ہوگا، اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا تو آپ ہرگز اعلان میں سبقت نہ کیجئے گا، کیا عجب ہے کہ وہ آپ کی مخالفت کر بیٹھیں، حضرت ابو موسیٰؓ نہایت نیک طینت بزرگ تھے، انہیں دنیا کی فریب کاریوں کی کیا خبر تھی، بولے "ہم دونوں ایک ایسی رائے پر متفق ہوئے ہیں کہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں"، غرض دوسرے روز مسجد میں مسلمانوں کا مجمع ہوا، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے عمرو بن العاصؓ سے فرمایا کہ "منبر پر چڑھ کر فیصلہ سنا دو" بولے میں آپ پر سبقت نہیں کر سکتا، آپ فضل و منقبت اور سن و سال میں مجھ سے افضل اور بڑے ہیں" حضرت ابو موسیٰؓ پر ان کا یہ افسوں چل گیا، وہ بغیر سوچے سمجھے کھڑے ہو گئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

صاحبو! ہم نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کیا اور پھر نئے سرے سے مجلس شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا، وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے"

ابو موسیٰؓ اپنا فیصلہ سنا کر اتر آئے تو عمرو بن العاصؓ نے کھڑے ہو کر کہا:

''صاحبو! علیؓ کو ابو موسیٰؓ کی طرح میں معزول کرتا ہوں، لیکن معاویہؓ کو اس منصب پر برقرار رکھتا ہوں، کیونکہ وہ امیر المؤمنین عثمانؓ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں''۔

حضرت ابو موسیٰؓ نہایت متقی، پرہیزگار اور نیک نفس بزرگ تھے، اس خلاف بیانی پر ششدر رہ گئے، چلا کر کہنے لگے، یہ کیا غداری ہے؟ یہ کیا بے ایمانی ہے؟ سچ یہ ہے کہ تمہاری حالت بالکل اس کتے کی طرح ہے جس پر بوجھ لادو جب بھی ہانپتا ہے اور چھوڑ دو جب بھی ہانپتا ہے، (انما مثلک کمثل الکلب، ان تحمل علیه یلهث او تترکه یلهث، الاية) عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا، اور آپ پر ''چارپائے بروکتابے چند کی مثل صادق آتی ہے (مثلک کمثل الحمار یحمل اسفارا)

وفات ...... حضرت ابو موسیٰؓ کو اپنے فریب کھا جانے پر اس قدر ندامت ہوئی کہ وہ اسی وقت مکہ معظمہ روانہ ہو گئے اور پھر کسی چیز میں حصہ نہ لیا، وفات کے سنہ اور مقام میں مختلف روایتیں ہیں، بعض لوگ ان کی وفات کا مقام مکہ بتاتے ہیں اور بعض کوفہ، لیکن مرجح مکہ کی روایت ہے، بہر حال باختلاف روایت ۴۲ھ، ۴۴ھ، ۵۲ھ میں بیمار پڑے اور بروایت صحیح ذی الحجہ ۴۴ھ میں وفات پائی[1] آخر وقت تک احکام نبوی کا لحاظ رہا، جب حالت زیادہ نازک ہوئی اور غشی طاری ہوگئی، تو جس عورت کی گود میں سر تھا، اس نے گریہ وزاری شروع کر دی، اس وقت بولنے کی طاقت نہ تھی، ہوش آیا تو کہا جس چیز سے رسول ﷺ نے برأت کی ہے، اس سے میں بھی بری ہوں، جیب وگریبان پھاڑنے والی، نوحہ بکا کرنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورتوں سے آپ نے برأت ظاہر کی ہے۔[2]

اس کے بعد کفن ودفن وغیرہ کے متعلق ضروری وصیتیں کیں کہ جنازہ تیز چال سے لے چلنا جنازہ کے ساتھ انگیٹھی نہ لے چلنا، لحد اور میری میت کے درمیان کوئی مٹی روکنے والی چیز نہ رکھنا، قبر پر کوئی عمارت نہ بنانا، اور میں نوحہ وبین کرنے والی، جیب وگریبان چاک کرنے والی اور سر نوچنے والی عورتوں سے بری ہوں[3] وصیت سے فراغت ہوئی تو طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر کے اپنے اصلی نشیمن میں پہنچ گیا، وفات کے وقت ۶۱ سال کی عمر تھی۔

حلیہ ...... پستہ قد اور لاغر اندام تھے

اولاد ...... وفات کے بعد متعدد نسلی یادگاریں چھوڑیں، نام یہ ہیں، ابراہیم، ابو بکر، ابو بردہ، موسیٰ۔[4]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۲۱

[2] مسلم کتاب الایمان باب تحریم ضرب الخدود وشق الجیوب

[3] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۹۷ [4] تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۶۲

ذریعۂ معاش..... ابتدا میں تنگدستی کی زندگی تھی، لیکن پھر فارغ البالی کا دور آیا، متعدد مہمیں ان کی افسری میں سر ہوئیں، مدتوں تک مختلف ممالک کے گورنر رہے، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں دوسرے مہاجرین کے ساتھ ان کا وظیفہ بھی مقرر کیا، غرض اطمینان اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے تھے

فضل وکمال

حضرت ابو موسیٰؓ ان مخصوص صحابہ میں تھے، جن کو بارگاہ رسالت میں خاص تقرب اور شرف پذیرائی حاصل تھا، اس لئے وہ نبوت کے چشمہ فیض سے پوری طرح سیراب تھے، وہ ان چھ آدمیوں میں سے ایک تھے، جن کو خود عہد رسالت میں مسائل کے جواب اور فتوی دینے کی اجازت تھی۔[1]

حضرت اسود تابعی کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ میں حضرت علیؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ سے زیادہ کسی کو صاحب علم نہیں دیکھا، حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ

''ابو موسیٰؓ سرتاپا علم کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔''[2]

اہل علم سے اکثر ان کی علمی صحبتیں اور علمی بحثیں رہتی تھیں جس نے ان کے علم کو اور چمکا دیا تھا، یوں تو ان کے علمی احباب کا حلقہ بہت وسیع تھا، مگر ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور معاذ بن جبلؓ سے خاص طور سے وہ علمی گفتگو کرتے تھے، اور کبھی کبھی یہ گفتگو نیک نیتی کے ساتھ بحث و مناظرہ تک پہنچ جاتی، اور جب تک مسئلہ کی پوری تنقیح نہ ہو جاتی برابر جاری رہتی۔

ایک مجلس میں تیمم کا مسئلہ چھڑا، حضرت ابو موسیٰؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا اگر کسی کو نہانے کی ضرورت پیش آجائے، اور اس کو ایک مہینہ تک پانی نہ ملے، تو کیا تیمم کر کے نماز پڑھ لے؟ حضرت عبداللہؓ نے کہا نہیں! خواہ ایک مہینہ تک پانی نہ ملے جب بھی تیمم نہ کرے، حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا تو پھر سورہ مائدہ کی اس آیت کے متعلق کیا کہتے ہو؟

فلم تجد و اماء فتیمموا صعیدا طیبا

''پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو''۔

حضرت عبداللہ نے کہا ''اگر لوگوں کو تیمم کی اجازت دے دی جائے تو سردیوں کے موسم میں جب پانی ٹھنڈا ملتا ہے لوگ تیمم ہی پر اکتفاء کرنے لگیں گے'' اس پر شقیق (راوی) بولے'' کیا صرف اس خطرہ سے آپ تیمم کو برا سمجھتے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا ہاں! حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا ''تم نے عمار کا وہ واقعہ جس کو انہوں نے حضرت عمرؓ سے بیان کیا تھا نہیں سنا کہ ان

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۲۱۔ [2] ایضاً ص ۲۰

کو آنحضرت ﷺ نے کسی کام کے لئے بھیجا تھا، اتفاق سے ان کو راہ میں غسل کی ضرورت پیش آئی، اور پانی نہ ملا تو انہوں نے جانور کی طرح زمین پر لوٹ کر تیمم کیا، اور واپس آکر آنحضرت ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے ان کو تیمم کا طریقہ بتا کر فرمایا کہ اس قدر کافی تھا'' اس پر عبداللہؓ نے کہا مگر شاید آپ کو یہ نہیں معلوم کہ حضرت عمرؓ نے اس واقعہ کو کافی نہ سمجھا'' [1]

ایک مرتبہ دونوں میں حدیث کا مذاکرہ ہو رہا تھا، حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے قریب علم اٹھ جائے گا، جہالت کا دور دورہ ہوگا، اور قتل و غارت کی گرم بازاری ہوگی'' [2]

اشاعت علم...... علم کی اشاعت اور اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی وہ پوری کوشش کرتے تھے، ان کا اصول یہ تھا کہ جو کچھ کسی کو معلوم ہو اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچانا اس کا فرض ہے ایک مرتبہ خطبہ میں لوگوں سے خطاب کر کے کہا کہ'' جس شخص کو خدا علم دے، اس کو چاہیے کہ اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی اس کی تعلیم دے، اسی کے ساتھ جو اس کو معلوم نہ ہو، اس کے متعلق ہرگز ایک لفظ بھی وہ اپنی زبان سے نہ نکالے [3]

ان کے درس کے طریقے مختلف تھے، مستقل حلقہ، درس کے علاوہ کبھی کبھی وہ لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیتے، ایک مرتبہ خطبہ دیا۔

''لوگو! شرک سے بچنے کی کوشش کرو کہ یہ چیونٹی کی چال سے زیادہ غیر محسوس ہے'' [4]

جہاں کہیں چند آدمی ایک جگہ ان کو اکٹھا مل جاتے، ان کے کانوں تک وہ کوئی نہ کوئی حدیث ضرور پہنچا دیتے، ایک دفعہ بنو ثعلبہ کے چند آدمی کہیں جارہے تھے، ان کو راہ میں ایک حدیث سنادی۔ [5]

اصفہان کی مہم سے واپس ہوتے وقت ایک جگہ پڑاؤ کیا، کافی مجمع تھا، کہا میں تم لوگوں کو ایک حدیث سنانا چاہتا ہوں، جو ہم لوگوں کو آنحضرت ﷺ نے سنائی تھی، لوگوں نے کہا خدا آپ پر رحم کرے، ضرور سنایئے، بولے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

> قیامت کے قرب میں'' ہرج'' زیادہ ہوگا لوگوں نے پوچھا'' ہرج'' کیا؟ کہا قتل اور جھوٹ، لوگوں نے کہا کیا اس سے بھی زیادہ قتل ہوگا، جتنا ہم لوگ کرتے ہیں؟ فرمایا کہ اس سے مقصد کفار کا قتل نہیں ہے، بلکہ باہمی خونریزی ہے حتی کہ پڑوسی پڑوسی کو، بھائی بھائی کو، بھتیجا چچا کو، اور چچا بھتیجے کو قتل کرے گا۔ لوگوں نے کہا سبحان اللہ عقل و ہوش رکھتے ہوئے،؟ کہا عقل و ہوش کہاں عقل و ہوش تو اس زمانہ

---

[1] بخاری کتاب التیمم باب التیمم ضربۃ۔
[2] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۹۲
[3] ابن سعد جزء ۴ قسم اول ص ۱۸
[4] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۰۳
[5] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۱۷

میں باقی نہ رہے گا، حتی کہ آدمی خیال کرے گا کہ وہ کسی (حق) بات پر ہے، لیکن در حقیقت وہ کسی (حق) بات پر نہ ہوگا''۔

یہ حدیث سنا کر بولے کہ ہم میں سے تم میں سے کوئی بھی آنحضرت ﷺ کی اس پیشین گوئی سے نکل نہ سکے گا، اس سے نکلنے کی صرف یہ صورت ہے کہ ہم بلا کچھ کیے ہوئے اس طریقہ سے پاک وصاف نکل جائیں جس طرح اس میں شریک ہوئے تھے۔[1]

حضرت ابوموسیٰؓ کے تعلیم دینے کا طریقہ نہایت نرم تھا، اگر کبھی کوئی شخص نادانی سے بھی کوئی اعتراض کرتا، تو خفا ہونے کے بجائے نہایت نرمی سے اس کو سمجھا دیتے، عبداللہ الرقاشی روایت کرتے ہیں کہ

''میں ایک مرتبہ ابوموسیٰؓ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، وہ قعدہ میں تھے کہ کسی نے زور سے ایک فقرہ کہا جو مسنون دعاؤں سے نہ تھا، ابوموسیٰؓ نماز ختم کر چکے، تو پوچھا یہ کس نے کہا تھا؟ لوگ خاموش رہے، پھر پوچھا فلاں بات کس نے کہی تھی؟ لوگ پھر چپ رہے، تو بولے حطان شاید تم نے کہا ہوگا، انہوں نے کہا میں نے نہیں کہا، مجھ کو پہلے ہی خطرہ تھا کہ آپ مجھ ہی پر ڈانٹ ڈپٹ کریں گے، اتنے میں ایک شخص نے اقرار کیا کہ میں نے کہا اور اس سے میرا مقصد بدنیتی نہ تھی، بلکہ بھلائی تھی، ابو موسیٰؓ نے کسی قسم کی ترش روئی کے بغیر مسنون نماز کا پورا طریقہ بتادیا۔[2]

قرآن پاک...... قرآن پاک اسلام کے تمام علوم ومعارف کا سرچشمہ ہے، اس کے ساتھ حضرت ابوموسیٰؓ کو غیر معمولی شغف وانہماک تھا، فرصت کا سارا وقت قرآن پاک کی تلاوت اور اس کی تعلیم میں صرف ہوتا، یمن کی گورنری کے زمانہ میں معاذ بن جبلؓ اکثر ان سے ملنے آتے اور دیر تک علمی صحبت رہتی، ایک مرتبہ انہوں نے پوچھا، آپ قرآن پاک کی کس طرح تلاوت کرتے ہیں، بولے رات دن میں جب موقع مل جاتا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے پڑھ لیتا ہوں۔[3]

قرآن نہایت خوش الحانی سے پڑھتے تھے، یہ اس قدر خوش گلو اور شیریں آواز تھے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ:

''ان کو لحن داؤدی سے حصہ ملا ہے''۔[4]

آنحضرت ﷺ کو ان کا قرآن پڑھنا بہت پسند تھا، جہاں ان کو قرأت کرتے ہوئے سنتے کھڑے ہو جاتے، ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ کہیں تشریف لئے جا رہے تھے، ابوموسیٰؓ کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا، وہیں کھڑے ہو گئے اور سنکر آگے بڑھے، صبح کو جب ابوموسیٰؓ حاضر

[1] مسند احمد بن حنبل ج۴ ص ۴۰۶
[2] مسلم کتاب الصلوٰۃ باب التشہد فی الصلوٰۃ
[3] بخاری
[4] ابن سعد جزء ۴ قسم اول ص ۸۰

ہوئے، تو فرمایا کہ ابوموسیٰؓ کل تم قرآن پڑھ رہے تھے، ہم نے تمہاری قرأت سنی تھی، عرض کیا اے خدا کے رسول! مجھ کو حضور کی موجودگی کا علم ہوتا، تو میں آواز میں اور دلکشی پیدا کرتا۔[1]

ایک مرتبہ مسجد نبویؐ میں بلند آواز سے عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے، آواز سن کر ازواج مطہراتؓ اپنے اپنے حجروں میں پردوں کے پاس آ کر کھڑے ہو کر سننے لگیں، صبح کو جب ان کو اطلاع ہوئی تو کہا اگر مجھ کو اس وقت معلوم ہو جاتا تو میں ان کو قرآن کا اس سے بھی زیادہ مشتاق بنا دیتا۔[2]

حضرت ابوعثمانؓ نہدی بیان کرتے تھے کہ حضرت ابوموسیٰؓ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے تھے، ان کی آواز اتنی سریلی اور دلکش ہوتی تھی کہ چنگ و بربط میں بھی وہ دلکشی نہیں۔[3]

کبھی کبھی حضرت عمرؓ فرمائش کرتے کہ ابوموسیٰؓ خدا کی یاد دلاؤ، یہ قرآن پڑھ کر سناتے ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰؓ نے انس بن مالکؓ کو حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا، انہوں نے پوچھا، ابوموسیٰؓ کا کیا حال ہے، کہا لوگوں کو قرآن پڑھاتے ہیں، فرمایا کہ بلند مرتبہ آدمی ہیں، مگر اس کو ان کے سامنے نہ کہنا۔[4]

ان کی غیر معمولی قرأت دانی کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے مشہور عالم قرآن حضرت معاذ بن جبلؓ کے ساتھ ان کو بھی نو مسلموں کی تعلیم قرآن کے لئے یمن بھیجا تھا۔[5]

حدیث..... قرآن کے ساتھ ان کو حدیث کے علم سے بھی وافر حصہ ملا تھا، حفظ حدیث کے اعتبار سے وہ اپنے معاصروں میں امتیازی پایہ رکھتے تھے، کوفہ مستقل حلقہ درس تھا جس سے بڑے بڑے ارباب کمال پیدا ہوئے، ان کے نام آئندہ آئیں گے، ان کی تعداد مرویات ۳۶۰ تک پہنچتی ہے، ان میں ۵۰ متفق علیہ ہیں، ان کے علاوہ ۴ بخاری اور ۲۵ مسلم میں ہیں"[6]

ان میں سے اکثر روایات خود صاحب حدیث کی زبان مبارک سے سنی ہوئی ہیں، ان کے بعد پھر حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ، ابن عباسؓ، ابی بن کعبؓ، عمار بن یاسرؓ، معاذ بن جبلؓ سے روایتیں کی ہیں، تلامذہ کی تعداد بھی کافی ہے، مختصر فہرست یہ ہے۔

ابرہیم، ابوبکر، ابو بردہ، موسیٰ، انس بن مالکؓ، ابوسعید خدریؓ، طارق بن شہاب، ابوعبدالرحمن سلمی، زر بن حبیش، زید بن وہب، عبید بن عمیر، ابوالاحوص عوف بن مالک، ابوالاسود دؤلی، سعید بن مسیب، ابوعثمان نہدی، قیس بن ابی حازم، ابورافع صائغ، ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعودؓ، مسروق بن اوس حنظلی، ہزیل بن شرحبیل، مرہ بن شرحبیل، اسود بن یزید، عبدالرحمن بن یزید، حطان بن عبداللہ رقاشی،

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۶۶۔
[2] طبقات ابن سعد قسم اول جز ۴ ص ۸۰۔　[3] ایضاً۔　[4] ایضاً۔
[5] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۹۷　[6] تہذیب الکمال

ربعی بن حراش، زہدم بن مضرب، ابو وائل شقیق، ابن سلمہ صفوان بن محرز وغیرہم ہے[1]
اس فضل وکمال کے باوجود ان کو اپنی غلطی اور دوسروں کے کمال کے اعتراف میں بخل نہ تھا ایک مرتبہ کسی نے لڑکی، پوتی اور بہن کی وراثت کے متعلق فتویٰ پوچھا، انہوں نے جواب دیا لڑکی اور بہن کو نصف نصف ملے گا، مستفتی نے جا کر یہ جواب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو سنایا اور ان سے بھی فتویٰ دریافت کیا، انہوں نے کہا، اگر میں اس کی تائید کروں تو گمراہ ہوں، میں اس مسئلہ میں وہی فیصلہ کروں گا، جو آنحضرت ﷺ نے کیا ہے، لڑکی کو آدھا ملے گا پوتی کو دو تہائی پورا کرنے کے لئے چھٹا حصہ ملے گا، باقی جو بچے گا وہ بہن کا حصہ ہے، مستفتی نے یہ جواب جا کر حضرت ابو موسیٰؓ کو سنایا انہوں نے کہا جب تک یہ عالم تم میں موجود ہے، اس وقت تک مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔[2]

اخلاق وعادات

خشیت الٰہی اور رقت قلب مذہب کی روح ہے، حضرت ابو موسیٰؓ میں یہ دونوں وصف موجود تھے، خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رلاتے، بصرہ کے قیام کے زمانہ میں ایک مرتبہ خطبہ دیا کہ:

> ''لوگو! خوب روو اگر نہ رو سکتے ہو تو کم از کم رونے کی صورت بناؤ کیونکہ دوزخی (جنہوں نے دنیا ہنس کر گذاری) اس قدر روئیں گے کہ آنسو خشک ہو جائیں گے پھر خون کے آنسو روئیں گے، آنسوؤں کی فراوانی کا یہ حال ہوگا کہ اگر اس میں کشتیاں چلائی جائیں تو بہہ نکلیں''[3]

اتباع سنت...... حضرت ابو موسیٰؓ کی پوری زندگی حیات نبوی کا آئینہ تھی، وہ کوشش کرتے تھے کہ ان کی نقل وحرکت، قول فعل بلکہ ہر ہر ادا ذات نبوی کا نمونہ بن جائے، ایک موقعہ پر انہوں نے اپنی حرص کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے

> ''ابو مجلز راوی ہیں کہ ایک مرتبہ ابو موسیٰؓ مکہ سے مدینہ آ رہے تھے، راستہ میں عشاء کی نماز کا وقت آیا تو دو رکعت نماز پڑھی، پھر کھڑے ہو کر سورہ نساء کی ۱۰۰ آیتیں ایک رکعت میں پڑھیں، لوگوں نے اس پر اعتراض کیا، انہوں نے کہا میری ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے، کہ جہاں آنحضرت ﷺ نے قدم مبارک رکھا ہے وہیں

[1] تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۶۳
[2] بخاری کتاب الفرائض باب میراث ابنۃ ابن مع ابنۃ
[3] ابن سعد قسم اول جز ۴ ص ۸۱

میں بھی قدم رکھوں، اور جو کام آپ نے کیا ہے، وہی میں بھی کروں"۔[1]

رمضان کے روزوں کے علاوہ نوافل کے روزے محض اس لئے رکھتے تھے کہ آنحضرت ﷺ رکھا کرتے تھے، عاشورہ کا روزہ آنحضرت ﷺ برابر رکھا کرتے تھے، یہ لوگوں کو ہدایت کرتے کہ عاشورہ کا روزہ رکھو۔

سنت سے لے کر مستحبات تک کی خود پابندی کرتے اور اپنے اہل و عیال سے پابندی کراتے قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا مسنون ہے، حضرت ابوموسیٰؓ لڑکیوں تک کو حکم دیتے تھے، کہ وہ اپنے ہاتھ سے ذبح کریں۔[2]

احکام نبوی کا لحاظ ہر آن و ہر لحہ رہتا تھا، کسی موقع پر فروگذاشت نہ ہونے پاتی، آنحضرت ﷺ کا حکم تھا کہ جب کوئی شخص کسی کے یہاں جائے تو اجازت لے کر گھر میں داخل ہو اگر تین مرتبہ اجازت مانگنے پر بھی اجازت نہ دے تو لوٹ جائے، حضرت ابوموسیٰؓ اس فرمان نبویؐ پر سختی سے عامل تھے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے، اور اندر آنے کی اجازت چاہی، آپ غالباً کسی کام میں مشغول تھے، اس لئے کوئی توجہ نہ کی، انہوں نے ۳ مرتبہ اجازت مانگی، پھر لوٹ آئے، دوسرے وقت حضرت عمرؓ نے کہا تم کیوں واپس ہوگئے تھے؟ کہا میں نے تین مرتبہ اجازت مانگی، جب نہ ملی، تو لوٹ گیا، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر تم کو ۳ مرتبہ اجازت مانگنے کے بعد اجازت نہ ملے تو لوٹ جانا چاہیے، حضرت عمرؓ نے فرمایا "شاہد لاؤ تمہارے علاوہ کسی دوسرے نے بھی اس حکم کو سنا ہے" یہ گھبرائے ہوئے انصاری صحابہ کی مجلس میں آئے، حضرت ابی بن کعبؓ کو یہ حکم معلوم تھا، انہوں نے جا کر شہادت دی۔[3]

یہی پاس و لحاظ زندگی کے آخر لحہ تک رہا۔

مرض الموت میں اپنے گھر کی کسی عورت کی گود میں سر رکھے ہوئے تھے، اسی حالت میں غشی طاری ہوگئی، عورت نے گریہ وزاری شروع کردی، اس وقت تو بولنے کی طاقت نہ تھی ہوش آیا تو کہا جس چیز سے آنحضرت ﷺ نے برأت ظاہر کی ہے، اس سے میں بھی بری ہوں، جیب و گریبان پھاڑنے والی، نوحہ و بکا کرنے والی، سر نوچنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورتوں سے آپ نے برأت کی ہے۔[4]

موت سے پہلے کفن و دفن وغیرہ کی وصیتوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی وصیت کی کہ کوئی میری موت پر نوحہ اور بین نہ کرے جیب اور گریبان چاک نہ کرے، سر کو نہ نوچے، ان سب سے میں

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۱۹

[2] بخاری کتاب الاضاحی باب من ذبح ذبیحتہ

[3] بخاری کتاب الاستیذان باب التسلیم والاستیذان ثلثا

[4] مسلم کتاب الایمان باب تحریم ضرب الخدود و شق الجیوب

بری ہوں۔[1]

تقوی...... حضرت ابوموسیؓ کا دامن عفاف کبھی معصیت کی آلودگیوں سے داغدار نہ ہوا، وہ اس درجہ محتاط تھے کہ غیر عورتوں کی ہوا تک لگنا گوارا نہ کرتے تھے، کہا کرتے تھے کہ عورتوں کی لپٹ سے مجھ کو سڑے ہوئے مردار کی عفونت زیادہ خوش آئند ہے۔[2]

طہارت اور صفائی کے خیال سے ہمیشہ شیشی میں پیشاب کرتے تھے کہ کوئی چھینٹ نہ پڑنے پائے، دوسرے صحابہؓ اس غیر ضروری شدت کو محسوس کرتے اور اس کا اظہار بھی کردیتے تھے، حضرت حذیفہؓ نے لوگوں سے کہا کہ کاش تمہارے ساتھی اتنا تشدد نہ کرتے۔[3]

توکل...... خدا کی ذات پر پورا اعتماد اور قضاء قدر پر پورا یقین تھا، چنانچہ وبائی مقامات سے الگ نہ ہوتے تھے، ایک مرتبہ طاعون کی وبا پھیلی ابوبردہؓ نے کہا یہاں سے ہٹ کر وابق چلے چلئے کہا میں خدا کے پاس جاؤں گا، وابق نہ جاؤں گا۔[4]

خدمت رسول...... خطرناک سے خطرناک موقعوں پر آنحضرت ﷺ کی خدمت اور آپ کی حفاظت حاصل کرتے تھے، کسی غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے راستہ میں رات گذارنے کے لئے مجاہدین نے قیام کیا، جنگ کا زمانہ تھا، دشمن ہر وقت تاک میں رہتے تھے، اس خطرہ سے یہ رات کو آنحضرت ﷺ کے خیمہ کے پاس پہنچے، اتفاق سے آپ موجود نہ تھے، یہ تلاش میں نکلے راستہ میں ایک اور صحابی جو اسی نیت سے نکلے تھے، مل گئے، دونوں آگے بڑھے، اتنے میں آنحضرت ﷺ آتے ہوئے دکھائی دیئے ان دونوں نے عرض کیا کہ اس وقت آپ دشمن کی زمین میں ہیں، آپ کے متعلق ہر وقت خطرہ ہے، اس لئے جب آپ کو ضرورت پیش آیا کرے تو کسی کو حکم دے دیا کیجئے، وہ ساتھ ہوجایا کرے"۔[5]

شرم وحیاء...... الحیاء شعبة من الایمان حضرت ابوموسیؓ میں ایمان کا یہ عنصر بہت غالب تھا، رات کو سوتے وقت خاص قسم کا کپڑا پہن لیتے تھے کہ نیند کی غفلت میں ستر نہ کھل جائے، ایک مرتبہ کچھ اشخاص کو دیکھا وہ پانی کے اندر ننگے نہا رہے ہیں، تو بولے مجھ کو بار بار مر کر زندہ ہونا بہتر ہے مگر یہ فعل پسند نہیں ہے۔[6]

سادگی...... حضرت ابوموسیؓ کی زندگی کے مختلف دور تھے، ابتدائی دور نہایت عسرت کا تھا، مگر جیسے جیسے اسلام کو فروغ ہوتا گیا، ان کی عسرت میں کمی آتی گئی، متعدد مہمیں ان کی ماتحتی میں سر

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۹۷

[2] ابن سعد جزء ۴ قسم اول ص ۸۴

[3] مسلم کتاب الطہارت باب المسح علی الخفین

[4] ابن سعد قسم اول جز ۴ ص ۸۴ [5] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۱۵

[6] طبقات ابن سعد قسم اول جز ۴ ص ۸۴

ہوئیں، برسوں تک مختلف صوبوں کے حاکم رہے، لیکن ان دونوں حالتوں میں ان کی ظاہری زندگی میں کوئی فرق نہ آیا نہ مال ودولت جمع کیا، نہ وفات ورعونت پیدا ہوئی، گورنری کے بعد ایک مرتبہ مشہور صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ سے ملاقات ہوئی، ابوذرؓ فقیر منش آدمی تھے دنیا سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا، حضرت ابوموسیٰؓ بھائی بھائی کہتے ہوئے دوڑ کر لپٹ گئے لیکن ابوذرؓ بار بار یہ کہہ کر ہٹاتے تھے، اب تم بھائی نہیں ہو اس منصب سے پہلے بھائی تھے، دوبارہ جب پھر ملاقات ہوئی تو پہلے کی طرح لپکے، انہوں نے کہا ابھی ہٹے رہو پہلے میرے سوالات کے جوابات دے دو، پھر پوچھا تم نے لوگوں پر حکومت کی ہے؟ ابوموسیٰؓ نے کہا ہاں! کہا عمارتیں تو نہیں بنوائیں؟ زراعت تو نہیں کی، جانور تو نہیں پالے؟ انہوں نے سب کی نفی کی تو پھر ان سے دل کھول کر ملے[1]

اسی خاکساری اور تواضع کی وجہ سے وہ اپنی مذہبی خدمات کا اظہار برا سمجھتے تھے، حضرت ابوبردہؓ روایت کرتے ہیں کہ ابوموسیٰؓ کہتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم ۶ آدمی آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں نکلے، ہمارے پاس میں صرف ایک اونٹ تھا، اسی پر سب باری باری سوار ہوتے تھے، پیادہ پا چلنے کی مشقت سے ہمارے پاؤں پھٹ پھٹ گئے اور ناخن گر گر گئے، تو ہم لوگوں نے چیتھڑے لپیٹ لئے، اسی لئے اس غزوہ کو ذات الرقاع "چیتھڑے والا" کہتے ہیں، راوی کا بیان ہے کہ ابوموسیٰؓ اس واقعہ کو بیان تو کر گئے مگر بعد میں اتنے واقعہ کا اظہار بھی برا سمجھا[2]

امت مسلمہ کی خیر خواہی..... امت مسلمہ کی خیر خواہی اور اس کا مفاد ہر وقت پیش نظر رہتا تھا، اس کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی منفعت کو ٹھکرا دیتے تھے، جب حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان کشمکش شروع ہوئی تو امیر معاویہؓ نے ان کے پاس لکھ بھیجا کہ عمرو بن العاصؓ نے میری بیعت کر لی ہے، اگر تم بھی بیعت کر لو، تو میں حلفیہ وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے ایک لڑکے کو بصرہ اور دوسرے کو کوفہ کی امارت پر سرفراز کروں گا، اور تمہاری ضروریات کے لئے میرا دروازہ ہر وقت کھلا رہے گا، میں اپنے خاص قلم سے یہ خط لکھ رہا ہوں، امید ہے کہ تم بھی اپنے دست وقلم سے اس کا جواب دو گے، اس خط کو پڑھ کر انہوں نے یہ جواب لکھا:

"تم نے امت محمدیؐ کے بہت اہم اور نازک معاملہ کی بابت لکھا ہے، جو چیز تم نے میرے سامنے پیش کی ہے، اس کی مجھ کو حاجت نہیں ہے"[3]

جنگ جمل اور جنگ صفین دونوں میں غیر جانبدار ہیں، اور دوسروں کو بھی اس کی شرکت سے روکتے تھے، جب حضرت علیؓ نے عمار بن یاسرؓ کو کوفہ بھیجا کہ وہ کوفہ والوں کو حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ کی شرکت پر آمادہ کریں، تو ابوموسیٰؓ اور ابومسعودؓ نے ان سے جا کر کہا کہ:

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جز ۴ ص ۱۶۹
[2] مسلم کتاب الجہاد والسیر باب غزوہ ذات الرقاع
[3] طبقات ابن سعد جلد ۴ قسم اول ۸۳

"جب سے تم اسلام لائے ہو آج تک ہمارے نزدیک اس جنگ کی شرکت سے زیادہ تم نے کوئی ناپسندیدہ کام نہیں کیا"۔[1]

ان کے بھائی ابورہم بہت ہنگامہ پسند تھے، اور شورشوں اور ہنگاموں میں نہایت ذوق وشوق سے شریک ہوتے تھے، اور ابوموسیٰؓ فتنہ وفساد سے سخت متنفر تھے، وہ ان کو برابر سمجھاتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب دو مسلمان ایک دوسرے کے خلاف تلوار اٹھائیں گے اور ایک دوسرے کو قتل کریں گے تو دونوں جہنم میں جائیں گے۔[2]

ان کی اس بے لوثی اور غیر جانبداری کی بنا پر جنگ صفین میں حضرت علیؓ نے ان کو ثالث مقرر کیا، اس وقت رفع فساد کے خیال سے ان کو مجبوراً گوشہ عزلت سے نکلنا پڑا، اور نہایت نیک نیتی سے مصالح امت کا خیال رکھتے ہوئے حضرت علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے کسی تیسرے کو خلیفہ منتخب کرنے کا مشورہ دیا، مگر افسوس ہے کہ عمرو بن العاصؓ کی چالاکی نے نیک نیتی کے مشورہ کو بیکار کر دیا۔

امت کے اس تفرقہ کے خیال سے بسا اوقات وہ اپنا فتویٰ مسترد کر دیتے، وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ حج میں شریک ہو چکے تھے، آپ نے بیت اللہ کا طواف اور صفا اور مروہ کی سعی کے بعد احرام کھلوا دیا تھا، آپ کے بعد بھی اسی پر عمل رہا، ابوموسیٰؓ بھی یہی فتویٰ دیتے تھے، حضرت عمرؓ اپنے زمانہ میں حج تمام ہونے کے بعد احرام کھلوانے لگے، ایک مرتبہ حج کے موقع پر لوگوں نے ابوموسیٰؓ سے کہا کہ آپ فتویٰ دینے میں اتنی عجلت نہ کیجئے، امیر المومنین نے اس میں ترمیم کر دی ہے، اگرچہ ابوموسیٰؓ اس فتویٰ میں حق بجانب تھے، مگر اختلاف کے خیال سے فوراً اعلان کر دیا، لوگو جس جس کو میں نے فتویٰ دیا ہو اس کو ابھی ٹھہر جانا چاہیے، امیر المومنین آتے ہیں ان کی اقتدا کرنا چاہیے۔[3]

مخصوص فضائل ...... ان مذکورہ فضائل کے علاوہ بعض مخصوص فضائل ایسے تھے جو ان کے لئے طغرائے امتیاز ہیں، ایک بدوی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ محمد ﷺ نے جو کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا، اس کو پورا کرو، آپ نے فرمایا بشر یعنی بشارت ہو، اس نے کہا بشارت ہو چکی کچھ دلواؤ، اس جاہلانہ جواب سے چہرہ مبارک پر برہمی کے آثار نمایاں ہو گئے پھر حضرت بلالؓ اور ابوموسیٰؓ سے کہا کہ اس نے بشارت سے انکار کر دیا، تم دونوں قبول کرو، عرض کیا زہے نصیب، پھر ایک برتن میں پانی منگا کر اس میں ہاتھ منہ دھویا اور کلی کر کے ان دونوں کی طرف بڑھایا کہ اس کو پیو، اور سینہ اور چہرہ پر ملو، انہوں نے اس آب حیات کو پیا اور سینہ اور چہرہ پر ملا، حضرت ام سلمہؓ پردہ کی آڑ سے دیکھ رہی تھیں، آواز دی، تھوڑا میرے لئے بھی چنانچہ اس

[1] بخاری کتاب الفتن باب الفتنۃ امتی تموج کموج البحر
[2] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۰۳
[3] مسلم کتاب الحج باب فی نسخ التحمل الاحرام و الا مر با تمام

شرابِ طہور کے چند جرعے ان کو بھی ملے، بظاہر یہ واقعہ نہایت معمولی ہے، مگر یہ بشارت کیا تھی؟ اور اس شرابِ طہور میں کیا نشہ تھا؟ اس کا جواب عشق و محبت کی زبان سے سننا چاہیے۔

غزوہ حنین کے بعد آنحضرت ﷺ نے ابو عامر کو ایک دستہ کے ساتھ اوطاس روانہ کیا؟ حضرت ابو موسیٰؓ کو بھی ان کی مشایعت کا حکم ملا، اوطاس میں مشرکین کا مقابلہ ہوا، ابو عامر سخت زخمی ہوئے، حضرت ابو موسیٰؓ نے قاتل کا تعاقب کر کے اس کو قتل کیا، پھر لوٹ کر ابو عامر کے گھٹنے سے تیر نکالا، زخم سے خون جاری ہو گیا، زخم کاری تھا، بچنے کی امید نہ تھی، ابو موسیٰؓ سے کہا میری طرف سے حضور انور ؐ کی خدمت میں سلام کے بعد دعائے مغفرت کی درخواست کرنا یہ کہہ کر ابو عامر واصل بحق ہو گئے، حضرت ابو موسیٰؓ نے لوٹ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ان کا پیام پہنچا دیا، آپ نے وضو کر کے ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی، حضرت ابو موسیٰؓ نے عرض کی، حضور میرے لئے بھی دعا فرمائیں، آپ نے دعا فرمائی، خدایا عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰؓ) کے گناہوں کو بخش دے اور قیامت کے دن ان کا معزز اور شریفانہ داخلہ فرما'' [۲]

---

[۱] مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب من فضائل ابی موسیٰ

[۲] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ اوطاس

حضرت عمار بن یاسرؓ

نام، نسب، خاندان...... عمار نام، ابو الیقظان کنیت، والد کا نام یاسرؓ اور والدہ کا نام سمیہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

عمار بن یاسر عامر بن مالک بن کنانہ بن قیس بن الحصین بن الودیم بن ثعلبہ بن عوف بن حارثہ بن عامر الاکبر بن یام بن عنس بن مالک العنسی القحطانی۔[1]

حضرت عمارؓ کے والد حضرت یاسرؓ قحطانی النسل تھے، یمن ان کا اصلی وطن تھا، اپنے ایک مفقود الخبر بھائی کی تلاش میں دوسرے دو بھائی حارث اور مالک کے ساتھ مکہ پہنچے، وہ دونوں واپس لوٹ گئے، لیکن انہوں نے یہیں طرح اقامت ڈال دی، اور بنو مخزوم سے حلیفانہ تعلق پیدا کر کے ابو حذیفہ بن المغیرہ مخزومی کی ایک لونڈی سمیہ سے شادی کر لی جس سے حضرت عمارؓ پیدا ہوئے، ابو حذیفہ نے حضرت عمارؓ کو ان کے بچپن ہی میں آزاد کر کے تا حیات دونوں باپ بیٹے کو لطف و محبت سے اپنے ساتھ رکھا۔[2]

اسلام...... ابو حذیفہ کی وفات کے بعد ہی اسلام کا غلغلہ بلند ہوا، حضرت عمارؓ اور حضرت صہیب ابن سنانؓ ایک ساتھ ایمان لائے تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے صہیب کو ارقم بن ابی ارقمؓ کے دروازہ پر دیکھ کر پوچھا "تم کس ارادہ سے آئے ہو؟" بولے "پہلے تم اپنا ارادہ بیان کرو" میں نے کہا "محمدؐ سے مل کر ان کی کچھ باتیں سننا چاہتا ہوں" بولے میرا بھی مقصد یہی ہے، غرض دونوں ایک ساتھ داخل ہوئے، اور ساقی اسلام کے ایک ہی جام نے دونوں کو نشۂ توحید سے مخمور کر دیا، حضرت عمارؓ کے ساتھ یا کچھ آگے پیچھے ان کے والدین بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔[3]

صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ حضرت عمر بن یاسرؓ جس وقت ایمان لائے، تو انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کے علاوہ صرف پانچ غلام اور دو عورتوں کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ دیکھا،[4] یہ وہ حضرات تھے، جنہوں نے اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا تھا، ورنہ صحیح روایت کی بنا پر اس وقت تک تیس اصحاب سے زیادہ اس دائرہ میں داخل ہو چکے تھے، جنہوں نے مشرکین کے خوف سے اعلان

[1] اسد الغابہ تذکرہ عمار بن یاسرؓ
[2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۷
[3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۷
[4] بخاری باب فضائل الصدیقؓ

نہیں کیا تھا۔[1]

حضرت عمارؓ گوایک بے یار و مددگار غریب الوطن تھے، دنیاوی وجاہت و طاقت بھی حاصل نہ تھی، اور سب سے زیادہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت سمیہؓ اس وقت تک بنی مخزوم کی غلامی سے آزاد نہیں ہوئی تھیں، تاہم جوش ایمان نے ایک دن سے زیادہ مخفی ہوکر رہنے نہ دیا، مشرکین نے ان کو اور ان کے خاندان کو لاچار و مجبور دیکھ کر سب سے زیادہ مشق ستم بنالیا، طرح طرح کی اذیتیں دیں، ٹھیک دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت میں لٹایا، دہکتے ہوئے انگاروں سے جلایا، اور گھنٹوں پانی میں غوطے دیئے، لیکن جلوہ توحید نے کچھ ایسا وارفتہ کر دیا تھا کہ ان تمام سختیوں کے باوجود ان کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکے"۔[2]

حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہؓ کو ابوجہل نے نہایت وحشیانہ طریقے پر اپنے نیزہ سے شہید کیا، چنانچہ تاریخ اسلام کی یہ پہلی عبرتناک شہادت تھی، جو استقلال واستقامت کے ساتھ راہ خدا میں واقع ہوئی، ان کے والد حضرت یاسرؓ اور بھائی حضرت عبداللہؓ بھی اس گرداب اذیت میں جاں بحق ہوئے۔[3]

ایک دفعہ مشرکین نے حضرت عمارؓ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹادیا، آنحضرت ﷺ اس طرف سے گذرے تو ان کے سر پر دست مبارک پھیر کر فرمایا "اے آگ تو ابراہیمؑ کی طرح عمارؓ پر ٹھنڈی ہوجا" اسی طرح جب ان کے گھر کی طرف سے گذرتے خاندان یاسرؓ کو مبتلائے مصیبت دیکھتے تو فرماتے، "اے آل عمارؓ تمہیں بشارت ہو جنت تمہاری منتظر ہے"۔[4]

ایک دفعہ حضرت یاسرؓ نے آنحضرت ﷺ سے گردش زمانہ کی شکایت کی، ارشاد ہوا، "صبر کرو! صبر کرو!" پھر دعا فرمائی "اے خدا! آل یاسرؓ کو بخش دے۔[5]

ایک روز مشرکین نے ان کو پانی میں اس قدر غوطے دیئے کہ بالکل بدحواس ہوگئے، یہاں تک کہ اسی حالت میں ان جفا کاروں نے جو کچھ چاہا ان کی زبان سے اقرار کرالیا، اس کے بعد اس مصیبت سے گلوخلاصی ہوگئی، تاہم غیرت ملی نے عرق عرق (پسینہ پسینہ) کر دیا، دربار نبوت میں حاضر ہوئے تو آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا، آنحضرت ﷺ نے پوچھا، "عمارؓ کیا خبر ہے؟" عرض کی "یارسول اللہ! نہایت ہی بری خبر ہے" آج مجھے اس وقت تک مخلصی نہ ملی جب تک میں نے آپ کی شان میں برے الفاظ اور ان کے معبودوں کے حق میں کلمات خیر استعمال نہ کیے" ارشاد ہوا "تم اپنا دل کیسا پاتے ہو؟" عرض کی "میرا دل ایمان سے مطمئن ہے سرورکائنات ﷺ نے نہایت

---

[1] فتح الباری جلد ۷ص ۷۱ و اسد الغابہ جلد ۴ص ۴۴
[2] ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۷۷
[3] اصابہ تذکرہ سمیہؓ ام عمارؓ
[4] مستدرک حاکم جلد ۳ص ۳۸۸،
[5] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۸

شفقت کے ساتھ ان کی آنکھوں سے آنسو کے قطرے پونچھے، فرمایا'' کچھ مضائقہ نہیں اگر چہ پھر ایسا ہی کرو'' اس کے بعد ہی قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی۔[1]

من کفر باللّٰہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان

(نحل ۱۶: ۱۰۶)

جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کرے مگر وہ مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے (اس سے کوئی مواخذہ نہیں)

ایک مرتبہ حضرت سعید بن جبیرؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ'' کیا قریش مسلمانوں کو اس قدر اذیت پہنچاتے تھے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دینے پر مجبور ہو جائیں؟ بولے'' خدا کی قسم ہاں! وہ ان کو مارتے تھے، بھوکا اور پیاسا رکھتے تھے، یہاں تک کہ ضعف اور کمزوری سے وہ اٹھنے بیٹھنے سے بھی مجبور ہو جاتے تھے، اسی حالت میں جو کچھ چاہتے تھے ضمیر کے خلاف ان سے اقرار کرا لیتے تھے،[2] غرض حضرت عمارؓ بھی انہیں گرفتاران مصائب میں تھے، جنہوں نے راہ خدا میں صبر و استقامت کے ساتھ ناگوں مصائب اور مظالم اور برداشت کیے، لیکن آئینہ دل سے توحید کا عکس زائل نہ ہوا، ضعیفی کے عالم میں جن لوگوں نے ان کی پیٹھ ننگی دیکھی تھی، وہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت تک کثرت کے ساتھ سیاہ لکیریں، تپتی ہوئی ریت اور دہکتے ہوئے انگاروں کے داغ ان کی پیٹھ میں موجود تھے۔[3]

ہجرت..... ان کے حبشہ کی ہجرت کے متعلق ارباب سیر میں اختلاف ہے، بعضوں کا خیال ہے کہ وہ دوسری، ہجرت میں شریک تھے، مدینہ کی ہجرت کا عام حکم ہوا تو حضرت عمارؓ نے بھی اس سرزمین امن کی راہ لی، اور حضرت مبشر بن عبدالمنذرؓ کے مہمان ہوئے، آنحضرت ﷺ نے یہاں حضرت حذیفہؓ بن الیمان انصاری سے بھائی چارہ کرا دیا، اور مستقل سکونت کیلئے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا۔[4]

تعمیر مسجد...... مدینہ کی ہجرت کے چھ سات مہینوں کے بعد مسجد نبویؐ کی بنیاد ڈالی گئی، سرور کائنات نے صحابہ کرامؓ کے جوش دلانے کے لئے خود کام میں حصہ لیا، حضرت عمارؓ اینٹ گارا لا لا کر دیتے تھے اور زبان پر رجز جاری تھا۔

نحن المسلمون نبتنی المساجدا[5]

''ہم مسلمان ہیں، ہم مسجد بناتے ہیں''

حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ لوگ ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور حضرت عمارؓ دو دو

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۸
[2] اسد الغابہ تذکرہ عمارؓ
[3] ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۷
[4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۹
[5] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۹

اینٹ اٹھاتے تھے، ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے گذرے تو آپ نے نہایت شفقت سے سر سے غبار صاف کر کے فرمایا افسوس عمارؓ تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا، تم اسے خدا کی طرف سے دعوت دو اور وہ تمہیں جہنم کی طرف بلائے گا۔[۲]

ایک دفعہ کسی نے ان کے سر پر اس قدر بوجھ لاد دیا کہ لوگ چلا اٹھے "آج عمارؓ مر جائیں گے، آج عمارؓ مر جائیں گے" وہ اس سے پہلے بھی تکلیف مالا یطاق کی شکایت کر چکے تھے آنحضرت ﷺ نے سنا تو کچھ اینٹیں اتار کر پھینک دیں اور فرمایا "افسوس! ابن سمیہؓ تمہیں گروہ باغی قتل کرے گا"۔[۳]

غزوات...... غزوۂ بدر سے غزوہ تبوک تک جس قدر اہم معرکے پیش آئے، سب میں وہ جانبازی وشجاعت کے ساتھ امام خیر الانام ﷺ کے ہمرکاب رہے، عہد صدیق کی اکثر خونریز جنگوں میں بھی داد شجاعت دی، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ یمامہ کی جنگ میں ان کا ایک کان شہید ہو گیا، جو سامنے ہی زمین پر پھڑک رہا تھا، لیکن وہ بے پروائی کے ساتھ حملے پر حملے کر رہے تھے، اور جس طرف رخ کرتے تھے صفیں کی صفیں تہ وبالا کر دیتے تھے، ایک دفعہ مسلمانوں کے پاؤں پیچھے پڑنے لگے، انہوں نے بلند چٹان پر کھڑے ہو کر للکارا "اے گروہ مسلمانان! کیا جنت سے بھاگ رہے ہو؟ میں عمارؓ ابن یاسرؓ ہوں، آؤ میرے پاس آؤ"[۴] اس صدا نے سحر کا کام کیا، اور جنت کے شیدائی یکا یک سنبھل کر ٹوٹ پڑے۔

کوفہ کی حکومت...... خلیفہ دومؓ نے ۲۰ھ میں ان کو کوفہ کا والی بنایا، اور اہل کوفہ کے نام حسب ذیل فرمان جاری فرمایا۔

اما بعد فانی بعثت الیکم عمار بن یاسرؓ امیرا و ابن مسعود معلما و وزیرا، قد جعلت ابن مسعود علی بیت ما لکم و انهم النجباء من اصحب محمد من اهل بدر فاسمعوا لهما و اطیعوا واقتدوا بهما و قد اثرتکم با بن ام عبد علی نفسی و بعثت عثمان بن حنیف علی السواد ورزقتهم کل یوم شاة فاجعل شطرها و بطنها لعمار و الشطر الباقی بین هولاء الثلاثة[۵]

امابعد: میں عمار بن یاسرؓ کو امیر اور ابن مسعودؓ کو معلم اور وزیر مقرر کر کے بھیجتا ہوں، خزانہ کا اہتمام و انصرام بھی ابن مسعودؓ کے متعلق کیا ہے، یہ دونوں

---

[۱] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۸۷　[۲] بخاری شریف جلد ۱،
[۳] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۱
[۴] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ۱۸۱
[۵] طبقات ابن سعد قسم اول جلد جزء ثالث ص ۱۸۲

حضرت محمدؐ کے ان شریف اصحاب میں سے ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک تھے، اس لئے ان دونوں کی فرمانبرداری اطاعت اور پیروی کرو، میں نے ام عبد کے بیٹے (عبداللہ بن مسعودؓ) کو اپنے سے الگ کر کے تمہارے پاس بھیج کر تم کو اپنے اوپر ترجیح دی ہے، عثمانؓ بن حنیف کو عراق (کی پیمائش) پر مامور کر کے بھیجتا ہوں اور ان کے رسد کے لئے روزانہ ایک ایک بکری مقرر کرتا ہوں جس کا ایک حصہ اور شکم عمار کے لئے مخصوص رہے گا، اور باقی حصے ان تینوں میں منقسم ہوں گے۔

حضرت عمارؓ نے ایک سال ۹ ماہ تک نہایت خوش اسلوبی اور بیدار مغزی کے ساتھ فرائض منصبی انجام دیئے، لیکن اسی اثناء میں اہل بصرہ اور اہل کوفہ کی باہمی منافست اور حضرت عمارؓ کی غیر جانبداری نے کوفہ کے رئیسوں کو ان سے ناراض کر دیا، واقعہ کی تفصیلی کیفیت یہ ہے۔

بصرہ کی کثرتِ آبادی کے لحاظ سے اس صوبہ کا رقبہ نہایت مختصر تھا، اس بنا پر عمرو بن سراقہ نے بصرہ والوں کی طرف سے دربار خلافت میں درخواست کی کہ کوفہ کے وسیع علاقہ سے ماہ یا ماسبذان کا پرگنہ بصرہ میں شامل کر دیا جائے، کوفہ والوں کو خبر ہوئی تو وہ حضرت عمارؓ بن یاسر والی کوفہ سے خواستگار ہوئے، کہ وہ اس کی مخالفت کریں اور رامہرمز اور ایذج کے اضلاع پر بھی اپنا دعویٰ پیش کریں، کیونکہ ان دونوں کو اہل بصرہ کی اعانت وامداد کے بغیر ہم لوگوں نے فتح کیا تھا، لیکن حضرت عمارؓ نے سرد مہری کے ساتھ اس کو ٹال دیا، اور فرمایا "مجھے ان جھگڑوں کی کیا ضرورت ہے" اس پر ایک کوفی رئیس عطارد نے غضبناک ہو کر کہا "اے کن کٹے! پھر تو ہم سے خراج کس بنا پر طلب کرتا ہے؟" حضرت عمارؓ صرف یہ کہہ کر خاموش رہے "افسوس تم نے میرے سب سے زیادہ بہتر اور محبوب کان کو گالی دی۔[۱]

غرض حضرت عمارؓ نے اس معاملہ میں بالکل غیر جانبداری اختیار کر لی، اور کوفہ والوں کے احتجاج کے باوجود رامہرمز، ایذج اور ماہ کا علاقہ بصرہ میں شامل کر دیا گیا، یہ نقصان ایسا نہ تھا جو والی کی طرف سے اہل کوفہ کے دلوں میں ناراضگی کی گرہ نہ ڈالتا، اس کے بعد ہی شکوہ شکایت اور سازش کا سلسلہ شروع ہوا، اور امیر المؤمنین کو باور کرایا گیا کہ وہ اس منصب کی اہلیت نہیں رکھتے، انجام کار دار الخلافہ بلا کر اس عہدہ سے معزول کیے گئے۔[۲] حضرت عمرؓ نے معزولی کے بعد دوسرے روز بلا کر پوچھا کہ "تم میرے اس طریق عمل سے کچھ ناراض تو نہ ہوئے؟" بولے "جب آپ پوچھتے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ میں نہ تو پہلے اپنی تقرری سے خوش ہوا تھا اور نہ اب اپنی معزولی سے ناراض ہوں"۔[۳]

---

۱ تاریخ طبری ص ۲۶۷۶　　۲ تاریخ طبری ص ۲۶۷۷

۳ ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۳

تحقیقات پر مامور ہونا..... خلیفہ ثالثؓ کے عہد حکومت میں تمام ملک شورش وفتنہ پردازی کا آماجگاہ ہوگا، ۳۵ھ میں خلیفہ وقت نے اس شورش کے اصلی اسباب کی تحقیق وتفتیش کے لئے ایک تحقیقاتی کمیشن مرتب کیا، حضرت عمارؓ بن یاسر بھی اس کے ایک رکن قرار پائے اور فتنہ پردازی کے اصلی مرکز صوبہ مصر کی طرف روانہ کئے گئے۔

خلیفہ ثالثؓ سے اختلاف..... تحقیقاتی کمیشن کے تمام ارکان نے بہت جلد اپنے متعلقہ مقامات سے واپس آکر قابل اطمینان رپورٹ پیش کردی، لیکن حضرت عمارؓ کی واپسی میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی، اور دار الخلافہ میں ان کی نسبت طرح طرح کے خیالات پیدا ہونے لگے، یہاں تک کہ عبداللہ بن ابی سرح والی مصر کے ایک خط نے توقف کی اصلی وجہ ظاہر کردی، اس خط کے فقرے یہ ہیں

ان عمار اقد استماله قوم بمصر و قد انقطعوا اليه منهم عبدالله بن السوداء و خالد بن بلجم و سودان بن حمران و كنانة بن بشر

''عمار کو مصر کی ایک قوم نے اپنا طرفدار بنالیا ہے اور ان میں سے عبداللہ بن السودا اور خالد بن ملجم سوڈان بن حمران اور کنانہ بن بشر ان کی طرف جاملے ہیں''۔[1]

غرض وہ مصر سے واپس آئے تو انقلاب پسند جماعت کا اثر ان کے خیالات میں نمایاں تھا، عام مجمعوں میں علانیہ حضرت عثمانؓ کے طرز حکومت اور عمال کی بے اعتدالیوں پر نکتہ چینی کرتے تھے، یہاں تک کہ اسی حالت میں کبھی کبھی طرفداران خلافت سے جھڑپ بھی ہوگئی ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کے غلاموں نے ان کو اس قدر مارا کہ تمام جسم ورم کرگیا، شکم میں خراش آگئی اور پسلی کی ایک ہڈی کو سخت صدمہ پہنچا، بنی مخزوم نے جن سے جاہلیت میں حلف وموالات کا تعلق تھا یہ سن کر شانہ خلافت کو گھیر لیا اور دھمکی دی کہ اگر عمار بن یاسرؓ اس صدمہ سے جانبر نہ ہوں گے تو ہم ضرور انتقام لیں گے۔[2]

اس قسم کے واقعات سے اختلاف کی خلیج روز بروز زیادہ وسیع ہوتی گئی، یہاں تک کہ جب مصری مفسدین مدینہ پہنچے اور حضرت عثمانؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی معرفت کہلا بھیجا کہ وہ اپنے اثر سے ان کو واپس کردیں تو انہوں نے صاف انکار کردیا،[3] بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ محاصرہ کی کاروائی میں شریک تھے۔

سفارت کوفہ..... حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد خلافت کا بارگراں حضرت علیؓ کے سر ڈالا گیا، حضرت عمارؓ کو ان سے جو خاص انس وخلوص تھا اس کے لحاظ سے تمام مہمات امور میں وہ ان کے دست وبازو ثابت ہوئے، حضرت عائشہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ وغیرہ نے جب

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۹۴۳
[2] استیعاب جلد ۲ ص ۴۳۴،
[3] طبری

شہید خلیفہ کے قصاص کا مطالبہ کر کے جنگی تیاریوں کے لئے بصرہ کا رخ کیا تو خلیفہ چہارمؓ کے حکم سے وہ حضرت امام حسنؓ کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے کہ اہل کوفہ کو خلافت کے تحفظ و حمایت پر آمادہ کریں۔

حضرت عمارؓ کوفہ پہنچے تو حضرت ابوموسیٰؓ اشعریؓ جامع مسجد میں ایک مجمع کے سامنے غیر جانبداری کا وعظ بیان فرما رہے تھے، حضرت امام حسنؓ نے ان سے فرمایا

''تم ابھی ہماری مسجد سے نکل جاؤ'' اور منبر پر کھڑے ہو کر ایک نہایت پر جوش تقریر کی،[۱] حضرت عمارؓ بھی ان کے ساتھ منبر پر چڑھ گئے اور تقریر کرتے ہوئے فرمایا ''صاحبو! بیشک میں جانتا ہوں کہ حضرت عائشہؓ دنیا اور آخرت میں حضرت سرور کائنات ﷺ کی حرم محترم ہیں، لیکن اس وقت خدا تمہاری آزمائش کر رہا ہے کہ تم اس کی فرمانبرداری کرتے ہو یا عائشہؓ کا ساتھ دیتے ہو،[۲] حجر بن عدی نے حضرت عمارؓ کی تائید کی، اور دوسرے روز صبح کے وقت تقریباً ساڑھے نو ہزار جانباز سپاہیوں کی ایک فوج گراں حضرت عمارؓ کے ساتھ ہوگئی۔[۳]

جنگِ جمل ...... ماہ جمادی الاخری ۳۶ھ میں دونوں طرف کی فوجیں مقام ذی قار میں مجتمع ہوئیں، حضرت زبیرؓ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت عمارؓ بھی حضرت علیؓ کے ساتھ ہیں تو انہیں نظر آنے لگا کہ وہ غلطی پر ہیں کیونکہ رسول ﷺ نے فرمایا تھا کہ حق عمارؓ کے ساتھ ہے اور باغی گروہ ان کو قتل کرے گا، اس کے ساتھ ہی حضرت علیؓ نے ایک ایسی بات یاد دلائی کہ وہ اس وقت اس خانہ جنگی سے کنارہ کش ہوگئے۔

جمعرات کے روز جنگ شروع ہوئی، حضرت عمارؓ میسرہ پر متعین تھے، چونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ حق کا ساتھ دے رہے ہیں، اس لئے غیر معمولی جوش سے لڑے، یہاں تک کہ حامیان خلافت کی فتح پر اس افسوس ناک جنگ کا خاتمہ ہوا۔[۴]

جنگ صفین ...... جنگ جمل کے بعد امیر معاویہؓ سے صفین کا معرکہ پیش آیا، حضرت عمارؓ اس جنگ میں بھی حضرت علیؓ کی طرف تھے، اس وقت ۹۱ برس کا ان کا سن تھا، لیکن حمایت حق کے جوش نے اکانوے (۹۱) برس کے بوڑھے کو شجاعت و جانبازی کا مجسم پتلا بنا دیا تھا، رعد کی طرح گرجتے ہوئے جس طرف گھس جاتے تھے، صفیں کی صفیں درہم برہم کر دیتے تھے، ایک دفعہ اثنائے جنگ میں حضرت امیر معاویہؓ کے علم بردار حضرت عمرو بن العاصؓ پر نظر پڑی تو بولے ''میں اسی علمبردار سے تین دفعہ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں لڑ چکا ہوں، اب یہ چوتھی مرتبہ ہے، خدا کی قسم! اگر وہ ہم کو شکست دیتے ہوئے مقام ہجر تک بھی پسپا کر دیں جب بھی میں یہی سمجھوں گا کہ ہم حق پر ہیں، اور

---

[۱] اخبار الطوال ص ۱۴۶
[۲] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۵،
[۳] اخبار الطوال ص ۱۴۷ ۔ [۴] اخبار الطوال ص ۴۹

وہ غلطی پر[1]

شہادت...... ایک روز شام کے وقت جب آفتاب غروب ہو رہا تھا، اور جنگ پورے زور کے ساتھ جاری تھی، حضرت عمارؓ دودھ کے چند گھونٹ حلق سے فرو کر کے بولے "رسول خدا ﷺ نے مجھ سے فرمایا ہے کہ دودھ کا یہ گھونٹ تیرے لئے دنیا کا آخری توشہ ہے"، اور کہتے ہوئے غنیم کی صف میں گھس گئے کہ "آج میں اپنے دوستوں سے ملوں گا، آج میں محمد ﷺ اور ان کے گروہ سے ملوں گا"[2] کچھ ایسے عزم واستقلال سے حملہ آور ہوئے تھے کہ جس طرف نکل گئے پرے کا پرا صاف ہو گیا، اور جس پر وار کیا ڈھیر ہو کر رہ گیا،، واقف کار مسلمان ان پر ہاتھ اٹھانے سے پہلو بچاتے تھے، اور لیکن اس حالت میں ابن الغادیہ کے نیزہ نے ان کو مجروح کر کے زمین پر گرا دیا، اور دوسرے شامی نے بڑھ کر سرتن سے جدا کر دیا، یہ دونوں قاتل جھگڑتے ہوئے امیر معاویہؓ کے دربار میں پہنچے، کیونکہ ان میں ہر ایک اس کارنامہ کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے، حضرت عمرو بن العاصؓ حاضر دربار تھے، انہوں نے کہا "تمہاری یہ کیا حالت ہے؟ جو لوگ ہمارے لئے اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں، ان کو ایسا کہتے ہو" بولے خدا کی قسم! ایسا ہی ہے، کاش آج سے بیس برس پہلے مجھے موت آگئی ہوتی"[3]

حضرت عمرو بن العاصؓ کو حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کی شہادت سے سخت پریشانی لاحق ہوئی اور اس جنگ سے کنارہ کش ہونے کے لئے تیار ہو گئے، لیکن حضرت امیر معاویہؓ نے یہ کہہ کر تسلی دی کہ عمارؓ کے قاتل ہم نہیں ہیں بلکہ وہ جماعت ہے، جو ان کو میدان جنگ میں لائی ہے[4]

حضرت عمارؓ کی شہادت سے درحقیقت حق و ناحق کا فیصلہ ہو گیا، حضرت خزیمہ بن ثابتؓ جنگ جمل اور معرکہ صفین میں شریک تھے، لیکن اس وقت تک کسی طرف سے اپنی تلوار بے نیام نہیں کی تھی، حضرت عمارؓ کی شہادت نے ثابت کر دیا کہ انہیں حیدر کرارؓ کا ساتھ دینا چاہیے چنانچہ اس کے بعد تلوار کھینچ کر شامی فوج پر ٹوٹ پڑے اور شاید کشت و خون کے بعد شہادت حاصل کی،[5] اسی طرح تمام دوسرے محتاط صحابہ بھی جو پس و پیش کر رہے تھے، اس صریح فیصلہ کے بعد حضرت علیؓ کے طرفدار ہو گئے۔

تجہیز و تکفین...... حضرت علیؓ نے جب اپنے مونس و جانثار کی شہادت کی خبر سنی تو آہ سرد کھینچ کر فرمایا "خدا نے عمارؓ پر رحم کیا، جس دن اسلام لائے، خدا نے رحم کیا، جس دن شہید ہوئے، اور

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۵
[2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۴
[3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۵
[4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۰، اور مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۸۷
[5] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۷

خدا ان پر رحم کرے گا، جس دن زندہ اٹھائے جائیں گے، میں نے ان کو اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دیکھا تھا جب کہ صرف چار یا پانچ صحابہؓ کو اعلان ایمان کی توفیق عطا ہوئی تھی، قدیم صحابہؓ میں سے کوئی بھی ان کی مغفرت میں شک نہیں کرسکتا، عمارؓ اور حق ولازم وملزوم تھے، اس لئے ان کا قاتل یقیناً جہنمی ہوگا' اس کے بعد تجہیز وتکفین کا حکم دیا، خود جنازہ کی نماز پڑھائی اور خون آلود پیراہن کے ساتھ ۹۱ برس کی عمر میں اس حامی حق کو زیر زمین نہاں کردیا۔[1] انا للہ و انا الیہ راجعون، کوفہ کی زمین کو صحابی رسول ﷺ کو اپنے دامن میں لینے کا یہ پہلا موقع تھا۔[2]

اخلاق...... حضرت عمارؓ معدن اخلاق گراں مایہ جواہر سے لبریز تھا، جفاکشی، استقامت، استقلال اور حقانیت کے واقعات پہلے گذر چکے ہیں، ورع وتقویٰ کے باعث سکوت وکم سخنی ان کا خاص شعار تھا، فتنہ وفساد سے ہمیشہ پناہ مانگا کرتے تھے، لیکن خدا نے سب سے بڑے فتنہ میں ان کا امتحان لیا اور کامیابی کے ساتھ حق کا طرف دار بنا دیا۔[3]

سادگی، تواضع اور خاکساری کا یہ حال تھا کہ فرش خاک ان کے لئے سب سے زیادہ راحت بخش بستر تھا غزوۂ ذات العشیرہ کے موقع پر بنی مدلج کے چند آدمی ایک نخلستان سے نہر نکال رہے تھے، حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا ''ابوالیقظان چلو دیکھیں یہ لوگ کیا کر رہے ہیں'' غرض وہاں پہنچ کر گھنٹوں تماشا دیکھتے رہے، یہاں تک کہ نیند کا غلبہ ہوا، اور دونوں اسی جگہ ایک درخت کے نیچے فرش خاک پر بے تکلفی کے ساتھ سو رہے۔[4]

عہد فاروقی میں کوفہ کے والی تھے، لیکن ایک گورنر کی سادگی و بے تکلفی یہ تھی کہ خود بازار جا کر سودا سلف خریدتے، اور اپنی پیٹھ پر لاد کر لے آتے تھے، اسی طرح اپنا تمام کام خود اپنے ہاتھ سے کر لیتے تھے، حضرت مطرفؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کوفہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا، اثنائے گفتگو میں حضرت علیؓ کی بعض بے اعتدالیوں کا تذکرہ آیا تو ایک شخص نے جو وہاں بیٹھا ہوا، اپنے چرمی پیراہن میں پیوند ٹانک رہا تھا، برہم ہوکر کہا ''اے فاسق کیا! تو امیر المومنین کی مذمت کر رہا ہے؟'' میرے دوست نے عفو خواہی کر کے کہا ''ابوالیقظان! جانے دو یہ میرے مہمان ہیں'' اس وقت میں نے پہچانا کہ عمارؓ بن یاسرؓ یہی ہیں۔[5]

حضرت عمارؓ کا ہر ایک قدم صرف خدا پاک کی خوشنودی ورضامندی کی راہ میں اٹھتا تھا، جنگ جمل اور غزوہ صفین میں بھی درحقیقت اسی مطمح نظر نے حضرت علیؓ کے زیر علم لاکر کھڑا کیا،

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۷،
[2] مستدرک جلد ۳ ص ۳۸۲
[3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۳
[4] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۳
[5] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۲

صفین کی فوج کشی میں ساحل فرات کی راہ سے میدان جنگ کی طرف بڑھ رہے تھے، اور بار بار کہتے جاتے تھے، ''اے خدا! اگر میں جانتا کہ پہاڑ سے کود کر آگ میں جل کر یا پانی میں ڈوب کر جان دینا تیری خوشنودی کا باعث ہوگا تو ضرور تجھے خوش کرتا، میں لڑنے جاتا ہوں، لیکن اس میں بھی تیری رضا جوئی مقصود ہے، امید ہے کہ اس مقصد میں تو مجھے ناکام نہ رکھے گا''[1] آپ کی اخلاقی عظمت اور قوتِ ایمانی کا ضامن خود آنحضرت ﷺ کا یہ قول کہ ''عمارؓ کے رگ و پے میں ایمان سرایت کیے ہوئے ہے،'' اور شیطان سے مامون رہنے کی دعا ہے۔[2]

مذہبی زندگی...... حضرت عمارؓ کو خدائے واحد کی عبادت و پرستش میں خاص لطف حاصل ہوتا تھا، رات رات بھر نماز اور وظائف میں مشغول رہتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ. (زمر: ۱)

''کیا وہ شخص جو رات و بندگی کرتا ہے سجدہ کرکے اور کھڑا ہو کر آخرت سے خوف کھاتا ہے اور اپنے خدا کی رحمت کا امیدوار رہتا ہے (کہیں نافرمان بندوں کے برابر ہو سکتا ہے)''۔

حضرت عمارؓ کی نسبت نازل ہوئی ہے،[3] خشوع و خضوع اور توجہ الی اللہ کو نماز کی اصل روح سمجھتے تھے، ایک دفعہ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو جلدی جلدی دوگانہ ادا کرکے بیٹھ رہے، لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اس قدر عجلت کیوں کی؟ بولے اس وقت مجھے شیطان سے مسابقت کرنا پڑی''[4] معذوری کی حالت میں بھی نماز قضا نہیں ہوتی تھی، ایک مرتبہ سفر کے موقع پر غسل کی حاجت پیش آئی اور باوجود سعی و کوشش کے پانی دستیاب نہ ہوا، چونکہ جانتے تھے کہ مٹی پانی کا نعم البدل ہے، اس لئے تمام جسم پر خاک مل کر نماز پڑھ لی، جب سفر سے واپس آئے اور آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو ارشاد ہوا ''ایسی حالت میں بھی صرف تیمم کافی ہے''[5]

جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے منبر پر بیٹھ کر عموماً سورہ یسین تلاوت فرماتے تھے[6] خطبہ نہایت فصیح و بلیغ ہوتا تھا اور اس میں ایجاز و اختصار خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے، ایک دفعہ کسی نے اس اختصار پر اعتراض کیا تو بولے کہ ''رسول ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ نماز کو طول دینا اور خطبہ مختصر کرنا انسان کی سمجھ کی علامت ہے۔''[7]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جز و ثالث ص ۱۸۴
[2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۳
[3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۸۷
[4] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۳
[5] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۳
[6] طبقات ابن سعد قسم اول جز و ثالث ص ۱۸۲
[7] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۳

حلیہ...... حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، نرگسی آنکھیں، سینہ چوڑا اور بدن خوب بھرا ہوا، شہادت کے وقت گو ان کی عمر نوے، اکانوے برس کی تھی تاہم بظاہر پیری کے آثار بہت کم طاری ہوئے تھے[1]

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۹

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ

نام ونسب...... عبداللہ نام، ابو محمد اور ابو عبدالرحمان کنیت، والد کا نام، عمرو بن العاصؓ اور والدہ کا نام ریطہ بنت منبہ تھا، شجرہ نسب یہ ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بن وائل بن ہاشم بن معبد بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی القرشی

اسلام...... حضرت عبداللہؓ اپنے والد حضرت عمرو ابن العاصؓ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔[1]

مصاحبت رسول...... وہ دربار نبوتؐ میں اکثر حاضر رہتے تھے، اور آنحضرت ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے جو کچھ سنتے تھے اس کو لکھ لیتے تھے، ایک مرتبہ قریش کے چند بزرگوں نے ان کو اس سے منع کیا اور کہا کہ "رسول اللہ ﷺ حالت غیظ وانبساط میں خدا جانے کیا کچھ فرماتے ہیں، آپ سب کو قلمبند نہ کیا کیجئے"[2]

رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت سے جو وقت بچتا تھا وہ تمام تر یادحق میں صرف ہوتا تھا، دن عموماً روزوں میں بسر ہوتا، اور رات عبادت میں گذر جاتی تھی، رفتہ رفتہ یہ مشغلہ اس قدر بڑھا کہ اہل و عیال اور تمام دنیاوی تعلقات سے کنارہ کش ہوگئے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے دربار نبوت میں ان کی اس راہبانہ زندگی کی شکایت کی تو آپ نے ان کو بلا کر اپنے والد کی اطاعت کی تاکید کی اور فرمایا "عبداللہ! روزے رکھو اور افطار کرو، نمازیں پڑھو اور آرام کرو، نیز بیوی بچوں کا حق ادا کرو، یہی میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقے سے اعراض کریگا وہ میری امت سے نہیں ہے"[3]

غزوات...... عہد نبوت کے بعض غزوات میں شریک تھے، جہاد وفوج کشی کے موقع پر عموماً سواری و بار برداری کا اہتمام ان کے سپرد ہوتا تھا، ایک مرتبہ عمرو بن حریش نے ان سے پوچھا "ابو محمد! ہم لوگ ایسی جگہ رہتے ہیں جہاں درہم ودینار کا چلن نہیں، مویشی اور جانور ہمارے مال واسباب ہیں، ہم آپس میں بکریوں کے عوض اونٹ گائے کے بدلے گھوڑے اور گھوڑوں کے عوض اونٹ ادھار خرید وفروخت کرتے ہیں، اس میں کوئی مضائقہ تو نہیں؟" فرمایا

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۳
[2] مسند احمد جلد ۲ ص ۱۹۲
[3] مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۵۸

تم ایک واقف کار شخص کے پاس آئے ہو، ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو شتر سواروں کی ایک فوج مرتب کرنے کا حکم دیا، چنانچہ میرے اہتمام میں جس قدر اونٹ تھے ایک ایک کرکے سب پر لوگوں کو میں نے سوار کرایا، تاہم کچھ لوگ ایسے رہ گئے جن کے پاس کوئی سواری نہ تھی، میں نے بارگاہ نبوت میں عرض کی "یا رسول! تمام سواریاں تقسیم ہوگئیں، لیکن پھر بھی ایک جماعت ایسی رہ گئی جس کو کوئی سواری نہ مل سکی" ارشاد ہوا کہ "ایک اونٹ کے عوض صدقہ کے دو دو تین تین اونٹوں کا وعدہ کرکے کچھ اونٹ خرید لو" چنانچہ اس طرح میں نے حسب ضرورت اونٹ فراہم کر لئے۔[۱]

جنگ یرموک...... یرموک کی عظیم الشان جنگ میں ایک نہایت جانبازی کے ساتھ سرگرم پیکار تھے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس جنگ میں اپنا علم قیادت ان کے ہاتھوں میں دے دیا تھا۔[۲]

واقعہ صفین...... حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت امیر معاویہؓ کی طرفدار تھے، اس لئے جب واقعہ صفین پیش آیا، تو انہوں نے حضرت عبداللہؓ کو امیر معاویہؓ کی فوج میں شریک ہونے پر مجبور کیا لیکن، درحقیقت وہ اس خانہ جنگی سے سخت متنفر تھے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جنگ میں عملاً کوئی حصہ نہیں لیا اور بارہا اپنے والد کو اس سے کنارہ کش ہونے کا مشورہ دیا۔[۳]

حضرت عمارؓ بن یاسر حضرت علیؓ کی طرف سرگرم پیکار تھے، وہ شہید ہوئے تو حضرت عبداللہؓ کو رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی یاد آگئی اور اپنے والد سے مخاطب ہو کر کہا "کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ افسوس! ابن سمیہ کو گروہ باغی قتل کرے گا؟" حضرت عمرو بن العاصؓ نے امیر معاویہؓ کو طرف دیکھ کر کہا "آپ نہیں جانتے عبداللہ کیا کہہ رہے ہیں؟ امیر معاویہؓ نے تاویل کرتے ہوئے کہا "یہ ہمیشہ ایک نیا طرفہ لے کر آتے ہیں کیا عمارؓ کو ہم نے قتل کیا ہے؟ درحقیقت ان کے قتل کی ذمہ داری اس پر ہے جو ان کو اپنے ساتھ لایا"[۴]

حضرت عمار بن یاسرؓ پر دو آدمیوں نے ایک ساتھ حملہ کیا تھا، وہ دونوں جھگڑتے ہوئے امیر معاویہؓ کے دربار میں آئے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اس کارنامہ کو تنہا اپنی طرف منسوب کرتا تھا، حضرت عبداللہ بن عمروؓ حاضر دربار تھے، انہوں نے کہا "تم میں سے کسی کو خوشی اپنے کا دعوی تسلیم کر لینا چاہیے، کیونکہ میں نے رسالت پناہ ﷺ سے سنا ہے کہ عمارؓ کو گروہ باغی قتل کرے گا" امیر معاویہؓ نے برہم ہو کر ان کے والد سے کہا! عمرو! تم اپنے اس مجنون کو مجھ سے الگ نہیں کرو گے؟ اور خود ان سے کہا "اگر ایسا ہے تو تم کیوں میرے ساتھ ہو؟" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جواب دیا "میں صرف اس لئے آپ کے ساتھ ہوں کو رسول اللہ ﷺ نے مجھے ہدایت فرمائی کہ جب تک زندہ رہنا اپنے باپ کے مطیع فرمان بردار رہنا"۔[۵]

---

[۱] دار قطنی، [۲] اسد الغابہ جلد ص ۲۳۴
[۳] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶ [۴] مسند احمد جلد ۲ ص ۱۶۱
[۵] ایضاً ص ۲۰۶

گو اس خانہ جنگی میں حضرت عبداللہؓ کا دامن قتل و خونریزی سے ملوث نہیں ہوا تھا تاہم وہ اس نام نہاد شرکت پر بھی سخت نادم و پشیمان ہوتے، نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے ''میں اور صفین میں اور مسلمانوں کی خونریزی، کاش! اس سے بیس سال پہلے میں دنیا سے اٹھ گیا ہوتا۔''[1]

اعتذار...... حضرت رجاءؓ فرماتے ہیں کہ مسجد نبویؐ میں ایک مرتبہ ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا عبداللہ بن عمروؓ اور ابوسعید خدریؓ بھی موجود تھے، عبداللہ بن عمروؓ نے (حضرت امام حسین بن علی) کو آتے ہوئے دیکھا کر کہا ''کیا تمہیں اس شخص سے آگاہ نہ کروں جو آسمان والوں کے نزدیک دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہے؟'' لوگوں نے کہا ''کیوں نہیں؟ فرمایا'' وہ یہ ہے جو تمہارے سامنے ٹہل رہا ہے، واقعہ صفین کے بعد سے مجھ سے کوئی گفتگو نہیں ہوئی، حالانکہ اس کی خوشنودی میرے نزدیک تمام دنیا سے محبوب ہے، حضرت ابوسعید خدریؓ نے کہا ''کیا آپ ان سے مل کر عذرخواہی نہ کریں گے؟'' بولے کیوں نہیں؟ دوسرے روز ابوسعید خدریؓ کو ساتھ لے کر عذرخواہی کے لئے تشریف لے گئے، حضرت امام حسینؓ کو ان ملنے میں پس و پیش تھا، لیکن عبداللہ بن عمروؓ نے اصرار کے بعد اندر آنے کی اجازت حاصل کر لی اور واقعہ صفین میں اپنی شرکت کی عذرخواہی کرتے ہوئے کہا ''رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق میں اپنے والد کی اطاعت پر مجبور تھا، لیکن خدا کی قسم! میں نے اس جنگ میں نہ تو اپنی تلوار برہنہ کی، نہ نیزہ سے کسی کو زخمی کیا اور نہ کوئی تیر چلایا۔''[2]

وفات...... ۶۵ھ میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے فسطاط میں وفات پائی، لوگوں نے ان کو گھر ہی میں دفن کر دیا، کیونکہ اس زمانہ میں مروان بن الحکم اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی فوجوں میں نہایت شدید جنگ ہو رہی تھی، اور جنازہ کا عام قبرستان تک پہنچانا سخت دشوار تھا۔[3]

حلیہ...... یہ تھا قد بلند بالا، پیٹ بھاری، رنگ سرخ، اخیر عمر میں سر اور داڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے۔

علم و فضل...... حضرت عبداللہ بن عمروؓ اپنے علم و فضل کے لحاظ سے طبقہ صحابہؓ میں خاص امتیاز رکھتے تھے، انہوں نے اپنی مادری زبان کے علاوہ عبرانی میں بھی مخصوص دستگاہ حاصل کی تھی، اور توریت و انجیل کا نہایت غور سے مطالعہ کیا تھا، احادیث نبویؐ کا جس قدر کثیر ذخیرہ ان کے پاس تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ تک کو اعتراف تھا کہ ''عبداللہ بن عمروؓ کو مجھ سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں، کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتے تھے لکھ لیتے تھے، اور میں لکھتا نہ تھا''۔[4]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۴، [2] ایضاً،
[3] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶ [4] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶

مجموعہ حدیث کے پہلے مدون...... انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات وملفوظات کا ایک مجموعہ جمع کیا تھا جس کا نام صادقہ رکھا تھا چنانچہ جب ان سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جاتا جس کے متعلق انہیں زبانی کچھ یاد نہ ہوتا تو وہ اس میں دیکھ کر جواب دیتے تھے، ابوقبیل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے پوچھا کہ "قسطنطنیہ پہلے فتح کیا جائے گا یا رومیہ؟ ان کو زبانی یاد نہ تھا، انہوں نے صندوق منگا کر ایک کتاب نکالی اور اس کو ایک نظر دیکھ کر فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے لکھ رہے تھے، کہ کسی نے یہی سوال کیا، ارشاد ہوا کہ ہرقل کا شہر (یعنی قسطنطنیہ) پہلے فتح کیا جائے گا" ۔[1]

حضرت عبداللہؓ اس مجموعہ کو نہایت عزیز رکھتے تھے، حضرت مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور بستر کے نیچے سے ایک کتاب نکال کر دیکھنے لگا، انہوں نے منع کیا، میں نے کہا "آپ تو مجھ کو کسی چیز سے منع نہ فرماتے تھے، یہ کیا ہے؟" فرمایا "یہ وہ صحیفۂ حق ہے جس کو میں نے تنہا رسول ﷺ سے سن کر جمع کیا تھا" پھر فرمایا اگر یہ صحیفہ اور قرآن اور وعظ کی جاگیر مجھ کو دے دی جائے تو پھر مجھ کو دنیا کی کچھ پرواہ نہ ہو" ۔[2]

مرویات کی تعداد...... حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی مرویات کی تعداد سات سو (۷۰۰) ہے جس میں ۱۷ بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں، ان متفق علیہ حدیثوں کے علاوہ ۸ بخاری میں ہیں اور ۲۰ مسلم میں ۔[3]

حلقۂ درس...... حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا، لوگ دور دراز ممالک سے سفر کرکے تحصیل حدیث کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور جہاں پہنچ جاتے تھے، شائقین علم کا ایک مجمع ان کے گرد وپیش ہو جاتا تھا، ایک نخعی شیخ کا بیان ہے کہ "ایک مرتبہ ایلیاء کی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک شخص میرے پہلو میں آکر کھڑا ہوا، نماز کے بعد لوگ ہر طرف سے اس کے پاس سمٹ آئے، دریافت سے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ یہی ہیں" ۔[4]

وہ اپنے تلامذہ کے ساتھ نہایت محبت کے ساتھ پیش آتے تھے، ایک دفعہ ان کے گرد بہت بڑا مجمع تھا، ایک شخص اس کو چیرتا ہوا آگے بڑھا، لوگوں نے روکا تو فرمایا "اس کو آنے دو" غرض وہ ان کے پاس آکر بیٹھا اور بولا رسول اللہ ﷺ کا کوئی فرمان یاد ہو تو بیان کیجئے، فرمایا "میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ "مسلم وہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے محفوظ رہیں، اور مہاجر وہ ہے جو خدا کی منع کی ہوئی باتوں کو چھوڑ دے" ۔[5]

---

۱ مسند احمد بن حنبل ج۲ ص۱۷۶ ۲ اسد الغابہ جلد۳ ص۲۳۴،
۳ تہذیب ص۲۰۸　　۴ مسند احمد بن حنبل جلد۲ ص۱۹۸
۵ ایضاً ص۱۹۲

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے خرمن علم سے اہل بصرہ نے زیادہ خوشہ چینی کی تھی کیونکہ ان کے حلقۂ درس میں نسبتہً بصرہ والوں کا زیادہ ہجوم رہتا تھا۔[1]

ارباب علم کی قدر شناسی...... وہ اپنے علم معاصرین کی نہایت عزت کرتے تھے، ایک مرتبہ ان کے سامنے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا تذکرہ کیا گیا تو بولے "تم لوگوں نے ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا جس کو میں اس دن سے بہت دوست رکھتا ہوں جس دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو اور سب سے پہلے عبداللہ بن مسعودؓ کا نام لیا۔[2]

اخلاق...... حضرت عبداللہ بن عمروؓ اپنے زہد وتقویٰ اور کثرت عبادت کے لحاظ سے خاص شہرت رکھتے تھے، طبیعت فطرۃ رہبانت کی طرف مائل تھی، دن عموماً روزوں میں بسر ہوتا اور رات عبادت میں گذر جاتی تھی، آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے بلا کر فرمایا "عبداللہ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے عہد کیا ہے کہ تمام عمر دن کو روزے رکھو گے اور رات عبادت میں صرف کرو گے" بولے "ہاں! یا رسول اللہ! (بابی انت و امی) فرمایا کہ "تم اس کی طاقت نہیں رکھتے، روزہ رکھو اور افطار کرو، نماز پڑھو اور آرام کرو، مہینہ میں صرف تین روزے رکھا کرو کیونکہ ہر نیکی کا معاوضہ دس گنا ہوتا ہے، لیکن اس کا ثواب تمام عمر روزہ رکھنے سے برابر ہے" عرض کی "یا رسول اللہ! میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں" ارشاد ہوا کہ "ایک دن روزہ رکھو اور دو دن افطار کرو" بولے "میں اس سے بھی زیادہ رکھ سکتا ہوں" حکم ہوا کہ "ایک دن روزہ اور ایک دن افطار، داؤد علیہ السلام کا یہی طریقہ تھا اور یہ روزوں کی بہترین صورت ہے" عرض کی "میں اس سے بہتر روزے رکھ سکتا ہوں" ارشاد ہوا کہ "اس سے بہتر کوئی روزہ نہیں"۔[3]

اسلام کا مطمح نظر رہبانیت نہیں، بلکہ انسان کے تمام فطری تعلقات کو خوشگوار بنانا ہے، اس بنا پر آنحضرت ﷺ کبھی کبھی عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کو تاکید فرماتے کہ شوق عبادت میں حقوق عباد کو بھول نہ جائیں، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول ﷺ نے میرے گھر پر تشریف لا کر فرمایا کہ "روزے رکھو اور افطار کرو، نماز پڑھو اور آرام کرو، کیونکہ تمہاری آنکھوں کا تمہارے اہل وعیال کا اور تمہارے دوستوں کا تم پر حق ہے" میں نے عرض کی "حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ کیا ہے؟" ارشاد ہوا کہ "نصف عمر"۔[4]

غرض انہوں نے تمام عمر روزوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کی پیروی کی اور رات کا اکثر حصہ عبادت میں بسر کیا، تلاوت کا اس قدر شوق تھا کہ ہر تیسرے روز قرآن ختم کر لیتے تھے، لیکن

[1] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶،
[2] مسلم باب مناقب عبداللہ بن مسعودؓ
[3] بخاری باب صوم الدھر،
[4] ایضاً باب حق الجسم فی الصوم

اخیر عمر میں جب کہ قویٰ مضمحل ہو گئے تو اس قدر سخت ریاضت دشوار گذرنے لگی، فرمایا کرتے تھے، کاش! میں رسول اللہ ﷺ کی اجازت قبول کر لیتا"[1]

ذریعۂ معاش...... حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو اپنے والد سے وراثت میں بہت بڑی دولت اور بہت خدم و حشم ملے تھے، طائف میں وہط کے نام سے ان کی ایک جاگیر تھی، جس کی قیمت کا سرسری تخمینہ دس لاکھ درہم تھا،[2] حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی طرف سے یہاں زراعت ہوتی تھی[3] ایک مرتبہ عنبسہ بن ابی سفیان سے اس کے متعلق کچھ جھگڑا پیدا ہو گیا تھا، یہاں تک کہ دونوں طرف سے کشت و خون کی تیاریاں ہو گئی تھیں، خالد بن العاصؓ حضرت عبداللہؓ کو سمجھانے کے لئے آئے تھے تو انہوں نے جواب دیا، "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل کیا جائے گا وہ شہید ہے"[4]

---

[1] بخاری باب حق الجسم فی الصوم
[2] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶
[3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۴
[4] مسند احمد جلد ۱ ص ۲۰۶

حضرت صہیب بن سنانؓ

نام ونسب...... صہیب نام، ابو یحیٰ کنیت، والد کا نام سنان اور والدہ کا نام سلمٰی بنت قعید تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

صہیب بن سنان بن مالک بن عمرو بن عقیل بن عامر جندلہ بن جذیمہ بن کعب بن سعد بن ابی اسلم بن اوس مناۃ بن النمر ی بن قاسط ہنب بن افصی بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار الربعی النمر ی۔[1]

ابتدائی حالات...... حضرت صہیبؓ کا اصلی وطن ایک قریہ تھا، جو باختلاف روایت موصل کے قریب، لب دجلہ یا الجزیرہ میں واقع تھا، ان کے والد اور چچا کسریٰ کی طرف سے ابلہ کے عامل تھے، انہوں نے ابھی دنیا کی صرف چند بہاریں دیکھی تھیں، کہ رومی فوجوں نے ابلہ پر چڑھائی کی، اور دوسرے مال واسباب کے ساتھ اس نونہال کو بھی ساتھ لے گئے، سنان کے چمن زار پر اس گل سرسید کے فقدان سے خزاں آگئی، ان کی بہن امیمہ اور چچا لبید نے ان کی تلاش و جستجو میں دنیا کی خاک چھان ڈالی، تمام، مجامع، میلوں اور موسمی بازاروں کا جائزہ لیا لیکن اس یوسف گم گشتہ کا کہیں سراغ نہ لگا۔[2]

وہ رومیوں ہی میں پرورش پاکر جوان ہوئے، بنی کلب نے ان کو خرید کر مکہ پہنچایا اور اس عبداللہ بن الجد عان نے لے کر آزاد کر دیا۔[3] لیکن ایک دوسری روایت ہے کہ وہ خود بھاگ کر آئے تھے، اور عبداللہ سے صرف حلیفانہ تھا، غرض وہ مکہ میں اس کی زندگی تک اس کے ساتھ رہے۔[4]

اسلام...... مکہ میں اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو تفتیش وتحقیق کے خیال سے آستانہ نبوتؐ پر حاضر ہوئے، اتفاق سے حضرت عمارؓ بھی اسی خیال سے آرہے تھے، انہوں نے ان کو دیکھ کر پوچھا "تم کس ارادہ سے آئے ہو؟" بولے "پہلے تم اپنا مقصد ظاہر کرو، انہوں نے کہا "میں محمدؐ سے مل کر ان کی گفتگو سننا چاہتا ہوں" بولے میرا بھی یہی مقصد ہے"۔ غرض دونوں ایک ساتھ حاضر خدمت ہو کر مشرف باسلام ہوئے،[5] حضرت صہیبؓ پہلے رومی تھے جنہوں نے صدائے توحید کو لبیک کہا،

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۰، [2] اصابہ جلد ۳ ص تذکرہ صہیب بن سنانؓ،
[3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۷
[4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۱
[5] اسد الغابہ جلد ۴ تذکرہ عمارؓ بن یاسرؓ

رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ صہیبؓ روم کا پہلا پھل ہے، آپ اس وقت ارقمؓ بن ابی ارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین تھے، اور تیس سے زیادہ صحابہ کرامؓ اس دائرہ میں داخل ہو چکے تھے، جن میں سے اکثروں نے مشرکین کے خوف سے اس کو ظاہر نہیں کیا تھا۔[1]

ابتلاؤ استقامت...... حضرت صہیبؓ گو غریب الوطن تھے اور اس سر زمین کفر میں ان کا کوئی حامی ومعاون نہ تھا، تاہم غیرت ایمان نے چھپ کر رہنا پسند نہ کیا، انہوں نے ابتداء ہی میں اپنے تبدیل مذہب کا حال ظاہر کر دیا اور راہ خدا میں گونا گوں مصائب ومظالم برداشت کئے لیکن استقامت صبر اور تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا۔[2]

ہجرت...... حضرت صہیبؓ سب سے آخری مہاجر تھے، انہوں نے رخت سفر درست کر کے ہجرت کا قصد فرمایا، تو مشرکین قریش نہایت سختی کے ساتھ سد راہ ہوئے اور بولے، ''تم ہمارے یہاں مفلس ومحتاج آئے تھے، مکہ میں رہ کر دولت وثروت جمع کی، اور اب یہ تمام سرمایہ اپنے ساتھ لئے جاتے ہو، خدا کی قسم! ایسا نہ ہوگا''۔ حضرت صہیبؓ نے اپنا ترکش دکھا کر کہا ''اے گروہ قریش! تم جانتے ہو کہ میں تم لوگوں میں سے سب سے زیادہ صحیح نشانہ باز ہوں، خدا کی قسم! جب تک اس میں ایک بھی تیر ہے تم میرے قریب نہیں آسکتے، اس کے بعد پھر اپنی تلوار سے مقابلہ کروں گا، ہاں اگر مال ودولت چاہتے ہو تو کیا اس کو لے کر میرا راستہ چھوڑ دو گے؟ مشرکین نے اس پر رضامندی ظاہر کی، اور حضرت صہیبؓ اپنے مال ومنال کے عوض متاع ایمان کا سودا خرید کر مدینہ پہنچے۔[3]

حضرت خیر الانام ﷺ قباء میں حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے مہمان تھے، حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ بھی حاضر خدمت تھے، کھجوروں کا نقل ہو رہا تھا، کہ حضرت صہیبؓ پہنچے اور بھوک کی شدت سے بیتاب ہو کر اس پر ٹوٹ پڑے، چونکہ سفر میں ان کی ایک آنکھ آشوب کر آئی تھی، اس لئے حضرت عمرؓ نے تعجب سے کہا ''یارسول اللہ! آپ صہیبؓ کو ملاحظہ نہیں فرماتے کہ آشوب چشم کے باوجود کھجوریں کھا رہے ہیں۔''

آپ نے فرمایا ''صہیبؓ! تمہاری آنکھ جوش کر آئی ہے اور تم کھجوریں کھاتے ہو؟'' مزاج نہایت بذلہ سنج تھا، بولے ''میں صرف اپنی ایک تندرست آنکھ سے کھاتا ہوں'' اس حاضر جوابی سے رسول ﷺ بے اختیار ہنس پڑے۔[4]

جب بھوک کی شدت کسی قدر رفع ہوئی تو شکوہ وشکایت کا دفتر کھلا، حضرت ابوبکرؓ سے کہنے

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۲
[2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۲
[3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۲
[4] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۹

لگے کہ آپ نے باوجود وعدہ مجھے شریک سفر نہ فرمایا، حضرت رسالت مآب ﷺ سے عرض کی یارسول اللہ! آپ نے بھی خیال نہ فرمایا، قریش نے مجھے تنہا دیکھ کر روک رکھا، بالآخر تمام دولت و ثروت کے عوض اپنی جان خرید کر حاضر ہوا،[1] ارشاد ہوا ''ابویحیی! تمہاری تجارت پُر منفعت رہی، اس کے بعد ہی قرآن پاک نے اس عظیم الشان قربانی کی ان لفظاظ میں داد دی۔[2]

و من الناس من یشری نفسه ابتغاء مر ضات الله (بقره)

''لوگوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کی رضا جوئی کے لئے اپنی جانیں بیچ دیتے ہیں''۔

حضرت صہیبؓ مدینہ میں حضرت سعد بن خیثمہؓ کے مہمان ہوئے حضرت حارثؓ بن الصمہ انصاریؓ سے مواخات ہوئی۔[3]

غزوات...... تیراندازی میں کمال رکھتے تھے، غزوۂ بدر، احد، خندق اور تمام دوسرے معرکوں میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب رہے، عالم پیری میں وہ لوگوں کو جمع کر کے نہایت لطف کے ساتھ اپنے جنگی کارناموں کی دلچسپ داستان سنایا کرتے تھے۔

سہ روزہ خلافت...... حضرت عمرؓ ان سے نہایت حسن ظن رکھتے تھے اور خاص لطف و محبت کے ساتھ پیش آتے تھے، انہوں نے وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ حضرت صہیبؓ ہی ان کے جنازہ کی نماز پڑھائیں اور اہل شوری جب تک مسئلہ خلافت کا فیصلہ نہ کریں، وہ امامت کا فرض انجام دیں، چنانچہ انہوں نے تین دن تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اس فرض کو انجام دیا۔[4]

وفات...... ۳۸ھ میں پیمانہ حیات لبریز ہوگیا، ۷۲ برس کی عمر میں وفات پائی اور بقیع کے گور غریباں میں مدفون ہوئے۔[5]

اخلاق...... حضرت صہیبؓ سرچشمہ اخلاق سے بہت زیادہ مستفیض ہوئے تھے، فرماتے ہیں کہ نزول وحی سے پہلے ہی مجھے رسول ﷺ کی مصاحبت کا فخر حاصل تھا،[6] اس بنا پر ان میں تمام اوصاف حسنہ مجتمع ہوگئے تھے، حسن خلق، فضل و کمال کے ساتھ حاضر جوابی، بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی نے ان کی صحبت کو نہایت پر لطف بنادیا تھا۔[7]

مہمان نوازی، سخاوت، وغرباء پروری میں نہایت کشادہ دست تھے، یہاں تک کہ لوگوں کو اسراف کا دھوکا ہوتا تھا، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا ''صہیبؓ تمہاری باتیں مجھے

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳، ص ۱۶۳
[2] ایضاً مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۸
[3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۲
[4] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۳
[5] اسد الغابہ ۳ ص ۳۳
[6] استیعاب تذکرہ صہیبؓ
[7] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۲

ناپسند ہیں، اول یہ کہ تم نے ابویحییٰ اپنی کنیت قرار دی، جو ایک پیغمبر کا نام اور اس نام کی تمہاری کوئی اولاد نہیں، دوسرے اسراف کرتے ہو اور تیسرے یہ کہ اپنے آپ کو عرب کہتے ہو' بولے" یہ کنیت میری نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی تجویز کردہ ہے، رہا اسراف تو اس میں میرا اساس عمل رسول ﷺ کا یہ فرمان ہے۔

خیارکم من اطعم الطعام و رد السلام

''یعنی تم لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو کھانا کھلائے اور سلام کا جواب دے''۔

امر سوم کا جواب یہ ہے کہ میں درحقیقت عرب ہوں چونکہ رومیوں نے بچپن ہی میں مجھے غلام بنا کر اہل وعیال سے جدا کر دیا اس لئے میں اپنے خاندان اور قوم کو بھول گیا۔[1]

حلیہ...... حضرت صہیبؓ کا حلیہ یہ تھا۔

قد میانہ بلکہ ایک حد تک کوتاہ، چہرہ نہایت سرخ، سر کے بال گھنے، زمانہ پیری میں مہندی کا خضاب کرتے تھے۔[2] زبان میں لکنت تھی، ایک دفعہ وہ اپنے ایک باغ میں یحنس غلام کو نیاس، نیاس کہہ کر پکار رہے تھے، حضرت عمرؓ نے سنا تو تعجب سے پوچھا کہ ان کو کیا ہو گیا ہے جو لوگوں کو پکار رہے ہیں، حضرت ام سلمہؓ نے عرض کی" وہ لوگوں کو نہیں پکارتے بلکہ غلام یحنس کو پکار رہے ہیں، لیکن لکنت کی وجہ سے اس نام کو ادا نہیں کر سکتے۔[3]

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۶
[2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۲،
[3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۲

حضرت مصعب بن عمیرؓ

نام ،نسب... مصعب نام،ابومحمد کنیت،والد کا نام عمیر اور والدہ کا نام حناس بنت مالک تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبدمناف بن عبدالدار بن قصی القرشی۔[1]

ابتدائی حالات ...... حضرت مصعب مکہ کے ایک نہایت حسین نوجوان تھے، ان کے والدین ان سے نہایت شدید محبت کرتے تھے،خصوصاً ان کی والدہ حناس بنت مالک نے مالدار ہونے کی وجہ سے اپنے لخت جگر کو نہایت ناز ونعمت سے پالا تھا، چنانچہ وہ عمدہ سے عمدہ پوشاک اور لطیف سے لطیف خوشبو جو اس زمانہ میں میسر آسکتی ہے استعمال فرماتے تھے، آنحضرت ﷺ کبھی ان کا تذکرہ کرتے تو فرماتے'' مکہ میں مصعبؓ سے زیادہ کوئی حسین،خوش پوشاک اور پروردہ نعمت نہیں ہے''۔[2]

اسلام...... خدائے پاک نے حسن ظاہری،سلامت ذوق اور طبع لطیف کے ساتھ آئینہ دل کو بھی نہایت شفاف بنایا تھا،صرف ایک عکس کی دیر تھی،توحید کے دلربا خط وخال نے شرک سے متنفر کردیا اور آستانہ نبوت پر حاضر ہو کر اس کے شیدائیوں میں داخل ہو گئے، یہ وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت ﷺ ارقم بن ابی ارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین تھے اور مسلمانوں پر مکہ کی سرزمین تنگ ہو رہی تھی،اس بنا پر حضرت مصعبؓ نے ایک عرصہ تک اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا اور چھپ چھپ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے،لیکن ایک روز اتفاقاً عثمان بن طلحہؓ نے نماز پڑھتے دیکھ لیا اور ان کی ماں اور خاندان والوں کو خبر کر دی،انہوں نے سنا تو محبت نفرت سے مبدل ہوگئی اور مجرم توحید کے لئے شرک کی عدالت نے قید تنہائی کا فیصلہ سنایا۔[3]

ہجرت حبشہ ...... حضرت مصعبؓ ایک عرصہ تک قید کے مصائب برداشت کرتے رہے، لیکن زندان خانہ کی تلخ زندگی نے بالآخر ترک وطن پر مجبور کر دیا،اور متلاشیان امن وسکون کے ساتھ سرزمین حبش کی راہ لی،اس ناز پروردہ نوجوان کو اب نہ تو نرم ونازک کپڑوں کی حاجت تھی، نہ نشاط افزا عطریات کا شوق اور نہ دنیاوی عیش وتنعم کی فکر تھی،صرف جلوہ توحید کے ایک نظارہ نے

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ مصعب بن عمیرؓ
[2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۲
[3] اسد الغابہ تذکرہ مصعب بن عمیرؓ

تمام فانی سازوسامان سے بے نیاز کر دیا، غرض ایک مدت کے بعد حبش سے پھر مکہ واپس آئے ہجرت کے مصائب سے رنگ وروپ باقی نہ رہا تھا تو خود ان کی ماں کو اپنے نور نظر کی پریشان حالی پر رحم آگیا اور مظالم کے اعادہ سے باز آگئی۔[1]

تعلیم دین واشاعت اسلام...... اس اثناء میں خورشید اسلام کی ضیا پاش شعاعیں کوہ فاران کی چوٹیوں سے گذر کر وادی یثرب تک پہنچ چکی تھی، اور مدینہ منورہ کے ایک معزز طبقہ نے اسلام قبول کر لیا تھا انہوں نے دربار نبوت میں درخواست بھیجی کہ ہماری تعلیم وتلقین پر کسی کو مامور فرمایا جائے، حضرت سرور کائنات ﷺ کی نگاہ جوہر شناس نے اس خدمت کے لئے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو منتخب کیا اور چند زریں نصائح کے بعد مدینہ منورہ کی طرف روانہ فرمایا۔[2]

حضرت مصعبؓ مدینہ پہنچ کر حضرت اسعد بن زرارہؓ کے مکان پر فروکش ہوئے اور گھر گھر پھر کر تعلیم قرآن واشاعت اسلام کی خدمت انجام دینے لگے، اس طرح رفتہ رفتہ جب کلمہ گویوں کی ایک جماعت پیدا ہوگئی تو نماز وتلاوت کے لئے کبھی حضرت اسعدؓ کے مکان پر اور کبھی بنی ظفر کے گھر پر سب کو جمع کیا کرتے تھے، ایک روز حضرت مصعبؓ حسب معمول بنی ظفر کے گھر میں چند مسلمانوں کو تعلیم دے رہے تھے، کہ قبیلہ عبدالاشہل کے سردار (حضرت) سعد بن معاذؓ نے اپنے رفیق (حضرت) اسید بن حضیرؓ سے کہا "اس داعی اسلام کو اپنے محلہ سے نکال دو، جو یہاں آ کر ہمارے ضعیف الاعتقاد اشخاص کو گمراہ کرتا ہے، اگر اسعد میزبان حضرت مصعبؓ سے مجھ کو رشتہ داری کا تعلق نہ ہوتا تو میں تم کو اس کی تکلیف نہ دیتا"۔ یہ سن کر حضرت اسیدؓ نے نیزہ اٹھایا اور حضرت مصعبؓ اور اسعدؓ کے پاس آ کر خشم آلود لہجہ میں کہا "تمہیں یہاں کس نے بلایا ہے کہ ضعیف رائے والوں کو گمراہ کرو؟ اگر تم کو اپنی جانیں عزیز ہیں تو بہتر یہ ہے کہ ابھی یہاں سے چلے جاؤ" حضرت مصعبؓ نے نرمی سے جواب دیا "بیٹھ کر ہماری باتیں سنو، اگر پسند آئے، قبول کرو ورنہ ہم خود چلے جائیں گے" حضرت اسیدؓ نیزہ گاڑ کر بیٹھ گئے اور غور سے سننے لگے، حضرت مصعبؓ نے چند آیات کریمہ تلاوت کر کے اس خوبی کے ساتھ عقائد ومحاسن اسلام بیان فرمائے کہ تھوڑی دیر میں حضرت اسیدؓ کا دل نور ایمان سے چمک اٹھا اور بیتاب ہو کر بولے "کیسا اچھا مذہب ہے! کسی بہتر ہدایت ہے!! اس مذہب میں داخلہ ہونے کا کیا طریقہ ہے؟ حضرت مصعبؓ نے فرمایا پہلے نہا دھو کر پاک کپڑے پہنو، پھر صدق دل سے " **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** " کا اقرار کرو، انہوں نے فوراً اس ہدایت کی تعمیل کی اور کلمہ پڑھ کر کہا" میرے بعد ایک اور شخص ہے جس کو ایمان پر لانا ہوگا، اگر وہ اس دائرہ میں داخل ہوگیا تو تمام قبیلہ عبدالاشہل اس کی پیروی کرے گا، میں ابھی اس کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں"۔

حضرت اسیدؓ غیظ وغضب کے عوض عشق ومحبت کا سودا خرید کر اپنے قبیلہ میں واپس آئے تو

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ۱۸۲ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۳

حضرت سعد بن معاذؓ نے دور ہی سے دیکھ کر فرمایا'' خدا کی قسم! اس شخص کی حالت میں ضرور کچھ انقلاب ہو گیا ہے اور سب قریب آئے تو پوچھا کہو کیا کر آئے بولے خدا کی قسم وہ دونوں ذرا بھی خوفزدہ نہ ہوئے، میں نے ان کو منع کیا تو وہ بولے ہم وہی کریں گے جو تم پسند کرو گے، لیکن مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ بنی حارثہ اس وجہ سے اسعد بن رازہؓ کو قتل کرنے نکلے ہیں کہ وہ تمہارا خالہ زاد بھائی ہے تاکہ اس طرح تمہاری تذلیل ہو چونکہ بنی حارثہ اور عبدالاشہل میں دیرینہ عداوت تھی اس لئے حضرت اسیدؓ کا افسوس کارگر ہو گیا، حضرت سعد بن معاذؓ جوش غضب سے اٹھ کھڑے ہوئے اور تخالف مذہبی کے باوجود اسعدؓ کی مدد کے لئے دوڑے، لیکن جب یہاں پہنچ کر بالکل سکون و اطمینان دیکھا تو سمجھ گئے کہ اسید نے ان دونوں سے بالمشافہ گفتگو کرنے کے لئے محض اشتعال دلایا ہے، غرض نسبی ترحم فوراً مذہبی تعصب سے مبدل ہو گیا اور خشم گین لہجہ میں بولے'' ابوامامہ، خدا کی قسم! اگر رشتہ داری کا پاس نہ ہوتا تو میں تمہارے ساتھ نہایت سختی سے پیش آتا، تمہیں کیونکر ہمارے محلّہ میں علانیہ ایسے عقائد پھیلانے کی ہمت ہوئی جس کو ہم سخت ناپسند کرتے ہیں، حضرت مصعبؓ نے نرمی سے جواب دیا کہ پہلے ہماری باتیں سنو، اگر پسند آئیں تو قبول کرو ورنہ ہم خود تم سے کنارہ کش ہو جائیں گے، حضرت سعدؓ نے اس کو منظور کر لیا، تو انہوں نے ان کے سامنے بھی اس خوبی سے اسلام کا نقشہ پیش کیا کہ حضرت سعدؓ کا چہرہ نور ایمان سے چمک اٹھا، اسی وقت مسلمان ہوئے اور جوش میں بھرے ہوئے اپنے قبیلہ والوں کے پاس آئے اور بانگ بلند سوال کیا'' اے بنی اشہل! بتاؤ میں تمہارا کون ہوں؟'' انہوں نے کہا'' تم ہمارے سردار اور ہم سب سے زیادہ عاقل اور عالی نسب ہو'' بولے خدا کی قسم تمہارے مردوں اور تمہاری عورتوں سے گفتگو کرنا مجھ پر حرام ہے جب تک تم خدا اور اس کے رسول پر ایمان نہ لاؤ''۔

اس طرح عبدالاشہل کا تمام قبیلہ حضرت سعد بن معاذؓ کے اثر سے اسلام کا حلقہ بگوش ہو گیا[1]

حضرت مصعبؓ ایک عرصہ تک حضرت اسعد بن زرارہؓ کے مہمان رہے لیکن جب بنی نجار نے ان پر تشدد شروع کیا تو حضرت سعد بن معاذؓ کے مکان پر اٹھ آئے اور یہیں سے اسلام کی روشنی پھیلاتے رہے، یہاں تک کہ خطمہ، وائل اور واقف کے چند مکانات کے سوا عوالی اور مدینہ کے تمام گھر روشن ہو گئے[2]

مدینہ میں جمعہ قائم...... مدینہ منورہ میں جب کلمہ گویوں کی ایک معتدبہ جماعت پیدا ہو گئی، تو حضرت مصعبؓ نے دربار نبوت سے اجازت حاصل کر کے حضرت سعد بن خیثمہؓ کے مکان میں جماعت کے ساتھ نماز جمعہ کی بنیاد ڈالی، پہلے کھڑے ہو کر ایک نہایت مؤثر خطبہ دیا،

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ا ص ۲۳۹، وخلاصۃ الوفا ص ۹۱

[2] سیرت ابن ہشام جلد ا ص ۲۳۹، وخلاصۃ الوفا ص ۹۱

پرخشوع خضوع کے ساتھ نماز پڑھائی اور بعد نماز حاضرین کی ضیافت کے لئے ایک بکری ذبح کی گئی، اس طرح وہ شعار اسلامی جو عبادت الٰہی کے علاوہ ہفتہ میں ایک دفعہ برادران اسلام کو باہم بغل گیر ہونے کا موقع دیتا ہے، خاص حضرت مصعبؓ بن عمیرؓ کی تحریک سے قائم کیا گیا۔[1]

بیعت عقبہ ثانیہ...... عقبہ کی پہلی بیعت میں صرف بارہ انصار شریک تھے، لیکن حضرت مصعبؓ نے ایک ہی سال میں تمام اہل یثرب کو اسلام کا فدائی بنا دیا، چنانچہ دوسرے سال تہتر اکابر و اعیان کی پرعظمت جماعت اپنی قوم کی طرف سے تجدید بیعت اور رسول ﷺ کو مدینہ میں مدعو کرنے کے لئے روانہ ہوئی، ان کے معلم دین حضرت مصعبؓ بن عمیر بھی ساتھ تھے، انہوں نے مکہ پہنچتے ہی سب سے پہلے آستانہ نبوت پر حاضر ہو کر اپنی حیرت انگیز کامیابی کی مفصل داستان عرض کی، آنحضرت ﷺ نے نہایت دلچسپی کے ساتھ واقعات سنے اور ان کی محنت و جانفشانی سے بے حد محظوظ ہوئے۔[2]

حضرت مصعبؓ کی ماں نے بیٹے کے آنے کی خبر سنی تو کہلا بھیجا "اے نافرمان فرزند کیا تو ایسے شہر میں آئے گا جس میں میں موجود ہوں اور تو پہلے مجھ سے ملنے نہ آئے؟" انہوں نے جواب دیا "میں رسول اللہ ﷺ سے پہلے کسی سے ملنے نہیں جاؤں گا" حضرت مصعبؓ جب رسول خدا ﷺ سے ملاقات حاصل کر چکے تو ماں کے پاس آئے، اس نے کہا "میں سمجھتی ہوں کہ تو اب تک ہمارے مذہب سے برگشتہ ہے" بولے "میں رسول ﷺ کے دین برحق اور اسلام کا پیرو ہوں جس کو خدا نے خود اپنے لئے اور اپنے میں رسولؐ کے لئے پسند کیا ہے" ماں نے کہا "کیا تم اس مصیبت کو بھول گئے جو تم کو ایک دفعہ سرزمین حبش میں برداشت کرنا پڑی، اور اب یثرب میں سہنا پڑتی ہے؟ افسوس دونوں دفعہ تم نے غم خواری کا کچھ شکریہ ادا نہ کیا، حضرت مصعبؓ سمجھ گئے کہ شاید پھر مجھ کو قید کرنے کی فکر میں ہے، چلا کر بولے "کیا تو جبراً کسی کو اس کے مذہب سے پھیر سکتی ہے؟ اگر تیرا منشاء ہے کہ پھر مجھ کو قید کر دے تو پہلا شخص جو میری طرف بڑھے گا اس کو یقیناً قتل کر ڈالوں گا" ماں نے یہ تیور دیکھے تو کہا "بس تو میرے سامنے سے چلا جا" اور یہ کہہ کر رونے لگی، حضرت مصعبؓ اس کیفیت سے متاثر ہوئے اور کہنے لگے، اے میری ماں! میں تجھے خیر خواہی و محبت سے مشورہ دیتا ہوں کہ تو گواہی دے کہ خدا ایک ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول برحق ہیں" اس نے کہا "چمکتے ہوئے تاروں کی قسم! میں اس مذہب میں داخل ہو کر اپنے آپ کو احمق نہ بناؤں گی، جا میں تجھ سے اور تیری باتوں سے ہاتھ دھوتی ہوں، اور اپنے مذہب سے وابستہ رہوں گی"[3]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۳
[2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۳
[3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۳

تجہیز وتکفین...... لڑائی کے خاتمہ پر آنحضرت ﷺ حضرت مصعبؓ بن عمیر کی لاش کے قریب کھڑے ہوئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔

من المؤمنین رجال صدقوا ما عاهدوا الله علیه (الآیة)

''مومنین میں سے چند آدمی ایسے ہیں جنہوں نے خدا سے جو کچھ عہد کیا تھا اس کو سچا کر دکھایا''۔

پھر لاش سے مخاطب ہو کر فرمایا ''میں نے تم کو مکہ میں دیکھا تھا جہاں تمہارے جیسا حسین و خوش پوشاک کوئی نہ تھا، لیکن آج دیکھتا ہوں کہ تمہارے بال الجھے ہوئے ہیں اور جسم پر صرف ایک چادر ہے، پھر ارشاد ہوا'' بیشک خدا کا رسول گواہی دیتا ہے کہ تم لوگ قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو گے،'' اس کے بعد غازیانِ دین کو حکم ہوا کہ کشتگان راہ خدا کی آخری زیارت کر کے سلام بھیجیں اور فرمایا ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ روز قیامت تک جو کوئی ان پر سلام بھیجے گا وہ اس کا جواب دیں گے''۔[1]

اس زمانہ میں غربت وافلاس کے باعث شہید ان ملت کو کفن تک نصیب نہ ہوا، حضرت مصعب بن عمیرؓ کی لاش پر صرف ایک چادر تھی کہ جس سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں برہنہ ہو جاتے، اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا، بالآخر چادر سے چہرہ چھپایا گیا، پاؤں پر اذخر کی گھاس ڈالی گئی،[2] اور ان کے بھائی حضرت ابوالروم بن عمیرؓ نے حضرت عامر بن ربیعہؓ اور حضرت سویط بن سعدؓ کی۔

ہجرت مدینہ...... حضرت مصعبؓ نے مکہ آنے کے بعد ذی الحجہ محرم اور صفر کے مہینے آنحضرت ﷺ ہی کی خدمت میں بسر کیے، اور پہلی ربیع الاول کو سرور کائنات ﷺ سے بارہ دن پہلے مستقل طور پر ہجرت کر کے مدینہ کی راہ لی۔[3]

غزوات...... ۲ھ سے حق و باطل میں خونریزی معرکوں کا سلسلہ شروع ہوا، حضرت مصعب بن عمیرؓ میدان فصاحت کی طرح عرصہ وغا میں بھی نمایاں رہے، غزوۂ بدر میں جماعت مہاجرین کا سب سے بڑا علم ان کے ہاتھ میں تھا، غزوۂ احد میں بھی علمبرداری کا تمغائے شرف ان ہی کو ملا۔

شہادت...... اس جنگ میں ایک اتفاقی غلطی نے جب فتح وشکست کا پانسہ پلٹ دیا اور فاتح مسلمان ناگہانی طور سے مغلوب ہو کر منتشر ہو گئے تو اس وقت بھی علمبردار اسلام یکہ وتنہا مشرکین کے نرغہ میں ثابت قدم رہا، کیونکہ لوائے توحید کے پیچھے کی طرف جنبش دینا اس فدائی ملت کے لئے سخت عار تھا، غرض اسی حالت میں مشرکین کے شہسوار ابن قمہ نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا جس سے داہنا ہاتھ شہید ہو گیا، لیکن بائیں ہاتھ نے فوراً علم کو پکڑ لیا، اس وقت ان کی زبان پر یہ

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۸۶
[2] بخاری باب غزوۂ احد ص ۵۷۸
[3] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۸۴

آیات جاری تھیں۔

و ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل (آل عمران ع ۱۵)

''اور محمدؐ صرف رسول ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں''۔

ابن قمیہ نے دوسرا وار کیا تو بایاں ہاتھ بھی قلم تھا، لیکن اس دفعہ دونوں بازوؤں نے حلقہ کر کے علم کو سینہ سے چمٹالیا، اس نے جھنجلا کر تلوار پھینک دی اور زور سے نیزہ تاک کر مارا، اس کی انی ٹوٹ کر سینہ میں رہ گئی اسلام کا سچا فدائی اسی آیت کا اعادہ کرتے ہوئے فرش خاک پر دائمی راحت کی نیند سورہا تھا، لیکن اسلامی پھریرا سرنگوں ہونے کے لئے نہیں آیا تھا، ان کے بھائی ابوالروم بن عمیرؓ نے بڑھ کر اس کو سنبھالا اور آخر وقت تک شجاعانہ مدد سے سپرد خاک کیا، انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔[1]

فضل وکمال...... حضرت مصعبؓ نہایت ذہین، طباع اور خوش بیان تھے، یثرب میں جس سرعت کے ساتھ اسلام پھیلا اس سے ان کے ان اوصاف کا اندازہ ہوسکتا ہے قرآن شریف جس قدر نازل ہو چکا تھا، اس کے حافظ تھے، مدینہ میں نماز جمعہ کی ابتداء ان ہی کی تحریک سے ہوئی اور یہی سب سے پہلے امام مقرر ہوئے۔[2]

اخلاق...... اخلاقی پایہ نہایت بلند تھا، ظلم کے مکتب نے مزاج میں صرف متانت ہی پیدا نہ کی تھی بلکہ مصائب برداشت کرنے کا خوگر بنا دیا تھا، خصوصاً ملک حبش کی صحرانوردیوں نے جفاکشی، استقلال واستقامت کے نہایت زرین اسباق دیئے تھے، اور اچھی طرح سکھا دیا تھا کہ دشمنوں میں رہ کر کس طرح اپنا مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نومسلموں کی تعلیم وتربیت اور اشاعت اسلام جیسے اہم خدمات پر ان کو مامور فرمایا تھا۔

مزاج قدرۃً نہایت لطافت پسند تھا، اسلام قبول کرنے سے پہلے عمدہ سے عمدہ پوشاک اور بہتر سے بہتر عطریات استعمال کرتے تھے، حضرمی جوتا جو اس زمانہ میں صرف امراء کے لئے مخصوص تھا وہ ان کے روزمرہ کے کام میں آتا تھا، ان کے وقت کا اکثر حصہ آرائش، زیبائش اور زلف مشکیں کے سنوارنے میں بسر ہوتا تھا، لیکن جب اسلام لائے تو شراب توحید نے کچھ ایسا مست کر دیا کہ تمام تکلفات بھول گئے، ایک روز دربار نبوت میں اس شان سے حاضر ہوئے کہ جسم پر ستر پوشی کے لئے صرف ایک کھال کا ٹکڑا تھا جس میں جا بجا پیوند لگے ہوئے تھے، صحابہ کرامؓ نے دیکھا تو سب نے عبرت سے گردنیں جھکالیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''الحمد للہ! اب دنیا اور تمام اہل دنیا کی حالت بدل جانا چاہیے، یہ وہ نوجوان ہے جس سے زیادہ مکہ میں کوئی

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۶

[2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۳

ناز پروردہ نہ تھا، لیکن نیکو کاری کی رغبت اور خدا اور رسول کی محبت نے اس کو تمام چیزوں سے بے نیاز کر دیا۔[1]

حلیہ...... حلیہ یہ تھا، قد میانہ، چہرہ حسین نرم و نازک اور زلفیں نہایت خوبصورت تھیں۔[2]

اہل وعیال...... حضرت مصعبؓ کی بیوی کا نام حمنہ بنت جحش تھا جس سے زینب نام ایک لڑکی یادگار چھوڑی۔[3]

۱؎ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۲

۲؎ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۶

۳؎ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۱

حضرت عثمان بن مظعونؓ

نام ونسب ...... عثمان نام، ابوالسائب کنیت، والد کا نام مظعون اور والدہ کا نام سخیلہ بنت العنبس تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

عثمان بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح بن عمرو بن ہصیص ابن کعب بن لوئی بن غالب القرشی الجمحی۔[1]

قبل اسلام ...... حضرت عثمانؓ فطرۃً سلیم الطبع، نیک نفس و پاکباز تھے، ایام جاہلیت عرب کا ہر بچہ مست خرابات تھا، لیکن ان کی زبان اس وقت بھی بادۂ ارغوانی کے ذائقہ سے نا آشنا تھی، اور فرمایا کرتے تھے کہ ایسی چیز پینے سے کیا فائدہ جس سے انسان کی عقل وفتور آجائے ذلیل و کم رتبہ آدمی اس کو مضحکہ بنائیں اور نشہ کی حالت میں ماں بہن کی تمیز بھی جاتی رہے۔[2]

اسلام ...... اس فطری پاکبازی کے باعث ان کا لوح دل بالکل صاف تھا، رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ وتلقین نے بہت جلد توحید کا نقش ثبت کر دیا، ارباب سیر کا بیان ہے کہ اس وقت تک صرف تیرہ صحابہ کرامؓ ایمان لائے تھے،[3] ابن سعد کی ایک روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ بن مظعون، حضرت ابوعبیدہ بن الحارثؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت ابوسلمہؓ بن عبدالاسد اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ آنحضرت ﷺ کے ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزین ہونے سے پہلے ایک ساتھ مشرف باسلام ہوئے تھے۔[4]

ہجرت حبشہ و معاودت ...... ۵ھ نبوی میں بلاکشان اسلام کی ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے ملک حبش کی راہ لی، حضرت عثمان بن مظعونؓ اس بے خانماں گروہ کے امیر تھے۔[5] ایک عرصہ تک وہاں مقیم رہنے کے بعد اس غلط افواہ کی بنا پر کہ تمام قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے، پھر واپس تشریف لائے لیکن جب .... مکہ کے قریب پہنچ کر خبر بے بنیاد نکلی تو سخت پریشان ہوئے کیونکہ دوبارہ اتنی دور لوٹ جانا بھی دشوار تھا، اور دوسری طرف میں داخل ہونے سے مشرکین کا خوف دامن گیر ہوتا تھا؛ غرض اسی حیص بیص میں جہاں تک پہنچے تھے وہیں

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵
[2] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۲۸۶
[3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵
[4] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ۲۸۲
[5] سیرت ابن ہشام جلد ا باب ہجرۃ الی الحبشہ

رک گئے اور جب ان کے تمام ساتھی ایک ایک کر کے اپنے مشرک اعزہ واحباب کی پناہ میں مکہ پہنچ گئے تو وہ بھی ولید بن مغیرہ کی حمایت حاصل کر کے مکہ میں داخل ہوئے۔[1]

ولید بن مغیرہ کے اثر نے گو حضرت عثمانؓ کو اذیتوں سے محفوظ کر دیا تھا، تاہم وہ خود رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس اور دوسرے صحابہ کرامؓ کی مبتلائے مصیبت دیکھ کر اس ذاتی راحت و اطمینان کو گوارا نہ کر سکے اور ایک روز خود بخود اپنے نفس کو ان الفاظ میں ملامت فرمائی ''افسوس! میرے احباب اور خاندان والے راہ خدا میں طرح طرح کے مصائب برداشت کر رہے ہیں اور میں ایک مشرک کی حمایت میں اس چین اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہوں! خدا کی قسم یہ میرے نفس کی بہت بڑی کمزوری ہے'' اس خیال نے بیتاب کر دیا، اسی وقت ولید بن مغیرہ کے پاس پہنچے اور فرمایا ''اے ابو عبد شمس! تمہاری ذمہ داری پوری ہو چکی ہے، اس وقت تک میں تمہاری........ پناہ میں تھا، لیکن اب خدا اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی حمایت میں رہنا پسند کرتا ہوں'' میرے لئے رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب کا نمونہ بس ہے'' ولید نے کہا'' شاید تمہیں کسی نے اذیت پہنچائی؟ بولے ''نہیں اصل یہ ہے کہ اب مجھے خدا کے سوا اور کسی کی حمایت درکار نہیں، تم ابھی میرے ساتھ خانہ کعبہ چلو جس طرح تم نے میری حمایت کا اعلان کیا تھا اسی طرح اس کو واپس لینے کا اعلان کر دو'' غرض ولید نے اصرار سے مجبور ہو کر ان کی خواہش کو مجمع عام میں بیان کیا۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ نے کھڑے ہو کر اس کی تصدیق کی، اور فرمایا'' صاحبو! میں نے ولید کو نہایت ہی باوفا اور مہربان پایا، لیکن چونکہ اب مجھے خدا کے سوا اور کسی کی حمایت پسند نہیں ہے، اس لئے میں خود یہ اس بار احسان سے سبکدوش ہوتا ہوں۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ اس اعلان کے بعد لبید بن ربیعہ کے ساتھ قریش کی ایک مجلس میں تشریف لائے، لبید چونکہ اس زمانہ کا مشہور شاعر تھا، اس لئے اس کے پہنچتے ہی شعر و شاعری شروع ہو گئی اس نے جب اپنا قصیدہ سناتے ہوئے یہ مصرعہ پڑھا

الا کل شئ ما خلی اللّٰہ باطل

یعنی خدا کے سوا تمام چیزیں باطل ہیں۔

تو حضرت عثمانؓ نے بے اختیار داد دی کہ'' تم نے سچ کہا، لیکن جب اس نے دوسرا مصرعہ پڑھا،

کل نعیم الا محالۃ زائل

''یعنی تمام نعمتیں یقیناً زائل ہو جائیں گی''

تو بول اٹھے کہ'' جھوٹ کہتے ہو'' اس پر ایک دفعہ تمام مجمع نے ان کی طرف نگاہ غضب

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵

آلودڈال کر لبید سے اس شعر کو مکرر پڑھنے کی فرمائش کی، اس نے اعادہ کیا، تو حضرت عثمانؓ نے پھر پہلے مصرعہ کی تصدیق کی اور دوسرے کی تکذیب کر کے فرمایا "تم جھوٹ کہتے ہو، جنت کی نعمتیں کبھی زائل نہ ہوں گی" لبید نے خفیف ہو کر کہا "گروہ قریش! خدا کی قسم تمہاری مجلسوں کا حال یہ نہ تھا، اس اشتعال انگیز جملہ سے تمام مجمع میں برہمی پھیل گئی، اور ایک بدکردار نے حضرت عثمانؓ کی طرف بڑھ کر اس زور سے طمانچہ مارا کہ ایک آنکھ زرد پڑ گئی، لوگوں نے کہا "عثمان! خدا کی قسم تم ولید کی حمایت میں نہایت معزز تھے اور تمہاری آنکھ اس صدمہ سے محفوظ تھی، بولے "خدا کی حمایت سب سے زیادہ باامن و ذی عزت ہے اور جو میری آنکھ صحیح وتندرست ہے، وہ بھی اپنے رفیق کے صدمہ میں شریک ہونے کی متمنی ہے" ولیدؔ نے کہا کیا اب بھی میری پناہ میں آنا قبول کرتے ہو؟ فرمایا "میرے لئے صرف خدا کی پناہ بس ہے"[۱]

ہجرت مدینہ...... حضرت عثمانؓ ایک عرصہ تک مکہ میں صبر و سکون کے ساتھ مظالم برداشت کرتے رہے، یہاں تک کہ جب آنحضرت ﷺ نے عموماً تمام صحابہ کرامؓ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تو وہ اپنے خاندان کے ساتھ جس میں ان کے دونوں بھائی حضرت قدامہ بن مظعونؓ، حضرت عبداللہ ابن مظعونؓ اور ان کے صاحبزادہ سائب بن عثمانؓ شامل تھے، اس سرزمین امن میں پہنچ کر حضرت عبداللہ بن سلمہ عجلانیؓ کے مکان پر فروکش ہوئے حضرت عثمانؓ نے اپنے اعزہ سے اس طرح مکہ کو خالی کر دیا تھا کہ ان کے خاندان کا ایک ممبر بھی وہاں رہنے نہ پایا اور تمام مکانات بند کر دیئے گئے۔[۲]

مواخات...... آنحضرت ﷺ نے مدینہ پہنچ کر حضرت عثمانؓ اور ان کے بھائیوں کو مستقل سکونت کے لئے وسیع قطعات زمین مرحمت فرمائے اور حضرت ابوالہیثم بن التیہان سے بھائی چارہ کرادیا۔[۳]

غزوۂ بدر اور وفات...... حق و باطل کی اول کشمکش یعنی معرکہ بدر میں شریک تھے، میدان جنگ سے واپس آکر اسی سال بیمار ہوئے، انصاری بھائی اور ان کی بیوی بچوں نے دلسوزی کے ساتھ تیمارداری کی، لیکن موت کا ازالہ ممکن نہ تھا، ہجرت کے ۳۰ ماہ بعد یعنی ۲ھ کے اخیر میں وفات پائی۔[۴]

حضرت ام العلاء انصاریہؓ (جن کے گھر میں انہوں نے وفات پائی) فرماتی ہیں کہ جب تجہیز و تکفین کے بعد جنازہ تیار ہوا تو آنحضرت ﷺ تشریف لائے میں نے کہا "ابوالسائب تم پر خدا

[۱] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵، ۳۸۶

[۲] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۸۸

[۳] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ۲۸۸

[۴] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۸۸

کی رحمت ہو میں گواہی دیتی ہوں کہ خدا نے تم کو معزز کیا' ارشاد ہوا'' تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ خدا نے معزز کیا؟ میں نے عرض کی میرا باپ آپ پر فدا ہو یا رسول اللہ! پھر خدا کس کو معزز کرے گا؟'' فرمایا'' عثمانؓ کو درجہ یقین حاصل تھا اور میں اس کے لئے بہتری کی امید رکھتا ہوں لیکن خدا کی قسم! میں رسول خدا ہو کر بھی نہیں جانتا کہ میرا کیا انجام ہوگا''[1]

رسول اللہ ﷺ کا حزن وملال...... آنحضرت ﷺ کو حضرت عثمان بن مظعونؓ کی مفارقت کا شدید غم تھا، آپ نے تین دفعہ جھک کران کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اس قدر چشم پرنم ہوئے کہ اشک مبارک سے حضرت عثمانؓ کے رخسارے تر ہو گئے[2] پھر سر مبارک اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا''ابو سائب! میں تم سے جدا ہوتا ہوں، تم دنیا سے اس طرح نکل گئے کہ تمہارا دامن ذرا بھی اس سے ملوث نہ ہوا''[3]

قبر...... اس وقت تک مدینہ میں مسلمانوں کا کوئی خاص قبرستان نہ تھا حضرت عثمانؓ کی وفات کے بعد آنحضرت ﷺ نے مقام بقیع کو اس کے لئے منتخب فرمایا، چنانچہ وہ پہلے صحابی تھے جو اس گور غریباں میں مدفون ہوئے[4] آپ نے خود جنازہ کی نماز پڑھائی، قبر کے کنارے کھڑے ہو کر اپنے اہتمام سے دفن کرایا، قبر کے سرے پر کوئی چیز بطور علامت نصب کر کے فرمایا'' اب جو مرے گا وہ اسی کے آس پاس مدفون ہوگا''۔[5]

اخلاق...... حضرت عثمانؓ کا اخلاقی پایہ نہایت ارفع تھا، شراب سے ایام جاہلیت ہی میں متنفر تھے، صبر وتحمل اور اسلامی حمیت کے　　نے پہلے گذر چکے تھے، مزاج میں شرم وحیا کا عنصر غالب تھا، ایک روز بارگاہ نبوت میں عرض کی'' یاسول اللہ میں اپنی بیوی کو بھی اپنا ستر عورت دکھانا پسند نہیں کرتا، ارشاد ہوا'' کیوں؟'' عرض کی حیا دامن گیر ہوتی ہے، فرمایا'' خدا نے اس کو تمہارے لئے اور تم کو اس کے لئے بے پردہ بنایا ہے'' وہ جب کچھ دیر کے بعد دربار سے چلے گئے تو آپ نے فرمایا'' عثمان بن مظعونؓ نہایت ہی باحیاء و پردہ پوش تھے۔[6]

رہبانیت کی طرف میلان طبع...... تبتل و رہبانیت کی طرف شدید میلان تھا، ایک دفعہ انہوں نے چاہا کہ قوائے شہوانیہ کو فناہ کر کے صحرانوردی اختیار کریں، لیکن آنحضرت ﷺ نے باز رکھا اور فرمایا

''کیا میری ذات تمہارے لئے اسوۂ حسنہ نہیں ہے؟ میں اپنی بیویوں سے ملتا

---

[1] بخاری کتاب الجنائز جلد اص ۱۶۶،
[2] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۲۸۸
[3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۷
[4] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۲۸۹
[5] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۲۹۱
[6] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۲۸۹

ہوں، گوشت کھاتا ہوں، روزے رکھتا ہوں اور افطار کرتا ہوں، بے شک میری امت کا خصی ہونا صرف روزے رکھنا ہے، اس لئے جو شخص خصی کرے گا یا خصی بنے گا وہ میری امت سے نہیں ہے۔"[1]

عبادت...... عبادت و شب زندہ داری حضرت عثمانؓ کا نہایت ہی پر لطف مشغلہ تھا، رات رات بھر نمازیں پڑھتے، دن کو عموماً روزے رکھتے، انہوں نے اپنے گھر میں عبادت کے لئے ایک حجرہ مخصوص کر دیا تھا، جس میں رات دن معتکف رہتے تھے، ایک روز آنحضرت ﷺ اس حجرہ کے پاس تشریف لائے اور اس کی چوکھٹ پکڑ کر دو یا تین مرتبہ فرمایا۔

"عثمانؓ! خدا نے مجھے رہبانیت کے لئے مبعوث نہیں کیا ہے، سہل اور آسان دین حنفی خدا کے نزدیک تمام ادیان سے بہتر ہے"[2]

شوق عبادت نے بیوی بچوں سے بالکل بے نیاز کر دیا تھا، ایک روز ان کی زوجہ محترمہ حرم نبویؐ میں آئیں، امہات المومنینؓ نے ان کو خراب حالت میں دیکھ کر پوچھا،"تم نے ایسی ہیئت کیوں بنا رکھی ہے؟ تمہارے شوہر سے زیادہ تو قریش میں کوئی دولت مند نہیں" "مجھے ان سے کیا سروکار؟" وہ رات رات بھر نمازیں پڑھتے ہیں، دن کو روزے رکھتے ہیں" امہات المومنینؓ نے آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ اسی وقت حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا "عثمان بن مظعونؓ کیا میری ذات تمہارے لئے نمونہ نہیں" بولے "میرے باپ ماں آپ پر فدا ہوں کیا بات ہوئی؟"

ارشاد ہوا "تم رات بھر عبادت کرتے ہو دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہو" عرض کی "ہاں ایسا کرتا ہوں" حکم ہوا "ایسا نہ کرو، تمہاری آنکھ کا، تمہارے جسم کا اور تمہارے اہل و عیال کا تم پر حق ہے، نمازیں بھی پڑھو اور آرام بھی کرو، روزے بھی رکھو اور افطار بھی کرو، غرض اس فہمائش کے بعد ان کی بیوی پھر امہات المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئیں، تو ایک دلہن کی طرح معطر تھیں"[3]

اہل و عیال...... حضرت عثمانؓ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت خولہ بنت حکیم سے دو لڑکے عبدالرحمٰن اور سائب یادگار چھوڑے"[4]

---

[1] ایضاً و صحیح بخاری کتاب الصوم و کتاب النکاح
[2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۸۷
[3] طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۲۸۷
[4] طبقات ابن سعد قسم اول ص ۲۸۶

حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ

نام ونسب...... ارقم نام، ابوعبداللہ کنیت، والد کا نام عبدمناف ابوالارقم کنیت اور والدہ کا نام امیمہ تھا، شجرہ نسب یہ ہے:

ارقم بن ابی الارقم بن اسد بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم

حضرت ارقمؓ کا خاندان ایام جاہلیت میں مخصوص عزت واقتدار کا مالک تھا، ان کے دادا ابوجندب اسد بن عبداللہ اپنے زمانہ میں مکہ کے ایک نہایت سربرآوردہ رئیس تھے۔

اسلام...... حضرت ارقمؓ گیارہ یا بارہ اصحاب کے بعد ایمان لائے، اس وقت آنحضرت ﷺ اور تمام کلمہ گویوں کی زندگی نہایت خطرہ میں تھی، مشرکین قریش چاہتے تھے، کہ اس تحریک کو بااثر ہونے سے پہلے معدوم کردیں، لیکن اسلام فنا ہونے کے لئے نہیں آیا تھا'' حضرت ارقمؓ نے مہبط وحی و الہامؑ اور تمام مسلمانوں کو اپنے مکان میں چھپایا، حضرت عمر فاروقؓ اسی گھر میں اسلام لے آئے، ان کے اسلام لانے کے وقت کم وبیش چالیس آدمی شرف اسلام سے مشرف ہو چکے تھے، آپ کے اسلام لانے سے مسلمانوں میں قوت پیدا ہوگئی، اس وقت اس خطیرۂ قدس کو چھوڑا۔[1]

ہجرت...... بعثت کے تیرہویں سال ہجرت کا حکم ہوا، تو حضرت ارقمؓ بھی دوسرے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مدینہ پہنچے، یہاں حضرت ابوطلحہؓ زید بن سہل سے مواخات ہوئی، اور آنحضرت ﷺ نے مستقل سکونت کے لئے بنی زریق کے محلّہ میں ایک قطعہ زمین عطا فرمایا۔[2]

غزوات...... حق وباطل کی اول کشمکش یعنی غزوۂ بدر میں شریک کارزار تھے، اس جنگ میں حضرت سرور کائنات ﷺ نے ان کو ایک تلوار مرحمت فرمائی تھی، احد، خندق، خیبر اور تمام دوسرے اہم معرکوں میں بھی پامردی وشجاعت سے لڑے۔[3]

عہدہ...... زمانہ رسالت میں تحصیل زکوٰۃ کی خدمت پر مامور تھے۔[4]

وفات...... ۸۳ برس کی عمر پاکر ۵۵ھ رحلت گزین عالم جاوداں ہوئے، انہوں نے وصیت فرمائی تھی کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ان کی جنازہ کی نماز پڑھائیں، لیکن وہ مدینہ سے کچھ

---

[1] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۶۰ واصابہ تذکرہ ارقم
[2] طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۱۷۴
[3] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۶۰ [4] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۶۰

فاصلہ پر مقام عقیق میں تھے، ان کے آنے میں دیر ہوئی تو مروان بن حکم والی مدینہ نے کہا کہ ایک شخص کے انتظار میں جنازہ کب تک پڑا رہے گا؟ اور چاہا کے خود آگے بڑھ کر امامت کرے، لیکن عبید اللہ بن ارقمؓ نے اجازت نہ دی، اور قبیلہ بنی مخزوم ان کی حمایت پر تیار ہو گئے، غرض بات بڑھ چلی تھی کہ اسی اثناء میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تشریف لائے اور انہوں نے نماز پڑھا کر بقیع کے گورستان میں دفن کیا۔[1]

انا للہ و انا الیہ راجعون

اخلاق..... تقویٰ، تدین، زہد و راستبازی حضرت ارقمؓ کی نمایاں اوصاف تھے، عبادت و شب زندہ داری سے بے حد شوق تھا، ایک دفعہ انہوں نے بیت المقدس کا قصد کیا اور رخت سفر درست کر کے رسول اللہ ﷺ سے رخصت ہونے آئے، آپ نے پوچھا کہ تجارت کے خیال سے جاتے ہو یا کوئی خاص ضرورت ہے؟ بولے "میرے باپ ماں آپ پر فدا ہوں یا رسول اللہ! کوئی ضرورت نہیں ہے صرف بیت المقدس میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں" ارشاد ہوا کہ میری اس مسجد کی ایک نماز مسجد حرام کے سوا تمام مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے، حضرت ارقمؓ یہ سنتے ہی بیٹھ گئے اور ارادہ فسخ ہو گیا۔[2]

ذریعۂ معاش..... ہجرت کے بعد مدینہ وطن ہو گیا تھا، اس لئے انہوں نے مکہ کے مکان کو جو اپنی تاریخی عظمت کے لحاظ سے مرجع زائرین تھا، وقف الاولاد کر دیا، تا کہ بیع و وراثت کے جھگڑوں سے محفوظ رہے۔[3]

یہ مکان کوہ صفا کے نیچے ایسے موقع پر تھا کہ جو لوگ حج میں صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے تھے، وہ ٹھیک اس کے دروازے پر سے ہو کر گذرتے تھے، ۱۴۰ھ میں خلیفہ منصور عباسی کے عہد تک وہ بجنسہ اپنی حالت پر موجود تھا، لیکن اسی سال محمد بن عبداللہ بن حسن نے مدینہ میں خروج کیا، چونکہ حضرت ارقم کے پوتے عبداللہ بن عثمانؒ ان کے معاونین میں تھے، اس سے منصور نے والی مدینہ کو لکھ کر ان کو گرفتار کرایا اور اپنے ایک خاص معتمد شہاب بن عبدرب کو بھیج کر اس مکان کو فروخت کرنے کی ترغیب دی، عبداللہ بن عثمانؒ نے پہلے انکار کر دیا، لیکن پھر قید سے مخلصی پانے کی بشارت اور گراں قدر معاوضہ کے طمع نے بیچنے پر راضی کر دیا، غرض منصور نے سترہ ہزار دینار پر ان کا حصہ خرید لیا رفتہ رفتہ، دوسرے شرکاء بھی راضی ہو گئے، لیکن ان کا زر معاوضہ اس کے علاوہ ہے۔

ابو جعفر منصور کے بعد خلیفہ مہدی نے اپنی جاریہ خیزران کو دے دیا جس نے منہدم کر کے

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۱۷۴
[2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۰۴
[3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۰۴

نئے سرے سے ایک محل تعمیر کرایا، پھر گردش ایام نے اس میں گوناگوں تغیرات پیدا کیے، اور اس طرح آغاز اسلام کی وہ پرعظمت یادگار جو عرصہ تک مطلع انوار الٰہی و مہبط ملائکہ آسمانی رہی تھی، صفحہ ہستی سے معدوم ہوگئی۔[1]

اولاد ..... حضرت ارقمؓ نے دو لڑکے عبید اللہ، عثمان اور تین لڑکیاں، امیہ، مریم، اور صفیہ یادگار چھوڑیں۔[2]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ۳ ص ۱۷۳ و تاریخ یعقوبی

[2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ۳ ص ۱۷۳ و تاریخ یعقوبی

حضرت مقداد بن عمروؓ

نام ونسب..... مقداد نام، ابوالاسود کنیت، عمرو کندی کے لخت جگر تھے، پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

مقداد بن عمرو بن ثعلبہ مالک بن ربیعہ بن ثمامہ بن مطرود النہرانی

حضرت مقدادؓ دراصل بہراء کے رہنے والے تھے، چونکہ ان کے خاندان کے ایک ممبر نے کسی ہمسایہ قبیلہ میں خونریزی کی تھی، اس لئے انتقام کے خوف سے کندہ چلے آئے تھے، لیکن یہاں بھی یہی مصیبت پیش آئی، بالآخر مکہ آکر آباد ہوئے اور اسود بن عبد یغوث کے خاندان سے حلیفانہ تعلق پیدا کرلیا جس نے محبت سے ان کو اپنا متبنیٰ کرلیا تھا، چنانچہ عمرو کے بجائے اسود ہی کے انتساب سے مشہور ہوئے۔[1]

اسلام...... وہ مکہ میں ابھی اچھی طرح توطن گزین بھی نہ ہونے پائے تھے کہ صدائے توحید کانوں میں آئی اور رسالت کی دعوت وتبلیغ نے ان کو اسلام کا شیدائی بنادیا، یہ وہ پرآشوب زمانہ تھا کہ علانیہ ایک کو ایک کہنا قلمرو شرک میں شدید ترین جرم خیال کیا جاتا تھا، لیکن حضرت مقدادؓ نے اپنی بے بسی وغریب الوطنی کے باوجود اخفائے حق گوارا نہ کیا، چنانچہ وہ ان سات بزرگوں کی صف میں نظر آتے ہیں، جنہوں نے ابتداء ہی میں اپنے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا اعلان کردیا تھا۔[2]

ہجرت...... اس حق پسندی کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طرح طرح کے مصائب اور گوناگوں مظالم کا نشانہ بنالئے گئے، یہاں تک کہ پیمانہ صبر وتحمل لبریز ہوگیا اور مکہ چھوڑ کر عازم حبش ہوئے۔[3]

کچھ دنوں کے بعد سرزمین حبش سے واپس آئے تو مدینہ کی طرف ہجرت کی تیاریاں ہورہی تھیں، لیکن وہ ایک عرصہ تک اپنی بعض دشواریوں کے باعث مدینہ جانے سے مجبور رہے، یہاں تک کہ جب رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے گئے اور کفر واسلام میں فوجی چھیڑ چھاڑ کا آغاز ہوا، تو یہ اور حضرت عتبہ بن غزوانؓ ایک قریشی متجسس دستہ فوج کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، عکرمہ ابن ابی جہل اس کا امیر عسکر تھا، راہ میں مجاہدین اسلام کی ایک جماعت سے مڈبھیڑ ہوئی، حضرت عبیدہ بن الحارثؓ اس کے افسر تھے، یہ دونوں موقع پاکر مسلمانوں سے مل گئے اور مدینہ پہنچ

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ مقداد بن عمروؓ
[2] اسد الغابہ تذکرہ مقداد بن عمرو
[3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ۳ ص ۱۱۴

کر حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے مہمان ہوئے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے ان کو بنی عدیلہ کے محلہ میں مستقل سکونت کے لئے زمین مرحمت فرمائی، کیونکہ حضرت ابی بن کعبؓ کی دعوت پر انہوں نے اسی حصہ میں رہنا پسند کیا تھا۔[2]

غزوات..... ۲ھ سے شرک و توحید میں باقاعدہ معرکہ آرائیوں کا سلسلہ شروع ہوا اور مشرکین قریش کا ایک خوفناک سیلاب میدان بدر کی طرف امنڈ آیا چونکہ جان نثاران رسولؐ کے لئے یہ اولین آزمائش تھی، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے پہلے مشورہ طلب کر کے اس قلیل لیکن اولوالعزم جماعت کا امتحان لینا چاہا، چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی صداقت شعاری کا جوہر دکھایا، پھر ان کے بعد حضرت عمرؓ نے ایک تقریر میں اپنے خلوص و وفا شعاری کا اظہار کیا، لیکن مقدادؓ نے جس جوش و وارفتگی کے ساتھ اپنی فدویت و جان نثاری کا ثبوت دیا، اس نے یکا یک تمام فدائیوں کے جذبہ سرفروشی میں ہیجان پیدا کر دیا، انہوں نے عرض کی ہم قوم موسیٰ کی طرح یہ نہیں کہیں گے ''تو اور تیرا خدا جا کر لڑے'' بلکہ ہم آپ کے داہنے بائیں، آگے پیچھے اپنی جانبازی کے جوہر دکھائیں گے۔[3] قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، اگر آپ ہم کو برک غماد تک لے چلیں گے تو ہم آپ کے ساتھ جا کر لڑیں گے،[4] اس سادہ لیکن پر جوش اظہار فدویت سے آنحضرت ﷺ اس قدر خوش ہوئے کہ فرط انبساط سے چہرہ مبارک چمک اٹھا۔[5]

حضرت مقدادؓ تیر اندازی، نیزہ بازی اور شہسواری میں کمال رکھتے تھے، جنگ بدر میں صرف یہی یکہ و تنہا شہسوار تھے جو اپنے سبحہ صبا رفتار کو مہمیز کر رہے تھے، محدثین و اصحاب سیر کا عام طور پر اتفاق ہے کہ اس جنگ میں ان کے سوا اور کسی کے پاس گھوڑا نہ تھا، غزوۂ بدر کے علاوہ احد، خندق اور تمام دوسرے مشہور معرکوں میں پامردی و جانبازی کے ساتھ شریک کارزار تھے۔[6]

فتح مصر..... ۲۰ھ میں جب مصر پر فوج کشی ہوئی، اور حضرت عمرو بن العاصؓ امیر عسکر نے دربار خلافت سے مزید کمک طلب کی تو حضرت عمرؓ نے دس ہزار سپاہی اور چار افسر جن میں سے ایک حضرت مقدادؓ بھی تھے ان کی مدد کے لئے روانہ فرمایا اور لکھا کہ ان افسروں میں سے ہر ایک دشمن کے ایک ہزار سپاہیوں کے برابر ہے، چنانچہ درحقیقت اس کمک کے پہنچتے ہی جنگ کی حالت بدل گئی اور نہایت قلیل عرصہ میں تمام سرزمین فراعنہ فرزندان توحید کا ورثہ بن گئی۔[7]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ مقداد بن عمرو
[2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۱۴
[3] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ بدر
[4] سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۳۵۲
[5] بخاری باب غزوۂ بدر
[6] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۴۸
[7] مقریزی جلد ا ص ۶۵

وفات...... حضرت مقدادؓ عظیم البطن تھے، ایام پیری میں یہ مرض زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوا تو ان کے ایک رومی غلام نے اس پر عمل جرحی کیا، جو غلطی سے ناکام رہا، بالآخر وہ خوف و ندامت کے باعث روپوش ہو گیا اور انہوں نے اسی حالت میں مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام جرف میں داعی جنت کو لبیک کہا، ۳۳ھ میں خلیفہ ثالث کا عہد تھا، خود امیر المومنینؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی، اور لاش مدینہ لا کر بقیع کے گور غریباں میں دفن کی گئی، انہوں نے کم و بیش ستر برس کی عمر پائی۔[۱]

اخلاق...... حضرت مقدادؓ گوناگوں محاسن اخلاق کے مظہر اتم تھے، انہوں نے غزوۂ بدر کے موقع پر جس جوش فدویت کا اظہار کیا وہ تمام صحابہ کرامؓ رضوان اللہ علیہم کے لئے باعث رشک تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے:''کاش! میں اس وقت جنگ میں شریک ہونے کے لائق ہوتا، اور جملے میری زبان سے ادا ہوتے''، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں جنگ بدر میں مقداد بن اسودؓ کے ساتھ تھا، حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس جنگ میں ان کے ساتھ ہونا اس قدر محبوب ہے کہ تمام دنیا اس کے آگے ہیچ ہے۔[۲]

سپاہیانہ سادگی، صاف گوئی اور ملنساری کے ساتھ زندہ دلی اور حاضر جوابی نے ان کی صحبت کو نہایت دلچسپ بنا دیا تھا، ایک دفعہ وہ کسی صراف کی دکان پر بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے ان کے بلغمی تن و توش پر طعنہ زن ہو کر کہا''ابوالاسود! خدا نے تم کو جہاد میں شریک ہونے سے پہلے معاف کر دیا ہے'' برجستہ بولے''نہیں! انفر و اخفافا و ثقالا کا حکم اس سے منکر ہے''[۳]

وہ نہایت صاف گو اور سادہ مزاج تھے، ایک دفعہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے ان سے کہا کہ تم شادی کیوں نہیں کرتے؟ سادگی کے ساتھ بولے''تم اپنی لڑکی سے بیاہ دو'' حضرت عبدالرحمنؓ اس بیباکی و صاف گوئی پر سخت برہم ہوئے اور برا بھلا کہنے لگے، حضرت مقدادؓ نے ان کی اس برہمی کی شکایت دربار نبوت میں پیش کی تو ارشاد ہوا، اگر کسی کو انکار ہے تو ہونے دو میں تم کو اپنی بنت عم سے بیاہ دوں گا، چنانچہ اس کے بعد ہی حضرت ضباعہ بنت زبیرؓ ابن عبدالمطلب ان کے عقد نکاح میں آئیں۔[۴]

آغاز اسلام کی عسرت و ناداری نے ان کو حد درجہ جفاکش و قانع بنا دیا تھا، فرماتے ہیں کہ جب میں ہجرت کر کے مدینہ آیا تو، یہاں میرے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا کوئی سہارا نہ تھا، بھوک سے حالت تباہ تھی، بالآخر رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو اور میرے دونوں ساتھیوں کو اپنے میزبان کلثوم بن ہدمؓ کے گھر میں جگہ دی، آپ کے پاس اس وقت صرف چار بکریاں تھیں، جن کے

---

[۱] اصابہ جلد ۳ ص ۴۵۵ [۲] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ بدر
[۳] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ۳، ص ۱۱۵
[۴] اصابہ جلد ۳ ص ۴۵۴

دودھ پر ہم لوگوں کا گذارا تھا، ایک دفعہ رات کے وقت آپؐ باہر تشریف لے گئے اور دیر تک تشریف نہ لائے، میں نے خیال کیا کہ آج کسی انصاری نے دعوت دی ہوگی، اور آپ آسودہ ہوکر تشریف لائیں گے، اس خیال کے آتے ہی میں نے اٹھ کر آنحضرت ﷺ کے حصہ کا دودھ بھی پی لیا، لیکن پھر خیال آیا کہ اگر یہ قیاس غلط ثابت ہوا تو بڑی ندامت ہوگی، غرض میں اسی شش و پنج میں تھا آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور دودھ کی طرف بڑھے، دیکھا تو پیالہ خالی تھا، مجھے اپنی غلطی پر سخت ندامت ہوئی، خصوصاً جب کہ آپ نے کچھ کہنے کے لئے دونوں ہاتھ اٹھائے تو میرے خوف و ہراس کی کوئی انتہا نہ تھی اور اندیشہ ہوا کہ عنقریب آنحضرت ﷺ کی بددعا سے ہماری دنیا و آخرت تباہ ہو جائے گی لیکن آپ نے فرمایا:

اللھمہ اطعمہ من اطعمنی و اسق من سقانی

یعنی خدایا جو مجھے کھلائے اس کو کھلا اور جو مجھے سیراب کرے اس کو سیراب کر

اس دعا سے کچھ ہمت بڑھی، اٹھ کر بکریوں کے پاس گیا کہ شاید کچھ دودھ نکل آئے، لیکن خدا کی قدرت جس تھن پر ہاتھ پڑا وہ دودھ سے لبریز نظر آیا، غرض کافی مقدار میں دودھ کو خدمت بابرکت میں پیش کیا، آپ نے پوچھا "کیا تم لوگ پی چکے ہو؟" عرض کی یا رسول اللہ! آپ پہلے نوش فرمالیں تو پھر مفصل واقعہ عرض کروں؟" آنحضرت ﷺ نے خوب سیر ہوکر نوش فرمالیا تو مجھے اپنی گذشتہ غلطی و ندامت پے بے اختیار ہنسی آگئی، آپ نے پوچھا "ابوالاسود! یہ کیا ہے؟" میں نے تمام واقعہ بیان کیا تو ارشاد ہوا:

"یہ خدا کی رحمت تھی، تم نے اپنے دونوں ساتھیوں کو کیوں بیدار نہ کردیا کہ وہ بھی اس سے مستفیض ہوتے"[1]

خوشامدانہ مداحی سے سخت متنفر تھے، ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ کے دربار میں چند آدمیوں نے ان کے روبرو تعریف و توصیف شروع کی، حضرت مقدادؓ اس تملق اور چاپلوسی پر اس قدر برہم ہوئے کہ ان کے منہ پر خاک ڈالنے لگے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا "مقداد! یہ کیا ہے؟" بولے "رسول اللہ ﷺ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ خوشامدیوں کے منہ میں خاک بھر دو"[2]

ایک دفعہ ایک تابعی نے ان کے پاس آکر کہا "مبارک ہیں آپ کی آنکھیں، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے، کاش! میں بھی اس زمانہ میں ہوتا" حضرت مقدادؓ ان پر سخت برہم ہوئے، لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ یہ برہمی کی کیا بات تھی؟ بولے "حاضر کو غائب کی تمنا عبث ہے، جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا ہے، ان میں بہت سے ایسے ہیں جن کو ایمان نہ لانے کے باعث خدا نے جہنم واصل کر دیا، اس کو کیا معلوم کہ وہ اس وقت کس گروہ میں ہوتا؟ تم لوگوں کو خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ بغیر امتحان و آزمائش رسول اللہ ﷺ کی تعلیم سے مستفیض ہوئے"[3]

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۴ [2] ایضاً ص ۵ [3] ایضاً

کسی شخص کے متعلق اچھی یا بری رائے قائم کرنے میں نہایت محتاط تھے، فرمایا کرتے تھے، کہ میں صرف نتائج نظر رکھتا ہوں، خصوصاً جب سے رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ انسان کا دل نہایت تغیر پذیر ہے۔[1]

جاگیر و ذریعۂ معاش...... تجارت اصلی ذریعۂ معاش تھی، رسول اللہ ﷺ نے ان کو خیبر میں جاگیر بھی مرحمت فرمائی تھی، جس کو حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے عہد حکومت میں ان کے ورثہ سے ایک لاکھ درہم میں خرید لیا تھا۔[2]

حلیہ...... حضرت مقدادؓ طویل القامت، عظیم البطن وفربہ اندام تھے سر کے بال گھنے، ابرو پیوستہ اور داڑھی نہایت موزوں وخوبصورت تھی۔[3]

اولاد...... حضرت ضباعہ بنت زبیرؓ سے ایک لڑکی کریمہ نام یادگار چھوڑی۔[4]

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۵
[2] طبقات ابن سعد قسم ا جزء ۳ ص ۱۱۵
[3] طبقات ابن سعد قسم ا جزء ۳ ص ۱۱۵
[4] طبقات ابن سعد قسم ا جزء ۳ ص ۱۱۵

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیقؓ

نام ونسب...... عبدالرحمٰن، نام، ابوعبداللہ کنیت، خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صاحبزادہ تھے، والدہ کا نام ام رمان تھا، ام المومنین حضرت عائشہؓ اور یہ دونوں، حقیقی بھائی بہن تھے۔

ابتدائی حالات...... حضرت ابوبکر صدیقؓ کا تمام خاندان ابتدا ہی میں حلقہ بگوش اسلام ہوا لیکن حضرت عبدالرحمٰن اس سے مستثنیٰ تھے، وہ عرصہ تک اپنے قدیم مذہب کے حامی رہے، غزوۂ بدر میں مشرکین قریش کے ساتھ تھے، اثنائے جنگ میں انہوں نے آگے بڑھ کر "ھل من مبارز" کا نعرہ لگایا، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی آنکھوں میں خون اتر آیا، انہوں نے خود بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا، لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو اجازت نہ دی[1]

غزوۂ احد میں بھی وہ مشرکین مکہ کے ساتھ تھے۔

اسلام...... حضرت عبدالرحمٰن صلح حدیبیہ کے موقع پر ایمان لائے اور مدینہ پہنچ کر اپنے والد کے ساتھ رہنے لگے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نجی کے تمام کام اور ذاتی کاروبار زیادہ تر یہی انجام دیتے تھے، اور نہایت اطاعت شعاری کے ساتھ ان کے غیظ وغضب کو برداشت کرتے تھے، ایک مرتبہ شب کے وقت چند اصحابؓ صفہ حضرت ابوبکرؓ کے یہاں مہمان تھے، انہوں نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو ہدایت فرمائی کہ:

"میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جاتا ہوں تم میرے واپس آنے سے پہلے ان کی مہمان نوازی سے فارغ ہوجانا"

حضرت عبدالرحمٰن نے حسب ہدایات وقت پر مہمان کے سامنے ماحضر پیش کیا لیکن انہوں نے صاحب خانہ کی غیر موجودگی میں کھانے سے انکار کردیا، اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیقؓ بہت دیر کے بعد تشریف لائے اور یہ معلوم کر کے کہ مہمان اب تک بھوکے بیٹھے ہیں، حضرت عبدالرحمٰنؓ پر نہایت برہم ہوئے اور گالی دے کر کہا "خدا کی قسم! اس کو کھانے میں شریک نہیں کروں گا" حضرت عبدالرحمٰنؓ ڈر سے مکان کے ایک گوشہ میں چھپ رہے تھے، وہ کسی قدر جرات کر کے سامنے آئے اور بولے "آپ مہمانوں سے پوچھ لیجئے کہ میں نے کھانے کے لئے اصرار کیا تھا" انہوں نے تصدیق کی اور کہا "واللہ! جب تک آپ عبدالرحمٰن کو نہ کھلائیں گے ہم لوگ بھی نہ کھائیں گے، غرض اس طرح ان کا غصہ فرو ہوا، اور دسترخوان بچھایا گیا، حضرت عبدالرحمٰنؓ فرماتے ہیں کہ اس

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۷۴

روز کھانے میں اس قدر برکت ہوئی کہ ہم لوگ کھاتے جاتے تھے لیکن وہ کسی طرح ختم نہیں ہوتا تھا، یہاں تک کہ میں اس میں سے کچھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھی لے کر حاضر ہوا جس کو آپ اور ان کے بہت سے اصحاب نے تناول فرمایا۔[1]

غزوات...... حضرت عبدالرحمٰنؓ نہایت شجاع و بہادر تھے، خصوصاً تیراندازی میں کمال رکھتے تھے، واقعہ حدیبیہ کے بعد عہد نبوت میں جس قدر معرکے پیش آئے وہ ان میں سے اکثر میں جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے۔

جنگ یمامہ...... یمامہ کی خونریز جنگ میں حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اپنی قادراندازی کا غیر معمولی کمال دکھایا، انہوں نے اس جنگ میں غنیم کے سات بڑے جانباز افسروں کو نشانہ بنا کر واصل جہنم کیا۔

قلعہ یمامہ کی دیوار ایک جگہ سے شق ہوگئی تھی، مسلمان اس راستہ سے اندر گھسنا چاہتے تھے، لیکن دشمن کا ایک سردار محکم بن طفیل نہایت جانبازی کے ساتھ اس جگہ اڑا ہوا تھا حضرت عبدالرحمٰنؓ نے تاک کر اس کے سینہ پر ایک ایسا تیر مارا کہ وہیں تڑپ کر ڈھیر ہوگیا اور مسلمان اس کے ساتھیوں کو ریلتے ہوئے اندر گھس گئے۔[2]

یزید کی بیعت سے انکار...... امیر معاویہؓ نے یزید کی جانشینی کے لئے اپنی زندگی ہی میں کوشش شروع کردی ایک دفعہ ان کے ایماء سے مروان بن حکم والی مدینہ نے مسجد نبوی میں لوگوں کو جمع کرکے یزید کے لئے بیعت لینا چاہا، اس وقت جن لوگوں نے اس کی مخالفت میں صدا بلند کی ان میں ایک حضرت عبدالرحمٰنؓ بھی تھے، انہوں نے مروان سے غضب آلود لہجہ میں کہا "کیا تم لوگ خلافت کو موروثی بادشاہت بنادینا چاہتے تھے" مروان نے برہم ہوکر کہا "صاحبو! یہ وہی ہے جس کی نسبت قرآن میں آیا ہے "والذی قال لوالدیه اف لکما" (یعنی والدین کی اطاعت نہ کرنے پر خدا نے ان کی مذمت کی ہے) ام المومنین حضرت عائشہؓ اپنے حجرہ میں یہ گفتگو سن رہی تھیں، وہ غضبناک ہوکر بے اختیار بول اٹھیں "نہیں! واللہ نہیں!! عبدالرحمٰن کے متعلق نہیں ہے، اگر چاہوتو میں اس کا نام لے سکتی ہوں جس کی نسبت یہ آیت نازل ہوئی تھی"[3]

حضرت امیر معاویہؓ کو حضرت عبدالرحمٰنؓ کی مخالفت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے ان کو خوش کرنے کے لئے ان کے پاس ایک لاکھ درہم کے توڑے بھیج دیئے، لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ نے غایت بے نیازی کے ساتھ واپس کردیا اور فرمایا "واللہ! میں دین کو دنیا کے عوض فروخت نہیں کرسکتا۔"[4]

وفات...... حضرت عبدالرحمٰنؓ اس واقعہ کے بعد مدینہ چھوڑ کر مکہ چلے آئے اور شہر سے تقریباً

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۹۰۶ [2] اصابہ جلد ۲ ص ۱۲۸،
[3] اسد الغابہ جلد ۳ ص یہ واقعہ بخاری میں بھی مذکور ہے،
[4] استیعاب جلد ۲ ص ۴۰۵

۱۰ میل کے فاصلہ پر ''حبشی'' نام ایک مکان میں اقامت پذیر ہوئے، یہاں تک کہ ۵۳ھ میں ایک روز ناگہانی طور پر اسی گوشۂ عزلت میں واصل بحق ہوئے، بیان کیا جاتا ہے کہ پہلے سے ان کو اپنی صحت کے متعلق کسی قسم کی کوئی شکایت تھی، وفات کے دن حسب معمول سوئے مگر ایسی نیند سوئے پھر نہ اٹھ سکے، حضرت عائشہؓ کے دل میں اس ناگہانی حادثہ کے باعث شبہ ہوا کہ کسی نے زہر وغیرہ دے کر مار ڈالا، لیکن کچھ دنوں کے بعد ایک عورت حضرت عائشہؓ کے گھر آئی، بظاہر تو اناو تندرست تھی، ایک مرتبہ سجدہ کیا اور ایسا سجدہ کہ پھر اس سے سر نہ اٹھایا، اس واقعہ کے بعد اس ان کا شک جاتا رہا۔[1]

ام المومنین حضرت عائشہؓ کو ان کے انتقال کی خبر ملی تو وہ حج کی نیت سے مکہ آئیں اور بھائی کی قبر پر کھڑی ہو کر بے اختیار روئیں، اس وقت ان کی زبان پر یہ اشعار تھے۔

و کنا لندمانی جذیمة حقبة

من الدهر حتی قیل لن یتصدعا

فلما تفرقنا کانی و مالکا

لطول اجتماع لم بنت لیلة معا

پھر مرحوم بھائی کی روح سے مخاطب ہو کر بولیں ''بخدا! اگر میں تمہاری وفات کے وقت موجود ہوتی تو اس قدر نہ روتی اور تم کو اسی جگہ دفن کرتی جہاں تم نے وفات پائی تھی''۔[2]

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۷۶

[2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۷۶

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ

نام ونسب...... حاطب نام، ابو محمد یا ابو عبداللہ کنیت اور والدہ کا نام ابو بلتعہ تھا، سلسلہ نسب میں اختلاف ہے، بعض قحطانی النسل قرار دیتے ہیں اور بعض بنولخم بن عدی کا ایک ممبر بتاتے ہیں جو ایام جاہلیت میں قبیلہ بنو اسد کے حلیف تھے، تاہم اصحاب سیر کا عام رجحان یہ ہے کہ ان کا آبائی وطن ملک یمن تھا، مکہ میں غلامی یا حلیفانہ تعلق کے باعث سکونت پذیر تھے۔[1]

قبل از اسلام...... ایام جاہلیت میں شاعری و شہسواری کے لحاظ سے مخصوص شہرت کے مالک تھے۔[2]

اسلام...... قبل از ہجرت ایمان لائے اور جب مدینہ اسلام کا مرکز قرار پایا تو وہ بھی اپنے غلام حضرت سعدؓ کے ساتھ وارد یثرب ہوئے، یہاں حضرت منذر بن محمد انصاریؓ نے ان کو اپنا مہمان بنالیا، اور حضرت خالد بن رخیلہؓ سے مواخات ہوئی۔[3]

غزوات...... غزوۂ بدر، احد، خندق اور تمام مشہور معرکوں میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب تھے۔[4]

دربار مصر میں تبلیغ اسلام...... غزوۂ حدیبیہ سے واپس آکر ۶ھ میں رسول اللہ ﷺ نے ان کو مقوقس والی مصر کے پاس مبلغ اسلام بنا کر بھیجا، رقعہ دعوت کا مضمون یہ تھا،

اما بعد فانی ادعوک بدعایة الاسلام اسلم تسلم و اسلم یوتک اللّٰه اجرک مرتین فان تولیت فان علیک اسم اهل القبط یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللّٰه و لا نشرک به شیئا و لا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللّٰه۝[5]

''میں تم کو دعوت اسلام کی طرف بلاتا ہوں اسلام قبول کرو گے تو تم محفوظ رہو گے اور خدا تم کو دونا اجر دے گا، اور اگر روگردانی کرو گے تو تمام قبطیوں کا گناہ تم پر عائد ہوگا اے اہل کتاب! تم ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں باہم مساوی

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حاطب بن ابی بلتعہ
[2] اصابہ جلد اص ۳۱۴
[3] طبقات ابن سعد قسم اجزء ۳ ص ۸۰
[4] طبقات ابن سعد قسم اجزء ۳ ص ۸۰
[5] زاد المعاد جلد ۲ ص ۵۰

ہے، یعنی ہم لوگ صرف ایک خدا کی پرستش کریں، کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے بعض اپنے بعض کو خدا کے آگے پروردگار نہ بنائے''۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے مصر پہنچ کر مقوقس کے دربار میں نامہ مبارک پیش فرمایا اور حسب ذیل مکالمہ سے اس کو اسلام کی ترغیب دی

حضرت حاطبؓ: تم سے پہلے یہاں ایک ایسا فرماں روا گذرا ہے جو بزعم خود اپنے آپ کو خدائے برتر سمجھتا تھا، لیکن حق سبحانہ نے اسکو دنیا و آخرت کے عذاب میں گرفتار کر کے عبرتناک انتقام لیا، تم کو غیروں سے عبرت حاصل کرنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ تم خود مرقع عبرت بن جاؤ''

مقوقس: ہم ایک مذہب کے پابند ہیں جس کو اس وقت تک نہیں چھوڑ سکتے جب تک کوئی دوسرا مذہب اس سے بہتر ثابت نہ ہو جائے۔

حضرت حاطبؓ: ہم تم کو دین اسلام کی دعوت دیتے ہیں جو تمام مذاہب میں سب سے زیادہ مکمل ہے، اس نبی نے جب لوگوں کو اس کی دعوت دی تو قریش نے سخت مخالفت کی، اس طرح یہودیوں نے سب سے زیادہ عداوت ظاہر کی، لیکن نصاریٰ نسبتاً قریب تر تھے، قسم ہے کہ موسیٰ نے جس طرح عیسیٰ کی بشارت دی، اسی طرح عیسیٰ نے محمد ﷺ کی بشارت دی ہے اور جس طرح تم یہودیوں کو انجیل کی طرف بلاتے ہو اسی طرح ہم تم کو قرآن کی دعوت دیتے ہیں۔

انبیاء کے زمانہ بعثت میں جو قوم موجود ہوتی ہے وہ ان کی امت ہوتی ہے اور اس پر ان کی اطاعت فرض ہے، چونکہ تم نے ایک نبی کا زمانہ پایا ہے اس لئے اس پر ایمان لانا ضروری ہے ہم تم کو دین مسیح سے پھیرتے نہیں، بلکہ اسی راہ پر لے جانا چاہتے ہیں۔[1]

مقوقس: کیا درحقیقت محمد نبی ہیں؟

حضرت حاطبؓ: کیوں نہیں!

مقوقس: قریش نے جب ان کو اپنے شہر سے نکال دیا تو انہوں نے بددعا کیوں نہ کی؟

حضرت حاطب: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ عیسیٰ بن مریم رسول خدا ہیں؟ اگر ایسا ہے تو انہوں نے صلیب پر کیوں نہیں دعا فرمائی اس دلنشین جواب پر مقوقس نے بے اختیار صدائے تحسین و آفرین بلند کی اور بولا بیشک تم حکیم کی طرف سے آئے ہو۔[2] میں نے جہاں تک غور کیا ہے، یہ نبی کسی لغو کام کا حکم نہیں دیتا، اور نہ پسندیدہ امور سے باز رکھتا ہے، میں نہ تو اس کو گمراہ جادوگر کہہ سکتا ہوں، اور نہ جھوٹا کاہن، اس نبوت کی بہت سی نشانیاں ہیں، میں عنقریب اس پر غور کروں گا'' اس کے بعد اس نے آنحضرت ﷺ کا نامہ مبارک لے کر ہاتھی دانت کے ایک ڈبہ

---

[1] زاد المعاد جلد ۲ ص ۵۔

[2] اسد الغابہ تذکرہ حاطب بن ابی بلتعہ

میں بند کیا، اور مہر لگا کر اپنی پیش خدمت کنیز کی حفاظت میں دیا۔

مقوقس نے حضرت حاطبؓ کو نہایت عزت واحترام سے رخصت کیا، اور آنحضرت ﷺ کے لئے گراں قدر تحائف ساتھ کر دیئے، جن میں حضرت ماریہ وسیرین دو لونڈیاں دلدل نامی ایک خچر اور بہت سے قیمتی کپڑے تھے۔[1]

غزوۂ فتح مکہ .... ۸ھ میں فتح مکہ کی تیاریاں ہوئیں اور غنیم کو بے خبر رکھنے کے لئے تمام احتیاطی تدبیریں عمل میں لائی گئیں، حضرت حاطبؓ گو مکہ کے رہنے والے نہ تھے، تاہم ایام جاہلیت میں قریش سے جو تعلقات پیدا ہو گئے تھے اس نے ان کو احباب قدیم کی مواسات پر برانگیختہ کیا، انہوں نے ان تیاریوں کے متعلق خط لکھ کر ایک عورت کی معرفت مکہ کی طرف روانہ فرمایا، لیکن کشاف غیب نے قبل از وقت اس راز کو طشت از بام کر دیا، آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ کو حکم دیا کہ روضہ خاخ کے پاس جا کر اس عورت سے خط چھین لائیں''

غرض خط گرفتار ہو کر آیا اور پڑھا یا تو آپ نے تعجب سے فرمایا'' حاطبؓ! یہ کیا ہے؟ عرض کی:

> ''یارسول اللہ! میرے معاملہ میں عجلت نہ فرمایئے، میں قریشی نہیں ہوں تاہم ایام جاہلیت میں ان سے تعلقات پیدا ہو گئے تھے چونکہ تمام مہاجرین اپنے مکی اعزہ واقارب کی حمایت ومساعدت کرتے رہتے ہیں، اس لئے میں نے بھی چاہا کہ اگر نسبی تعلق نہیں ہے تو کم سے کم اس احسان کا معاوضہ ادا کر دوں جو قریش میرے رشتہ داروں کے ساتھ مرعی رکھتے ہیں میں نے یہ کام مذہب سے مرتد ہو کر یا کفر کو اسلام پر ترجیح دے کر نہیں کیا''[2]

رسول اللہ ﷺ نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جو کچھ سچی بات تھی اس نے ظاہر کر دی اس لئے اس کو کوئی برا نہ کہے، حضرت عمرؓ نے عرض کی یارسول اللہ! یہ خدا اور رسول اور مسلمانوں کی خیانت کا مرتکب ہوا ہے، اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں؟'' ارشاد ہوا'' کیا وہ معرکہ بدر میں شریک نہ تھے؟ خدا نے تمام اہل بدر کو اجازت دے دی ہے، کہ تم جو چاہو کرو، تمہارے لئے جنت واجب ہو چکی ہے، رحمۃ للعالمین کی اس شان درگذر پر حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں، آنسو جاری ہو گئے۔[3]

---

[1] زاد المعاد جلد ۲ ص ۷۵

[2] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ فتح

[3] بخاری باب فضل من شھد بدرًا

اسی واقعہ کے بعد اعدائے اسلام سے الفت ومودت کی ممانعت کی گئی اور قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی۔[1]

يا ايها الذين امنوا لاتتخذوا عدوى و عدو كم اولياء تلقون اليهم با لمودة و قد كفروا بما جاء كم من الحق

اے وہ لوگ جو کہ ایمان لائے ہو میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ، تم ان کی طرف محبت سے پیش آتے ہو حالانکہ تمہارے پاس جو (مذہب) حق آیا ہے اس کا انہوں نے انکار کیا ہے۔

مصر کی سفارت...... آنحضرت ﷺ کے بعد خلیفہ اول نے انکو دوبارہ مقوقس کے دربار میں بھیج کر ان کی وساطت سے ایک معاہدہ ترتیب دیا جو حضرت عمرو بن العاصؓ کے حملہ مصر تک طرفین کا معمول بہ تھا۔[2]

وفات...... ۶۵ برس کی عمر پا کر ۳۰ھ میں رہ گزین عالم جاوداں ہوئے، حضرت عثمانؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور مسلمانوں کے ایک بڑے مجمع نے سپرد خاک کیا۔[3]

انا لله و انا اليه راجعون

اخلاق...... وفاشعاری، احسان پذیری اور صاف گوئی ان کے مخصوص اوصاف ہیں، احباب اور رشتہ داروں کا بے حد خیال رکھتے تھے، فتح مکہ کے موقع میں انہوں نے مشرکین کو جو خط لکھا وہ درحقیقت ان ہی جذبات پر مبنی تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی نیت خیر وصاف گوئی کو ملحوظ رکھ کر ان سے درگذر فرمایا۔

مزاج میں ذرا سختی تھی، چنانچہ وہ اپنے غلاموں کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آتے تھے، آنحضرت ﷺ اور خلفائے وقت ان کی اصلاح کر کے دباتے تھے، ایک دفعہ ان کے ایک غلام نے دربار نبوت میں تشدد کی شکایت پیش کر کے کہا "یارسول اللہ! حاطبؓ یقیناً جہنم میں جائے گا" ارشاد ہوا! "تو جھوٹ کہتا ہے، جو شخص بدر وحدیبیہ میں شریک ہوا ہے وہ جہنم میں نہیں جاسکتا۔[4]

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں بھی بار ہا غلاموں کے ساتھ ان کے تشدد کی شکایتیں سنی گئیں، ایک دفعہ ان کے غلام نے قبیلہ مزنیہ کے ایک شخص کا اونٹ ذبح کر دیا تو انہوں نے اس کی پاداش میں نہایت سخت سزا مقرر کی، یہاں تک کہ خود خلیفہ وقت نے ان کو بلا کر کہا:

"معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے غلاموں کو بھوکا رکھتے ہو"

---

[1] بخاری کتاب التفسیر باب تفسیر سورۃ الممتحنہ
[2] استیعاب جلد اص ۱۳۵ [3] استیعاب جلد اص ۱۳۵
[4] استیعاب جلد اص ۱۳۵

اور تبینہ وتادب کے خیال سے ان کے معاوضہ میں دوچند قیمت پیش کی۔[۱]

ذریعۂ معاش...... تجارت اصلی ذریعہ معاش تھی، انہوں نے کھانے کی ایک دکان (ریسٹورنٹ) سے نہایت کثیر نفع حاصل کیا، چنانچہ وفات کے وقت چار ہزار دینار نقد اور بہت سے مکانات چھوڑے۔[۲]

حلیہ...... یہ تھا، موزوں اندم، چہرہ خوبصورت، انگلیاں موٹی اور قد کسی قدر چھوٹا۔[۳]

---

[۱] استیعاب جلد ۱ ص ۱۳۵
[۲] طبقات ابن سعد قسم ۱ جز ۳، ص ۸۰
[۳] طبقات ابن سعد قسم ۱ جز ۳، ص ۸۰

حضرت عبداللہ بن سہیلؓ

نام ونسب...... عبداللہ نام، ابو سہیل کنیت، والد کا نام سہیل اور والدہ کا نام فاختہ بنت عامر تھا شجرۂ نسب یہ ہے:

عبداللہ بن سہیل بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن جبل ابن عامر بن لوی۔

اسلام...... مکہ میں ایمان لائے اور سرزمین حبش کی دوسری ہجرت میں شریک ہوئے۔[1]

حبش سے واپس آئے تو ان کے والد نے پکڑ کر مقید کر لیا اور سخت اذیت پہنچائی بالآخر حضرت عبداللہؓ ان جفا کاریوں سے تنگ آکر جمال توحید کو شرک کے پردہ میں چھپانے پر مجبور ہو گئے، یہاں تک کہ ان کے والدین اور مشرکین قریش نے ان کی ظاہری حالت سے یقین کر لیا کہ وہ بندگان توحید کے دائرہ سے باطل پرستوں کے حلقہ میں پھر واپس آ گئے اور غزوۂ بدر میں شرک کی حمایت پر اپنے ساتھ لے گئے، لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ جو دل نور ایمان سے ایک دفعہ روشن ہو چکا ہے، وہ کبھی تاریک نہیں ہو سکتا؟ غرض میدان بدر میں جب حق و باطل کے فدائی ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے تو حضرت عبداللہؓ شرک کا ظاہری جامہ چاک کر کے آغاز جنگ سے پہلے لوائے توحید کے نیچے آ کھڑے ہوئے۔

غزوات...... اس واقعہ پر ان کے والد کو سخت غصہ آیا اور جنگ شروع ہونے پر غیظ و غضب کے ساتھ حملہ آور ہوئے، لیکن اب وہ آزاد تھے، اخوان ملت کی پشت پناہی اور ہادی دین کے سایۂ عاطفت نے دل بڑھا دیا تھا، نہایت بہادری و شجاعت سے لڑے، یہاں تک کہ مسلمانوں کی فتح پر جنگ کا خاتمہ ہوا۔[2]

غزوۂ بدر کے علاوہ تمام مشہور معرکوں میں جانبازی و پامردی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب تھے، مکہ فتح ہوا تو انہوں نے دربار نبوت میں اپنے والد کے لئے امان طلب کی، آپ نے امان دے کر حاضرین سے فرمایا:

> ''سہیل بن عمرو کو کوئی نگاہ حقارت سے نہ دیکھے، قسم ہے کہ نہایت ذی عزت و دانشمند ہے، ایسا شخص محاسن اسلام سے ناواقف نہیں ہو سکتا، اور اب تو اس نے دیکھ لیا ہے کہ وہ جس کا حامی تھا اس میں کوئی منفعت نہیں''

[1] استیعاب جلد ا ص ۳۹۴

[2] طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۲۹۵

حضرت عبد اللہؓ نے اپنے والد کے پاس آکر رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنایا اور امان کی بشارت دی تو ان کا دل اپنے صاحبزادہ کی سعادت مندی پر تشکر آمیز شفقت سے لبریز ہوگیا، بولے "خدا کی قسم یہ بچپن ہی سے سعادت مند و نیکوکار ہے" [1]

شہادت...... حضرت عبد اللہؓ تقریباً ۳۸ برس کی عمر پاکر ۱۲ھ میں یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے [2]

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

حضرت ابوبکرؓ حج کیلئے مکہ آئے تو ان کے والد سہیلؓ کے پاس تعزیت کے لئے گئے، صابرو شاکر باپ نے کہا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ شہید اپنے ۷۰ اہل خاندان کی شفاعت کرے گا، مجھ کو امید ہے کہ میرا لڑکا اس وقت مجھ کو فراموش نہ کرے گا" [3]

[1] استیعاب جلد ا ص ۳۹۵، [2] ایضاً،
[3] طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳، ص ۲۹۲

حضرت عتبہ بن غزوانؓ

نام ونسب...... عتبہ نام، ابوعبداللہ کنیت، غزوان جابر کے لخت جگر تھے، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

عتبہ بن غزوان بن جابر بن وہب بن نسیب، بن زید بن مالک بن الحارث بن مازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان بن مضر، ایام جاہلیت میں ان کا خاندان بنی نوفل بن عبد مناف کا حلیف تھا۔[1]

اسلام...... حضرت عتبہؓ ان بزرگوں میں ہیں جنہوں نے ابتداء ہی میں داعی توحید کو لبیک کہا تھا،[2] چنانچہ ایک دفعہ انہوں نے اثنائے تقریر میں دعویٰ کیا تھا کہ سابقین اسلام میں ان کا ساتواں نمبر ہے،[3] لیکن صحیح یہ ہے کہ اس وقت تک صحابہ کرامؓ کا حلقہ اس سے زیادہ وسیع ہو چکا تھا۔

ہجرت...... کفار مکہ کی ستم آرائیوں سے تنگ آکر ملک حبش کی دوسری ہجرت میں شریک ہوئے، لیکن کچھ عرصہ کے بعد پھر واپس چلے آئے، آنحضرت ﷺ اس وقت تک مکہ میں موجود تھے۔[4]

رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور کفر واسلام میں باہم فوجی چھیڑ چھاڑ کا آغاز ہوا تو یہ اور حضرت مقدادؓ ایک قریشی متجسس دستہ فوج کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، عکرمہ بن ابی جہل اس کا امیر عسکر تھا، راہ میں مجاہدین اسلام کی ایک جماعت سے مڈبھیڑ ہوئی، حضرت عبیدہ بن الحارثؓ اس کے افسر تھے، یہ دونوں موقع پاکر مسلمانوں سے مل گئے[5] اور مدینہ پہنچ کر حضرت عبداللہ بن سلمہ عجلانیؓ کے مہمان ہوئے، یہاں حضرت عتبہؓ اور حضرت ابودجانہ انصاریؓ میں باہم مواخات ہوئی۔[6]

غزوات...... تیراندازی کے لحاظ سے ان کا شمار کاملین فن میں تھا،[7] بدر، احد اور ان تمام معرکوں میں جن میں رسول اللہ ﷺ نے خود بنفس نفیس حصہ لیا، شجاعت و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے۔[8]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴
[2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۶۰
[3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴
[4] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴
[5] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴
[6] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۹
[7] مستدرک جلد ۳ ص ۲۶۰
[8] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴

۱۴ھ میں خلیفہ دومؓ نے ان کو بندرگاہ ابلہ حیسان اور اس کے ملحقہ مقامات کی فتح پر مامور فرمایا، فرمان کے الفاظ یہ تھا۔

''خدا کی نوازش و برکت پر اعتماد کر کے عرب کے انتہائی حدود اور مملکت عجم کے قریب ترین حصہ کی طرف اپنے ساتھیوں کو لے کر روانہ ہو جاؤ، جہاں تک ممکن ہو تقوی کو اپنا شعار بناؤ، اور خیال رکھو کہ تم دشمن کی سرزمین میں جارہے ہو، مجھے امید ہے کہ خدا تمہاری مدد فرمائے گا''

میں نے علاء بن الحضرمی کو لکھا ہے کہ عرفجہ بن ہرثمہ کو بھیج کر تمہاری مدد کریں وہ دشمن کے مقابلہ میں ایک نہایت سرگرم مجاہد اور صاحب تدبیر شخص ہیں تم ان کو اپنا مشیر بناؤ اور اہل عجم کو خدا کی دعوت دو، جو قبول کرے اس کو پناہ دو جو اس سے انکار کرے وہ محکومانہ عاجزی کے ساتھ جزیہ دے، ورنہ تلوار سے فیصلہ کرو، راہ میں جن عربی قبائل سے گذرو ان کو جہاد اور دشمن سے لڑنے پر برانگیختہ کرو، اور ہر حال میں خدا سے ڈرتے رہو'۱

حضرت عتبہؓ نے حسب فرمان اس مہم کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا، یعنی دریائے دجلہ تمام ساحلی علاقہ جو ابلہ، ابرقباذ اور میسان وغیرہ جیسے اہم مقامات پر مشتمل تھا، اسلام کا زیر نگین کر دیا۔۲

تعمیر بصرہ...... اسی سال ان کا بندرگاہ ابلہ کے قریب جہاں خلیج فارس کے ذریعہ سے ہندوستان و فارس کے جہازات لنگر کرتے تھے، ایک شہر بسانے کا حکم دیا گیا، حضرت عتبہؓ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ اس کف دست میدان میں تشریف لائے اور شہر کی داغ بیل ڈالی، ہر قبیلہ کے لئے ایک ایک محلہ مخصوص کر دیا۔۳ اور حضرت محجن بن الادرعؓ کو جامع مسجد کی تعمیر پر مامور فرمایا، عمارتیں اولاً گھاس پھوس سے بنائی گئی تھیں، چنانچہ جامع مسجد کی عمارت بھی بانس اور پھوس سے بنائی گئی تھی۔۴

ولایت...... حضرت عتبہؓ اس نئے شہر کے سب سے پہلے والی مقرر ہوئے اور چھ مہینے تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ فرائض منصبی انجام دیتے رہے۔۵ لیکن زہد و بے نیازی نے اس سے کنارہ کش ہونے پر آمادہ کر دیا، ۱۵ھ میں حضرت مجاشع بن مسعودؓ کو جانشین بنا کر فرات کی طرف فوج کشی کا حکم دے دیا اور حضرت مغیرہؓ بن شعبہؓ کو امارت کی خدمت سپرد کر کے حج کے خیال سے مکہ معظمہ تشریف لائے، یہاں امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ موجود تھے، ان کی

۱ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴ ۲ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۶۴
۳ فتوح البلدان بلاذری ذکر تعمیر البصرہ ۴ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴
۵ طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۶۹

خدمت میں اپنا استعفیٰ پیش کیا، لیکن انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور بصرہ واپس جانے کی ہدایت کی۔[1]

وفات...... حضرت عتبہؓ دل سے کنارہ کشی کے متمنی تھے، خلیفہ وقت کے حکم سے مجبور ہو کر بصرہ کی طرف روانہ ہوئے تو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی "خدایا مجھے بصرہ نہ پہنچا" دعا مقبول ہوئی اتفاقاً راہ میں اونٹ سے گر کر واصل بحق ہوئے اور ۵۷ برس کی مفارقت کے بعد خاک کا پتلا خاک سے مل گیا[2] انا للہ و انا الیہ راجعون

اخلاق...... ان کا چمن اخلاق گل ہائے رنگا رنگ سے آراستہ تھا، تقویٰ، زہد، جفاکشی اور خاکساری اس باغ کے سب سے خوش آیند پھول ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت رسول اللہ ﷺ کو لبیک کہا تھا جب کہ صرف چھ آدمیوں کو اس کی توفیق عطا ہوئی تھی، اور عسرت و ناداری کے باعث درخت کے پتوں پر گذارہ کرنا پڑتا تھا جس سے آنتوں میں زخم پڑ جاتے تھے۔[3]

زہد و بے نیازی نے منصب امارت جیسے فخر اعزاز سے متنفر کر دیا تھا، تکبر و غرور سے قطعی نفرت تھی، فرمایا کرتے تھے "میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ لوگوں کی نظر میں حقیر رہنے کے باوجود اپنے آپ کو بڑا سمجھوں"[4] انہوں نے بصرہ کی جامع مسجد میں ایک خطبہ دیا تھا، یہاں اس کے چند فقرے نقل کیے جاتے ہیں، ان سے ان کے خوف قیامت، زہد اور خاکساری کا اندازہ ہوگا،

> "صاحبو! دنیا فنی وگذشتنی ہے، اس کا بڑا حصہ گذر چکا ہے اور اب صرف ریزش باقی ہے، جس طرح کسی ظرف کا پانی پھینک دینے کے بعد آخر میں کچھ دیر تک تقاطر کا سلسلہ قائم رہتا ہے، ہاں تم یقیناً اس دنیا سے ایک جگہ منتقل ہونے والے ہو جس کو کبھی زوال نہیں تو پھر کیوں نہیں بہتر سے بہتر تحائف اپنے ساتھ لے جاتے ہو؟ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ اگر پتھر کا کوئی ٹکڑا جہنم کے کنارہ سے لڑھکایا جائے تو ستر برس میں بھی وہ اس کی گہرائی کو طے نہیں کر سکتا، لیکن خدا کی قسم! تم اس کو بھر دو گے، کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو؟ خدا کی قسم! مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ جنت کے دروازے اس قدر وسیع ہوں گے کہ چالیس سال میں اس کی مسافت طے ہو سکتی ہے، لیکن ایک دن ایسا بھی آئے گا جب کہ ان پر سخت اژدحام ہوگا"۔
>
> "میں جب ایمان لایا تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف چھ آدمی تھے عسرت و ناداری کی یہ حالت تھی کہ درخت کے پتوں پر گذارہ تھا، جس سے آنتوں میں زخم پڑ جاتے

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴۔　　[2] ایضاً

[3] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۔　　[4] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۵

تھے، مجھے ایک دفعہ چادر مل گئی جس کو چاک کر کے میں نے اور سعد نے تہ بند بنایا لیکن ایک دن وہ بھی آیا جب ہم میں سے ہر ایک کسی نہ کسی شہر کا امیر ہے، میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ خدا کے نزدیک حقیر ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بڑا سمجھوں نبوت ختم ہو چکی ہے، انجام کار بادشاہت قائم ہوگی، اور تم عنقریب ہمارے بعد امیر وں کو آزماؤ گے'' [1]

حلیہ ...... یہ تھا قد طویل، مجموعی حیثیت سے حسین وخوبرو۔ [2]

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۷۴

[2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ۳ ص ۶۹

حضرت عامر بن فہیرہؓ

نام ونسب...... عامر نام، ابوعمر کنیت، والد کا نام فہیرہ تھا، یہ طفیل بن عبداللہ کے غلام تھے، جو حضرت عائشہؓ کے اخیافی بھائی اور قبیلہ ازد کے ایک ممبر تھے۔[1]

اسلام...... حضرت عامرؓ نے ابتداء ہی میں دعوت توحید کو آویزۂ گوش ہوش بنایا تھا، آنحضرت ﷺ اس وقت تک ارقم بن ابی الارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے، غلامانہ بے بسی کے ساتھ اس حق پسندی نے قدرۃً ان کو سخت سے سخت مصائب میں مبتلا کیا، طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں، لیکن آخر وقت تک استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا، یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ کے دست کرم نے قید غلامی سے نجات دلائی۔[2]

ہجرت...... ہجرت کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ غار ثور میں پوشیدہ ہوئے تو حضرت عامر بن فہیرہؓ کے متعلق یہ خدمت تھی کہ وہ دن پھر مکہ کی چراگاہ میں حضرت ابوبکرؓ کی بکریاں چراتے، شام کو غار کے پاس لے آتے یہاں ان کا دودھ دوھ کر استعمال کیا جاتا تھا، صبح کے وقت حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ جو عموماً شب کے وقت حاضر ہوکر مکہ کی سرگذشت سنایا کرتے تھے، واپس جاتے تو بکریوں کو ان کے نشان قدم پر لے جاتے کہ مشرکین کو کچھ شبہ نہ ہو[3] غرض جب یہ قافلہ غار ثور سے آگے بڑھا تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کو اپنے پیچھے بٹھایا، مدینہ پہنچ کر وہ حضرت سعد بن خثیمہؓ کے مہمان ہوئے اور حضرت حارث بن اوسؓ ان کے اسلامی بھائی بنائے گئے۔[4]

ابتداء مدینہ کی آب وہوا جن لوگوں کو راس نہ آئی ان میں سے ایک حضرت عامر بن فہیرہؓ بھی تھے، یہ اس قدر سخت بیمار ہوئے کہ زندگی سے یاس ہوگئی، شدت بحران کے وقت یہ اشعار ورد زبان ہوتے تھے۔[5]

انی وجدت الموت قبل ذوقه
ان الجبان حتفه من فوقه

میں نے موت سے پہلے اس کا مزہ چکھ لیا، بے شک بزدل کی موت اوپر ہی سے ہے

---

[1] کتاب المغازی باب غزوۃ الرجیع الخ [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۹۱،
[3] بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الرجیع
[4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۴
[5] اصابہ تذکرہ ابن فہیرہؓ

کل امرۃ مجاھد بطوقہ
کالثور یحمی انفہ بروقہ

ہر شخص اپنی طاقت سے کوشش کرتا ہے جس طرح بیل اپنی ناک کو سینگ سے محفوظ رکھتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کو جب مہاجرین کرامؓ کی علالت کی خبر ملی تو آپ نے دعا فرمائی۔
''اے خدا! تو مدینہ کو مکہ کی طرح یا اس سے بھی زیادہ ہمارے لئے پسندیدہ بنا اور اس کو بیماریوں سے پاک کر''

دعا مقبول ہوئی اور حضرت عامر بن فہیرہؓ بستر علالت سے اٹھ کھڑے ہوئے۔[1]

غزوات...... غزوہ بدر واحد میں شریک تھے ۴ھ میں رسول اللہ ﷺ نے ستر قاریوں کی ایک جماعت کو مشرکین بیر معونہ کی تبلیغ وتلقین پر مامور فرمایا، حضرت عامر بن فہیرہؓ بھی اس میں شامل تھے قبائل رعل وذکوان وغیرہ نے غداری کے ساتھ اس تمام جماعت کو شہید کر دیا، صرف حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ زندہ گرفتار ہوئے عامر بن طفیل نے ان سے ایک لاش کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ بولے ''عامر بن فہیرہؓ'' اس نے کہا میں نے ان کو مقتول ہونے کے بعد دیکھا کہ آسمان کی طرف اٹھائے گئے یہاں تک کہ آسمان وزمین کے درمیان بالکل معلق نظر آئے، پھر زمین پر رکھ دیئے گئے۔[2]

تعجب انگیز شہادت...... حضرت عامر بن فہیرہؓ کے سینہ سے جس وقت جبار بن سلمی کا نیزہ پار ہوا تو بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا:

''خدا کی قسم میں کامیاب ہوگیا''

لاش تڑپ کر آسمان کی طرف بلند ہوئی، ملائکہ نے تجہیز وتکفین کی، اور روح اقدس کے لئے اعلیٰ علیین کے دروازے کھول دیئے گئے، جبار بن سلمی کو اس کرشمہ قدرت نے سخت متعجب کیا اور وہ متاثر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔[3]

اخلاق...... حضرت عامر بن فہیرہؓ صورت ظاہری کے لحاظ سے گو سیاہ فام حبشی تھے، ذاتی وجاہت کا یہ حال تھا کہ ۴۰ سالہ زندگی کا بڑا حصہ ستم پیشہ آقاؤں کی غلامی میں بسر ہوا، لیکن فطری جوہر اخلاق ان ظاہری فریب آرائشوں کا محتاج نہیں، وہ حلۂ شہی وخرقہ گدائی میں ہمیشہ یکساں اپنی چمک دکھاتا ہے، انہوں نے گوناگوں مصائب ومظالم کے مقابلہ میں جس طرح استقلال استقامت کا اظہار فرمایا وہ یقیناً ان کے دستار فضل کا ایک نہایت خوشنما طرہ ہے۔

---

[1] بخاری باب ہجرت النبی واصحابہ الی المدینۃ
[2] بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الرجیع
[3] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۳۷

رازداری کا یہ حال ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے نازک سے نازک موقع پر ان کو اپنا معتمد علیہ بنایا، شوق شہادت نے ان کو دنیا سے بے نیاز کر دیا تھا، چنانچہ غزوۂ بیر معونہ میں جب برچھی جگر سے پار ہوگئی تو یہ کلمہ زبان پر تھا

فزت و اللہ

''یعنی خدا کی قسم کامیاب ہوگیا''[1]

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۳۷

حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ

نام ونسب...... عبداللہ نام، ابوسلمہ کنیت، والد کا نام عبدالاسد اور والدہ کا نام برہ بنت عبدالمطلب تھا پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم القرشی المخزومی[1]

اسلام...... آنحضرت ﷺ کے ارقمؓ بن ابی ارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین ہونے سے پہلے حلقہ مومنین میں داخل ہوئے، ان کی بیوی حضرت ام سلمہؓ نے بھی ان کا ساتھ دیا، حضرت ابوسلمہؓ حضرت عبیدہ بن حارثؓ، حضرت ارقم بن ابی ارقمؓ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ ایک ساتھ ایمان لائے تھے۔[2]

ہجرت...... حضرت ابوسلمہؓ سرزمین حبش کی دونوں، ہجرتوں میں شرکت تھے، ان کی بیوی حضرت ام سلمہ بھی رفیق سفر تھیں، پھر حبش سے واپس آکر عازم مدینہ ہوئے، بخاری کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سب سے پہلے مہاجر تھے، جو وارد یثرب ہوئے، لیکن دوسری روایت میں اولیت کا سہرا حضرت مصعبؓ بن عمیرؓ کے سر باندھا گیا، بے علامہ ابن حجرؒ ان دونوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> ''حضرت ابوسلمہؓ جب حبش سے مکہ واپس آئے تو مشرکین نے پھر ان کو ہدف اذیت بنایا، اس بنا پر ان کا مدینہ آنا مشرکین کے خوف سے تھا، مستقل ہجرت کا ارادہ نہ تھا، برخلاف اس کے حضرت مصعب بن عمیرؓ اس وقت پہنچے جب کہ مستقل ہجرت کا حکم ہو چکا تھا اس لئے ان دونوں روایتوں میں باہم تخالف نہیں ہے۔''[3]

بہر حال حضرت ابوسلمہؓ سب سے پہلے مدینہ پہنچے، یہ محرم کی دسویں تاریخ تھی، خاندان عمرو بن عوف نے ان کو کامل دو ماہ یعنی آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری تک اپنا مہمان رکھا۔[4]

مواخات...... آنحضرت ﷺ نے حضرت سعد بن خثیمہ انصاری سے مواخات کرادی اور مستقل سکونت کے لئے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا۔[5]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۸۱ [2] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۸۱
[3] فتح الباری جلد ۷ ص ۲۰۳،
[4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۱
[5] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۱

غزوات...... غزوۂ بدر و اُحد میں سرگرم پیکار تھے، اُحد میں ابو اسامہ جسمی کے ایک تیر نے ان کا بازو زخمی کر دیا، جو کامل ایک ماہ تک زیر علاج رہنے کے بعد بظاہر مندمل ہو گیا، لیکن غیر محسوس طریقہ پر اندر ہی اندر زہر پھیلاتا رہا، اسی اثناء میں وہ سریۂ قطن پر مامور ہوئے جس کی تفصیل یہ ہے۔

سریۂ قطن...... فید کے اطراف میں قطن ایک پہاڑ کا نام ہے جس کا دامن بنو اسد بن خزیمہ کا مسکن تھا، آنحضرت ﷺ کو خبر ملی کہ طلیحہ اور اسد بن خویلد یہاں اپنی قوم اور دوسرے زیر اثر قبائل کو جنگ کے لئے ابھار رہے ہیں، اس بناپر اوائل محرم ۴ھ میں حضرت ابو سلمہؓ کے زیر سیادت تقریباً ڈیڑھ سو مجاہدین کی ایک جماعت جس میں مہاجرین و انصار دونوں شریک تھے، قبل از وقت اس فتنہ انگیز تحریک کو دبانے پر مامور ہوئے، آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو سلمہؓ کو علم دے کر فرمایا:

''روانہ ہو جاؤ یہاں تک کہ بنو اسد کی سرزمین میں پہنچ کر ان کی جمعیت کے فراہم ہونے سے پہلے انکا شیرازہ منتشر کر دو''

حضرت ابو سلمہؓ غیر معروف راستہ سے یلغار کرتے ہوئے یکا یک بنو اسد پر جا پڑے، وہ اس ناگہانی حملہ سے بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے، تو انہوں نے اپنی جماعت کو تین دستوں پر منقسم کر کے ان کے تعاقب پر مامور فرمایا، چنانچہ وہ دشمن کو دور تک بھگا کر نہایت کثرت کے ساتھ اونٹ اور بھیڑ بکریاں چھین لائے جن کو حضرت ابو سلمہؓ نے مدینہ پہنچ کر بطور مال غنیمت دربار نبوت میں پیش کیا۔[2]

وفات...... حضرت ابو سلمہؓ اس مہم سے واپس آئے تو زخم پھر عود کر آیا اور ایک عرصہ تک بیمار رہ کر ۳ جمادی الآخر ۴ھ میں واصل بحق ہوئے، اتفاق سے آنحضرت ﷺ عین حالت نزع میں عیادت کے لئے تشریف لائے تھے، روح دیدار جمال کی منتظر تھی، ادھر آپ تشریف لائے اور ادھر روح نے جسم کا ساتھ چھوڑا آپ نے دست مبارک سے ان کی دونوں آنکھیں بند کر کے فرمایا۔

''انسان کی روح جس وقت اٹھائی جاتی ہے تو اس کی آنکھیں اس کے دیکھنے کے لئے کھلی رہ جاتی ہیں''۔[3]

ایک طرف پردہ کے پیچھے گھر کی عورتیں مصروف ماتم تھیں، آنحضرت ﷺ نے ان کو اس سے روک کر فرمایا کہ یہ دعائے خیر کا وقت ہے کیونکہ ملائکہ آسمان جو میت کے پاس موجود ہوتے ہیں وہ دعا، گویوں کی دعا پر آمین کہتے ہیں، پھر خود اس طرح دست بدعا ہوئے۔

''خدایا! اس کی قبر کو کشادہ و روشن کر، اس کو پرنور بنا، اس کے گناہوں کے بخش

---

۱ طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۱۷۱
۲ طبقات ابن سعد قسم اول حصہ مغازی سریہ ابو سلمہ
۳ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۷۲

دے اور ہدایت یاب جماعت میں اس کا درجہ بلند فرما"۔[1]

تجہیز وتکفین ...... حضرت ابوسلمہؓ نے مدینہ کے قریب مقام عالیہ میں وفات پائی کیونکہ وہ قبا سے منتقل ہوئے تو یہیں آ کر سکونت پذیر ہوئے تھے، بنی امیہ بن زید کے کنوئیں یسیرہ[2] کے پانی سے غسل دیا اور مدینہ کی خاک پاک نے اپنے دامن میں چھپایا۔[3]

انا للّٰه و انا الیه راجعون

فضائل ومحاسن ...... حضرت ابوسلمہؓ کا پایہ فضل وکمال نہایت بلند تھا، وہ بیمار ہوئے تو آنحضرت ﷺ اکثر ان کی عیادت فرمایا کرتے تھے۔[4]

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز ابوسلمہؓ دربار نبوت میں خوش خوش گھر واپس آئے، اور کہنے لگے کہ آج مجھے رسول اللہ ﷺ کے ایک ارشاد نے بے حد محظوظ کیا، آپ نے فرمایا ہے کہ جو مصیبت زدہ مسلمان اپنی مصیبت میں خدا کے طرف رجوع کر کے کہتا ہے۔ "اے خدا! اس مصیبت میں میری مدد کر اور بہتر نعم البدل عطا فرما" تو خدا اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔ چنانچہ ابو سلمہؓ کی وفات نے جب مجھے صدمہ پہنچایا تو میں نے خدا کی طرف رجوع کر کے کہا "اے خدا! میری مدد کر اور تلافی بالخیر فرما" لیکن پھر یہ خیال گذرا کہ میرے لئے ابوسلمہؓ کا نعم البدل کون ہو سکتا ہے؟ عدت گذرنے کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے نکاح کا پیام بھیجا تو مجھے معلوم ہوا کہ خدا نے تلافی بالخیر کی صورت پیدا کر دی ہے۔"[5]

اولاد ...... حضرت ابوسلمہؓ نے دو لڑکے سلمہ وعمر اور دو لڑکیاں زینب اور درہ یادگار چھوڑی ان کی تمام اولاد حضرت ام سلمہؓ ہند بنت ابی امیہ سے ہوئی تھی جو ان کے بعد امہات المومنین میں داخل کی گئیں۔[6]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۲

[2] ایام جاہلیت میں یہ کنواں بیر عبیر کے نام سے مشہور تھا، آنحضرت ﷺ نے اس کو بدل کر بیر یسیرہ نام رکھا (ایضاً ص ۱۷۲

[3] ایضاً ص ۱۷۱

[4] اصابہ تذکرہ ابوسلمہؓ

[5] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۲۷

[6] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۰

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

نام ونسب...... عبداللہ نام، ابومحمد کنیت والد کا نام جحش اور والدہ کا نام امیمہ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

عبداللہ بن جحش بن رباب بن یعمر بن صبرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ الاسدی

حضرت عبداللہؓ کی والدہ امیمہ عبدالمطلب کی صاحبزادی اور آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں، ایام جاہلیت میں وہ حرب بن امیہ کے حلیف تھے، بعضوں نے قبیلہ بنی عبدشمس کو ان کا حلیف لکھا ہے، لیکن ان دونوں روایتوں میں باہم کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ حرب بن امیہ اسی قبیلہ کا ایک ممبر تھا۔[1]

اسلام...... حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے ابتدا ہی میں داعی اسلام کو لبیک کہا تھا، اس وقت آنحضرت ﷺ ارقم بن ابی ارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔[2]

ہجرت...... مشرکین قریش کے دست تظلم سے یہ خاندان بھی محفوظ نہ تھا، انہوں نے دو دفعہ سرزمین حبش کی طرف ہجرت فرمائی، آخر سفر میں تمام خاندان یعنی دو بھائی ابواحمد، عبیداللہ اور تین بہنیں زینب، ام حبیبہ، حمنہ بنت جحش نیز عبیداللہ کی بیوی ام حبیبہ بنت ابی سفیان ساتھ تھیں۔

عبیداللہ نے حبش میں نصرانیت اختیار کر لی تھی وہیں پیوند خاک ہوا، حضرت عبداللہ ابن جحشؓ اپنے بقیہ خاندان کو پھر مکہ واپس لائے، اور یہاں سے اپنے قبیلہ یعنی بنی غنم بن دودان کے تمام ممبروں کو جو سب کے سب دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے، ساتھ لے کر مدینہ پہنچے انہوں نے اپنے رشتہ داروں سے اس طرح مکہ کو خالی کر دیا تھا کہ محلّہ کا محلّہ بے رونق ہو گیا، اور بہت سے مکانات مقفل ہو گئے۔[3]

مدینہ میں حضرت عاصم بن ثابت بن ابی افلح انصاری نے ان کے تمام قبیلہ کو اپنا مہمان بنایا، آنحضرت ﷺ نے ان دونوں میں بھائی چارہ کرا دیا تھا۔[4]

غزوات...... ماہ رجب ۲ھ میں رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک جمعیت کی امارت سپرد کی اور

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۳۱
[2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۲
[3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۲، ۶۳
[4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۲

سربمہر فرمان دے کر حکم دیا کہ دو روز سفر کرنے کے بعد کھول کر پڑھیں اور اس کی ہدایتوں کو اپنا طرز عمل بنائیں، حضرت عبداللہؓ نے حسب ارشاد دو منزلوں کے بعد کھول کر پڑھا، اس میں حکم دیا گیا تھا کہ مکہ اور طائف کے درمیان جو نخلستان ہے وہاں پہنچ کر قریش کی نقل و حرکت اور دوسرے ضروری حالات کا پتہ چلائیں، انہوں نے نہایت ادب کے ساتھ اس حکم پر سمعاً و طاعۃً کہا اور اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر بولے:

''صاحبو میں رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کو پورا کر کے رہوں گا، تم لوگوں میں سے جو شہادت کا آرزومند ہو ساتھ چلے اور جو اس کو ناپسند کرتا ہو وہ لوٹ جائے میں کسی کو مجبور نہیں کرتا''

اس تقریر پر سب نے جوش رفاقت و جاں نثاری کی حامی بھری اور نخلستان پہنچ کر قریش کے تجسس میں مصروف ہوئے، اتفاقاً اس طرف سے ایک تجارتی قافلہ گذرا، گو ماہ رجب میں مراسم جاہلیت کے مطابق قتل و خونریزی ناجائز تھی، تاہم مسلمانوں نے پھر حملہ آور ہونے کی رائے قائم کر لی، اور یکا یک ٹوٹ پڑے عمرو بن حضرمی جو اس قافلہ کا سرگروہ تھا مارا گیا حضرت عثمان بن عبداللہ اور حکیم بن کیسان گرفتار ہوئے، بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا، حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے اس میں سے ایک خمس نکال کر باقی بہ حصہ مساوی تمام شرکائے جنگ میں تقسیم فرمادیا، اس وقت تک تقسیم غنیمت کے متعلق کوئی قانون وضع نہیں ہوا تھا، لیکن حضرت عبداللہ کا اجتہاد صحیح ثابت ہوا اور قرآن میں اسی کے مطابق خمس کی آیت نازل ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن جحشؓ مال غنیمت کا خمس لے کر دربار نبوت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اس کے لینے میں پس و پیش کیا اور فرمایا کہ میں نے تم کو ماہ حرام میں خونریزی کا حکم نہیں دیا تھا، مسلمانوں نے بھی اس جسارت پر ملامت کی، قریش نے اس واقعہ کو زیادہ شہرت دی، اور کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب نے ماہ محرم کو حلال کر لیا اور قتل و خونریزی کر کے اس کی بے حرمتی کی، لیکن وحی الٰہی نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو ان جگر دوز طعنوں سے بری کر دیا۔[1]

یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیر و صد عن سبیل اللّٰہ و کفر بہ و المسجد الحرام و اخراج اھلہ منہ اکبر عند اللّٰہ و الفتنۃ اکبر من القتل .(بقرہ ۲۷)

لوگ تم سے ماہ حرام کی نسبت پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑنا (جائز) ہے کہہ دو کہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور خدا کی راہ سے روکنا اور اس کا نہ ماننا اور مسجد حرام سے (باز رکھنا) اور اس کے اہل کو اسے نکالنا خدا کے نزدیک اس سے (بھی) بڑھ کر ہے اور فساد کشت و

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۳۴۴، ۳۴۵

خون سے زیادہ برا ہے۔

حضرت عبداللہ بن جحشؓ غزوۂ بدر و اُحد میں شریک تھے، حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ جنگ احد کے ایک روز پہلے میں نے اور عبداللہ نے ایک ساتھ دعا مانگی تھی میرے الفاظ یہ تھے۔

''اے خدا! کل جو دشمن میرے مقابل میں آئے وہ نہایت بہادر اور غضبناک ہوتا کہ میں تیری راہ میں اس کو قتل کروں''

عبداللہ نے آمین کہا، پھر دست بدعا ہوئے۔

''خدایا، مجھے ایسا مقابل عطا کر جو نہایت شجاع اور سریع الغضب ہو، میں تیری راہ میں اس سے معرکہ آرا ہوں، یہاں تک کہ وہ مجھے قتل کر کے ناک کان کاٹ ڈالے، جب میں تجھ سے ملوں گا اور تو فرمائے گا اے عبداللہ! یہ تیرے کان، ناک کیوں کاٹے گئے؟ تو عرض کروں گا تیرے لئے اور تیرے رسول کے لئے ان کو اپنی یہ تمنا اس قدر متوقع الحصول نظر آتی تھی کہ قسم کھا کر کہتے تھے ''خدایا! میں تیری قسم کھاتا ہوں کہ میں دشمن سے لڑوں گا، یہاں تک کہ وہ مجھے قتل کر کے میرا مثلہ کر لے گا''[۱]

شہادت...... غرض ۷ شوال ۳ھ سنیچر کے روز معرکہ کارزار گرم ہوا، حضرت عبداللہ بن جحشؓ اس جوش سے لڑے کے تلوار ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی، آنحضرت ﷺ نے ان کو کھجور کی چھڑی مرحمت فرمائی جس نے ان کے ہاتھ میں تلوار کا کام دیا، دیر تک لڑتے رہے، بالآخر اسی حالت میں ابوالحکم ابن اخنس ثقفی کے وار نے شہادت کی تمنا پوری کر دی، مشرکین نے مثلہ کیا اور ان کے ناک کان کاٹ کر دھاگے میں پروئے، حضرت سعدؓ نے دیکھا تو بولے :

''خدا کی قسم عبداللہ کی دعا میری دعاء سے بہتر تھی''[۲]

چالیس برس سے کچھ زیادہ عمر پائی، اپنے ماموں سید الشہداء، حضرت امیر حمزہؓ کے ساتھ ایک ہی قبر میں مدفون ہوئے،[۳] انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

اخلاق...... گذشتہ واقعات سے ان کے مذہبی جوش و وارفتگی کا اندازہ ہوا ہوگا، جفاکشی ان کی فطرت میں داخل تھی، چنانچہ نخلستان کی مہم پر مامور کیے گئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کے ساتھیوں سے فرمایا تھا۔

''گو عبداللہ بن جحش تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہے تاہم بھوک پیاس

---

[۱] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۳۱، [۲] ایضاً،
[۳] ایضاً ص ۱۳۲ [۴] اصابہ تذکرہ عبداللہ بن جحشؓ

کی سختیوں کو زیادہ برداشت کرسکتا ہے''۴

خدا اور رسول اللہ ﷺ کی محبت نے ان کو تمام دنیا سے بے نیاز کر دیا تھا، انہیں اگر کوئی تمنا تھی تو صرف یہ کہ جان عزیز کسی طرح راہ خدا میں نثار ہو جائے، چنانچہ آرزو پوری ہوئی اور "المجدع في الله" یعنی گوش بریدہ راہ خدا۔ ان کے نام کا فضل امتیازی ہو گیا۔۱

حلیہ...... حلیہ یہ تھا قد میانہ، سر کے بال نہایت گھنے۔۲

اولاد...... حضرت عبد اللہؓ کے ازواج و اولاد کی تفصیل معلوم نہیں، غالباً ایک لڑکا تھا، آنحضرت ﷺ اس کے ولی تھے اور آپ نے اس کے لئے خیبر میں جائیداد بھی خرید فرمائی تھی۔۳

---

۱ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۳۲
۲ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۴
۳ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۴

حضرت عکاشہ بن محصنؓ

نام ونسب...... عکاشہ نام، ابو محصن کنیت، محصن بن حرثان کے نور نظر تھے، پورا سلسلہ نسب یہ تھا، عکاشہ بن محصن بن حرثان بن قیس بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ الاسدی۔

ایام جاہلیت میں بنی عبد شمس کے حلیف تھے۔[1]

اسلام وہجرت...... مکہ میں قبل ہجرت بادۂ ایمان سے مخمور ہوئے ساقی اسلامؐ نے جب یثرب کا رخ کیا تو یہ بھی قدح خوران توحید کے ساتھ مدینہ پہنچے۔[2]

غزوات...... غزوۂ بدر میں غیر معمولی جانبازی وشجاعت کے ساتھ سرگرم کارزار تھے، ان کی تیغ دودم ریزے ریزے ہوکر اڑ گئی تو آنحضرت ﷺ نے ان کو کھجور کی ایک چھڑی مرحمت فرمائی جس نے خنجر خاراشگاف بن کر دشمن کا صفایا کر دیا، وہ آخر وقت تک اس سے لڑتے رہے، یہاں تک کہ حق نے فتح پائی اور باطل مغلوب ہوا۔[3]

اس معرکہ کے علاوہ احد، خندق اور تمام دوسری مشہور جنگوں میں جوش وپامردی کے ساتھ نبرد آزما تھے، ماہ ربیع الاول ۶ھ میں چالیس آدمیوں کی ایک جمعیت کے ساتھ بنو اسد کی سرکوبی پر مامور ہوئے جو مدینہ کی راہ میں چشمہ غمر پر خیمہ افگن تھے، حضرت عکاشہؓ نہایت تیزی کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے موقع پر جا پہنچے لیکن وہ خائف ہوکر پہلے ہی بھاگ گئے تھے، اس لئے کوئی جنگ پیش نہ آئی، صرف دوسو اونٹ اور بھیڑ بکریاں گرفتار کرکے لے آئے۔[4]

شہادت...... ۱۲ھ میں خلیفۂ اول نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو طلیحہ کی بیخ کنی پر مامور فرمایا جس نے آنحضرت ﷺ کے بعد علم نبوت بلند کیا تھا، حضرت عکاشہؓ اپنے رہوار رزام اور حضرت ثابت بن اقرمؓ اپنے گھوڑے محبر پر سوار ہوکر اس فوج کے آگے آگے طلیعہ کی خدمت انجام دے رہے تھے، اتفاقاً راہ میں غنیم کے سواروں سے مڈبھیڑ ہوگئی جس میں خود طلیحہ اور اس کا بھائی سلمہ بن خویلد شامل تھے، طلیحہ نے حضرت عکاشہؓ پر حملہ کیا اور سلمہ حضرت ثابت بن اقرمؓ پر جا پڑا، وہ شہید ہوئے تو طلیحہ نے پکار کر کہا۔

---

[1] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲
[2] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳
[3] استیعاب تذکرہ عکاشہ
[4] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۱

''سلمہ! جلد میری مدد کرو آؤ، مجھے یہ قتل کیے ڈالتا ہے''
وہ فارغ ہو چکا تھا، اس لئے یکا یک ٹوٹ پڑا اور دونوں نے اس شیر کو نرغہ میں لے کر شہید کر دیا۔[1]

تجہیز وتکفین...... اسلامی فوج ظفر موج جب ان دونوں شہیدان ملت کے قریب پہنچی تو ایسے جواہر پاروں کے فقدان کا سب کو نہایت شدید قلق ہوا، حضرت عکاشہؓ کے جسم پر نہایت خوفناک زخم تھے اور تمام بدن چھلنی ہو گیا تھا، حضرت خالدؓ بن ولید امیر عسکر گھوڑے سے اتر پڑے اور تمام فوج کو رک کر اسی خون آلودہ پیراہن کے ساتھ زیر زمین نہاں کیا۔[2]

انا للّٰه و انا الیه راجعون

فضل وکمال...... فضل ومنقبت کے لحاظ سے اکابر وسادات صحابہؓ میں شمار تھے، صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں "كان ممن سادات الصحابة و فضلائهم "[3] ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ستر ہزار آدمی بغیر حساب کتاب بخش دیئے جائیں گے انہوں نے معصومانہ سادگی کے ساتھ عرض کی ''یا رسول اللہ! میں'' فرمایا'' تم بھی ان ہی میں ہو'' اس پر ایک دوسرے شخص نے اپنی نسبت پوچھا تو ارشاد ہوا'' عکاشہؓ تم پر سبقت لے گیا'' اس واقعہ کے بعد یہ جملہ ضرب المثل ہو گیا، اور جب کوئی کسی پر سبقت لے جاتا تو کہتے ''فلاں عکاشہؓ کی طرح سبقت لے گیا''[4]

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۲
[2] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۲
[3] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳
[4] بخاری

حضرت ابوحذیفہؓ

نام ونسب...... ہشیم نام، ابوحذیفہ کنیت، والد کا نام عتبہ اور والدہ کا نام ام صفوان تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی۔[1]

اسلام...... حضرت ابوحذیفہؓ کے والد عتبہ ان ذی اثر روسائے قریش میں تھے جنہوں نے اسلام کی مخالفت میں اپنی پوری طاقت صرف کردی تھی، لیکن ارادہ خداوندی میں کون مانع ہوسکتا ہے؟ خود عتبہ کے لخت جگر حضرت ابوحذیفہؓ نے اس وقت داعی اسلام کو لبیک کہا جب کہ بظاہر اس دعوت کے کامیاب ہونے کی کوئی صورت نہ تھی، اور فرزندان توحید کی ایک نہایت مختصر جماعت کسمپرسی کے ساتھ اسیر پنجہ ظلم و جفا تھی، آنحضرت ﷺ اس وقت تک ارقم بن ابی الارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔[2]

ہجرت...... حضرت ابوحذیفہؓ سرزمین حبش کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے ان کی بیوی حضرت سہلہ بنت سہیلؓ بھی رفیق سفر تھیں، چنانچہ محمد بن ابی حذیفہؓ حبش ہی میں پیدا ہوئے تھے۔[3]

حبش سے مکہ واپس آئے یہاں ہجرت کی تیاریاں ہورہی تھیں، اس بنا پر اپنے غلام حضرت سالمؓ کو ساتھ لے کر مدینہ پہنچے اور حضرت عباد بن بشرؓ کے مہمان ہوئے۔[4] آنحضرت ﷺ نے ان دونوں میں باہم مواخات کرادی۔[5]

غزوات...... عہد نبوی کے تمام اہم مشہور معرکوں میں جوش و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے، خصوصاً غزوۂ بدر میں کیسا عبرت انگیز منظر تھا جب کہ ایک طرف سے ان کے والد اور دوسری طرف سے یہ جوہر شجاعت دکھا رہے تھے، حقانیت کے جوش نے خویش و بیگانہ کی تمیز اٹھادی تھی انہوں نے اپنے والد کے مقابلہ کے لئے للکارا، اس پر ان کی بہن ہند بنت عتبہ نے اشعار ذیل میں ملامت کی۔[6]

الاحول الاثعل المشئوم طائره
ابو حذیفة شر الناس فی الدین

---

[1] اسد الغابہ جلد ۵ ۱۷۱ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۵۹
[3] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۷۰ [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۵۹
[5] استیعاب جلد تذکرہ ابوحذیفہ [6] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۵۹

احول بڑے دانت والا جس کا طائر بخت شوم ہے، یعنی ابو حذیفہ جو مذہب میں نہایت برا ہے۔

امـا شـكـرت ابـا ربـاك مـن صـغـر
حـتـى شـبـبـت شـبـا بـا غيـر محـجـون

کیا تو اپنے باپ کا مشکور نہیں ہے جس نے بچپن سے تیری پرورش کی، یہاں تک کہ تو نے بے داغ جوانی پائی۔

معرکہ میں بدر میں عتبہ بن ربیعہ اور اکثر روسائے قریش تہ تیغ ہوئے اور ایک غار میں ڈال دیئے گئے، آنحضرت ﷺ نے فرداً فرداً نام لے کر فرمایا، اے عتبہ! اے شیبہ! اے امیہ بن خلف! اے ابوجہل! کیا تم نے وعدہ الٰہی کو حق پایا؟ مجھ سے تو جو کچھ وعدہ ہوا تھا وہ سچ ثابت ہوا"[1] ابن اسحاق کی روایت ہے کہ اس وقت حضرت ابو حذیفہؓ کا چہرہ نہایت اداس تھا آپ نے غمگین دیکھ کر پوچھا "ابو حذیفہؓ شاید تم کو اپنے باپ کا کچھ افسوس ہے" عرض کی "خدا کی قسم نہیں! مجھے اس کے مقتول ہونے کا صدمہ نہیں ہے لیکن میرا خیال تھا کہ وہ ایک ذی عقل پختہ کار و صاحب رائے شخص تھا، اس بنا پر امید تھی کہ وہ دولت ایمان سے متمتع ہوگا، لیکن جب کہ حضورؐ نے حالت کفر پر اس کے مرنے کا یقین دلایا تو مجھے اپنے غلط توقع پر افسوس ہوا"[2]

شہادت...... آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد عہد صدیقیؓ میں مسیلمہ کذاب نے یمامہ میں علم نبوت بلند کیا، دارالخلافت سے جو فوج اس کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئی اس میں شریک ہوئے اور داد شجاعت دے کر ۵۴ برس کی عمر میں واصل بحق ہوئے۔[3]

اخلاق...... حضرت ابو حذیفہؓ اپنی اخلاقی بلندی کے لحاظ سے صحابہ کرامؓ رضوان اللہ علیہم کی صف میں نہایت ممتاز نظر آتے ہیں، حق پسندی جفاکشی و جوش ایمان کا اندازہ گذشتہ واقعات سے ہوا ہوگا، غلاموں کے ساتھ نہایت شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے، حضرت سالمؓ کی بیوی حضرت ثبینہ انصاریہؓ کے غلام تھے، انہوں نے ان کو آزاد کر دیا تھا، تو حضرت ابو حذیفہؓ نے اپنا متبنیٰ بنالیا، چنانچہ وہ عموماً سالم بن ابی حذیفہؓ کے نام سے مشہور تھے۔[4]

حضرت ابو حذیفہؓ نہایت غیور تھے، قرآن پاک نے جب اس کی تصریح کردی کہ منہ بولا بیٹا محرم نہیں ہوتا تو ان کے حضرت سالمؓ کا زنان خانہ میں آنا جانا ناگوار گذرنے لگا، چنانچہ ان کی زوجہ محترمہ حضرت سہلہ بنت سہیلؓ نے دربار نبوتؐ میں حاضر ہو کر عرض کی:

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۵۶۶
[2] سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۶۹
[3] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۶۰
[4] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۶۰

''یارسول اللہ! سالم اپنے لڑکے کی طرح گھر میں آتا جاتا تھا، لیکن ابوحذیفہؓ کو ناگوار گذرتا ہے''[1]

ارشاد ہوا کہ اس کو دودھ پلا دو تو تمہارا محرم ہو جائے گا! غرض اس طرح متبنی ہونے کے ساتھ وہ رضائی فرزند بھی ہو گئے۔

حلیہ...... یہ تھا قد بلند و بالا، چہرہ خوبصورت چشم احول سامنے کی طرف ایک دانت زیادہ

ازواج...... حضرت ابوحذیفہؓ نے متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں، سہلہ بنت سہیل آمنہ بنت عمرو، ثبیتہ بنت یعار انصاریہ۔[2]

اولاد...... محمد بن ابی حذیفہؓ حضرت سہلہ کے بطن سے حبش میں پیدا ہوئے، حضرت عثمانؓ کی مخالفت میں پیش پیش تھا، طرفداران امیر معاویہؓ کے ہاتھ سے مصر میں مقتول ہوئے، عاصم بن ابی حذیفہؓ حضرت آمنہ بنت عمروؓ سے پیدا ہوئے، چونکہ یہ دونوں لاولد فوت ہوئے اس لئے حضرت ابوحذیفہؓ کا سلسلہ نسل منقطع ہو گیا۔[3]

---

[1] بخاری شریف

[2] طبقات ابن سعد ص ۵۹

[3] طبقات ابن سعد ص ۵۹

حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ

نام ونسب...... سالم نام، ابوعبداللہ کنیت، والد کے نام میں اختلاف ہے، بعض عبید بن ربیعہ اور بعض معقل لکھتے ہیں، یہ ایرانی الاصل ہیں، اصطخر ان کا آبائی مسکن تھا، حضرت ثبیتہ بنت یعار انصاریہؓ کی غلامی میں مدینہ پہنچے انہوں نے آزاد کر دیا تو حضرت ابوحذیفہؓ نے ان کو اپنا متبنیٰ کر لیا اس لحاظ سے ان میں انصار و مہاجر کی دونوں حیثیتیں مجتمع ہیں۔[1]

وہ عموماً سالم بن حذیفہؓ کے نام سے مشہور تھے، حضرت ابوحذیفہؓ بھی ان کو اپنے لڑکے کی طرح سمجھتے تھے اور اپنی بھتیجی فاطمہ بنت ولید سے بیاہ دیا تھا، لیکن جب قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی " ادعوهم لا بائهم " یعنی لوگوں کو آپ نسبی آباء کے انتساب سے پکارا کرو تو حضرت سالمؓ بھی ابن کے بجائے مولی ابی حذیفہؓ کے لقب سے مشہور ہوئے۔[2]

حضرت سالمؓ جوان ہوئے اور قرآن نے خود ساختہ ابوت و بنوت کے تعلق کو کالعدم کر دیا تھا حضرت ابوحذیفہؓ کو ان کا زنان خانہ میں آنا جانا تھا نا گوار گذرنے لگا، چنانچہ ان کی بیوی حضرت سہلہ بنت سہیلؓ نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کی "یارسول اللہ! سالم کو ہم اپنا لڑکا سمجھتے تھے، اور وہ ہمیشہ گھر میں آتا جاتا تھا، اب ابوحذیفہؓ کو ناگوار گذرتا ہے ارشاد ہوا کہ اس کو دودھ پلا دو تو وہ تمہارا محرم ہو جائے گا، غرض اس طرح وہ ابوحذیفہ کے رضاعی فرزند ہو گئے، لیکن ام المومنین حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ یہ سالمؓ کے لئے مخصوص اجازت تھی ورنہ جوانی کی حالت میں رضاعت ثابت نہیں ہوتی"۔[3]

اسلام و ہجرت...... حضرت سالمؓ غالباً مکہ میں حضرت ابوحذیفہؓ کے ساتھ مسکن گزین تھے، دعوت اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو انہوں نے ابتداہی میں لبیک کہا، آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح سے مواخات کرادی۔[4]

ہجرت کے موقع پر حضرت ابوحذیفہؓ کے ہمراہ تھے، مدینہ پہنچ کر حضرت عباد بن بشرؓ کے مہمان ہوئے اور حضرت معاذ بن ماعص انصاریؓ سے مواخات ہوئی۔[5]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۴۵
[2] ابوداؤد کتاب النکاح باب فی من حرم
[3] ابوداؤد کتاب النکاح باب فی من حرم
[4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۱
[5] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۱

غزوات..... غزوۂ بدر، اُحد، خندق اور عہد نبویؐ کی تمام جنگوں میں معرکہ آراء تھے، عہد صدیقی، میں یمامہ کی مہم پر بھیجے گئے، مہاجرین کا علم ان کے ہاتھ میں تھا، ایک شخص نے اس پر نکتہ چینی کی اور کہا ''ہم کو تمہاری طرف سے اندیشہ ہے، اس لئے ہم کسی دوسرے کو علمبر دار بنائیں گے'' بولے ''اگر میں بزدلی دکھاؤں تو میں سب سے زیادہ بدبخت حامل قرآن ہوں'' یہ کہہ کر نہایت جوش کے ساتھ حملہ آور ہوئے اور درحقیقت انہوں نے اپنے کو بہترین حامل قرآن ثابت کیا، اثنائے جنگ میں داہنا ہاتھ قلم ہوا تو بائیں ہاتھ نے قائم مقامی کی، وہ بھی شہید ہوا تو دونوں بازوؤں نے حلقہ میں لے کر لوائے توحید کو سینہ سے چمٹا دیا، زبان پر یہ فقرہ جاری تھا۔[1]

و ما محمد الا رسول

''محمدؐ صرف ایک رسول ہیں''

و کاین من نبی قتل معہ ربیون کثیر

''اور کتنے انبیاء ایسے ہیں جن کے ساتھ بہت سے اللہ والوں نے جہاد کیا ہے''۔

شہادت..... زخموں سے چور ہو کر گرے تو پوچھا ''ابو حذیفہؓ نے کیا کیا؟'' لوگوں نے کہا ''شہید ہوئے'' بولے ''اس شخص نے کیا کیا جس نے مجھ سے اندیشہ ظاہر کیا تھا؟'' جواب دیا گیا کہ وہ بھی شہید ہوئے، فرمایا ''مجھے ان دونوں کے درمیان دفن کرنا''[2]

ابن سعد کی روایت ہے کہ جنگ یمامہ کی موقع پر جب مسلمانوں کے پاؤں پیچھے پڑنے لگے تو حضرت سالمؓ نے کہا ''افسوس! رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تو ہمارا یہ حال نہ تھا'' وہ اپنے لئے ایک گڑھا کھود کر اس میں کھڑے ہو گئے اور علم سنبھالے ہوئے آخری لمحہ حیات تک جانبازانہ شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے، اختتام جنگ کے بعد دیکھا گیا تو اس شہید ملت کا سر اپنے منہ بولے باپ حضرت ابوحذیفہؓ کے پاؤں پر تھا۔[3]

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

فضل و کمال..... حضرت سالمؓ ان بزرگوں میں تھے جو طبقہ صحابہؓ میں فن قرأت کے امام سمجھے جاتے تھے، آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے، کہ قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو یعنی ابن مسعودؓ سالم مولی ابی بن کعب اور معاذ بن جبل سے ہے[4] خدائے پاک نے خوش گلو اس قدر بنایا تھا جب آیات قرآنی تلاوت فرماتے تو لوگوں ں پر ایک عام محویت طاری ہو جاتی اور راہ گیر ٹھٹک کر سننے لگتے ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہونے میں دیر ہو گئی، آپ نے توقف کی وجہ پوچھی تو بولی کہ ایک قاری تلاوت کر رہا تھا اس کے سننے میں دیر ہو گئی

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۴۶ [2] اسد الغابہ جلد ص ۶،

[3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ۳ ص ۶۱، [4] بخاری

اور خوش الحانی کی اس قدر تعریف کی کہ آنحضرت ﷺ خود چادر سنبھالے ہوئے باہر تشریف لے آئے، دیکھا تو سالم مولی ابی حذیفہؓ ہیں، آپ نے خوش ہو کر فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہارے جیسے شخص کو میری امت میں بنایا۔[1]

حضرت سالمؓ اپنی خوش الحانی وحفظ قرآن کے باعث صحابہ کرامؓ میں نہایت عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے جس قدر مہاجرین مدینہ پہنچے تھے، حضرت سالمؓ مسجد قبا میں ان کی امامت کرتے تھے۔[2]

وہ مسجد قباء کے امام تھے، مہاجرین اولین جن میں حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ بھی شامل تھے اکثر ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے،[3] غرض قرآن کریم کی برکت اور علم وفضل نے ان کو غیر معمولی عظمت وشرف کا مالک بنادیا تھا،

حضرت عمر فاروقؓ ان کی بے حد تعریف فرمایا کرتے تھے، یہاں تک کہ جب دم واپسیں کے وقت انہوں نے منصب خلافت کے متعلق وصیت فرمائی تو کہا "اگر سالم موجود ہوتے تو میں اس مسئلہ کو مجلس شوریٰ میں پیش ہونے نہ دیتا" یعنی وہ ان کو اپنا جانشین بناتے۔[4]

اخلاق ...... حضرت سالمؓ کے قبائے فضل ومحاسن اخلاق کا طغرا نہایت خوشنما تھا، گذشتہ واقعات سے ان کی استقامت، وفاشعاری وپارسائی کا اندازہ ہوا ہوگا، اہل حاجت کے لئے دست کرم کشادہ تھا چونکہ کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے انہوں نے اپنے متروکہ مال اسباب میں سے ایک ایک ثلث مختلف اسلامی ضروریات اور غلاموں کو گلو خلاصی کے لئے اور ایک ثلث اپنے سابق آقاؤں کے لئے وصیت فرمائی تھی، حضرت ابوبکرؓ نے ان کو سابق مالکہ حضرت ثبیتہ بنت یعارؓ کے پاس ان کا حصہ بھیجا تو انہوں نے لینے سے انکار کیا اور بولیں کہ میں نے بغیر امید صلہ آزاد کیا تھا، اس لئے حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں اس حصہ کو بیت المال میں داخل فرمادیا۔[5]

---

[1] اصابہ تذکرہ سالم
[2] بخاری کتاب الصلوۃ باب امامۃ العبد المولی،
[3] بخاری کتاب الاحکام
[4] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۴۶،
[5] استیعاب تذکرہ سالم مولی ابی حذیفہؓ

حضرت عبیدہ بن الحارثؓ

نام ونسب...... عبیدہ نام، ابوالحارث، یا ابو معاویہ کنیت، والد کا نام حارث اور والدہ کا نام سخیلہ تھا، سلسلہ نسب یہ ہے۔

عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب بن عبدمناف بن قصی القرشی۔[۱]

اسلام...... حضرت عبیدہؓ حضرت ابوسلمہ بن اسدؓ حضرت عبداللہ بن ارقمؓ اور حضرت عثمانؓ ابن مظعونؓ ایک ساتھ ایمان لائے تھے، آنحضرت ﷺ اس وقت تک ارقم بن ابی الارقم کے مکان میں پناہ گزیں نہیں ہوئے تھے۔[۲] مکہ میں حضرت بلالؓ ان کے اسلامی بھائی قرار پائے۔[۳]

ہجرت...... مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم ہوا تو حضرت عبیدہؓ اوران کے دونوں بھائی حضرت طفیلؓ حضرت حصینؓ اور حضرت مسطح بن اثاثہؓ ایک ساتھ روانہ ہوئے، اتفاقاً راہ میں حضرت مسطحؓ کو بچھو نے ڈنک مارا، اس لئے وہ پیچھے چھوٹ گئے، لیکن دوسرے روز خبر ملی کہ وہ نقل وحرکت سے بالکل مجبور ہیں تو پھر واپس آئے اور ان کو اٹھا کر مدینہ لائے، یہاں حضرت عبدالرحمٰن بن سلمہؓ عجلانی نے خوش آمدید کہا اور لطف ومحبت کے ساتھ میزبانی کا حق ادا کیا، آنحضرت ﷺ نے تشریف لانے کے بعد عمیر بن حمام انصاریؓ سے مواخات کرادی اور مستقل سکونت کے لئے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا جس میں ان کا تمام خاندان آباد ہوا''۔[۴]

غزوات...... ہجرت کے آٹھ مہینے بعد ماہ شوال میں ساٹھ مہاجرین کے ایک دستہ پر افسر مقرر ہو کر مشرکین قریش کی دیدبانی کے لئے وادی رابغ کی طرف بھیجے گئے، تاریخ اسلام میں یہ دوسرا لوائے امارت تھا جو حضرت عبیدہؓ کو عطا ہوا۔

وہ رابغ کے قریب پہنچے تو ابوسفیان کی زیرامارت دوسو مشرکین کی ایک جماعت سے مڈبھیڑ ہوئی لیکن لئے جنگ وخونریزی کی نوبت نہ آئی، صرف معمولی طور سے چند تیروں کا تبادلہ ہوا۔[۵]

غزوہ بدر...... اس مہم کے بعد حق وباطل کی پہلی کشمکش یعنی غزوۂ بدر میں شریک ہوئے، صف آرائی کے بعد مشرکین کی طرف سے عتبہ، شیبہ اور ولید نے نکل کر ''ھل من مبارز'' کا نعرہ بلند کیا۔ لشکر اسلام سے چند انصاری نوجوان مقابلہ کے لئے بڑھے تو انہوں نے پکار کر کہا کہ ''محمد ﷺ ہم ناجنسوں سے نہیں لڑ سکتے، ہمارے مقابل والوں کو بھیجو'' آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ

---

[۱] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۵۶ [۲] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۵۷
[۳] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ۳ ص ۱۳۵
[۴] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۵
[۵] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۵

حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہؓ کو آگے بڑھنے کا حکم دیا جنبش لب کی دیر تھی کہ یہ تینوں نبرد آزما بہادر نیزے ہلاتے ہوئے اپنے اپنے حریف کے سامنے جا کھڑے ہوئے، حضرت عبیدہ اور ولید میں دیر تک کشمکش جاری رہی، یہاں تک کہ دونوں زخمی ہو گئے، چونکہ حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ اپنے دشمنوں سے فارغ ہو چکے تھے، اس لئے وہ ایک ساتھ ولید پر ٹوٹ پڑے اور اس کو تہ تیغ کر کے حضرت عبیدہؓ کو میدان جنگ سے اٹھا لائے۔[1]

حضرت عبیدہؓ کا ایک پاؤں شہید ہو گیا تھا، اور تمام بدن زخموں سے چور تھا، آنحضرت ﷺ نے تسکین خاطر کے لئے ان کے زانو پر سر مبارک رکھ دیا، انہوں نے عرض کی:

''یارسول اللہ'' اگر ابو طالب مجھے دیکھتے تو انہیں یقین ہو جاتا کہ میں ان سے زیادہ ان کے اس قول کا مستحق ہوں۔[2]

ونسلمه حتى نصرع حوله

ونذهل عن ابنائنا و الحلائل

ہم محمد کی حفاظت کریں گے یہاں تک کہ ان کے ارد گرد مارے جائیں گے اور اپنے بچوں اور بیویوں سے غافل ہو جائیں گے۔

اختتام جنگ کے بعد آنحضرت ﷺ کے ساتھ بدر سے واپس آئے لیکن زخم ایسے کاری تھے کہ جانبر نہ ہو سکے، تریسٹھ برس کی عمر میں داعی جنت کو لبیک کہا اور مقام صفراء کی خاک پاک نے ان کو اپنے دامن میں چھپا لیا۔[3]

انا لله و انا اليه راجعون

فضل و کمال...... ان کو دربار نبوت میں غیر معمولی رفعت حاصل تھی، آنحضرت ﷺ کی نہایت قدر فرماتے تھے، ایک دفعہ آپ مقام صفراء میں خیمہ افگن ہوئے، صحابہ کرامؓ نے عرض کی ''یارسول اللہ! یہاں مشک کی لپٹ آتی ہے'' فرمایا ''یہاں ابو معاویہ کی قبر موجود ہوتے ہوئے تمہیں اس پر تعجب کیوں ہے؟''[4]

حلیہ...... حلیہ یہ تھا قد میانہ، رنگ گندم گوں اور چہرہ خوبصورت۔[5]

اولاد...... حضرت عبیدہؓ نے متعدد بیویوں سے حسب ذیل لڑکے اور لڑکیاں یادگار چھوڑیں[6] معاویہ، عون، منقذ، حارث، محمد، ابرہیم، ربطہ، خدیجہ، سخیلہ، صفیہ

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب المبارزہ

[2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۵۷،

[3] ایضا

[4] استیعاب تذکرہ عبیدہ بن الحارث

[5] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۴۵،

[6] ایضا

حضرت شماس بن عثمانؓ

نام ونسب...... شماس نام، والد کا نام عثمانؓ اور والدہ کا نام صفیہ تھا پورا سلسلہ نسب یہ ہے شماس بن عثمان بن الشرید بن ہرمی بن عامر بن مخزوم القرشی المخزومی

ہشام کلبی کی روایت ہے کہ ان کا اصلی نام عثمانؓ تھا، شماس اس لئے نام پڑا کہ ایک دفعہ ایام جاہلیت میں ایک نہایت حسین وجمیل نصرانی جس کا چہرہ آفتاب کی طرح چمکتا تھا مکہ آیا، لوگ اس کے غیر معمولی حسن و جمال پر سخت متعجب تھے، عتبہ بن ربیعہ نے جو حضرت شماسؓ کا ماموں تھا دعوی کیا کہا کہ اس کے پاس اس سے زیادہ بہتر شماس یعنی رخ تاباں موجود ہے، اور مقابلہ میں حضرت ابن عثمانؓ کو پیش کیا، چنانچہ اس دن سے ان کا نام ہی شماس ہو گیا۔[1]

اسلام...... حضرت شماسؓ اور ان کی والدہ صفیہ بنت ربیعہؓ نے بھی ابتدا ہی میں دعوت توحید پر صداء لبیک بلند کیا تھا۔[2]

ہجرت...... مشرکین کے ظلم سے مجبور ہو کر راہی حبش ہوئے، حضرت صفیہؓ بھی ہمراہ تھیں، وہاں واپس آکر پھر مدینہ کی راہ لی اور حضرت مبشر بن عبدالمنذرؓ کے مہمان ہوئے، یہاں حضرت حنظلہ ابن ابی عامر انصاریؓ سے مواخات ہوئی۔[3]

غزوات...... غزوہ بدر و احد میں جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے، معرکہ احد میں اتفاقا جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، غازیان اسلام کی فتح شکست سے مبدل ہو گئی اور صرف چند جان نثار میدان رہ گئے تو حضرت شماسؓ بھی ان ہی پروانوں میں تھے جو شمع نبوت کے اردگرد فداکاری کے جوہر دکھا رہے تھے، آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے، کہ میں شماسؓ کے لئے "سپر" کے سوا کوئی تشبیہ نہیں پاتا، آپ چپ وراست جس طرف دیکھتے حضرت شماسؓ ہی سربکف نظر آتے، غرض انہوں نے اپنے آپ کو مہبط وحی والہامؑ کے لئے سپر بنا دیا، یہاں تک کہ زخموں سے چور کر گر گئے، اختتام جنگ کے بعد دیکھا گیا تو دم واپسیں کے چند انفاس باقی تھے، آنحضرت ﷺ کے حکم سے مدینہ اٹھا کر لائے گئے، حضرت ام سلمہؓ ان کی تیمارداری پر مامور ہوئیں، لیکن اس فدائے ملت کا فرض پورا ہو چکا تھا، دربار خداوندی سے حصول انعام کی دعوت

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۷۵،
[2] استیعاب جلد تذکرہ شماس،
[3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۵

آچکی تھی، ایک شبانہ روز توقف کے بعد انہوں نے داعی حق کو لبیک کہا

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

آنحضرت ﷺ نے ان کو اسی خونیں پیراہن کے ساتھ بغیر نماز جنازہ اُحد کے گورشہیداں میں دفن کرنے کا حکم دیا[1] غرض چونتیس برس کی عمر میں سپرد خاک ہوئے[2] انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

حلیہ...... حضرت شماسؓ نہایت حسین وخوبرو تھے، چنانچہ اس تابانی رخ نے ان کو شماس کے نام سے مشہور کیا۔[3]

اولاد...... ایک لڑکا عبداللہ اور ایک لڑکی ام حبیب یادگار چھوڑی، لیکن یہ دونوں لاولد فوت ہوئے اس لئے سلسلہ نسل منقطع ہوگیا۔[4]

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۴،

[2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۶،

[3] ایضاً ص ۱۷۵،

[4] ایضاً ص ۱۷۵

حضرت شجاع بن وہبؓ

نام ونسب...... شجاع، نام، ابو وہب کنیت والد کا نام وہب تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔
شجاع ابن وہب بن ربیعہ بن اسد بن صہیب بن مالک بن کبیر بن غنم بن دودان بن خزیمہ
ایام جاہلیت میں ان کا خاندان بنو عبد شمس کا حلیف تھا۔[1]

اسلام وہجرت...... حضرت شجاعؓ ان بزرگوں میں ہیں جنہوں نے ابتداء ہی میں داعی توحید کو لبیک کہا تھا، اور مشرکین کے دست تظلم سے مجبور ہو کر سرزمین حبش کی دوسری ہجرت میں شریک ہوئے تھے۔[2]

حبش میں جب یہ افواہ پھیلی کہ تمام قریش مکہ نے آنحضرت ﷺ کے سامنے گردن اطاعت خم کردی ہے تو وطن کی محبت ان کو پھر مکہ کھینچ لائی، لیکن یہاں پہنچ کر افواہ غلط ثابت ہوئی اس لئے چند روز قیام کے بعد متلاشیان امن کے ساتھ مدینہ پہنچے، یہاں حضرت اوس بنؓ خولی سے مؤاخات ہوئی۔[3]

غزوات...... بدر، احد اور تمام دوسرے مشہور غزوات میں شریک تھے[4] ماہ ربیع الاول ۸ھ میں بنو ہوازن کی ایک جماعت کی سرکوبی پر مامور ہوئے جو مدینہ سے پانچ دن کی مسافت پر مقام رسی میں خیمہ افگن تھی، حضرت شجاعؓ اپنے ساتھ چوبیس جانباز مجاہدین کی ایک جمعیت لے کر دن کو چھپتے ہوئے اورات کو یلغار کرتے ہوئے یکا یک ان پر جا پڑے اور شکست دے کر بہت سے اونٹ اور بھیڑ بکریاں چھین لائے، مال غنیمت کی کثرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہر ایک سپاہی کو پندرہ پندرہ اونٹ ملے تھے دیگر اسباب وسامان اس کے علاوہ تھا۔[5]

سفارت...... غزوۂ حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے اکثر سلاطین عالم سے دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے، اسی سلسلہ میں حضرت شجاع بن وہبؓ بھی حارث ابن ابی شمر غسانی کے پاس (جو دمشق کے قریب مقام غوط کا رئیس تھا) سفیر بنا کر بھیجے گئے، خط کے ابتدائی فقرے یہ تھے۔[6]

۱؎ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۸۶، ۲؎ اصابہ جلد ۳ ص ۱۳۸،
۳؎ استیعاب تذکرہ شجاع
۴؎ استیعاب تذکرہ شجاع
۵؎ طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۲
۶؎ زاد المعاد جلد ۲ ص ۵۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من محمد رسول اللّٰہ الی الحارث ابن ابی شمر سلام علی من اتبع الھدی و اٰمن بہ و صدق وانی ادعوک الی ان تو من باللّٰہ و حدہ لا شریک لہ یبقی لک ملکک

نام خدا کے ساتھ جو بڑا مہربان ورحیم ہے

محمد رسول خدا کی طرف سے حارث بن ابی شمر کو سلام ہے اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے ایمان لائے اور تصدیق کرے، بیشک میں تم کو اس خدا پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں جو ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں (اسی صورت میں) تمہاری سلطنت باقی رکھی جائے گی۔

حارث کو خدا نے اس دعوت پر لبیک کہنے کی توفیق نہ دی لیکن اس کے وزیر "مری" نے اسلام قبول کیا اور حضرت شجاعؓ کی معرفت بارگاہ نبوت میں پیام وسلام بھیج کر پوشیدہ وطور سے دین حنیف پر قائم رہنے کی خبر دی[1]

شہادت...... چالیس برس سے کچھ زیادہ عمر پا کر جنگ یمامہ میں شہید ہوئے

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون[2]

حلیہ...... حلیہ یہ تھا طویل القامت لاغر اندام اور بال نہایت گھنے[3]

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۶،
[2] ایضاً،
[3] ایضاً،

حضرت محرز بن نضلہؓ

نام ونسب...... محرز نام اور ابونضلہ کنیت ہے لیکن عموماً اخرم اسدی کے لقب سے مشہور تھے، پورا سلسلہ یہ ہے۔

محرز بن نضلہ بن عبداللہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدی یہ ایام جاہلیت میں بنو عبد شمس کے حلیف تھے۔[1]

اسلام وہجرت...... قبول اسلام کا زمانہ متعین نہیں تاہم مومنین سابقین میں ہیں، مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو الانصار کے قبیلہ عبدالاشہل نے ان کو اپنا حلیف بنالیا اور حضرت عمار بن حزمؓ سے اسلامی بھائی چارہ ہوا۔[2]

غزوات...... غزوۂ بدر، اُحد اور خندق میں جانبازی وشجاعت کے ساتھ سرگرم کارزار تھے، غزوہ ذی قرد کی معرکہ آرائی ان کا سب سے شاندار اور آخری کارنامہ تھا۔[3] اس کی تفصیل یہ ہے۔

شہادت...... ۶ھ میں بنو فزارہ نے مدینہ کی چراگاہ میں آنحضرت ﷺ کے اونٹوں پر چھاپہ مارا اور گلہ بان کو قتل کر کے اونٹوں کو اپنے ساتھ لے چلے، حضرت سلمہ بن الاکوعؓ موقع واردات کے قریب موجود تھے، انہوں نے آنحضرت ﷺ کے غلام حضرت رباحؓ کو گھوڑے پر سوار کر کے اطلاع کے لئے مدینہ بھیجا اور خود پہاڑ پر چڑھ کر، یا صباحاہ کا نعرہ بلند کیا اور دیر تک تنہا تیروں اور پتھروں سے ان غارت گروں کا مقابلہ کرتے رہے، اسی اثناء میں درختوں کے جھنڈ سے آنحضرت ﷺ کے سوار نکلتے ہوئے نظر آئے، سب سے آگے حضرت اخرم اسدیؓ یعنی محرز بن نضلہ اور ان کے پیچھے حضرت ابوقتادہ انصاریؓ اور حضرت مقداد بن اسودؓ تھے، حضرت سلمہؓ نے حضرت اخرمؓ کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کہا ”اخرم! آگے نہ بڑھو، مجھے ڈر ہے کہ غنیم تم کو گھیر کر آنحضرت ﷺ اور ان کے اصحاب سے ملنے نہ دے گا“ بولے ”سلمہ! اگر تم خدا اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو میری شہادت میں حائل نہ ہو“ یہ جملہ کچھ ایسے جوش میں ادا ہوا تھا کہ حضرت سلمہؓ نے باگ چھوڑ دی اور وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے عبدالرحمٰن فزاری کے سامنے جا کھڑے ہوئے، انہوں نے ایک ایسا وار کیا کہ عبدالرحمٰن کا گھوڑا کٹ کر ڈھیر ہو گیا، لیکن اس کا نیزہ بھی خالی

---

[1] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۰۷،

[2] طبقات ابن سعد قسم اجلد ۳ ص ۶۷،

[3] ایضاً

نہ گیا، حضرت محرزؓ شہید ہو کر فرش خاک پر آئے، اور وہ اچھل کر ان کے گھوڑے پر سوار ہو گیا، تاہم ابو قتادہ پیچھے موجود تھے، انہوں نے اس کو واصل جہنم کر کے ان کا انتقام لیا۔[1]

شہادت کے وقت محرز بن نضلہ کی عمر تقریباً ۳۸ یا ۳۷ سال تھی۔[2]

فضل و کمال...... گذشتہ واقعہ سے ان کے غیر متزلزل ایمان و شوق شہادت کا اندازہ ہوا ہو گا، شہادت سے چند دن پہلے انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ آسمان کے دروازے ان کے لئے کھول دیئے گئے اور وہ عالم بالا کی سیر کرتے ہوئے ساتویں آسمان اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے ہیں، یہاں سے کہا گیا کہ یہی تمہارا مسکن ہے۔

دوسرے روز انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے جو تعبیر رویاء میں کمال رکھتے تھے، اس خواب کو بیان فرمایا، انہوں نے فرمایا "احزم! تمہیں شہادت کی بشارت ہو" چنانچہ چند ہی دنوں کے بعد بشارت نے واقعہ کی صورت اختیار کی اور غزوہ ذی قرد کی شہادت نے ان کو سدرۃ المنتہیٰ کے دائمی مسکن میں پہنچا دیا۔[3]

حلیہ...... رنگ سپید اور مجموعی حیثیت سے حسین و خوبصورت تھے۔[4]

---

[1] مسلم جلد ۲ باب غزوۂ ذی قرد،
[2] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۰۷،
[3] طبقات ابن سعد قسم ا جلد ۳ ص ۶۷،
[4] ایضاً

حضرت شقران صالحؓ

نام ونسب...... صالح نام، شقران لقب اور والد کا نام تھا، یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے حبشی نژاد غلام تھے، لیکن اس غلامی میں بھی سیادت مقدر تھی، رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنی خدمت گذاری کے لئے پسند فرمایا اور حضرت عبدالرحمٰنؓ کو قیمت دے کر خرید لیا، بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے بلا معاوضہ نذر کیا تھا۔[1]

غزوات میں عموماً مال غنیمت اور قیدیوں کی حفاظت پر مامور ہوتے تھے، اور غنیمت میں حصہ پانے کے بجائے جن کے قیدیوں کی نگرانی کرتے تھے، وہ بطور خود معاوضہ دیتے تھے، چنانچہ وہ غزوۂ بدر میں ان کو اس قدر معاوضہ ملا کہ مال غنیمت میں حصہ پانے والوں سے بھی زیادہ نفع میں رہے۔[2]

غزوۂ بدر میں انہوں نے اس احتیاط و مستعدی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے کہ آنحضرت ﷺ نے خوش ہوکر آزاد فرما دیا۔

غزوہ مریسیع میں شکست خوردہ غنیم کے مال واسباب سامان جنگ بھیڑ بکریاں اور ان کے ذریات کو جمع کرنے پر مامور ہوئے۔[3]

آنحضرت ﷺ ان کی خدمات سے اس قدر خوش تھے کہ وفات کے وقت آپ نے مخصوص طور سے ان کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی، حضرت شقرانؓ حضرت خیر الانام ﷺ کی تجہیز وتکفین میں اہل بیت کے ساتھ شریک تھے،[4] غرض یہ آخری خدمت تھی جو اس غلام جانثار نے اپنے شفیق آقا کے لئے انجام دی۔

اس میں اختلاف ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد شقرانؓ نے مدینہ میں سکونت اختیار کی یا بصرہ میں توطن گزین ہوئے، کیونکہ ان کا ایک مکان بصرہ میں بھی تھا،[5] اسی طرح جائے وفات اور زمانہ بھی متعین نہیں۔

---

[1] اصابہ جلد ۲ ص ۱۵۳
[2] طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳، ص ۳۴
[3] طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳، ص ۳۴
[4] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۱
[5] اصابہ جلد ۲ ص ۱۷۳

حضرت عمیر بن ابی وقاصؓ

نام ونسب...... عمیر نام، والد کا نام ابو وقاص اور والدہ کا نام حمنہ بنت سفیان تھا، یہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران کے حقیقی بھائی تھے، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

عمیر بن ابی وقاص بن وہیب ابن سفیان بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی [1]

اسلام...... حضرت عمیرؓ کے برادر اکبر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ان روشن ضمیر بزرگوں میں تھے جنہوں نے ابتداہی میں داعی اسلام کو لبیک کہا تھا، اس زمانہ میں حضرت عمیرؓ گو نہایت کمسن تھے، تاہم فطری سلامت طبع وخرد حق شناس عمر کی قید و بند سے آزاد ہوتی ہے، انہوں نے اس عہد طفولیت میں بھائی کا ساتھ دیا اور ساقی اسلامؐ کے ایک ہی جام نے ان کو نشۂ توحید سے مخمور کر دیا۔

ہجرت...... ۱۴ برس کا سن تھا کہ عام بلاکشان اسلام کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے، آنحضرت نے ان کی دل بستگی کے لئے حضرت سعد بن معاذؓ رئیس قبیلہ عبد الاشہل کے چھوٹے بھائی حضرت عمرو بن معاذؓ سے بھائی چارہ کرا دیا، یہ دونوں تقریباً ہم سن (عمر) تھے۔[3]

غزوۂ بدر...... ۲ھ میں مجاہدین اسلام غزوہ بدر کے خیال سے علم نبوی کے نیچے جمع ہوئے تو یہ بھی اس مجمع میں پہنچ گئے، ان کے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے یہ دیکھ کر کہ وہ مضطرو بیقرار ادھر ادھر چھپتے پھرتے ہیں پوچھا "جان برادر یہ کیا ہے؟" بولے "بھائی جان! میں بھی اس جنگ میں شریک ہونا چاہتا ہوں، شاید خدا شہادت نصیب کرے، لیکن خوف ہے رسول اللہ ﷺ مجھے چھوٹا سمجھ کر واپس فرما دیں گے۔[4]

آنحضرت ﷺ کے سامنے جب تمام جانثار یکے بعد دیگرے معائنہ کے لئے پیش ہوئے تو حضرت عمیرؓ کا خوف درحقیقت نہایت صحیح ثابت ہوا کیونکہ آپ نے ان کو صغیر سنی کا خیال کر کے فرمایا "تم واپس جاؤ" حضرت عمیرؓ یہ سن کر بے اختیار رونے لگے، اس طفلانہ گریہ و بکا کے ساتھ ان کے دفور جوش اور شوق شہادت نے حضور انور ﷺ کے دل پر خاص اثر کیا اور جنگ میں شریک ہونے کی اجازت مل گئی، اور آنحضرت ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے

[1] اسد الغابہ تذکرہ عمیر بن ابی وقاصؓ
[2] اسد الغابہ تذکرہ عمیر بن ابی وقاصؓ
[3] طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳، ص ۲۶
[4] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۱۰۶

ان کے تلوار باندھی۔[1]

شہادت ...... حضرت عمیرؓ کی عمر اس وقت صرف ۱۶ سال کی تھی، اچھی طرح اسلحہ سے آراستہ ہونا بھی نہ جانتے تھے، بھائی نے میان میں تلوار باندھ دی، اور وفور جوش نے کفار کے نرغہ میں گھسا دیا، دیر تک شجاعانہ لڑتے رہے، بالآخر اسی حالت میں خورشید تمنا جلوہ گر ہوا، یعنی عمرو بن عبدود کی تلوار نے شہادت کی آرزو پوری کردی۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔[2]

---

[1] مستدرک جلد ۳ ص ۱۸۸،
[2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۸۸

حضرت عامر بن ربیعہؓ

نام ونسب...... عامر نام، ابوعبداللہ کنیت اور والد کا نام ربیعہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔
عامر ابن ربیعہ بن کعب بن مالک بن ربیعہ بن عامر بن سعد بن عبداللہ بن الحارث بن رفیدہ بن عنز بن وائل
ان کے سلسلہ نسب میں سخت اختلاف ہے تاہم ارباب سیر عام طور پر ان کو عنزی لکھتے ہیں عنز وائل کے لڑکے اور بکر وتغلب کے بھائی تھے جن کی خونریز معرکہ آرائیاں اب تک زبان زد خاص وعام ہیں۔[۱]
ان کا خاندان حضرت عمرؓ کے والد خطاب کا حلیف تھا، جنہوں نے فرط محبت سے حضرت عامرؓ کو متبنی کر لیا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ پہلے عامر بن الخطاب کے نام سے مشہور تھے لیکن جب قرآن شریف نے ہر ایک کو اپنے اصلی آباؤ اجداد کی طرف انتساب کا حکم دیا تو اس زمانہ سے حضرت عامرؓ بھی خطاب کے بجائے اپنے نسبی والد ربیعہ کی نسبت سے زبان زد ہوئے۔[۲]
اس حلیفانہ تعلق کے باعث حضرت عامرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ میں بھی آخر وقت تک نہایت دوستانہ تعلقات قائم رہے، حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کا سفر کیا تو یہ ہمرکاب تھے اسی طرح جس سال حضرت عثمانؓ کو اپنا جانشین کر کے حج کے لئے تشریف لے گئے تو اس سفر میں بھی ان کو اپنا رفیق بنایا۔[۳]
اسلام...... حضرت عامر بن ربیعہؓ ان خوش نصیب بزرگوں میں ہیں جنہوں نے ابتدا ہی میں داعی توحید کو لبیک کہا تھا، اس وقت تک آنحضرت ﷺ ارقم بن ابی الارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔[۱]
ہجرت...... شرک وتوحید کی کشاکش اور کفار کے دست تظلم نے ان کو بھی مکہ میں چین سے رہنے نہ دیا دو دفعہ اپنی زوجہ محترمہ حضرت لیلی بنت ابی حشمہؓ کو ساتھ لے کر امن واطمینان کی تلاش میں ملک حبش تشریف لے گئے، پھر وہاں سے واپس آ کر سرزمین یثرب کی راہ لی، ان کا

---

[۱] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۸۰
[۲] طبقات ابن سعد قسم اجزء ۳ ص ۲۸۱
[۳] اصابہ جلد ۲ ص ۳۴۶
[۴] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۸۱

بیان ہے کہ اس وقت تک صرف ابوسلمہؓ بن عبدالاسد مدینہ پہنچے تھے، لیکن صحیح یہ ہے کہ ان سے پہلے چند اور حضرات بھی پہنچ چکے تھے، البتہ ان کی بیوی حضرت لیلیٰ بنت حشمہؓ کو عورتوں میں اولیت کا شرف حاصل تھا۔[1]

غزوات..... بدر، احد، خندق اور تمام دوسرے غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب تھے اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے مہمات میں بھی شریک ہوئے اور نہایت جفاکشی و جان کاہی سے اعلاء کلمۃ اللہ کا فرض انجام دیا، اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عامرؓ سے اکثر فخر و مباہات کے ساتھ شاندار کارناموں کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے، ایک روز اثنائے گفتگو میں بولے کہ" رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کو مہمات پر بھیجتے تھے اور عسر و ناداری کے باعث سامان رسد میں صرف تھوڑی سی کھجوریں ساتھ کر دیتے جو پہلے ایک ایک مٹھی سب کو ملتی ہے، اس کے بعد کم ہوتے ہوتے صرف ایک ایک کھجور کی نوبت آجاتی تھی، حضرت عبداللہؓ نے متعجب ہو کر پوچھا، ایک ایک کھجور سے کس طرح کام چلتا ہوگا؟ فرمایا" جان پدر! ایسا نہ کہو بسا اوقات جب کھجوریں ختم ہوجاتی تھیں تو ہم لوگ اس ایک کھجور کے لئے بھی ترس جاتے تھے۔[2]

شورش سے کنارہ کشی اور وفات..... حضرت عثمانؓ آخری عہد خلافت میں جب فتنہ وفساد کا بازار گرم ہوا تو حضرت عامر بن ربیعہؓ نے غایت تقوی کے باعث عزلت نشینی اختیار کر لی ،دن رات روزہ نماز اور درود وظائف میں مشغول رہتے ایک رات دیر تک مصروف عبادت رہے یہاں تک کہ اسی حالت میں آنکھ لگ گئی تو خواب میں بشارت ہوئی "اٹھ! خدا سے دعا کر وہ تجھے اس فتنے سے بچائے، جس سے اس نے اپنے دوسرے نیک بندوں کو محفوظ رکھا ہے" حضرت عامرؓ اسی وقت اٹھ بیٹھے اور دوگانہ ادا کر کے نہایت خشوع اور خضوع سے بارگاہ رب الحاجات میں دست بدعا ہوئے، غرض اس بشارت غیبی نے ان کی گوشہ نشنی کو پہلے سے زیادہ سخت کر دیا اور اس کے بعد ان کو کسی نے گھر سے باہر نکلتے بھی نہ دیکھا یہاں تک کہ اسی حالت میں بیمار ہوئے، اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کے چند دنوں بعد وفات پائی عزلت نشینی کے باعث لوگوں کو یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کب بیمار ہوئے؟ اور کب وفات پائی یکایک جنازہ پر نظر پڑی تو سب متحیر رہ گئے۔[3]

اخلاق..... قدامت ایمان اور رسول اللہ ﷺ کے شرف صحبت نے ان کو اخلاق کریمانہ سے آراستہ کر دیا تھا، گذشتہ بالا مختصر واقعات سے ان کی جفاکشی تقوی اور زہد کا اندازہ ہوا ہوگا۔

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳، ص ۲۸۲

[2] مسند احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۴۶

[3] طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳، ص ۲۸۲

رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ (القرآن)

اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

انبیاء کرامؑ کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

مُہاجرین
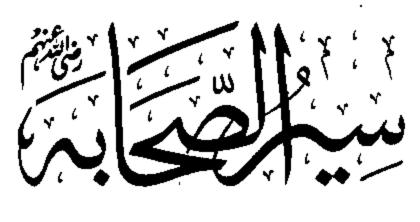
حصہ سوم

جس میں بقیہ اُن صحابہ کرامؓ کے حالات، سوانح، اخلاق وفضائل اور اُن کے مذہبی، علمی، سیاسی و دینی مجاہدات اور کارناموں کی تفصیل ہے جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے اور ہجرت کی

تحریر وترتیب

الحاج مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم

سابق رفیق دارالمصنفین

دارالاشاعت

اُردو بازار ایم اے جناح روڈ

کراچی پاکستان 2213768

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت عبداللہ بن عمرؓ

نام ونسب...... عبداللہ نام، ابوعبدالرحمٰن کنیت، آبائی سلسلۂ نسب یہ ہے، عبداللہ بن عمر بن خطاب ابن نفیل بن عبدالعزی بن رباح بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر، ماں کا نام زینب تھا، نانہالی نسب نامہ یہ ہے، زینب بنت مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح بن عمرو بن حصیص۔

ولادت...... یہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ غزوۂ احد میں جو ۳ھ میں پیش آیا، چودہ برس کے تھے، اس حساب سے ان کی پیدائش کا تخمینی زمانہ بعثت کا دوسرا سال ہے اور ۶ھ نبوی میں جب حضرت عمرؓ مشرف بہ اسلام ہوئے تو ابن عمر کا سن تقریباً پانچ برس کا ہوگا۔

اسلام...... حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ہوش سنبھالا ہی تھا کہ اپنے گھر کے در و دیوار پر اسلام کو پرتو فگن دیکھا اور اسلام ہی کے دامن میں ان کی نشو ونما ہوئی بعض روایتوں میں ہے کہ وہ اپنے والد بزرگوار سے پہلے مشرف باسلام ہوئے تھے مگر صحیح یہ ہے کہ انہوں نے اپنے والد بزرگوار کے ساتھ اس طرح اسلام قبول کیا تھا، جس طرح خاندان کے بڑے بزرگ کے تبدیل مذہب کے گھر کے کمسن بچے بھی غیر شعوری طور سے اپنے مذہب کو بدل ڈالتے ہیں، جن غیر معتبر راویوں نے حضرت ابن عمرؓ کے اسلام کا واقعہ نقل کیا ہے درحقیقت ان کو بیعت رضوان کے واقعہ کے ساتھ التباس ہوا ہے، صحیح بخاری میں خود حضرت ابن عمرؓ کی زبانی منقول ہے کہ جب میرے باپ مسلمان ہوئے تو میں چھوٹا بچہ تھا[1] ظاہر ہے کہ ایک چھوٹا بچہ حق و باطل کی تمیز کی وہ وقت نگاہ نہیں رکھتا، جو اس زمانہ میں اس کو کسی مذہب کے بذات خود رد و قبول پر آمادہ کرسکے۔

ہجرت...... انوار اسلام کی چمک کے ساتھ ساتھ مشرکین کے ظلم وطغیان کی گرج بھی برابر بڑھتی گئی اور حضرت عمرؓ اور ان کا خاندان بھی ان کی ستم کیشیوں سے محفوظ نہ رہا، اس لئے حضرت

---

[1] صحیح بخاری باب اسلام عمرؓ

عمرؓ نے بھی اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کی۔

بدر...... ہجرت کے بعد حق و باطل کی پہلی آویزش غزوہ بدر ہے، اس وقت ابن عمرؓ کی عمر کل ۱۳ سال کی تھی تاہم جانبازی کے شوق میں شرکت کی درخواست کی، صغیر السن ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے قبول نہ فرمائی[۱]۔

اُحد...... اس کے ایک سال بعد، دوسرا معرکہ احد میں ہوا اس میں بھی انہوں نے اپنا نام پیش کیا مگر چونکہ چودہ ۱۴ سال سے متجاوز نہیں ہوئے تھے، اس لئے اس مرتبہ بھی ان کی درخواست مسترد ہو گئی[۲]۔

خندق...... اُحد کے دوسال بعد ۵ھ غزوۂ خندق میں ان کی عمر پندرہ سال پوری ہو چکی تھی چنانچہ یہی وہ سب سے پہلا معرکہ ہے جس میں ان کو سرکار رسالت سے شرکت کی اجازت ملی[۳]۔

بیعت رضوان...... ۶ھ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے ہم رکاب ہوئے اور بیعت رضوان کا بھی شرف حاصل کیا اور حسن اتفاق یہ کہ یہ شرف اپنے پدر عالی قدر سے پہلے حاصل کر لیا، اس کی صورت یہ پیش آئی کہ حدیبیہ کے دن حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہؓ کو ایک انصاری کے پاس گھوڑا لانے کے لئے بھیجا تھا کہ جہاد میں وہ اس پر سوار ہو سکیں حضرت عبداللہؓ باہر نکلے تو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ صحابہؓ سے بیعت لے رہے ہیں، چنانچہ انہوں نے پہنچ کر پہلے خود بیعت کی اور اس کے بعد گھوڑا لے کر گئے اور حضرت عمرؓ کو اسکی اطلاع دی، انہوں نے بھی جا کر بیعت کا شرف حاصل کیا[۴]۔

خیبر...... اس کے بعد غزوۂ خیبر میں بھی وہ مجاہدانہ شریک ہوئے اور اس سفر میں آنحضرت ﷺ نے حلال وحرام کے جو بعض خاص احکام جاری فرمائے وہ ان کے راوی ہیں[۵]۔

فتح مکہ...... قریش اور اسلام کی فتح وشکست کا آخری معرکہ فتح مکہ تھا۔ اس وقت ابن عمرؓ کی عمر ۲۰ سال کی تھی، پورے جوان ہو چکے تھے اور ایک سرفروش مجاہد کی حیثیت سے دوسرے مجاہدین کے دوش بدوش تھے۔ سامان جنگ میں ایک تیز رفتار گھوڑا اور ایک بھاری نیزہ تھا جسم پر ایک چھوٹی سی چادر تھی اور خود اپنے ہاتھ سے گھوڑے کے لئے گھانس کاٹ رہے تھے اس حالت میں آنحضرت ﷺ کی نظر پڑی تو تعریف کے لہجہ میں فرمایا کہ "عبداللہ ہے عبداللہ" فتح کے بعد خانہ کعبہ میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے پیچھے داخل ہوئے چنانچہ ان کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ اونٹ

---

[۱] ابن سعد ج ۴ ق اول تذکرہ ابن عمرؓ
[۲] بخاری کتاب المغازی جلد ۲ ص ۵۸۸
[۳] ایضاً باب غزوہ خندق
[۴] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ حدیبیہ
[۵] صحیح بخاری جلد ۲، باب غزوۂ خیبر ص ۶۰۶

پر سوار مکہ کے بالائی حصہ کی طرف سے داخل ہوئے تھے حضرت اسامہ بن زیدؓ کے ساتھ سوار تھے حضرت عثمان بن طلحہؓ اور بلالؓ جلو میں تھے، خانہ کعبہ کے صحن میں اونٹ بٹھا کر کنجیاں منگائیں اور کعبہ کھلوا کر تینوں ایک ساتھ داخل ہوئے، ان لوگوں کے بعد سب سے پہلا داخل ہونے والا میں تھا۔[1]

غزوہ حنین...... فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین میں بھی صف آرا تھے، چنانچہ حنین کی واپسی کے بعد کے واقعات کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ جب ہم غزوہ حنین سے لوٹے تو حضرت عمرؓ نے اعتکاف کی نذر کے متعلق پوچھا جو جاہلیت کے زمانہ میں مانی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے پورا کرنے کا حکم دیا۔[2]

محاصرہ طائف...... اس کے بعد طائف کا محاصرہ ہوا، اس محاصرہ میں بھی ابن عمرؓ پیش پیش تھے، چنانچہ اس محاصرہ کے واقعات بیان کرتے تھے کہ جب محاصرہ میں مسلمانوں کو کامیابی نہ ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ انشاء اللہ کل محاصرہ اٹھا کر واپس ہو جائیں گے، یہ ارشاد لوگوں پر گراں گذرا انہوں نے عرض کیا، کیا بغیر فتح کیے ہوئے لوٹ چلیں؟ آپ نے فرمایا اچھا کل پھر لڑلو، چنانچہ دوسرے دن لڑے اور فتح کے بجائے الٹے زخمی ہوئے، آپ نے پھر فرمایا کہ انشاء اللہ کل واپس جائیں گے، اس مرتبہ لوگوں نے بخوشی منظور کر لیا، اس پر آپ مسکرا دیئے۔[3]

حجۃ الوداع...... حجۃ الوداع آنحضرت ﷺ کا آخری حج تھا، اس میں مسلمانوں کا جم غفیر آپ کے ہم رکاب تھا، حضرت ابن عمرؓ بھی اس شرف میں شریک تھے، چنانچہ حجۃ الوداع کے واقعات میں ان کا بیان ہے کہ حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ اور بعض صحابہؓ نے بال منڈائے تھے اور بعضوں نے صرف ترشوانے پر اکتفا کی تھی۔[4]

غزوہ تبوک...... ۹ھ میں غزوہ تبوک پیش آیا، اس میں آنحضرت ﷺ نے ۳۰ ہزار کی جمعیت کے ساتھ رومیوں کے مقابلہ کے لئے تبوک کا رخ کیا تھا، حضرت ابن عمرؓ اس میں بھی شریک تھے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ حجر[5] کی طرف گذرے فرمایا ان لوگوں کے مسکن میں داخل نہ ہو جنہوں نے (خدا کی نافرمانی کر کے) اپنے اوپر ظلم کیا کہ مبادا تم بھی اس عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ جس میں وہ مبتلا ہوئے، اگر گذرنا ہے تو خشیت الہی سے روتے ہوئے گذر جاؤ۔[6]

غرض غزوہ خندق سے لے کر آخر تک آنحضرت ﷺ کی زندگی میں کوئی ایسی بڑی مہم نہ تھی جس میں انہوں نے شرکت کی عزت حاصل نہ کی ہو۔

عہد صدیقی...... ابن عمرؓ عہد صدیقی میں کہیں نہیں نظر آتے،

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب فتح مکہ ۱۲
[2] بخاری کتاب المغازی باب غزوہ حنین
[3] بخاری کتاب المغازی غزوۂ طائف۔ [4] بخاری جلد ۲ باب حجۃ الوداع۔
[5] قدیم اقوام عاد و ثمود کی آبادیاں۔ [6] بخاری کتاب المغازی غزوہ تبوک

عہد فاروقی...... البتہ عہد فاروقی کے بعض فتوحات میں شریک رہے، لیکن محض ایک سرفروش مجاہد کی حیثیت سے، نافع کا بیان ہے کہ جب ابن عمرؓ نہاوند کی جنگ میں شریک ہوئے اور بیمار پڑ گئے تو پیاز کو دھاگے میں پرو کر دوا میں پکاتے تھے، جب اس میں پیاز کا مزہ آجاتا تھا تو اس کو نکال کر دوا پی لیتے تھے،[1] شام اور مصر کی فتوحات میں بھی شرکت کا پتہ چلتا ہے لیکن ان فتوحات میں ان کا کوئی نمایاں کارنامہ نہیں ہے اور اس زمانہ میں سلطنت کے انتظامی امور میں بھی انہوں نے کوئی حصہ نہیں لیا، غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے عزیزوں کو اس میں پڑنے نہ دیتے تھے، تاہم جہاں امت کے نفع و نقصان کا کوئی سوال پیش آجاتا تو حضرت ابن عمر اپنے والد بزرگوار کی سخت گیری کے خطرہ کو برداشت بھی کر لیتے تھے، چنانچہ جب حضرت عمرؓ کا وقت آخر ہوا اور ابن عمرؓ کو اپنی بہن ام المومنین حضرت حفصہؓ کو زبانی معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کسی کو اپنا جانشین نامزد کرنے کا خیال نہیں رکھتے، جس سے ان کے خیال میں آئندہ مشکلات پیش آنے کا خطرہ تھا تو ڈرتے ڈرتے باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کا بیان ہے کہ میں یہ جرات تو کر گیا مگر مارے خوف کے معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑ اٹھا رہا ہوں، میں پہنچا تو پہلے حضرت عمرؓ لوگوں کے حالات پوچھتے رہے، پھر میں نے جرأت کر کے عرض کی کہ میں لوگوں کی چہ میگوئیاں گوش گذار کرنے حاضر ہوا ہوں ان کا خیال ہے کہ آپ کسی کو اپنا جانشین منتخب نہ فرمائیں گے، فرض کیجئے کہ وہ چرواہا جو آپ کی بکریوں اور اونٹوں کو چراتا ہے، اگر گلہ کو چھوڑ کر آپ کے پاس چلا جائے تو شر کا کیا حشر ہوگا؟، ایسی حالت میں انسانوں کی گلہ بانی کا فرض تو اس سے کہیں بڑھ کر ہے! حضرت عمرؓ نے اس معقول استدلال کو پسند کیا، پھر کچھ سوچ کر بولے خدا خود اپنے گلہ کا نگہبان ہے، اگر میں کسی کو اپنا جانشین نامزد نہ کروں تو کوئی مضائقہ نہیں رسول ﷺ نے بھی نامزد نہیں فرمایا تھا اور اگر کر جاؤں تو بھی کوئی حرج نہیں کہ ابوبکرؓ نامزد کر گئے تھے، ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ جب حضرت عمر نے رسول ﷺ اور ابوبکرؓ کا نام لیا تو میں سمجھ گیا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے اسوہ حسنہ پر کسی کو ترجیح نہ دیں گے اور کسی کو اپنا جانشین خود نہ بنائیں گے[2] چنانچہ انہوں نے اپنے بعد اپنی جانشینی کا مسئلہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے سپرد کر دیا، جس میں متعدد اکابر صحابہ شامل تھے،

عہد عثمانی...... ابن عمرؓ اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد سب سے پہلے انتخاب خلیفہ کی مجلس شوریٰ میں نظر آتے ہیں، کیونکہ حضرت عمرؓ نے وصیت فرمائی تھی کہ خلیفہ کے انتخاب میں عبد اللہ بحیثیت مشیر شریک ہوں، مگر صرف مشورہ دے سکتے ہیں خلیفہ نہیں نامزد کیے جا سکتے۔[3]

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ان کو ملکی معاملات میں حصہ لینے کا موقع ملا، مگر انہوں نے اس

---

[1] ابن سعد جز ۴ قسم اول ص ۱۱۸،
[2] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۸
[3] طبری ص ۲۷۷۹

سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، حضرت عثمانؓ نے قضاء کا عہدہ پیش کیا، انہوں نے معذرت کر دی کہ ''میں نہ دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں، اور نہ دو شخصوں کی امامت کرتا ہوں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ'' قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں، ایک جاہل جس کا ٹھکانا دوزخ ہے، دوسرا عالم مائل الی الدنیا، اس کا مستقر بھی دوزخ ہے، تیسرا جو اجتہاد کرتا ہے اور صحیح رائے قائم کرتا ہے اس کے لئے نہ عذاب ہے نہ ثواب'' حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ تمہارے باپ تو فیصلے کرتے تھے، بولے یہ صحیح ہے، لیکن جب ان کو کسی پیچیدہ بات میں دشواری پیش آتی تھی تو آنحضرت ﷺ کی طرف رجوع کرتے تھے اور جب آنحضرت کو دشواری ہوتی تھی تو جبرئیل سے دریافت فرماتے تھے میں کس کی طرف رجوع کروں گا؟ کیا آپ نے آنحضرت ﷺ سے نہیں سنا کہ جس نے خدا کی پناہ مانگی اس نے پناہ کی جگہ پناہ مانگی، اس لئے خدارا مجھ کو کہیں عامل نہ بنایئے ان کے انکار پر حضرت عثمانؓ نے زیادہ اصرار نہیں کیا، البتہ یہ عہد لے لیا کہ اس کا تذکرہ کسی سے نہ کرنا۔[1]

مگر ملکی انتظام سے اس کنارہ کشی کے باوجود جہاد فی سبیل اللہ میں برابر شریک ہوتے رہے چنانچہ ۲۷ھ میں، افریقیہ (تونس، الجزائر، مراکش) کی مہم میں شریک ہوئے[2] پھر ۳۰ھ میں خراساں اور طبرستان کے معرکوں میں سعید بن عاصؓ کے ساتھ رہے[3] جب فتنہ وفساد شروع ہوا تو بالکل کنارہ کش ہو گئے اور پھر کسی چیز میں حصہ نہیں لیا، اس احتیاط کی بنا پر خلافت کے اعزاز سے بھی انکار کر دیا، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد لوگوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ امیر ابن امیر ہیں ہم سب آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو آمادہ ہیں فرمایا، جہاں تک میرے امکان میں ہے اپنے لئے ایک سینگی کے برابر بھی خون نہ بہنے دوں گا، لوگوں نے دھمکی دی کہ اگر آپ اس بارگراں کو نہیں سنبھالتے تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے لیکن انہوں نے اس دھمکی کی بھی مطلق پرواہ نہ کی اور خلافت جیسے رفیع اعزاز سے جو اس وقت فتنوں کا مرکز بن گیا تھا اپنے کو بچائے رکھا۔[4]

البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ ابن عمرؓ نے حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ میں سے کس کی خلافت تسلیم کی، ابن حجر کا بیان ہے کہ چونکہ حضرت علیؓ کی خلافت کے بارہ میں مسلمانوں کا اختلاف تھا اس لئے ابن عمرؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، کیونکہ ان کی رائے تھی کہ جب تک کسی شخص پر لوگوں کا اجماع نہ ہو جائے اس وقت اس کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنی چاہیے۔[5]

لیکن مستدرک نے غسان بن عبدالحمید کی روایت نقل کی ہے کہ ابن عمرؓ نے اس شرط پر حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی کہ وہ ان کے ساتھ خانہ جنگی میں نہ شریک ہوں گے اور

---

[1] ابن سعد جز ۴، قسم اول، ص ۱۸　[2] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۳۴　[3] ابن اثیر جلد ۳ ص ۸۴
[4] ابن سعد جز ۴، قسم اول ص ۱۱۱　[5] فتح الباری جلد ۵ ص ۱۸

جناب امیر نے ان کو اس کی اجازت بھی دے دی تھی۔[1] ہمارے نزدیک مستدرک کی روایت زیادہ صحیح اور قرین قیاس ہے کیونکہ ابن حجر نے جس اصول کی بنا پر ابن عمرؓ کا حضرت علیؓ کی خلافت سے دست کش ہونا بتایا ہے، اس سے ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے، گو حضرت علیؓ کی خلافت پر تمام مسلمانوں کا اتفاق نہیں ہوا تھا تاہم اسلام کے ارباب حل و عقد یعنی مہاجرین و انصار کی اکثریت حضرت علیؓ کے ساتھ تھی اور ان کی نہایت ہی مختصر جماعت آپ سے الگ رہی، البتہ یہ مسلم ہے کہ انہوں نے جنگ جمل اور صفین میں کسی کا ساتھ نہیں دیا اور ان کے ہاتھ سے کسی مسلمان کا ایک قطرہ خون نہیں گرا لیکن ضمیر حق پرست تھا اس لئے جنگ میں حضرت علیؓ کے ساتھ نہ دینے پر آخر دم تک متاسف رہے، فرماتے تھے کہ گو میں نے اپنا ہاتھ آگے نہیں بڑھایا، لیکن حق پر مقابلہ افضل ہے۔[2]

جنگ صفین کے بعد جب حضرت ابوموسی اشعریؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کو حکم بنایا گیا تو ابوموسیؓ نے خلافت کے لئے ابن عمرؓ کا نام پیش کیا تھا،[3] مگر عمرو بن العاصؓ نے اس سے اختلاف کیا۔ حکم کے فیصلہ سناتے وقت آپ بھی عام مسلمانوں کے ساتھ امت مسلمہ کی قسمت کا فیصلہ سننے کے لئے دومۃ الجندل آئے تھے،

ان واقعات کے بعد مسلمانوں میں دو نئے فرقے پیدا ہو گئے تھے، ایک وہ جو حضرت علیؓ کو برا سمجھتا تھا، دوسرا وہ جو حضرت عثمانؓ کی برائیاں بیان کرتا تھا کہ وہ احد میں بھاگ کھڑے ہوئے تھے، اس بارہ میں حضرت ابن عمرؓ کی رائے پوچھی تو فرمایا کہ عثمانؓ کو اللہ نے معاف کیا (قرآن پاک میں اس کی آیت ہے) مگر تم معاف کرنا نہیں چاہتے اور علیؓ تو وہ رسول اللہ ﷺ کے چچیرے بھائی اور آپ کے داماد تھے اور دیکھو کہ وہ گھر ان کا ہے جہاں تم دیکھ رہے ہو۔[4] حضرت علیؓ کے بعد پھر امیر معاویہؓ کی خلافت تسلیم کر لی اور اس عہد کے بعض معرکوں میں شریک ہوئے چنانچہ قسطنطنیہ مہم میں شریک تھے۔[5]

خلافت یزید...... امیر معاویہؓ کے بعد جب یزید تخت حکومت پر بیٹھا تو حضرت ابن عمرؓ نے محض اختلاف امت کے فتنہ سے بچنے کے لئے اس کی بیعت کر لی اور فرمایا اگر یہ خیر ہے تو ہم اس سے راضی ہیں اور اگر شر ہے تو ہم نے صبر کیا۔[6]

کچھ دنوں کے بعد جب مدینہ والوں نے فسخ بیعت کیا تو آپ نے اسی فتنہ سے بچنے کی خاطر اپنے اہل و عیال کو بلا کر فرمایا کہ میں نے اس شخص کے ہاتھ پر خدا اور رسول کی بیعت کی

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۵۸ طبع حیدر آباد
[2] استیعاب جلد اول ص ۳۸۱ [3] ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۷۷
[4] صحیح بخاری کتاب التفسیر وقاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ
[5] ابن اثیر حالات حملہ قسطنطنیہ [6] ابن سعد جزء ۴ قسم اول تذکرہ ابن عمرؓ

ہے اور میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ قیامت کے دن ہر دھوکہ باز کا ایک ایک جھنڈا کھڑا کیا جائے گا کہ یہ فلاں کی فریب کاری ہے اور سب سے بڑا فریب یہ ہے کہ خدا کے ساتھ شرک کیا جائے کہ ایک شخص کسی کے ہاتھ پر خدا اور رسول کے لئے بیعت کرلے اور پھر اس کو فسخ کردے، اس لئے تم میں سے کوئی شخص فسخ بیعت میں حصہ نہ لے اگر کسی نے حصہ لیا تو میرے اور اس کے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔[1]

یزید کی بیعت آپ نے کسی لالچ یا خوف کی بنا پر نہیں کی تھی، امیر معاویہؓ نے جب یزید کو ولی عہد بنانا چاہا تو عمرو بن العاصؓ کو ان کے پاس ان کا عندیہ لینے کے لئے بھیجا تھا انہوں نے جا کر دبی زبان سے اس کا اظہار کیا اور اس کے عوض ایک رقم خطیر پیش کرنا چاہی، رشوت کا نام سن کر وہ غصہ سے کانپ اٹھے اور اسی وقت عمرو بن العاصؓ کو کھڑے کھڑے نکال دیا۔[2]

معاویہ بن زید، مروان بن حکم اور عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت...... یزید کے بعد اس کا بیٹا معاویہ خلیفہ ہوا، مگر اس کی خلافت صرف تین (۳) مہینہ رہی، اس کے بعد وہ خود خلافت سے دست بردار ہو گیا[3] اب اس کی وفات کے بعد ایک طرف مکہ میں عبداللہ بن زبیرؓ نے خلافت کا دعویٰ کیا اور عراق حجاز و یمن کے لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، دوسری طرف شام میں مروان نے اپنی بیعت لی، گو اکثر اسلامی ممالک ابن زبیرؓ کی طرف مائل تھے لیکن حضرت ابن عمرؓ ان کے دعوائے خلافت کو بازیچہ اطفال سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے[4] چنانچہ انہی کے زمانہ میں جب فریقین میں جنگ برپا تھی تو ایک شخص نے ان سے آکر کہا کہ خدا فرماتا ہے کہ فتنہ کو روکنے کے لئے لڑو، انہوں نے جواب دیا تھا کہ جب فتنہ تھا تو ہم لڑے، فتنہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو کفار اس کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ اپنے خدا کی عبادت کرسکیں، اب یہ خانہ جنگی جہاد نہیں بلکہ بادشاہی کے لئے لڑائی ہے[5] مگر بااین ہمہ جب عبدالملک کی طرف سے حجاج ابن زبیرؓ سے لڑنے کے لئے مکہ معظمہ گیا اور خانہ کعبہ کے ایک حصہ کو اپنے گولوں کا نشانہ بنایا تو وہ سخت برہم ہوئے اور اپنی برہمی کو قابو میں نہ رکھ سکے۔[6]

خلافت عبدالملک...... مروان کے بعد جب عبدالملک کی خلافت پر بیعت ہوئی تو آپ نے بھی تحریری بیعت نامہ بھیج دیا جس کا مضمون یہ تھا کہ "خدا اور رسول کی سنت پر میں اور میرے

---

[1] ایضاً ص ۱۳۴ تھوڑے تغیر کے ساتھ یہ واقعہ بخاری جلد ۲ ص ۱۰۵۳ میں بھی مذکور ہے
[2] ابن سعد قسم اول جز ۴ ص ۱۲۱
[3] ابو الفداء جلد ۱ ص ۱۹۳ مطبوعہ مصر
[4] ابن سعد قسم اول جز ۴ تذکرہ ابن عمر
[5] صحیح بخاری کتاب التفسیر، باب حتی لاتکون فتنۃ
[6] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۸۷ حیدرآباد

لڑکے امیر المومنین عبداللہ الملک کی سمع و طاعت کا بقدر استطاعت عہد کرتے ہیں،[1] عبدالملک حضرت ابن عمرؓ کا بڑا احترام کرتا تھا اور مذہبی معاملات میں ان کی اقتدا کرتا تھا اور حج کے موقع پر ارکان میں آپ کی اقتداء کا فرمان جاری کرتا تھا۔[2]

علالت اور وفات...... ۷۴ھ میں تراسی چوراسی برس کی عمر میں وفات پائی، وفات کا واقع یہ ہے کہ حج کے زمانہ میں ایک شخص کے نیزہ کی نوک جوز ہر میں بجھی ہوئی تھی ان کے پاؤں میں چبھ گئی یہ زہران کے جسم میں سرایت کر گیا اور یہی زخم ان کی موت کا باعث ہوا، عام طور سے خیال کیا جاتا ہے کہ یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا، بلکہ حجاج کے اشارہ سے اس طرح زخمی کیے گئے تھے البتہ اس کی تفصیل میں اختلاف ہے، مستدرک کی روایت ہے کہ حجاج نے جب خانہ کعبہ میں منجنیق نصب کرائی اور ابن زبیرؓ کو شہید کرایا تو اس کا یہ فعل شنیع ابن عمرؓ کو بہت ناپسند ہوا، آپ نے اس کو بہت برا بھلا کہا، حجاج برافروختہ ہو گیا اور اس کے اشارے سے شامیوں نے زخمی کر دیا۔[3]

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ عبدالملک نے حجاج کو ہدایت کی تھی کہ ابن عمرؓ کی مخالفت نہ کرے، یہ حکم اس پر بہت شاق گذرا لیکن عدول حکمی بھی نہیں کر سکتا تھا، اس لئے دوسرا طریقہ اختیار کیا اور آپ کو زخمی کرا دیا۔[4]

ابن سعد کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حجاج خطبہ دے رہا تھا، اس میں اس نے ابن زبیرؓ پر یہ اتہام لگایا کہ انہوں نے نعوذ باللہ کلام اللہ میں تحریف کی ہے، حضرت ابن عمرؓ نے اس کی تردید کی اور فرمایا تو جھوٹ بولتا ہے، نہ ابن زبیرؓ میں اتنی طاقت ہے نہ تجھ میں یہ مجال ہے۔ مجمع عام کے سامنے ان کی ڈانٹ اس کو بہت ناگوار ہوئی، لیکن حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ علانیہ کوئی برابرتاؤ نہیں کر سکتا تھا اس لئے خفیہ انتقام لیا۔[5]

ابن خلقان اور اسد الغابہ میں اس کے علاوہ دو روایتیں نقل کی گئی ہیں، ایک یہ کہ ایک دن حجاج خطبہ دے رہا تھا، اس کو اس قدر طول دیا کہ عصر کا وقت تنگ ہو گیا آپ نے فرمایا کہ آفتاب تیرا انتظار نہیں کر سکتا، حجاج نے کہا جی میں آتا ہے کہ ''تمہاری آنکھیں پھوڑ دوں'' فرمایا تجھ کو تا بین سے یہ بھی کچھ بعید نہیں دوسری روایت یہ ہے کہ عبدالملک نے فرمان جاری کیا کہ تمام حجاج مناسک حج میں حضرت ابن عمرؓ کی اقتداء کریں، حضرت عمرؓ حجاج کے عرفات اور دوسرے مواقف سے بغیر حجاج کا انتظار کیے بڑھ جاتے تھے، حجاج کی فرعونیت کب اس کو گوارا کرتی

---

[1] بخاری جلد ۲ باب کیف یبایع الامام الناس
[2] بخاری جلد اص ۲۲۵
[3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۵۷
[4] تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۳۰ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد،
[5] ابن سعد تذکرہ ابن عمرؓ

مگر عبدالملک کے حکم سے مجبور تھا، اس لئے آپ کی جان کا خواہاں ہو گیا۔[1]

ابن عبدالبر نے استیعاب میں بھی یہی دونوں روایتیں نقل کی ہیں، اگر چہ ان روایتوں کی صورت واقعہ میں اختلاف ہے۔ مگر تضاد نہیں اس لئے ان میں کسی کو غلط نہیں کہا جا سکتا ہو سکتا ہے کہ یہ تمام واقعات یکے بعد دیگرے آتے رہے، مگر حجاج ضبط کرتا رہا، لیکن جب اس نے دیکھا کہ ابن عمرؓ کے سامنے اس کی پیش نہیں چلتی اور وہ اس کو مطلق دھیان میں نہیں لاتے، تو آخر میں آپ کا قصہ ختم کر دینے کا فیصلہ کر لیا، لیکن علی الاعلان وہ آپ پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا اس لئے یہ صورت نکالی کہ اپنے آدمیوں میں سے کسی کو حکم دیا کہ وہ حج کے موقع پر جب لوگوں کا ازدحام ہوتا ہے مسموم نیزہ سے آپ کے پاؤں میں خراش دے دیں، اس ازدحام میں زخمی کرنے والا گرفتار بھی نہ ہو سکے گا، اور زہر کے اثر سے آپ کا کام بھی تمام ہو جائے گا اور یہی ہوا، جب آپ بیمار ہوئے تو حجاج عیادت کو آیا اور مزاج پرسی کے بعد کہا کہ کاش مجھ کو ملزم کا پتہ چل جاتا تو میں اس کی گردن اڑا دیتا، آپ نے فرمایا تم ہی نے یہ سب کچھ کیا اور پھر کہتے ہو کہ میں مجرم کو قتل کر دیتا، نہ تم حرم میں اسلحہ باندھنے کی اجازت دیتے نہ یہ واقعہ پیش آتا[2] یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا۔

حضرت ابن عمرؓ کو مدینہ منورہ میں وفات پانے کی تمنا بہت تھی، چنانچہ جب آپ کی حالت نازک ہوئی تو دعا کرتے تھے کہ خدایا مجھ کو مکہ میں موت نہ دے[3] اور اپنے صاحبزادہ سالم سے وصیت بھی کی کہ اگر میں مکہ ہی میں مر جاؤں تو حدود حرم کے باہر دفن کرنا کیونکہ جس زمین سے ہجرت کی پھر اسی میں پیوند خاک ہوتے اچھا نہیں معلوم ہوتا، وصیت کے چند دنوں بعد سفر آخرت کیا[4] اور علم و عمل کا یہ آفتاب تاباں ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گیا۔

تجہیز و تکفین...... وفات کے بعد وصیت کے مطابق لوگوں نے حرم کے باہر دفن کرنا چاہا، مگر حجاج نے مداخلت کی اور خود ہی نماز جنازہ پڑھائی، مجبوراً ''فخ'' مہاجرین کے قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے[5]

فضل و کمال...... حضرت ابن عمرؓ کو آنحضرت ﷺ کی صحبت، آپ کی بارگاہ کی دائمی حاضر باشی، سفر و حضر کی ہمرکابی، فاروق اعظمؓ کی تعلیم و تربیت اور خود ان کی تلاش و جستجو نے مذہبی علوم کا دریا بنا دیا تھا، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ تمام مذہبی علوم کا بحر بے کران تھے، آپ کا شمار علمائے مدینہ کے اس زمرہ میں تھا، جب علم و عمل کے مجمع البحرین سمجھے جاتے تھے۔[6]

---

[1] ابن خلکان جلد ص ۲۴۲ مطبوعہ مصر ۱۲۹۹ء و اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۰،
[2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۵۷، [3] ابن سعد قسم اول جز ۴ ص ۱۳۶،
[4] ابن سعد قسم اول جز ۴ ص ۱۳۸،
[5] تلخیص مستدرک جلد ۳ و ابن سعد تذکرہ ابن عمرؓ
[6] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳۵ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد

تلاوت وتفسیر قرآن...... تلاوت قرآن کے ساتھ آپ کو غیر معمولی شغف تھا، اس کی سورہ آیات پر فکر وتدبر میں عمر عزیز کا بہت بڑا حصہ صرف کیا، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ صرف سورۂ بقرہ پر ۱۴ برس صرف کیے[1] اس غیر معمولی شغف نے آپ میں قرآن کی تفسیر وتاویل کا غیر معمولی ملکہ پیدا کر دیا تھا، فہم قرآن کا ملکہ آپ میں عنفوان شباب ہی میں پیدا ہو گیا تھا، چنانچہ اکابر صحابہؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی علمی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے گرد صحابہؓ کا مجمع تھا، ابن عمرؓ موجود تھے، آنحضرت ﷺ نے قرآن پاک کی اس مثال

الم تر کیف ضرب اللّٰہ مثلا کلمة طیبة کشجرة طیبة اصلها

ثابت و فرعها فی السماء تو تی اکلها کل حین با ذن ربها (ابراهیم)

تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کی کیسی اچھی مثال دی ہے کہ وہ پاک درخت کے مثل ہے جس کی جڑ مضبوط ہے اور شاخیں آسمان تک ہیں وہ اپنے خدا کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا ہے۔

کے متعلق صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ وہ درخت کون سا ہے، جو مرد مسلم کی طرح سدا بہار ہے اس کے پتے کبھی خزاں رسیدہ نہیں ہوتے اور ہر وقت پھل دیتا رہتا ہے، اس سوال کے جواب میں تمام صحابہؓ حتی کہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ تک خاموش رہے، تو آپؐ نے خود بتایا کہ یہ کھجور کا درخت ہے لیکن ابن عمرؓ پہلے ہی سمجھ چکے تھے لیکن اکابر صحابہؓ کی خاموشی کی وجہ سے چپ رہے، جب حضرت عمرؓ سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ تم نے جواب کیوں نہ دیا، تمہارا جواب دینا مجھے فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔[2]

قرآن کے الفاظ کے معنوں پر بہت غائر نظر تھی، وہ ان کے ایسے جامع معنی اختیار کرتے تھے جو مفہوم پر پورے طور سے عادی ہوتے تھے، چنانچہ اقم الصلوة لدلوک الشمس الی غسق الیل میں دلوک کے معنی ڈھلنے کے لیتے تھے،

"دلوک" لغت میں ڈھلنے، زرد ہونے، غروب ہونے، تینوں معنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ اس کے معنی مطلق ڈھلنے کے لیتے ہیں[3] اس معنی سے ظہر، عصر، اور مغرب تینوں کے اوقات متعین ہو جاتے ہیں، اس لئے کہ میل یا زوال کی تین منزلیں ہیں ایک متعارف جس میں سمت الراس سے زوال ہوتا ہے، جو ظہر کا وقت ہے، دوسرا جس میں سمت نظر سے ڈھلتا ہے، یہ عصر کا وقت ہے، تیسرا وہ جس میں سمت افق سے ڈھل کر غروب ہو جاتا ہے، یہ مغرب کا وقت ہے، بعض اوقات آیات کے شان نزول اور ناسخ ومنسوخ کی لاعلمی کی وجہ سے لوگوں کے

---

[1] موطا امام مالک مطبع احمدی دہلی۔
[2] بخاری وفتح الباری کتاب التفسیر سورۃ ابراہیم وکتاب العلم باب الفہم
[3] موطا امام مالک مطبع احمدی دہلی باب ماجاء فی دلوک الشمس وغسق اللیل

دلوں میں شبہات پیدا ہوجاتے ہیں، ابن عمرؓ اپنی فہم قرآنی سے اس قسم کے شکوک کا ازالہ کردیتے ہیں، ایک شخص کو قرآن پاک کی اس آیت

و الذین یکنزون الذهب و الفضة و لا ینفقونها فی سبیل الله فبشرهم بعذاب الیم

جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے، اسکو عذاب الیم کی بشارت دے دو۔

کے بارہ میں یہ شبہ پیدا ہوا کہ زکوٰۃ دینے کے بعد کیوں انفاق فی سبیل اللہ کا مطالبہ ہے اور عدم انفاق کی صورت میں عذاب الیم کی وعید کیوں ہے، اس نے ابن عمرؓ سے پوچھا، آپ نے بتایا کہ یہ وعید اس شخص کے لئے ہے، جو سونا چاندی جمع کرکے زکوٰۃ نہیں دیتا، وہ قابل افسوس ہے۔ اور یہ آیت زکوٰۃ کے نزول کے قبل کی ہے، زکوٰۃ تو خود ہی مال کو طاہر کردیتی ہے۔[1]

اسی آیہ میں ایک شخص نے ''کنز'' کے معنی پوچھے، آپ نے ایسے لطیف معنی بتائے کہ اگر یہ آیت نزول زکوٰۃ کے بعد کی بھی ہوتی، تب بھی اس پر کوئی اعتراض نہ ہوسکتا، کنز کے لغوی معنی مال مدفونہ کے ہیں، حضرت ابن عمرؓ نے بتایا کہ کنز اس مال کو کہتے ہیں جس کی زکوٰۃ نہ ادا کی جائے اس معنی سے لاینفقون کا مفہوم صرف یکنزون سے ادا ہوجاتا ہے اور ینفقونها سے مزید تاکید ہوجاتی ہے اور کنز کے لغوی معنی بھی نہیں جاتے، کیونکہ زکوٰۃ نہ دی جائے گی، تو خواہ مخواہ جمع ہی ہو گا، ورنہ پھر زکوٰۃ کا مطالبہ اور عذاب الیم کی وعید کیوں ہوتی اور جمع بمنزلہ دفن کے ہے، اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ قرآن پاک اصل مفہوم و منشا اور اس کے انداز بیان کو سمجھنے میں ابن عمرؓ کو کیسا ملکہ حاصل تھا،

ایک مرتبہ ایک شخص نے پوچھا کہ آپ فتنہ میں قتال کے بارے میں کیا فرماتے ہیں قرآن کا حکم ہے کہ

قاتلوهم حتی لا تکون فتنة

ان لوگوں سے مقاتلہ کرو یہاں تک فتنہ نہ باقی رہے

یہ سوال مسلمانوں کی خانہ جنگی کے زمانہ میں کیا گیا تھا، انہوں نے فرمایا تم فتنہ کے معنی کیا سمجھتے ہو، یہاں قتال علی الفتنہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم بادشاہت کے لئے لڑو، بلکہ قتال سے وہ قتال مراد ہے جو آنحضرت ﷺ نے مشرکین کے ساتھ فرمایا تھا، کہ ان کے دین میں داخل ہونا مسلمانوں کے لئے فتنہ تھا۔[2]

---

[1] بخاری جلد اص ۱۸۸، کرزن پریس دہلی
[2] موطا امام مالک ص ۱۰۹

صحیح بخاری میں اس واقعہ سے متعلق جو روایت ہے وہ اس سے زیادہ صحیح ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ کے ہنگامہ کے زمانہ میں دو آدمی ان کے پاس آئے اور کہا سب لوگ ختم ہو چکے آپ عمرؓ کے بیٹے اور رسول ﷺ کے صحابی ہیں، آپ کیوں نہیں میدان میں آتے فرمایا خدا نے بھائی کا خون حرام کیا ہے، اس لئے میں نہیں نکلتا، دونوں نے کہا خدا تو خود فرماتا ہے،

و قاتلو هم حتي لا تكو ن فتنة و يكو ن الدين لله

یعنی ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین خالص خدا کے لئے ہو جائے،

فرمایا بے شک ہم لڑے یہاں تک فتنہ باقی نہ رہا اور دین خدا کے لئے ہو گیا اور تم لوگ اس لئے لڑنا چاہتے ہو کہ فتنہ پیدا ہو اور دین غیر خدا کے لئے ہو جائے دوسری روایت میں ہے انہوں کہا یہ اس وقت کا حکم ہے جب مسلمان تعداد میں کم تھے اور وہ اپنے مذہب کا اعلان نہیں کر سکتے اور جب کرتے تھے تو کفار ان کو ستاتے تھے یہی فتنہ تھا جس کو روکنے کے لئے جہاد تھا اب مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی، اس لئے اب اس فتنہ کا ڈر نہیں رہا[1]

حدیث...... تفسیر قرآن کے بعد حدیث نبویؐ کا درجہ ہے، ابن عمرؓ کا شمار اساطین حفاظ حدیث میں ہے، اگر ان کی مرویات کی تعداد حدیث کی کتابوں سے علیحدہ کر لی جائے تو ان کے بہت سے اوراق سادہ رہ جائیں گے ان کی مجموعی تعداد ۱۶۳۰ ہے، ان میں ۱۷۰ متفق علیہ ہیں اور ۸۱ میں بخاری اور ۳۱ میں مسلم منفرد ہیں[2]

حدیث کی طلب و جستجو...... ابن عمرؓ کو حدیث نبویؐ کا اتنا شوق اور اس کی اس قدر جستجو تھی کہ اپنی غیر حاضری کے اقوال اور افعال نبویؐ، ان لوگوں سے جو آپ کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے پوچھ لیا کرتے تھے، اور ان کو یاد رکھتے تھے،[3] اگر کوئی ایسی حدیث یا ایسا مسئلہ سنتے، جو ان کے علم میں نہ ہوتا، تو فوراً خود آنحضرت ﷺ یا حدیث کے راوی کے پاس جا کر اس کی تصدیق کرتے، ایک مرتبہ کسی نے ایک مسئلہ بیان کیا، جو ان کے علم میں نہ تھا، فوراً خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اس کی تصدیق کی[4] ایک مرتبہ ایک لیثی نے ابو سعید خدریؓ کے حوالہ سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے سونا چاندی کی بیع صرف اس صورت میں جائز رکھی ہے کہ برابر ہو، انکو اس کا علم نہ تھا، اس لئے ابو سعید خدریؓ کے پاس جا کر اس کی تصدیق کی[5]

---

[1] یہ دونوں روایتیں صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۴۸ کتاب التفسیر۔ باب قاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ میں ہیں
[2] تہذیب الکمال ص ۲۰۷ مطبوعہ مصر
[3] اصابہ جلد ۴ ص ۱۰۹
[4] صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرہا جلد ۱ ص ۲۷۵ مطبوعہ مصر
[5] ایضاً ص ۶۳۰، باب الربا

حدیث کی اشاعت وتعلیم ...... اس تلاش وجستجو نے ابن عمرؓ کو حدیث کا دریا بنا دیا تھا، جس سے ہزاروں لاکھوں مسلمان سیراب ہوئے، ان کی ذات سے حدیث کا وافر حصہ اشاعت پذیر ہوا، حضرت ابن عمرؓ آنحضرت ﷺ کے بعد ساٹھ سال سے زیادہ زندہ رہے، اس میں آپ کا مشغلہ صرف علم کی اشاعت تھا۔[1] اسی لئے آپ نے کوئی عہدہ قبول نہیں کیا کہ اس سے یہ مبارک سلسلہ منقطع ہو جاتا، مدینہ مستقل حلقہ درس تھا، اسکے علاوہ اشاعت کے لئے سب سے بہترین موقع حج کا تھا، جس میں تمام اسلامی ملکوں کے مسلمان جمع ہوتے تھے، چنانچہ آپ اس موقع پر فتویٰ دیتے تھے، اس سے بہت جلد مشرق سے مغرب تک احادیث پھیل جاتی تھیں،[2] لوگوں کے گھروں پر جا کر حدیث سناتے تھے، زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ابن عمرؓ کے ساتھ عبداللہ بن مطیع کے یہاں گئے، عبداللہ نے خوش آمدید کہا اور ان کے لئے فرش بچھایا، انہوں نے کہا میں اس وقت تمہارے پاس صرف ایک حدیث سنانے کی غرض سے آیا ہوں، رسول ﷺ فرماتے تھے کہ جس شخص نے (امیر کی) اطاعت سے دستبرداری کی، وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی اور جو شخص جماعت سے الگ ہو کر مرا وہ جاہلیت کی موت مرا۔[3]

ان کی تعلیم کا سلسلہ ہر وقت جاری رہتا تھا، علی بن عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ میں حالت نماز میں کنکریوں سے شغل کر رہا تھا، نماز تمام کر چکا تو ابن عمرؓ نے ٹوکا اور کہا جس طریقہ سے رسول ﷺ پڑھتے تھے، اس طریقہ سے پڑھا کرو، پھر خود ہی طریقہ بتایا۔[4]

ایک مرتبہ سعید بن یسار، مکہ کے راستہ میں آپ کے ساتھ تھے صبح ہونے کے قریب ہوئی تو سعید نے سواری سے اتر کر وتر پڑھی اور پڑھ کر پھر ابن عمرؓ سے مل گئے، انہوں نے پوچھا کہاں تھے، کہا صبح ہو جانے کے خوف سے سواری سے اتر کر وتر ادا کی، ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات تمہارے لئے اسوۂ حسنہ نہیں ہے؟ سعد نے کہا خدا کی قسم ضرور ہے، کہا رسول اللہ ﷺ اونٹ ہی پر بیٹھے بیٹھے وتر پڑھتے تھے۔[5]

خود آپ کی ذات گرامی اوصاف نبویؐ کی ایسی زندہ تصویر اور ایسا جامع مرقع تھی جو سینکڑوں درس اور ہزاروں تلقینات سے زیادہ کار آمد تھی، جس کا صرف ایک نظر دیکھ لینا اور چند ساعتیں آپ کی صحبت اٹھا لینا برسوں کے درس وتدریس کے برابر ہوتا ہے، آپ کا صحیفہ زندگی میں تمام احادیث عملاً بعنوان جلی مرقوم تھیں وہ تمام صحابہ اور تابعین جنہوں نے ان کو دیکھا

---

[1] استیعاب جلد ۱ ص ۳۸۱ [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۸،
[3] مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۵۴،
[4] موطا امام مالک العمل فی الجلوس فی الصلوٰۃ ۳۰،
[5] موطا امام مالک باب الامر بالدیہ ص ۴۳

تھا، بالاتفاق ان کی اس حیثیت کو تسلیم کرتے تھے، حضرت ابو حذیفہؓ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ہر شخص کچھ نہ کچھ بدل گیا، مگر عمرؓ اور ان کے بیٹے عبد اللہؓ نہیں بدلے، حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ عہد نبوی کی حالت و کیفیت کا عبد اللہ بن عمرؓ سے زیادہ کوئی پابند نہیں رہا، حضرت نافع جو عبد اللہ بن عمرؓ کے خادم اور شاگرد خاص تھے اور جو ان کی خدمت میں تیس برس رہے تھے، وہ تابعین اور اپنے شاگردوں سے کہتے کہ اگر اس زمانہ میں ابن عمرؓ ہوتے تو ان آثار نبوی کو شدت سے اتباع کرتے ہوئے دیکھ کر تم یہی کہتے کہ یہ دیوانہ ہیں۔[1]

آپ کی ذات دوسروں کے لئے نمونہ تھی، لوگ دعا کرتے تھے کہ "خدایا ہماری زندگی میں ابن عمرؓ کو زندہ رکھ کہ ان کی اقتداء سے فیضیاب ہوتے رہیں، ان سے زیادہ عہد رسالت کا کوئی واقف کار نہیں۔"[2]

اکابر علماء مشکلات میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے، سعید بن جبیرؓ جو خود بھی بڑے تابعی تھے، بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے لعان کے متعلق مجھ سے سوال کیا مجھ کو معلوم نہ تھا، میں نے ابن عمرؓ سے جا کر دریافت کیا۔[3] ابن شہاب زہری جن سے بڑا کوئی محدث تابعین میں نہیں گذرا، کہا کرتے تھے کہ ابن عمرؓ جو رسول ﷺ کے بعد ساٹھ برس تک افادہ خلق میں مصروف رہے، ان سے رسول اللہ ﷺ کی کوئی بات چھپی نہ تھی۔[4]

چونکہ آپ ایک عالم کے مقتدا تھے، آپ کا ہر قول و فعل دوسروں کے لئے نمونہ بن جاتا تھا اس لئے اپنے ان امور و اعمال کی جن کو سنت سے تعلق نہ ہوتا، بلکہ طبعاً یا بدرجہ مجبوری سرزد ہوتے تصریح فرما دیتے تھے، آپ مروہ میں بال بنوا رہے تھے، لوگ گرد و پیش جمع ہو کر دیکھنے لگے، فرمایا سنت نہیں ہے، بلکہ بال تکلیف دے رہے تھے، اس لئے بنوا دیئے۔[5]

ایک شخص آپ کے پہلو میں نماز پڑھ رہا تھا چوتھی رکعت میں پلتھی مار کر بیٹھا، اور دونوں پاؤں موڑ لئے، آپ نے اس کو مذموم بتایا، اس نے کہا آپ ایسے بیٹھتے ہیں، فرمایا مجبوری سے کرتا ہوں۔[6] آپ کا بدن بھاری تھا اس لئے مسنون طریقہ سے نہیں بیٹھ سکتے تھے۔

احتیاط فی الحدیث...... لیکن اس فضل و کمال، اس وسعت علم اور اس دقت نظر کے باوجود حدیث بیان کرنے میں حد درجہ محتاط تھے، محمد بن علی راوی ہیں کہ صحابہ کی جماعت میں ابن عمرؓ سے زیادہ حدیث بیان کرنے میں کوئی محتاط نہ تھا، وہ حدیث میں کمی و بیشی سے بہت ڈرتے تھے۔[7]

---

[1] مستدرک جلد ۳ ص ۵۶۱، و ابن سعد تذکرہ ابن عمرؓ
[2] ابن سعد جزء ۴، قسم اول ص ۱۰۶
[3] مسلم کتاب اللعان جلد اول ص ۵۹۲
[4] تذکرۃ الحفاظ تذکرہ ابن عمرؓ
[5] ابن سعد جزء ۴، قسم اول ص ۱۱۴،
[6] موطا امام مالک العمل فی الجلوس فی الصلوٰۃ ص ۳۰،
[7] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۳۴

ابو جعفر کا بیان ہے کہ ابن عمرؓ رسول ﷺ کی حدیثوں میں کمی وزیادتی سے بہت زیادہ خائف رہتے تھے[1] سعید اپنے والد کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ حدیث نبوی میں ابن عمرؓ سے زیادہ محتاط میری نظر سے کوئی نہیں گذرا[2] اس لئے آپ عام طور پر حدیث بیان کرنے سے گریز کرتے تھے، مجاہد کا بیان ہے کہ مدینہ کے راستہ میں میرا اور ابن عمرؓ کا ساتھ ہوا، اس درمیان میں انہوں نے صرف ایک حدیث بیان کی[3] امام شعبیؒ کا بیان ہے کہ میں ایک سال تک عبداللہ بن عمرؓ کے پاس بیٹھا لیکن انہوں نے کوئی حدیث نہیں بیان کی، اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ روایت حدیث کو برا سمجھتے تھے یا کم بیان کرتے تھے بلکہ بلاضرورت نہیں بیان کرتے تھے،

وہ احادیث کو آنحضرت ﷺ کے الفاظ میں روایت کرنا ضروری سمجھتے اور اس میں تغیر پسند نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ عبید بن عمیرؓ حدیث سنا رہے تھے کہ "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل المنافق کشاۃ من بین ربیضتین اذا اتت ھولاء نطحتھا" حضرت ابن عمرؓ نے فوراً ٹوک دیا کہ یہ حدیث اس طرح نہیں بلکہ یوں ہے "مثل المنافق بین غنمین" عبید عمر میں آپ سے بڑے تھے، اس لئے ان کو غیرت آگئی بہت برہم ہوئے، ان کے اس بے جا غصہ کا یہ جواب دیا کہ اگر میں نے آنحضرت ﷺ سے اس طریقہ سے نہ سنا ہوتا تو نہ تردید کرتا۔[4]

اس احتیاط کی بنا پر اکابر علماء آپ کی مرویات کو اتنی قابل اعتماد سمجھتے تھے کہ پھر کسی مزید توثیق کی ضرورت باقی نہیں رہتی، امام شعبیؒ فرماتے تھے کہ ابن عمرؓ کی روایت بہت درست ہوتی تھی،[5] ابن شہاب زہریؒ ان کی رائے کے بعد پھر کسی دوسری رائے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے، موطا امام مالک جس کو امت نے کتاب اللہ کے بعد صداقت اور وثوق میں دوسرا درجہ دیا ہے زیادہ تر ان ہی کی روایت پر مشتمل ہے، خصوصاً وہ روایات جو حضرت ابن عمرؓ سے ان کے خادم و شاگرد نافع نے بیان کی ہیں اور ان سے امام مالک نے سنا ہے حضرت ابن عمرؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تقریباً پندرہ برس رہے، پھر شیخین کا پورا زمانہ دیکھا اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں گویا تیس برس رہے، پھر حضرت نافع ابن عمرؓ کی صحبت میں تیس برس رہے پھر امام مالک حضرت نافعؒ کے حلقہ درس میں دس بارہ برس بیٹھے اسی طرح مالک عن نافع عن ابن عمرؓ کا سلسلہ محدثین کے نزدیک سلسلۃ الذہب کہا جاتا ہے اور بجا کہا جاتا ہے کہ

این سلسلہ از طلائے ناب است
این خانہ تمام آفتاب است

---

[1] مستدرک جلد ۳ ص ۵۶۰ [2] اصابہ جلد ۴ ص ۱۰۹،
[3] بخاری باب الفہم فی العلم جلد اول ص ۱۶۔
[4] مسند ابن حنبل جلد ۲ ص ۳۲
[5] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۸

ذات نبوی کے علاوہ آپ کے شیوخ میں حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، زید بن ثابتؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، بلالؓ، رافع بن خدیجؓ، عائشہؓ اور حفصہؓ جیسے اکابر امت ہیں۔[۱]

تلامذہ...... آپ کے علم کی کثرت اور فیضان نے آپ کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع کر دیا تھا صاجزادوں میں بلال، حمزہ، زید، سالم، عبداللہ، عبیداللہ، عمر، پوتوں میں ابو بکر، محمد، عبداللہ غلاموں میں نافع، اسلم، بھتیجوں میں حفص، عبداللہ، عام لوگوں میں زید، خالد، عروہ، ابن زبیر موسیٰؓ ابن طلحہ، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، عامر بن سعد، حمید بن عبدالرحمٰن، سعید ابن میتب، عون بن عبداللہ، قاسم محمد بن ابی بکر، مصعب بن سعد ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعریؓ، انس بن سیرین، بسر بن سعید، بکر بن عبداللہ المزنی، ثابت البنانی، جبلہ بن سحیم، حرملہ، حکم بن مینا، حکیم بن ابی جرہ، حمید بن عبدالرحمٰن حمیری، ابوصالح الصمان زاذان ابوعمر، زبیر بن عربی زید بن حیسیر، ابوعقیل، زہرہ بن معبد، سالم بن ابی الجعد، زید بن جبیر، سمی، سعد بن عبیدہ، سعید ابن حارث، سعید بن عمرو، صفوان بن محرز، طاؤس عطا، عکرمہ، مجاہد، سعید ابن جبیر، ابوالزبیر، عبداللہ بن شقیق عقیلی، عبداللہ بن ابی ملیکہ، عبداللہ بن مرہ ہمدانی، عبداللہ ابن کیسان، عبدہ بن جریج، عبداللہ بن مقسم، عکرمہ بن خالد مخزومی، علی بن عبداللہ البارقی، علی بن عبدالرحمٰن وغیرہم۔[۲]

فقہ...... حدیث کے بعد فقہ کا درجہ ہے کہ اسی پر تشریع اسلامی کا دارومدار ہے، حضرت ابن عمرؓ کو تفقہ فی الدین میں درجہ کمال حاصل تھا، آپ کی ساری عمر علم وافتا میں کٹی، مدینہ کے ان مشہور صاحب فتاویٰ صحابہؓ میں جن کے فتاویٰ کی تعداد زیادہ ہے، ایک ابن عمرؓ بھی تھے[۳]، فقہ مالکی جو ائمہ رابعہ میں سے ایک امام کی فقہ ہے، اس کا تمام تر دارومدار حضرت ابن عمرؓ کے فتاویٰ پر ہے[۴] اس بنا پر امام مالک فرماتے تھے کہ ابن عمرؓ ائمہ دین میں تھے[۵] ابن عمر کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم جلد تیار ہو سکتی ہے۔[۶] کبار کی رائے ہے کہ تنہا ابن عمرؓ کے اقوال، اسلامی مسائل کے استفتاء کے لئے کافی ہیں۔

احتیاط فی الفتاویٰ...... مگر اس تفقہ کے باوجود حدیث کی طرح فتاویٰ میں بھی محتاط تھے جب تک کسی مسئلہ کے متعلق پورا یقین نہ ہوتا، فتویٰ نہ دیتے، حافظ ابن عبدالبر نے استیعاب میں لکھا ہے کہ وہ اپنے فتویٰ میں اور اعمال میں نہایت سخت محتاط تھے اور خوب سوچ سمجھ کر کہنے والے اور کرنے والے تھے۔[۷]

۱؎ تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۲۸، دائرۃ المعارف حیدرآباد۔

۲؎ تہذیب التہذیب تذکرہ ابن عمرؓ ۳؎ اعلام الموقعین ابن قیم جلد اول ص ۱۳

۴؎ مقدمہ مسوی شرح موطا شاہ ولی اللہ صاحب

۵؎ تہذیب التہذیب جلد ۲ ۶؎ اعلام الموقعین ابن قیم جلد اول ص ۱۳۔

۷؎ استیعاب جلد اول ص ۳۸۰۔

اگر کوئی مسئلہ نہ معلوم ہوتا تو اپنی کسر شان کا لحاظ کیے بغیر نہایت صفائی کے ساتھ اپنی لاعلمی ظاہر کردیتے، ایک مرتبہ کسی نے مسئلہ پوچھا، آپ کو علم نہ تھا، فرمایا "مجھے نہیں معلوم" اس کو ان کی صاف بیانی پر تعجب ہوا، کہنے لگا "ابن عمرؓ بھی خوب آدمی ہیں جو چیز معلوم نہ تھی اس سے صاف لاعلمی ظاہر کردی"۔[۱] عقبہ بن مسلم کا بیان ہے کہ ایک شخص نے آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا، فرمایا مجھ کو نہیں معلوم، تم میری پیٹھ کو جہنم کا پل بنانا چاہتے ہو کہ تم یہ کہہ سکو کہ ابن عمرؓ نے مجھ کو ایسا فتوی دیا تھا[۲] ابن عباسؓ کو آپ کا یہ طرز عمل تعجب انگیز معلوم ہوتا تھا، فرمایا کرتے تھے کہ "مجھ کو ابن عمرؓ پر تعجب آتا ہے کہ جس چیز میں ان کو ذرا بھی شک ہوتا ہے خاموش رہتے ہیں اور مستفتی کو لوٹا دیتے ہیں"۔[۳] اگر کبھی فتوی دینے کے غلطی معلوم ہوتی، تو بلا پس و پیش پہلے فتوی سے رجوع کر لیتے اور مستفتی کو صحیح فتوی سے آگاہ کردیتے، ایک مرتبہ عبدالرحمٰن بن ابی ہریرہؓ نے آبی مردار کے متعلق استفتاء کیا کہ اسکا کھانا جائز ہے یا نہیں، آپ نے ناجائز بتایا، بعد میں قرآن منگایا گیا تو دیکھا تو یہ حکم ملا، **احل لکم صید البحر و طعامه**، چنانچہ انہوں نے عبدالرحمٰن کے پاس کہلا بھیجا کہ "اس کے کھانے میں کوئی ہرج نہیں"[۴] دوسرے عام مفتیوں کو بھی اپنی رائے و قیاس سے فتوی دینے سے منع فرماتے تھے، حضرت جابرؓ بصرہ کے مفتی تھے، ابن عمرؓ ان سے ملے تو پہلی ہدایت یہی فرمائی کہ "تم بصرہ کے مفتی ہو، لوگ تم سے استفتا کرتے ہیں، کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے بغیر فتوی نہ دیا کرو[۵] آپ کے نزدیک کتاب اللہ سنت رسول اللہ کے علاوہ کوئی تیسری قسم تھی ہی نہیں[۶]

قیاس واجتہاد...... تاہم اس احتیاط کے باوجود بعض مسائل میں قیاس واجتہاد ناگزیر ہے کیونکہ کتاب وسنت میں تمام مسائل کا استقصا نہیں ہے، ورنہ فقہ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہوجائے گا، ابن عمر پہلے کتاب اللہ پھر سنت رسول ﷺ یعنی رسول ﷺ کے فیصلوں اور عملی مثالوں کی طرف رجوع کرتے تھے، جب مقصد حاصل نہ ہوتا تو اجتہاد کرتے[۷] لیکن مستفتی سے کہہ دیتے کہ یہ میرا قیاس ہے، طاؤس کا بیان ہے کہ جب ابن عمرؓ کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ پیش ہوتا، جس کے بارہ میں کتاب اور سنت میں کوئی حکم نہ ہوتا، تو پوچھنے والوں سے کہتے کہ "اگر کہو تو اپنے قیاس سے بتادوں"۔[۸]

لیکن قیاس واجتہاد میں بھی آپ کو ایسا خداداد ملکہ حاصل تھا اور آپ کی رائے بھی اتنی

[۱] ابن سعد ق ۴ ص ۱۲۵،　[۲] اصابہ جلد ۴ ص ۱۰۹
[۳] تذکرہ الحفاظ جلد اول ص ۳۴،
[۴] موطا امام مالک باب ماجاء فی صید البحری ص ۱۸۴،
[۵] اعلام الموقعین جلد اول ص ۶۷ مصر　[۶] ایضا،
[۷] تذکرہ الحفاظ ذہبی جلد اول ص ۳۳۔
[۸] اعلام الموقعین جلد اول ص ۶۷

صائب اور فیصلہ کن سمجھی جاتی کہ بڑے بڑے ائمہ اس کے بعد کسی دوسرے کی رائے کی ضرورت نہ سمجھتے تھے، امام مالک کو ہدایت کی تھی کہ ابن عمرؓ کے مقابلہ میں کسی کی رائے کو ترجیح نہ دینا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے بعد ساٹھ برس تک زندہ رہے، اس لئے آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کی کوئی بات ان سے چھپی نہ تھی [۱]، امام زین العابدینؒ فرماتے تھے کہ ابن عمرؓ بڑے صائب الرائے تھے [۲] بڑے بڑے مشائخ کہا کرتے تھے کہ "جس نے ابن عمرؓ کے قول کو اختیار کیا اس نے پھر تلاش و تفحص کے لئے کچھ نہیں چھوڑا" [۳]

بعض فتادے..... ایک شخص نے حاملہ عورت کے روزہ کی نسبت پوچھا کہ اگر حاملہ کو روزہ سخت معلوم ہو، یا اس سے نقصان پہنچنے کا احتمال ہو، تو وہ روزہ رکھے یا افطار کرلے فرمایا افطار کرلے اور روزہ کے عوض روزانہ ایک مد گیہوں مسکین کو دے دیا کرے [۴] قرآن پاک کی آیت والذین یطیقونه فدیة طعام مسکین کے متعلق صحابہؓ کی دو جماعتیں ہیں، ایک اس حکم کو منسوخ سمجھتی ہے اور دوسرے اس کو حاملہ، دودھ پلانے والی اور کبیر السن بوڑھوں کے لئے مخصوص کرتی ہے، حضرت ابن عمرؓ کا یہ فتوی دوسرے فریق کی تائید کرتا ہے،

عورتوں کے استعمالی زیوروں کی زکوۃ کے بارہ میں صحابہؓ اور مجتہدین کا اختلاف ہے، ایک گروہ اسکی بھی زکوۃ واجب ٹھہراتا ہے، جو حنفیہ کا مسلک ہے، دوسرا گروہ زیور میں زکوۃ کے وجوب کا قائل نہیں، حضرت ابن عمرؓ کا عمل دوسرے گروہ کا موئد ہے چنانچہ اپنی لڑکیوں کو سونے کے زیورات پہناتے تھے اور ان کی زکوۃ نہیں دیتے تھے [۵] اس سے حضرت ابن عمر کا یہ فیصلہ معلوم ہوتا ہے کہ استعمال زیورات میں زکوۃ نہیں ہے کہ وہ ایک طرح سے عملاً عورت کے ضروریات میں سے ہیں ہاں البتہ اگر کوئی زیور کو سرمایہ کے طور پر یا تجارت کی غرض سے رکھے تو بے شبہ اس پر زکوۃ واجب ہوگی، صحابہؓ میں حضرت عائشہؓ کا بھی یہی مسلک ہے اور مجتہدین میں امام شافعی وغیرہ اس طرف گئے ہیں۔

سکھائے ہوئے کتے کے شکار کی حلت کا مسئلہ تو خود قرآن پاک میں مذکور ہے، مگر اسکی بعض تفصیلات میں لوگوں کا اختلاف ہے، حضرت ابن عمرؓ کا مسلک یہ تھا کہ اگر کتے نے شکار کا کوئی حصہ خود نہیں کھایا ہے تو خواہ وہ شکار مردہ ملے یا زندہ، دونوں صورتوں میں کھایا جاسکتا ہے۔ [۶]

اگر چہ غلام کے افعال عموماً آقا کی مرضی کے تابع ہیں، تاہم اس کے کچھ فطری حقوق ایسے

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۳۳،
[۲] مستدرک جلد ص ۵۶۰
[۳] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۳،
[۴] موطا امام مالک ص ۹۶ جدیۃ من افطر فی رمضان،
[۵] ایضاً ص ۱۰۶ مالا زکوۃ فیہ من الحلی والتبر والعنبر،
[۶] موطا امام مالک ماجاء فی صید المعلمات ص ۱۸۳،

ہیں جن میں اس کو مکمل اختیار ہے اور آقا کی مرضی اور منشا کو کوئی دخل نہیں، ابن عمرؓ غلام کے ان حقوق کے بڑے محافظ تھے، فرماتے تھے کہ اگر غلام کو آقا نے شادی کی اجازت دے دی تو پھر طلاق دینے نہ دینے کا کامل اختیار اسی غلام کو ہوگا، آقا کو اس میں کوئی دخل نہ ہوگا، یعنی اگر آقا طلاق دلانا چاہے تو غلام طلاق دینے پر مجبور نہیں[۱] ہے۔

اسی طرح آپ عورتوں کے حقوق کے بھی بڑے محافظ تھے کہ انکے شوہر ان کو بازیچہ اطفال نہ بنالیں کہ جب تک چاہا کھیلا اور جب چاہا بگاڑ دیا، ایک شخص نے آکر پوچھا کہ ابوعبدالرحمن میں نے اپنی بیوی کا معاملہ اس کے ہاتھ میں دیدیا تھا، یعنی طلاق اس کی مرضی پر محول کر دی تھی اس نے طلاق لے لی، آپ کا کیا فتوی ہے، فرمایا عورت نے جو کچھ کیا صحیح کیا (یعنی طلاق پڑ گئی) اس نے کہا ایسا نہ کیجئے فرمایا میں کرتا ہوں کہ تم نے خود کیا۔[۲]

ربا (سود) کے معاملہ میں بہت سخت تھے، اگر ربا کا خفیف شائبہ بھی نکلتا، تو اس کو ناجائز سمجھتے تھے، ایک مرتبہ ایک سنار نے پوچھا کہ میں سونے کی چیزیں بنا کر اس سے زیادہ وزن کے سونے کے ساتھ بیچتا ہوں، اور یہ زیادتی میری محنت کا صلہ ہوتی ہے، آپ نے منع کیا، سونار بار بار پوچھتا تھا اور آپ منع کرتے تھے، آخر میں فرمایا کہ دینار سے دینار اور درہم سے درہم کے تبادلہ میں کسی قسم کی زیادتی نہ ہونی چاہیے، اس کا مجھ سے عہد لیا گیا ہے اور میں تم سے عہد لیتا ہوں۔[۳]

اس تشدد کی بنا پر آپ قرض کے معاملہ میں کسی جانب سے بھی رعایت پسند نہ کرتے تھے چنانچہ یہ صورت بھی آپ کے نزدیک ناپسندیدہ تھی کہ ایک شخص مدت معینہ کے لئے قرض لے پھر قرض خواہ مدت معینہ سے پہلے روپیہ لینا چاہے اور اس کے عوض میں رقم کا کچھ حصہ چھوڑ دے[۴] گو ربا کا فائدہ قرض خواہ کو ملتا ہے، اس لئے عام معنی میں یہ شکل ربا کے تحت میں نہیں آتی، لیکن چونکہ قرض کے سلسلہ میں رعایت ہے اور اس سے ایک فریق کو فائدہ پہنچتا ہے، اس لئے اس میں ان کو ربا کا شائبہ نظر آیا۔

ابن عمرؓ کے فضل و کمال کی جستجو میں جہاں تک ہم اندازہ کر سکے ہیں، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مذہبی علوم کے علاوہ عرب کے دوسرے مروجہ علوم شاعری، نسابی اور خطابت کو آپ کا بارگاہ علم میں بار نہ تھا، اس کا ایک کھلا ہوا سبب یہ ہے کہ آپ زہد و اتقا کے سبب سے مذہبی علوم کے علاوہ دوسرے علوم میں وقت صرف کرنا پسند نہ فرماتے تھے، اس لئے جو وقت بھی ملتا تھا، وہ اسی علمی جہاد میں صرف ہوتا تھا، دوسرا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے جاہلانہ جذبات سے آپ کا

---

[۱] ایضاً ماجاء فی طلاق العبد ص ۲۰۹۔
[۲] ایضاً ماجاء فی الخلیۃ والبریۃ واشباہ ذالک ص ۲۰۰،
[۳] ایضاً بیع الذہب والورق عیناً وتبراً ص ۲۶۰
[۴] زرقانی شرح موطا ص ۱۴۱ مطبوعہ مصر

دامن اخلاق ہمیشہ پاک رہا، حسن وعشق، حسب ونسب، غلط تہور وشجاعت آپ کے نزدیک بے معنی الفاظ تھے، اس لئے آپ شاعر اور نساب نہ بن سکے کہ یہی چیزیں عرب کی شاعری کے عناصر اور اسکی مایہ خمیر ہیں۔

سیاست کے خار زار سے ہمیشہ دامن کشاں رہے، اس لئے تیغ زبان کے جوہر نہ کھلے چنانچہ انہوں نے خطیب کی حیثیت سے کوئی خاص شہرت نہیں حاصل کی، تاہم آپ کے مختصر کلمات اور حکیمانہ اقوال پر روز خطبوں سے زیادہ وقیع، زیادہ پر اثر اور زیادہ مفید تھے اہل علم کے بارے میں فرماتے تھے کہ ''آدمی اس وقت اہل علم کے زمرہ میں شمار ہونے کے قابل ہوگا جب وہ اپنے سے بلند آدمی پر حسد نہ کرے گا اور اپنے سے کمتر کو حقیر نہ سمجھے گا اور اپنے علم کی قیمت نہ لے گا'' ایمان کے متعلق فرماتے تھے کہ ''بندہ اس وقت تک ایمان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا، جب تک وہ مذہب کے اس بلند مقام پر نہ پہنچ جائے، جہاں سے عوام اس کے مذہب میں اس کو احمق نظر آئیں'' یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ''کوئی بندہ خواہ وہ خدا کے نزدیک برگزیدہ ہی کیوں نہ ہو، مگر جب دنیا کا کچھ حصہ اس کو مل جاتا ہے تو خدا کے یہاں اس کا کوئی نہ کوئی درجہ ضرور گھٹ جاتا ہے''[1] نیکی کے بارے میں ارشاد تھا کہ نیکی بہت آسان شے ہے، خندہ جبینی اور شیریں کلامی[2]

فضائل اخلاق...... ابن عمرؓ نے اسلام کے سایہ میں نشو نما پائی، فاروق اعظمؓ کی تعلیم وتربیت اور آنحضرت ﷺ کی صحبت بابرکت نے اس پر اور جلا دے دی تھی، اس لئے وہ خلق نبوی کا مکمل نمونہ بن گئے تھے اگرچہ تمام صحابہ کرامؓ پر خلق نبوی کا پرتو پڑا تھا، لیکن ابن عمرؓ پر ایسا گہرا اثر تھا کہ ان کی ہر ادا سے شان نبوی آشکارہ تھی اور وہ ڈھونڈ ڈھونڈ ھ کر وہ کام اسی طرح کرتے تھے، جس طرح سے آنحضرت ﷺ کو کرتے دیکھتے تھے اس کی مثالیں حدیث کی کتابوں میں بکثرت مذکور ہیں۔

خشیت الٰہی...... خشیت الٰہی تمام اعمال صالحہ کی بنیاد ہے، خشیت یہ ہے کہ خدا کے ذکر سے انسان کے قلب میں گداز پیدا ہو، قرآن پاک میں صحابہؓ کی تعریف میں ہے، اذا ذکر اللّٰہ وجلت قلوبھم کہ جب خدا یاد آتا ہے تو ان کے دل ہل جاتے ہیں، حضرت ابن عمرؓ میں یہ کیفیت بڑی نمایاں تھی، چنانچہ وہ قرآن پاک کی یہ آیت،

الم یان للذین اٰمنوا ان تخشع قلوبھم (آیہ)

کیا مسلمانوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ خدا کی یاد سے ان کے دل میں خشوع پیدا ہو،

پڑھتے تھے تو ان پر بے انتہا رقت طاری ہوتی[3] ایک مرتبہ حضرت عمیرؓ نے فکیف اذا

---

[1] ازالۃ الخفا، شاہ ولی اللہ مقصد دوم ص ۱۹۱

[2] اسد الغابہ ترجمہ ابن عمر مطبوعہ مصر،

[3] اصابہ جلد ۴، ۱۰۹ مطبع شرفیہ مصر

جئنا من کل امة بشهید تلاوت کی، تو آپ اس قدر روئے کہ داڑھی اور گریبان آنسوؤں سے تر ہو گئے اور پاس بیٹھنے والوں پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ بہ مشکل برداشت کر سکے[۱] فتنہ کے زمانہ میں جب ہر حوصلہ مند اپنی خلافت کا خواب دیکھتا تھا، ابن عمرؓ اپنے فضل وکمال، زہد واتقا، لوگوں میں اپنی عام ہر دلعزیزی اور مقبولیت بلکہ اکثروں کی خواہش کے باوجود خدم کے خوف سے محترز رہے، نافعؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے کانوں سے سنا، ایک دن ابن عمرؓ خانہ کعبہ میں سربسجود ہو کر کہہ رہے تھے کہ خدایا تو خوب جانتا ہے کہ میں نے حصول دنیا میں قریش کی مزاحمت صرف تیرے خوف سے نہیں کی۔[۲]

عبادت وریاضت...... آپ بڑے عبادت گذار وشب زندہ دار تھے، اوقات کا بیشتر حصہ عبادت الٰہی میں صرف ہوتا، نافع روایت کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ رات بھر نمازیں پڑھتے تھے، صبح کے قریب مجھ سے پوچھتے کہ سپیدہ صبح نمودار ہوا، اگر میں ہاں کہتا تو پھر طلوع سحر تک استغفار میں مشغول ہو جاتے اور اگر نہیں کہتا تو بدستور نماز میں مشغول رہتے[۳] روزانہ کا معمول تھا کہ مسجد نبوی سے دن چڑھے نکلتے بازار کی ضروریات پوری کرتے[۴] پھر نماز پڑھ کر گھر جاتے، محمدؒ بن زید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ رات بھر چار پانچ مرتبہ اٹھ اٹھ کر نمازیں پڑھتے تھے،[۴] ابن سیرین کا بیان ہے کہ رات کو جتنی مرتبہ آنکھ کھلتی تھی اٹھ کر نماز پڑھتے تھے،[۵] تلاوت قرآن سے بڑا شغف تھا، ایک رات میں پورا قرآن ختم کر دیتے، حج کسی سال ناغہ نہیں ہوا حتی کہ فتنہ کے زمانہ میں بھی جب مکہ بالکل غیر مامون حالت میں تھا، انہوں نے حج نہ چھوڑا، چنانچہ ابن زبیرؓ اور حجاج کی جنگ کے زمانہ میں جب انہوں نے حج کا قصد کیا تو لوگوں نے روکا کہ یہ حج کا موقع نہیں، فرمایا اگر کسی نے روک دیا تو اسی طرح رک جاؤں گا، جس طرح آنحضرت ﷺ کو دشمنوں نے روکا تھا صلح حدیبیہ کے زمانہ میں، تو آپ رک گئے تھے اور اگر نہ روکا تو سعی وطواف پورا کروں گا، چنانچہ صرف اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر عمرہ کی نیت کی تھی، انہوں نے اس موقع پر عمرہ کی نیت کی کہ آنحضرت ﷺ کے اس واقعہ سے مشابہت ہو جائے۔[۶] وہ یوں بھی تمام مسائل کے بڑے واقف کار تھے اور بکثرت حج کیے تھے، اس لئے صحابہؓ کی جماعت میں مناسک حج کے سب سے بڑے عالم مانے جاتے تھے[۷] معمولی سے معمولی عبادت بھی نہ چھوٹتی تھی، چنانچہ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرتے تھے[۸] مسجد جاتے وقت نہایت آہستہ آہستہ چلتے کہ جتنے قدم زیادہ پڑیں گے اتنا ہی زیادہ اجر ملے گا۔[۹]

---

[۱] ابن سعد جز ۴، ۱۶۹،
[۲] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۹،
[۳] اصابہ جلد ۴ ص ۱۰۹،
[۴] ابن سعد تذکرہ ابن عمرؓ
[۵] اصابہ جلد ۴ ص ۱۰۹،
[۶] صحیح بخاری کتاب المناسک باب اذا احصر المعتمر
[۷] ابن خلکان جلد اول ص ۳۴۱،
[۸] ابوداؤد جلد اول
[۹] ابن سعد قسم اول جزء ۴ ص ۱۱۳

پابندی سنت...... حضرت ابن عمرؓ کی زندگی حیات نبوی کا عکس اور پرتو تھی، لوگ کہا کرتے تھے کہ ابن عمرؓ کو پابندی سنت کا والہانہ جنون تھا[1] صرف عبادات ہی میں نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کے اتفاقی اور بشری عادات کی بھی وہ پوری پیروی کرتے تھے، یہاں تک کہ جب وہ حج کے لئے سفر میں نکلتے تھے تو آنحضرت ﷺ اس سفر میں جن جن مقامات پر اترتے تھے وہاں وہ بھی منزل کرتے تھے، جن مقامات پر حضور ﷺ نے نمازیں پڑھی تھیں وہاں یہ بھی پڑھتے تھے[2] حج کے سفر میں وہی راستہ اختیار کرتے تھے جن راستوں سے آنحضرت ﷺ گذرا کرتے تھے[3] انتہا یہ ہے کہ جس مقام پر حضور نے کبھی طہارت کی تھی، اس پر پہنچ کر وہ بھی طہارت کرلیا کرتے تھے، حضرت ابن عمرؓ کا بھی یہی عمل تھا، آنحضرت ذوالحلیفہ میں اتر کر نماز پڑھتے، ابن عمرؓ بھی یہی کرتے تھے،[4]

عام دعوت خصوصاً ولیمہ قبول کرنا مسنون ہے، حضرت ابن عمرؓ روزہ کی حالت میں بھی دعوت ولیمہ رد نہ کرتے تھے، اگرچہ اس حالت میں کھانے میں نہ شریک ہوسکتے تھے، مگر داعی کے یہاں حاضری ضرور دیتے تھے[5] آنحضرت ﷺ مکہ میں داخل ہونے کے قبل بطحا میں تھوڑا سا سو لیتے تھے، حضرت ابن عمرؓ بھی ہمیشہ اس پر عامل رہے[6] عبادات کے علاوہ وضع قطع اور لباس وغیرہ میں بھی اسوہ نبوی کو پیش نظر رکھتے تھے، چنانچہ ارکان میں صرف رکن یمانی کو چھوڑتے تھے، ترویہ کے دن احرام کھولتے تھے، رنگوں میں زرد رنگ استعمال کرتے، چپل پہنتے تھے، لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں، فرمایا آنحضرت ﷺ کیا کرتے تھے،[7] غرض آنحضرت ﷺ کے وہ تمام حرکات وسکنات جو آپ نے بر سبیل سنت کیے یا طبعاً صادر ہوئے، ابن عمرؓ ان سب کی اقتداء کرنا ضروری سمجھتے تھے،

زہد وورع...... حضرت ابن عمرؓ کی زندگی زہد وتقوی کا نمونہ تھی، لوگوں کا اس پر اتفاق تھا کہ حضرت عمرؓ کے وقت میں ان کے جیسے بہت سے لوگ تھے، لیکن ابن عمرؓ اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے،[8] عام طور پر لوگوں میں آخر عمر میں جب قوی کا انحطاط ہوتا ہے، تو زہد وتقوی کا میلان ہوتا ہے، لیکن حضرت ابن عمرؓ کی پیشانی پر عنفوان شباب ہی میں زہد وورع کا نور چمکتا تھا اور جوانان قریش میں آپ کی ذات دنیا کی ہوا وہوس اور نفس کی خواہشوں پر سب سے زیادہ قابو رکھنے والی

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۶۱ [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۷
[3] اصابہ جلد ۴ ص ۱۰۹ [4] صحیح بخاری جلد اول ص ۱۰۶ مسلم جلد اول باب التعریس بذی الحلیفہ
[5] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۷۸ باب اجابۃ الداعی فی العرس وغیرہ
[6] ابوداؤد جلد ۱ ص ۳۰۰،
[7] بخاری جلد ۱ ص ۲۸، باب غسل الرجلین فی النعلین ولا یمسح علی النعلین
[8] اصابہ جلد ۴ ص ۱۰۹ اسی مفہوم کی حدیث مستدرک جلد ۳ صفحہ ۵۵۹ میں بھی ہے

ذات تھی[۱] حضرت جابرؓ فرماتے تھے کہ ہم میں سوائے ابن عمرؓ کے کوئی ایسا نہ تھا جس کو دنیاوی دلفریبیوں نے اپنی طرف مائل نہ کیا ہو، البتہ ان کا دامن کبھی دنیا سے آلودہ نہیں ہوا[۲] اس سے بڑھ کر انکے زہد وتقویٰ کی کیا سند ہو سکتی تھی، کہ خود زبان رسالت نے ان کو ''رجل صالح'' کی سند عطا کی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نوعمری کے زمانہ میں اکثر مسجد میں سویا کرتے تھے، ایک دفعہ انہوں نے دوزخ کے فرشتوں کو خواب میں دیکھا، جا کر اپنی بہن امیر المومنین حضرت حفصہؓ سے بیان کیا، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عبداللہ ''جوان صالح'' ہے، اس کے بعد وہ اکثر نمازوں میں مشغول رہے[۳] اور آخر عمر تک یہی زندگی قائم رہی، ایک مرتبہ حضرت جابرؓ نے لوگوں سے کہا کہ جو آنحضرت ﷺ کے ایسے اصحاب کو دیکھنا چاہتا ہوں، جن میں آپ کے بعد بھی کوئی تغیر نہیں ہوا، تو وہ ابن عمرؓ کو دیکھے، ان کے علاوہ ہم سے ہر شخص کو حوادث زمانہ نے کچھ نہ کچھ بدل دیا ہے[۴] حضرت زین العابدینؒ فرماتے تھے کہ ابن عمرؓ زہد وتقویٰ اور اصابت رائے میں ہم سب پر فائق تھے[۵] ان کی پوری زندگی بزرگوں کے بیانات کی لفظ بہ لفظ تصدیق کرتی ہے، ابن عمر چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی تقویٰ اور پابندی وسنت کا خیال رکھتے تھے، ایک مرتبہ پانی مانگا، کسی نے شیشہ کے گلاس میں لا کر پیش کیا، انہوں نے انکار کر دیا، جب دوبارہ وہ لکڑی کے پیالے میں لایا تو پی لیا، پانی پی کر وضو کے لئے برتن مانگا، انہوں نے طشت وآفتابہ پیش کیا، آپ نے انکار کر دیا اور لوٹے سے وضو کیا۔[۶]

مال ودولت آپ کی نگاہ میں کوئی حقیقت نہیں تھی اور بڑی سے بڑی دولت کو ٹھکرا دیتے تھے، امیر معاویہؓ نے جب یزید کو ولی عہد بنانا چاہا تو عمرو بن العاصؓ کو حضرت ابن عمرؓ کا عندیہ کے لئے بھیجا، انہوں نے آ کر کہا آپ صحابی اور امیر المومنین کے لڑکے ہیں، لوگ بھی آپ کی بیعت پر آمادہ ہیں، پھر کیوں نہ ہم لوگ آپ کے دست حق پرست پر بیعت کر لیں، انہوں نے پوچھا کیا سب آمادہ ہیں! کہا وہاں معدودے چند اشخاص کے سوا سب تیار ہیں، کہا اگر تین آدمی بھی میرے مخالف ہیں تو مجھے خلافت کی ضرورت نہیں ہے، جب عمرو بن العاصؓ کو یقین ہو گیا کہ وہ کشت وخون کو ناپسند کرتے ہیں تو دبے لفظوں میں کہا کہ ''پھر آپ ایسے شخص کے ہاتھ پر کیوں نہ بیعت کر لیں جس پر سب متفق ہو جائیں گے، اس کے عوض آپ کو اس قدر زمین اور نقد ومال دیا جائے گا کہ آپ کی پشتہا پشت کے لئے کافی ہوگا، یہ سن کر آپ غصہ سے بیتاب ہو گئے اور کہا تمہاری یہ مجال، ابھی میرے یہاں سے نکل جاؤ اور پھر کبھی صورت نہ دکھانا، میرا دین تمہارے

---

[۱] تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۳۰، [۲] تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۳۰
[۳] صحیح بخاری کتاب الرؤیا جلد ۲ ص ۱۰۴۰،
[۴] مستدرک جلد ۳ ص ۵۹۰، [۵] ایضاً
[۶] ابن سعد جزء ۴ ق اول ص ۱۱۴

درہم ودینار کے عوض فروخت نہیں ہوسکتا، مجھ کو امید ہے کہ جب دنیا سے جاؤں گا تو میرے ہاتھ ان آلائشوں سے پاک ہوں گے۔[1]

زہد وتقویٰ کی اصل آزمائش کا وہ وقت ہوتا ہے، جب دنیا اپنے تمام ساز وسامان اور دلفریبیوں کے ساتھ دعوت دیتی ہے، مگر انسان اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا حضرت ابن عمرؓ کو بارہا ایسے موقعے ملے کہ اگر آپ چاہتے تو دنیاوی جاہ وجلال اور شان وشوکت کے بلند سے بلند مرتبہ پر فائز ہوسکتے تھے، مگر انہوں نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا، چنانچہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد لوگوں نے خلافت قبول کرنے کی خواہش کی اور اس پر سخت اصرار کیا، مگر آپ نے صاف انکار کردیا، اور ان فتنوں میں پڑنا گوارا نہ کیا۔[2] اس سلسلہ میں ایک عجیب واقعہ قابل ذکر ہے جس سے ان کی اصلی فطرت کا پتہ چلتا ہے، سفیان ثوریؒ امام شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن زبیرؓ، مصعب بن زبیرؓ، عبدالملکؒ بن مروان اور ابن عمرؓ، چاروں آدمی خانہ کعبہ میں جمع تھے، سب کی رائے ہوئی کہ ہر شخص رکن یمانی پکڑ کر اپنی اپنی دلی تمناؤں کے لئے دعا مانگے، پہلے عبداللہ بن زبیرؓ اُٹھے اور دعا مانگی کہ "خدایا تو بڑا ہے اور تجھ سے بڑی ہی چیزیں مانگی جاتی ہیں اس لئے میں تجھ کو تیرے عرش، تیرے حرم، تیرے نبی اور تیری ذات کی حرمت کا واسطہ دلا کر دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت زندہ رکھ جب تک کہ حجاز پر میری حکومت اور عام خلافت نہ تسلیم کرلی جائے" اس کے بعد مصعبؓ بن زبیرؓ اُٹھے اور رکن یمانی پکڑ کر دعا مانگی کہ "تو تمام چیزوں کا رب ہے، آخر میں سب کو تیری ہی طرف لوٹنا ہے، میں تیری اس قدرت کا واسطہ دے کر جس کے قبضہ میں تمام عالم ہے، دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک دنیا سے نہ اٹھا جب تک کہ میں عراق کا والی نہ ہوجاؤں اور سکینہ میرے نکاح میں نہ آجائے" اس کے بعد عبد الملک نے کھڑے ہوکر دعا کی کہ "اے زمین وآسمان کے خدا! میں تجھ سے ایسی چیزیں مانگتا ہوں کہ جس کو تیرے اطاعت گذار بندوں نے تیرے حکم سے مانگا ہے، میں تجھ سے تیری ذات کی حرمت تیری مخلوقات وبیت الحرم کے رہنے والوں کے حق کا واسطہ دے کر دعا مانگتا ہوں کہ تو مجھے دنیا سے اس وقت تک نہ اٹھا، جب تک کہ مشرق ومغرب پر میری حکومت نہ ہوجائے اور اس میں جو شخص رخنہ اندازی کرے، اس کا سر نہ قلم کردوں، جب یہ لوگ دعا مانگ چکے تو وہ بادہ حق کا سرشار اٹھا، جس کے نزدیک دنیاوی طمطراق کی حقیقت سراب سے زیادہ نہ تھی اور اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ "تو رحمٰن ورحیم ہے، میں تیری اس رحمت کا واسطہ دے کر دعا، کرتا ہوں جو تیرے غضب پر غالب ہے کہ تو مجھے آخرت میں رسوا نہ کر، اور اس عالم میں مجھے جنت عطا فرما"[3]

براء روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ابن عمرؓ کی لاعلمی میں ان کے پیچھے پیچھے جارہا تھا وہ

---

[1] ابن سعد قسم اول جز ۴ ص ۱۲۱ [2] استیعاب جلد ا ص ۳۸۱، [3] ابن خلقان جلد ا ص ۴۴۲

چپکے چپکے کہتے جاتے تھے کہ لوگ کندھوں پر تلواریں رکھے، آپس میں کٹے مرتے ہیں اور مجھ سے کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ ہاتھ لاؤ بیعت کریں۔[1]

عموماً پیٹ بھر کھانا نہ کھاتے تھے، ایک شخص چورن لایا، آپ نے پوچھا، کیا ہے! اس نے کہا اگر کھانا ہضم نہ ہوا ہو تو اس سے ہضم ہو جاتا ہے، فرمایا، اس کی مجھ کو کیا ضرورت ہے میں نے تو مہینوں سے شکم سیر ہو کر کھانا ہی نہیں کھایا۔[2]

مشتبہات سے اجتناب..... شدت ورع کی بنا پر ہمیشہ مشتبہ چیزوں سے پرہیز فرماتے تھے، مروان نے اپنے زمانہ میں میل کے نشان کے پتھر نصب کرائے تھے، ابن عمرؓ ادھر رخ کر کے نماز پڑھنا مکروہ سمجھتے تھے[3] کہ اس میں پتھر کی پرستش کا خیالی شائبہ ہے اس طرح حضرت ابن عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ ہمیشہ عہد رسالت اور اس کے بعد خلفائے اربعہؓ کے وقت تک کھیتوں کا لگان لیا کرتے تھے، لیکن ایک مرتبہ رافع بن خدیجؓ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے کھیتوں کے کرایہ سے منع کیا ہے، حضرت ابن عمرؓ نے سنا تو جا کر ان سے تصدیق چاہی، رافعؓ نے کہا کہ ہاں منع کیا ہے کہا، تم کو معلوم ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں زمین کا لگان لیا جاتا تھا، اگرچہ انکو اس کا یقین نہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا حکم دیا ہوگا، مگر محض اس احتمال کی بنا پر لگان لینا چھوڑ دیا کہ شاید بعد میں آنحضرت ﷺ نے ممانعت فرمادی ہو اور مجھے علم نہ ہوا ہو۔[4]

ککڑی اور خربوزہ صرف اس لئے نہ کھاتے تھے کہ اس میں گندی چیزوں کی کھاد دی جاتی ہے۔[5]

ایک مرتبہ کسی نے کھجور کا سرکہ ہدیہ بھیجا، پوچھا کیا چیز ہے، معلوم ہوا کھجور کا سرکہ ہے، انہوں نے اس خیال سے پھکوادیا کہ سکر نہ پیدا ہو گیا ہو۔[6]

اگرچہ غنا کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، تاہم احتیاط کا اقتضا یہی ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے چنانچہ جب اپنے صاحبزادے کو گنگناتے ہوئے سنتے تو تنبیہ فرماتے۔[7]

اگر کسی چیز میں صدقہ کے شائبہ کا بھی وہم ہوتا تو اسکا استعمال نہ کرتے، ایک دن بازار گئے وہاں ایک دودھاری بکری بک رہی تھی، اپنے غلام سے کہا لے لو، اس نے اپنے دام سے خرید لیا، آپ دودھ سے افطار کرنا پسند کرتے تھے، اس لیے افطار کے وقت اسی بکری کا دودھ پیش کیا گیا، فرمایا کہ یہ دودھ بکری کا ہے اور بکری غلام کی خریدی ہوئی ہے اور غلام صدقہ ہے اس لئے اس کو

---

[1] ابن سعد جزء ۴ ق ا ص ۱۱۱ [2] ایضاً ص ۱۱۰

[3] ازالۃ الخفا مقصد دوم ص ۱۹۰ بحوالہ مصنف ابن ابی بکر،

[4] بخاری جلد ۱ ص ۳۱۵ باب ما کان اصحاب النبی ﷺ یواسی بعضہم بعضاً فی الزراعۃ والثمر

[5] ابن سعد جز ۴ ق ا ص ۱۲۰، [6] ابن سعد جز ۴ ق ا ص ۱۲۲

[7] ایضاً ص ۱۱۴

لے جاؤ، مجھ کو اس کی حاجت نہیں ہے۔[۱]

ایک مرتبہ کہیں دعوت میں تشریف لے گئے، وہاں پھولدار فرش بچھا ہوا تھا، کھانا چنا گیا تو پہلے ہاتھ بڑھایا، پھر کھینچ لیا اور فرمایا کہ دعوت قبول کرنا حق ہے، مگر میں روزہ سے ہوں، یہ عذر پھولدار فرش کی وجہ سے تھا۔[۲]

ایک مرتبہ احرام کی حالت میں سردی معلوم ہوئی، فرمایا مجھ کو اڑھا دو، آنکھ کھلی تو چادر کی سنجاف اور پھول بوٹوں پر نظر پڑی جو ابریشم سے کڑھے ہوئے تھے، فرمایا اگر اس میں یہ چیز نہ ہوتی تو استعمال میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔[۳]

صدقات و خیرات..... صدقہ و خیرات حضرت ابن عمرؓ کا نمایاں وصف تھا، ایک ایک نشست میں بیس بیس ہزار تقسیم کر دیتے تھے، دو دو تین تین ہزار کی رقمیں تو عموماً خیرات کیا کرتے تھے[۴] ایسا اوقات یکمشت ۳۰ ہزار کی رقم خدا کی راہ میں لٹا دی[۵] قرآن پاک میں نیکوکاری کے لئے محبوب چیز خدا کی راہ میں دینے کی شرط ہے، لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون حضرت ابن عمرؓ اس آیت کی عملی تفسیر تھے، آپ ہمیشہ اپنی پسندیدہ چیزوں کو راہ خدا میں دے دیتے تھے، چنانچہ جو غلام آپ کو پسند ہوتا اس کو راہ خدا میں آزاد کر دیتے اور آپ کی نظر میں وہ غلام پسندیدہ ہوتا، جو عبادت گذار ہوتا، غلام اس راز کو سمجھ گئے تھے، اس لئے وہ مسجدوں کے ہو رہتے، حضرت ابن عمرؓ ان کے ذوق عبادت کو دیکھ کر خوش ہوتے اور آزاد کر دیتے، آپ کے احباب مشورہ دیتے کہ آپ کے غلام آپ کو دھوکہ دیتے ہیں اور صرف آزادی کے لئے یہ دینداری دکھاتے ہیں، آپ فرماتے "من خدعنا باللہ انخدعنا لہ" "جو شخص ہم کو خدا کے ذریعہ سے دیتا ہے، ہم اس کا دھوکہ کھا جاتے ہیں"[۶] آپ کو ایک لونڈی بہت محبوب تھی، اس کو راہ خدا میں آزاد کر کے اپنے ایک غلام کے ساتھ بیاہ دیا، اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا، لڑکے کو آپ چومتے اور فرماتے کہ اس سے کسی کی بو آتی ہے[۷] اسی طریقہ سے ایک دوسری چاہتی لونڈی کو آزاد کر دیا اور فرمایا" لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون "[۸] آپ اس کثرت سے غلام آزاد کرتے تھے کہ آپ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز ہو گئی تھی[۹] ایک مرتبہ انہوں نے نہایت عمدہ اونٹ خریدا اور سوار ہو کر حج کو چلے، اتفاق سے اس کی چال بہت پسند آئی، فوراً اتر پڑے اور حکم دیا کہ سامان اتار لو اور اس کو قربانی کے جانوروں میں داخل کر دو۔[۱۰]

---

[۱] ابن سعد قسم اول جز ۴ ص ۱۱۸ [۲] ایضاً ص ۱۲۷

[۳] اصابہ تذکرہ ابن عمرؓ [۴] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۹

[۵] ابن سعد ق ا جز ۴ ص ۱۱۰ [۶] ابن سعد جز ۴ قسم اول ص ۱۲۳

[۷] اصابہ جلد ۴ ص ۱۰۹ [۸] ایضاً ص ۱۰۸

[۹] تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۳۳۰ [۱۰] بخاری جلد ۲،

مسکین نوازی...... مسکین نوازی آپ کا نمایاں وصف تھا، خود بھوکے رہتے، لیکن مسکینوں کی شکم سیری کرتے عموماً بغیر مسکین کے کھانا نہ کھاتے تھے، آپ کی اہلیہ آپ کی غیر معمولی فیاضی سے بہت نالاں رہتی تھیں اور شکایت کیا کرتی تھیں، جو کھانا میں ان کے لئے پکاتی ہوں، وہ کسی مسکین کو بلا کر کھلا دیتے ہیں، فقراء اس کو سمجھ گئے تھے اس لئے مسجد کے سامنے آپ کی گذرگاہ پر آکر بیٹھتے تھے، جب آپ مسجد سے نکلتے تو ان کو لیتے آتے تھے، بیوی نے عاجز ہو کر ایک مرتبہ کھانا فقراء کے گھروں پر بھجوا دیا اور کہلا بھیجا کہ راستہ میں نہ بیٹھا کریں، اور اگر وہ بلائیں تو بھی نہ آئیں ابن عمرؓ مسجد سے واپس ہو کر حسب معمول گھر آئے اور غصہ میں حکم دیا کہ فلاں فلاں محتاجوں کو کھانا بھجوا دو، کیا تم چاہتی ہو کہ میں رات فاقہ میں بسر کروں چنانچہ بیوی کے اس طرز عمل پر رات کو کھانا نہ کھایا۔[1]

اگر دستر خوان پر کسی فقیر کی صدا کانوں میں پہنچ جاتی تو اپنے حصہ کا کھانا اس کو اٹھوا دیتے اور خود روزہ سے دن گذار دیتے، ایک مرتبہ مچھلی کھانے کی خواہش ہوئی، آپکی بیوی صفیہ نے بڑے اہتمام سے لذیذ مچھلی تیار کی، ابھی دستر خوان چنا ہی گیا تھا کہ ایک فقیر نے صدا لگائی فرمایا فقیر کو دے دو، بیوی کو عذر ہوا، پھر دوبارہ فرمایا کہ نہیں دیدو مجھ کو یہی پسند ہے، لیکن چونکہ بیوی نے آپ کی فرمائش سے پکائی تھی، اس لئے اس کو نہ دیا، اور کھانے کے عوض نقدی فقیر کو دے کر واپس کیا، تب آپ نے تناول فرمایا[2] ایک مرتبہ بیمار پڑے کھانے کے لئے انگور کے چند دانے خریدے گئے، ایک سائل آیا حکم دیا انگور دیدو، لوگوں نے عرض کیا آپ اس کو کھا لیجیے اس کو دوسرے دیدیے جائیں گے، فرمایا نہیں اسے دے دو مجبوراً وہی دینے پڑے اور دے کر پھر اس سے خریدے گئے[3] آپ کا یہ سلوک ان ہی لوگوں کے ساتھ تھا جو درحقیقت اس کے مستحق ہوتے تھے، چنانچہ جب دستر خوان پر بیٹھتے اور کوئی خوش پوش اور مرفہ الحال دکھائی پڑتا، تو نہ بلاتے لیکن آپ کے بھائی اور لڑکے وغیرہ اس کو بٹھا لیتے اور اگر کوئی خستہ حال اور مسکین نظر آتا، تو اس کو فوراً بلاتے اور فرماتے یہ لوگ شکم سیر اشخاص کو بلاتے ہیں اور جو بھوکے اور کھانے کے حاجتمند ہوتے ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہیں۔[4]

فیاضی اور سیر چشمی...... فقراء و مساکین کے علاوہ آپ کے ہم چشم اور ہم رتبہ اشخاص پر بھی آپ کا ابر کرم برستا تھا، اگر کبھی بھولے سے کوئی چیز کسی کے پاس چلی جاتی تو پھر اس کو واپس نہ لیتے تھے، عطا کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ابن عمرؓ نے مجھ سے دو ہزار درہم قرض لئے، جب ادا کیے تو دو سو زیادہ آ گئے میں نے واپس کرنا چاہا تو کہا تمہیں لے لو،[5] اسی طریقہ سے ایک مرتبہ ایک اور رقم

---

[1] ابن سعد جز ۴ قسم اول ۱۳۲ [2] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۲۲،
[3] ایضاً ص ۱۱۶، [4] ایضاً ص ۱۰۹،
[5] ایضاً ص ۱۲۲

کسی سے قرض لی جب واپس کی تو مقروضہ درہم سے زیادہ کھرے درہم ادا کیے، قرض خواہ نے کہا یہ درہم میرے درہموں سے زیادہ کھرے ہیں، فرمایا عمداً ایسا کیا تھا۔ آپ کے غلام نافع کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ بیس ہزار درہم ایک وقت تقسیم کر دیئے، تقسیم ہو جانے کے بعد جو لوگ آئے ان کو ان لوگوں سے قرض لے کر دیتے ؎ جن کو پہلے دے چکے تھے، اقامت کی حالت میں بھی اکثر روزہ رکھتے تھے، لیکن اگر کوئی مہمان آ جاتا تو افطار کرتے کہ مہمان کی موجودگی میں روزہ رکھنا فیاضی سے بعید ہے ؎ جہاں مہمان جاتے ۳ دن کی مسنون مہمانی کے بعد اپنا سامان خود کرتے، جب مکہ جاتے تو عبداللہ بن خالد کے گھرانے میں اترتے تھے، لیکن ۳ دن کے بعد اپنی جملہ ضروریات بازار سے پوری کرتے تھے۔ ؎

ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے، راستہ میں ایک اعرابی ملا، حضرت ابن عمرؓ نے سلام کیا اور سواری کا گدھا اور سر کا عمامہ اتار کر اس کو دیدیا، ابن دینار ساتھ تھے، یہ فیاضی دیکھ کر بولے، خدا آپ کو صلاحیت دے یہ اعرابی تو معمولی چیزوں سے خوش ہو جاتے ہیں یعنی اتنی فیاضی کی ضرورت نہ تھی، فرمایا ان کے والد میرے والد کے دوست تھے، میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ سب سے بڑی نیکی اپنے باپ کے احباب کے ساتھ صلہ رحمی ہے۔ ؎

استغناء...... اس فیاضی کے ساتھ حد درجہ مستغنی المزاج واقعہ ہوئے تھے، کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا، لوگ خدمت بھی کرنا چاہتے تو آپ قبول نہ کرتے، عبدالعزیز بن ہارون نے ایک مرتبہ لکھ بھیجا کہ آپ اپنی ضروریات کی اطلاع مجھ کو دیا کیجئے، ان کو جواب میں لکھ بھیجا کہ "جن کی پرورش تمہارے ذمہ ہے ان کی امداد کرو اور اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے" اوپر کے ہاتھ سے مراد دینے والا اور نیچے کے ہاتھ سے مراد لینے والا، ؎

مگر اسی کے ساتھ کسی کا ہدیہ بھی واپس نہیں کرتے تھے، چنانچہ مختار اکثر مال و متاع بھیجا کرتا تھا آپ قبول کر لیتے اور فرماتے کہ میں کسی سے مانگتا نہیں، لیکن جو خدا دیتا ہے اس کو رد بھی نہیں کرتا ؎ آپ کی پھوپھی رملہ نے دوسو دینار بھیجے، انہوں نے شکریہ کے ساتھ قبول کر لئے ؛ امیر معاویہؓ نے آپ کے سامنے ایک لاکھ کی رقم اس خیال سے پیش کرنی چاہی کہ آپ یزید کی خلافت پر راضی ہو جائیں، آپ نے فرمایا میرا ایمان اتنا ارزاں نہیں ہے، ؎

محبت نبوی...... آنحضرت ﷺ سے محبت ان کا سرمایہ حیات اور جان حزین کی تسکین کا باعث تھی، آپ کی وفات کے بعد ایسے شکستہ دل ہوئے کہ اس کے بعد نہ کوئی مکان بنایا اور نہ

۱؎ ایضاً ۲؎ ابن سعد جزء ۴ ق ۱ ص ۱۰۹
۳؎ ابن سعد تذکرہ ابن عمرؓ ۴؎ ایضاً،
۵؎ ایضاً ۶؎ ایضاً
۷؎ ابن سعد جزء اول ق ۱ ص ۱۱۰ ۸؎ ایضاً ص ۱۳۴،

باغ لگایا،[۱] وفات نبویؐ کے بعد جب آپ کا ذکر آتا تو بے اختیار رو پڑتے،[۲] جب سفر سے لوٹتے تو روضہ نبویؐ پر حاضر ہو کر سلام کہتے[۳] ذات نبویؐ کے ساتھ اس شیفتگی کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ آل اطہارؓ سے بھی وہی تعلق تھا، ایک مرتبہ ایک اعرابی نے مچھر کے خون کا کفارہ پوچھا، آپ نے پوچھا تم کون ہو اس نے کہا عراقی، فرمایا لوگو! ذرا اس کو دیکھنا، یہ شخص مجھ سے مچھر کے خون کا کفارہ پوچھتا ہے، حالانکہ ان لوگوں نے نبی کے جگر گوشہ کو شہید کیا ہے، جن کے متعلق آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ یہ دونوں میرے باغ دنیا کے دو پھول ہیں۔[۴]

یہ محبت آل اطہارؓ کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ جس چیز کو بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ کسی قسم کی نسبت ہوتی، اس سے آپ کو وہی شغف تھا، آنحضرت ﷺ کبھی ایک درخت کے نیچے اترتے تھے، ابن عمرؓ ہمیشہ اس کو پانی دیتے تھے کہ خشک نہ ہو جائے[۵] مدینۃ الرسول ﷺ سے اس درجہ محبت تھی کہ تنگی کی حالت میں بھی وہاں سے نکلنا گوارا نہ تھا، ایک مرتبہ آپ کے ایک غلام نے تنگی کی شکایت کی اور مدینہ سے جانے کی اجازت چاہی کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص مدینہ کے مصائب پر صبر کریگا، قیامت میں اس کا شفیع ہوگا۔[۶]

اختلاف امت کا لحاظ...... حضرت ابن عمرؓ اس کام سے جس میں امت مسلمہ کے اختلاف وافتراق کا ادنی خطرہ بھی نکلتا ہے، احتراز فرماتے تھے، ان کی حق پرستی مسلم ہے، لیکن امت کے ضرر کے خیال سے بعض مواقع پر خاموش ہو جاتے تھے فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے دعوی سے کہا کہ خلافت کا ہم سے زیادہ حقدار کون ہے، میرے دل میں خیال آیا کہ جواب دوں کہ تم سے زیادہ وہ حقدار ہے جس نے تم کو اور تمہارے باپ کو اس پر مارا تھا، مگر فساد کے خیال سے خاموش رہا[۷] اختلاف امت سے بچنے کا ادنی ادنی باتوں میں خیال رکھتے تھے، منی میں آنحضرت ﷺ عصر کی نماز میں قصر کرتے تھے، آپ کے بعد حضرت ابو بکرؓ کا بھی یہی طریقہ رہا، حضرت عثمانؓ بھی ابتدا میں دو ہی رکعت پڑھتے تھے، مگر کچھ دنوں کے بعد پوری چار پڑھنے لگے، حضرت ابن عمرؓ بھی تفریق کے خیال سے امام کے پیچھے چار پڑھتے، لیکن اکیلے ہوتے تو قصر کرتے اور فرماتے کہ ''الخلاف المنکر''[۸] اختلاف ناپسندیدہ ہے فرمایا کرتے تھے کہ اگر میری خلافت پر دو شخص کے علاوہ پوری امت محمدیؐ متفق ہو جائے تو بھی میں ان سے نہ لڑوں گا، لوگوں

---

[۱] ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۱۸۹ بحوالہ مصنف ابن ابی بکر
[۲] ابن سعد تذکرہ ابن عمرؓ، [۳] ایضاً
[۴] بخاری جلد ۲ ص ۸۸۶ باب رحمۃ الولد وتقبیلہ ومعانقتہ
[۵] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۷، [۶] مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۱۳،
[۷] طبقات ابن سعد جز ۴ ق ا ص ۱۳۴ و بخاری
[۸] ابوداؤد جلد ا ص ۱۹۶ و مسلم جلد ا باب قصر الصلوۃ بمنی

کو نصیحت کرتے کہ ہم دوسروں سے اس لئے لڑتے تھے، کہ دین فساد کا ذریعہ نہ بنے اور خالص خدا کے لئے ہو جائے اور تم لوگ اس لئے لڑتے ہو جبکہ دین غیر خدا کا ہو کر فتنہ وفساد کی بنیاد بن جائے، ایک شخص نے کہا کہ آپ سے زیادہ فتنہ پرداز امت محمدیؐ میں کوئی نہیں فرمایا یہ کیسے، خدا کی قسم نہ میں نے ان کا خون بہایا، نہ انکی جماعت میں اختلاف ڈالا، نہ ان کی مجتمع قوت منتشر کی، اس نے برسبیل مبالغہ کہا کہ اگر آپ چاہتے تو دو شخص بھی آپکی خلافت میں اختلاف نہ کرتے، آپ نے فرمایا میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ ایک شخص کہے کہ میں تمہاری خلافت سے راضی ہوں، دوسرا کہے کہ میں راضی نہیں ہوں براء روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دن عبداللہ بن عمرؓ کی لاعلمی میں انکے پیچھے پیچھے جارہا تھا، وہ فرماتے جاتے تھے کہ لوگ تلواریں لئے آپس میں کٹے مرتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ بیعت کے لئے ہاتھ بڑھاؤ[1]

اسی اختلاف امت سے بچنے کے لیے ہر خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے تھے کہ مبادا انکار کسی نئے فتنہ کی بنیاد نہ بن جائے چنانچہ فتنہ کے زمانہ میں ہر امیر کے پیچھے نماز پڑھ لیتے اور زکوۃ ادا کر دیتے خود فرماتے تھے کہ میں دور فتن میں جنگ وجدل سے الگ رہتا ہوں اور ہر غالب کے پیچھے نماز پڑھ لیتا ہوں[2] مگر یہ اطاعت اسی حد تک تھی جہاں تک مذہب اجازت دیتا اور اگر اس سے مذہبی پابندی میں کوئی خلل پڑتا تو اطاعت ضروری نہیں سمجھتے تھے چنانچہ ابتداء حجاج کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے، لیکن جب اس نے نماز میں تاخیر شروع کی تو اس کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی بلکہ مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے آئے[3]

اس احتیاط کی بنا پر حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں فتنہ وفساد اور افتراق انشقاق کا جو طوفان اٹھا، جس میں بہت کم ایسے مسلمان تھے، جن کا ہاتھ ایک دوسرے کے خون سے رنگین نہ ہوا ہو، ابن عمرؓ اپنے کمال احتیاط کے باعث اس ہنگامہ عام میں بھی بچے رہے، چنانچہ محمد کہتے ہیں کہ "اگر ہم میں سے کوئی شخص مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے تو وہ عبداللہ بن عمر ہیں"

اظہار حق میں جرات و بے باکی...... اس مصالحانہ اور مرنج ومرنجان زندگی کے باوجود دینی اور مذہبی معاملات میں ان کی حق گوئی مصالح امت کے خیال پر غالب آجاتی تھی، چنانچہ بنی امیہ کے جابرانہ طرز عمل پر نہایت سختی سے نکتہ چینی کرتے تھے، حجاج کے مظالم سے دنیائے اسلام تنگ آگئی تھی مگر کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی لیکن حضرت ابن عمرؓ بے خوف وخطر اس کے منہ پر کہہ دیتے، ایک مرتبہ حجاج خطبہ دے رہا تھا، حضرت ابن عمرؓ بھی تھے، آپ نے فرمایا یہ خدا کا دشمن ہے اس نے حرم الٰہی کو رسوا کیا بیت اللہ کو تباہ کیا، اولیاء اللہ کو قتل کیا[4] ایک مرتبہ حجاج نے دوران خطبہ میں کہا کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے کلام اللہ میں تغیر وتبدل کیا ہے، حضرت ابن عمرؓ نے جھلا

---

[1] ابن سعد جز ۴ ق ا ص ۱۱۱، [2] ایضاً ص ۱۱۰
[3] طبقات جز ۴ ق ا تذکرہ ابن عمرؓ، [4] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۳۲

کر فرمایا کہ "جھوٹ بکتا ہے نہ ابن زبیر میں اتنی طاقت ہے اور نہ تری یہ مجال ہے"[1] مرض الموت میں جب حجاج عیادت کو آیا اور انجان بن کر کہا کاش زخمی کرنے والے کا مجھ کو علم ہو جاتا تو بگڑ کر کہا کہ وہ تمہارا نیزہ تھا، حجاج نے پوچھا یہ کیسے؟ کہا تم نے ایام حج میں لوگوں کو مسلح کیا اور حرم محترم میں ہتھیاروں کو داخل کیا، پھر پوچھتے ہو، کس نے زخمی کیا"[2] ایک مرتبہ حجاج مسجد میں خطبہ دے رہا تھا، اس کو اس قدر طول دی کہ عصر کا وقت آخر ہو گیا آپ نے آواز دی کہ نماز کا وقت جارہا ہے، تقریر ختم کرو اس نے نہ سنا، دوبارہ پھر کہا اس مرتبہ بھی اس نے خیال نہ کیا، تیسری مرتبہ پھر کہا تین مرتبہ کہنے کے بعد حاضرین سے فرمایا، اگر میں اٹھ جاؤں تو تم بھی اٹھ جاؤ گے لوگوں نے کہا ہاں چنانچہ یہ کہہ کر کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم کو نماز کی ضرورت نہیں ہے اٹھ گئے اس کے بعد حجاج منبر سے اتر آیا اور نماز پڑھی اور ابن عمرؓ سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا، کہا کہ ہم لوگ نماز کے لئے مسجد میں آتے ہیں، اس لئے جس وقت نماز کا وقت آجائے، اس وقت فوراً تم کو نماز پڑھنی چاہیے، نماز کے بعد جس قدر تمہارا دل چاہے، بکا کرو[3] اسی وجہ سے خلفائے بنوامیہ اپنی رعونت کے باوجود ان کا بہت لحاظ کرتے تھے، آنحضرت ﷺ کے وقت سے خط لکھنے کا یہ طریقہ تھا کہ لکھنے والا بسم اللہ کے بعد اپنا نام لکھتا، پھر مکتوب الیہ کا نام لکھتا کہ منجانب فلاں الی فلاں لیکن خلفائے امیہ نے جہاں اور بدعات رائج کیں، وہاں اس طریقہ کو بھی بدل دیا اور اظہار ترفع کے لئے یہ طریقہ رائج کیا کہ خط میں پہلے خلیفہ کا نام لکھا جائے، پھر بھیجنے والا اپنا نام تحریر کرے، ابن عمرؓ کی خودداری اس کو گوارا نہیں کرسکتی تھی، اس لئے انہوں نے جو بیعت نامہ لکھا، اس میں اس سابق طریقہ "پر من عبداللہ بن عمر الی عبداللہ بن مروان لکھا" اس تحریر کو دیکھ کر درباریوں نے کہا کہ ابن عمرؓ نے حضرت سے پہلے اپنا نام لکھا ہے، عبدالملک نے کہا کہ ابوعبدالرحمٰن کی ذات سے اتنا بھی بہت غنیمت ہے۔[4]

مساوات...... اسلام نے ان تمام امتیازات کو جن سے ایک انسان کی تحقیر اور دوسرے کی بیجا عظمت ظاہر ہو مٹا دیا، ابن عمرؓ اس مساوات کا عملی نمونہ تھے، وہ ان تمام امتیازات کو جن سے مساوات میں فرق آتا ہو ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ جہاں لوگ آپ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے وہاں نہ بیٹھتے،[5] اپنے غلاموں کو بھی مساوات کا درجہ دے دیا تھا اور ان کو عزت نفس کی تعلیم دیتے تھے، دستور تھا کہ غلام تحریر میں پہلے آقا کا نام لکھتا تھا، پھر اپنا، انہوں نے اپنے غلاموں کو ہدایت کر دی کہ جب مجھ کو خط لکھو تو پہلے اپنا نام لکھو[6] غلاموں کو دستر خوان پر ساتھ

---

۱ ابن سعد جز۴ قسم اول ص ۱۳۵، ۲ بخاری جلد اول ص ۱۳۲
۳ ابن سعد جز۴ ص ۱۱۷ ۴ ابن سعد قسم اول ص ۱۱۲،
۵ ابن سعد ق ا جز۴ ص ۱۲۰، ۶ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۲۸،

بٹھاتے ایک مرتبہ دستر خوان بچھا ہوا تھا، ادھر سے کسی کا غلام گذرا تو اس کو بھی بلا کر ساتھ بٹھایا،[۱] غلاموں کے کھانے پینے کا خیال بال بچوں کی طرح رکھتے تھے، ایک مرتبہ ان لوگوں کے کھانے میں تاخیر ہوگئی، خانساماں سے پوچھا غلاموں کو کھانا کھلا دیا، اس نے نفی میں جواب دیا، برہم ہوکر فرمایا جاؤ ابھی کھلا دو، انسان کے لئے یہ سب سے بڑا گناہ ہے کہ اپنے غلاموں کے خورد ونوش کا خیال نہ رکھے،[۲] غلاموں کو نہ کبھی برا بھلا کہتے تھے اور نہ کبھی ان کو مار پیٹ کرتے تھے، اگر کبھی غصہ کی حالت میں ایسا کوئی فعل سرزد ہو جاتا تو اس کو کفارہ کے طور پر آزاد کر دیتے، سالم کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ نے ایک مرتبہ کے علاوہ کبھی کسی غلام کو لعنت ملامت نہیں کی، ایک مرتبہ غصہ میں ال کہنے پائے تھے کہ زبان روک لی اور فرمایا "میں ایسی بات زبان سے نکال رہا ہوں، جو نہ نکالنی چاہیے" ایک مرتبہ ایک غلام کو کسی بات پر مار بیٹھے، مارنے کے بعد اس قدر متاثر ہوئے کہ اس کو آزاد کر دیا۔[۳]

تواضع وانکسار..... اس مساوات کا دوسرا پہلو انکسار و تواضع ہے، جب تک یہ صفت نہ ہوگی اس وقت تک مساوات کا جذبہ نہیں پیدا ہوسکتا، ابن عمرؓ میں یہ صفات بھی بدرجہ اتم موجود تھیں اپنی تعریف سننا خود پرستی کا پہلا زینہ ہے، ابن عمرؓ اپنی تعریف سننا سخت ناپسند کرتے تھے، ایک شخص ان کی تعریف کر رہا تھا، انہوں نے اس کے منہ میں مٹی جھونک دی اور کہا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ مداحوں کے منہ میں خاک ڈالا کرو،[۴] اپنے لئے معمولی انسانوں سے زیادہ شرف گوارا نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کہا تم سبط ہو تم وسط ہو فرمایا سبحان اللہ سبط نبی اسرائیل تھے اور امت وسط پوری امت محمدی ہے، ہم تو مضر کے درمیانی لوگ ہیں، اس سے زیادہ اگر کوئی رتبہ دیتا ہے تو جھوٹا ہے، بلا امتیاز ہر کس و ناکس کو سلام کرتے، بلکہ اسی ارادہ سے گھر سے نکلتے تھے، طفیل بن کعب جو روزانہ صبح وشام ان کے ساتھ بازار جایا کرتے تھے، بیان کرتے تھے کہ ابن عمرؓ بلا امتیاز تاجر مسکین اور خستہ حال سب کو سلام کرتے تھے، ایک دن میں نے ان سے پوچھا آپ بازار کیوں جاتے ہیں، حالانکہ نہ خرید و فروخت کرتے ہیں، نہ کسی جگہ بیٹھتے ہیں، فرمایا صرف لوگوں کو سلام کرنے کے غرض سے[۵] اتفاق سے اگر کسی کو سلام کرنا بھول جاتے تو پلٹ کر سلام کرتے،[۶] تواضع کا ایک مظہر حلم بھی ہے، ابن عمرؓ تلخ سے تلخ باتیں سن کر پی جاتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کو گالیاں دینی شروع کیں، آپ نے صرف اس قدر جواب دیا کہ میں اور میرے بھائی عالی نسب ہیں، پھر خاموش ہوگئے۔[۷]

---

[۱] مسلم جلد ا ص ۳۶۹ باب فضل النفقۃ علی العیال والمملوک الخ۔
[۲] اصابہ جلد ۴ ص ۱۰۸۔
[۳] مسلم جلد ۲ ص ۱۲۵
[۴] مسند ابن حنبل جلد ۲ ص ۹۴
[۵] موطا امام مالک ص ۳۸۰ باب جامع السلام
[۶] ابن سعد جز ۴ ق ا ص ۱۳۲۔
[۷] اصابہ جلد ۴ ص ۱۰۸

ہر دلعزیزی...... اس مساوات، تواضع علم کا یہ نتیجہ تھا کہ عام طور پر لوگوں میں آپ کو محبوبیت حاصل تھی، مجاہد کہتے ہیں کہ ایک دن میں ابن عمرؓ کے ساتھ نکلا، لوگ بکثرت ان کو سلام کر رہے تھے، انہوں نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ لوگ مجھ سے اس قدر محبت کرتے ہیں کہ اگر چاندی سونے کے عوض بھی محبت خریدنا چاہوں تو اس سے زیادہ نہیں مل سکتی۔[1]

سادگی...... ابن عمرؓ کی تصویر حیات تکلفات کے آب و رنگ سے یکسر پاک تھی، گو آپ بہت فارغ البال تھے اور پر گذر چکا ہے کہ ۲۰، ۲۰ ہزار ایک ایک نشست میں لوگوں کو دے ڈالتے تھے لیکن خود ان کی زندگی یہ تھی کہ کل اثاث البیت ۱۰۰ درہم سے زیادہ کا نہ تھا، مہران کا بیان ہے کہ میں نے ابن عمرؓ کے اثاث البیت کا جائزہ لیا تو فرش اور بستر ملا کر بھی اس کی قیمت سو درہم (یعنی تقریباً بیس روپے) تک نہیں پہنچی تھی[2] فاروق اعظم کا بیٹا اور یہ مسکنت اللہ اکبر، ہر وہ چیز ناپسند تھی جس میں تنعم کی بو ہوتی، چنانچہ جمعہ کے علاوہ اور دنوں میں خوشبو کا استعمال بھی پسند خاطر نہ تھا، ایک مرتبہ کپڑے بخورات میں بسائے گئے، ان کو جمعہ کے دن استعمال کیا، پھر اتار کر رکھ دیا، اتفاق سے دوسرے دن سفر پیش آیا، منزل کے قریب پہنچ کر کپڑے مانگے تو وہی جوڑا پیش کیا گیا، لیکن اس میں خوشبو کا اثر تھا اس لئے واپس کر دیا[3] طریقہ طعام بھی نہایت سادہ تھا اگر دستر خوان نہ بچھ پاتا تو بڑے برتن پر رکھ دیا جاتا، سب مع اہل و عیال اسی کے گرد بیٹھ کر کھا لیتے، اس کش مکش میں کھانے والوں کو بھی کھڑے ہو کر کھانا پڑتا۔[4]

دعوت وغیرہ میں عام طور پر معمول سے زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے، لیکن ابن عمرؓ کا دستر خوان اس دن میں تکلفات سے خالی ہوتا تھا، آپ کے غلام نافع کا بیان ہے کہ ایک دن ایک اونٹنی ذبح کی اور مجھ سے کہا مدینہ والوں کو مدعو کر آؤ میں نے عرض کیا، "کس چیز کی دعوت دیتے ہیں، روٹی تک تو ہے نہیں" فرمایا بس خدا تم کو بخشے، گوشت موجود ہے، شوربہ موجود ہے، جس کا دل چاہے گا، کھائے گا، جس کا دل نہ چاہے گا نہ کھائے گا۔[5]

اسی سادگی کی بناء پر تمام کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے، مجاہد کا بیان ہے کہ ابن عمرؓ جو کام خود کر سکتے تھے، وہ دوسروں سے نہ کراتے تھے، حتی کہ اونٹنی وغیرہ بٹھانے میں بھی دوسروں سے نہ مدد لیتے تھے[6] گھر بھی اپنے ہاتھ سے بناتے تھے، خود فرماتے تھے کہ میں نے بلا کسی اعانت کے آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے ایک گھر بنایا تھا۔

ذریعہ معاش...... حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب صحابہ کے وظیفے مقرر کیے گئے تو ڈھائی ہزار ان کا وظیفہ بھی مقرر ہوا اور اسامہ بن زیدؓ کا ۳ ہزار مقرر ہوا، انہوں نے اعتراض کیا کہ جب

---

[1] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۲۴ [2] ایضاً ص ۱۲۱،
[3] ایضاً ص ۱۰۸، [4] ایضاً ص ۱۰۹،
[5] ایضاً ص ۱۲۱، [6] بخاری جلد ۲ ص ۹۲۱

میں کسی چیز میں ان سے اور آپ ان کے والد سے پیچھے نہ رہے تو پھر اس تفریق کا کیا سبب ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ سچ کہتے ہو، مگر آنحضرت ﷺ ان کے والد کو تمہارے والد سے اور ان کو تم سے زیادہ محبوب رکھتے تھے، یہ جواب سن کر وہ خاموش ہو گئے۔[1] اس کے علاوہ لگانی زمینیں بھی تھیں۔[2]

لباس...... لباس بہت معمولی پہنتے تھے، عموماً قمیص، ازار، اور سیاہ عمامہ استعمال کرتے تھے، چپل پہنتے تھے، ازار نصف ساق تک ہوتا تھا، رنگوں میں زرد رنگ استعمال کرتے تھے کہ خود حضور ﷺ کو بھی یہ رنگ پسند تھا، کبھی کبھی بیش قیمت لباس بھی پہن لیتے تھے، نافع کہتے ہیں کہ میں نے انکو پانسو تک کی چادر اوڑھے دیکھا ہے، انگوٹھی بھی رکھتے تھے، جس پر عبداللہ بن عمرؓ کندہ تھا، مگر وہ صرف مہر وغیرہ کے وقت کام آتی تھی پہنتے تھے۔[3]

حلیہ...... شکل وصورت میں وہ اپنے والد بزرگوار سے بہت مشابہ تھے، دراز قامت اور بھاری بھر کم تھے، رنگ گندمی تھا،[4] کندھو تک کاکلین تھیں، کبھی کبھی مانگ بھی نکالا کرتے تھے [5] داڑھی بقدر ایک مشت رکھتے تھے، موچھیں اس قدر گہری کترواتے تھے کہ لبوں کی سپیدی نمایاں ہو جاتی تھی، زرد خضاب کرتے تھے۔[6]

ازواج واولاد...... ابن عمرؓ کے متعدد بیویاں تھیں، جن سے بارہ لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں، ابوبکر ابوعبیدہ، واقد، عبداللہ، عمر حفصہ اور سودہ صفیہ بنت ابی عبید کے بطن سے تھے، عبدالرحمٰن ام علقبہ بن علقہ بنت علقمہ کے بطن سے تھے، سالم، عبیداللہ، ابوسلمہ اور قلابہ مختلف لونڈیوں کے بطن سے تھے۔

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۵۹،
[2] بخاری جلد ۲ باب کراء المزارع،
[3] ابن سعد جز ۴ ق اتذکرہ ابن عمرؓ
[4] اصابہ جلد ۴ ص ۱۰۹،
[5] ابن سعد قسم اول جز ۴ ص ۱۳۳
[6] ایضا تذکرہ ابن عمرؓ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب...... عمیر نام، ابو ہریرہؓ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عمیر بن عامر بن عبد ذی الشری بن طریف بن غیاث بن لہیعہ بن سعد بن ثعلبہ بن سلیم بن فہم بن غنم بن دوس،[1] اصل خاندانی نام عبد شمس تھا، اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے عمیر رکھا، کنیت کی وجہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں ایک ''ہرہ'' بلی پالے تھا، شب میں اس کو ایک درخت میں رکھتا تھا، اور صبح کو جب بکریاں چرانے جاتا تو ساتھ لے لیتا اور اس کے ساتھ کھیلتا، لوگوں نے یہ غیر معمولی دلچسپی دیکھ کر مجھ کو ابو ہریرہ کہنا شروع کیا،[2] دوس کا قبیلہ یمن میں آباد تھا،

قبل از اسلام...... بچپن میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، اس لئے فقر وافلاس بچپن کے ساتھی بن گئے تھے، بسرہ بنت غزوان کے پاس محض روٹی کپڑوں پر ملازم تھے اور خدمت یہ سپرد تھی کہ جب وہ کہیں جانے لگتے تو یہ پاپیادہ ننگے پاؤں دوڑتے ہوئے اس کی سواری کے ساتھ چلیں اتفاق سے بعد میں یہی عورت ان کے نکاح میں آگئی۔[3]

اسلام وہجرت...... ابو ہریرہؓ کے ایک ہم قبیلہ طفیل بن عمر دوسی ہجرت عظمیٰ کے قبل مکہ ہی میں قرآن کے معجزانہ سحر سے مسحور ہو چکے تھے اور قبول اسلام کے بعد اس کی تبلیغ کے لئے یمن لوٹ آئے ان ہی کی کوششوں سے دوس میں اسلام پھیلا اور غزوۂ خیبر کے زمانہ میں یہ یمن کے اسی خانوادوں کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت بابرکت میں مدینہ حاضر ہوئے، لیکن آپ اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے، اس لئے یہ لوگ مدینہ سے خیبر پہنچے[4] اسی قبیلہ کے ساتھ ابو ہریرہؓ بھی تھے اور راستہ میں بڑے شوق وولولہ کے ساتھ شعر

یا لیلۃ من طولہا و عنائہا
علی انہا من دار الکفر نجت

پڑھتے جاتے تھے، اسی ذوق وشوق کے ساتھ خیبر پہنچ کر آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوئے ان کا ایک غلام راستہ میں گم ہو گیا تھا، اتفاق سے اسی وقت وہ دکھائی دیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ابو ہریرہ تمہارا غلام آگیا، عرض کیا خدا کی راہ میں آزاد ہے،[5] بیعت

---

[1] ابن سعد جز ۴ ق ۲ ص ۵۲ [2] ترمذی مناقب ابو ہریرہؓ
[3] ابن سعد ترجمہ ابو ہریرہؓ [4] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۷۵۔
[5] بخاری جلد ا کتاب الشرکہ باب اذا قال لعبدہ ہو معہ ونوی العتق خیبر جانے کا واقعہ ابن سعد سے ماخوذ ہے

اسلام کے بعد دامن نبوی سے وابستہ ہوئے کہ مرتے دم تک ساتھ نہ چھوڑا۔[1]

غزوات...... غزوات میں ان کی شرکت کی تصریح نہیں ملتی، مگر اجمالاً اتنا معلوم ہے کہ اسلام کے بعد متعدد غزوات میں شریک ہوئے، چنانچہ ان کا بیان ہے کہ میں جن جن لڑائیوں میں شریک رہا غزوہ خیبر کے علاوہ ان سب میں مال غنیمت ملا، کیونکہ اس کا مال حدیبیہ والوں کے لئے مخصوص تھا۔[2]

ماں کا اسلام...... دولت اسلام سے بہرہ ور ہونے کے بعد فکر ہوئی کہ بوڑھی ماں کو بھی جو زندہ تھیں اس سعادت میں شریک کریں، مگر وہ برابر انکار کرتی رہیں، ایک دن حسب معمول ان کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے شان نبوت میں کچھ ناروا الفاظ استعمال کیے، ابو ہریرہؓ روتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کر کے ماں کے اسلام کے لئے طالب دعا ہوئے رحمت عالمؐ نے دعا فرمائی واپس ہوئے تو دعا قبول ہو چکی تھی، والدہ اسلام کے لئے نہا دھو کر تیار ہو رہی تھیں، ابو ہریرہؓ گھر پہنچے تو ان کو اندر بلایا اور اشہد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و اشہد ان محمدا عبدہ و رسولہ کے سامعہ نواز ترانہ کے ساتھ ان کا استقبال کیا، یہ فوراً الٹے پاؤں فرط مسرت سے روتے ہوئے کاشانہ نبویؐ پر حاضر ہو کر عرض گذار ہوئے "یارسول اللہ! بشارت ہو آپ کی دعا قبول ہوئی، خدا نے میری ماں کو اسلام کی ہدایت بخشی"۔[3]

عہد خلفاء...... حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں ملکی معاملات میں کوئی حصہ نہیں لیا، اس لئے کہیں نمایاں طور پر نظر نہیں آتے، اس مدت میں اپنے محبوب مشغلے میں حدیث کی اشاعت میں جس کی تفصیل آئندہ آئے گی خاموشی کے ساتھ مصروف رہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا، انہوں نے ان کو بحرین کا عامل مقرر کیا، اس دن سے ان کا فقر و افلاس ختم ہوا، چنانچہ وہاں سے واپس ہوئے تو دس ہزار روپیہ پاس تھا، حضرت عمرؓ نے باز پرس کی کہ اتنی رقم کہاں سے ملی؟ عرض کی گھوڑیوں کے بچوں، عطیوں اور غلاموں کے ٹیکس سے تحقیقات سے ان کا بیان صحیح نکلا تو حضرت عمرؓ نے دوبارہ ان کے عہدہ پر واپس کرنا چاہا، مگر انہوں نے انکار کر دیا، حضرت عمرؓ نے پوچھا تم کو امارت قبول کرنے میں کیوں عذر ہے، اس کی خواہش تو حضرت یوسفؑ نے کی جو تم سے افضل تھے، عرض کی وہ نبی اور نبی زادہ تھے، میں بیچارہ ابو ہریرہ امیمہ کا بیٹا ہوں، میں تین باتوں سے ڈرتا ہوں، ایک یہ کہ بغیر علم کے کچھ کہوں، دوسرے یہ کہ بغیر حجت شرعی کے فیصلہ کروں، تیسرے یہ کہ مارا جاؤں میری آبروریزی کی جائے اور میرا مال چھینا جائے۔[4]

حضرت عثمانؓ کا عہد خلافت خاموشی میں بسر کیا، البتہ آخر میں حضرت عثمانؓ کے محصور

---

[1] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۳۱۶، [2] طبقات ابن سعد جز ۴ ق ۲ ص ۵۴
[3] مسلم جلد ۲ فضائل ابی ہریرۃؓ [4] اصابہ جلد ۷ ص ۲۰۶

ہونے کے بعد لوگوں کو ان کی امداد و اعانت پر آمادہ کرتے تھے، اور محاصرہ کی حالت میں حضرت عثمانؓ کے گھر میں موجود تھے، کچھ اور لوگ بھی تھے، ان سب کو خطاب کر کے کہا میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ "تم لوگ میرے بعد فتنہ اور اختلاف میں مبتلا ہو گے"، لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ اس وقت ہمارا کیا طرز عمل ہونا چاہیے فرمایا "تم کو امین اور اس کے حامیوں کے ساتھ ہونا چاہیے،" اس سے حضرت عثمان غنیؓ کی طرف اشارہ تھا۔[1]

حضرت عثمانؓ کے محاصرہ تک حضرت ابو ہریرہؓ کا پتہ چلتا ہے، اس کے بعد آپ کی شہادت جنگ جمل اور جنگ صفین وغیرہ میں کہیں نہیں نظر آتے، اس کا سبب یہ ہے کہ اس فتنہ عام کے زمانہ میں اکثر محتاط صحابہؓ گوشہ نشین ہو گئے تھے، بہتوں نے تو آبادی چھوڑ کر بادہ نشینی اختیار کر لی تھی، حضرت ابو ہریرہؓ بھی فتنہ میں مبتلا ہونے کے خوف سے کہیں روپوش ہو گئے تھے، ان فتنوں کے بعد امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں مروان کبھی کبھی ان کو مدینہ پر اپنا قائم مقام بناتا تھا۔[2]

علالت...... ۵۷ھ میں مدینہ میں بیمار ہوئے، بڑے بڑے لوگ عیادت کو آتے تھے، خود مروان بن حکم بھی آتا تھا، بیماری کی حالت میں زندگی کی کوئی آرزو باقی نہ رہی تھی، اگر کوئی تمنا تھی تو صرف یہ کہ جلد سے جلد یہ دار الابتلاء چھوڑ کر دار البقا میں داخل ہو جائیں، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن عیادت کو آئے، رواج کے مطابق ان کی صحت کے لئے دعا کی، انہوں نے کہا خدایا اب دنیا میں نہ لوٹا پھر ابو سلمہ کو مخاطب کر کے بولے "وہ زمانہ بہت جلد آنے والا ہے، جب انسان موت کو سونے کے ذخیرہ سے زیادہ پسند کرے گا" اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ جب آدمی کسی قبر پر گذرے گا تو تمنا کرے گا کہ کاش بجائے اس کے وہ اس میں دفن ہوتا۔[3]

بستر مرگ پر پیش آنے والی منزل کے خطرات کو یاد کر کے بہت روتے تھے، لوگ رونے کا سبب پوچھتے تو فرماتے کہ میں اس دنیا کی دلفریبیوں پر نہیں روتا بلکہ سفر کی طوالت اور زادِ راہ کی قلت پر آنسو بہاتا ہوں، اس وقت میں دوزخ جنت کے نشیب و فراز کے درمیان ہوں معلوم نہیں ان سے کس راستہ پر جانا ہوگا۔[4]

وصیت...... آخر وقت میں تجہیز و تکفین کے متعلق ہدایتیں دیں کہ آنحضرت ﷺ کی طرح مجھ کو عمامہ اور قمیض پہنانا اور عرب کے پرانے دستور کے مطابق میری قبر پر نہ خیمہ نصب کرنا اور نہ جنازہ کے پیچھے آگ لے چلنا اور جنازہ لیجانے میں جلدی کرنا اگر میں صالح ہوں گا جلد اپنے

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۲ ص ۳۴۵
[2] مسلم جلد ۱ ص ۱۵۴ باب اثبات التکبیر فی کل خفض فی الصلوٰۃ الخ
[3] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۶۲
[4] ایضاً ص ۶۲، ۶۳

رب سے ملوں گا اور اگر بد قسمت ہوں گا تو ایک بوجھ تمھاری گردن سے دور ہوگا۔[1]

وفات اور تجہیز و تکفین....... انتقال کے بعد اس وصیت کی پوری تعمیل کی گئی، ولید نے نماز جنازہ پڑھائی، اکابر صحابہؓ میں حضرت ابن عمرؓ، ابوسعید خدریؓ موجود تھے، نماز کے بعد حضرت عثمانؓ کے صاحبزادوں نے کندھا دے کر جنت البقیع پہنچایا اور مہاجرین کے گورغریباں میں اس مخزن علم کو سپرد خاک کیا، انا للّٰہ و انا الیہ راجعون [2] انتقال کے وقت ۷۸ سال کی عمر تھی۔[3]

ترکہ....... انتقال کے بعد ولید حاکم مدینہ نے امیر معاویہؓ کو آپ کی وفات کی خبر دی تو انہوں نے ترکہ کے علاوہ بیت المال سے دس ہزار درہم آپ کے ورثہ کو دلوائے اور ولید کو ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی۔[4]

حلیہ....... رنگ گندم گون، شانے کشادہ، دانت آبدار تھے اور آگے دو دانتوں کے درمیان جگہ خالی تھی، زلفین رکھاتے تھے اور بالوں میں زرد خضاب کرتے تھے۔

لباس....... عموماً سادہ ہوتا تھا، یعنی صرف دو رنگین کپڑے استعمال کرتے تھے، کبھی کبھی کتان وغیرہ کے بیش قیمت لباس بھی استعمال کر لیتے تھے۔

فضل و کمال....... حضرت ابوہریرہؓ ان صحابہ میں ہیں جو علم حدیث کے اساطین سمجھے جاتے ہیں آپ بالاتفاق صحابہ کرامؓ کی جماعت میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے، اگرچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور انس بن مالکؓ بھی حفاظ میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، لیکن حضرت ابوہریرہؓ کو کثرت روایت میں ان پر بھی تفوق حاصل تھا، آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ ابوہریرہؓ علم کا ظرف ہیں۔[5]

ذوق علم....... حضرت ابوہریرہؓ کو علم کی بڑی جستجو تھی، اس کا ذوق علم حرص کے درجہ تک پہنچ گیا تھا، ان کی علمی حرص کا اعتراف خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ "قیامت کے دن کون خوش قسمت آپ کی شفاعت کا زیادہ مستحق ہوگا" فرمایا کہ "تمہاری حرص علی الحدیث کو دیکھ کر میرا پہلے سے خیال تھا کہ یہ سوال تم سے پہلے کوئی نہ کرے گا۔[6]

عام طور پر لوگ آنحضرت ﷺ سے زیادہ سوالات کرتے ہوئے جھجکتے تھے لیکن حضرت ابوہریرہؓ نہایت دلیری سے پوچھتے تھے، عبداللہ بن عمرؓ سے ایک شخص نے کہا کہ ابوہریرہ آنحضرت ﷺ سے کثرت سے روایت کرتے ہیں انہوں نے جواب دیا "پناہ بخدا" ان کی روایات میں کسی

---

[1] ایضاً ص ۶۳، ۶۳ [2] ایضاً ص ۶۳
[3] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۳۱۷۔
[4] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۰۸۔ [5] بخاری کتاب العلم
[6] مسند احمد ابن حنبل جلد ۲ ص ۳۷۳

قسم کا شک وشبہ نہ کرنا، اس کی وجہ محض یہ ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ سے پوچھنے میں بہت جری تھے، اس لئے وہ ایسے ایسے سوالات کرتے تھے جن کو ہم لوگ نہیں کر سکتے تھے۔[1]

وہ خود جیسے علم کے شائق تھے، چاہتے تھے کہ ہر مسلمان کے دل میں طلب علم کا یہی جذبہ پیدا ہو جائے، ایک دن بازار جا کر لوگوں کو پکارا کہ تم کو کس چیز نے مجبور کر رکھا ہے؟ لوگوں نے پوچھا کس شے سے؟ کہا وہاں رسول ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے اور تم لوگ یہاں بیٹھے ہو، لوگوں نے پوچھا کہاں؟ کہا مسجد میں، چنانچہ سب دوڑ کر مسجد آئے، لیکن یہاں کوئی مادی میراث نہ تھی، اس لئے لوٹ گئے اور کہا وہاں کچھ بھی تقسیم نہیں ہوتا، البتہ کچھ لوگ نمازیں پڑھ رہے تھے، کچھ لوگ قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف تھے، کچھ حلال وحرام پر گفتگو کر رہے تھے، بولے تم لوگوں پر افسوس ہے، یہی تمہارے نبی کی میراث ہے۔[2]

حدیث میں ان کا پایا...... اس تلاش وجستجو نے انکو حدیث کا بحر بے کراں بنا دیا تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو خود بھی بڑے حافظ حدیث تھے فرماتے تھے کہ "ابو ہریرہؓ ہم سب سے زیادہ حدیث جانتے"[3] امام شافعی کا خیال ہے کہ "ابو ہریرہؓ اپنے ہمعصر حفاظ میں سب سے بڑے حافظ تھے"[4] اعمش ابو صالح سے روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ اصحاب رسول ﷺ میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے، علامہ ذہبی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ "ابو ہریرہؓ علم کا ظرف تھے اور صاحب فتویٰ ائمہ کی جماعت میں بلند پایہ رکھتے تھے"[5] حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں، کہ "ابو ہریرہؓ اپنے ہمعصر رواۃ میں سب سے بڑے حافظ تھے اور تمام صحابہؓ میں کسی نے حدیث کا اتنا ذخیرہ نہیں فراہم کیا"۔[6]

کمال کی آخری حد یہ تھی کہ آپ کو خود اپنی ہمہ دانی کا یقین واثق تھا، چنانچہ ایک موقع پر اپنی زبان سے کہا کہ میں آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس کو مجھ سے زیادہ احادیث یاد ہوں،[7] ترمذی کی روایت میں صرف عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا استثناء ہے۔[8]

کثرت روایت کا سبب...... بہت سے اکابر اور علمائے صحابہؓ کے مقابلہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کے کثرت علم اور وسعت معلومات کا سبب یہ تھا کہ ان کو اس قسم کے مواقع حاصل تھے جو دوسرے صحابہؓ کو حاصل نہ تھے یہ خود اپنی کثرت روایت کے وجوہ واسباب بیان کرتے تھے کہ

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۱۰
[2] جمع الفوائد کتاب العلم بحوالہ طبرانی الاوسط ج ۱ ص ۲۲۱
[3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۱۰
[4] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳۱　[5] ایضاً ص ۲۸
[6] تہذیب التہذیب جلد ۱۲ ص ۲۶۶
[7] مستدرک حاکم جلد ۳ تذکرہ ابو ہریرہؓ ترمذی مناقب ابو ہریرہؓ
[8] ترمذی مناقب ابو ہریرہؓ

''لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ بہت حدیثیں بیان کرتا ہے، حالانکہ مہاجر و انصار ان حدیثوں کو نہیں بیان کرتے مگر معترضین اس پر غور نہیں کرتے، کہ ہمارے مہاجر بھائی بازاروں میں اپنے کاروبار میں لگے رہتے تھے، اور انصار اپنی زراعت کی دیکھ بھال میں سرگردان رہتے تھے، میں محتاج آدمی تھا، میرا سارا وقت آنحضرت ﷺ کی صحبت میں گذرتا تھا اور جن اوقات میں وہ لوگ موجود نہ ہوتے تھے، اس وقت بھی میں موجود رہتا تھا، دوسرے جن چیزوں کو وہ بھلا دیتے تھے، میں ان کو یاد رکھتا تھا۔[۱] حضرت ابو ہریرہؓ کی اس توجیہ کی تصدیق کبار صحابہؓ کرتے تھے، چنانچہ ابو عامر روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت طلحہؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک شخص نے آکر کہا ''ابو محمد آج تک ہم کو نہ معلوم ہو سکا کہ یہ یمنی (ابو ہریرہؓ) اقوال نبوی کا بڑا حافظ ہے، یا تم لوگ'' انہوں نے جواب دیا کہ ''بلا شبہ انہوں نے بہت سی ایسی حدیثیں سنیں جو ہم لوگوں نے نہیں سنیں اور بہت سی ایسی باتیں جانتے ہیں جو ہمارے علم سے باہر ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ دولت و جائداد والے تھے، ہمارے گھر بار اور اہل و عیال تھے، ہم ان میں پھنسے رہتے تھے، صرف صبح و شام آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری دے کر لوٹ جاتے تھے، اور ابو ہریرہؓ مسکین اور مال و متاع کی زحمتوں اور بال بچوں کی ذمہ داری سے سبکدوش تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے آپ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے، ہم سب کو یہ یقین ہے کہ انہوں نے ہم سب سے زیادہ احادیث نبوی سنیں اور ہم میں سے کسی نے ان پر یہ اتہام نہیں لگایا کہ وہ بغیر آنحضرت ﷺ سے سنے ہوئے ان کو بیان کرتے ہیں،[۲] حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ ''ابو ہریرہ ہم سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ کی خدمت کے حاضر باش تھے،[۳] ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے ان کو بلا کر پوچھا ''تم یہ کیسی حدیثیں بیان کرتے ہو، حالانکہ جو کچھ میں نے (فعل نبویؐ) دیکھا اور (قول نبویؐ) سنا وہی تم نے بھی سنا اور دیکھا، عرض کی'' آپ آنحضرت ﷺ کے خاطر زیب و زینت میں مصروف رہتی تھیں اور خدا کی قسم میری توجہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے کوئی چیز نہیں ہٹاتی تھی۔[۴]

ایک مرتبہ مروان کو ان کی کوئی بات ناگوار ہوئی، اس نے غصہ میں کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ بہت حدیثیں روایت کرتے ہیں، حالانکہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے کچھ ہی دنوں پہلے آئے تھے، بولے ''جب میں مدینہ آیا، تو آنحضرت ﷺ خیبر میں تھے، اس وقت میری عمر تیس سال سے کچھ اوپر تھی اور آپ کی وفات تک سایہ کی طرح آپ کے ساتھ رہا، آپ کی ازواج

---

[۱] ابن سعد جزء ۴ قسم ۲ ص ۵۶ مسلم جلد ۲ فضائل ابو ہریرہؓ
[۲] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۱۲ و ترمذی مناقب ابو ہریرہؓ
[۳] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۱۱
[۴] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۰۹

مطہراتؓ کے گھروں میں جاتا تھا، آپ کی خدمت کرتا تھا، آپ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک رہتا تھا، آپ کی معیت میں حج کرتا تھا، اس لئے میں دوسرے لوگوں سے زیادہ حدیثیں جانتا ہوں خدا کی قسم وہ جماعت جو مجھ سے قبل آپ کی صحبت میں تھی، وہ میری حاضر باشی کی معترف تھی اور مجھ سے حدیثیں پوچھا کرتی تھی، ان پوچھنے والوں میں عمرؓ، عثمانؓ، طلحہؓ، زبیرؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[1]

آپ دعا بھی از دیاد علم ہی کی مانگتے تھے، زید بن ثابتؓ کا بیان ہے کہ ایک دن میں ابوہریرہؓ اور ایک دوسرا شخص مسجد میں بیٹھے دعا اور ذکر خدا میں مشغول تھے، اس درمیان میں آنحضرت ﷺ بھی تشریف لائے، ہم لوگ خاموش ہو گئے، آپ نے فرمایا، اپنا کام جاری رکھو اس ارشاد پر میں اور دوسرا شخص ابوہریرہؓ کے قبل دعا کرنے لگے اور آنحضرت ﷺ آمین کہتے جاتے، اس کے بعد ابوہریرہؓ نے دعا کی کہ خدایا جو کچھ میرے ساتھی مجھ سے قبل مانگ چکے ہیں وہ بھی مجھے دے، اس کے بعد ہم دونوں شخصوں نے عرض کی "یارسول ﷺ ہم کو بھی ایسا علم عطا ہو جو فراموشی کی دستبرد سے محفوظ رہے" فرمایا وہ دوسی نوجوان کے حصہ میں آچکا[2] اسی طرح ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے نسیان حدیث کی شکایت کی آپ نے فرمایا چادر پھیلاؤ، انہوں نے چادر پھیلا دی، آپ نے اس میں دست مبارک ڈالے، پھر فرمایا کہ اس کو سینہ سے لگا لو، کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے میں پھر کبھی نہ بھولا۔[3]

حدیث کی تحریر و کتابت...... حضرت ابوہریرہؓ حدیثوں کے بارہ میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے، چنانچہ بھولنے یا الفاظ کے ردو بدل کے ڈر سے جو کچھ سنتے تھے اس کو قلمبند کر لیتے تھے، فضل بن حسن اپنے والد حسن بن عمروؓ کا ایک واقعہ خود ان کی زبان سے سنا ہوا بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ابوہریرہؓ کو ایک حدیث سنائی، ابوہریرہؓ نے اس سے لاعلمی ظاہر کی، حسن نے کہا میں نے یہ حدیث آپ ہی سے سنی ہے، فرمایا کہ اگر مجھ سے سنی ہے تو میرے پاس ضرور لکھی ہو گی، چنانچہ ان کو اپنے ساتھ گھر لے گئے اور ایک کتاب دکھائی جسمیں تمام حدیثیں درج تھیں اسی میں وہ حدیث بھی تھی، حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ اگر تم نے مجھ سے سنی ہے تو وہ ضرور لکھی ہوگی۔[4]

لیکن صحاح کی ایک اور روایت میں ہے جو خود ان ہی سے مروی ہے کہ "عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ مجھ سے زیادہ حدیث اس لئے جانتے تھے کہ وہ آپ کی باتوں کو لکھ لیا کرتے تھے، اور میں نہیں لکھتا تھا"[5] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں گو نہیں لکھ لیتے تھے، مگر

---

[1] اصابہ جلد ۷ ص ۲۰۵،
[2] تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۶۶
[3] صحیح بخاری کتاب العلم
[4] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۱۱
[5] صحیح بخاری کتاب العلم

بعد کو ان کو بھی لکھنا ضروری معلوم ہوا۔[1]

امتحان ...... ابو ہریرہؓ کی کثرت روایت کی وجہ سے بعض اشخاص کے دل میں ان کی روایات کی جانب سے شکوک وشبہات پیدا ہوئے، چنانچہ ایک مرتبہ مروان نے امتحان کی غرض سے ان کو بلوایا اور اپنے کاتب کو تخت کے نیچے بٹھا کر ان سے حدیثیں پوچھنی شروع کیں، یہ بیان کرتے جاتے تھے اور کاتب چھپا ہوا، ان کی لاعلمی میں لکھتا جاتا تھا، دوسرے سال پھر اسی طریقہ سے امتحان لیا، اس مرتبہ بھی انہوں نے بلا کم وکاست وہی جوابات دیئے جو ایک سال قبل دے چکے تھے، حتیٰ کہ ترتیب بھی وہی تھی اس میں بھی کوئی فرق نہ آیا۔[1]

اشاعت حدیث ...... حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ خاص امتیاز ہے کہ خدا نے آپ کو جس فیاضی سے علم کی دولت عطا کی، اسی فیاضی سے آپ نے اس کو مسلمانوں کے لئے وقف عام کیا، چلتے پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے، جہاں بھی کچھ مسلمان مل جاتے ان کے کانوں تک اقوال نبوی ﷺ پہنچا دیتے، جمعہ کے دن، نماز کے قبل کا وقت حدیث کے لئے مخصوص تھا، چنانچہ ہر جمعہ کو نماز سے پہلے لوگوں کے سامنے حدیثیں بیان کرتے اور یہ سلسلہ اس وقت تک قائم رہتا جب تک مقصورہ کا دروازہ نہ کھلتا اور امام برآمد نہ ہوتا۔[2]

حضرت ابو ہریرہؓ کے علم وعرفان کی بارش سے عورتیں بھی سیراب ہوتی تھیں، گو اس طبقہ کو وہ باقاعدہ تعلیم نہیں دیتے تھے، لیکن اگر کسی عورت سے کوئی فعل خلاف احکام نبوی سرزد ہو جاتا تو فوراً ٹوک دیتے اور اس بارے میں رسول ﷺ کا حکم اس کو بتا دیتے، ایک مرتبہ ایک عورت سے ملے، اس کے پیراہن سے خوشبو کی لپٹ آتی تھی، پوچھا تو مسجد سے آتی ہے اس نے کہا ہاں پھر پوچھا مخصوص مسجد جانے کے لئے خوشبو لگائی تھی؟ اس نے کہا ہاں، فرمایا، میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ اس عورت کی نماز جو مخصوص مسجد جانے کے لئے خوشبو لگاتی ہے اس وقت تک قبول نہ ہوگی، جب تک کہ وہ غسل نہ کر ڈالے[3] یعنی اس کی خوشبو ڈھل نہ جائے، کیونکہ وہ فتنہ بن جاتی ہے، غرض اس عہد مبارک کی خواتین بھی ان کے خرمن علم کی خوشہ چین تھیں، چنانچہ آپ کے زمرہ روایت میں حضرت عائشہؓ کا نام بھی نظر آتا ہے۔

آپ کے دامن کمال میں جس قدر علمی جواہر تھے، سب عام مسلمانوں میں تقسیم کر دیے، لیکن وہ احادیث جو فتنہ سے متعلق تھیں اور جن کو آنحضرت ﷺ نے پیشین گوئی کے طور پر فرمایا زبان سے نہ نکالیں کہ یہ خود فتنہ کی بنیاد بن جاتیں، فرماتے تھے کہ ''میں نے احادیث نبوی دو ظرف میں محفوظ کی ہیں'' ایک ظرف کی پھیلائیں، اگر دوسرے کو پھیلا دوں تو نرخرہ کاٹ ڈالا جائے،[4] صوفیہ کہتے ہیں کہ یہ اسرار توحید کی امانت تھے، متکلمین کہتے ہیں کہ وہ اسرار دین تھے،

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۱۰، [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۱۲،
[3] ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۲۱، [4] صحیح بخاری کتاب العلم وابن سعد جلد ۴ ق ۲ ص ۵۷

لیکن محدثین کا فتویٰ یہی ہے کہ وہ فتنہ کی حدیثیں تھیں۔

اشاعت علم فریضہ مذہبی اور عمل خیر ہے، لیکن اگر اس میں مذہبی خدمت کے جذبہ کے بجائے نمود و نمائش کا شائبہ شامل ہو جائے تو یہی عمل شر بن جائے گا، ابو ہریرہؓ جس جذبہ کے تحت اس فرض کو انجام دیتے تھے، اس کے متعلق خود ان کا بیان ہے کہ اگر سورۂ بقرہ کی یہ آیت

ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات من بعد ما بینا ہ للناس فی الکتاب اولئک یلعنھم اللّٰہ و یلعنھم اللاعنون

ان لوگوں پر جو ہمارے نازل کئے ہوئے، کھلے ہوئے احکام اور ہدایت کی باتوں میں جن کو ہم نے لوگوں کے لئے کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے چھپاتے ہیں، خدا بھی لعنت بھیجتا ہے اور لعنت بھیجنے والے بھی لعنت بھیجتے ہیں۔

نہ ہوتی تو میں کبھی کوئی حدیث نہ بیان کرتا۔[1]

حضرت ابو ہریرہؓ کی مرویات کی مجموعی تعداد ۵۳۷۴ ہے، ان میں ۳۲۵ متفق علیہ ہیں اور ۷۹ میں بخاری اور ۹۳ میں مسلم منفرد ہیں۔[2] احادیث نبوی ﷺ کے عظیم الشان ذخیرہ کی مناسبت سے آپ کے رواۃ و تلامذہ کا دائرہ بھی وسیع تھا، اکابر صحابہؓ میں زید بن ثابتؓ، ابو ایوب انصاریؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ ابن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابی بن کعبؓ، انس بن مالکؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ جابر بن عبداللہؓ، ام المومنین عائشہ صدیقہؓ، اور عام صحابہ و تابعین میں ابو رافع، واثلہ، جابر، مروان بن حکم، قبیصہ بن ذویب، سعید بن مسیب، سلیمان الاغر، قیس بن ابی حازم، مالک بن ابی عامر اصبحی، ابو اسامہ بن سہل بن حنیف، ابو ادریس خولانی، ابو عثمان نہدی، ابو رافع صائغ، ابو زرعہ بن عمرو، ابو مسلم، ابن فارض بسر بن سعید، بشیر بن نہیک، بعجہ جہنی، ثابت بن عیاض، حفص بن عاصم بن عمر الخطابؓ، حمید و ابو سلمہ ابنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حمید بن عبدالرحمٰن حمیری، حنظلہ بن علی اسلمی، جناب صاحب مقصورہ، خلاس بن عمرو، حکم بن میناء، خالد بن غلاق، ابو قیس، زیاد بن رباح، سالم بن عبداللہ زرارہ بن ابی اوفی، سالم ابو الغیث، سالم مولی شداد، سعید بن ابی سعید، ابو سعید مقبری، حسن بصری، محمد بن سیرین و سعید بن عمرو بن سعید بن العاص، سلیمان بن یسار، ابو الحباب، سعید بن یسار، سنان بن ابی سنان، عامر بن سعید بن ابی وقاصؓ، شریح ابن ہانی، شفی بن ماتع، طاوس، عکرمہ، مجاہد، عطا، عامر شعبی، عبداللہ بن رباع انصاری، عبداللہ بن شقیق، عبداللہ بن ثعلبہ، ابو الولید عبداللہ بن حارث، سعید بن حارث، سعید بن سمعان، سعید بن مرجانہ، عبداللہ بن عبدالرحمٰن، عبدالرحمٰن بن سعد المقعد، عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ انصاری، عبدالرحمٰن بن یعقوب، عبدالرحمٰن بن ابی نعیم البجلی، عبدالرحمٰن بن مہران، اعرج، عبیداللہ بن عبداللہ، عبیداللہ بن سفیان

---

[1] صحیح بخاری کتاب الفتن و ابن سعد جلد ۴ ق ۲ ص ۵۷

[2] تہذیب الکمال ص ۴۵۲۔

حضرمی، عطاء بن میناء، عطا بن یزید لیثی، ابو سعید مولی بن کریز، عجلان بن مولی فاطمہ، عراک بن مالک، عبید بن حنین، عبید اللہ بن ابی رافع، عطاء بن یسار، عمرو بن ابی سفیان، عنبسہ بن سعید بن العاص، محمد بن قیس بن مخرمہ، موسیٰ عیسیٰ ابنا طلحہ بن عبید اللہ، عروہ بن زبیرؓ، محمد بن عباد، جعفر، محمد بن ابی عائشہ، محمد بن زیاد جمحیؒ، محمد بن سعد الرحمن موسیٰ بن یسار، نافع بن جبیر بن مطعم، نافع مولی ابن عمر، نافع مولی ابی قتادہ، یوسف ابن ماہک، متیم بن ابی سنان، زید بن ہرمز، ابو حازم اشجعی، ابو بکر بن عبدالرحمن، ابو تیمیہ ہجیمی، یزید بن اصم، موسیٰ بن وردان، ابو الشعثاء، الحاربی ابو صالح السمان، ابوغطفان بن طریف المری، یہ حضرت ابو ہریرہؓ کے رواۃ کی نہایت مختصر فہرست ہے، صحابہؓ اور تابعینؒ ملا کر ان کے رواۃ کی تعداد ۸۰۰ سے متجاوز ہو جاتی ہے۔[1]

ایک اعتراض اور اسکا جواب....... بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض صحابہؓ ان کی مرویات پر اعتراض کرتے تھے، اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ وہ ان کی روایتوں پر شک کرتے تھے بلکہ ان کی تفقہ پر انہیں، اعتراض تھا، ان کا کہنا یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے مختلف حالات و واقعات کے لحاظ سے بعض باتیں ارشاد فرمائی ہیں، اور حضرت ابو ہریرہؓ موقع و محل کا لحاظ کیے بغیر ان حدیثوں کو بیان کر دیتے ہیں، جن سے ان احادیث کا اصل منشا فوت ہو جاتا ہے اور اس حیثیت سے ان کا اعتراض صحیح تھا کہ حضرت ابو ہریرہؓ فقہ الحدیث کا لحاظ نہیں کرتے تھے، فقہ میں ان کا کوئی امتیازی درجہ نہیں تھا، تاہم آنحضرت ﷺ کے بعد مدینہ میں جو جماعت منصب افتاء پر فائز تھی اس میں ایک ابو ہریرہؓ بھی تھے۔[2]

عام تعلیم .... عام تعلیمی لحاظ سے وہ صحابہؓ کی جماعت میں بہت نمایاں تھے، عربی مادری زبان تھی اس کے علاوہ فارسی بھی جانتے تھے، ایک مرتبہ ایک ایرانی عورت استغاثہ لے کر آئی کہ شوہر نے مجھکو طلاق دیدی ہے اور لڑکا لینا چاہتا ہے، یہ عورت فارسی میں گفتگو کرتی تھی اور ابو ہریرہؓ اسی زبان میں جواب دیتے تھے،[3] اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب سے بھی واقفیت رکھتے تھے، چنانچہ توراۃ کے مسائل سے کافی واقفیت تھی،[4] لکھنے میں بھی پوری مہارت رکھتے تھے، چنانچہ احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔

اخلاق و عادات .... حضرت ابو ہریرہؓ غزوہ خیبر میں دارالاسلام آئے اس حساب سے ان کو کل چار سال صحبت نبوی ﷺ سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا، اگرچہ بظاہر یہ مدت کم معلوم ہوتی ہے، لیکن اس حیثیت سے کہ اس مدت میں سفر و حضر، خلوت و جلوت میں ایک لمحہ کے لئے بھی خدمت اقدس سے جدا نہ ہوئے اور اس قلیل مدت میں جو لمحات بھی میسر آئے ان سے پورا فائدہ اٹھایا، یہ چھوٹی مدت کیفیت کے اعتبار سے بڑی طویل مدت کے برابر ہو جاتی ہے اس ملازمت

---

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ ابو ہریرہؓ، [2] اعلام الموقعین جلد اول ص ۱۳
[3] ابو داؤد جلد ۱ ص ۲۲۷ [4] اصابہ جلد ۷ ص ۲۰۵

رسول کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ پر تعلیمات نبوی کا بہت گہرا رنگ چڑھا تھا اور آپ اسلامی تعلیمات کا مکمل ترین نمونہ بن گئے تھے۔

خوف قیامت..... خشیت الٰہی اور خوف قیامت صحابہ اکرامؓ کا خاص وصف تھا، ابو ہریرہؓ اس سے لرزہ براندام رہتے تھے، خوف خدا اور قیامت کے احتساب کے ذکر سے چیخ کر بیہوش ہو جاتے تھے، ایک بار شفیا اصحی مدینہ آئے، دیکھا کہ ایک شخص کے گرد بھیڑ لگی ہوئی ہے، پوچھا یہ کون ہیں، لوگوں نے کہا، ابو ہریرہؓ چنانچہ یہ ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے، اس وقت ابو ہریرہؓ لوگوں سے حدیث بیان کر رہے تھے، جب حدیث سنا چکے اور مجمع چھٹا تو انہوں نے ان سے کہا کہ رسول ﷺ کی کوئی حدیث سنایئے، جس کو آپ نے ان سے سنا ہو، سمجھا ہو، جانا ہو، ابو ہریرہؓ نے کہا ایسی ہی حدیث بیان کروں گا، یہ کہا اور چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو کہا میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کروں گا، جو آپ نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی اور اس وقت میرے اور آپ کے سوا کوئی تیسرا شخص نہ تھا، اتنا کہہ کر پھر زور سے چلائے اور بیہوش ہو گئے، افاقہ ہوا، تو منہ پر ہاتھ پھیر کر کہا میں تم سے ایسی حدیث بیان کروں گا جو آنحضرت ﷺ نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی، اور وہاں میرے اور آپ کے سوا کوئی نہ تھا یہ کہا اور چیخ مار کر، غش کھا کر منہ کے بل گر پڑے، اشفیا اصحی نے تھام لیا اور دیر تک سنبھالے رہے، ہوش آیا تو کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن جب خدا بندوں کے فیصلہ کے لئے اترے گا تو سب سے پہلے تین آدمی طلب کیے جائیں گے عالم قرآن، راہ خدا مقتول اور دولت مند، پھر خدا عالم سے پوچھے گا کیا میں نے تجھ کو قرآن کی تعلیم نہیں دی، وہ کہے گا، ہاں خدایا خدا تعالیٰ فرمائے گا تو نے اس پر کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا "رات دن اس کی تلاوت کرتا تھا" خدا فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو اس لئے تلاوت کرتا تھا کہ لوگ تجھ کو قاری کا خطاب دیں چنانچہ خطاب دیا، پھر دولت مند سے سوال کرے گا "کیا میں نے تجھ کو صاحب مقدرت کر کے لوگوں کی احتیاج سے بے نیاز نہیں کر دیا؟ وہ کہے گا، ہاں خدایا خدا فرمائے گا تو نے کیا کیا، وہ کہے گا میں صلہ رحمی کرتا تھا، صدقہ دیتا تھا، خدا فرمائے گا "تو جھوٹ بولتا ہے بلکہ اس سے تیرا مقصد یہ تھا کہ تو فیاض اور سخی کہلائے اور لوگوں نے کہا"، پھر وہ جس کو راہ خدا میں اپنی جان دینے کا دعویٰ تھا پیش کیا جائے گا، اس سے سوال کیا جائے گا تو کیوں مار ڈالا گیا وہ کہے گا "تو نے اپنی راہ میں جہاد کا حکم دیا، تیری راہ میں لڑا اور مارا گیا"، خدا فرمائے گا "تو جھوٹ بولتا ہے، بلکہ تو چاہتا تھا کہ تو دنیا میں جری اور بہادر کہلائے تو یہ کہا جا چکا ہے"، یہ حدیث بیان کر کے رسول ﷺ نے میرے زانو پر ہاتھ مار کر فرمایا ابو ہریرہؓ سب سے پہلے ان ہی تینوں سے جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی[1]

---

[1] ترمذی ابواب الزہد باب ماجاء فی الریاء والسمعۃ۔

عبادت وریاضت ...... حضرت ابو ہریرہؓ کو عبادت سے خاص ذوق تھا، شب بیداری آپ کا محبوب مشغلہ تھا، خود بھی شب بیداری کرتے تھے اور گھر والوں سے بھی شب بیداری کراتے تھے، آپ کا کنبہ تین آدمیوں پر مشتمل تھا، ایک خود، دوسری بیوی اور تیسرا خادم، یہ تینوں بالالتزام باری باری سے اٹھ کر ایک ایک تہائی شب میں نماز پڑھتے تھے، ایک ختم کر کے دوسرے کو جگاتا اور دوسرا تیسرے کو اسی طریقہ سے تینوں مل کر پوری رات نماز میں گذار دیتے۔[1]

ہر مہینہ کے شروع میں تین روزے التزام کے ساتھ رکھتے تھے، اگر کسی سبب سے شروع میں نہ رکھ سکتے تو آخر میں پورے کرتے[2] ارکان عبادت کو پورے شرائط کے ساتھ ادا کرتے تھے، بلکہ شدت احتیاط کے باعث اس میں مبالغہ سے کام لیتے تھے، نعیم بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ مسجد کی چھت پر وضو کرتے تھے، میں نے دیکھا کہ ہاتھ اٹھا کر شانوں تک دھوتے اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن میری امت کے وہ اعضاء جو وضو میں دھوئے جاتے ہیں چمکیں گے اس لئے تم لوگوں سے جہاں تک ہو سکے اس کی چمک کو بڑھاؤ[3] عکرمہ راوی ہے کہ ابو ہریرہؓ بارہ ہزار تسبیحیں روزانہ پڑھتے تھے اور کہتے تھے بقدر گناہ تسبیح کرتا ہوں، مضارب بن جزء بیان کرتے ہیں کہ رات کو میں نکلا کرتا تھا، ایک دن نکلا تو تکبیر کی آواز سنی، قریب جا کر دیکھا تو ابو ہریرہؓ تھے، پوچھا یہ کیا کر رہے ہو، کہا خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ایک دن وہ تھا کہ میں برہ بنت غزوان کے پاس پیٹ کی روٹی پر ملازم تھا، اس کے بعد خدا نے یہ دن دکھایا کہ وہ میرے عقد میں آگئی[4] آپ تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے تھے، ایک تھیلی میں کنکریاں اور گٹھلیاں بھری رہتی تھیں جن پر وہ تسبیح پڑھتے تھے، جب تھیلی ختم ہو جاتی تو لونڈی کو حکم دیتے وہ بھر لاتی۔[5]

محبت رسول آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ کی محبت شیفتگی کے درجہ تک تھی، ایک لحہ کے لئے بھی آپ سے جدا نہ ہوتے تھے، تمام مہاجرین وانصار اپنے اپنے کاروبار میں لگے رہتے، لیکن ان کا کام صرف یہ تھا کہ جمال نبوی کے دیدار سے شوق کی آگ بجھائیں، ایک موقع پر اس کا اظہار بھی کیا یارسول ﷺ حضور کا مشاہدہ جمال میری جان کا سرمایہ راحت اور میرا آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔[6]

آنحضرت ﷺ کے بعد لطیف غذا کھانے سے محض اس لئے پرہیز کرتے تھے کہ حضور نے کبھی پیٹ بھر کھانا نہیں کھایا، ایک مرتبہ لوگوں نے ان کو بھنی ہوئی بکری کی دعوت دی، انہوں نے

---

۱ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۵۳۔ ۲ ایضا
۳ ایضا ص ۲۳۴ ۴ اصابہ جلد ۷ ص ۲۰۶
۵ ابوداؤد کتاب النکاح باب ما یکرہ من ذکر الرجل ما یکون من اصابۃ اھلہ
۶ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۹۳۔

محض اس لئے قبول کرنے سے انکار کیا کہ آنحضرت ﷺ دنیا سے اس حال میں سدھارے کہ کبھی جو کی روٹی بھی آسودہ ہو کر نہیں کھائی۔[1]

محبت آل رسولؐ...... ذات نبویؐ کے ساتھ اس والہانہ تعلق کا فطری اقتضاء یہ تھا کہ آل اطہار کے ساتھ بھی یہی شیفتگی تھی، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے حضرت حسن کو بلا کر گود میں بٹھایا اور ان کے منہ میں منہ ملا کر تین مرتبہ فرمایا کہ ''اے خدا! میں اس کو محبوب رکھتا ہو، اس لئے تو بھی محبوب رکھ اس کے محبوب رکھنے والے کو بھی محبوب رکھ'' اس کے بعد سے جب یہ حضرت حسن کو دیکھتے تھے تو ان کی آنکھیں پرنم ہو جاتی تھیں۔[2] عمیر بن اسحٰق راوی ہیں کہ ایک مرتبہ ابو ہریرہؓ حضرت حسنؓ سے ملے تو کہا کہ ''اپنے شکم مبارک کا وہ حصہ کھولئے جو آنحضرت ﷺ کا بوسہ گاہ تھا، آپ نے کپڑا ہٹادیا اور ابو ہریرہؓ نے اسی مقام پر بوسہ عقیدت ثبت کردیا۔[3]

والدہ کی خدمت گذاری...... حق العباد میں ایک بڑا حق یہ ہے کہ انسان تا بمقدور ان ضعیف اور سب سے بڑے محسن والدین کی خدمت گذاری کو باعث فخر اور ذریعہ نجات سمجھے، جنہوں نے اس کو بچہ سے جوان بنایا، اسلام نے خاص طور پر ان کے اعزاز واحترام اور خدمت گذاری کی تعلیم دی ہے، حضرت ابو ہریرہ نے اس فریضہ کا یہاں تک لحاظ رکھا کہ ماں کی تنہائی کے خیال سے ان کی زندگی بھر حج نہیں کیا۔[4]

اظہار حق میں بے باکی...... حق گوئی اور راست بازی حضرت ابو ہریرہؓ کا خاص جوہر تھا، اعلان میں وہ اس قدر جری اور دلیر تھے کہ بڑے بڑے شخص کو اس کی لغزش پر فوراً ٹوک دیتے تھے، آپ کا قیام مدینہ میں تھا، مروان یہاں کا حاکم تھا، اس لئے اکثر اس سے سابقہ پڑتا تھا ایک مرتبہ اس کے یہاں گئے، تو تصویریں آویزاں دیکھیں، فرمایا میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے، جو میری مخلوق کی طرح مخلوق بناتا ہے! اگر دعوائے تخلیق ہے تو کوئی ذرہ، غلہ یا جو پیدا کر کے دکھائے۔[5]

مروان کے زمانہ امارت میں مدینہ میں چک (ہنڈی) کا رواج ہو چلا تھا، حضرت ابو ہریرہؓ کو معلوم ہوا تو مدینہ جا کر مروان سے کہا تم نے ربا حلال کردیا؟ مروان نے اس سے برأت ظاہر کی، فرمایا تم نے چکوں کو رائج کیا، حالانکہ آنحضرت ﷺ نے اشیاء خوردنی کی بیع کی اس وقت تک ممانعت فرمائی ہے جب تک پہلا بائع اس کو ناپ نہ لے، حضرت ابو ہریرہؓ کی اس تنبیہ سے

---

[1] بخاری جلد ۲ کتاب الاطعمة باب ما كان النبي ﷺ و اصحابه یاکلون

[2] مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۵۳۲ [3] ایضاً ص ۴۸۸

[4] مسلم جلد ۲ باب ثواب العبد و اجره اذا نصح لسیده و احسن و ابن سعد تذکرہ ابو ہریرہؓ

[5] مسند احمد بن حنبل ج ۱۲ احادیث ابو ہریرہ

مروان نے یہ طریقہ منسوخ کر دیا۔[1]

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ مسجد نبوی میں کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھے تھے، مروان بھی موجود تھا، آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے سنایا کہ میں نے صادق مصدوق ﷺ سے سنا ہے کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی۔[2]

فقر وغنا...... حضرت ابو ہریرہؓ کی زندگی کے دو دور تھے، پہلا افلاس، تنگدی اور فقر و فاقہ میں بسر ہوا دوسرے میں جاہ وثروت اور فارغ البالی نصیب ہوئی، فقر و فاقہ کا دور نہایت درد انگیز تھا مسلسل فاقوں سے غش پر غش آتے تھے، لیکن رحمۃ للعالمین کے سوا کوئی پوچھنے والا نہ تھا اس زمانہ میں آپ نے سخت تکلیفیں برداشت کیں، لیکن زبان کبھی سوال سے آلودہ نہ ہوئی ایک مرتبہ بھوک کی شدت سے بہت بے قرار ہوئے تو راستہ میں بیٹھ گئے، حضرت ابو بکرؓ کا گذر ہوا ان سے ایک آیت پوچھی، وہ بتا کر گذر گئے اور کچھ توجہ نہ کی، اس کے بعد حضرت عمرؓ کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کا گذر ہوا، تو آپ اس حسن طلب کو سمجھ گئے اور ساتھ لیجا کر ان کو اور تمام اصحاب صفہ کو کھانا کھلایا۔[3]

جب فقر و فاقہ کا دور ختم ہوا اور خدا نے فارغ البال کیا، اسوقت فقیرانہ سادگی کو قائم رکھتے ہوئے کبھی کبھی فارغ البالی کا بھی اظہار کیا، چنانچہ ایک مرتبہ کتان کے دو رنگے ہوئے کپڑے پہنے اور ایک سے ناک صاف کر کے کہا واہ واہ، ابو ہریرہؓ آج تم کتان سے ناک صاف کرتے ہو، حالانکہ کل منبر نبوی اور حضرت عائشہ کے حجرہ کے درمیان غش کھا کر گرتے تھے اور گذرنے والے تمہاری گردن پر پیر رکھ کر کہتے تھے کہ ابو ہریرہؓ کو جنون ہوگا ہے، حالانکہ تمہاری یہ حالت صرف بھوک کی وجہ سے ہوتی تھی۔[4]

سادگی...... لیکن امارت کی حالت میں بھی زندگی میں کوئی خاص تبدیلی نہیں کی جب شہر سے نکلتے تو سواری میں گدھا ہوتا، جس پر معمولی نمدہ کسا ہوتا، چھال کی رسی کی لگام ہوتی، غرض اس سادگی سے نکلتے کہ کسی کو امارت کا اندازہ بھی نہ ہوتا، جب کوئی سواری کے سامنے آجاتا تو (مذاق سے) خود کہتے کہ راستہ چھوڑ دو، امیر کی سواری آرہی ہے۔[5]

فیاضی...... فقر وغنا دونوں حالتوں میں بلند حوصلہ اور فیاض رہے، لوگوں کو کھلانے پلانے میں بڑی سیر چشمی سے کام لیتے تھے، عبداللہ بن رباح راوی ہیں کہ ایک مرتبہ چند آدمیوں کا وفد

---

[1] مسلم کتاب البیوع باب بیع المبیع قبل القبض مطبوعہ مصر، مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۹،

[2] بخاری ج ۲ کتاب الفتن باب قول النبی ﷺ هلاک امتی علی ایدی اغیلتمه مغناء

[3] ترمذی ابواب الزهد باب جاء فی معیشة اصحاب النبی ﷺ

[4] بخاری کتاب لا عتصام باب ما ذکر النبی ﷺ و حض علی انفاق

[5] ابن سعد جز ۴ ق ۲ ص ۶۰

امیر معاویہؓ کے پاس گیا جس میں ہم اور ابو ہریرہؓ بھی تھے، رمضان کا زمانہ تھا، ہم لوگوں کا معمول تھا کہ کھانے پر ایک دوسرے کو بلایا کرتے تھے، ان سب میں سب سے زیادہ ابو ہریرہ دعوت کرتے تھے۔[1]

گو مہمان نوازی صحابہ کرامؓ کا عام وصف تھا، تاہم لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے زیادہ مہمان نواز کم صحابی تھے۔[2]

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۵۳۸ [2] ایضاً۔

حضرت ابوذر غفاریؓ

نام ونسب...... جندب نام، ابوذر کنیت "مسیح الاسلام" لقب، سلسلہ نسب یہ ہے، جندب بن جنادہ ابن قیس بن عمرو بن ملیل بن صعیر بن حرام بن غفار بن ملیل بن حمزہ بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ غفاری، ماں کا نام رملہ تھا اور قبیلہ بنی غفار سے تعلق رکھتی تھیں۔

قبل از اسلام...... حضرت ابوذرؓ کا قبیلہ بنو غفار رہزنی کیا کرتا تھا، جاہلیت میں حضرت ابوذرؓ کا بھی یہی پیشہ تھا اور وہ نہایت مشہور رہزن تھے، تن تنہا نہایت جرأت اور دلیری سے قبائل کو لوٹتے تھے، لیکن کچھ دنوں کے بعد ان کی زندگی میں دفعۃً انقلاب ہوا اور ایسا سخت ہوا کہ رہزنی یکلخت ترک کر کے ہمہ تن خدا پرستی کی طرف مائل ہو گئے، چنانچہ ظہور اسلام کے پہلے جب سارا عرب ضلالت میں مبتلا تھا وہ خدا کی پرستش کرتے تھے، ابو معشر راویؒ ہیں ابوذرؓ جاہلیت ہی سے موحد تھے، خدا کے سوا کسی کو معبود نہیں سمجھتے تھے اور بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے، ان کی خدا پرستی عام طور پر لوگوں میں مشہور تھی، چنانچہ جس شخص نے ان کو سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کے ظہور کی اطلاع دی، اس کے الفاظ یہ تھے کہ "ابوذر مکہ میں تمہاری طرح ایک شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے۔[1] حضرت ابوذرؓ کی خدا پرستی صرف اعتراف توحید تک محدود نہ تھی بلکہ جس طرح بن پڑتا تھا نماز بھی پڑھتے تھے، وہ خود کہتے تھے کہ میں آنحضرت ﷺ سے ملنے کے تین سال قبل سے نماز پڑھتا تھا، لوگوں نے پوچھا کس کی نماز پڑھتے تھے؟" کہا خدا کی"، پھر پوچھا کس طرف رخ کرتے تھے، جواب دیا "جس طرف خدا پھیر دیتا"[2] اینما تولوا فثم وجه الله

ئ جا نیم سجدہ باں آستان رسید

اسلام کی تلاش اور پہلی آزمائش...... چونکہ ابوذرؓ جاہلیت ہی سے راہ حق کے متلاشی تھے، اس لئے داعی حق کی پکار سنتے ہی لبیک کہا اور اس وقت دعوت حق کا جواب دیا، جب چار آدمیوں کے سوا ساری دنیا کی زبانیں، اس اعلان حق سے خاموش تھیں، اس اعتبار سے اسلام لانے والوں میں ان کا پانچواں نمبر ہے، ان کے اسلام کا واقعہ خاص اہمیت رکھتا ہے، یہ دلچسپ داستان خود کی زبان سے مروی ہے، ان کا بیان ہے کہ جب میں قبیلہ غفار میں تھا تو مجھ کو معلوم ہوا کہ مکہ میں کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، میں نے اپنے بھائی کو واقعہ کی تحقیق کے لئے بھیجا، وہ

---

[1] ابن سعد جزو ۴ ق ۱ ص ۱۶۳

[2] ابن سعد جزو ۴ ق ۱ ص ۱۶۳ و مسلم اسلام ابی ذرؓ

واپس آئے تو میں نے پوچھا، کہو کیا خبر لائے، انہوں نے کہا "خدا کی قسم! یہ شخص نیکیوں کی تعلیم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے، اس قدر مجمل بیان سے میری تشفی نہیں ہوئی، اس لئے میں خود سفر کا مختصر سامان لے کر مکہ چل کھڑا ہوا، وہاں پہنچا تو یہ دقت پیش آئی کہ میں رسول اکرم کو پہچانتا نہ تھا اور کسی سے پوچھنا بھی مصلحت نہ تھی، اس لئے خانہ کعبہ جا کر ٹھہر گیا اور زمزم کے پانی پر بسر کرنے لگا اتفاق سے ایک دن علیؓ گذرے، انہوں نے پوچھا تم مسافر معلوم ہوتے ہو؟ میں نے کہا، ہاں! وہ مجھ کو اپنے گھر لے گئے، لیکن مجھ سے ان کی کوئی گفتگو نہیں ہوئی، صبح اٹھ کر میں پھر کعبہ گیا کہ لوگوں سے اپنے مقصود کا پتہ دریافت کروں کیوں کہ ابھی تک آنحضرت ﷺ کے حالات سے بے خبر تھا، اتفاق سے پھر علیؓ گذرے اور پوچھا کہ "اب تم کو اپنا ٹھکانہ نہیں معلوم ہوا؟" میں نے کہا نہیں، وہ پھر دوبارہ مجھ کو اپنے ساتھ لے چلے، اس مرتبہ انہوں نے پوچھا، کیسے آنا ہوا؟ میں نے کہا اگر آپ اس کو راز میں رکھیں تو عرض کروں، فرمایا مطمئن رہو میں نے کہا، میں نے سنا تھا کہ یہاں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، پہلے اس خبر کی تصدیق اور اس شخص کے حالات دریافت کرنے کے لئے میں نے اپنے بھائی کو بھیجا مگر وہ کوئی تشفی بخش خبر نہ لایا، اس لیے اب میں خود اس سے ملنے آیا ہوں، حضرت علیؓ نے فرمایا تم نے نیکی کا راستہ پالیا، سیدھے میرے ساتھ چلے آؤ جس مکان میں میں جاؤں تم بھی میرے ساتھ چلے آنا، راستہ میں اگر کوئی خطرہ پیش آئے گا، تو میں جوتا درست کرنے کے بہانے سے دیوار کی طرف ہٹ جاؤں گا اور تم بڑھے چلے جانا، چنانچہ میں حسب ہدایت ان کے ساتھ ہولیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ میرے سامنے اسلام پیش کیجئے، آپ نے اسلام پیش کیا اور میں اسلام کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گیا، قبول اسلام کے بعد آپ نے فرمایا: ابوذر! ابھی تم اس کو پوشیدہ رکھو اور اپنے گھر لوٹ جاؤ، میرے ظہور کے بعد واپس آنا، میں نے قسم کھا کر کہا کہ میں اسلام کو چھپا نہیں سکتا، ابھی لوگوں کے سامنے پکار کر اعلان کروں گا، یہ کہہ کر مسجد میں آیا، یہاں قریش کا مجمع تھا، میں نے سب کو مخاطب کر کے کہا کہ قریشیو! میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندہ اور رسول ہیں، یہ سن کر ان لوگوں نے للکارا کہ اس بے دین کو لینا، اس آواز کے ساتھ ہی چاروں طرف سے لوگ مجھ پر ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے بے دم کر دیا، دردناک منظر دیکھ کر حضرت عباسؓ سے ضبط نہ ہو سکا، وہ مجھ کو بچانے کے لئے میرے اوپر گر پڑے اور ان لوگوں سے کہا کہ تم لوگ ایک غفاری کی جان لینا چاہتے ہو حالانکہ یہ قبیلہ تمہاری تجارت کا گذرگاہ ہے، یہ سن کر سب ہٹ گئے، لیکن اسلام کا وہ نشہ تھا جس کا خمار قریش کے غیظ و غضب کی ترشی سے اتر جاتا، دوسرے دن پھر اس حق گو کی زبان پر یہ نعرہ مستانہ تھا

در عجا بہائے طور عشق حکمتہا کم است عشق را با مصلحت
اندیشی مجنوں چہ کار

اور پھر وہی مسجد تھی، وہی صنادید قریش کا مجمع تھا اور وہی ان کی ستم آرائی تھی۔[1]

مسلم فضائل ابی ذرؓ میں ان کے اسلام کے بارہ میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہی مذکورہ بالا روایت، اس روایت کے راوی حضرت ابن عباسؓ ہیں، دوسری روایت خود ان سے مروی ہے، لیکن دونوں روایتوں کے واقعات باہم مختلف ہیں، ان کی زبانی جو روایت منقول ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ اپنے وطن سے اپنے بھائی انیس اور امنا کو لے کر اپنے ماموں کے یہاں گے، کچھ دنوں کے بعد ان سے خفا ہو کر چلے گئے، اتفاق سے ایک مرتبہ انیس کسی ضرورت سے مکہ گئے، وہاں سے لوٹ کر ابوذرؓ سے آنحضرت ﷺ کے واقعات بیان کیے، آپ کے اوصاف سن کر وہ خود تحقیقات کے لئے مکہ پہنچے اور ایک شخص سے آپ کا پتہ پوچھا، پوچھتے ہی ہر طرف سے مشرکین ان پر ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے بیدم کر دیا، لیکن یہ نہ ہٹے، تیسرے دن آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوئی، ان کو اپنے ساتھ لے گئے اور یہ مشرف باسلام ہوئے، ہم نے جو صورت واقعہ نقل کی ہے وہ چونکہ بخاری، مسلم اور مستدرک تینوں میں ہے اس لئے اس کو ترجیح دی۔

مراجعت وطن...... کچھ دن مکہ میں قیام کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو ان کے گھر واپس کر دیا، اور فرمایا کہ میں عنقریب یثرب ہجرت کرنے والا ہوں اس لئے بہتر یہ ہے۔ کہ تم اپنی قوم میں جا کر اسلام کی تبلیغ کرو، شاید خدا ان کو فائدہ بخشے اور اس صلہ میں تمہیں بھی اجر ملے انہوں نے آپ کے حسب ارشاد روانگی کی تیاری شروع کر دی اور وطن کا سفر کرنے کے قبل اپنے بھائی انیس سے ملے، انہوں نے پوچھا کیا کر کے آئے؟ جواب دیا: اعتراف صداقت کر کے اسلام کا حلقہ بگوش ہو گیا ہوں، یہ سن کر وہ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے، یہاں سے دونوں تیسرے بھائی امنا کے پاس پہنچے، وہ بھی مشرف باسلام ہوئے اس کے بعد تینوں وطن پہنچے اور دعوت حق میں اپنا وقت صرف کرنے لگے، آدھا قبیلہ تو اسی وقت مسلمان ہو گیا اور آدھا ہجرت کے بعد مسلمان ہوا۔[2]

ہجرت و مواخاۃ...... آنحضرت ﷺ کی مدینہ کی تشریف آوری کے بعد بھی عرصہ تک ابوذرؓ بنی غفار میں رہے اور بدر، احد، خندق، وغیرہ کے غزوات ہونے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آئے، اسی بناء پر مواخاۃ میں اختلاف ہے، محمد بن اسحٰق راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ابوذرؓ اور منذر بن عمرو کے درمیان مواخاۃ کرائی تھی، لیکن واقدی کا قول ہے کہ ابوذر آیت میراث کے نزول کے بعد مدینہ آئے اور اس آیت کے بعد مواخاۃ کا طریقہ باقی نہ رہا تھا۔[3]

مدینہ کا قیام...... مدینہ کے قیام میں ان کا سارا وقت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گذرتا تھا اور ان کا محبوب مشغلہ آنحضرت ﷺ کی خدمت تھی، خود کہتے ہیں کہ میں پہلے آنحضرت ﷺ کی

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۳۸، ۳۳۹، و بخاری باب بنیان الکعبہ و مسلم ج ۲ فضائل ابی ذرؓ
[2] صحیح مسلم فضائل ابی ذرؓ و مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۱۷۴
[3] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۶۶

خدمت کرتا تھا، اس سے فراغت کے بعد پھر آکر مسجد میں آرام کرتا تھا۔[۱]

چونکہ ہجرت کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، اس لئے مہاجرین زیادہ تر اسی میں مشغول رہتے تھے، حضرت ابوذرؓ کی غزوات میں شرکت کی تفصیل نہیں ملی، صرف غزوۂ تبوک کی شرکت کا پتہ چلتا ہے، عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ تبوک کے لئے نکلے تو بہت سے لوگ بچھڑنے لگے (کیونکہ یہ قحط سالی کا زمانہ تھا) جب کوئی شخص بچھڑتا تو لوگ آنحضرت ﷺ کو بتاتے کہ یارسول اللہ: فلاں شخص نہیں آیا آپ فرماتے جانے دو، اگر اس کی نیت اچھی ہو تو عنقریب خدا اس کو تم سے ملا دے گا، ورنہ خدا نے اس کو تم سے چھڑا کر اس کی طرف سے راحت دیدی، یہاں تک کہ ابوذرؓ کا نام لیا گیا کہ وہ بھی بچھڑ گئے، واقعہ یہ تھا کہ ان کا اونٹ سست ہو گیا تھا، اس کو پہلے چلانے کی کوشش کی جب نہ چلا تو اس پر سے ساز وسامان اتار کر پیٹ پر لادا اور پا پیادہ آنحضرت ﷺ کے عقب سے روانہ ہو گئے اور اگلی منزل پر جا کر مل گئے، ایک شخص نے دور سے آتا دیکھ کر کہا یارسول اللہ: وہ راستہ پر کوئی شخص آرہا ہے، آپ نے فرمایا، ابوذرؓ ہوں گے لوگوں نے بغور دیکھ کر پہچانا اور عرض کیا، یارسول اللہ: خدا کی قسم ابوذرؓ ہیں آپ نے فرمایا، خدا ابوذر پر رحم کرے، وہ تنہا چلتے ہیں، تنہا مریں گے اور قیامت کے دن تنہا اٹھیں گے۔[۲]

آنحضرت ﷺ کی دوسری پیشن گوئی لفظ بہ لفظ پوری ہوئی، آئندہ واقعات میں اس کی تفصیل آئے گی، اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ قحط کے زمانہ میں بھی جب بہتوں کے ارادے متزلزل ہو گئے پیچھے نہ ہٹے اور اپنا سامان پیٹھ پر لاد کر پا پیادہ میدان جہاد میں پہنچے تو ان غزوات میں جن میں اس قسم کی دشواریاں نہ تھیں، یقیناً شریک ہوئے ہونگے پھر وہ آنحضرت ﷺ کے خدام میں تھے، اس لئے ان لڑائیوں میں جن میں آپ نے بہ نفس نفیس شرکت فرمائی ہو گی، ان میں ابوذرؓ بھی یقیناً ہمرکاب رہے ہوں گے خصوصاً جب کہ یہ معلوم ہے کہ ان کو جہاد کے ساتھ غیر معمولی شغف تھا،[۳] اس لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ جب تمام مسلمانوں کی تلواریں اپنے جوہر دکھا رہی ہوں اس وقت ان کی تلوار نیام میں رہی ہو فتح مکہ کے بعد جب اسلامی افواج کا مظاہرہ ہو رہا تھا، تو سب سے آگے ان ہی کے قبیلہ کا پرچم تھا۔

عہد شیخین...... حضرت ابوذرؓ فطرۃً فقیر منش، زہد پیشہ، تارک الدنیا اور عزلت پسند تھے، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ان کو "مسیح الاسلام" کا لقب دیا تھا، آنحضرت ﷺ کے بعد انہوں نے دنیا سے ہی قطع تعلق کر لیا، لیکن قیام دیار محبوب ہی میں رہا، وفات نبوی سے دل ٹوٹ چکا تھا، اس لئے عہد صدیقی میں کسی چیز میں کوئی حصہ نہیں لیا، حضرت ابوبکرؓ کی وفات نے اور بھی شکستہ خاطر

[۱] مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۷۴

[۲] مستدرک حاکم جلد ۳ تذکرہ ابوذر غفاریؓ

[۳] تذکرۃ الحفاظ جلد اص ۱۵

کر دیا، گلشن مدینہ ویرانہ نظر آنے لگا، اس لئے مدینہ چھوڑ کر شام کی غربت اختیار کر لی۔[1]

عہد عثمانی ...... اسلام کی اصل سادگی شیخین کے عہد تک قائم رہی، پھر جب فتوحات کی کثرت کے ساتھ مال و دولت کی فراوانی ہوئی تو قدرۃً سادگی کی جگہ تمدنی تکلفات شروع ہو گئے، چنانچہ عہد عثمانی میں ہی امراء میں شاہانہ شان و شوکت کی ابتداء ہو چکی تھی، ان کا اثر عام مسلمانوں پر بھی پڑا اور ان میں عہد نبوت کی سادگی کے بجائے عیش و تنعم کے تکلفات پیدا ہونے لگے، شام میں رومیوں کے اثر نے اس کو اور زیادہ فروغ دیا، دولت و ثروت نے خزانوں کی صورت اختیار کی جگہ جگہ قصر و ایوان بننے لگے، زرق برق پوشاکیں پہنی جانے لگیں، حضرت ابوذرؓ لوگوں میں وہی عہد نبوت کی سادگی چاہتے تھے اور اپنی طرح سب کے دلوں کو مال و دولت کی محبت سے خالی دیکھنا چاہتے تھے، ان کے متوکلانہ مذہب میں کل کے لئے آج اٹھا رکھنا جائز نہ تھا، ان کا عقیدہ یہ تھا کہ کسی مسلمان کو اس کا حق نہیں کہ وہ دوسروں کو بھوکا اور ننگا دیکھ کر اپنے لئے دولت کا خزانہ جمع کرے، حضرت امیر معاویہؓ وغیرہ امرائے شام یہ سمجھتے تھے کہ خدا نے اہل دولت پر زکوٰۃ کا جو فرض عائد کیا ہے، اس کو ادا کرنے کے بعد دولت جمع کرنے کا مسلمانوں کو اختیار ہے، اس اختلاف رائے نے بڑھتے بڑھتے نزاع کی صورت اختیار کر لی، حضرت ابوذرؓ نہایت بے باکی کے ساتھ ان امراء پر اعتراض کرتے تھے اور ان کے طمطراق، دولت و حشمت اور ساز و سامان پر نکتہ چینیاں کرتے تھے اور ان کے زائد از ضرورت دولت جمع کر لینے پر ان کو قرآن پاک کی اس آیت کا مورد ٹھہراتے تھے۔

والذین یکنزون الذھب و الفضۃ و لا ینفقونھا فی سبیل اللّٰہ فبشرھم بعذاب الیم (توبہ)

جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو

اس آیت پاک سے پہلے یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے، امیر معاویہؓ کہتے تھے کہ اس آیۃ کا تعلق بھی ان ہی لوگوں سے ہے، حضرت ابوذرؓ مسلمانوں اور غیر مسلم .... دونوں سے متعلق سمجھتے تھے، دوسرا اختلاف یہ تھا کہ حضرت ابوذرؓ خدا کی راہ میں نہ دینے کا مطلب یہ سمجھتے تھے کہ وہ اپنا کل مال راہ خدا میں نہیں دیتے اور امیر معاویہؓ وغیرہ کا خیال تھا کہ یہ حکم صرف زکوٰۃ کے متعلق ہے بہر حال حضرت ابوذرؓ نے اپنے خیال کے مطابق بڑی سختی سے طعن و تشنیع شروع کر دی، امیر معاویہؓ کو خیال پیدا ہوا کہ اگر یہ جذبہ یوں ہی بڑھتا رہا تو عجب نہیں کہ شام میں کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہو اس لئے انہوں نے حضرت عثمانؓ کو اس صورت حال کی اطلاع دی اور کہلا بھیجا کہ ان کو مدینہ بلا لیا جائے، حضرت عثمانؓ نے ان کو مدینہ بلا لیا اور ایک دن ان کے سامنے حضرت کعبؓ

[1] استیعاب جلد ۱ ص ۱۳

سے پوچھا کہ اس شخص کے بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے جو مال جمع کرتا ہے لیکن اس کی زکوٰۃ بھی دیتا ہے، اس کو خدا کی راہ میں بھی خرچ کرتا ہے، کعبؓ نے کہا ایسے شخص کے بارہ میں مجھ کو بھلائی کی امید ہے، یہ سن کر ابوذرؓ بگڑ گئے اور کعبؓ پر ڈنڈا اٹھا کر بولے یہودی عورت کے بچے تو اس کو کیا سمجھ سکتا ہے، قیامت کے دن ایسے شخص کے قلب تک کو بچھو ڈسیں گے۔[1] اس لئے حضرت عثمانؓ نے آخر میں مجبور ہو کر آپ سے کہا آپ میرے پاس رہیے، دودھ والی اونٹنیاں صبح شام دروازہ پر حاضر کی جائیں گی، لیکن اس بے نیاز نے جواب دیا کہ مجھ کو تمہاری دنیا کی مطلق ضرورت نہیں، یہ کہہ کر واپس چلے آئے

ربذہ کا قیام...... لیکن اب مدینہ بھی پہلا مدینہ باقی نہیں رہ گیا تھا، لوگ آ آ کر حضرت ابوذرؓ کو تعجب سے دیکھتے تھے، جہاں وہ جاتے ہر جگہ ہجوم ہو جاتا، اس سے حضرت ابوذرؓ کو تکلیف ہوتی مکہ کے قریب ربذہ نامی ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، حضرت عثمانؓ نے ان سے کہا، یا انہوں نے خود ربذہ میں قیام کرنے کی خواہش کی ہے۔[2] بہر حال اپنی بیوی کو لے کر ربذہ چلے گئے، یہاں کے لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا، اور بنو ثعلبہ کے شیخ اور اس کی بیوی نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے نہلایا، عراقیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے آ کر عرض کیا کہ اس شخص (عثمانؓ) نے آپ کے ساتھ ناروا سلوک کیا ہے، اگر آپ اس کے خلاف علم بلند کریں تو ہم لوگ آپ کی حمایت پر تیار ہیں، آپ نے فرمایا کہ مسلمانو! اس معاملہ میں تم دخل نہ دو، اپنے حاکم کو ذلیل نہ کرو، کیونکہ جس نے اپنے حاکم کو ذلیل کیا اس کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی، اگر عثمانؓ مجھ کو سولی پر بھی چڑھا دیتے تو مجھ کو عذر نہ ہوتا، اور میں اپنے میں اپنی بھلائی سمجھتا، اگر وہ ربذہ کے بجائے ایک افق سے دوسرے افق یا مشرق سے مغرب بھیج دیتے تب بھی میں سر تسلیم خم کر دیتا اور اسی میں اپنی اچھائی سمجھتا اور اگر وہ کہیں نہ بھیجتے اور مجھ کو میری قیام گاہ ہی میں لوٹا دیتے تو بھی مجھ کو کوئی عذر نہ ہوتا اور اس میں بھی میں اپنی سعادت سمجھتا۔[3]

وفات...... حضرت ابوذرؓ کی وفات کا واقعہ بھی نہایت حیرت انگیز ہے ۳۱ھ میں ربذہ کے ویرانہ میں وفات پائی ان کی حرم محترم وفات کے حالات بیان کرتی ہیں کہ جب ابوذرؓ کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو میں رونے لگی پوچھا کیوں روتی ہو؟ میں نے کہا کہ تم ایک صحرا میں سفر آخرت کر رہے ہو، یہاں میرے اور تمہارے استعمال کے کپڑوں کے علاوہ کوئی ایسا کپڑا نہیں ہے جو تمہارے کفن کے کام آئے، فرمایا رونا موقوف کرو، میں تم کو ایک خوشخبری سناتا ہوں، میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جس مسلمان کے دو یا تین لڑکے مر چکے ہوں وہ آگ سے بچانے کے لئے کافی ہیں، آپ نے چند آدمیوں کے سامنے جن میں ایک میں بھی تھا، یہ فرمایا کہ تم میں

---

[1] حلیۃ الاولیاء، ابو نعیم ج اول ص ۱۶۰
[2] ابن سعد جلد ۴ ق ا ص ۱۶۶ [3] طبقات جز ۴ قسم ا ص ۱۶۷

سے ایک شخص صحرا میں مرے گا اور اس کی موت کے وقت وہاں مسلمانوں کی ایک جماعت پہنچ جائے گی، میرے علاوہ ان میں سب آبادی میں مر چکے ہیں، اب صرف میں باقی رہ گیا ہوں، اس لئے وہ شخص یقیناً میں ہی ہوں اور میں بحلف کہتا ہوں کہ میں نے تم سے جھوٹ بیان نہیں کیا ہے اور نہ کہنے والے نے جھوٹ کہا ہے، اس لئے گذرگاہ پر جا کر دیکھو یہ غیبی امداد ضرور آتی ہوگی، میں نے کہا اب تو حجاج بھی واپس جا چکے اور راستہ بند ہو چکا فرمایا نہیں جا کر دیکھو، چنانچہ میں ایک طرف دوڑ کر ٹیلے پر چڑھ کر دیکھنے جاتی تھی اور دوسری طرف بھاگ کر ان کی تیمارداری کرتی تھی، اسی دوڑ دھوپ اور تلاش وانتظار کا سلسلہ جاری تھا کہ دور سے کچھ سوار آتے دکھائی دیئے، میں نے اشارہ کیا وہ لوگ نہایت تیزی سے آکر میرے پاس ٹھہر گئے اور ابوذرؓ کے متعلق دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے؟ میں نے کہا ابوذرؓ پوچھا آنحضرت ﷺ کے صحابی، میں نے کہا ہاں، وہ لوگ فدیة بابی و امی کہہ کر ابوذرؓ کے پاس گئے، پہلے ابوذرؓ نے آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی سنائی پھر وصیت کی کہ اگر میری بیوی یا میرے پاس کفن بھر کا کپڑا نکلے تو اسی کپڑے میں مجھ کو کفنانا اور قسم دلائی کہ تم میں سے جو شخص حکومت کا ادنیٰ عہدہ دار بھی ہو، وہ مجھ کو نہ کفنائے، اتفاق سے ایک انصاری نوجوان کے علاوہ ان میں سے ہر شخص کسی نہ کسی خدمت پر مامور رہ چکا تھا چنانچہ انصاری نے کہا کہ چچا میرے پاس ایک چادر ہے، اس کے علاوہ دو کپڑے اور ہیں جو خاص میری والدہ کے ہاتھ کے کتے ہوئے ہیں، انہیں میں آپ کو کفناؤں گا، فرمایا ہاں تم ہی کفنانا۔[1]

اس وصیت کے بعد وفات پائی، متعدد روایتوں کے باہم ملانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ یمنی تھے اور کوفہ سے آرہے تھے ان ہی کے ساتھ مشہور صحابی عبداللہؓ بن مسعود بھی تھے، جو عراق جارہے تھے، بہرحال اس انصاری نوجوان نے ان کو کفنایا اور عبداللہ بن مسعودؓ نے نماز جنازہ پڑھائی[2] اور پھر سب نے مل کر اسی صحرا کے ایک گوشہ میں ان کو پیوند خاک کیا۔

حلیہ...... قد دراز، رنگ سیاہی مائل، داڑھی گھنی، سر اور داڑھی دونوں کے بال سفید۔[3]

ترکہ...... فقیروں کے کلبۂ احزان میں کیا تھا، صرف تین گدھے، دو مادہ ایک نر، چند بکریاں، کچھ سواریاں، یہ ساری کائنات تھی۔

فضل وکمال...... حضرت ابوذرؓ خدمت نبویؐ کے بڑے حاضر باش تھے، ہر وقت آپ کی خدمت میں رہتے اور آپ سے استفادہ اور تحصیل علم میں بڑے حریص تھے اور ہر چیز کے متعلق سوالات کیا کرتے تھے، چنانچہ تمام اصول وفروع، ایمان اور احسان، رویت باری، خدا کے نزدیک پسندیدہ کلمات، لیلۃ القدر وغیرہ ہر چیز، حتی کہ نماز میں کنکری چھونے تک کے بارہ

۱؎ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۴۵ مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۶۶۔
۲؎ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۴۶
۳؎ ابن سعد جزء ۴ قسم اول ص ۱۶۹۔

میں پوچھا،[1] اسی ذوق وشوق اور تلاش وجستجو نے آپ کو علم کا دریا بنادیا تھا، حضرت علی جو علم وعمل کے مجمع البحرین تھے، فرماتے تھے کہ "ابوذرؓ نے اتنا علم محفوظ کرلیا ہے کہ لوگ اس کے حاصل کرنے سے عاجز تھے، اور اس تھیلی کو اس طرح سے بند کردیا کہ اس میں کچھ بھی کم نہ ہوا۔[2] حضرت عمرؓ جیسے صاحب کمال آپ کو علم میں عبداللہ بن مسعودؓ کے برابر سمجھتے تھے،[3] جو اپنی وسعت علم کے لحاظ سے حبر الامۃ کہلاتے تھے

حدیث ...... کلام حبیب ہونے کی حیثیت سے قدرۃ آپ کو حدیث سے خاص ذوق تھا، آپ کی مرویات کی تعداد ۲۸۱ ہے، ان میں ۱۲ متفق علیہ ہیں اور ۲ میں بخاری اور ۷ میں مسلم منفرد ہیں[4] یہ تعداد حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ کی مرویات کے مقابلہ میں بہت کم ہے، اس کا بڑا سبب تھا کہ حضرت ابوذرؓ خاموش تنہائی پسند اور کم آمیز تھے، اس لئے ان کے علم کی اشاعت نہ ہوسکی، ورنہ صحابہ میں انس بن مالکؓ اور عبداللہ بن عباسؓ جیسے بزرگ ان سے استفادہ کرتے تھے، عبداللہ بن صامت، زید بن ذبیان، عبداللہ بن شقیق، عمرو بن میمون عبداللہ بن غنم، قیس بن عباد، مرثد بن مالک بن زبید وغیرہم نے ان سے روایتیں کی ہیں۔[5]

افتا میں صداقت ...... آنحضرت ﷺ کے بعد مدینہ میں جو جماعت صاحب علم وافتا تھی، اس میں ان کا نام نامی بھی تھا،[6] مگر ان کے فتاوی کی تعداد بہت کم ہے فتوی میں وہ کسی کے مطلق رورعایت نہ کرتے تھے اور بلا کسی خوف وہراس کے جو سچی بات ہوتی وہ کہتے تھے، عہد عثانی میں بعض محصلین صدقہ وصول کرنے میں زیادتی کرتے تھے، ایک شخص نے آکر کہا ان سے فتوی پوچھا کہ "عثمان کے محصلوں نے صدقہ میں اضافہ کردیا ہے ایسی حالت میں کیا ہم بقدر زیادتی مال چھپا سکتے ہیں؟" فرمایا نہیں ان سے کہو کہ جو واجبی ہو اس کو لے لیں اور جو ناجائز ہو، اسکو واپس کردیں، اگر اس کے بعد بھی وہ زیادہ لیں تو قیامت کے دن وہ زیادتی تمہاری میزان میں کام آئے گی، ان کا یہ فتوی ایک قریشی نوجوان کھڑا سن رہا تھا، وہ بولا آپ کیوں فتوی دیتے ہیں؟ کیا آپ کو امیر المؤمنین نے فتوی دینے سے منع نہیں کیا ہے؟ فرمایا کیا تم میرے نگہبان ہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم میری گردن پر تلوار بھی رکھ دو اور مجھ کو یقین ہوجائے کہ گردن کٹنے کے قبل جو کچھ آنحضرت ﷺ سے سنا ہے سنا سکوں گا تو یقیناً سنادوں گا۔[7]

اخلاق وعادات ...... حضرت ابوذرؓ ان محرمان خاص میں تھے، جن کو بارگاہ نبوت میں

---

[1] حلیۃ الاولیا، ابونعیم ص ۱۶۹،
[2] استیعاب جلد ۲ ص ۶۶۵ وتذکرۃ الحفاظ ترجمہ ابوذرؓ
[3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۵ [4] التہذیب الکمال ص ۴۴۹،
[5] تفصیل کے لئے دیکھو تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۹۰
[6] اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۱۳ [7] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۶

خاص تقرب حاصل تھا، اس لئے آپ کے ہر فعل وعمل پر خلق نبویؐ بہت گہرا پرتو پڑا تھا، صحابہ کرام میں دو قسم کے لوگ تھے، ایک وہ جنہوں نے دین ودنیا دونوں کو پوری طرح حاصل کیا، دوسرے وہ جنہوں نے دنیا کو ٹھکرا دیا، اور محض آخرت کی نعمتوں پر قناعت کی، حضرت ابوذرؓ اسی دوسری صنف میں تھے، وہ زہد وورع، حق گوئی وحق پرستی، توکل وقناعت، استغنا، وبے نیازی میں تمام صحابہ سے ممتاز تھے، یہ وقت تھا جب قیصر وکسریٰ کے خزانے دارالخلافہ میں لدے چلے آرہے تھے، جگہ جگہ قصر وایوان بن رہے تھے، عیش وتنعم کے سامان ہورہے تھے مگر ان میں سے کوئی چیز بھی رضوان الٰہی کے اس طالب کو اپنی طرف متوجہ نہ کرسکی، زروجواہر کے ڈھیر ان کی نگاہ میں خزف ریزوں سے زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے، زرنقد کبھی جمع نہیں کیا، ضرورت سے جو فاضل بچتا، اس کو اسی وقت خرچ کردیتے تھے، چار ہزار وظیفہ مقرر تھا، جب وہ ملتا تو خادم کو بلاتے اور ایک سال کے اخراجات کا اندازہ لگا کر چیزیں خرید لیتے اس سے جتنی رقم فاضل بچتی اس کو لوگوں میں تقسیم کردیتے اور فرماتے کہ جو شخص سونا چاندی تھیلوں میں محفوظ رکھتا ہے، وہ گویا انگارے رکھتا ہے۔[1] یہ بھی فرماتے تھے کہ میرے دوست ﷺ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ جو شخص بھی سونا چاندی تھیلوں میں محفوظ کرتا ہے وہ جب تک اس کو خدا کی راہ میں نہ خرچ کردے، اس کے لئے آگ کا انگارہ رہے گا۔[2] اس پر نہ صرف خود عامل تھے، بلکہ چاہتے تھے کہ دنیا اسی رنگ میں رنگ جائے اور اس عقیدے میں یہاں تک متشدد تھے کہ بڑے لوگوں سے ملنا تک گوارا نہ کرتے، ابوموسیٰ اشعریؓ جو بڑے رتبہ کے صحابی اور مرتبہ میں آپ سے کم نہ تھے، جب عراق کی گورنری کے زمانہ میں ان سے ملے تو قدیم تعلقات کی بناء پر ان سے چمٹ گئے، انہوں نے کہا "دور رہو۔" وہ بھائی بھائی کہہ کر لپکتے تھے، اور وہ ہمیشہ کہہ کر ہٹاتے تھے کہ تم اس عہدہ کے بعد میرے بھائی نہیں رہے، اس کے بعد پھر ابوموسیٰؓ ملے تو پھر محبت کے جذبہ سے مجبور ہوکر بھائی بھائی کہہ کر دوڑے، حضرت ابوذرؓ کا پھر وہی جواب تھا، "ابھی دور رہو"۔ اس کے بعد سوالات شروع کیے کہ تم لوگوں کے عامل بنائے گئے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں: پوچھا تم نے بڑی عمارت تو نہیں بنائی؟ زراعت تو نہیں کرتے؟ گلے تو نہیں رکھتے؟ انہوں نے کہا نہیں: بولے ہاں اب تم میرے بھائی ہو۔[3]

ایک مرتبہ ابوذرؓ حضرت ابودرداء انصاریؓ کے پاس سے گذرے تو دیکھا کہ ابودرداءؓ گھر بنوا رہے ہیں، یہ دیکھ کر کہا، ابودرداء تم لوگوں کی گردنوں پر پتھر اٹھواتے ہو؟ ابودرداءؓ نے جواب دیا کہ نہیں، گھر بنوا رہا ہوں، ابوذرؓ نے پھر وہی فقرہ دہرایا، حضرت ابودرداء نے کہا برادرم شاید اس سے آپ کو کچھ ناگواری پیدا ہوگئی ہے، حضرت ابوذرؓ نے فرمایا، اگر میں تم کو اس کے بجائے تمہارے گھر کے پاخانہ میں بھی دیکھتا تو اس کے مقابلہ میں زیادہ پسند کرتا۔[4]

---

[1] ابن سعد جزء ۴ قسم اص ۱۶۹
[2] حلیۃ الاولیاء ابونعیم ج اول ص ۱۶۳،
[3] ابن سعد جزء ۴ قسم اص ۱۶۹،
[4] حلیۃ الاولیاء ابونعیم ج اول ص ۱۶۳

سادگی...... اس فقیرانہ زندگی کے باعث ان کی زندگی بالکل سادہ تھی اوران چند چیزوں کے علاوہ ایک جاندار کی زندگی کے لئے ناگزیر ہیں، کبھی کوئی ساز و سامان نہیں رکھا، ابی مروان نے ان کو ایک پشمینہ کی چادر باندھے نماز پڑھتے دیکھا تو پوچھا ابوذرؓ کیا اس چادر کے علاوہ تمہارے پاس اور کوئی کپڑا نہیں ہے؟ فرمایا اگر اور کوئی کپڑا ہوتا تو میرے پاس دیکھتے انہوں نے کہا کچھ دن ہوئے تمہارے پاس دو کپڑے تھے، فرمایا ہاں، مگر وہ دونوں اپنے سے زیادہ حاجتمند کو دیدیے، انہوں نے کہا تم کو خود اس کی حاجت تھی، فرمایا خدا تم کو معاف کرے، تم دنیا کو بڑھانا چاہتے ہو، تم کو نظر نہیں آتا کہ ایک چادر میں باندھے ہوئے ہوں دوسری مسجد کے لئے ہے، میری پاس کچھ بکریاں ہیں جن کا دودھ پیتا ہوں، کچھ خچر ہیں جو بار برداری کے کام آتے ہیں، ایک خادم کھانا پکا کر کھلا دیتا ہے، اس سے زیادہ اور کیا نعمتیں درکار ہیں؟[1]

عبداللہ بن خراش کا بیان ہے کہ میں نے زبذہ ابوذرؓ کو دیکھا وہ سایہ میں ایک صوف کے نمدے پر بیٹھے تھے، ان کی بیوی بڑی سیاہ فام تھیں، ان سے ایک شخص نے کہا کہ آپ کی کوئی اولاد زندہ نہیں رہی، انہوں نے جواب دیا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے اس دارالفنا میں اولاد کو لے کر دارالبقا میں اس کو ذخیرہ آخرت بنایا، لوگوں نے کہا کہ کاش آپ کوئی دوسری بیوی کر لیتے، انہوں نے جواب دیا کہ اسی عورت سے شادی کرنا مجھے زیادہ پسند ہے جو مجھ میں تواضع پیدا کرے، بہ نسبت اسکے جو مجھ میں ترفع پیدا کرے۔[2]

حضرت جعفر بن زبرقان کہتے ہیں کہ مجھ سے غالب بن عبدالرحمن بیان کرتے ہیں کہ میں ایک شخص سے ملا جو ابوذرؓ کے ساتھ بیت المقدس میں نماز پڑھتا تھا، وہ کہتا تھا کہ اگر حضرت ابوذرؓ کا پورا اثاث البیت جمع کیا جاتا تو بھی اس شخص (ایک شخص کی طرف اشارہ کرکے) کی چادر کی قیمت کے برابر نہ نکلتا، جعفر نے اس کو مہران بن میمون سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ میرے خیال میں ان کا کل اثاثہ دو درہم سے زیادہ کا نہ تھا۔[3]

لوگ ان کی خدمت کرنا چاہتے تھے، مگر وہ اسکو قبول نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ حبیب ابن مسلمہ فہیر والی شام نے ان کی خدمت میں تین سو اشرفیاں بھیجیں کہ وہ ان کو اپنی ضروریات میں صرف کریں، انہوں نے اسی وقت واپس کرا دیا اور کہا کہ کیا ان کو میرے علاوہ کوئی دوسرا شخص خدا کے معاملہ میں دھوکہ کھانے والا نہیں ملا، ہم کو صرف چھپانے کے لئے سایہ دودھ پینے کے لئے بکریاں اور خدمت کے لئے ایک لونڈی چاہیے، اس کے ماسوا جو کچھ ہوگا وہ زائد از ضرورت ہے۔[4]

آپ فرماتے تھے کہ لوگ موت کے لئے پیدا ہوتے ہیں، ویران ہونے کے لئے آبادیاں بساتے ہیں، فنا ہونے والی چیزوں کی حرص و طمع کرتے ہیں اور باقی اور پائندہ چیزوں کو چھوڑ

---

[1] ابن سعد جزء ۴ قسم اص ۱۶۳
[2] حلیۃ الاولیاء ابونعیم جلد اول ص ۱۶۳
[3] ابن سعد جزء ۴ قسم اص ۱۷۰
[4] حلیۃ الاولیاء ابونعیم ج اص ۱۶۲

دیتے ہیں، دو ناپسندیدہ چیزیں موت اور فقر میرے لئے کس قدر خوش آیند ہیں۔[1]

زہد وتقوی۔۔۔۔۔ان کی زندگی شروع سے آخر تک سرتاپا زہد وتقوی تھی، جس پہلو پر نظر ڈالی جائے زہد وتقوی کا عجیب وغریب نمونہ نظر آئے گا، اس فقیرانہ زندگی کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ "میری امت میں سے ابوذر میں عیسی بن مریم جیسا زہد ہے"[2] یہی زہد کی زندگی آخر دم تک قائم رہی، آنحضرت ﷺ کے بعد عہد نبوت کے بعد سے لوگوں میں بہت کچھ تبدیلی پیدا ہوگئی تھی، لیکن حضرت ابوذر غفاری شروع سے اخیر تک ایک رنگ پر قائم رہے۔[3]

جب عہد رسالت کا مقدس دور ختم ہوا اور لوگ دنیا سے ملوث ہونے لگے تو تنہا نشینی اختیار کرلی، عمران بن حطان راوی ہیں کہ میں ایک مرتبہ ابوذرؓ کے پاس گیا، وہ مسجد میں تنہا بیٹھے ہوئے تھے، میں نے کہا ابوذر تنہائی کیوں اختیار کرلی؟ فرمایا میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ تنہائی برے ہمنشین سے بہتر ہے،[4] اسی وجہ سے وہ دنیا سے بہت دور بھاگتے تھے، ابی اسماء رجی راوی ہیں کہ میں ابوذرؓ کے پاس ربذہ گیا ان کی بیوی کو سخت خستہ حال دیکھ کر فرمانے لگے کہ یہ عورت مجھ سے کہتی ہے کہ عراق جاؤ، اگر میں عراق جاؤں تو عراق والے میرے سامنے دنیا پیش کریں گے اور میرے دوست آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا ہے کہ "جہنم کے پل کے سامنے پیر پھسلانے والا راستہ ہے، اور تم لوگوں کو اس پر سے گذرنا ہے" اس لئے بوجھ کی گرانباری سے ہلکا رہنا چاہیے۔[5]

فرمان رسول ﷺ کا پاس۔۔۔۔۔حضرت ابوذر ارشاد نبوی کو ہر لحظہ پیش نظر رکھتے تھے اور اس سے سرمو تجاوز نہ کرتے تھے، بات بات میں فرماتے تھے کہ عھد لی خلیلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا سمعت خلیلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میرے دوست رسول ﷺ نے مجھ سے یہ وعدہ لیا ہے یا میں نے اپنے دوست ﷺ کو یہ کہتے سنا، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے امارت کی خواہش ظاہر کی، آپ نے فرمایا، تم ناتواں ہو اور امارت ایسا بار امانت ہے کہ اگر اس کے حقوق کی پوری نگہداشت نہ کی جائے تو آخرت میں اس کے لئے رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہے،[6] اس فرمان کے بعد پھر انہوں نے کبھی امارت کی خواہش نہیں کی، ان کی خدمت میں کسی نے دو چادریں پیش کیں، انہوں نے ایک کا ازار بنایا اور ایک چھوٹی کملی اوڑھ لی اور دوسری چادر غلام کو دیدی، گھر سے نکلے تو لوگوں نے کہا کہ اگر آپ دونوں چادریں خود استعمال کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا، فرمایا یہ صحیح ہے، لیکن میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ "جو تم کھاتے پہنتے ہو وہی اپنے غلاموں کو بھی کھلاؤ پہناؤ"،

---

[1] ایضاً ص ۱۶۳۔ ابن سعد القسم ج ۴ ص ۱۸۷ و استیعاب تذکرہ ابوذر

[2] اصابہ ج ۷ ص ۶۳۔

[3] مستدرک ج ۳ ص ۳۴۳

[4] ابن سعد جزء ۴ ق ۱ ص ۱۷۲

[5] ایضاً ص ۱۰

[6] ایضاً ص ۱۷۰

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جب تمہارے اوپر ایسے امراء حکمران ہوں گے جو اپنا حصہ زیادہ لیں گے، اس وقت تم کیا کرو گے؟ "عرض کی تلوار سے کام لوں گا"، فرمایا "میں تم کو اس سے بہتر مشورہ دیتا ہو، اس وقت صبر کرنا، یہاں تک کہ مجھ سے مل جاؤ"۔[1] اس مشورہ پر انہوں نے ایسی سختی سے عمل کیا کہ جب وہ زمانہ آیا تو گوشہ نشینی اختیار کر لی، اور کسی چیز میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

ایک مرتبہ وہ مسجد میں لیٹے تھے کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور فرمایا ابوذرؓ: جب تم اس سے نکالے جاؤ گے تو کیا کرو گے "عرض کی مسجد نبویؐ یا اپنے گھر چلا جاؤں گا"۔ اگر اس سے بھی نکالے گئے تو کیا طریقہ کرو گے؟ عرض کی "تلوار نکالوں گا" آنحضرت ﷺ نے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ فرمایا کہ ابوذرؓ! خدا تمہاری مغفرت کرے، تلوار نہ نکالنا بلکہ جہاں وہ لے جانا چاہیں چلے جانا چنانچہ جب ربذہ میں رہنے کا حکم ملا تو اسی فرمان کے مطابق بلا کسی عذر کے چلے گئے اور وہاں حبشی غلام کے پیچھے نماز پڑھی، ہر چند اس نے آپ کو بڑھانا چاہا مگر آپ نے جواب دیا کہ میں آنحضرت ﷺ کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔[2]

حب رسول ﷺ ...... حضرت ابوذرؓ کو ذات نبویؐ کے ساتھ جو شیفتگی تھی، اس کا اظہار لفظوں میں نہیں ہوسکتا، ایک مرتبہ آپ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا، یارسول اللہ! آدمی کسی ایک جماعت سے محبت کرتا ہے، لیکن اس کے جیسے اعمال کی طاقت نہیں رکھتا، آپؐ نے فرمایا "ابوذرؓ تم جس شخص سے محبت کرتے ہو اسی کے ساتھ ہو، عرض کیا میں خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں، فرمایا کہ تم یقیناً اسی کے ساتھ ہو، جس سے محبت کرتے ہو۔[3]

آنحضرت ﷺ کے بعد جب آپکا نام زبان پر آجاتا تو آنسوؤں کا دریا امنڈ آتا، حضرت احنف بن قیس روایت کرتے ہیں کہ میں نے بیت المقدس میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ مسلسل سجدے کر رہا ہے، جس سے میرے دل پر ایک خاص اثر ہوا، جب میں دوبارہ لوٹ کر گیا تو پوچھا کہ آپ بتا سکتے ہیں کہ میں نے جفت نماز پڑھی یا طاق، اس نے کہا اگر میں لاعلم ہوں تو خدا ضرور جانتا ہے، اس کے بعد کہا کہ "میرے دوست ابوالقاسم ﷺ نے مجھ کو خبر دی ہے، "صرف اس قدر زبان سے نکلا تھا کہ رونے لگے، پھر کہا کہ میرے دوست ابوالقاسم ﷺ نے مجھ کو خبر دی ہے"۔ ابھی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ پھر آنسو امنڈ آئے، آخر میں سنبھل کر کہا کہ "میرے دوست ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو بندہ خدا کو سجدہ کرتا ہے، خدا اس کا ایک درجہ بلند کر کے اس کی بدی کو مٹا کر نیکی لکھتا ہے"، میں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ فرمایا "ابوذر رسول اللہ ﷺ کا صحابی، یہ سن کر میں اپنی تقصیر پر بہت نادم ہوا۔[4]

بارگاہ نبوی میں پذیرائی ...... حریم نبوت میں ان کی یہ نیازمندیاں بہت مقبول تھیں، جب

---

[1] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۶۶　[2] مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۱۴۴ و ابن سعد

[3] ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۱۲　[4] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۶۴

یہ مجلس میں موجود ہوتے تو سب سے پہلے ان ہی کو تخاطب کا شرف حاصل ہوتا اور اگر موجود نہ ہوتے تو تلاش ہوتی، جب ملاقات ہوتی تو آنحضرت ﷺ مصافحہ فرماتے۔[1]

یہ محبت و یگانگت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ آنحضرت ﷺ اپنے اسرار تک ان سے نہ چھپاتے تھے اور راز داری کا پوری طرح فرض ادا کرتے تھے ایک مرتبہ ان سے کسی نے کہا کہ میں آنحضرت ﷺ کی بعض باتیں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں، فرمایا، "اگر آپ کا کوئی راز ہوگا تو نہ بتاؤں گا"۔[2]

یہی یگانگت آنحضرت ﷺ کے آخری لمحہ حیات تک قائم رہی، چنانچہ مرض الموت میں آپ نے ان کو بلوا بھیجا، یہ جب حاضر خدمت ہوئے، اس وقت آنحضرت ﷺ لیٹے ہوئے تھے، حضرت ابوذرؓ آپ کے اوپر جھک گئے اور محبوب عالم نے ہاتھ بڑھا کر چمٹا لیا،[3] نہ معلوم یہ نگاہ واپسیں کیا کام کر گئی کہ آخر دم تک وارفتگی کا عالم طاری رہا۔

آنحضرت ﷺ جو چیز اپنے لئے پسند فرماتے تھے وہی حضرت ابوذرؓ کے لئے بھی پسند فرماتے کہ یہی آئین محبت ہے، ایک مرتبہ انہوں نے امارت کی خواہش کی آپ نے فرمایا کہ "ابوذرؓ تم ناتواں ہو اور میں تمہارے لئے وہی چیز پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں"۔[4]

خلیفہ کی اطاعت...... اگرچہ حضرت ابوذرؓ حق پسند طبیعت رکھتے تھے، پھر بھی اختلاف امت کے خیال سے کسی چیز میں خلیفہ وقت کے حکم سے سرتابی نہ کرتے تھے اوپر گذر چکا ہے کہ ربذہ کے قیام کے زمانہ میں عراقیوں کی خواہش کے باوجود حضرت عثمانؓ کی مخالفت پر آمادہ نہ ہوئے اور فرمایا کہ اگر مجھ پر حبشی بھی امیر بنایا جائے تو بھی اس کی اطاعت کروں گا اور اس کو عملاً کرکے دکھایا، چنانچہ جب وہ ربذہ جا کر مقیم ہوئے تو اتفاق سے اس وقت یہاں کا امیر ایک حبشی تھا جب ابوذرؓ پہنچے اور نماز کے وقت جماعت کھڑی ہوئی تو وہاں کے ادب کے خیال سے پیچھے ہٹ گیا، انہوں نے فرمایا "تم ہی نماز پڑھاؤ، تم حبشی غلام ہو، لیکن مجھ کو حکم ملا ہے کہ خواہ حبشی ہی امیر کیوں نہ ہو، مگر اس کی اطاعت کرنا"، خلیفہ وقت کا عمل خواہ ان کے نزدیک غلط ہی کیوں نہ ہوتا، اس کی مخالفت نہ کرتے تھے، بلکہ خود بھی وہی کرتے، حضرت عثمانؓ خلافت میں حج کو گئے، کسی نے آکر اطلاع دی کہ منیٰ میں حضرت عثمانؓ نے چار رکعتیں نماز پڑھیں، آپ کو بہت ناگوار ہوا اور درشت الفاظ استعمال کرکے فرمایا کہ میں نے رسول ﷺ، ابوبکرؓ اور عمرؓ کے ساتھ نماز پڑھی ہے، یہ سب دو رکعت پڑھتے تھے، اس کے بعد انہوں نے امامت کی، مگر خود بھی چار رکعتیں پڑھائیں، لوگوں نے کہا آپ نے تو امیر المؤمنین پر اعتراض کیا، لیکن خود بھی چار رکعتیں پڑھائیں فرمایا کہ اختلاف بری چیز ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد امراء ہوں گے، ان کی تذلیل نہ کرنا اور جو شخص ان

---

[1] اصابہ جلد ۵ ص ۶۳، [2] مسند احمد ابن حنبل ج ۵ ص ۱۶۲،
[3] ایضاً [4] ابن سعد جزء ہشتم اول ص ۱۷۰

کی تذلیل کا ارادہ کرے گا، اس نے گویا اسلام کی جبل متین اپنی گردن سے نکال دی اور توبہ کا دروازہ اپنے لئے بند کر لیا۔[1] لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ آپ امراء و خلفاء کی تمام جا بیجا باتوں کو مان لیتے تھے، امیر معاویہؓ کی لغزشوں پر نہایت سختی سے نکتہ چینی کرتے تھے، بلکہ برا بھلا تک کہتے تھے۔

حق گوئی...... خدا کے معاملہ میں لومۃ الائم کی مطلق پروانہ کرتے تھے، حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ آج میرے اور ابوذرؓ کے علاوہ کوئی ایسا شخص باقی نہیں ہے جو خدا کے معاملہ میں لومۃ الائم کا خوف نہ کرتا ہو۔[2] ان کی حق گوئی کی شہادت خود زبان الہام نے دی ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ابوذرؓ سے زیادہ سچا کوئی نہیں ہے۔[3]

فیاضی و سیر چشمی...... اس حقیر دنیا کا لازمی نتیجہ سیر چشمی اور فیاضی تھا، ان کو سالانہ وظیفہ کافی ملتا تھا، لیکن ان محدود ضروریات کے علاوہ جس قدر بچتا تھا لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے، اگر کوئی کہتا کہ اس کو رکھ لیجئے، آپ کے اور آپ کے مہمانوں کے کام آئے گا تو فرماتے تھے کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص سونا چاندی جمع کرتا ہے، وہ گویا انگارے جمع کرتا ہے، جب تک اس کو راستہ خدا میں صرف نہ کر دے۔[4]

مہمان نوازی اور حق جوار...... آپکی غذا زیادہ تر بکریوں کا دودھ تھا، لیکن اس میں بھی مہمانوں اور پڑوسیوں کو شریک کرتے تھے، عمیلہ فزاری روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے ایک شخص اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتا تھا کہ ابوذرؓ دودھ دھو کر پہلے مہمانوں اور پڑوسیوں کو پلاتے تھے ایک مرتبہ دودھ اور کھجوریں لے کر پڑوسیوں اور مہمانوں کے سامنے پیش کر کے معذرت کرنے لگے کہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، اگر ہوتا تو پیش کرتا، چنانچہ جو کچھ تھا سب دوسروں کو کھلا دیا، اور خود بھوکے رہے۔[5]

خوش اخلاقی...... عموماً زہاد اور متقشفین کے مزاج میں ایک طرح کی خشکی ہوتی ہے لیکن مسیح الامہ کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی، ان کا اخلاق بدویوں تک کو مسحور کر لیتا تھا، ایک بدوی کا بیان ہے کہ میں ابوذرؓ کے ساتھ رہا ہوں، ان کی تمام اخلاقی خوبیاں تعجب انگیز تھیں۔[6]

وہ جن اخلاقی اصول پر عمل پیرا تھے ان کو خود سناتے تھے کہ "میرے دوست نے مجھے سات وصیتیں کی ہیں، مسکین کی محبت اور اس سے ملنا جلنا، اپنے سے کمتر کو دیکھنا اور بلند تر کو نہ دیکھنا، کسی سے سوال نہ کرنا، صلہ رحمی کرنا، حق بولنا، خواہ تلخ ہی کیوں نہ ہو، خدا کے معاملہ میں کسی کی ملامت کا خوف نہ کرنا، **لا حول ولا قوۃ** کا ورد کثرت سے کرنا۔[7]

---

[1] احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۶۵ [2] تذکرۃ الحفاظ تذکرہ ابوذرؓ
[3] ترمذی میں مناقب ابی ذرؓ، [4] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۵۶،
[5] ابن سعد قسم ۱ ص ۱۷۱ [6] ایضاً ص ۱۷۴ [7] ابن سعد ج ۴ قسم ۱ ص ۱۶۸

حضرت سلمان فارسیؓ

نام ونسب...... نسبی تعلق اصفہان کے آب الملک کے خاندان سے تھا، مجوسی نام مابہ تھا، اسلام کے بعد سلمان رکھا گیا اور بارگاہ نبوت سے سلمان الخیر لقب ملا، ابوعبداللہ کنیت ہے سلسلۂ نسب یہ ہے، مابہ ابن بوذخشان بن مورسلان بن بہبوذان بن فیروز بن سہرک۔

قبل اسلام...... آپ کے والد اصفہان کے "جی" نامی قریہ کے باشندہ اور وہاں کے زمیندار وکاشت کار تھے، ان کو حضرت سلمانؓ سے اس قدر محبت تھی کہ ان کو لڑکیوں کی طرح گھر کی چار دیواری سے نکلنے نہ دیتے تھے، آتشکدہ کی دیکھ بھال انہی کے متعلق کر رکھی تھی، چوں کہ مذہبی جذبہ ان میں ابتداء سے تھا، اس لئے جب تک آتش پرست رہے اس وقت تک آتش پرستی میں سخت غلو رہا، اور نہایت سخت مجاہدات کیے، شب وروز آگ کی نگرانی میں مشغول رہتے تھے، حتی کہ ان کا شمار ان پجاریوں میں ہو گیا تھا، جو کسی وقت آگ کو بجھنے نہیں دیتے ہیں۔

مجوسیت سے نفرت اور عیسائیت کا میلان...... ان کے والد کا ذریعہ معاش زمین تھی، اس لئے زراعت کی نگرانی وہ بذات خود کرتے تھے ، ایک دن وہ گھر کی مرمت میں مشغولیت کی وجہ سے کھیت خود نہ جا سکا اور اس کی دیکھ بھال کے لئے حضرت سلمان کو بھیج دیا، انکو راستہ میں ایک گرجا ملا، اس وقت اس میں عبادت ہو رہی تھی، نماز کی آواز سن کر دیکھنے کے لئے گرجے میں چلے گئے نماز کے نظارہ سے ان کے دل پر خاص اثر ہوا، اور مزید حالات کی جستجو ہوئی اور عیسائیوں کا طریقہ عبادت اس قدر بھایا کہ بیساختہ زبان سے نکل گیا کہ "یہ مذہب ہمارے مذہب سے بہتر ہے" چنانچہ کھیتوں کا خیال چھوڑ کر اسی میں محو ہو گے، عبادت ختم ہونے کے بعد عیسائیوں سے پوچھا کہ اس مذہب کا سرچشمہ کہاں ہے، انہوں نے کہا شام میں پتہ پوچھ کر گھر واپس آئے باپ نے پوچھا اب تک کہاں رہے، جواب دیا "کچھ لوگ گرجے میں عبادت کر رہے تھے مجھ کو ان کا طریقہ ایسا بھلا معلوم ہوا کہ غروب آفتاب تک وہیں رہا"، باپ نے کہا 'وہ مذہب تمہارے مذہب کا پاسنگ بھی نہیں' جواب دیا "بخدا وہ مذہب ہمارے مذہب سے کہیں برتر ہے۔" اس جواب سے ان کے باپ کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں یہ خیال تبدیل مذہب کی صورت میں نہ ظاہر ہو، اس لئے بیڑیاں پہنا کر مقید کر دیا، مگر ان کے دل میں تلاش حق کی تڑپ تھی، اس لئے عیسائیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ جب شام کے تاجر آئیں تو مجھ کو اطلاع دینا، چنانچہ جب وہ آئے تو ان کو خبر کر دی، انہوں نے کہا جب واپس ہوں تو مجھ کو بتانا، چنانچہ جب

کاروان تجارت لوٹنے لگا تو ان کو خبر کی گئی، یہ بیڑیوں کی قید سے نکل کر ان کے ساتھ ہو گئے، شام پہنچ کر دریافت کیا کہ یہاں سب سے بڑا مذہبی شخص کون ہے؟ لوگوں نے بشپ کا پتہ دیا، اس سے جا کر کہا ''مجھ کو تمہارا مذہب بہت پسند ہے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس رہ کر مذہبی تعلیم حاصل کروں، اور مجھ کو اس مذہب میں داخل کرلو''۔

تبدیل مذہب...... چنانچہ مجوسیت کے آتشکدہ سے نکل کر'' آسمانی بادشاہت'' کی پناہ میں آگئے، مگر یہ بشپ بڑا بد اعمال اور بد اخلاق تھا، لوگوں کو صدقہ کرنے کی تلقین کرتا، جب وہ دیتے تو اس کو فقراء اور مساکین میں تقسیم کرنے کے بجائے خود لے لیتا، اس طریقہ سے اس کے پاس سونے اور چاندی کے سات مٹکے جمع ہو گئے، حضرت سلمانؓ اس کی حرص و آز کو دیکھ دیکھ کر پیچ و تاب کھاتے تھے، مگر زبان سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے، اتفاق سے وہ مر گیا، عیسائی شان و شوکت کے ساتھ اس کو تجہیز و تکفین کرنے کو جمع ہوئے، اس وقت انہوں نے اس کا سارا اعمال نامہ ان لوگوں کے سامنے کھول کر رکھ دیا، لوگوں نے پوچھا، تم کو کیسے معلوم ہوا؟ انہوں نے ان کو لے جا کر اس اندوختہ خزانہ کے پاس کھڑا کر دیا، تلاشی لی گئی تو واقعی سات مٹکے سونے چاندی سے بھرے ہوئے برآمد ہوئے، عیسائیوں نے اسکی سزا میں نعش دفن کرنے کے بجائے صلیب پر لٹکا کر سنگسار کی، اس کی جگہ دوسرا بشپ مقرر ہوا، یہ بڑا عابد و زاہد اور تارک الدنیا تھا، شب و روز عبادت الٰہی میں مشغول رہتا اس لئے حضرت سلمانؓ اس سے بہت مانوس ہو گئے اور دلی محبت کرنے لگے، اور آخر تک اس کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے، جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس سے کہا میں آپ کے پاس عرصہ تک نہایت لطف و محبت کے ساتھ رہا، اب آپ کا وقت آخر ہے اس لئے آئندہ کے لئے مجھ کو کیا ہدایت ہوتی ہے؟ اس نے کہا، میرے علم میں کوئی ایسا عیسائی نہیں ہے جو مذہب عیسوی کا سچا پیرو ہو، سچے لوگ مر کھپ گئے اور موجودہ عیسائیوں نے مذہب کو بہت کچھ بدل دیا ہے اور بہتیرے اصول تو سرے سے چھوڑ ہی دیئے ہیں، ہاں موصل میں فلاں شخص دین حق کا سچا پیرو ہے، تم جا کر اس سے ملاقات کرو۔

موصل کا سفر...... چنانچہ اس بشپ کی موت کے بعد حق کی جستجو میں وہ موصل پہنچے اور تلاش کر کے اس سے ملے اور پورا واقعہ بیان کیا کہ فلاں پادری نے مجھ کو ہدایت کی تھی کہ آپ کے یہاں ابھی تک حق کا سرچشمہ ابلتا ہے اور میں آپ سے مل کر اپنی تشنگی فرو کروں، اس نے ان کو ٹھہرا لیا، پہلے پادری کے بیان کے مطابق یہ پادری درحقیقت بڑا متقی اور پاکباز تھا، اس لئے حضرت سلمانؓ نے آئندہ کے متعلق اس سے بھی وصیت کی خواہش کی، اس نے نصیبین میں ایک شخص کا پتہ بتایا۔

نصیبین کا سفر...... چنانچہ اس کی موت کے بعد وہ نصیبین پہنچے اور پادری سے مل کر دوسرے پادری کی وصیت بتائی، یہ اسقف بھی پہلے دونوں اسقفوں کی طرح بڑا عابد و زاہد تھا حضرت سلمانؓ یہاں مقیم ہو کر اس سے روحانی تسکین حاصل کرنے لگے، ابھی کچھ ہی دن اس کی صحبت

سے فیض اٹھایا تھا کہ اس کا وقت بھی آپہنچا، حضرت سلمانؓ نے گذشتہ اسقفوں کی طرح اس سے بھی آئندہ کے متعلق مشورہ طلب کیا، اس نے عموریہ میں گوہر مقصود کا پتہ بتایا،

عموریہ کا سفر ...... چنانچہ اس کی موت کے بعد انہوں نے عموریہ کا سفر کیا اور وہاں کے اسقف سے مل کر پیام سنایا اور اسکے پاس مقیم ہو گئے کچھ بکریاں خرید لیں، ان سے مادی غذا حاصل کرتے تھے، اور صبر وشکر کے ساتھ روحانی غذا اسقف سے حاصل کرنے لگے، جب اس کا پیمانہ حیات بھی لبریز ہو گیا، تو حضرت سلمانؓ نے اس کو اپنی پوری سرگذشت سنائی کہ اتنے مراتب طے کرتا ہوا آپ کے پاس پہنچا تھا، آپ بھی آخرت کا سفر کرنے کو آمادہ ہیں، اس لئے میرا کوئی سامان کرتے جایئے، اس نے کہا بیٹا! تمہارے لئے کیا سامان کروں، آج دنیا میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں، جس سے ملنے کا تم کو مشورہ دوں، البتہ اب اس نبیؐ کے ظہور کا زمانہ قریب ہے، جو ریگستان عرب سے اٹھ کر دین ابراہیم کو زندہ کرے گا اور کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا، اس کی علامات یہ ہیں کہ وہ ہدیہ قبول کرے گا اور صدقہ اپنے لئے حرام سمجھے گا، اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی، اگر تم اس سے مل سکو تو ضرور ملنا۔

اسقف کی بشارت اور عرب کا سفر ...... اس اسقف کے مرنے کے بعد حضرت سلمانؓ عرصہ تک عموریہ میں رہے، کچھ دنوں بعد بنوکلب کے تاجر ادھر سے گذرے، حضرت سلمانؓ نے ان سے کہا کہ اگر تم مجھ کو عرب پہنچا دو تو میں اپنی گائیں اور بکریاں تمہاری نذر کر دوں گا، وہ لوگ تیار ہو گئے، اور زبان حال سے یہ شعر ۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک رہرو کیساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

غلامی ...... لیکن ان عربوں نے وادی القری میں پہنچ کر دھوکا دیا، اور ان کو ایک یہودی کے ہاتھ غلام بنا کر فروخت کر ڈالا مگر یہاں کھجور کے درخت نظر آئے، جس سے تو آس بندھی کہ شاید یہی وہ منزل مقصود ہو، جس کا اسقف نے پتہ دیا تھا، تھوڑے دن ہی قیام کیا تھا کہ یہ امید بھی منقطع ہو گئی، آقا کا چچازاد بھائی مدینہ سے ملنے آیا اس نے حضرت سلمانؓ کو اس کے ہاتھ بیچ دیا۔

غلامی اور مدینہ کا سفر ...... وہ اپنے ساتھ مدینہ لے چلا اور سلمانؓ غلامی در غلامی سہتے ہوئے مدینہ پہنچے، ہاتف غیب تسکین دے رہا تھا کہ یہ غلامی نہیں ہے ۔

اسی سے ہوگی ترے غم کدہ کی آبادی
تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

درحقیقت اس غلامی پر جو کسی کے آستان ناز تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائے ہزاروں آزادیاں قربان ہیں، جوں جوں محبوب کی منزل قریب ہوتی جاتی تھی، کشش بڑھتی جاتی

تھی، اور آثار و علامات بتاتے تھے کہ شاید مقصود کی جلوہ گاہ یہی ہے، اب ان کو پورا یقین ہو گیا اور دیدار جمال کی آرزو میں یہاں دن کاٹنے لگے۔

اس وقت آفتاب رسالت مکہ پر پرتو افگن ہو چکا تھا، لیکن جور و ستم کے بادلوں میں چھپا تھا، حضرت سلمانؓ کو آقا کی خدمت سے اتنا وقت نہ ملتا تھا کہ خود اس کا پتہ لگاتے، آخر انتظار کرتے کرتے وہ یوم مسعود بھی آ گیا کہ مکہ کا آفتاب عالمتاب مدینہ کے افق پر طلوع ہوا، حرمان نصیب سلمانؓ کی شب ہجر تمام ہوئی اور صبح امید کا اجالا پھیلا، یعنی سرور دو عالم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے، حضرت سلمانؓ کھجور کے درخت پر چڑھے، کچھ درست کر رہے تھے، آقا نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے چچازاد بھائی نے آ کر کہا خدا بنی قیلہ کو غارت کرے سب کے سب قبا میں ایک شخص کے پاس جمع ہیں جو مکہ سے آیا ہے، یہ لوگ اس کو نبی سمجھتے ہیں، حضرت سلمانؓ کے کانوں تک اس خبر کا پہنچنا تھا کہ یارائے ضبط باقی نہ رہا، صبر و شکیب کا دامن چھوٹ گیا، بدن میں سنسناہٹ پیدا ہو گئی اور قریب تھا کہ کھجور کے درخت سے فرش زمین پر آ جائیں، اسی مدہوشی میں جلد از جلد درخت سے نیچے اترے اور بدحواسی میں بے تحاشا پوچھنے لگے، تم کیا کہتے ہو؟ آقا نے اس سوال پر گھونسہ مار کر ڈانٹا کہ تم کو اس سے کیا غرض، تم اپنا کام کرو، اس وقت سلمانؓ خاموش ہو گئے۔

اسلام...... لیکن اب صبر کسے تھا کھانے کی چیزیں پاس تھیں ان کو لے کر دربار رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، میں نے سنا ہے کہ آپ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں اور کچھ غریب الدیار اور اہل حاجت آپ کے ساتھ ہیں، میرے پاس چیزیں صدقہ کے لئے رکھی تھیں، آپ لوگوں سے زیادہ اس کا کون مستحق ہو سکتا ہے، اس کو قبول فرمائیے، آنحضرت ﷺ نے دوسرے لوگوں کو کھانے کا حکم دیا، مگر خود نوش نہ فرمایا، اس طریقہ سے سلمان کو نبوت کی ایک علامت کا مشاہدہ ہو گیا کہ وہ صدقہ نہیں قبول کرتا، دوسرے دن پھر ہدیہ لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کل آپ نے صدقہ کی چیزیں نہیں نوش فرمائی تھیں، آج یہ ہدیہ قبول فرمائیے، آپؐ نے قبول کیا، خود بھی نوش فرمایا اور دوسروں کو بھی دیا، اس طریقہ سے دوسری نشانی یعنی مہر نبوت کی بھی زیارت کی اور باچشم پرنم آپ کی طرف بوسہ دینے کو جھکے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا سامنے آؤ، سلمان نے سامنے آ کر ساری سرگذشت سنائی، آنحضرت ﷺ کو یہ دلچسپ داستان اتنی پسند آئی کہ اپنے تمام اصحاب کو سنوائی۔

اسلام...... حضرت سلمانؓ اتنے مرحلوں کے بعد دین حق سے ہم آغوش ہوئے اور گوہر مقصود سے دامن بھر کر آقا کے گھر واپس آئے۔

آزادی...... غلامی کی مشغولیت کے باعث فرائض مذہبی ادا نہ کر سکتے تھے، جس کی بنا پر غزوۂ بدر و احد میں شریک نہ ہو سکے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آقا کو معاوضہ دے کر آزادی حاصل کر لو، تین سو کھجور کے درختوں اور چالیس اوقیہ سونے پر معاملہ طے ہوا، آنحضرت ﷺ نے

عام مسلمانوں سے سفارش فرمائی کہ اپنے بھائی کی مدد کرو، سب نے حسب حیثیت کھجور کے درخت دیئے، اس طریقہ سے تین سو درخت ان کو مل گئے اور آنحضرت ﷺ کی مدد سے انہوں نے ان کو بٹھایا اور زمین وغیرہ ہموار کر کے ایک شرط پوری کر دی، سونے کی ادائیگی کا سامان خدا نے اس طرح کر دیا آنحضرت ﷺ کو کسی غزوہ میں مرغی کے انڈے کے برابر سونا مل گیا، آپ نے سلمانؓ کو دیدیا، یہ وزن میں ٹھیک چالیس اوقیہ تھا، اس سے گلوخلاصی کی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہنے لگے۔[1]

مواخاۃ..... غلامی سے آزادی کے بعد مسلمانوں کے ساتھ رہنے لگے، اس وقت بالکل غریب الدیار تھے، کوئی شناسا نہ تھا، آنحضرت ﷺ نے مکی مہاجرین کی طرح ان سے اور ابودرداءؓ سے مواخاۃ کرادی۔[2]

غزوات..... بدر واحد کی لڑائیاں ان کی غلامی کے زمانہ میں ختم ہو چکی تھیں، آزادی کے بعد پہلا غزوۂ خندق پیش آیا، اس میں انہوں نے اپنے حسن تدبیر سے پہلی دونوں لڑائیوں کی عدم شرکت کی تلافی کر دی، غزوۂ خندق میں تمام عرب کا صدف دل اس ارادہ سے امنڈ آیا تھا کہ مسلمانوں کا کامل استیصال کر دے اور حملہ خود مدینہ پر تھا، جس کی کسی سمت نہ قلعہ تھا، نہ فصیل تھی، مقابلہ بڑا سخت تھا، ایک طرف قبائل عرب کا عظیم الشان متحدہ لشکر تھا، دوسری طرف مٹھی بھر مسلمان تھے، آنحضرت ﷺ نے عام مسلمانوں سے مشورہ کیا، سلمانؓ فارسی چونکہ ایران کی صف آرائیاں دیکھے ہوئے تھے، اس لئے جنگی اصولوں سے اچھی طرح واقف تھے، انہوں نے مشورہ دیا کہ اس انبوہ کا کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مناسب نہیں ہے، مدینہ کے چاروں طرف خندقیں کھود کر شہر کو محفوظ کر دینا چاہیے، یہ تدبیر مسلمانوں کو بہت پسند آئی[3] اور اسی پر عمل کیا گیا، خندق کی کھدائی میں آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس شریک تھے اور مٹی ڈھوتے ڈھوتے شکم مبارک مٹی سے اٹ گیا تھا، اور رجزیہ اشعار زبان پر جاری تھے،[4] ذیقعدہ ۵ھ میں طرفین میں جنگ شروع ہوئی، عربوں کو اس طریقہ جنگ سے واقفیت نہ تھی، وہ اس ارادے سے آئے تھے کہ مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے، مگر یہاں آکر دیکھا کہ ان کے اور مدینہ کے بیچ میں خندق کی فصیل ہے، ۲۱، ۲۲ دن تک مسلسل محاصرہ قائم رہا، مگر شہر تک پہنچنا ان کو نصیب نہ ہوا اور آخر کار ناکام لوٹ گئے، خندق کے علاوہ حضرت سلمانؓ تمام لڑائیوں میں شریک رہے،[5] اور غزوۂ خندق کے بعد سے کوئی غزوہ ایسا نہیں ہوا، جس میں شریک ہو کر داد شجاعت نہ دی ہو۔[6]

---

[1] قبل از اسلام سے آزادی تک کے کل حالات مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۴۱ تا ۴۴۴ کی مختلف روایات سے ماخوذ ہیں اور ان کو لکھ دیا گیا ہے۔

[2] بخاری ج ۲ ص ۸۹۸

[3] ابن سعد جز ۲، قسم ا، ص ۴۷

[4] بخاری ج ۲ کتاب المغازی غزوۂ خندق

[5] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۴۳

[6] اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۳۰

عہد صدیقی اور عراق ...... آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد عرصہ تک حضرت سلمانؓ مدینہ میں رہے اور غالباً عہد صدیقی کے آخر یا عہد فاروقی کی ابتدا میں انہوں نے عراق کی اور ان کے اسلامی بھائی ابودرداءؓ نے شام کی سکونت اختیار کر لی، یہاں اقامت کے بعد ابودرداءؓ کو خدا نے مال واولاد سے بہت نوازا، انہوں نے سلمانؓ کو خط لکھا کہ ''تم سے چھٹنے کے بعد خدا نے مجھ کو مال ودولت اور اہل وعیال سے سرفراز کیا، اور ارض مقدس کی سکونت کا شرف حاصل ہوا''، انہوں نے جواب دیا کہ ''یادرکھو مال واولاد کی کثرت میں کوئی بھلائی نہیں ہے، بھلائی اس میں ہے کہ تمہارا علم زیادہ ہو اور علم تم کو نفع پہنچائے، محض ارض مقدس کا قیام کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، جب تک تمہارا عمل اس قابل نہ ہو اور عمل بھی اس طرح ہو کہ گویا خدا تم کو دیکھ رہا ہے اور تم اپنے کو مردہ سمجھو۔[1]

عہد فاروقی ...... حضرت سلمانؓ ایران کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور چونکہ خود ایرانی تھے اس لئے فتوحات میں بہت قیمتی امداد پہنچائی، مگر اصول اسلام کو ہمیشہ پیش نظر رکھا، ایک ایرانی قصر کے محاصرہ کے وقت حملے سے پیشتر محصورین کو سمجھا دیا کہ میں بھی تمہارا ہم قوم تھا، لیکن خدا نے مجھ کو اسلام سے نوازا تم لوگ عربوں کی اطاعت گذاری سے کسی طرح نہیں بچ سکتے میں تم کو سمجھائے دیتا ہوں کہ تم لوگ اسلام لاکر ہجرت کر کے ہم میں مل جاؤ تو تم کو اہل عرب کے حقوق دیئے جائیں گے، اور جو قانون ان کے لئے ہے وہی تم پر جاری کیا جائے گا اور اگر اسلام نہیں قبول کرتے اور صرف جزیہ منظور کرتے ہو تو ذمیوں کے حقوق تم کو ملیں گے اور ان کا قانون تم پر نافذ کیا جائے گا، تین دن برابر تبلیغ کا فرض ادا کرتے رہے، جب اس کا کوئی اثر نہ ہوا تو حملہ کا حکم دیا اور مسلمانوں نے قصر مذکور بزور شمشیر فتح کر لیا۔[2]

فتح جلولا میں بھی شریک تھے اور وہاں مشک کی ایک تھیلی ہاتھ آئی تھی، جو وفات کے وقت کام میں لائے۔[3]

گورنری...... حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مدائن کی حکومت پر سرفراز تھے، اس کی تفصیل آئندہ عادت واخلاق کے تذکرہ میں آئے گی۔

حضرت سلمانؓ مقربین بارگاہ نبویؐ میں تھے، اس لئے حضرت عمرؓ ان کا بہت احترام کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت سلمانؓ حضرت عمرؓ کے پاس گئے اس وقت وہ ایک گدے پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے، سلمانؓ کو دیکھ کر گدا ان کی طرف بڑھا دیا۔[4]

علالت ...... حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں بیمار پڑے، حضرت سعد بن ابی وقاص عیادت کو گئے، سلمانؓ رونے لگے، سعدؓ نے کہا، ابوعبداللہ رونے کا کونسا مقام ہے، آنحضرت

---

[1] اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۳۱ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۴۱
[3] ابن سعد جزء ۴ ق ۱ ص ۶۲ [4] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۹۹

ﷺ تم سے خوش دنیا سے گئے، تم ان سے حوض کوثر پر ملو گے، بچھڑے ہوئے ساتھیوں سے ملاقات ہوگی، ہاں خدا کی قسم میں موت سے نہیں گھبراتا اور نہ دنیا کی حرص باقی ہے، رونا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عہد کیا تھا کہ ہمارا دنیاوی ساز وسامان ایک مسافر کے زادِراہ سے زیادہ نہ ہونا چاہیے، حالانکہ میرے گرد اس قدر سانپ (اسباب) جمع ہیں، سعد کہتے ہیں کہ کل سامان جس کو سانپ سے تعبیر کیا تھا، ایک بڑے پیالے، ایک لگن اور ایک تسلہ سے زیادہ نہ تھا، اس کے بعد سعد نے خواہش کی کہ مجھ کو کوئی نصیحت کیجئے، فرمایا کہ کسی کام کا قصد کرتے وقت، فیصلہ کرتے وقت، تقسیم کرتے وقت خدا کو یاد رکھا کرو۔[۱] اسی بیماری کے دوران میں اور احباب نے بھی نصیحت ووصیت کی خواہش کی، فرمایا، "تم میں سے جس سے ہو سکے اس کی کوشش کرے کہ وہ حج، عمرہ، جہاد یا قرآن پڑھتے ہوئے جان دے اور فسق وفجور اور خیانت کی حالت میں نہ مرے"۔[۲]

وقت آخر ہوا تو اپنی بیوی سے وہی مشک کی تھیلی منگائی اور اپنے ہاتھ سے پانی گھول کر اپنے چاروں طرف چھڑکوایا، اور سب کو اپنے پاس سے ہٹا دیا، جب لوگ تھوڑی دیر کے بعد گئے تو دیکھا کہ مرغ روح قفس خاکی سے چھوٹ کر شاخ طوبی پر پہنچ چکا تھا۔[۳]

فضل وکمال...... حضرت سلمانؓ کے وقت کا بڑا حصہ آنحضرت ﷺ کی صحبت میں گذرتا تھا، اس لئے آپ علوم ومعارف سے کافی بہرہ ور ہوئے، حضرت علیؓ سے آپ کے مبلغ علم کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ ان کو علم اول اور علم آخر سب کا علم تھا اور وہ ایسا دریا تھے جو پایابی سے ناآشنا رہا، وہ ہمارے اہل بیت میں تھے، دوسری روایت میں ہے، کہ آپ نے فرمایا کہ "وہ علم وحکمت میں لقمان حکیم کے برابر تھے"[۴] علم اول سے مراد کتب سابقہ کا علم اور علم آخر سے مقصود آخری سے کتاب الٰہی یعنی قرآن کا علم ہے اور اہل بیت میں اس طرح ان کا شمار ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قربت اختصاص کی بناء پر اور اس لئے کہ عربوں میں ان کا کوئی خاندان نہ تھا، ان کو اعزازاً اپنے اہل بیت میں داخل کر لیا تھا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ جو خود بہت بڑے عالم اور صاحب کمال صحابی تھے، ان کے کمال علم کے معترف تھے، چنانچہ ایک مرتبہ اپنے شاگرد سے کہا کہ چار آدمی سے علم حاصل کرنا، ان چاروں میں ایک سلمان کا نام بھی تھا،[۵] ایک موقع پر خود زبان نبوت نے ان کے علم وفضیلت کی ان الفاظ میں تصدیق کی ہے کہ سلمانؓ علم سے لبریز ہیں۔[۶] صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں کہ سلمانؓ فضلائے صحابہؓ میں تھے،[۷] آپ کی کوششوں سے حدیث کا کافی حصہ اشاعت پذیر ہوا، آپ

---

[۱] ابن سعد جز ۴ قسم ۱ ص ۶۵۔
[۲] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۶۵
[۳] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۶۶۔
[۴] استیعاب ج ۲ ص ۵۷۴
[۵] ابن سعد جز ۴ قسم ۱ ص ۶۱۔
[۶] ایضاً
[۷] اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۳۱

کے مرویات کی تعداد ۶۰ ہے ان میں سے تین حدیثیں متفق علیہ ہیں، ان کے علاوہ ایک میں مسلم اور تین میں بخاری منفرد ہیں [1]

حضرت ابوسعید خدریؓ، ابوالطفیلؓ، ابن عباس، اوس بن مالک اور ابن عجزہ وغیرہ آپ کے زمرہ تلامذہ میں ہیں۔[2]

گو حضرت سلمانؓ کا علم بہت وسیع تھا تاہم حدیث بیان کرنے میں بہت محتاط تھے اس لئے ان کی مرویات کی تعداد ۶۰ سے متجاوز نہ ہوسکی، حضرت حذیفہؓ مدائن میں لوگوں سے بعض ایسی باتیں بیان کرتے تھے جو آنحضرت ﷺ نے غصہ کی حالت میں کسی کے متعلق فرمائی تھیں، لوگ ان کی تصدیق کے لئے حضرت سلمانؓ کے پاس آئے، آپ نے صرف اس قدر جواب دیا کہ حذیفہؓ زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ لوگوں نے حضرت حذیفہؓ سے آکر کہا ہم نے آپ کی بیان کردہ حدیث سلمانؓ کو سنائی، وہ نہ اسکی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تردید، حضرت ابوحذیفہؓ نے حضرت سلمانؓ سے کہا کہ جو کچھ آپ نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے اس کی تصدیق کیوں نہیں فرماتے، فرمایا بعض اوقات آنحضرت ﷺ لوگوں کو کچھ غصہ میں کہہ دیتے تھے، اور بعض اوقات خوش ہوکر کچھ فرمادیتے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ تم ان باتوں کو بیان کر کے کسی کو کسی کا دوست اور کسی کو کسی کا دشمن بنادو گے، کیا تم کو معلوم نہیں کہ آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ خداوندا! غصہ کی حالت میں اگر کسی کے متعلق کوئی برا کلمہ نکل جائے تو اس کو اس کے حق میں خیر کردینا"، پھر ان سے کہا، تم اس قسم کی باتوں سے باز آؤ نہیں تو میں عمرؓ کو آگاہ کردوں گا۔[3]

چونکہ وہ اسلام سے قبل عرصہ تک نصرانی رہ چکے تھے، اس لئے عیسائی مذہب کے متعلق کافی معلومات رکھتے تھے، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے تھے کہ "سلمان دو کتابوں کا علم رکھتے ہیں، کلام اللہ اور انجیل، مذہب عیسوی کے مسائل محض پادریوں کی زبانی نہیں سنے تھے، بلکہ خود انجیل کا مطالعہ کیا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے توراۃ میں دیکھا ہے کہ کھانے کے بعد وضو کرنے سے برکت ہوتی ہے۔[4]

عام حالات، تقرب بارگاہ نبوی...... حضرت سلمانؓ صحابہ کرام کے اس خاص زمرہ میں تھے جن کو بارگاہ نبوی میں مخصوص تقرب حاصل تھا، چنانچہ صحابہ کرام کے علاوہ کم لوگ ایسے تھے جو بارگاہ نبوت کی پذیرائی میں حضرت سلمان کی ہمسری کرسکتے ہوں، غزوۂ خندق کے موقع پر جب مہاجرین وانصار علیحدہ علیحدہ جمع ہوئے تو مہاجرین کہتے تھے کہ سلمان ہمارے زمرہ میں ہیں انصار کہتے تھے کہ ہماری جماعت میں ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سلمانؓ ہمارے اہل بیت میں ہیں،[5] ام المومنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سلمان کی شب کی تنہائی کی صحبت آنحضرت

---

[1] تہذیب الکمال ص ۱۴۷، [2] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۳۸
[3] ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۹۹، [4] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۱ [5] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۹۸

ﷺ کے پاس اتنی لمبی ہوتی تھی کہ ہم لوگوں کو (ازواج) خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں ہمارے حصوں کی رات بھی اس نشست میں نہ گذر جائے، حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ "جنت تین آدمیوں کو مشتاق ہے، علی، عمار اور سلمان کی"[1] آپ کے تقرب کی آخری مثال یہ ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ حضرت صدیق اکبرؓ جیسے فدائی اسلام اور جلیل القدر صحابی سے حضرت سلمانؓ اور ان کے بعض رفقاء کے بارہ میں رنجیدہ ہو گئے، اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابوسفیان چند آدمیوں کے ساتھ حضرت صہیبؓ، بلالؓ، اور سلمانؓ کے پاس سے گذرے، ان تینوں بزرگوں نے کہا کہ خدا کی کوئی تلوار خدا کے دشمن (ابوسفیان) کی گردن پر نہیں پڑی، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ تم لوگ سردار قریش کی شان میں ایسا کلمہ زبان سے نکالتے ہو اور آنحضرت ﷺ سے آکر بیان کیا، آپ نے فرمایا کہ شاید تم نے ان لوگوں کو ناراض کر دیا، اگر تم نے ان لوگوں کو ناراض کیا تو گویا خدا کو ناراض کیا، حضرت ابوبکر بہت نادم ہوئے اور آکر ان بزرگوں سے معذرت کی۔[2]

اخلاق و عادات...... حضرت سلمان فارسیؓ میں مذہبی جذبہ کی شدت فطری تھی، جس طرح آتش پرستی کے زمانہ میں سخت آتش پرست اور نصرانیت کے زمانہ میں عابد و زاہد نصرانی تھے، اسی طرح مشرف بالسلام ہونے کے بعد اسلام کا مکمل نمونہ بن گئے، ان کے اصل فضل و کمال کا میدان یہی ہے۔

زہد و تقوی...... ان کا زہد و ورع اس حد تک پہنچ گیا تھا، جس کے بعد رہبانیت کی حد شروع ہو جاتی ہے، اس کی ادنی مثال یہ ہے کہ عمر بھر گھر نہیں بنایا، جہاں کہیں دیوار یا درخت کا سایہ مل جاتا، پڑے رہتے، ایک شخص نے اجازت چاہی کہ میں آپ کے لئے مکان بنا دوں؟ فرمایا، مجھ کو اس کی حاجت نہیں، وہ پیہم اصرار کرتا تھا، یہ برابر انکار کرتے جاتے تھے، آخر میں اس نے کہا کہ آپ کی مرضی کے مطابق بناؤں گا، فرمایا وہ کیسا، عرض کیا اتنا مختصر کہ اگر کھڑے ہوں تو سر چھت سے مل جائے اور اگر لیٹیں تو پیر دیوار سے لگیں، فرمایا خیر اس میں کوئی مضائقہ نہیں چنانچہ اس نے ایک جھونپڑی بنا دی۔[3]

اس زہد کا اثر زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں، تھا مزخرفات دنیا کو کبھی پاس نہ آنے دیتے تھے، وفات کے وقت گھر کا پورا اثاثہ بیس بائیس درہم سے زیادہ کا نہ تھا، بستر معمولی سا بچھونا اور دو اینٹیں تھیں جن کا تکیہ بناتے تھے، اس پر بھی روتے تھے، اور فرماتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ انسان کا ساز و سامان ایک مسافر سے زیادہ نہ ہونا چاہیے اور میرا یہ حال ہے۔[4] یہ حالت زندگی کے دور میں قائم رہی، جب امارت کے عہدہ پر ممتاز تھے، اس وقت بھی کوئی فرق نہ

---

[1] جامع ترمذی مناقب سلمان [2] مسلم ج ۲ ص ۲۶۲
[3] استیعاب ج ۲ ص ۵۸۲، حیدر آباد [4] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۳۸

آیا، حضرت حسن بیان کرتے ہیں کہ سلمانؓ جب پانچ ہزار تنخواہ پاتے تھے، اور تیس ہزار نفوس پر حکومت کرتے تھے، اس وقت بھی ان کے پاس صرف ایک عبا تھی، جس میں لکڑیاں جمع کرتے تھے اور اس کا آدھا حصہ اوڑھتے اور آدھا بچھاتے تھے۔[1]

رہبانیت سے اجتناب...... مگر اسلام کی تعلیمات کے خلاف ان کی زندگی راہبانہ نہ تھی، مذہبی تشدد کے ساتھ ساتھ دنیاوی حقوق کا بھی پورا لحاظ رکھتے تھے، اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے، ان کے اسلامی بھائی حضرت ابودرداءؓ بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے، رات بھر نماز پڑھتے اور دن بھر روزہ رکھتے تھے، ساری ساری رات عبادت میں گذار دیتے، حضرت سلمانؓ ان سے ملنے کے لئے ان کے گھر جایا کرتے تھے، ایک مرتبہ ابودرداءؓ کی بیوی کو بہت خراب حالت میں دیکھا، پوچھا تم نے یہ کیا صورت بنا رکھی ہے؟ انہوں نے کہا کس کے لئے بناؤ سنگار کروں، تمہارے بھائی کو دنیا کی ضرورت باقی نہیں رہی، حضرت ابودرداءؓ جب گھر آئے تو ملنے ملانے کے بعد کھانا منگایا، مگر خود معذرت کی کہ میں روزہ سے ہوں، فرمایا جب تک تم نہ کھاؤ گے میں بھی نہ کھاؤں گا، پھر رات کو حضرت سلمانؓ ان کے پاس ہی لیٹے اور ان کو دیکھتے رہے، جب وہ عبادت کو اٹھے تو روک کر فرمایا کہ تم پر تمہارے رب، تمہاری آنکھ اور تمہاری بیوی سب کا حق ہے، روزوں کے ساتھ افطار اور شب بیداری کے ساتھ سونا بھی ضروری ہے، اس کے بعد دونوں نے یہ معاملہ آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا، آپ لے ابودرداءؓ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ سلمانؓ تم سے زیادہ مذہب کے واقف کار ہیں۔[2]

سادگی...... حضرت سلمانؓ کی تصویر حیات میں سادگی بہت غالب تھی، جو ہر زمانہ میں یکساں قائم رہی، مدائن کی امارت کے زمانہ میں جب کہ شان و شوکت اور خدم و حشم کے تمام لوازم ان کے لئے مہیا ہو سکتے تھے، اس وقت بھی انکی سادگی میں کوئی فرق نہ آیا، لباس میں ایک عبا اور ایک اونچا پائجامہ ہوتا تھا، ایرانی اس ہیئت کو دیکھ کر ''گرگ آمد، گرگ آمد'' کہتے، ایک مرتبہ اسی امارت کے زمانہ میں اس شان سے نکلے کہ سواری میں بلا زین کا گدھا تھا، لباس میں ایک تنگ اور چھوٹی قمیض تھی، جس سے گھٹنے بھی نہ چھپتے تھے، ٹانگیں کھلی ہوئی تھیں، لڑکے اس ہیئت کذائی میں دیکھ کر پیچھے لپک گئے، لوگوں نے یہ طوفان بے تمیزی دیکھا، تو ڈانٹ کر ہٹایا کہ امیر کا پیچھا کیوں کرتے ہو؟ ایک مرتبہ ایک دستہ فوج کی سرداری سپرد ہوئی، فوجی امارت کی شان و شوکت کا کیا ذکر، یہاں معمولی سپاہی کی بھی وضع نہ تھی، چنانچہ فوجی نوجوان دیکھ کر ہنستے اور کہتے کہ یہی امیر ہیں۔[3]

ابوقلابہ راوی ہیں کہ ایک شخص سلمانؓ کے یہاں گیا، دیکھا کہ وہ بیٹھے، آٹا گوندھ رہے ہیں، پوچھا خادم کہاں ہے، کہا کام سے بھیجا ہے، مجھ کو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ دو دو کاموں کا بار اس پر ڈالوں۔[4]

[1] ابن سعد ج ۴ ق ۱ ص ۶
[2] استیعاب ج ۲ ص ۵۷۲
[3] ابن سعد جز ۳، ق ۱ ص ۶۲، ۶۳
[4] ایضاً ص ۶۴

اس غیر معمولی سادگی کی وجہ سے لوگوں کو اکثر مزدور کا دھوکہ ہو جاتا تھا، ایک مرتبہ ایک عبسی نے جانور کے لئے چارہ خریدا، حضرت سلمانؓ کھڑے تھے، ان سے کہا، اس کو گھر تک پہنچا دو، وہ اٹھا کر لے چلے، راستہ میں لوگوں نے دیکھا تو کہنے لگے لایئے ہم پہنچا دیں یہ حال دیکھ کر عبسی نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا آنحضرت ﷺ کے صحابی ہیں وہ سن کر بہت نادم ہوا اور کہا آپ تکلیف نہ کیجئے، لیکن انہوں نے فرمایا "اس میں مجھے نیت کا ثواب مقصود ہے، اب میں اس بوجھ کو بغیر پہنچائے ہوئے نیچے نہیں رکھ سکتا۔"[1]

فیاضی...... فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ بھی آپ کا نمایاں وصف تھا، آپ کو جس قدر وظیفہ ملتا تھا اس کو کل مستحقین میں تقسیم کر دیتے تھے، اور خود چٹائی بن کر معاش پیدا کرتے تھے اور چٹائی کی آمدنی کا بھی ایک تہائی اصل سرمایہ کے لئے رکھ لیتے، ایک تہائی بال بچوں پر خرچ کرتے اور ایک تہائی خیرات کرتے تھے، ارباب علم کے بڑے قدر دان تھے، جب کوئی رقم ہاتھ آجاتی تو حدیث نبوی کے شائقین کو بلا کر کھلا دیتے تھے۔[2]

صدقات سے اجتناب...... صدقات سے بہت سخت پرہیز کرتے تھے، اگر کسی چیز میں صدقہ کا ادنی شائبہ بھی ہوتا تو اس سے بھی احتراز کرتے، ایک غلام نے خواہش کی کہ مجھ کو مکاتب بنا دیجئے فرمایا تمہارے پاس کچھ ہے؟ کہاں میں لوگوں سے مانگ کر ادا کر دوں گا، فرمایا تم مجھ کو لوگوں کے ہاتھ دھوؤں کھلانا چاہتے ہو۔[2] (حالانکہ اس کا مانگا ان کے لئے صدقہ نہ رہ جاتا)

حلیہ...... بال گھنے، کان لمبے اور دراز قامت تھے۔

---

[1] ابن سعد جز۴ قسم ا ص ۶۴

[2] ایضاً ۶۴

حضرت اسامہ بن زیدؓ

نام ونسب...... اسامہ نام، ابو محمد کنیت، "حب رسول ﷺ یعنی محبوب رسول لقب، والد کا نام زید تھا، اسامہ بن زید بن حارثہ بن شرحبیل بن کعب عبد العزی بن زید امراؤ القیس بن عامر بن نعمان بن عامر بن عبد ود بن عوف بن کنانہ بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید اللات بن رفیدہ بن ثور بن کلب بن وبرہ کلبی۔

پیدائش اسلام اور ہجرت...... ۷ھ بعثت میں مکہ میں پیدا ہوئے، ان کے والد زید آنحضرت ﷺ کے محبوب غلام اور منہ بولے بیٹے تھے اور ان کی ماں برکہ آنحضرت ﷺ کی کھلائی تھیں، اس لئے ان کو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے رسول ﷺ کی محبوبیت کا شرف ورثہ میں ملا تھا انھوں نے آنکھ کھولتے ہی اسلام کے گہوارہ میں پرورش پائی تھی، اس لئے ان کی زندگی کا کوئی حصہ کفر وشرک کی آلودگیوں سے ملوث نہ ہوا، ہجرت کا شرف آنحضرت ﷺ کے ساتھ حاصل کیا۔[1]

غزوات...... ہجرت عظمی کے بعد مغازی اور سرایا کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، لیکن ابتدائی لڑائیوں میں کمسنی کے باعث شریک نہ ہو سکے، سریہ حرقہ سے میدان جنگ میں آنے کی ابتداء معلوم ہوتی ہے[2] صحیح بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں اس سریہ کا نام سریہ حرکات لکھا ہے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ وہی سریہ ہے جس کے امیر غالب لیثی تھے، اور جو ۷ھ میں واقع ہوا تھا، لیکن حاکم نے اکلیل میں لکھا ہے کہ یہ دوسرا سریہ تھا، جو ۸ھ میں ہوا، ان دونوں سریوں کے الگ الگ ہونے کی اس امر سے بھی شہادت ملتی ہے کہ سریہ غالب کے امیر حضرت غالبؓ تھے، اور اس سریہ حرقہ میں امارت وقیادت خود حضرت اسامہؓ کے ہاتھ معلوم ہوتی ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت سے اشارۃً ظاہر ہوتا ہے اور حاکم نے اکلیل میں اس کی تصریح کی ہے، یہ سریہ ۷ھ یا ۸ھ کا واقعہ ہے، اس وقت ان کی عمر زیادہ سے زیادہ ۱۴، ۱۵ سال کی تھی، مگر ان کی فطری استعداد وصلاحیت نے آنحضرت ﷺ سے اس سریہ کی سرداری کا شرف حاصل کیا، مگر ناآزمودہ کار تھے، اس لئے بعض فاش غلطیاں ہو گئیں، جن کو وہ خود اپنی زبان سے بیان کرتے تھے، کہ آنحضرت ﷺ نے ہم لوگوں کو حرقہ کی طرف بھیجا تھا، صبح کو دشمنوں سے مقابلہ ہوا، دشمن ہزیمت

---

[1] ابن سعد جز ۴ قسم اول

[2] گو اس کی تفصیل نہیں ملتی لیکن قیاس یہی چاہتا ہے

[3] مزید تفصیل کے لئے دیکھو زرقانی ج ۳ ص ۲۸۸، ۲۸۹

کھا کر بھاگ گئے، میں نے اور ایک انصاری نے ایک شخص کا تعاقب کیا، جب وہ زد میں آ گیا تو **لا الہ الا اللہ** پکار اٹھا، اس کے اس اعلان پر انصاری نے ہاتھ روک لیا، مگر میں نے نیزوں سے کام تمام کر دیا، واپسی کے بعد آنحضرت ﷺ کو واقعہ معلوم ہوا تو فرمایا کہ اسامہ! تم نے ایک شخص کو کلمہ طیبہ پڑھنے کے بعد بھی قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا، اس نے اپنے بچاؤ کے لئے ایسا کیا تھا، آپ نے یہ عذر نا قابل قبول سمجھا اور بار بار اس جملہ کو دہراتے رہے، یہاں تک کہ مجھ کو اتنی ندامت ہوئی کہ دل میں کہنے لگا کاش! آج کے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا۔[1]

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ''اے اسامہ! تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا'' یعنی ظاہری اسلام کے لئے زبان کا اقرار کافی ہے، اس سریہ کے متعلق ایک یمانی کی روایت ہے کہ یہ حضرت اسامہؓ کے میدان جنگ میں قدم رکھنے کا پہلا موقع تھا، اس سے معلوم ہوا کہ اس کے قبل کسی غزوہ میں نہیں شریک ہوئے اور اسی سے ان کی جنگ آزمائی کی ابتدا ہوئی۔

فتح مکہ...... فتح مکہ اسلام کی فتح و شکست کا آخری معرکہ تھا، اسامہ اس میں شریک تھے، اور فتح مکہ کے بعد بیت اللہ میں اس شان سے داخل ہوئے کہ آنحضرتؐ کی سواری پر آپ کے ساتھ سوار تھے، اور حضرت بلالؓ و عثمانؓ بن طلحہ جلو میں تھے، خانہ کعبہ کھلنے کے بعد چاروں آدمی ساتھ داخل ہوئے ان کے داخلہ کے بعد دروازہ بند کر لیا گیا۔[2]

امارت سریہ...... آنحضرت ﷺ نے ایک سے زائد سریے حضرت اسامہؓ کی سرکردگی میں بھیجے، ان میں سب سے اہم وہ سریہ تھا، جس میں ان کو اجلہ صحابہ پر شرف امارت عطا ہوا، اس کا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سفیر حضرت حارث بن عمیرؓ ازدی شاہ بصری کے دربار سے سفارت کی خدمت انجام دے کر واپس آ رہے تھے، کہ مقام موتہ میں شرحبیل بن عمرو غسانی نے ان کو شہید کر دیا، آنحضرت ﷺ نے اس کے انتقام میں حضرت زید کی زیر قیادت ایک سریہ روانہ کیا، لیکن یہ بھی شہید ہوئے، اور ان کے ساتھ اکابر صحابہ میں حضرت جعفر طیارؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے بھی جام شہادت پیا، آنحضرت ﷺ کو ان بزرگوں کی شہادت کا بڑا قلق ہوا، چنانچہ اپنی وفات کے کچھ دنوں پہلے شہداء کے انتقام کے لئے ایک اور سریہ روانہ کیا اور چونکہ حضرت اسامہؓ کے والد حضرت زیدؓ شہید ہوئے تھے، اس لئے اس سریہ کا امیر اسامہ کو بنایا، اس میں ان کی دلدہی بھی مدنظر تھی، اور والد کی شہادت کی وجہ سے انتقام کا جو جذبہ ان میں ہو سکتا تھا وہ دوسرے میں ممکن نہ تھا۔

چنانچہ صفر ۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ نے سریہ کی تیاری کا حکم دیا، اور اسامہؓ کو بلا کر اس کے متعلق ضروری ہدایات فرمائیں، لیکن ابھی یہ سریہ روانہ نہ ہوا تھا کہ آنحضرت کو بیماری کی علامات شروع ہو گئیں، مگر آپ پر حضرت زیدؓ اور جعفر کی شہادت کا اتنا اثر تھا، کہ اس کی روانگی ملتوی نہ

---

[1] بخاری ج ۲ کتاب المغازی باب بعث النبی ﷺ اسامہ بن زید۔
[2] صحیح مسلم کتاب الایمان، [3] بخاری ج ۲ کتاب المغازی باب فتح مکہ

فرمائی اور اسی بیماری کی حالت میں اپنے دست مبارک سے علم مرحمت فرمایا اور سریہ روانہ ہو گیا، پہلی منزل مقام جرف میں کی، اس سریہ میں حضرت عمر ابو عبیدہ بن جراح، ابن سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید اور قتادہ بن نعمان رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے کبار صحابہ سب اسامہؓ کی ماتحتی میں تھے، بعض لوگوں کو یہ ناگوار ہوا اور انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لڑکے کو مہاجرین اولین پر امیر بنایا ہے، آپ کو اس کی خبر ہوئی تو اس سے بہت تکلیف پہنچی اور اسی بیماری کی حالت میں سر میں پٹی باندھے ہوئے نکلے اور منبر پر چڑھ کر ایک مختصر تقریر فرمائی کہ "اسامہ بن زید کو امیر بنانے میں بعض لوگوں نے جو نکتہ چینیاں کی ہیں اس کی اطلاع مجھ کو ملی ہے اسامہ کی امارت پر یہ کوئی نیا واقعہ نہیں ہے، تم لوگ اس کے پہلے اس کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض کر چکے ہو، خدا کی قسم! وہ افسری کا سزاوار تھا اور اس کے بعد اس کا لڑکا افسری کا سزاوار ہے، وہ مجھ کو بہت محبوب تھا، اور یہ بھی ہر حسن ظن کے لائق ہے اس لئے تم لوگ اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ وہ تمہارے بہتر لوگوں میں ہے، اس تقریر کے بعد آپ کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔

اس سریہ کی پہلی منزل گاہ جرف مدینہ کے قریب ہی تھی، اس لئے جانے والوں کا سلسلہ برابر جاری تھا، لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آتے تھے، اور رخصت ہو کر جاتے تھے، حضرت اسامہؓ آنحضرت ﷺ کو بیمار چھوڑ کر گئے تھے، اس لئے وہ بھی دیکھنے آجاتے تھے، اتوار کے دن آنحضرت ﷺ کا مرض زیادہ بڑھ گیا، حضرت اسامہؓ منزل گاہ سے مزاج پرسی کے لئے آئے، اس وقت آپ پر غفلت طاری تھی، اسامہؓ نے آکر بوسہ دیا، آپ بالکل خاموش تھے، تاہم اسامہؓ کی دعا کے لئے دست مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے تھے اور حضرت اسامہؓ پر رکھتے تھے، اسامہؓ دیکھ کر واپس گئے اور دوسرے دن صبح کو پھر دیکھنے آئے، اس دن افاقہ تھا، آپ نے اسامہ کو روانگی کا حکم دیا، چنانچہ انہوں نے فوج کو کوچ کا حکم دے دیا لیکن قبل اس کے کہ حضرت اسامہؓ جرف سے روانہ ہوں، ان کی ماں ام ایمن کا آدمی ملا کہا کے "رسول ﷺ کا وقت آخر ہے، فوراً مدینہ چلے آؤ" چنانچہ اسامہؓ، عمرؓ اور ابو عبیدؓ اسی وقت مدینہ پہنچے، اس وقت آنحضرت ﷺ اس دنیائے فانی کو چھوڑ رہے تھے، آپ کی وفات کے بعد پوری فوج جرف سے مدینہ آگئی اور یہ مہم اس وقت ملتوی ہو گئی اور اسامہ بن زیدؓ آنحضرت ﷺ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے اور جسم مبارک کو قبر انور میں اتارنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔[۲]

چونکہ آنحضرت ﷺ آخر وقت تک برابر اسامہؓ کو روانگی کی تاکید فرماتے رہے تھے اس لئے حضرت ابو بکرؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی اسامہؓ کی روانگی کا حکم دیا اور بریدہ حصیب علم کو

---

[۱] بخاری ج کتاب المغازی باب فتح مکہ

[۲] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۳۶، ۱۳۷، جسم مطہر کو قبر میں اتارنے کا واقعہ طبقات ج ۲ ق ۲ ص ۶۷ میں ہے، مختصراً اس سریہ کا ذکر بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ زید بن حارثہ باب بعث النبی صلعم اسامہ بن زید میں بھی ہے

لے کر جرف پہنچ گئے، لیکن اسی درمیان میں ارتداد کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا، لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ فی الحال اس مہم کو روک دیجئے خود حضرت اسامہؓ نے عرض کیا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو سکون کی حالت میں بھیجا تھا مگر اب حالات دوسرے ہیں اس لئے فی الحال یہ مہم ملتوی کر دیجئے، لیکن آپ نے جواب دیا کہ خواہ مجھ کو پرندے نوچ کھائیں، لیکن میں رسول ﷺ کے حکم کو پورا کیے بغیر نہیں رہ سکتا،[۱] بہر حال آپ اس مہم کو روکنے پر آمادہ نہ ہوئے اور فوج کو روانگی کا حکم دیا۔

پہلی مرتبہ گو آنحضرت ﷺ کی فہمائش سے لوگوں نے اسامہ کی امارت منظور کر لی تھی، لیکن دل سے سب ناپسند کرتے تھے، اس لئے دوبارہ جب حضرت ابوبکرؓ نے اسامہؓ کی روانگی کا حکم دیا تو انصار کی جماعت نے آپ کے پاس حضرت عمرؓ کو بھیجا کہ اسامہؓ کو بجائے کسی مسن اور معمر شخص کو امارت کا عہدہ دیا جائے، یہ پیام سن کر آپ بہت برہم ہوئے اور فرمایا، ابن خطاب! جس شخص کو رسول اللہ ﷺ نے امیر بنایا ہے تم مجھ سے اس کے معزول کرنے کی خواہش کرتے ہو! اور بلا کسی قسم کی تبدیلی کے بعینہ وہی فوج روانہ کی اور تھوڑی دور خود پیادہ پا رخصت کرنے کے لئے گئے، اسامہؓ نے عرض کیا یا خلیفہ رسول اللہ! آپ سوار ہو کر چلیں، ورنہ ہم لوگ سواریوں سے اتر پڑیں گے، فرمایا نہ مجھ کو سوار ہونے کی ضرورت ہے، نہ تم کو اترنے کی، میرے پیروں کو خدا کی راہ میں غبار آلود ہونے دو،[۲] غرض حضرت ابوبکرؓ اس شان سے حضرت اسامہؓ کو رخصت کیا، اور حضرت اسامہ نے منزل مقصود پر پہنچ کر دشمنوں سے نہایت کامیاب مقابلہ کیا اور اپنے والد بزرگوار کے قاتل کو واصل جہنم کیا اور حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں فتح کا مژدہ بھیجا، آپ اس فتح سے اس قدر مسرور ہوئے کہ اسامہ کی واپسی تک مہاجرین وانصار کو لے کر مدینہ سے باہر ان کے استقبال کو نکلے، اسامہ نہایت شاندار طریقہ سے مدینہ میں داخل ہوئے آگے آگے بریدہ بن حصیب پرچم لہرا رہے تھے اور اس کے پیچھے اسامہؓ اپنے والد کے سبحہ نامی گھوڑے پر سوار تھے، مدینہ آتے ہی انہوں نے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر گھر گئے۔[۳]

عہد فاروقی..... حضرت اسامہؓ آنحضرت ﷺ کو محبوب تھے، اس لئے آپ کے جانشین بھی ان کا بہت لحاظ رکھتے تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ہمیشہ ان کا خیال رکھا، چنانچہ جب آپ نے تمام صحابہؓ کے وظائف مقرر کیے تو اپنے صاحبزادہ عبداللہ کا ڈھائی ہزار اور اسامہؓ کا تین ہزار مقرر کیا، عبداللہ نے عرض کی اس تفریق کا کیا سبب ہے، جب کہ میں تمام غزوات میں اسامہ کے دوش بدوش رہا، اور آپ ان کے والد زید سے کبھی پیچھے نہ رہے؟ فرمایا سچ ہے، لیکن آنحضرت ﷺ ان کو تم سے اور ان کے والد کو تمہارے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔[۴]

عہد عثمانی...... حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں فتنہ وفساد کے خیال سے ملکی معاملات میں

---

[۱] تاریخ الخلفاء سیوطی ۷۱، [۲] ایضا

[۳] ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۳۷، [۴] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۵۹

علانیہ کوئی حصہ نہیں لیا، لیکن ایک خیر خواہ مسلمان کی حیثیت سے قیام نظم اور انسداد مفاسد پر حضرت عثمانؓ سے خفیہ طور پر گفتگو کرتے تھے، لوگوں نے خواہش ظاہر کی کہ آپ عثمانؓ سے فتنوں کے فرو کرنے کے متعلق گفتگو کیجئے جواب دیا، تم لوگ علانیہ مجھ کو درمیان میں ڈالنا چاہتے ہو، اور میں ان سے خفیہ گفتگو کرتا ہوں کہ مبادا میری علانیہ گفتگو سے نیا فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو اور اس کی ساری ذمہ داری مجھ پر عائد ہو جائے۔[1]

عہد معاویہؓ وعلیؓ...... حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب زیادہ شورش بڑھی تو اسامہ بالکل علیحدہ ہو گئے[2] حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی معرکہ آرائیوں میں بالکل کنارہ کش رہے، اور حضرت علیؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر آپ شیر کی داڑھ میں گھستے تو میں بھی بخوشی گھس جاتا لیکن اس معاملہ میں حصہ لینا پسند نہیں کرتا۔[3] گو وہ مسلمانوں کی خونریزی کے خوف سے ان لڑائیوں میں غیر جانبدار تھے، تاہم حضرت علیؓ کو حق پر جانتے تھے، اور آخر دم تک اس غیر جانبداری پر کف افسوس ملتے تھے، ابرہیم کی روایت ہے کہ اسامہ حضرت علیؓ کو امداد نہ کرنے پر اس درجہ نادم رہے کہ آخر میں توبہ کی۔[4]

وفات......امیر معاویہؓ کے آخر زمانہ امارت ۵۴ھ میں مدینہ میں وفات پائی[5]، اس وقت ساٹھ سال کی عمر تھی۔

اہل وعیال...... حضرت اسامہؓ نے متعدد شادیاں کیں اور کثرت سے اولادیں ہوئیں، پہلی شادی ۱۴ سال کی عمر میں خود آنحضرت ﷺ نے زینب بنت حنظلہ کے ساتھ کر دی تھی، مگر حضرت اسامہؓ نے ان کو طلاق دے دی، دوسری شادی نعیم بن عبداللہ النحام نے آنحضرت ﷺ کے ایما سے اپنے یہاں کر دی، ان کے بطن سے ابرہیم بن اسامہؓ تھے، اس کے علاوہ خود حضرت اسامہؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، ان سے حسب ذیل اولادیں ہوئیں:-

نام بیوی	نام اولاد
ہند بنت فاکہہ	
درہ بنت عدی	محمد، ہندہ
فاطمہ بنت قیس	جبیر، زید، عائشہ
ام حکم بنت عتبہ	،
بنت ابی ہمدان سہمی	،
برزہ بنت ربعی	،
	حسن، حسین

[1] بخاری جلد ۱ ص ۴۶۲ [2] اصابہ جلد ۱ ص ۲۹ [3] بخاری جلد ۲ ص ۱۰۵۳ [4] استیعاب ج ۱ ص ۲۹ [5] ایضاً۔

ذریعۂ معاش...... دربار خلافت سے ۳ ہزار وظیفہ ملتا تھا، اس کے علاوہ وادی القریٰ میں کچھ جائیداد تھی، جس کے انتظام کے لئے اکثر جایا کرتے تھے۔[1]

فضائل اخلاق...... بہت سے فضائل بیشتر صحابہؓ میں مشترک ہیں، لیکن اکابر صحابہ میں منفرد طور پر بعض مخصوص فضائل ایسے ہیں جو ان کی خصوصیات کا شمار کیے جاتے ہیں، مثلاً: ابن عمرؓ اور ابوذر غفاریؓ کی اکثر صفات میں اشتراک ہے، لیکن عبداللہ بن عمر کا علم و فضل اور ابوذرؓ غفاری کا زہد و تقویٰ، ایک کو دوسرے سے ممتاز کرتا تھا اور یہی صفات ان کی زندگی کے روشن ابواب کہے جا سکتے ہیں، اسی طرح اسامہ بن زیدؓ کی بارگاہ نبوت میں پذیرائی اور ان کی محبوبیت ان کا مخصوص طغرائے امتیازی تھا، جو بلا استثنا کسی صحابی کو حاصل نہ تھا۔

آنحضرت ﷺ نے بارہا اپنی زبان مبارک سے اس کا اظہار فرمایا ہے، اور اسامہؓ کے ساتھ آپ کا طرزِ عمل بھی اس کا شاہد ہے، آنحضرت ﷺ کو اپنے متعلقین میں حضرت حسنینؓ سے زیادہ کسی سے محبت نہ تھی، لیکن اسامہؓ بن زید وہ شخص ہیں جو اس محبت میں بھی شریک و سہیم تھے، آنحضرت ﷺ ایک زانو پر اسامہؓ کو بٹھاتے اور ایک پر حسنؓ کو اور دونوں کو ملا کر فرماتے کہ خدایا میں ان دونوں پر رحم کرتا ہوں اس لئے تو بھی رحم فرما۔[2] دوسری روایت میں ہے کہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں اس لئے تو بھی محبت فرما۔[3] حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اسامہؓ مجھ کو سب لوگوں میں محبوب تر ہے۔[4]

ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ اس کا باپ مجھ کو سب سے زیادہ محبوب تھا، اب یہ سب سے عزیز ہے۔[5]

ایک مرتبہ حضرت اسامہؓ چوکھٹ پر گر پڑے اور پیشانی پر زخم آگیا، آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اس کا خون صاف کر دو، آپ کو کراہت معلوم ہوئی تو خود اٹھ کر صاف کر کے لعاب دہن لگایا۔[6]

کبھی کبھی وفور محبت میں مزاح بھی فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضرت اسامہؓ کاشانہ نبویؐ میں بیٹھے تھے، حضرت عائشہؓ بھی تشریف فرما تھیں، آپ اسامہؓ کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ اگر یہ میری بیٹی ہوتی تو میں ان کو خوب زیور پہناتا اور بناؤ سنگھار کرتا، تاکہ ان کا چرچا ہوتا اور ہر جگہ سے پیام آتے۔[7]

بارگاہ نبوت میں حضرت اسامہؓ کے رسوخ کا اس سے اندازہ ہوگا کہ جب کوئی ایسی

---

[1] ابن سعد جز ۴ ق اول ص ۵۰ — [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۰۵
[3] بخاری جلد ۲ کتاب المناقب اسامہ بن زیدؓ
[4] مستدرک جلد ۳ ص ۵۹۶۔ — [5] بخاری کتاب المغازی باب بعث اسامہؓ
[6] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۴۳ — [7] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۴۳

سفارش آنحضرت ﷺ سے کرنی ہوتی، جس میں ام المؤمنین حضرت عائشہ جھکتیں تو وہ اسامہؓ کے سپرد کی جاتی، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی لوگوں نے کہا اس کے بارے میں کون شخص آنحضرت ﷺ سے سفارش پر آمادہ ہوتا ہے، اسامہؓ کے علاوہ کسی کی ہمت نہ پڑی، انہوں نے جا کر آپ سے گفتگو کی لیکن حدود اللہ کا معاملہ تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے نہ سنی، بلکہ آپ کو ناگوار ہوا، اور فرمایا اگر بنی اسرئیل میں کوئی شریف آدمی چوری کرتا تھا، تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور اگر معمولی آدمی اس کا مرتکب ہوتا تھا تو اس کے ہاتھ کاٹتے تھے، خدا کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔[1]

اسامہؓ آنحضرت ﷺ کے محرم راز اور معتمد علیہ تھے اور ان کی حیثیت اہل بیت میں ممبر خاندان کی تھی آپ اہم سے اہم اور نازک سے نازک خانگی امور تک میں بھی ان سے مشورہ لیتے تھے، افک جیسے نازک اور اہم معاملہ میں جس میں منافقین نے ناموس نبوت پر حرف لانا چاہا تھا اور جس کی صفائی خود زبان وحی والہام نے دی، اسامہ بھی حضرت علیؓ کے ساتھ شریک مشورہ تھے، چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب افک والوں نے اتہام لگایا تو آنحضرتؐ نے علیؓ اور اسامہؓ بن زید سے اپنی اہل خانہ کی علیحدگی کے بارہ میں مشورہ کیا اور ان سے حالات دریافت کئے ہیں۔[2]

چونکہ آنحضرت ﷺ اسامہؓ کو محبوب رکھتے تھے، اس لئے صحابہ کرام بھی ان کو بہت مانتے تھے، حضرت عمرؓ کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے، صحابہ کرامؓ نہ صرف اسامہ بلکہ ان کی اولاد تک کا احترام کرتے تھے، ایک دن ابن عمرؓ نے ایک شخص کو مسجد کے گوشہ میں دیکھا، لوگوں سے کہا، دیکھو کون شخص ہے، کسی نے کہا ابوعبدالرحمن! تم اس کو نہیں پہچانتے یہ اسامہؓ کے بیٹے محمد ہیں، آپ نے یہ سن کر سر جھکالیا اور زمین کرید کر کہنے لگے کہ آنحضرت ﷺ ان کو دیکھتے تو محبوب رکھتے۔[3]

اس غیر معمولی محبت کی وجہ سے قدرۃً کچھ منافق اسامہ کے حاسد بھی پیدا ہو گئے تھے یہ لوگ اسامہؓ کو ذلیل اور آنحضرت ﷺ کے کبیدہ خاطر کرنے کے لئے کہتے کہ اسامہؓ زیدؓ کے نطفہ سے نہیں ہیں، آنحضرت ﷺ کو اس سے تکلیف پہنچتی۔

لیکن ان کے خاموش کرنے کا کوئی طریقہ نہ تھا، عربوں میں قیافہ شناسی کا ملکہ بہت تھا قائف کی بات عام طور پر ہم پایہ وحی سمجھی جاتی تھی، اتفاق سے ایک دن مجزز مدلجی جس کو قیافہ شناسی میں خاص مہارت تھی، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت زیدؓ اور اسامہؓ دونوں سر سے پیر تک ایک چادر اوڑھے ہوئے لیٹے تھے، صرف پاؤں کھلے ہوئے تھے اس نے یہ

---

[1] بخاری ج ۲ کتاب المناقب ذکر اسامہؓ و طبقات ابن سعد
[2] بخاری جلد ا کتاب الشھادت و ج ۲ کتاب الاعتصام باب قولہ تعالی و امرھم شوری بینھم
[3] بخاری ج ا کتاب المناقب ذکر اسامہؓ

دیکھ کر کہا کہ یہ قدم ایک دوسرے سے پیدا ہیں، یہ سن کر آنحضرت ﷺ کو بہت مسرت ہوئی، آپ حضرت عائشہؓ کے پاس ہنستے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا تم کو کچھ معلوم ہے، مجرز نے ابھی اسامہؓ کے پاؤں دیکھ کر کہا کہ یہ قدم ایک دوسرے سے پیدا ہیں؛! اس واقعہ میں یہ بات لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ آنحضرت ﷺ کو قائف کے کہنے پر محض اس وجہ سے مسرت ہوئی کہ اس سے دشمنوں کی زبان بند ہوگئی ورنہ شان نبوت اس سے بہت بلند ہے کہ وہ کاہنوں نجومون اور قائفوں کی بات کا یقین کرے۔

آنحضرت ﷺ کے پاس جو چیز اچھی اور بیش قیمت ہوتی اس کو اسامہؓ کو دیتے، ذی یزن نے حالت شرک میں حکیم بن حرام کے ذریعہ سے آپ کی خدمت میں ہدیہ ایک بیش قیمت حلہ پیش کیا، آپ نے فرمایا میں مشرک کا ہدیہ نہیں قبول کرتا، لیکن اب تم لا چکے ہو اس لئے قیمتاً لے لوں گا، چنانچہ پچاس دینار میں خرید لیا اور ایک مرتبہ پہن کر اسامہؓ کو دے دیا۔[۲]

دحیہ کلبی نے کتان کا کپڑا آنحضرت ﷺ کو ہدیہ دیا تھا، آپ نے اسامہ کو پہنا دیا، انہوں نے اپنی بیوی کو دے دیا، ایک دن آپ نے پوچھا، کتان کیوں نہیں پہنتے؟ عرض کیا یارسول اللہ! بیوی کو دے دیا فرمایا، اچھا اس سے کہہ دو کہ نیچے سینہ بند پہن لے ورنہ بدن دکھائی دے گا،[۳] غرض آپ اپنے اہل وعیال اور اسامہؓ میں کوئی تفریق نہیں کرتے تھے۔[۴]

فضل وکمال..... اس لحاظ سے کہ حضرت اسامہؓ نے آنحضرت ﷺ کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی، آپ سراپا علم ہونا چاہیے تھا، لیکن آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت آپ کی عمر صرف اٹھارہ سال یا زیادہ سے زیادہ بیس سال کی تھی، اس لئے سن شعور کو پہنچنے کے بعد صحبت نبوی سے فیضیاب ہونے کا زیادہ موقع نہ ملا تاہم اس مدت میں جو کچھ بھی آپ نے حاصل کر لیا، اس کو کم نہیں کہا جا سکتا، اقوال نبوی ﷺ کا کافی ذخیرہ ان کے سینہ میں محفوظ تھا، بعض مرتبہ کبار صحابہ کو جس چیز کا علم نہ ہوتا، اس میں وہ ان کی طرف رجوع کرتے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو جب طاعون کے متعلق کوئی حکم نہ ملا تو آپ نے حضرت اسامہؓ سے دریافت کیا کہ تم نے آنحضرت سے طاعون کے بارے میں کیا سنا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ طاعون ایک قسم کا عذاب ہے جو بنی اسرائیل کے ایک خاص طبقہ پر بھیجا گیا تھا، اس لئے جب تم سنو کہ فلاں جگہ طاعون پھیلا ہے تو وہاں نہ جاؤ اور خود تمہارے یہاں یہ وبا پھیلے وہاں سے بھاگنے کی نیت سے نہ نکلو۔[۵]

آپ کے عمل سے دوسرے لوگ سند لاتے تھے، حضرت میمونہؓ نے اپنے ایک عزیز کا ازار بہت نیچا دیکھا تو اس کو ملامت کی، انہوں نے کہا میں نے اسامہ بن زید کو نیچا ازار پہنے دیکھا ہے،

---

[۱] بخاری جلد ۲ کتاب الفرائض باب القائف،
[۲] ابن سعد جزء ۴ قسم اول ص ۴۵،
[۳] ابن سعد جزء ۴ ق ۱ ص ۴۵
[۴] ابن سعد جزء ۴، ص ۴۵،
[۵] بخاری ج ۱ ص ۴۹۴

حضرت میمونہ نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو، یہ ممکن ہے کہ ان کا پیٹ بھاری تھا، اس لئے اس پر نہ ٹھہرتا رہا ہو اور نیچے کھسک جاتا ہو۔[1]

آپ کی ذات سے حدیث کا معتدبہ حصہ اشاعت پذیر ہوا، ان کی مرویات کی تعداد ۱۲۸ ہے، جن میں سے ۱۵ متفق علیہ ہیں، ان کے علاوہ مزید دو بخاری اور مسلم میں ہیں۔[2] حسن، محمد ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ کریب، ابو عثمان نہدی، عمرو بن عثمان بن عفان، ابو وائل، عامر بن سعد حسن بصری وغیرہم نے آپ سے روایتیں کی ہیں۔

اخلاق وعادات..... چونکہ اسامہؓ نے آنحضرت ﷺ کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی، اس لیے ان پر قدرۃً تعلیمات نبوی کا خاصا اثر پڑا تھا۔[3]

خدمت رسول...... کاشانہ نبویؐ میں کثرت سے آتے جاتے تھے، اور اکثر سفر میں بھی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا تھا، اس لئے خدمت نبوی کا زیادہ موقع ملتا تھا، اکثر وضو وغیرہ کے وقت پانی ڈالنے کی خدمت انجام دیتے تھے۔[4]

پابندی سنت...... سنت کی پابندی شدت سے کرتے تھے، آخر عمر میں جب کہ قویٰ ریاضت جسمانی کے متحمل نہ تھے، اس وقت بھی مسنون روزے التزام کے ساتھ رکھتے تھے، ایک مرتبہ ایک غلام نے کہا اب آپ کی عمر ضعف وناتوانی کی ہے، آپ کیوں دوشنبہ اور پنجشنبہ کے روزہ کا التزام کرتے ہیں؟ کہا آنحضرت ﷺ ان دنوں میں روزہ رکھا کرتے تھے۔[5]

اطاعت والدین..... والدین کی خوشنودی کا بہت زیادہ لحاظ رکھتے تھے، اور اس میں بڑی بڑی مالی قربانی سے دریغ نہیں کرتے تھے، محمد بن سیرین روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں کھجور کے درختوں کی قیمت ایک ہزار تک پہنچ گئی تھی، اس زمانہ میں حضرت اسامہؓ نے ایک درخت کی پیڑی کھوکھلی کر کے اس کا مغز نکالا، لوگوں نے پوچھا یہ کیا کر رہے ہیں؟ آج کل درختوں کی قیمت اس قدر بڑھی ہوئی ہے اور تم اس کو ضائع کرتے ہو، کہا میری ماں نے فرمائش کی تھی اور وہ جس چیز کی فرمائش کرتی ہیں، اگر اس کا حصول میرے امکان میں ہوتا ہے تو اس کو میں ضرور پوری کرتا ہوں۔[6]

---

[1] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۴۹
[2] تہذیب الکمال ص ۳۶
[3] تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۰۸،
[4] بخاری ج ۱ کتاب الوضو باب الرجل یوضی صاحبہ،
[5] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۲۰۰،
[6] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۴۹

حضرت عمرو بن العاصؓ

نام ونسب...... عمرو نام، ابوعبداللہ اور ابومحمد کنیت، والد کا نام عاص اور والدہ کا نام نابغہ تھا، جدی سلسلہ نسب یہ ہے، عمرو بن العاص بن وائل بن ہاشم بن سعید بن سہم بن عمرو بن حصیص ابن کعب بن لوی بن غالب قرشی سہمی، نانہالی نسب یہ ہے، نابغہ بنت حرملہ بن حارث بن کلثوم بن جوش بن عمرو بن عبداللہ بن حزیمہ عزہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار۔

قبل از اسلام...... عمرو بن العاص کا خاندان "بنو سہم" زمانہ جاہلیت سے معزز چلا آتا تھا، قریش کے سیاسی نظام میں مقدمات کا عہدہ اسی خاندان میں تھا، عمرو بن العاصؓ جب تک اسلام نہیں لائے تھے، اسلام کی دشمنی اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں عمائد قریش کی طرح یہ بھی پیش پیش تھے، چنانچہ مسلمانوں کا پہلا قافلہ جب ہجرت کر کے حبشہ گیا تو قریش کا جو وفد ان لوگوں کو حبشہ سے نکلوانے کے لئے نجاشی کے پاس گیا تھا، اس کے سب سے سرگرم رکن عمرو بن العاص ہی تھے چنانچہ حبشہ پہنچ کر مسلمانوں کے اخراج میں ہر قسم کی کوششیں کیں، پہلے بطریقوں سے مل کر ان کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا کہ یہ لوگ بھی مسلمانوں کے نکالنے میں وفد قریش کی تائید کریں، اس کے بعد شاہ حبش کی خدمت میں ہدایا پیش کر کے ساری امکانی کوششیں صرف کیں کہ وہ کسی طرح مسلمانوں کو پناہ نہ دیں، لیکن ان کی تمام مساعی ناکام رہیں[1]

غزوۂ خندق میں جس میں سارا عرب مسلمانوں کے خلاف امنڈ آیا تھا، حضرت عمرو بن العاصؓ مشرکین کے ساتھ تھے اور مسلمانوں کی بیخ کنی میں پورا زور صرف کر رہے تھے[2]

اسلام کی طرف میلان...... حضرت عمرو بن العاصؓ اگر چہ اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کے سخت ترین دشمن تھے لیکن غزوۂ خندق کے بعد سے وہ اسلام سے متاثر ہونے لگے وہ اکثر دنیا اور اس کے انجام اور اسلام کی تعلیمات پر غور کیا کرتے تھے، ان کا بیان ہے کہ اس غور وفکر سے اسلام کی حقیقت مجھ پر ظاہر ہونے لگی، اور اس سے میرا دل متاثر ہونے لگا، اور میں نے مسلمانوں کی مخالفت سے رفتہ رفتہ کنارہ کشی اختیار کرنا شروع کی، قریش نے اس کو محسوس کیا اور اس کی حقیقت دریافت کرنے کے لئے ایک شخص کو بھیجا، اس نے مجھ سے بحث کرنا شروع کی، میں نے اس سے کہا "بتاؤ ہم حق پر ہیں یا فارس وروم والے؟ اس نے کہا ہم ہیں، پھر میں

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو مقدمہ سیر المہاجرین،
[2] ابن سعد حصہ مغازی حالات غزوۂ خندق

نے پوچھا کہ انکو عیش و تنعم میسر ہے یا ہم کو؟ اس نے کہا ان کو میں نے کہا کہ اگر اس عالم کے بعد دوسرا عالم نہیں ہے تو ہماری حق پرستی کس کام آئے گی، جب کہ ہم دنیا میں بھی باطل پرستوں کے مقابلہ میں تنگ حال رہے اور دوسرے عالم میں بھی بدلہ کی کوئی امید نہ ہو، اس لئے محمد ﷺ کی یہ تعلیم کہ مرنے کے بعد ایک دوسرا عالم ہوگا جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا ملے گی کس قدر صحیح اور دلنشین ہے،[1] غزوۂ خندق کے بعد ان کو آنحضرت ﷺ کی کامیابی کا پورا یقین تھا، اور یہی یقین ان کے اسلام کا ذریعہ بنا، اس کی تفصیل مسند احمد بن حنبل میں خود ان کی زبانی مذکور ہے۔[2]

اسلام...... ان کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ غزوۂ احزاب سے واپس ہوئے تو میں نے قریش کے ان اشخاص کو جو مجھے مانتے تھے اور میری بات سنتے تھے، جمع کر کے کہا کہ خدا کی قسم تم لوگ یقین جان لو کہ محمد ﷺ کی بات تمام باتوں پر سربلند ہوگی، اس میں کسی انکار کی گنجائش نہیں، میری ایک رائے ہے، تم اس کو کیسی سمجھتے ہو، لوگوں نے پوچھا کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا، ہم لوگ نجاشی کے پاس چل کر قیام کریں، اگر محمد ہماری قوم پر غالب آ گئے تو ہم لوگ نجاشی کے پاس ٹھہر جائیں گے، کیوں کہ نجاشی کی ماتحتی میں رہنا محمد کی ماتحتی سے کہیں زیادہ پسندیدہ ہے، اور اگر ہماری قوم محمد ﷺ پر غالب ہوئی تو ہم ممتاز لوگ ہیں، ہمارے ساتھ ان کا طرز عمل بہتر ہی ہوگا، اس رائے پر سب نے اتفاق کیا، میں نے کہا پھر اس کو تحفہ دینے کے لئے کوئی چیز مہیا کرو، نجاشی کے لئے ہمارے یہاں سب سے بہتر تحفہ چمڑہ تھا چنانچہ بہت سا چمڑا لیکر ہم لوگ حبشہ پہنچے، ہم لوگ نجاشی کے دربار میں جا رہے تھے کہ عمرو بن امیہ ضمری بھی پہنچ گئے ان کو رسول اللہ ﷺ نے جعفر اور ان کے ساتھیوں کی کسی ضرورت سے نجاشی کے پاس بھیجا تھا، جب وہ آکر چلے گئے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ نجاشی سے درخواست کریں کہ وہ عمرو بن امیہ ضمری کو ہمارے حوالہ کردے، اگر وہ دیدے تو اس کی گردن ماردیں تاکہ قریش کو معلوم ہو جائے کہ ہم نے محمد ﷺ کے سفیر کا سر قلم کر کے ان کا بدلہ لے لیا، یہ کہہ کر نجاشی کے دربار میں گیا اور حسب معمول سجدہ کیا، اس نے خوش آمدید کہا اور پوچھا میرے لیے اپنے ملک کا کوئی تحفہ لائے؟ میں نے عرض کیا حضور بہت سا چمڑہ تحفہ لایا ہوں اور جو چمڑہ لے گیا تھا اس کو پیش کر دیا، اس نے بہت پسند کیا، پھر میں نے عرض کیا عالیجاہ! ابھی میں نے ایک آدمی حضور کے پاس سے نکلتے ہوئے دیکھا ہے، یہ ہمارے دشمن کا بھیجا ہوا ہے، حضور قتل کرنے کے لئے اس کو ہمارے حوالہ کردیں، اس نے ہمارے شرفاء اور معززین کو تکلیفیں پہنچائی ہیں، نجاشی یہ درخواست سن کر بہت غضبناک ہوا اور ہاتھ کھینچ کر اس نے زور سے اپنی ناک پر مارا کہ میں سمجھا ٹوٹ جائے گی، اس کی اس حرکت سے میں اس قدر نادم و شرمسار ہوا کہ اگر زمین شق ہوتی تو میں اس میں سما جاتا، پھر میں نے عرض کی،

[1] ابن سعد حصہ مغازی حالات غزوۂ خندق [2] اصابہ ج ۵ ص ۲

شاہا! اگر میں سمجھتا کہ حضور کو یہ درخواست ناگوار ہوگی تو میں نہ کرتا، وہ بولا تم چاہتے ہو کہ میں ایسے شخص کا قاصد جس کے پاس وہ ناموس اکبر آتا ہے جو موسیٰ کے پاس آیا کرتا تھا، قتل کے لئے تمہارے حوالہ کردوں۔ میں نے عرض کی، عالی جا! کیا واقعی وہ ایسا ہے؟ وہ بولا عمرو! تمہاری حالت قابل افسوس ہے، میرا کہنا مانو اور اس کی پیروی کرلو، خدا کی قسم! وہ حق پر ہے، وہ اپنے تمام مخالفوں پر غالب آئے گا، جس طرح موسیٰ فرعون اور اسکے لشکر پر غالب ہوئے تھے، میں نے کہا پھر اس کی طرف سے آپ مجھ سے اسلام کی بیعت لے لیجئے! چنانچہ اس نے ہاتھ پھیلایا اور میں نے اسلام کی بیعت کی، یہاں سے جب میں ساتھیوں کے پاس لوٹ کر گیا، تو میرے تمام خیالات پلٹ چکے تھے، لیکن میں نے اپنے ساتھیوں پر ظاہر نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک حق پرست پر اسلام لانے کے لئے روانہ ہوگیا، راستہ میں خالد بن ولید مکہ سے آتے ہوئے ملے، یہ فتح مکہ کے پہلے کا واقعہ ہے میں نے کہا ابا سلیمان! کہاں کا قصد ہے؟ وہ بولے خدا کی قسم! خوب پانسہ پڑا، خدا کی قسم یہ شخص یقیناً نبی ہے، اب جلد اسلام قبول کرلینا چاہیے، یہ لیت ولعل کب تک، میں نے کہا خدا کی قسم میں بھی اسی قصد سے چلا ہوں، چنانچہ ہم دونوں ایک ساتھ رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا پہلے خالد ابن ولید نے بیعت کی، پھر میں نے قریب ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میں بیعت کروں گا، لیکن آپ میرے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیجئے، آپ نے فرمایا، عمرو بیعت کرلو، اسلام اپنے ماقبل کے گناہوں کو معاف کردیتا ہے اور ہجرت بھی اپنے ماقبل کے گناہوں کو ختم کردیتی ہے، چنانچہ میں نے بیعت کی اور بیعت کر کے لوٹ گیا۔[1]

ہجرت...... قبول اسلام کے بعد مکہ لوٹ گئے، پھر کچھ ہی دنوں کے بعد ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے،

غزوات وسرایا...... حضرت عمرو بن العاصؓ جس طرف رہے، انتہا پسند رہے، اسلام کے قبل اس کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور اسلام کے بعد کفر وشرک کے استیصال میں اسی شدومد سے کمربستہ ہوگئے، قبول اسلام کے کے بعد گذشتہ مخالفتوں کو یاد کر کے پشیمان ہوتے تھے، چنانچہ کہا کرتے تھے، جب میں حالت کفر میں تھا تو آنحضرت ﷺ کا سب سے بڑا دشمن تھا، اگر اسی حالت میں مرجاتا تو میرے لئے دوزخ کے علاوہ کوئی ٹھکانا نہ تھا، اور جب بیعت کر کے حلقہ بگوش اسلام ہوا تو کبھی آنحضرت ﷺ سے آنکھیں نہ چار کرسکا۔[2]

سریہ ذات السلاسل...... فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے عرب کے مختلف حصوں میں دعوت اسلام کے لئے تبلیغی دستے روانہ فرمائے تھے، اسی سلسلہ کا ایک سریہ ذات السلاسل بھی ہے، ابن سعد نے اس سریہ کو سرے سے مدافعانہ لکھا ہے، چنانچہ ان کی روایت کے مطابق

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۱۹۸، [2] استیعاب ج ۲ ص ۴۴۹

صورت واقعہ یہ ہے کہ بنوقضاعہ کے کچھ اشخاص نے ایک جماعت فراہم کر کے مسلمانوں پر حملہ کا ارادہ کیا، آنحضرت کو اطلاع ہوئی تو آپ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو تین سو مہاجرین وانصار کی جمعیت کے ساتھ روانہ کیا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ پہلے سریہ مدافعت کی غرض سے نہیں بھیجا تھا، بلکہ اس کا مقصد اشاعت اسلام تھا علامہ ابن اثیرؒ نے تصریح کر دی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عمرو بن العاصؓ کو قبیلہ بلی اور عذری کی طرف راغب کریں۔[۱] لیکن جب قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ لڑنے پر آمادہ ہیں، عمرو بن العاصؓ نے آنحضرت ﷺ سے امداد طلب کی آپ نے دو سو آدمیوں کی ایک جمعیت ابو عبیدہؓ کے ساتھ روانہ کی، جس میں حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ بھی شامل تھے اور تاکید فرمادی کہ کسی بارہ میں باہم اختلاف نہ کرنا، ابو عبیدہؓ امدادی دستہ لے کر پہنچے تو ان میں اور عمرو بن العاصؓ میں امارت کے بارہ میں اختلاف ہو گیا، عمرو بن العاصؓ کہتے تھے کہ امامت میرا حق ہے، کیونکہ میں فوج کا امیر ہوں، اور میری امداد کے لئے آئے ہو، اس لئے میرے ماتحت ہو، ابو عبیدہ نے آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے مطابق گریز کیا اور ان کی امامت قبول کر لی اس کے بعد دونوں بلی، عذری، اور بلقین کی آبادیوں کو پامال کرتے ہوئے اس کے آخری حد تک بڑھتے چلے گئے، راستہ میں صرف ایک جماعت سے مقابلہ ہوا، مگر وہ بھی ہزیمت کھا کر بھاگی۔

سریہ سواع...... فتح مکہ کے بعد جب کہ عرب کے اکثر قبائل مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے، بعض ایسے قبائل باقی رہ گئے تھے، جو صدیوں کے اعتقاد کی بنا پر بتکدوں کو ڈھاتے ہوئے ڈرتے تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے چند دستے صرف ان کے گرانے کے لئے بھیجے، تاکہ عرب کے دلوں سے ان کا خوف وہراس اور ان کی عظمت جاتی رہے سواع بنو ہذیل کا صنم کدہ تھا، آنحضرت نے عمرو بن العاصؓ کو اس کے ڈھانے پر متعین کیا، جب یہ وہاں پہنچے تو اس کے مجاور نے پوچھا کس نیت سے آئے ہو؟ عمرو بن العاصؓ نے کہا اس کو ڈھانے کے لئے، اس جواب پر اس نے مدافعت کرنے کے بجائے جواب دیا کہ تم اس کو نہ گرا سکو گے، وہ خود اپنی حفاظت کرے گا انہوں نے کہا تم اب اسی وہم اور باطل پرستی میں مبتلا ہو، جس میں سننے اور دیکھنے تک کی طاقت نہیں، وہ روک کیا سکتا ہے، یہ کہا اس کو مسمار کر کے مجاور سے بولے، اس کی طاقت دیکھ لی، وہ یہ واقعہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر مشرف باسلام ہو گیا۔[۲]

سفارت...... فتح مکہ کے بعد جب آنحضرت ﷺ نے آس پاس کے حکمرانوں کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے تو عمان کے حاکموں عبید وجیفر کے پاس خط لے جانے کی خدمت حضرت عمرو بن العاصؓ کے سپرد ہوئی، اس خط پر وہ دونوں مشرف بہ اسلام ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو یہاں کا عامل کر دیا،[۳] اس لئے وہ وفات نبوی تک وہیں مقیم رہے۔[۴]

---

[۱] اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۱۶۔ [۲] ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۰۵

[۳] اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۱۷ [۴] فتوح البلدان بلاذری ص ۸۳

فتنۂ ارتداد...... حضرت ابوبکرؓ کے استخلاف کے بعد جب ارتداد اور مدعیان نبوت کا فتنہ اٹھا اس وقت حضرت عمرو بن العاصؓ عمان ہی میں تھے حضرت ابوبکر نے آنحضرت ﷺ کی وفات اور موجودہ حالات کی اطلاع دے کر ان فتنوں کو دبانے کے لئے بھیجا، چنانچہ یہ بحرین کے راستہ سے آگے بڑھے، راستہ میں قبیلہ بنی عامر میں قرہ بن ہبیرہ کے یہاں مہمان ہوئے اس نے بڑی خاطر و مدارات کی، چلتے وقت تنہائی میں لے جا کر کہا کہ اگر عربوں سے زکوۃ لی گئی تو وہ کسی کی امارت نہ قبول کریں گے، ہاں اگر زکوۃ کا طریقہ بند کر دیا گیا تو البتہ مطیع و فرمانبردار رہیں گے، اس لئے زکوۃ کا قانون اٹھا دینا چاہیے، انہوں نے کہا قرہ! کیا تم کافر ہو گئے؟ مجھ کو عربوں سے ڈراتے ہو، خدا کی قسم! میں ایسے لوگوں کو گھوڑے کی ٹاپ سے مسل ڈالوں گا، یہ شخص بعد میں جب مانعین زکوۃ کے سلسلہ میں گرفتار ہوا تو عمرو بن العاصؓ کی شہادت پر چھوڑ دیا گیا،[1] مدینہ پہنچ کر بنو قضاعہ کے مرتدین کی سرکوبی ان کے سپرد ہوئی، اور انہوں نے اپنے حسن تدبیر سے اس کو دوبارہ اسلام پر قائم کیا اور اس مہم کو سر کرنے کے بعد عمان لوٹ گئے۔

فتوحات شام...... فتنہ ارتداد فرو ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے عراق و شام کی طرف توجہ کی اور ۱۳ھ میں شام کے مختلف حصوں میں علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں تو عمرو بن العاص کو جو اس وقت عمان میں تھے، لکھ بھیجا کہ تم کو آنحضرت ﷺ نے عمان کا والی مقرر کیا تھا، اس لئے میں نے تم کو دوبارہ واپس کر دیا تھا، لیکن اب میں تم کو ایسے کام میں لگانا چاہتا ہوں جو تمہاری دنیا و آخرت دونوں کے لئے مفید ہے، انہوں نے جواب دیا کہ میں خدا کا ایک تیر ہوں اور آپ اس کے بعد اس کے تیر انداز ہیں، اس لئے آپ کو اختیار ہے جدھر چاہیے پھینکئے[2] چنانچہ عمان سے واپس بلا کر فلسطین کی مہم پر مامور کیا،

اجنادین...... ہرقل کو جب خبر ہوئی کہ اسلامی فوجیں شام کے چاروں طرف منڈلا رہی ہیں، تو اس نے ان سب کے مقابلہ کے لئے علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں اسلامی فوجیں باہم ملنے نہ پائیں، رومیوں کے مشہور سپہ سالار تذارق اور قبقلار تھے، اجنادین میں اپنی فوجیں اتاریں، عمرو بن العاص اس وقت فلسطین کے علاقہ عربات میں تھے یہ رومیوں کے اجتماع کی خبر پا کر اجنادین کی طرف بڑھے، اس درمیان خالدؓ اور عبیدہ بھی بصری کی مہم سر کر کے ان کی مدد کو روانہ ہو گئے، اور اجنادین میں یہ تینوں مل گئے، رومی سپہ سالار نے ایک عرب کو سراغ رسانی کے لئے بھیجا، وہ دیکھ بھال کر جب واپس گیا تو سپہ سالار نے پوچھا کیا خبر لائے؟ اس نے کہا یہ لوگ رات کو عابد شب زندہ دار اور دن میدان جنگ کے شہسوار ہیں، اگر ان کا شہزادہ بھی کسی جرم کا مرتکب ہوتا ہے تو اس پر شرعی حد جاری کرتے ہیں، اس نے کہا اگر واقعی ان میں یہ صفات ہیں تو زمین

---

[1] ابن اثیر ج ۲ ص ۳۱۸
[2] طبری ج ۴ ص ۸۲

میں دفن ہو جانا، ان کے مقابلہ سے زیادہ بہتر ہے، غرض جمادی الثانی ۱۳ھ میں دونوں کا مقابلہ ہوا، رومی سپہ سالار مارا گیا اور رومیوں نے سخت ہزیمت اٹھائی۔[1]

اجنادین کے معرکہ کے بعد عمرو بن العاصؓ بھی خالدؓ اور ابو عبیدہؓ کے ساتھ ہو گئے اور ایک حصہ فوج کے سردار تھے۔

دمشق...... اجنادین کے بعد اسلامی لشکر دمشق کی طرف بڑھا کہ شام کا صدر مقام تھا، اس لئے مسلمانوں نے اس کا بڑے اہتمام سے محاصرہ کیا، شہر پناہ کے تمام صدر دروازوں پر الگ الگ افسر متعین کیے، چنانچہ عمرو بن العاصؓ باب توما پر مامور تھے، عرصہ تک محاصرہ قائم رہا، اور آخر میں خالد بن ولیدؓ کی خوش تدبیری سے فتح ہوئی۔

فحل...... دمشق کی فتح کے بعد فحل کا رخ کیا، لیکن رومی میں پہلے سے دریا کا بند توڑ کر بسیان چلے گئے تھے، جس سے دونوں کے درمیان دنیائے آب رواں ہو گئی تھی اس لئے مسلمانوں نے یہیں فوجیں ٹھہرا دیں، اس معرکہ میں حضرت عمرو بن العاصؓ فوج کے ایک حصہ کے افسر تھے۔[2] مسلمان یہاں مقیم تھے کہ ایک دن اچانک اسی ہزار رومیوں نے عقب سے حملہ کر دیا اور ایک شبانہ روز سخت کشت وخون کے بعد شکست کھائی اور جدھر راستہ ملا بھاگے، مگر مسلمانوں نے تعاقب کر کے جہاں تک مل سکے قتل کیا، اس سے فارغ ہو کر بسیان کا محاصرہ کیا، ایک دن رومیوں نے قلعہ سے نکل کر مقابلہ کیا، مگر سب کے سب مارے گئے، باقی ماندہ آبادی نے صلح کر لی۔[3]

یرموک...... ان مسلسل اور پیہم شکستوں سے سارے روم میں کہرام مچ گیا اور رومیوں نے قیصر سے فریاد کی کہ مسلمانوں نے سارا شام ویران وتباہ کر ڈالا، وہ بھی ان کی تاخت وتاراج سے تنگ آ چکا تھا، اس لئے سارے ممالک محروسہ میں فرمان جاری کر دیا کہ ساری فوجیں ایک جگہ جمع ہو جائیں اور جہاں تک آدمی مل سکیں بھرتی کیے جائیں، چنانچہ دو لاکھ انسانوں کا دل اس حکم پر امنڈ آیا۔[5]

حضرت عمرو بن العاصؓ نے مشورہ دیا کہ مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع ہو کر متحد قوت سے مقابلہ کرنا چاہیے، اور دربار خلافت سے بھی اسی مشورہ کی تائید ہوئی، چنانچہ اسلامی فوجیں ہر چہار طرف سے سمٹ کر یرموک میں جمع ہوئیں، چونکہ اس معرکہ میں سارا شام امنڈ آیا تھا اور مسلمانوں کی تعداد ان کی چوتھائی حصہ سے بھی کم تھی، اس لئے خالدؓ نے غیر معمولی توجہ سے کام لیا اور جدید طرز پر فوج، کو چھبیس ۲۶ حصوں پر تقسیم کیا، میمنہ کے بھی کئی ٹکڑے کر کے اس پر عمرو بن العاصؓ اور شرحبیل بن حسنہ کو مقرر کیا۔[6] اور دونوں فوجیں پوری تیاری کے ساتھ میدان میں

---

[1] ابن اثیر ج ۲ ص ۳۲۰
[2] فتوح البلدان ص ۱۲۷
[3] طبری ص ۲۱۵۶
[4] ایضاً
[5] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۴۱
[6] طبری ص ۲۱۹۳

اتریں، عرصہ تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا اور متعدد ہولناک لڑائیاں ہوئیں، حضرت عمرو بن العاصؓ بڑے جوش وخروش سے لڑتے تھے اور اپنی پرجوش تقریروں سے آگ لگادیتے تھے ابتداء میں مسلمانوں کے پیر اکھڑ گئے تھے، بلکہ بہت سے میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے لیکن پھر سنبھل کر اس زور کا حملہ کیا کہ رومی پوری کوشش کے باوجود نہ ٹھہر سکے اور میدان بھی مسلمانوں کے ہاتھ رہا،

بقیہ فلسطین...... فلسطین کا کچھ حصہ عمرو بن العاصؓ دمشق کے قبل لے چکے تھے، لیکن درمیان میں دمشق، فحل، یرموک وغیرہ کی مہموں کی وجہ سے پہلی مہم ناتمام رہ گئی تھی، اس لئے یرموک وغیرہ سے فراغت کے بعد عمرو بن العاصؓ پھر ادھر متوجہ ہوئے، اور غزہ، سبسطین، نابلس، لد، یمنی، بیت، جبیرین، اور عمواس وغیرہ آسانی سے فتح کرکے یہ سلسلہ مکمل کردیا۔[1]

بیت المقدس...... لیکن ابھی فلسطین کا سب سے بڑا شہر ایلیا (بیت المقدس) باقی رہ گیا تھا اس لئے چھوٹے چھوٹے مقامات لینے کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ رومی سپہ سالار ارطبون کو خط لکھا، اس نے جواب دیا کہ اجنادین کے علاوہ اب فلسطین کا ایک چپہ زمین بھی نہیں لے سکتے ہ[2] اس جواب کے بعد انہوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کرلیا، حضرت ابوعبیدہؓ بھی قنسرین کی مہم سر کرکے پہنچ گئے،[3] لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی، ایلیا والوں نے اس شرط پر شہر حوالہ کردینے کا وعدہ کیا کہ خود امیر المؤمنین آکر اپنے ہاتھ سے معاہدہ لکھیں چنانچہ ان خواہش کے مطابق حضرت عمرؓ نے شام کا سفر کیا اور صلح نامہ لکھ کر ان کے حوالہ کردیا، اور شام کا یہ متبرک شہر جس کو انبیاء ورسل علیہم السلام کے آرام گاہ ہونے کا شرف حاصل تھا مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا، اور شام پر مکمل قبضہ ہوگیا۔

طاعون عمواس...... اسی سال شام، عراق اور مصر میں سخت طاعون پھیلا، ہزاروں جانیں ضائع ہوگئیں، عمرو بن العاصؓ نے مشورہ دیا کہ یہاں وبا کا زور ہے، اس لئے فوجیں ہٹا کر کسی محفوظ مقام پر بھیج دینی چاہیے، لیکن اسلامی فوج کے امیر حضرت ابوعبیدہؓ بڑے متوکل تھے، انہوں نے کہا یہ خدا کی رحمت ہے، اس میں بڑے بڑے صلحاء نے وفات پائی ہے اس سے فرار کے کیا معنی، چنانچہ انہوں نے عمواس کو نہیں چھوڑا اور خود بھی اس میں مبتلا ہوگئے، آخر میں انہوں نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو اپنا جانشین مقرر کیا اور خود اسی رحمت کے دامن میں آگئے، ان کی وفات کے بعد عمرو بن العاصؓ نے پیش قدمی روک کر طاعون زدہ مقامات سے فوجیں ہٹالیں۔

فتوحات مصر...... شام کا فیصلہ ہونے کے بعد بھی عمرو بن العاصؓ کے بلند حوصلے پورے نہ ہوئے، کیونکہ شام کی فتوحات میں خالدؓ اور عبیدہؓ کی قوتوں کو زیادہ دخل تھا اس لئے ان کو ایسے

---

[1] ابن اثیر ج ۲ ص ۳۸۸، [2] ایضاً ص ۳۸۹، [3] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۴۵

میدان میں تلاش ہوئی جہاں تنہا اپنی تلوار کے جوہر دکھائیں اور چونکہ شام کے قریب مصر بہت زیادہ زرخیز اور شاداب مقام تھا اور عمرو بن العاصؓ زمانہ جاہلیت سے اس کی شادابی سے واقف تھے،[1] اس لئے حضرت عمرؓ سے پیش قدمی کی اجازت چاہی، لیکن حضرت عمرؓ کو اجازت دینے میں دو وجوہ سے پس و پیش ہوا، اول یہ کہ شام کی مہم سر کرنے کے بعد ابھی اسلامی فوجوں نے دم نہ لیا تھا، دوسرے مقوقس شاہ مصر کی قوت کا تھوڑی فوج سے مقابلہ کرنا دشوار تھا، لیکن آخر میں عمرو بن العاصؓ کے اصرار اور حوصلہ مندی سے مجبور ہو کر اجازت دے دی، اور ان کے جانے کے بعد زبیر بن عوام کو ایک جمعیت کے ساتھ امداد کے لیے روانہ کر دیا، عمرو بن العاصؓ نے شام سے نکل کر پہلا مقام باب الیوان میں کیا۔

باب الیوان...... عمرو بن العاصؓ کے پہنچنے کے قبل آپ کی آمد کی اطلاع پا کر مصری فوجیں باب الیوان پہنچ گئی تھیں، ابومریم مصر کا اسقف ان کی قیادت کر رہا تھا، اس لیے عمرو بن العاصؓ کے پہنچنے کے ساتھ ہی دونوں میں جھڑپ ہوئی، مگر عمرو بن العاصؓ نے لڑائی روک دی اور ابومریم سے تخلیہ میں گفتگو کی خواہش کی، چنانچہ وہ دونوں آئے، انہوں نے اسلام پیش کیا اور آنحضرت ﷺ کی وصیت سنائی[2] اور اسلام قبول کرنے کی صورت میں جزیہ کی شرط پیش کی، یہ دونوں چند دن کی مہلت لے کر استصواب کے لیے مقوقس کے پاس گئے، لیکن ارطبون سپہ سالار مصر نے انکار کر دیا اور اہل مصر کو اطمینان دلایا کہ تم لوگ مطمئن رہو، میں مسلمانوں کو ہٹا دوں گا، حضرت عمرو بن العاصؓ کئی دن تک جواب کا انتظار کرتے رہے، مگر اس درمیان میں ارطبون مقابلہ میں آ گیا، مگر فاش شکست کھائی۔[3]

عریش...... حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو مصر پر فوج کشی کی اجازت تو دے دی تھی، مگر دل مطمئن نہ تھا، اس لیے وہ عریش تک پہنچے تھے کہ فرمان خلافت پہنچا کہ اگر مصر کے حدود میں داخل نہ ہوئے ہو تو واپس چلے آؤ اور پہنچ چکے ہو تو پیش قدمی جاری رکھو، یہ خط چونکہ عریش میں ملا[4] اس لیے واپس نہ ہوئے اور عریش لینے کے بعد فرما کی طرف بڑھے، اس کو جالینوس کا مدفن ہونے کی وجہ سے خاص اہمیت حاصل تھی، اور یہاں کے لوگ مقابلہ کے لیے پورے طور پر تیار تھے، اس لیے جیسے ہی اسلامی فوج پہنچی ان لوگوں نے نکل کر مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔[5]

---

[1] کیونکہ یہ تجارت کے سلسلہ میں مصر آیا کرتے تھے،

[2] حضرت ہاجرہ حضرت ابراہیمؑ کی بیوی مصری تھیں، اس تعلق سے آپ نے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی تھی کہ مصر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا

[3] طبری ص ۲۵۸۴ تا ۲۵۸۶ طبری کے بیان کے مطابق ارطبون بھی اس میں مارا گیا، لیکن یہ غلط ہے کیوں کہ آئندہ متعدد معرکوں میں وہ شریک رہا،

[4] عریش شام کا مصر کی سرحد پر حکومت مصر کا ایک قریہ تھا،

[5] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۰

عین شمس یا فسطاط...... فرما کی تسخیر کے بعد عمرو بن العاصؓ بلبیس اورام دنین وغیرہ فتح کرتے ہوئے عین شمس پہنچے، عین شمس زمانہ قدیم میں بڑا عظیم الشان اور گنجان شہر تھا، یہاں آفتاب کا ہیکل تھا، جس کی تیرتھ کو ہزاروں آدمی آتے تھے، لیکن جس زمانہ میں مسلمانوں کا حملہ ہوا اس وقت تباہ ہو چکا تھا، بعد میں یہی مقام آباد ہو کر فسطاط کے نام سے مشہور ہوا۔[1]

عمرو بن العاصؓ کے حملہ کے وقت اگرچہ یہاں کوئی آبادی نہ تھی، بلکہ چراگاہیں تھیں تاہم قصر شمس یہاں ایک قلعہ تھا، جس میں مقوقس کی فوج رہتی تھی، مصر کی تسخیر کے لیے اس کا لینا ضروری تھا، اس لیے عمرو بن العاصؓ نے بڑے اہتمام سے محاصرہ کی تیاریاں شروع کیں، اسی دوران میں زبیر بن عوامؓ بھی دس ہزار کی جمعیت لے کر پہنچ گئے اور دونوں نے دو سمتوں سے حملے شروع کر دیئے[2] مگر قلعہ اس قدر مستحکم تھا کہ مہینے لگ گئے، آخر میں حضرت زبیر بن عوام نے تنگ آ کر ننگی تلوار ہاتھ میں لی اور قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے آپ کو دیکھ کر بہت سے جانثار سیڑھی لگا کر پہنچ گئے اور سب لوگوں نے اس زور سے تکبیر کا نعرہ لگایا کہ قلعہ والے بدحواس ہو گئے اور سمجھے کہ مسلمان قلعہ میں آ گئے، اس لیے انہوں نے خود اس کے دروازے کھول دیئے[3] اب ان کے لیے سوائے مصالحت کے کوئی چارہ کار نہ تھا، اس لیے صلح کی درخواست کی مسلمانوں نے منظور کر لی اور اتنی رعایت کی کہ فاتحانہ داخلہ کے باوجود شرائط بہت نرم رکھے، یہی مقام بعد میں آباد ہو کر فسطاط کے نام سے موسوم ہوا۔

فتح اسکندریہ...... عین شمس کی فتح کے بعد عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ سے اسکندریہ کی طرف پیش قدمی کی اجازت مانگی، وہاں سے اجازت ملنے کے بعد خارجہ بن حذافہ کو مفتوحہ مقامات کا حاکم مقرر کر کے اسکندریہ روانہ ہو گئے رومیوں اور قبطیوں کو پہلے سے اطلاع ہو چکی تھی، اس لیے انہوں نے آگے بڑھ کر روکنا چاہا اور اسکندریہ اور فسطاط کے درمیان مقام کریوں میں دونوں کا سخت مقابلہ ہوا، رومی شکست کھا کر بھاگ گئے[4] اور عمرو بن العاصؓ بڑھتے ہوئے اسکندریہ پہنچے، یہاں کے باشندے مقابلہ کے لیے ہمہ تن تیار تھے، مگر مقوقس خود صلح کا خواہش مند تھا، اس لیے اس نے مفاہمت کی درخواست کی لیکن عمرو بن العاصؓ نے انکار کر دیا، اب مقوقس کے لیے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں رہ گیا کہ وہ رومیوں کی خواہش کے مطابق جنگ کے لیے آمادہ ہو جائے چنانچہ قلعہ کی فصیل پر فوجوں کی صف بندی کی اور مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لیے عورتوں کو بھی شامل کر لیا اور ان کے چہرے شہر کی طرف کر دیئے تاکہ مسلمان پہچان نہ سکیں، عمرو بن العاصؓ نے کہلا بھیجا کہ ہم یہ اہتمام سمجھتے ہیں، لیکن یاد رکھو ہم نے

---

[1] مقریزی جلد اص ۲۷۱ [2] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۰
[3] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۰ دروازہ کھولنے کا واقعہ طبری میں ہے
[4] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۷، ۲۲۸

فوج کی کثرت کے بل پر میدان نہیں سر کیے ہیں، تمہارے بادشاہ ہرقل کا جوزور وقوت میں تم سے کہیں بڑھ کر ہے، کیا انجام ہوا؟ مقوقس نے جو ہر موقع پر صلح کا پہلو ڈھونڈتا تھا، اسکندریہ والوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ واقعی ہمارے شہنشاہ ہرقل کو ان لوگوں نے اس کے دار السلطنت سے بھگا کر قسطنطنیہ پہنچا دیا، تو ہم لوگ کس شمار میں ہیں، اس کے جواب میں اسکندریہ والوں نے اس کو بہت برا بھلا کہا اور لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں۔[1]

مقوقس ابتدا سے جنگ کا مخالف تھا، مگر ہرقل کے خوف سے جس کا وہ باج گذار تھا، علی الاعلان لڑائی سے کنارہ کش نہیں ہوسکتا تھا، لیکن در پردہ وہ برابر مسلمانوں سے صلح کی کوشش کرتا رہا، ہرقل کو اس کی اطلاع ہوگئی، وہ بہت برہم ہوا، اور اسی وقت اسکندریہ فوجیں روانہ کر دیں، لیکن مقوقس نے عمرو بن العاصؓ سے پہلے ہی خفیہ معاہدہ کر لیا تھا کہ یہ جنگ ہماری مرضی کے خلاف ہو رہی ہے اور ہم بوجہ مجبوری اس میں شریک ہیں اس لیے قبطیوں اور رومیوں میں امتیاز رکھنا اور قبطیوں کے ساتھ وہ سلوک نہ کرنا جس کے رومی مستحق ہیں، اس معاہدہ کے بعد قبطی ہر طرح سے مسلمانوں کے مددگار رہے اور ان کے لیے راستہ صاف کراتے اور گذرگاہوں کے پلوں کی مرمت کرتے تھے۔[2]

غرض اسکندریہ والوں کی تیاری کے بعد مسلمانوں نے اسکندریہ کا محاصرہ کر لیا لیکن قلعے اس قدر مضبوط اور مستحکم تھے کہ دو مہینہ تک کوئی نتیجہ نہ نکلا، اس درمیان میں صرف یہ واقعہ قابل ذکر پیش آیا کہ ایک دن قلعہ کے آڑ سے کچھ سوار برآمد ہوئے ان میں اور مسلمانوں میں مڈبھیڑ ہوگئی جس میں بارہ مسلمان شہید ہوئے، رومیوں کے لیے یہ معرکہ بہت اہم تھا کیونکہ اسکندریہ میں ان کا سب سے بڑا کنیسہ تھا اس کے نکل جانے کے بعد ان کی مرکزیت بالکل فنا ہو چکی تھی، اس لیے خود قیصر روم نے جنگ میں شرکت کی تیاریاں شروع کیں، مگر بدقسمتی سے ساز وسامان مکمل کرنے کے بعد خود چل بسا، اس کی موت سے رومیوں کی ہمت پست ہوگئی اور بہتوں نے جو اس کے ساتھ تیاریاں کر رہے تھے ارادہ فسخ کر دیا کہ بغیر بادشاہ کے لڑنا بے سود ہے، البتہ اسکندریہ کی فوجیں برابر مدافعت میں مشغول رہیں اور کبھی کبھی باشندگان اسکندریہ مسلمانوں سے دو چار ہاتھ کا تبادلہ بھی ہو جاتا تھا لیکن رومی برابر قلعہ میں رہتے تھے، ایک دن کچھ لوگ قلعہ سے نکلے اور ایک مسلمان کا سر کاٹ کر اس کو ساتھ لیتے گئے، مقتول کے قبیلہ کے لوگ بہت غضبناک ہوئے اور بغیر سر کی نعش دفنانے پر تیار نہ ہوئے، عمرو بن العاصؓ نے کہا اس غیظ وغضب سے کیا فائدہ اگر سر واپس لینا چاہتے ہو تو تم بھی کسی رومی کا سر کاٹ کر اس کو رومیوں کی طرف پھینک دو، چنانچہ ایک پادری ہاتھ آگیا اس کا سر قلم کر کے کسی طرح رومیوں تک پہنچا دیا، اسکے جواب میں انہوں نے مقتول مسلمان کا سر پھینک دیا، چونکہ لڑائی طول پکڑتی جاتی تھی، اس

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۸ [2] مقریزی ج ۱ ص ۲۶۳

لئے ایک مسلمان نے مشورہ دیا کہ منجنیق نصب کر کے قلعہ پر سنگباری کی جائے لیکن عمرو بن العاصؓ نے کہا ایسی نازک حالت میں صف بندی توڑنا مناسب نہیں، ابھی تک جم کر دست بدست لڑائی کی نوبت نہیں آئی تھی، البتہ کبھی کبھی قلعہ والے نکل آتے تھے اور دو چار ہاتھ رد و بدل کے بعد قلعہ بند ہو جاتے تھے، ایک دن قلعہ سے نکل کر لڑ رہے تھے کہ رومیوں کی صف سے آواز آئی کہ کون مسلمان میرے مقابلہ میں آتا ہے؟ حضرت مسلمہ بن مخلدؓ بڑھے، مگر بھاری بھرکم آدمی تھے اس لیے حملہ کرتے وقت گھوڑے پر سنبھل نہ سکے اور رومی نے بچھاڑ دیا مگر مسلمانوں نے بڑھ کر بچا لیا، عمرو بن العاصؓ کو غصہ آ گیا، انہوں نے کہا ایسے نامردوں کو میدان میں آنے کی کیا ضرورت تھی، مسلمہؓ کو بہت ناگوار ہوا مگر مصلحت وقت کے خیال سے خاموش رہے اور لڑائی کا بازار گرم ہو گیا، مسلمان رومیوں کو جوش میں دباتے ہوئے قلعہ کے اندر تک چلے گئے اور دیر تک قلعہ کے اندر لڑتے رہے، لیکن پھر رومیوں نے سنبھل کر مسلمانوں کو قلعہ کے باہر کر دیا، ان کے نکلنے کے بعد رومیوں نے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا، اتفاق سے چار آدمی جن میں ایک عمرو بن العاصؓ اور دوسرے مسلمہؓ تھے قلعہ ہی میں رہ گئے رومیوں کی نظر پڑی تو کہا کہ اب تم ہمارے بس میں ہو، اس لیے بہتر یہی ہے کہ اپنے کو ہمارے حوالہ کر دو، بیکار جان دینے سے کیا فائدہ عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا، البتہ اگر تم ہم کو چھوڑ دو تو تمہارے قیدی واپس کر دیئے جائیں گے، رومی اس پر آمادہ نہ ہوئے اور رہائی کی یہ شرط ٹھہری کہ چار محصورین میں سے کوئی ایک کسی رومی کا مقابلہ کرے اگر مسلمان فتحیاب ہو جائے تو سب چھوڑ دیئے جائیں گے ورنہ انہیں حوالہ کر دینا ہو گا، عمرو بن العاص راضی ہو گئے، اور خود مقابلہ میں آنا چاہا، مگر مسلمہؓ نے سمجھایا کہ آپ امیر ہیں، اگر آپ کو کوئی صدمہ پہنچا تو فوج کا کیا حشر ہو گا، اس لیے مجھ کو نکلنے دیجئے ان کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور مسلمہ مقابلہ میں آئے، خوش قسمتی سے، وہی ایک ہاتھ میں رومی کو گرا دیا اور اس طرح سے ان لوگوں کی جان بچ گئی، ان کے چھوٹنے کے بعد رومیوں کو معلوم ہوا کہ ان میں اسلامی لشکر کے سپہ سالار عمرو بن العاصؓ بھی تھے مگر اب سوائے پشیمانی کے کیا ہو سکتا تھا اس لئے ہاتھ مل کر رہ گئے مسلمہؓ کو ڈانٹنے پر بہت نادم تھے، اس لیے رہائی کے بعد سب سے پہلے ان سے معافی مانگی، مسلمہؓ نے نہایت خوش دلی سے معاف کر دیا اور پھر بدستور محاصرہ میں مشغول ہو گئے اسکندریہ کے محاصرہ کو قریب قریب دو سال ہو چکے تھے، لیکن ہنوز روز اوّل تھا، حضرت عمرؓ اس تاخیر سے بہت پریشان تھے، چنانچہ انہوں نے لکھ بھیجا کہ تم لوگ دو سال سے جمے ہوئے ہو، لیکن ابھی تک کوئی نتیجہ نہ نکلا معلوم ہوتا ہے، رومیوں کی طرح تم بھی عیش و عشرت میں اور ہوا و ہوس میں پڑ کر اپنے فرائض اور خلوص نیت کو بھول گئے جس وقت تم کو میرا خط ملے، لوگوں کے سامنے جہاد پر تقریر کرو، اور جن چار آدمیوں کو میں نے بھیجا تھا ان کو فوج کے آگے کر کے جمعہ کے دن حملہ کر دو عمرو بن العاصؓ نے فوج کو یہ خط سنا دیا اس سے ان لوگوں میں نیا جوش پیدا ہو گیا اور فوج کو مرتب

کرکے حضرت عبادہ بن صامتؓ کے نیزے پر جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے، اپنا عمامہ لٹکا کر ان کے حوالہ کیا کہ یہ علم لیجئے اور آپ اس فوج کے سردار ہیں، حضرت عبادہؓ نے اس جوش وخروش سے حملہ کیا کہ پہلے ہی حملہ میں رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے، اور ان کو خشکی وتری جس راستہ سے جدھر راہ ملی بھاگ نکلے، عمرو بن العاصؓ نے ایک ہزار آدمی متعین کرکے خشکی کی سمت رومیوں کا تعاقب کیا، ادھر وہ تعاقب میں مصروف تھے، رومیوں نے بحری راستہ سے پلٹ کر حملہ کر دیا، اور جس قدر مسلمان ملے بے دریغ قتل کر دیئے، عمرو بن العاصؓ کو معلوم ہوا تو تعاقب چھوڑ کر لوٹ پڑے، رومیوں کا یہ حملہ صرف اتفاقی تھا، ان کی قوت ٹوٹ چکی تھی، اس لئے عمرو بن العاصؓ کو دوبارہ کوئی زحمت پیش نہیں آئی، اور آسانی سے زیر کرلیا، اور معاویہؓ بن خدیج کو فتح کا مژدہ سنانے کے لئے دار الخلافہ روانہ کیا، وہ بعجلت منزلیں طے کرتے ہوئے ٹھیک دو پہر کے وقت مدینہ پہنچے اور سیدھے مسجد نبویؐ میں چلے گئے اتفاق سے اس وقت حضرت عمرؓ کی لونڈی اس طرف سے گذری، اس نے انہیں مسافرانہ شکل میں دیکھ کر پوچھا تم کون ہو؟ کہا معاویہ بن خدیج، عمرو بن العاصؓ کا قاصد اس نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی، آپ نے فوراً طلب کیا، ان کے پہنچتے پہنچتے وہ خود آنے کو تیار ہورہے تھے۔ دیکھنے کے ساتھ ہی پوچھا کیا خبر لائے، عرض کیا خدا نے کامیاب کیا، یہ مژدہ سن کر حضرت عمرؓ نے اسی وقت منادی کرائی اور مسجد نبویؐ میں تمام مسلمانوں کے سامنے خود معاویہؓ کی زبان سے فتح کے حالات سنوائے پھر پوچھا کہ تم سیدھے مسجد میں کیوں چلے گئے، عرض کیا دوپہر کا وقت تھا، میں نے خیال کیا کہ آپ آرام فرماتے ہوں گے، جواب دیا کیا میں دن کو سو کر رعایا کو تباہ کرتا[1]

اگرچہ اسکندریہ کو مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کیا تھا، لیکن شہر کے امن وامان میں کوئی فرق نہیں آنے پایا اور عام آبادی میں سے کسی کو قتل یا قید نہیں کیا گیا[2] بلکہ جزیہ اور خراج تشخیص کرنے کے بعد کامل امن وامان ہوگیا۔

مصر کی تسخیر کے بعد اگرچہ وہاں رومیوں کی قوت بالکل ٹوٹ چکی تھی، تاہم منتشر طور پر جا بجا ابھی ان کی آبادیاں باقی رہ گئی تھیں، اس لئے عمرو بن العاصؓ نے ہر طرف تھوڑی تھوڑی فوجیں روانہ کرادیں، تاکہ آئندہ بغاوت کا خطرہ باقی نہ رہے، چنانچہ خارجہ بن حذافہؓ نے فیوم اشمونین، بشروات، اخمیم اور صعید، مصر کے تمام مواضعات لئے اور عمیر بن وہب نے تینس، دمیاط، تونہ دمیرہ شطا، وقہلا، بوصیر وغیرہ پر قبضہ کرلیا اور یہاں کی کل آبادی نے فسطاط کے شرائط پر صلح کرلی،[3] اور عقبہ بن عامر یا وردان نے مصر کی آبادیوں پر قبضہ کیا اور مصر واسکندریہ پر پورا

---

[1] یہ تمام تفصیلات مقریزی ج ۱ ص ۲۶۳، سے ماخوذ ہیں اور بعض واقعات طبری سے لئے گئے ہیں،
[2] فتوح البلدان ص ۲۲۸،
[3] ایضاً ص ۲۲۴

تسلط ہو گیا۔

فتوحات مغرب برقہ...... عمرو بن العاص کی فتوحات کا سیلاب اسکندریہ پہنچنے کے بعد برقہ کی طرف مڑا، برقہ فسطاط سے بیس پچیس منزل کی مسافت پر اسکندریہ اور طرابلس کے درمیان ایک زرخیز، سیر حاصل اور آباد رقبہ زمین تھا، یہاں کی آبادی بہت مرفہ الحال تھی، یہ قطعہ متعدد شہریوں پر مشتمل تھا، انطابلس یہاں کا بڑا شہر تھا[1] یہ لوگ حکومت مصر کے باجگذار تھے، عمرو بن العاص نے انطابلس پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا، برقہ والے بہت نرم خو اور اطاعت شعار تھے، اسے لئے بلا کسی مزاحمت کے جزیہ قبول کر لیا، اور تیرہ ہزار دینار سالانہ پر صلح ہو گئی۔[2]

زویلہ...... برقہ سے فارغ ہو کر عقبہ بن نافع کو زویلہ روانہ کیا، سوڈان کی سرحد پر ایک آباد شہر تھا، برقہ اور زویلہ کی درمیانی آبادیوں نے بلا کسی جنگ کے خود سے اطاعت قبول کر لی ہے[3] زویلہ والوں نے بھی بخوشی جزیہ دینا منظور کر لیا۔

طرابلس الغرب...... زویلہ کے بعد طرابلس کا رخ کیا، طرابلس بحر روم کے ساحل پر آباد ہے، یہ مقام اس زمانہ میں افریقہ کے ممتاز ترین مقامات میں تھا، عمرو بن العاص نے طرابلس کے مشرق میں فوجیں اتار دیں اور نہایت اہتمام سے اس کا محاصرہ کیا، دو مہینہ تک برابر محاصرہ جاری رہا، لیکن کہیں سے اندر جانے کا راستہ نہ ملتا تھا، ایک دن کچھ مسلمان شکار کو نکلے، واپسی میں دھوپ سخت تھی، اس لئے یہ لوگ دریا کے کنارہ کنارہ واپس ہوئے، شہر کے قریب پہنچ کر دیکھا کہ شہر اور دریا کے درمیان کوئی فصیل یا شہر پناہ وغیرہ نہیں ہے، اور دریا کے گھٹاؤ کی وجہ سے درمیان میں خشک راستہ بھی چھوٹا ہوا ہے، انہوں نے آکر فوراً عمرو بن العاص کو اطلاع دی چنانچہ مسلمان اسی وقت حملہ کے لئے تیار ہو گئے اور اسی راستہ سے فوراً حملہ کر دیا اس ناگہانی حملہ سے شہر والے بالکل بدحواس ہو گئے، دریائی راستہ سے بھاگنا آسان نہ تھا کیونکہ درمیان میں مسلمان حائل تھے، اس لئے شہر ہی میں کشت و خون ہوا، چونکہ مسلمانوں کا حملہ بالکل اچانک تھا، طرابلس والے پہلے سے تیار نہ تھے، اس لئے تسخیر میں زیادہ دشواری نہ ہوئی، اور آسانی سے زیر کر لیا

سبرہ...... طرابلس سے آگے بڑھ کر سبرہ ایک شہر پڑتا تھا، طرابلس کی تسخیر کے بعد عمرو بن العاص خود وہیں رہے اور تھوڑی فوج سبرہ بھیج دی، یہ لوگ علی الصباح سبرہ پہنچ گئے، اہل شہر طرابلس کے واقعہ سے لاعلم تھے، اس لئے حسب معمول صبح سویرے شہر کا پھاٹک کھول کراپنے

---

[1] معجم البلدان "برقہ"

[2] بلاذری ص ۲۳۱،

[3] ایضاً ص ۲۳۲

[4] معجم البلدان ج ۶ ص ۳۵ و ابن اثیر

اپنے کاروبار میں لگ گئے، مسلمانوں نے یلغار کر کے زبردستی شہر میں داخل ہو کر قبضہ کر لیا اور کشت و خون کی نوبت نہیں آئی۔[1]

ان مہموں کے بعد عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ طرابلس فتح ہو چکا ہے افریقہ (تونس، مراکش اور الجزائر وغیرہ) یہاں سے صرف نو دن کی مسافت پر ہے، اگر امیر المومنین مناسب سمجھیں تو آگے پیش قدمی کی جائے، وہاں سے حکم آ گیا کہ افریقہ کے باشندے شورش پسند ہیں، اپنے حکمرانوں سے ہمیشہ بغاوت کرتے ہیں، اس لئے آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں چنانچہ عمرو بن العاصؓ نے آگے پیش قدمی روک دی۔[2]

مصر کی گورنری اور اسکندریہ کی بغاوت...... ان فتوحات کے بعد حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاصؓ کو مصر کی حکومت پر سرفراز کیا، کچھ دنوں کے بعد ان کا انتقال ہو گیا اور حضرت عثمانؓ سریر آرائے خلافت ہوئے، اسی زمانہ میں اسکندریہ والوں نے بغاوت کر دی، اس کا سبب یہ ہوا کہ رومی اسکندریہ پر مسلمانوں کے قبضے کے وقت سے ہمیشہ اس کے واپس لینے کی فکر میں رہتے تھے، اسکندریہ بحر روم میں ان کی نہایت اہم بندرگاہ تھی، اس کے نکل جانے کے بعد ان کے تمام افریقی مقبوضات خطرہ میں پڑ گئے تھے، چنانچہ انہوں نے اسکندریہ کی رومی آبادی سے خط و کتابت کر کے اس کو بغاوت پر آمادہ کر لیا اور ان کی مدد کے لئے قسطنطنیہ سے عظیم الشان لشکر بھیجا، لیکن قبطی آبادی میں اس میں کوئی حصہ نہیں لیا اور مقوقس صلح پر قائم رہا، عمرو بن العاصؓ کو معلوم ہوا تو وہ مقابلہ کو نکلے، دونوں میں سخت معرکہ ہوا، رومی شکست کھا کر اسکندریہ کے اندر داخل ہو گئے، مسلمانوں نے شہر کے اندر داخل ہو کر جہاں تک ہو سکا مارا، منویل خصی رومی سپہ سالار مارا گیا، جب یہاں بھی پناہ نہ ملی تو اسکندریہ سے نکل کر بھاگے۔

اور چونکہ قبطیوں نے ان کا ساتھ نہیں دیا تھا، اس لئے جذبہ انتقام میں ان آبادیوں کو لوٹتے ہوئے نکل گئے، بدحواسی میں اپنے حامیوں کو بھی تاخت و تاراج کر دیا، جب مسلمانوں کا کامل تسلط ہو گیا تو قبطی عمرو بن العاصؓ کے پاس فریاد لے کر آئے کہ رومیوں نے ہمارا سارا مال و متاع لوٹ لیا، ہم نے مسلمانوں سے بغاوت نہیں کی تھی، اس لئے ہم کو واپس دلایا جائے، انہوں نے شناخت کرا کے جن جن لوگوں کا مال تھا واپس کرا دیا اور آئندہ بغاوت کے خطرہ سے بچنے کے لئے اسکندریہ کی شہر پناہ تڑوادی۔[3]

معزولی..... ۲۶ھ میں حضرت عثمانؓ نے عمرو بن العاصؓ کو مصر کی گورنری سے علیحدہ کر دیا، حضرت عثمانؓ پر ان کے مخالفین کی جانب سے جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۲۰،
[2] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۳۳
[3] طبری ج ۵ ص ۲۸۱۴

بھی ہے کہ انہوں نے اتنے بڑے فاتح اور سپہ سالار کو معزول کر کے دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا، جس نے مصر، اسکندریہ، اور طرابلس کا تختہ الٹ دیا تھا، لیکن درحقیقت حضرت عثمانؓ ان کی معزولی پر مجبور ہو گئے تھے وہ بلاوجہ معزول نہیں کرتے تھے، طبری کے یہ الفاظ ہیں و کان لا یعزل احد الا عن شکاۃ او استعفاء یعنی حضرت عثمانؓ کبھی کسی کو بغیر شکایت یا استعفاء کے معزول نہیں کرتے تھے، واقعہ یہ ہے کہ پیہم اس قسم کے حالات پیش آتے گئے کہ حضرت عثمانؓ کو ان کی معزولی کے سوا اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا مصر کی فتح کے بعد سے برابر عمرو بن العاصؓ ہی یہاں کے حکمران رہے، البتہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں مصر کے ایک چھوٹے حصہ کا جو سعید مصر کے نام سے موسوم ہے، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو والی بنایا تھا، لیکن یہ تقرر بھی عمرو بن العاصؓ پر بار تھا اور وہ مصر میں کسی کو بھی اپنے سوا نہ دیکھنا چاہتے تھے، لیکن حضرت عمرؓ کی زندگی میں ان کی ہیبت سے عبداللہؓ کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکے، آپ کی وفات کے بعد ہی حضرت عثمانؓ سے عبداللہؓ کی معزولی کی درخواست کی، لیکن آپ نے قبول نہ کی۔[1]

مصر نہایت زرخیز ملک ہے، لیکن عمرو بن العاصؓ کے زمانہ میں اس کی زرخیزی کے تناسب سے خراج نہ ملتا تھا، اور حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ سے اس کی شکایت چلی آئی تھی، حضرت عمرؓ نے اس بارہ میں ان کی ایک سخت خط بھی لکھا تھا، یہ خط اور اس کا جواب مقریزی میں موجود ہے،[2] حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بھی یہ شکایت برابر قائم رہی، انہوں نے بھی ان کو لکھا، مگر عمرو بن العاصؓ نے صاف جواب دیا کہ "گائے اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی"، اس جواب پر حضرت عثمانؓ نے خراج کا عہدہ ان سے نکال کر عبداللہ بن سعد کے متعلق کر دیا، عمرو بن العاصؓ، عبداللہ بن سعدؓ کا تعلق سعید مصر ہی سے بمشکل برداشت کیے ہوئے تھے، اس انتظامی تغیر نے دونوں کے تعلقات اور زیادہ کشیدہ کر دیئے اور دونوں ایک دوسرے کے خلاف دربار خلافت میں شکایات بھیجنے لگے، عبداللہ بن سعد لکھتے تھے کہ عمرو بن العاصؓ خراج کی وصولی میں رخنہ انداز ہوتے ہیں اور عمرو بن العاصؓ لکھتے کہ عبداللہ جنگی تدبیروں میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں،[3] اس لئے یہ دوعملی عرصہ تک نہ چل سکی، اور حضرت عثمانؓ نے عمرو بن العاصؓ کو مصر سے معزول کر کے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مستقل والی بنا دیا، یہ طبری اور ابن اثیر کی روایت ہے، لیکن کتاب الولاۃ اور حسن المحاضرہ کی روایت کے مطابق عمرو بن العاصؓ اسکندریہ کی بغاوت سے پہلے ہی معزول ہو چکے تھے، اور ان ہی کی معزولی سے اسکندریہ والوں میں بغاوت کا حوصلہ پیدا ہوا تھا اور بغاوت برپا ہونے کے بعد پھر حضرت عثمانؓ کو مجبور ہو کر ان کو اس کے فرو کرنے پر مامور کرنا

[1] کتاب الولاۃ کندی ص ۱۰
[2] مقریزی ج ۱ ص ۱۲۵
[3] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۵۳

پڑا، جب وہ بغاوت کا خاتمہ کر چکے تو حضرت عثمانؓ نے ان کو امارت جنگ کے عہدہ بحال کرنا چاہا لیکن انہوں نے قبول نہ کیا اور جواب دیا کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ "سینگ میں پکڑوں اور دودھ دوسرا دوھے"، اس روایت کے مطابق عمرو بن العاصؓ کی معزولی کا واقعہ ۲۵ھ میں پیش آیا عمرو بن العاصؓ اپنی معزولی پر حضرت عثمانؓ سے اس درجہ برہم ہوئے کہ جب معزولی کے بعد مصر سے مدینہ آئے اور حضرت عثمانؓ سے ملاقات ہوئی تو وہ ان کی باتوں کا ٹھیک جواب بھی نہ دیتے تھے، جس وقت ان کی حضرت عثمانؓ سے پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی، اس وقت یہ لبادہ پہنے ہوئے تھے، حضرت عثمانؓ نے پوچھا اس لبادہ میں کیا بھرا ہے، جواب دیا، عمرو بن العاصؓ، حضرت عثمانؓ نے کہا یہ تو میں بھی جانتا ہوں [۱] میرا مطلب یہ ہے کہ روئی ہے یا اور کوئی چیز؟ پھر پوچھا تم نے عبداللہ بن سعد کو مصر میں کس حالت میں چھوڑا، کہا جس حال میں آپ چاہتے تھے، پوچھا اس کا کیا مطلب، کہا اپنے نفس کے لئے قوی اور خدا کے لئے ضعیف، فرمایا میں نے ان کو تمہارے نقش قدم پر چلنے کی ہدایت کی تھی، جواب دیا آپ نے ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بار ڈالا [۲] اس وقت عبداللہ بن سعد کا بھیجا ہوا خراج پہنچ چکا، اور اس کی تعداد عمرو بن العاصؓ کے زمانہ کے خراج سے بہت زیادہ تھی، حضرت عثمانؓ نے ان سے کہا "دیکھو اونٹنی نے دودھ دیا"۔ انہوں نے کہا "ہاں لیکن بچے بھوکے رہ جائیں گے [۳] مگر عمرو بن العاصؓ معزولی کے بعد بھی حضرت عثمانؓ کے اسی طرح خیر خواہ رہے، جس طرح معزولی کے قبل تھے، چنانچہ جب مصر سے باغیوں کا گروہ چلا اور حضرت عثمانؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے عمرو بن العاصؓ کو سمجھانے کے لئے بھیجا، انہوں نے اپنے سابق اثر سے کام لے کر ان کو واپس کیا، اور شہر کے لوگوں کو جمع کر کے حضرت عثمان کی طرف سے صفائی پیش کی [۴]

حضرت عثمانؓ کو جب کبھی مشکلات پیش آتی تھیں تو عمرو بن العاصؓ سے مشورہ کرتے تھے، یہ نہایت خیر خواہی سے مشورہ دیتے تھے، سازش کے زمانہ میں جب باغیوں نے اپنے مطالبات پیش کیے تو آپ نے ایک مجلس شوریٰ منعقد کی، اس کے ایک رکن عمرو بن العاصؓ بھی تھے، تمام اراکین سے مشورہ کرنے کے بعد عمرو بن العاصؓ سے خاص طور پر ان کی رائے پوچھی، انہوں نے کہا آپ ضرورت سے زیادہ نرمی کرتے ہیں، گرفت کے موقعوں پر چشم پوشی کر جاتے ہیں، عمرؓ سے زیادہ آپ نے لوگوں کو آزادی دے رکھی ہے، میرا مشورہ یہ ہے کہ ملکی انتظام میں اپنے پیشرو ابوبکرؓ و عمرؓ کے نقش قدم پر چلئے، اور نرمی کے موقع پر نرمی اور سختی کے موقع پر سختی سے کام لیجئے۔[۵]

---

[۱] ابن اثیر ج ۳ ص ۶۸،
[۲] یعقوبی ج ۲ ص ۱۸۹،
[۳] ایضاً،
[۴] ایضاً ص ۲۰۲، ۲۰۳،
[۵] طبری ص ۹۴۵

عہد علیؓ و معاویہؓ...... معزولی کے بعد عمرو بن العاصؓ نے سیاسی زندگی سے کنارہ کش ہو کر فلسطین میں اقامت اختیار کر لی تھی اور کبھی مدینہ آجاتے تھے، حضرت عثمانؓ کے محصور ہونے کے وقت مدینہ میں موجود تھے، لیکن جب دیکھا کہ فتنہ و فساد کے شعلے قابو سے باہر ہو گئے یہ کہہ کر کہ عثمانؓ کے قتل میں جس کا ہاتھ ہوگا، اس کو خدا ذلیل کرے گا، جو شخص ان کی مدد نہ کر سکتا ہو اس کو مدینہ چھوڑ دینا چاہیے اور خود شام چلے گئے، مگر دل برابر ان میں لگا رہا، آنے جانے والے سے حالات پوچھ لیا کرتے تھے،[۱] اس کے بعد حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ کبری پیش آیا، پھر جنگ جمل کا ہنگامہ ہوا، مگر انہوں نے دائرہ عزلت سے باہر قدم نہیں نکالا۔

پھر جب حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ میں اختلاف شروع ہوا اور حضرت علیؓ نے جریر ابن عبداللہ بجلی کو بیعت کے لئے امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا اور یہ مطالبہ کیا کہ بیعت کرو، ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ تو معاویہؓ نے اپنے خاندان والوں سے مشورہ کیا، عتبہ بن ابی سفیان نے رائے دی کہ عمرو بن العاصؓ کو بلا کر ان سے مشورہ لو، عمرو بن العاصؓ اس وقت فلسطین میں تھے، بلا کر آئے،[۲] معاویہؓ نے کہا اس وقت کئی مہمیں درپیش ہیں، محمد بن حنفیہ قید خانہ توڑ کر اپنے ساتھیوں سمیت فرار ہو گئے ہیں، قیصر روم علیحدہ چڑھائی پر آمادہ ہے تیسرا اور سب سے اہم معاملہ یہ ہے کہ علی نے بیعت کا مطالبہ کیا ہے اور انکار کی صورت میں جنگ پر آمادہ ہیں، قیصر روم کے قیدی چھوڑ کر اس سے مصالحت کر لو، علیؓ کا معاملہ البتہ بہت اہم ہے، مسلمان کبھی بھی تم کو ان کے برابر نہ سمجھیں گے، معاویہؓ نے کہا وہ عثمان کے قتل میں معاون تھے، امت اسلامیہ میں پھوٹ ڈال کر فتنہ پیدا کیا، عمرو بن العاصؓ نے کہا لیکن تم کو سبقت اسلام اور قرابت نبویؐ کا شرف حاصل نہیں ہے اور میں تمہارے مقصد کے حصول کے لئے خواہ مخواہ کیوں تمہاری مدد کروں، امیر معاویہؓ نے کہا آخر کیا چاہتے ہو، عمرو بن العاصؓ نے کہا ''مصر''، معاویہؓ نے کہا تم مصر چاہتے ہو اور مصر کسی طرح عراق سے کم نہیں ہے، عمرؓ نے کہا ہاں، لیکن مصر کا مطالبہ اس وقت ہے، جب علیؓ کو تم مغلوب کر چکے ہو گئے اور دنیا تمہارے زیر نگیں ہوگی، اس گفتگو کے بعد عمرو بن العاصؓ اپنی قیام گاہ پر چلے گئے، عتبہ نے معاویہؓ سے پھر اصرار کیا کہ مصر دے کر کیوں نہیں فائدہ اٹھاتے، ان کے اصرار پر معاویہ راضی ہو گئے، اور دوسرے دن صبح کو عمرو بن العاصؓ سے مصر دینے کا تحریری وعدہ کر لیا۔[۳]

عمرو بن العاصؓ نے مشورہ دیا کہ پہلے عمائد شام کے دلوں میں یہ بٹھا دو کہ حضرت عثمانؓ کی

---

[۱] ایضاً ص ۳۲۵۰،
[۲] طبری کی ایک روایت یہ ہے کہ عمرو بن العاصؓ حضرت عثمان کی شہادت کی خبر سن کر خود آ گئے تھے۔
[۳] یعقوبی ج ۲ ص ۲۱۷

شہادت میں علیؓ کا ہاتھ تھا، پھر ان کو ان کی مخالفت پر آمادہ کرو، ورنہ کامیابی ناممکن ہے، اور سب سے پہلے شرحبیل بن سمط کندی کو جو شام کے با اثر آدمی ہیں، یقین دلا کر اپنا ہم خیال بناؤ، غرض امیر معاویہؓ نے ان کی بتائی ہوئی تدبیروں سے عمائد شام کو یقین دلایا کہ عثمانؓ کے خون بے گناہی سے علیؓ کا ہاتھ بھی رنگین ہے، شرحبیل کو پورا یقین ہو گیا اور انہوں نے شام کا دورہ کر کے لوگوں کو حضرت علیؓ کے خلاف ابھارنا شروع کیا[1] اور معاویہؓ نے خلیفہ مظلوم کے خون آلود پیراہن اور حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی نمائش کر کے سارے شام میں آگ لگا دی، لوگ آتے تھے، اور یہ المناک نظارہ دیکھ دیکھ کر روتے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے قسم کھالی کے جب تک قاتلین عثمانؓ کو قتل نہ کریں گے اس وقت تک نہ بستر پر لیٹیں گے نہ عورتوں کو چھوئیں گے۔[2]

اس کے بعد طرفین نے جنگی تیاریاں شروع کر دیں اور عمرو بن العاصؓ شام کی فوج کے امیر العسکر مقرر ہوئے اور وہ المناک جنگ شروع ہوئی جو تاریخ اسلام میں جنگ صفین کے نام سے مشہور ہے، اس جنگ کا سلسلہ مدتوں رہا، آخری فیصلہ کن معرکہ کے بعد جب عمرو بن العاصؓ کو یقین ہو گیا کہ اب شامی ہیں زیادہ دیر تک میدان میں نہیں ٹھہر سکتے تو یہ تدبیر کہ نیزوں پر قرآن آویزاں کر کے اعلان کرا دیا کہ کتاب اللہ سے جو فیصلہ ہو جائے اس پر ہم راضی ہیں قرآن پاک کے اٹھتے ہی کوفیوں نے جنگ سے ہاتھ روک لیا، حضرت علیؓ لاکھ سمجھاتے رہے کہ یہ محض فریب ہے لیکن کسی نے نہ سنا، جب اختلاف کا خطرہ بڑھا تو آپ بھی چارونا چار آمادہ ہو گئے۔ دوسرے دن امیر معاویہؓ کے پاس آدمی بھیجا کہ تحکیم کا طریقہ کیا ہوگا، انہوں نے کہا ایک حکم تمہارا ہوا اور ایک ہمارا، دونوں کتاب اللہ کی رو سے جو فیصلہ کر دیں وہ دونوں کے لئے واجب التسلیم ہوگا، غرض عمرو بن العاصؓ شامیوں کی جانب سے اور ابو موسیٰ کوفیوں کی جانب سے حکم مقرر ہوئے اور ثالثی نامہ تحریر ہوا، "حکمین اختلاف امت کا خیال رکھتے ہوئے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی رو سے عدل و انصاف کے ساتھ جو فیصلہ کر دیں گے، وہ طرفین کے لئے واجب التسلیم ہوگا اور جو فریق اس کو نہ مانے گا اس کے خلاف دونوں حکم مدد دیں گے اگر درمیان میں کوئی مر گیا تو اس فریق کو دوسرا حکم مقرر کرنے کا اختیار ہوگا" اس ثالثی کے بعد دنوں نے اپنی اپنی فوجیں ہٹا لیں اور عمرو بن العاصؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ سے تبادلہ خیالات شروع ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

عمرو بن العاص: آپ کو معلوم ہے کہ عثمانؓ مظلوم شہید کیے گئے۔

ابو موسیٰؓ: بیشک۔

عمرو بن العاصؓ: آپکو یہ بھی معلوم ہے کہ معاویہؓ ان کے طرفدار ہیں۔

ابو موسیٰؓ: یہ بھی صحیح ہے۔

عمرو بن العاصؓ: ایسی صورت میں قرآن کا یہ حکم ہے "ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ

[1] اخبار الطوال ص ۱۶۷، ۱۶۹، [2] طبری ج ۷ ص ۳۲۵۵

سلطانا فلا یسرف فی القتل انه کان منصورا ''اس کے علاوہ نسباً بھی وہ قریشی ہیں، ہاں سا بقین اولین میں نہیں ہیں، یہ کوئی ایسا مانع نہیں ہے۔ اسکے علاوہ ان میں اور بہت سے اوصاف مو جود ہیں، انہوں نے خلیفہ مظلوم کی حمایت کی حسن تدبر اور حسن سیاست میں یگانہ ہیں، ام المؤمنین ام حبیبہؓ کے بھائی اور آنحضرت ﷺ کے صحابی ہیں۔

ابوموسیٰؓ: عمرو بن العاصؓ! خدا کا خوف کرو، تم نے معاویہ کے جو فضائل بیان کیے، ان میں سے کوئی بھی ایسے نہیں ہیں، جو ان کو خلافت کا مستحق بناتے ہوں اگر محض شرافت پر استحقاق خلافت کا انحصار ہوتا تو آل ابرہہ ان سے زیادہ مستحق ہوتے خلافت محض اہل دین اور صاحب فضل افراد کا حق ہے، اگر شرف کی بنیاد پر میں کسی کو خلافت دیتا تو سب سے زیادہ علیؓ مستحق تھے اور تمہاری یہ دلیل کہ انہوں نے عثمانؓ کے خون کے بدلہ کا بار اٹھایا ہے، ایسی نہیں ہے جس سے ان کو مہاجرین اولین پر فضیلت حاصل ہو سکے، تم مانتے ہو تو مانو، لیکن میں کسی حالت میں اس کو نہیں مانتا، رہی یہ طمع کہ معاویہؓ کے نزدیک میری قدر و منزلت بڑھ جائے گی یا ان سے مجھ کو مالی فائدہ ہوگا تو یہ مجھ کو کوئی اثر نہیں ڈال سکتی، خدا کے معاملہ میں رشوت ستانی گوارا نہیں کر سکتا ہاں اگر تم چاہو تو عمر بن الخطابؓ کا نام زندہ کر دیں۔

عمرو بن العاصؓ: اگر آپ ابن عمرؓ پر راضی ہیں تو میرے لڑکے میں کیا خرابی ہے، اس کے فضائل سے آپ اچھی طرح واقف ہیں۔

ابوموسیٰؓ: تمہارا لڑکا یقیناً بہت سچا ہے، مگر تم نے اس کو اس فتنہ میں مبتلا کر کے محفوظ نہ چھوڑا۔

عمرو بن العاصؓ! خلیفہ ایسے شخص کو ہونا چاہیے، جس کے دو داڑھ ہوں، ایک سے خود کھائے دوسرے سے لوگوں کو کھلائے۔

ابوموسیٰؓ: مسلمانوں نے بڑی جنگ و جدل کے بعد یہ کام ہمارے سپرد کیا ہے، خدا، اب دوبارہ ان کو فتنہ میں نہ ڈالو۔

غرض دونوں باہمی تبادلہ خیالات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ حضرت علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے نئے سرے سے خلیفہ کا انتخاب کیا جائے کہ یہ کشت و خون کسی طرح بند ہو، چنانچہ مقررہ تاریخ پر دومۃ الجندل میں فریقین جمع ہوئے، جب فیصلہ سنانے کا وقت آیا تو عمرو بن العاصؓ نے ابوموسیٰؓ سے کہا کہ آپ میرے بزرگ اور آنحضرت ﷺ کے مقرب صحابی ہیں، اس لئے پہلے آپ فیصلہ سنایئے، ابوموسیٰؓ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ صاحبو! بہت غور و فکر کے بعد ہم دونوں اس نتیجہ پر پہنچے ہیں، کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کیے بغیر امت کی اصلاح نہیں ہو سکتی، اس لئے میں نے ان دونوں کو معزول کیا، اب آپ لوگوں کو اختیار ہے جس کو خلافت کا اہل سمجھیں اس کو اپنا خلیفہ بنالیں، ابوموسیٰؓ کے فیصلہ سنانے کے بعد عمرو بن العاصؓ نے کھڑے ہو کر کہا۔

"آپ لوگوں نے ابوموسیٰؓ کا فیصلہ سن لیا، انہوں نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کیا، میں بھی علیؓ کو معزول کرتا ہوں، لیکن معاویہؓ کو برقرار رکھتا ہوں"۔

عمرو بن العاصؓ کے اس فیصلہ سے مجمع میں سناٹا چھا گیا، ابوموسیٰؓ نے ان کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور قریب تھا کہ تلواریں میان سے نکل آئیں، لیکن شامیوں نے فوراً حضرت ابوموسیٰؓ کو اونٹ پر بٹھا کر مکہ روانہ کر دیا اور عمرو بن العاصؓ بھی ہٹ گئے۔

مصر پر حملہ...... اس فیصلہ کے بعد عمرو بن العاصؓ نے مصر لینے کے لئے مسلمہ بن مخلد انصاری اور معاویہ بن خدیج کندی سے خط و کتابت شروع کی، یہ دونوں حضرت عثمانؓ کی شہادت سے بہت متاثر اور حضرت علیؓ کے مخالف تھے، اس لئے دونوں ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے، اسکے بعد عمرو بن العاصؓ چھ ہزار فوج لے کر روانہ ہو گئے، اس وقت محمد بن ابی بکر حضرت علیؓ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے، عمرو بن العاصؓ نے ان کو خط لکھا کہ مصر والے تمہارے مخالف ہیں، لڑائی میں ایک شخص بھی تمہارا ساتھ نہ دے گا، لہذا تم مصر چھوڑ دو، میں خواہ مخواہ تمہارے خون سے اپنا ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا، محمد نے یہ خط حضرت علیؓ کے پاس بھیج دیا، وہاں سے مقابلہ کرنے کا حکم آیا محمد بن ابی بکر نے عمرو بن العاصؓ کو مقابلہ کی اطلاع دے دی، عمرو بن العاصؓ دو ہزار آدمی لے کر بڑھے، محمد بھی میدان میں آئے اور ایک خونریز مقابلہ کے بعد مصری فوج قوت بازو کنانہ مارے گئے، ان کا گرنا تھا کہ مصریوں کے پاؤں اکھڑ گے، عمرو بن العاصؓ محمد بن ابی بکر کی طرف بڑھے، مگر وہ شکست کے آثار دیکھ کر پہلے نکل گئے تھے، عمرو بن العاصؓ نے ہر طرف آدمی دوڑائے اور وہ گرفتار کر کے لائے گئے، اس وقت بہت پیاسے تھے لیکن شامیوں نے پانی تک نہ دیا اور وہ تشنہ لب قتل کر دیئے گئے، اور مصر پر عمرو بن العاصؓ کا قبضہ ہو گیا۔

عمرو بن العاص پر قاتلانہ حملہ...... نہروان میں خارجیوں کی شکست اور قتل عام سے ان کے بقیہ افراد میں انتقام کا جذبہ بہت ترقی کر گیا تھا، اس لئے ابن ملجم، برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر تمیمی نے مشورہ کیا کہ سارا فساد علیؓ، معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ کی وجہ سے ہے اس لئے ان کا قصہ پاک کر دینا چاہیے، چنانچہ ایک مقررہ شب کو تینوں نے تینوں اشخاص پر خفیہ حملہ کیا، ابن ملجم نے حضرت علیؓ کو شہید کیا، برک بن عبداللہ نے معاویہ پر حملہ کیا، مگر زخم اوچھا لگا، اس لئے بچ گئے، عمرو بن بکر، عمرو بن العاص پر متعین تھا، مگر اتفاق سے اس دن عمرو بن العاصؓ کی طبیعت کچھ ناساز تھی، اس لئے ان کے بجائے خارجہ بن حذافہ نماز پڑھانے نکلے، عمرو نے ان ہی کو عمرو بن العاصؓ سمجھ کر قتل کر دیا[1]۔

مصر کی گورنری...... مصر اور شام پر امیر معاویہؓ کے مستقل قبضہ کے بعد ان میں اور عمرو بن العاصؓ میں مصر کے معاملہ میں شکر رنجی ہو گئی، مگر معاویہ بن خدیج نے درمیان میں پڑ کر صلح

[1] یہ تمام تفصیلات طبری سے ماخوذ ہیں

کرادی، اور معاویہؓ نے عمرو بن العاصؓ کو چند شرائط کے ساتھ مصر کا والی بنا دیا، ان شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ ہمیشہ معاویہ کے اطاعت گذار رہیں گے، مزید توثیق کے لئے عہد نامہ لکھا گیا اور اس پر شاہدوں سے دستخط لئے گئے۔[1]

وفات..... عمرو بن العاصؓ بہ اختلاف روایت ۴۳ھ یا ۴۷ھ یا ۵۱ھ میں مصر ہی میں اپنے عہد حکومت میں بیمار ہوئے، عمر کافی پا چکے تھے، زندگی کی زیادہ امید نہ تھی اس لئے مرض الموت میں اپنی گذشتہ لغزشوں پر بہت نادم تھے۔

ابن عباسؓ عیادت کو آئے، سلام کے بعد پوچھا ابوعبداللہ! کیا حال ہے؟ جواب دیا ”کیا پوچھتے ہو، دنیا بنائی مگر دین زیادہ بگاڑا، اگر اس کو بگاڑا ہوتا جس کو بنایا ہے اور اسے بنایا ہوتا جس کو بگاڑا ہے تو یقیناً کامیاب ہوتا، مگر اب منجنیق کی طرح زمین و آسمان کے درمیان معلق ہوں، نہ ہاتھوں کے سہارے اوپر چڑھ سکتا ہوں، نہ پاؤں کے سہارے نیچے اتر سکتا ہوں اے بھتیجے مجھ کو کوئی ایسی نصیحت کر کہ اس سے فائدہ اٹھاؤں“، ابن عباسؓ نے کہا افسوس اب وہ وقت کہاں، اب وہ بھتیجا بوڑھا ہو کر آپکا بھائی ہو گیا ہے اگر آپ رونے کے لئے کہیں تو میں رونے کے لئے تیار ہوں، مقیم سفر کا کیسے یقین کر سکتا ہے عمرو بن العاصؓ نے کہا اس وقت ۸۰ برس سے کچھ اوپر میری عمر ہے، اور تو مجھ کو پروردگار کی رحمت سے ناامید کرتا ہے، خدایا یہ ابن عباس مجھ کو تیری رحمت سے ناامید کر رہا ہے ابھی تو مجھے یہاں تک تکلیف دے کے راضی ہو جا، ابن عباسؓ نے کہا ابوعبداللہ جو چیز لی تھی وہ تو نئی تھی اور جو دے رہے ہو وہ پرانی ہے، عمرو بن العاصؓ نے کہا ابن عباس تم کو کیا ہو گیا ہے، جو بات میں کہتا ہوں تم اس کا الٹا کہتے ہو۔[2]

ابن شمامہ مہری کہتے ہیں کہ عمرو بن العاصؓ کے مرض الموت میں ہم انکی عیادت کو گئے وہ دیوار کی طرف منہ کر کے رونے لگے، ان کے بیٹے عبداللہ نے دلاسا دیا کہ ابا کیا آپ کو آنحضرت ﷺ نے فلاں فلاں بشارتیں نہیں دی ہیں؟ جواب دیا ”میرے پاس افضل ترین دولت ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کی شہادت ہے، مجھ پر زندگی کے تین دور گذرے ہیں، ایک وہ دور تھا جس میں آنحضرت ﷺ کا سخت ترین دشمن تھا اور میری سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ کسی طرح قابو پا کر آپ کو قتل کر دوں، اگر اس حالت میں مر جاتا تو میرے لئے دوزخ یقینی تھی، پھر اللہ عزوجل نے میرے دل میں اسلام ڈالا میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! ہاتھ پھیلایئے میں بیعت کروں گا، آپ نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے سمیٹ لیا“ فرمایا عمرو بن العاصؓ! تم کو کیا ہو گیا، میں نے عرض کی ”میں ایک شرط چاہتا ہوں“ فرمایا وہ کونسی شرط ہے، میں نے عرض کیا ”میری مغفرت ہو جائے، فرمایا عمرو بن العاصؓ! کیا تم کو معلوم نہیں کہ اسلام اپنے پہلے تمام گناہوں کو کالعدم کر دیتا ہے، ہجرت اپنے پہلے کے گناہوں کو

[1] طبقات ابن سعد قسم ۲ ج ۴ ص ۶ [2] استیعاب ج ۲ ص ۴۴۹

مٹا دیتی ہے، حج اپنے پہلے کے گناہوں کو گرا دیتا ہے، اس کے بعد یہ حالت ہوگئی کہ رسول ﷺ سے زیادہ نہ میرا کوئی محبوب رہا اور نہ ان سے زیادہ میری نگاہ میں کوئی بزرگ باقی رہا، آپ کی انتہائی عظمت و ہیبت کی وجہ سے آپ کو نظر بھر نہیں دیکھ سکتا تھا، اگر کوئی مجھ سے آپ کا حلیہ پوچھے تو نہیں بتا سکتا کہ میں نے نظر بھر کبھی دیکھا ہی نہیں اگر اس حالت میں مر جاتا تو جنت کی کیا امید تھی، پھر تیسرا دور آیا جس میں میں نے مختلف قسم کے اعمال کیے، اب میں نہیں جانتا کہ میرا کیا حال ہوگا جب میں مر جاؤں تو نوحہ کرنیوالیاں میرے ساتھ نہ جائیں، نہ جنازہ کے پیچھے آگ جائے، دفن کرتے وقت مٹی آہستہ آہستہ ڈالی جائے، دفن کرنے کے بعد اتنی دیر قبر کے پاس رہنا جب تک جانور ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم ہو جائے، تا کہ میں تمہاری وجہ سے مانوس ہو جاؤں اور یہ غور کر لوں کہ اپنے رب کے قاصدوں کو کیا جواب دوں"[1]

موت کے وقت اپنے محافظ دستے کو بلا بھیجا اور پوچھا کہ میں تمہارا کیسا ساتھی تھا،؟ جواب ملا کہ آپ ہمارے سچے ساتھی تھے، ہماری عزت کرتے تھے ہم کو دل کھول کر لیتے دیتے تھے یہ سلوک کرتے تھے وہ کرتے تھے، کہا میں یہ سلوک اس لئے کرتا تھا کہ تم مجھ کو موت سے بچاؤ گے، یہ موت سامنے کھڑی ہوئی کام تمام کرنا چاہتی ہے، اس کو کسی طرح سے میرے سامنے سے دور کرو، یہ عجب فرمائش سن کر ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگے، کچھ دیر کے بعد بولے، ابا عبداللہ! خدا کی قسم ہم کو آپ سے ایسی فضول بات سننے کی امید نہ تھی آپ جانتے ہیں کہ موت کے مقابلہ میں ہم آپ کے کچھ کام نہیں آ سکتے، عمرو بن العاصؓ نے کہا میں نے یہ جانتے ہوئے تم سے ایسی فرمائش کی تھی کہ تم موت کے مقابلہ میں میری کوئی مدد نہیں کر سکتے، کاش میں نے تم میں سے کسی کو اپنی حفاظت کے لئے نہ رکھا ہوتا، افسوس ابن ابی طالب سچ کہتے تھے کہ، "انسان کی محافظ خود اس کی موت ہے"، خدایا میں بری نہیں ہوں کہ معذرت کروں طاقتور نہیں ہوں، کہ غالب آ جاؤں، اگر تیری رحمت نے دستگیری نہ کی تو میں ہلاک ہو جاؤں گا۔[2]

اس کے بعد اپنے صاحبزادہ سے وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو پہلے معمولی پانی سے نہلا کر کپڑے سے خشک کرنا، پھر تازہ اور صاف پانی سے نہلانا، تیسری مرتبہ کافور آمیز پانی سے غسل دینا اور کپڑے سے خشک کرنا، کفناتے وقت ازار کس کر باندھنا کہ میں مخاصم ہونگا، جنازہ درمیانی چال سے لے چلنا، لوگوں کو جنازہ کے پیچھے رکھنا کہ اس کے آگے ملائکہ چلتے ہیں، اور پچھلا حصہ بنی آدم کے چلنے کے لئے ہے، قبر میں رکھنے کے بعد مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا، پھر دعا میں مصروف ہو گئے کہ الٰہا تو نے حکم دیا، میں نے عدول حکمی کی تو نے ممانعت کی، میں نے نافرمانی کی، میں بری نہیں ہوں کہ معذرت کروں طاقتور نہیں ہوں کہ غالب آ جاؤں، ہاں لا الہ الا اللہ لا الہ الا اللہ یہی کہتے کہتے جان، جان آفریں کے سپرد کر دی، انا للہ و انا الیہ راجعون۔[3]

---

[1] مسلم کتاب الایمان باب کون الاسلام یہدم ما قبلہ　[2] ابن سعد جزو ۴ ق ۲ ص ۸　[3] ابن سعد جزو ۴ ق ۲ ص ۸

کیم شوال ۴۳ھ بعد نماز عید الفطر آپکے صاحبزادہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور مقطم میں سپرد خاک کیے گئے۔[۱]

اولاد...... دو لڑکے تھے، عبداللہ اور محمد، دونوں خولہ بنت حمزہ کے بطن سے تھے۔

فضل وکمال...... اسلام کے بعد عمرو بن العاصؓ کی عمر کا زیادہ حصہ میدان جنگ میں گذرا، اس لئے سر چشمہ علم وعرفان سے فائدہ اٹھانے کا موقع کم ملا، پھر بھی علم کی دولت سے بالکل تہی دامن نہ تھے۔

قرآۃ قرآن...... قرآن مجید بہت سے فنون کا مجموعہ، اس کی قرائت بھی مستقل فن ہے، عمرو بن العاصؓ کو قرآن سے خاص ذوق تھا، اور قرآن بہت صاف وواضح پڑھتے تھے۔[۲]

علم حدیث اور اس کی اشاعت...... اگرچہ عمرو بن العاصؓ کو لڑائیوں کی شرکت کی وجہ آنحضرتؐ کے ساتھ رہنے کا موقع کم ملا، تاہم جو لمحات بھی میسر آئے ان میں خوشہ چینی سے غافل نہ رہے، اور اقوال نبوی ﷺ کی خاصی تعداد ان کے حصے میں آئی، ان کی مرویات کی تعداد ۳۹ ہے، ان میں تین متفق علیہ ہیں اور ایک میں بخاری اور تین میں مسلم منفرد ہیں،[۳] حدیث کے اس سرمایہ کو تنہا اپنی ذات تک محدود نہ رکھا، بلکہ دوسرے مسلمانوں تک پہنچایا، آپ کے مستفیدین کی تعداد بھی کافی ہے، ان میں آپ کے صاحبزادہ، عبداللہ، غلام ابوقیس اور قیس بن ابی حازم، ابوعثمان نہدی، علی بن رباح لخمی، عبدالرحمٰن بن شمامہ، عروہ بن زبیر، محمد بن کعب، عمارہ بن حزیمہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔[۴]

تعلیم وتلقین...... عمرو بن العاصؓ جنگی مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ تعلیم وتلقین کا فرض بھی انجام دیتے تھے، چنانچہ سریہ ذات السلاسل میں کامیابی کے بعد وہیں مقیم ہوکر نومسلموں کو تعلیم دیتے تھے، آنحضرت ﷺ کے بعد جب دنیا طلبی کی ہوس زیادہ ہوگئی تھی، اسوقت لوگوں کے سامنے تقریر کرتے اور ان کو اسوہ نبوی کی پیروی کی ہدایت کرتے تھے، علی بن رباح روایت کرتے ہیں کہ ایک دن عمرو بن العاصؓ منبر پر تقریر کررہے تھے کہ "آج تم لوگوں کا حال یہ ہورہا ہے کہ آنحضرت ﷺ جن چیزوں سے احتراز فرماتے تھے، تم ایک طرف راغب ہورہے ہو، اور دنیا کی تمنا کرتے ہو، حالانکہ رسول ﷺ اس سے کنارہ کشی اختیار فرماتے تھے۔[۵]

علم اجتہاد...... تمام مسائل میں علی الترتیب قرآن وحدیث سے کام لیتے تھے، لیکن ان دونوں سے رہنمائی نہ ہوتی اور ان کے حل کرنے کا کوئی تیسرا ذریعہ نہ ہوتا تو اجتہاد سے کام لیتے، سریہ ذات السلاسل میں ایک شب نہانے کی ضرورت پیش آگئی، جاڑا سخت تھا، نہانے میں بیماری کا

---

[۱] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۱۱۷ ومستدرک جلد ۳ ص ۴۵۴،
[۲] اصابہ جلد ۵ ص ۲ [۳] تہذیب الکمال ۲۹۰،
[۴] تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۵۶، [۵] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۰۴

خطرہ تھا، اور نہ نہانے کی صورت میں نماز جاتی تھی، چنانچہ اس موقع پر انہوں نے غسل کی حالت کو وضو پر قیاس کر لیا کہ پانی نہ ملنے یا بیماری کے خطرہ کی صورت میں تیمم جائز ہو جاتا ہے اور تیمم کر کے نماز پڑھ لی، واپس آ کر آنحضرت ﷺ سے بیان کیا، آپ نے فرمایا کہ عمرو بن العاصؓ! تم نے خباثت کی حالت میں نماز پڑھ لی، عرض کی یا رسول رات بہت ٹھنڈی تھی، نہانے کی صورت میں ہلاکت کا خوف تھا، اس موقع پر مجھ کو قرآن کی یہ آیت یاد آ گئی کہ لا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما، اس لئے میں نے تیمم کر لیا، آنحضرت ﷺ ہنس کر خاموش ہو گئے۔[1]

ادب و انشا...... ادب و انشا میں ذوق سلیم پایا تھا، اپنے عہد کے بہترین انشا پردازوں میں تھے، اختصار، جامعیت اور بدیع تشبیہات ان کی انشا پردازی کی خصوصیات تھیں، تاریخ کی کتابوں میں ان کی ادبیت کی بہت سی مثالیں ہیں، بعض نمونے یہ ہیں، مشہور عام الرمادہ میں یعنی جس سال عرب میں قحط پڑا تھا، عمرو بن العاصؓ کو مصر سے غلہ بھیجنے میں تاخیر ہوئی تو حضرت عمرؓ نے ان کو لکھا کہ

جب تم اور تمہارے ساتھی شکم سیر ہوں تو تم اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ میں اور میرے ساتھ ہلاک ہو جائیں، المدد، المدد! انہوں نے فوراً جواب دیا۔

لبیک، لبیک، میں اتنا بڑا اونٹوں کا قافلہ بھیجتا ہوں کہ اس کا اگلا سرا آپ کے پاس ہے، اور پچھلا سرا میرے پاس۔[2]

حضرت عثمانؓ کے عہد میں ان کی معزولی کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے، معزولی کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی تھا کہ مصر کے خراج کی رقم کم وصول ہوتی تھی، جب ان کی جگہ عبداللہ ابن ابی سرح کا تقرر ہوا تو کمی کی شکایت جاتی رہی، چنانچہ مصر سے واپسی کے بعد اس بارہ میں ان سے اور حضرت عثمانؓ سے حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

عثمانؓ: تم عبداللہ بن ابی سرح کو کس حال میں چھوڑ آئے۔

عمروؓ: جیسا آپ چاہتے تھے۔

عثمانؓ: وہ کیا

عمروؓ: اپنے نفس کے لئے قوی اور خدا کے لئے کمزور۔

عثمانؓ: میں نے تو ان کو تمہارے نقش قدم پر چلنے کی ہدایت کی تھی۔

عمروؓ: تو آپ نے ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالا۔

عثمانؓ: دیکھو اونٹنی نے دودھ دیا (یعنی خراج زیادہ وصول ہوا)

عمروؓ: لیکن بچے بھوکے رہ گئے۔[3]

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۰۴، [2] حسن المحاضرہ سیوطی ص ۶۸
[3] یعقوبی جلد ۲ ص ۱۸۹

اسی طریقہ سے جب امیر معاویہؓ نے حضرت عمرؓ سے قبرس پر حملہ کی اجازت مانگی، تو حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاصؓ سے سمندر کے حالات پوچھ بھیجے، انہوں نے جواب لکھا

انی رایت خلقا عظیما یرکبہ خلق صغیر کدود علی عود، ان مال غرق و ان بخا برق۔[1]

میں نے ایک بڑی مخلوق (سمندر) دیکھی جس پر چھوٹی مخلوق اس طرح سوار ہوتی ہے جیسے لکڑی پر کیڑا اگر لکڑی ذرا بھی پلٹا کھائے تو کیڑا ڈوب جائے، اور اگر صحیح سلامت نکل جائے تو خوفزدہ اور ہراساں رہ جائے۔

حلیہ...... پستہ قد، فربہ اندام، بالوں میں سیاہ خضاب کرتے تھے، ایک مرتبہ اس قدر گہرا خضاب کیا کہ بال کوّے کے پر کی طرح کالے ہو گئے، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو پوچھا، ابا عبدالرحمٰن! یہ کیا؟ عرض کی امیر المومنین! میں چاہتا ہوں کہ مجھ کو آپ کسی قابل شمار کریں، اس کے بعد پھر انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔[2]

اخلاق و عادات...... عمرو بن العاصؓ کو ابتلا و آزمائش کے مختلف دوروں سے گذرنا پڑا اور ان میں وہ ایک صحابیِ رسول کی حیثیت سے اپنا دامن نہ بچا سکے اور اس قسم کی بعض لغزشیں سرزد ہو گئیں جو ایک صحابی کے مرتبہ سے فروتر ہیں، تاہم وہ بارگاہ نبویؐ کے جلیس اور آپ کی صحبت یافتہ تھے، اس لئے ان لغزشوں کے باوجود آپ کے وہ فضائل نظر انداز نہیں کیے جاسکتے جو فیضان نبوت نے تمام صحابۂ کرام میں پیدا کر دیے تھے، اسی لئے ایک دقیقہ رس نگاہ ان کے دامن عفاف میں خفیف بدنما دھبوں کے ساتھ وہ خلاقی نقوش بھی دیکھتی ہے، جن سے ہر صحابی گل بداماں تھا۔

قوت ایمان...... قوت ایمان تمام فضائل کا سرچشمہ ہے، اسی سے تمام فضائل کا ظہور ہوتا ہے، عمرو بن العاصؓ کی ایمانی قوت کا خود زبان رسالت ﷺ نے اعتراف کیا کہ اسلم الناس و امن عمرو بن العاص،[3] ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ ابنا العاص مومنان یعنی ھشام و عمرو،[4] آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی واقعات سے بھی پوری تصدیق ہے، ایک مرتبہ عمرو بن العاصؓ کو آنحضرت ﷺ نے بلا بھیجا کہ وہ لباس بدل کر اور ہتھیار لگا کر آئیں، یہ حسب الحکم حاضر ہوئے، آنحضرت ﷺ وضو فرما رہے تھے نظر اٹھا کر دیکھا پھر نظر نیچی کر کے فرمایا کہ میں تم کو امیر بنا کر بھیجنا چاہتا ہوں، انشاء اللہ تم محفوظ رہو گے اور مال غنیمت بھی ہاتھ آئے گا، اس سے تم کو بھی وافر حصہ ملے گا، عرض کیا یا رسول میں مال کی طمع میں اسلام نہیں لایا، بلکہ اس کو دلی رغبت کے ساتھ قبول کیا، فرمایا مال صالح مرد صالح کے لیے بہتر ہے،[5] ایک موقع پر آپ نے فرمایا، عمرو بن العاصؓ

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۵۴، [2] ایضاً
[3] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۵۵، [4] ایضاً ۳۵۳،
[5] ایضاً ص ۱۹۷،

قریش کے صالح افراد میں ہیں، عبداللہ اور ابو عبداللہ (عمرو بن العاصؓ) کیا اچھے گھرانے کے لوگ ہیں[1]

حق پسندی...... اگرچہ بعض سیاسی امور میں عمرو بن العاصؓ اپنا دامن لغزش سے نہ بچا سکے لیکن وہ حق پرست تھے، ایک دن خانہ کعبہ کے سایہ دیوار کے تلے بیٹھے لوگوں کو حدیث سنا رہے تھے، کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے خلوص دل سے کسی امام کے ہاتھ پر بیعت کر لی، اس مقدور بھر اس کی حمایت کرنی چاہیئے اور اگر کوئی دوسرا شخص اس کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہو اتو اس کی گردن اڑا دینی چاہیئے، عبدالرحمٰن بن عبد رب کعبہ (اس حدیث کے راوی) نے کہا کہ خدا آپ کو خوش رکھے، کیا یہ حدیث آپ نے آنحضرت ﷺ سے سنی ہے، عمرو بن العاصؓ نے اپنے کانوں اور قلب کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میرے دونوں کانوں نے سنی اور قلب نے محفوظ رکھی، اس پر عبدالرحمٰن نے کہا کہ تمہارے ابن عم معاویہ ہم لوگوں کو ناجائز طور پر ایک دوسرے کے مال کھانے اور جانیں ضائع کرنے کا حکم دیتے ہیں، حالانکہ خدا فرماتا ہے کہ یا ایھا الذین امنوا لا تاکلو اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم و لا تقتلوا انفسکم ان اللّٰہ کان بکم رحیما، یہ سن کر عمرو بن العاصؓ چپ ہو گئے، اور کہا کہ جس میں خدا کی نافرمانی نہ ہوتی ہو، اس کو مانو اور جس میں ہوتی ہو، اس کو نہ مانو[2]

خود آنحضرت ﷺ نے ان کے متعلق بارہا تحسین کے کلمات ارشاد فرمائے، ایک موقع پر فرمایا کہ عمرو بن العاصؓ قریش کے صالح لوگوں میں ہیں،[3] اور ان کی خدمات کی بنا پر ان سے محبت فرماتے تھے، حسن روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ کیا وہ شخص نیک خصلت نہیں ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے آخر دم تک محبوب رکھا ہو، یہ بولے اس کی سعادت میں کس کو شک ہو سکتا ہے، کہا، آنحضرت ﷺ آخر دم تک تم سے محبت کرتے رہے[4]

تدبیر وسیاست...... عقل ودانش اور تدبیر وسیاست کے لحاظ سے عمرو بن العاصؓ کا شمار ان مخصوص اشخاص میں تھا جو سارے عرب میں مدبر مانے جاتے تھے،[5] ان کی اصابت رائے کا خود آنحضرت ﷺ نے ان الفاظ میں اعتراف فرمایا کہ تم اسلام میں صائب رائے کے آدمی ہو،[6] فاروق اعظمؓ جیسا مدبر کہتا تھا کہ عمرو بن العاصؓ حکومت کے لئے موزوں ہیں اور جب کسی خام کار اور ضعیف الرائے کو دیکھتے تو تعجب سے فرماتے کہ اس شخص اور عمرو بن العاصؓ کا خالق ایک

---

[1] کنز العمال جلد ۶ فضائل عمرو بن العاصؓ
[2] مسلم جلد ۲ ص ۱۱۸ مطبوعہ مصر،
[3] اصابہ جلد ۵ ص ۳،
[4] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۰۳،
[5] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۵۷ واستیعاب واسد الغابہ وغیرہ
[6] کنز العمال جلد ۶ ص ۱۸۶

ہے[۱] اسی تدبیر و شجاعت کی بنا پر آنحضرت ﷺ اکثر بڑی مہمیں ان ہی کے سپرد فرماتے تھے، اور بعض مرتبہ ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ پر امیر بناتے تھے[۲] جنگ صفین میں امیر معاویہؓ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں سپر ڈالنا چاہتے تھے، لیکن محض عمرو بن العاصؓ کی تدبیر نے دفعۃً ہوا کا رخ بدل دیا، اور اس کے بعد جو کچھ ہوا، وہ ان کی سیاست کا کرشمہ تھا، ان کی زندگی کا ہر صفحہ تدبیر وسیاست سے لبریز ہے، مغیرہ بن شعبہ تدبیر وسیاست میں ان کا جواب تھے، اس لئے کبھی کبھی دونوں میں چشمک ہو جایا کرتی تھی، امیر معاویہؓ نے ان کو مصر کی حکومت پر مامور کرنے کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ کو کوفہ کا والی مقرر کیا، مغیرہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے امیر معاویہؓ سے کہا کہ ان دونوں باپ بیٹوں کو مصر اور کوفہ کا والی بنا کر تم نے اپنے کو شیروں کے جبڑے کے درمیان دے دیا، امیر معاویہؓ نے یہ بھی خطرہ محسوس کیا، چنانچہ عبداللہ کو معزول کر کے ان کی جگہ مغیرہ کو مقرر کیا، عمرو بن العاصؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے امیر معاویہؓ سے کہا کہ تم نے ایسے شخص کو کوفہ کی حکومت سپرد کی ہے کہ اگر وہ خراج کھا جائے تو تم وصول بھی نہیں کر سکتے، مغیرہ واقعی تنگ دست رہا کرتے تھے، اس لئے امیر معاویہؓ کی سمجھ میں آ گیا، چنانچہ انہوں نے ان سے خراج کا عہدہ نکال کر صرف امامت کے فرائض باقی رکھے، مغیرہؓ نے عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ یہ تمہاری شکایت کا نتیجہ ہے، انہوں نے کہا نہیں بلکہ تمہاری شکایت کا جواب ہے۔[۳]

جہاد فی سبیل اللہ...... عمرو بن العاصؓ کے صحیفۂ حیات میں جہاد فی سبیل اللہ کا عنوان بہت نمایاں ہے، تمام مغازی میں مشہور مجاہد خالد بن ولید کے دوش بدوش رہے، ان کا خود بیان ہے کہ "ابتدائے اسلام سے آنحضرت ﷺ نے کسی کو مغازی میں میرے اور خالد کے برابر نہیں کیا۔"[۴] شام اور مصر اور طرابلس وغیرہ کے فتوحات کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے مدینہ میں ذرا بھی کوئی خطرہ پیدا ہوتا، فوراً ان کی تلوار میان سے نکل آتی تھی، ایک مرتبہ کسی سبب سے یک بیک لوگوں میں کچھ انتشار پیدا ہو گیا اور عام بھگدڑ مچ گئی، صرف حضرت ابوحذیفہؓ کے غلام سالم مسجد میں تلوار چھپائے کھڑے رہے، عمرو بن العاصؓ نے دیکھا تو یہ بھی تلوار لگا کر ان کے پاس کھڑے ہو گئے، یہ عام سراسیمگی دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ تم لوگ خدا اور رسول کی پناہ میں کیوں نہیں آئے اور عمرو بن العاصؓ اور سالمؓ کو کیوں نہ نمونہ بنایا۔[۵]

صدقات و خیرات...... خدا کی راہ میں بہت فراخدلی کے ساتھ صدقہ دیتے تھے، جس کا اعتراف خود آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک نے بارہا کیا ہے کہ علقمہ بن رمثہ بلوی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک سریہ میں عمرو بن العاصؓ کو بحرین بھیجا اور خود ایک دوسرے سریہ میں نکلے، ہم لوگ بھی ہمرکاب تھے، آپ پر کچھ غنودگی طاری ہو گئی، بیدار ہوئے تو فرمایا کہ خدا

[۱] اصابہ جلد ۵ ص ۳ [۲] تہذیب التہذیب جلد ۸، ص ۵۶ [۳] طبری
[۴] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۵۵ [۵] اصابہ ج ۵ ص ۳

عمرو پر رحم کرے، یہ دعا سن کر ہم میں سے ہر شخص اس نام کے اشخاص کا ذکر کرنے لگے، دوبارہ پھر آنکھ جھپک گئی، پھر ہوشیار ہو کر فرمایا خدا عمرو پر رحم کرے، جب تیسری مرتبہ آپ نے فقرہ کو دہرایا تو ہم لوگوں سے ضبط نہ ہو سکا اور پوچھا آپ کا ارشاد کس عمرو کے متعلق ہے، فرمایا عمرو بن العاصؓ ہم لوگوں نے سبب پوچھا، فرمایا کہ مجھ کو وہ وقت یاد آ گیا، جب میں لوگوں سے صدقہ منگواتا تھا، تو وہ بہت وافر صدقہ لاتے تھے، اور جب پوچھتا کہاں سے لاتے ہو تو کہتے خدا نے دیا۔[1] ایک موقع پر آپ نے تین مرتبہ فرمایا خدایا عمرو بن العاصؓ کی مغفرت فرما، میں نے جب ان کو صدقہ کے لیے بلایا تھا تو وہ صدقہ لائے تھے۔[2]

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۵۵
[2] کنز العمال ج ۶ فضائل عمرو بن العاصؓ

حضرت خالد بن ولیدؓ

نام ونسب...... خالد نام، ابوسلیمان کنیت، سیف اللہ، لقب، سلسلۂ نسب یہ ہے، خالد بن ولید ابن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم مخزومی، ماں کا نام لبانہ تھا، یہ ام المومنین حضرت میمونہؓ کے قریبی عزیز تھے۔

خاندانی حالات...... خالدؓ کا خاندان زمانہ جاہلیت سے معزز چلا آتا تھا، قبہ اور اعنہ یعنی فوج کی سپہ سالاری اور فوجی کیمپ کے انتظام کا عہدہ ان ہی کے خاندان میں تھا،[۱] اور ظہور اسلام کے وقت خالد اس عہدہ پر ممتاز تھے،[۲] چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کا جو دستہ مسلمانوں کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے آیا تھا، اس کے سردار خالدؓ ہی تھے،[۳] غزوۂ احد میں مسلمانوں کے خلاف بڑی شجاعت سے لڑے اور مشرکین مکہ کے اکھڑے ہوئے پاؤں ان ہی کی ہمت افزائی سے دوبارہ جمے۔

اسلام...... ان کے اسلام کے بارہ میں مختلف روایتیں ہیں، سب میں مستند روایت مسند احمد بن حنبل کی ہے، جو عمرو بن العاصؓ کے اسلام کے سلسلہ میں اوپر لکھی جا چکی ہے، اس کی رو سے ان کے اسلام کا زمانہ ۶ھ اور ۸ھ کے درمیان ہے، عمرو بن العاصؓ جب اسلام لانے کے قصد سے حبشہ سے چل کر عرب آ گئے اور اس کے لئے مدینہ کا رخ کیا تو راستہ میں قریش کا ایک اور خوش قسمت ہیرو اسی غرض سے مدینہ کا رہ نورد نظر آیا، یہ خالد بن ولید تھے، وہ بھی اسلام ہی لانے کی نیت سے مدینہ جا رہے تھے، عمرو بن العاصؓ نے ان کو راستہ میں دیکھ کر پوچھا کہاں کا قصد ہے، بولے خدا کی قسم خوب پانسہ پڑا، یہ شخص آنحضرت ﷺ یقیناً نبی ہے، چلو اسلام کا شرف حاصل کریں، آخر کب تک؟

چنانچہ یہ دونوں ساتھ خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے، اور پہلے خالد بن ولیدؓ اور پھر عمرو بن العاصؓ مشرف باسلام ہوئے۔[۴]

ہجرت...... قبول اسلام کے بعد عمرو بن العاصؓ مکہ لوٹ آئے، مگر خالد بن ولیدؓ نے مدینہ میں ہی مستقل قیام اختیار کر لیا۔

---

[۱] عقد الفرید جلد ۲،　[۲] استیعاب جلد اول ص ۱۵۸،
[۳] بخاری کتاب المغازی باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب
[۴] تفصیل کے لیے دیکھو مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۹۸

غزوات ...... جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے کہ ظہور اسلام کے وقت خالدؓ اپنے خاندانی عہدہ پر ممتاز تھے، اسلام کے بعد بھی آنحضرت ﷺ نے ان کا یہ اعزاز قائم رکھا، اس سے فتوحات اسلام میں بڑی مدد ملی،[1] جس طرح قبول اسلام سے پہلے مسلمانوں کے سخت دشمن تھے، اسی طرح اسلام کے بعد مشرکوں کے لئے سخت ترین خطرہ بن گئے، چنانچہ اکثر غزوات میں ان کی تلوار مشرکین کا شیرازہ بکھرتی رہی۔

غزوۂ موتہ ...... اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے غزوۂ موتہ میں شریک ہوئے، اس کا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دعوت اسلام، کے سلسلہ میں حارث بن عمیر ازدی کے ہاتھ ایک خط شاہ بصری کے پاس بھیجا تھا، یہ بزرگ خط لے کر مقام موتہ تک پہنچے تھے کہ شرحبیل ابن عمرو غسانی نے شہید کر دیا، آنحضرت ﷺ اور عام مسلمانوں پر اس کا سخت اثر ہوا، چنانچہ آپ نے اس کے انتقام کے لئے ۳ ہزار کی جمعیت زید بن حارثہؓ کی سرکردگی میں روانہ کی[2] اور ہدایت فرمائی کہ اگر زید شہید ہوں تو جعفر ان کی جگہ لیں، اگر یہ بھی شہید ہوں تو عبداللہ بن رواحہ قائم مقامی کریں، چنانچہ اسی ترتیب سے تینوں بزرگوں نے میدان جنگ میں جام شہادت پیا، آخر میں خالدؓ نے علم سنبھالا[3] مگر مسلسل تین افسروں کی شہادت سے مسلمانوں کے دل ٹوٹ چکے تھے، اس لئے دوبارہ شکست تو نہ دے سکے، مگر خالدؓ اپنی جنگی قابلیت سے باقی ماندہ فوج کو بچا لائے، اسی جنگ میں خالدؓ کے ہاتھ سے ۹ تلواریں ٹوٹی تھیں جس کے صلہ میں آنحضرت ﷺ نے ان کو "سیف اللہ" کا معزز لقب عطا فرمایا تھا۔[4]

فتح مکہ ...... فتح مکہ میں میمنہ کے افسر تھے،[5] لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی، روسائے قریش نے بلا مزاحمت ہتھیار ڈال دیئے، صرف چند مشرک خالد بن ولیدؓ کے ہاتھوں مارے گئے اس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خالد بن ولید کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنا دستہ مکہ کے بالائی حصہ کدا کی جانب سے لیکر آئیں، چنانچہ یہ آرہے تھے کہ راستہ میں مشرکوں کو ایک جتھا مزاحم ہوا اور پیہم تیر باری شروع کر دی، خالدؓ نے بھی جوابی حملہ کیا، اس میں چند مشرک مارے گئے آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی، تو آپ نے باز پرس کی، انہوں نے کہا کہ ابتدا ان ہی کی جانب سے ہوئی تھی، آپ نے فرمایا خیر مرضی الٰہی بہتر ہے۔[6]

غزوۂ حنین ...... فتح مکہ کے بعد بنو ثقیف وہوازن، اوطاس کے میدان میں جمع ہوئے آنحضرت کو خبر آئی تو آپ بارہ ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ کو نکلے، قبیلوں کے لحاظ سے فوج کے

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۰۱، [2] ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۲
[3] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ موتہ، [4] ایضاً
[5] مسلم جلد ۲ ص ۸۶ طبع مصر،
[6] ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۸ بخاری باب فتح مکہ

مختلف حصے تھے، بنو سلیم کا قبیلہ مقدمۃ الجیش تھا، اس کی کمان خالدؓ کے ہاتھ تھی[1]، چنانچہ اس جنگ میں وہ نہایت شجاعت وشہامت سے لڑے اور بہت سے وار جسم پر کھائے، آنحضرت ﷺ عیادت کے لئے تشریف لائے، زخموں کو دم کیا اور خالدؓ جلد شفایاب ہو گئے۔[2]

طائف...... حنین کے مشرکوں کی شکست خوردہ فوج بڑھ کر طائف کے قلعہ میں قلعہ بند ہو گئی اور جیسے ہی مسلمان ادھر سے گذرے اپنے قلعہ کے اندر سے تیر برسانا شروع کر دیئے، بہت سے مسلمان شہید ہو گئے، مسلمانوں نے بھی مدافعانہ حملہ کیا، اس فوج کا مقدمۃ الجیش بھی خالد کی ماتحتی میں تھا۔[3]

تبوک...... ۹ھ میں آنحضرت ﷺ کو خبر ملی کہ رومیوں نے مسلمانوں کے خلاف شام میں فوج جمع کی ہے، اور اس کا مقدمۃ الجیش بلقا، تک پہنچ چکا ہے، چنانچہ آپ ۳۰ ہزار فوج لے کر مقابلہ کو نکلے، لیکن خبر غلط نکلی اور جنگ کی نوبت نہیں آئی، تاہم احتیاطاً دو دن مقام تبوک میں آپ نے قیام فرمایا،[4] اس نواح کے عربی النسل عیسائی روسا قیصر روم کے ماتحت تھے، ان ہی کے ذریعہ سے رومی ریشہ دوانیاں کیا کرتے تھے، اس لئے ان کا مطیع کرنا ضروری تھا، چنانچہ ایلہ اور اذرح کے رئیسوں نے اطاعت قبول کر لی،[5] صرف دومۃ الجندل کا رئیس اکیدر بن عبدالملک باقی رہ گیا، آنحضرت ﷺ نے خالدؓ کو چار سو آدمیوں کے ساتھ اس کو مطیع بنانے پر مامور فرمایا، اس کے بھائی حسان نے مقابلہ کیا، مگر مارا گیا اور اس کے بقیہ ساتھی بھاگ کر قلعہ میں پناہ گزین ہو گئے، خالدؓ نے ایک کو گرفتار کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا، یہاں آ کر اس نے بھی جزیہ دے کر اطاعت قبول کر لی، اور آپ نے اس کو جان و مال کا امان نامہ عطا فرمایا۔[6]

سریہ بنو جذیمہ...... اسی سنہ میں دعوت اسلام کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ نے خالدؓ کو تین سو مہاجرین وانصار کے ساتھ بنو جذیمہ کی طرف بھیجا، انہوں نے آپکی ہدایت کے مطابق ان کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے قبول کر لی، مگر ناواقفیت کی وجہ سے صحیح الفاظ میں اسلام کا اظہار نہ کر سکے اور بجائے ''اسلمنا'' کے یعنی ہم اسلام لائے ''صبانا'' کہا یعنی ہم بے دین ہو گئے، مشرکین سے وہ مسلمانوں کو ''صابی'' بے دین کہتے ہوئے سنتے تھے، اس لئے انہوں نے بھی ان ہی الفاظ میں اسلام کا اظہار کیا، حضرت خالدؓ اسکو نہ سمجھ سکے، اور سب کی گردنیں اڑانے کا حکم

---

[1] ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۰۸،
[2] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۰۳،
[3] ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۱۴،
[4] ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۱۴،
[5] زرقانی ج ۳ ص ۸۲،
[6] ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۲۰۔

دے دیا، بہت سے مہاجرین وانصار نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا، پھر بھی بہت سے لوگ مارے گئے، آنحضرت ﷺ نے یہ واقعہ سنا تو بہت متاسف ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر اس سے طبری ظاہر کر دی کہ خدایا! میں خالدؓ کے اس فعل سے بری ہوں،[1] پھر حضرت علیؓ کو ان سب کی دیت دے کر بھیجا، انہوں نے سب کو جان و مال کا پورا معاوضہ دیا،[2] اور کتوں تک کا خون بہا ادا کیا اور اس کے بعد جتنا مال بچا سب ان ہی لوگوں میں تقسیم کر دیا۔[3]

سریۂ نجران...... اس سلسلہ کا ایک اور سریہ ۱۰ھ میں حضرت خالد کی سرکردگی میں بنو عبد المدان نجرانی کی طرف بھیجا گیا، چونکہ ایک مرتبہ خالدؓ کی جلد بازی کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا، اس مرتبہ آنحضرت ﷺ نے خاص طور سے ہدایت فرما دی کہ محض اسلام کی دعوت دینا تلوار نہ اٹھانا، حضرت خالدؓ نے اس کی پوری پابندی کی، اور میدان جنگ کے سپاہی دفعۃً مبلغ اسلام کے قالب میں آ گئے اور ان کی کوشش سے بنو عبد المدان نے اسلام قبول کر لیا، اور سیف اللہ نے ان کی مذہبی تعلیم و تربیت کے بعد جب یہ لوگ اسلامی مسائل سے واقف ہو گئے، تو آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی، آپ نے سب کو طلب فرمایا، چنانچہ یہ لوگ حاضر ہوئے اور دیدار جمال نبویؐ سے فیضیاب ہو کر واپس گئے۔[4]

سریۂ یمن...... اسی سن میں آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کی امارت میں ایک سریہ یمن روانہ کیا، اسی سریہ میں دوسری جانب سے حضرت خالدؓ کو روانہ فرمایا، اور حکم دیا کہ جب دونوں ملیں تو امارت علیؓ کے متعلق رہے گی،[5] اور چلتے چلتے یہ ہدایت فرما دی کہ جنگ کا آغاز تمہاری جانب سے نہ ہو، البتہ اگر یمن والے پیش قدمی کریں تو تم مدافعت کر سکتے ہو، چنانچہ ان لوگوں نے یمن پہنچ کر اسلام پیش کیا، لیکن اس کا جواب تیر اور پتھر سے ملا، اس وقت مسلمانوں نے جوابی حملہ کیا اور یمنی پسپا ہوئے، مگر ان کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہیں کی گئی، بلکہ دوبارہ پھر اسلام پیش کیا گیا، اور انہوں نے بلا جبر و اکراہ اس کو قبول کر لیا۔

سریۂ عزیٰ...... عزیٰ قریش و کنانہ کا صنم کدہ تھا، جس کی یہ لوگ بڑی عظمت کرتے تھے، آنحضرت ﷺ نے خالدؓ کو اس کے گرانے پر مامور فرمایا، انہوں نے اس کی تعمیل کی، آپ نے پوچھا تم نے وہاں کچھ دیکھا بھی تھا، عرض کی نہیں، فرمایا پھر جاؤ، اس گرانے کا اعتبار نہیں، چنانچہ وہ دوبارہ واپس گئے، اس مرتبہ یہاں ایک بھیانک شکل کی عورت نکلی،[6] خالدؓ نے اس کا کام تمام

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب سریہ بنو جذیمہ،
[2] ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۰۷،
[3] اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۰۶،
[4] زرقانی ج ۳ ص ۱۱۶، [5] ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۲۲،
[6] یہی عورتیں صنم کدوں میں بداخلاقیوں کی بنیاد ہوتی تھیں۔

کر کے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی، فرمایا ہاں جاؤ، اب تم نے کام پورا کیا۔[1]

مدعیان نبوت کا استیصال...... عہد صدیقی میں جب مدعیان نبوت کا فتنہ اٹھا اور اس کے استیصال کے لئے فوجیں روانہ کیں گئیں تو خالد طلیحہ، کی سرکوبی پر مامور ہوئے، انہوں نے اس کا بہت کامیاب مقابلہ کیا اور اس کے اعوان وانصار کو قتل اور اس کے قوت وبازو عیینہ بن حصین کو ۳۰ آدمیوں کے ساتھ گرفتار کر کے پابجولاں دربار خلافت میں حاضر کیا۔[2]

یمامہ میں شرحبیل بن حسنہ مشہور کذاب مسلیمہ سے برسر پیکار تھے، خالدؓ طلیحہ سے فارغ ہو کر ان کی مدد کو بڑھے، راستہ میں مجاعہ ملا، اس کے ساتھیوں سے مقابلہ ہوا ان کو شکست دے کر مجاعہ کو گرفتار کر کے یمامہ پہنچے اور مسلیمہ حضرت حمزہؓ کے مشہور قاتل وحشی کے ہاتھ سے مارا گیا۔[3]

مرتدین کی سرکوبی...... مدعیان نبوت کی مہم سے فارغ ہو کر منکرین زکوٰۃ اور مرتدین کی طرف بڑھے اور سب سے پہلے اسد وغطفان سے نبرد آزما ہوئے، ان میں کچھ جان سے مارے گئے اور کچھ گرفتار ہوئے، جو باقی بچے وہ تائب ہو گئے۔[4] ان معرکوں کے علاوہ ارتداد کے سلسلہ میں جس قدر لڑائیاں ہوئیں، ان سب میں خالد پیش پیش تھے، طبری کے یہ الفاظ ہیں

ان الفتوح فی اهل الرادة کلها کانت لخالد بن ولید وغیره[5]

یعنی ارتداد میں جتنی فتحیں ہوئیں وہ خالد بن ولیدؓ وغیرہ کا کارنامہ ہے

عراق پر فوج کشی اور اس کے اسباب...... جزیرۃ العرب اس عہد کی دو عظیم الشان سلطنتوں کے درمیان گھرا ہوا تھا، ایک طرف شام میں رومی چھائے ہوئے تھے، دوسری طرف عراق پر کیانی خاندان قابض تھا، یہ دو سلطنتیں ہمیشہ عربوں کی آزادی سلب کرنے کی فکر میں رہتی تھیں، عرب پر تسلط جمانے کی کوشش کی، یمن کے حمیری خاندان کا خاتمہ ایرانیوں کے ہاتھوں ہوا گو حمیری برائے نام حکمران رہے، مگر اس کا سیاہ سپید تمام تر ایرانیوں کے ہاتھ میں تھا، بحرین اور عمان بھی ان کے زیر اثر تھے، ان کے علاوہ مختلف اوقات میں عرب کے سولہ مقامات ایرانی مرزبانوں کے قبضہ میں رہ چکے تھے۔[6] عراقی لخمی خاندان کو بھی ایرانیوں ہی نے مٹایا ایرانیوں کا یہ اقتدار ظہور اسلام کے وقت تک باقی تھا، چنانچہ جنگ ذی قار میں جب ایرانیوں نے عربوں سے شکست کھائی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، آج عرب نے عجم سے اپنا منصفانہ بدلہ لیا۔[7]

یہی حال قیصری حکومت کا تھا، جب جب اس کو موقع ملتا تھا، شام کی جانب سرزمین عرب

---

[1] ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۰۵۔
[2] یعقوبی جلد ۲ ص ۱۴۵۔
[3] ایضاً ص ۱۴۶۔
[4] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۷۲۔
[5] طبری واقعات ۱۱ھ
[6] تاریخ الملوک حمزہ اصفہانی ص ۹۰ مطبوعہ برلن
[7] اسد الغابہ ج ۵ ص ۱۰۴

میں قدم بڑھاتی رہی، شام میں جو عرب خاندان آباد تھے، ان پر آل جفنہ قیصر کی جانب سے حکومت کرتے تھے، گو آل جفنہ عربی النسل تھے، لیکن ان کا تقرر قیصری حکومت کرتی تھی، احبشہ کے عیسائیوں نے رومیوں کے اشارے سے عرب کی مرکزیت توڑنے کے لئے یمن کو فتح کر کے صنعاء میں ایک کعبہ بنایا کہ خانہ کعبہ کے پجاری تقسیم ہو جائیں۔[1]

ظہور اسلام کے بعد جب عرب متحد ہو کر ایک مرکز پر جمع ہو گئے، تو ان دونوں سلطنتوں کے لئے عرب کا سوال اور زیادہ اہم ہو گیا، اگر پہلے ملک گیری کی ہوس تھی تو اب عربوں سے سیاسی خطرہ نظر آرہا تھا، چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے خسرو پرویز کو دعوت اسلام کا خط لکھا تو اس نے چاک کر ڈالا اور بولا "میرا غلام مجھ کو یوں لکھتا ہے" اور فوراً آپ کی گرفتاری کا فرمان جاری کیا،[2] اس طرح شرحبیل بن عمرو نے جو قیصر کی جانب سے بصریٰ کا حاکم تھا، آنحضرت ﷺ کے قاصد کو قتل کرا دیا، غرض ان حالات میں عرب کی خود مختاری کو باقی رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ ان دونوں پر یہ حقیقت ظاہر ہو جائے کہ اب عربوں سے کھیلنا آسان کام نہیں ہے، تاہم حضرت ابوبکرؓ نے اس وقت تک کوئی پیش قدمی نہیں کی۔ لیکن وہ قبائل جو ہمیشہ سے ایرانی حکومت کا تختہ مشق بنتے چلے آرہے تھے انتقام کے جذبات سے لبریز تھے، چنانچہ عہد صدیقی میں جب ایران میں بدنظمی پیدا ہوئی اور ایرانیوں نے کسریٰ بن ہرمز کی لڑکی کو ایران کے تخت پر بٹھایا تو ان قبائل کے جذبات انتقام دفعۃً بھڑک گئے، اور مثنیٰ ابن حارث شیبانی نے اپنا جتھا لے کر عراق عجم کی سرحد پر تاخت و تاراج شروع کر دی، لیکن بغیر خلیفہ وقت کی سرپرستی کے کامیابی مشکل تھی، اس لئے حضرت ابوبکرؓ سے باضابطہ اجازت حاصل کی، آپ نے خالد بن ولید کو ان کی مدد پر مامور کیا اور شرف امارت بھی عطا کیا۔[3]

عراق کی فوج کشی ..... چنانچہ حضرت خالدؓ فتنہ ارتداد کی مہموں سے فارغ ہو کر عراق کی طرف بڑھے اور مقام نباج میں مثنیٰ سے مل گئے اور بانقیا اور بار سوما کے حاکموں کو مطیع کرتے ہوئے ابلہ کی طرف بڑھے، یہ مقام جنگی نقطۂ نظر سے بہت اہم تھا، یہاں عرب و ہندوستان کے بری و بحری خطوط آکر ملتے تھے، چنانچہ یہاں کا حاکم ہرمزان ہی راستوں سے دونوں مقام پر حملے کیا کرتا تھا،[5] ہرمز کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو فوراً اردشیر کو دربار ایران اطلاع بھیجی اور خود مقابلہ کے لئے بڑھا، کاظمہ میں دونوں کا مقابلہ ہوا، ایرانیوں نے اپنے کو زنجیروں میں جکڑ لیا تھا، کہ پاؤں نہ اکھڑنے پائیں، لیکن قعقاع بن عمر کی شجاعت نے زنجیر آہن کے ٹکڑے کر ڈالے، اور ایرانیوں نے بری طرح شکست کھائی۔

---

[1] تاریخ الملوک ص ۶۷،
[2] سیرۃ ابن ہشام جلد ص ۶۹،
[3] طبری ص ۲۰۱۸۷
[4] فتوح البلدان، فتوح عراق
[5] ابن خلدون ج ۲ ص ۷۹

جنگ مذار...... ابھی یہ معرکہ ختم ہوا تھا کہ ایرانیوں کی امدادی فوج کو جو قارن بن قریانس کی ماتحتی میں ہرمز کی مدد کو آرہی تھی، مذار میں ہرمز کے قتل اور ایرانیوں کی شکست کی خبر ملی، اس لئے قارن نے اسی جگہ اپنی فوج کی تنظیم کی اور شکست خوردہ فوج کے سردار قباز اور انوشجان کو امیر العسکر بنا کر نہر کے قریب پڑاؤ ڈالا، خالد کو اطلاع ہوئی، تو وہ فوج لے کر مذار کی طرف بڑھے، لب دریا دونوں کا مقابلہ ہوا، معقل نے قارن کو اور عاصم نے نوشجان کو اور عدی نے قباذ کو ختم کیا، اور اس شدت کی جنگ ہوئی کہ تیس ہزار ایرانی کام آئے، یہ تعداد اس کے علاوہ ہے جو نہر میں ڈوب کر مرے۔[1]

جنگ کسکر...... جنگ مزار کے انجام کی خبر ایران پہنچی تو اردشیر نے اندرزغر اور بہمن کو یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا، اندرزغر مدائن اور کسکر ہوتا ہوا ولجہ پہنچا، حیرہ اور کسکر کے تمام دہقانی اور آس پاس کے عرب بھی ایرانیوں کی حمایت میں اپنی اپنی فوجیں لے کر آندرزغر کے قریب آکر خیمہ زن ہوئے، اس درمیان میں بہمن بھی پہنچ گیا، خالدؓ کو خبر ملی تو سوید بن مقرن کو ایک دستہ پر مامور کر کے ضروری ہدایات دے کر پیچھے چھوڑا اور خود بڑھ کر مورچہ بندی میں مصروف ہو گئے اور ساحل کی قربت سے فائدہ اٹھا کر نشیبی زمین میں تھوڑی فوج چھپا دی، کہ جنگ چھڑنے کے بعد وہ نکل کر حملہ آور ہو جائے اس انتظام سے فراغت کے بعد جنگ چھڑ گئی، دیر تک گھمسان کا رن پڑتا رہا، جب فریقین تھکنے لگے، تو مسلمان کمین گاہوں سے نکل کر ٹوٹ پڑے اس اچانک حملے نے ایرانیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے، مگر وہ جدھر بھاگتے تھے، مسلمان سامنے تھے اس لئے جو سپاہی جہاں تھا وہیں ختم ہو گیا، اندرزغر نکل بھاگا، لیکن پیاس کی شدت سے وہ مر گیا، جنگ کے بعد مسلمانوں نے عام آبادی سے کوئی تعرض نہیں کیا اور ان کو پوری آزادی دے دی۔[2]

جنگ الیس...... گذشتہ جنگ میں عربی النسل عیسائی قبائل بھی ایرانیوں کی حمایت میں مارے گئے تھے، اس لئے جنگ کسکر کے بعد یہ لوگ پورے طور سے ایرانیوں کے ساتھ ہو گئے اردشیر نے بہمن کو عربی قبائل سے مل جانے کا حکم دیا، چنانچہ بہمن الیس کی طرف بڑھا اور یہاں کے حاکم جاپان کو یہ ہدایت دے کر کہ میری واپسی تک جنگ شروع نہ کرنا، الیس روانہ کر دیا، اور خود اردشیر کے پاس مشورہ کے لئے چلا گیا، وہاں سے لوٹا تو باقی عربی قبائل اور عربی چھاؤنی کی ایرانی سپاہ اکٹھا ہو چکی تھی، اس درمیان میں خالدؓ بھی پہنچ گئے ان کے پہنچتے ہی جنگ شروع ہو گئی، دیر تک کشت و خون کا سلسلہ جاری رہا، خالد نے منادی کرادی کہ لڑائی روک کر لوگوں کو صرف گرفتار کرو، چنانچہ مسلمان دار و گیر میں مصروف ہو گئے، اور لڑنے والوں کو زندہ گرفتار کر کے نہر

[1] طبری ۲۰۲۷، ۲۰۲۸، ابن خلدون جلد ۲ ص ۷۹۔
[2] طبری جلد ص ۲۰۳۱

کے کنارے قتل کرنا شروع کر دیا، اور ایرانی بری طرح مفتوح ہوئے۔[1]

الیس سے فراغت کے بعد خالدؓ امغیشیا کی طرف بڑھے، یہاں کے باشندے مسلمانوں کا رخ دیکھ کر پہلے ہی شہر خالی کر چکے تھے، اس لئے جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

امغیشیا...... امغیشیا کے قریب ہی حیرہ تھا، یہاں کے حاکم آزادبہ کو خطرہ پیدا ہوا کہ مسلمان امغیشیا کی طرف بڑھیں گے، اس لئے اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر اپنے لڑکے خالدؓ کو روکنے کے لئے آگے بھیج دیا، اور پیچھے سے خود مدد کے لیے پہنچا، امغیشیا اور حیرہ کے درمیان نہر فرات تھی، آزادبہ کے لڑکے نے اس کا بند باندھ دیا، اس سے مسلمانوں کی کشتیاں رک گئیں اور ملاحوں نے جواب دیا کہ ایرانیوں نے نہر کا رخ پھیر دیا ہے اس لئے کشتیاں نہیں چل سکتیں، مسلمان کشتیوں سے اتر پڑے اور گھوڑوں پر ابن آزادبہ کی طرف بڑھے، فرات کے دہانہ پر دونوں کا مقابلہ ہوا، ابن آزادبہ مارا گیا اور فوج بھی تباہ ہوئی۔[2]

حیرہ کی صلح...... اس کے بعد دریا کا بند کھول کر مسلمان حیرہ کی طرف بڑھے، لیکن ان کے پہنچنے کے قبل آزادبہ حیرہ چھوڑ چکا تھا، مسلمان مقام غریین میں ٹھہر گئے، حیرہ میں جو لوگ باقی رہ گئے تھے، وہ اس عرصہ میں قلعہ بند ہو گئے، خالدؓ نے ان کا محاصرہ کر لیا، پہلے صلح کی گفت وشنید ہوتی رہی، لیکن بے نتیجہ رہی، ایرانیوں نے قلعہ کے اوپر سے سنگباری شروع کر دی، مسلمانوں نے پیچھے ہٹ کے تیروں سے جواب دیا اور قلعہ اور محلات کی دیواریں چھلنی کر دیں، جب شہری آبادی محاصرہ سے گھبرا گئی، تو قسیسون اور راہبوں نے قلعہ والوں سے فریاد کی کہ اس خونریزی کی ساری ذمہ داری تم پر ہے، اس کو بند کرو، آخر میں جب قلعہ والوں نے بھی عاجز ہو کر خالدؓ سے صلح کی گفتگو کر کے ایک لاکھ نوے ہزار سالانہ خراج پر صلح کر لی اور خالد نے ایک مفصل صلح نامہ لکھ کر حوالہ کیا۔[3]

ملحقات حیرہ...... حیرہ کی صلح کے بعد اطراف کے کاشتکاروں اور دیہی آبادیوں نے بھی جو حیرہ کے شرائط کی منتظر تھیں، ۲۰ لاکھ سالانہ پر صلح کر لی۔[4] حیرہ اور ملحقات حیرہ کی کامل تسخیر کے بعد خالدؓ نے محافظین سرحد میں سے ضرار بن آزور، ضرار بن خطاب قعقاع ابن عمرو، مثنی بن حارثہ اور عتبہ بن شماس افسران سرحد کو دجلہ کی ترائی میں بڑھنے کا حکم دیا، یہ لوگ ساحل تک بڑھتے ہوئے چلے گئے۔

ابنار کی تسخیر...... اس وقت گوادو شیر مر چکا تھا، اور ایرانیوں میں اندرونی اختلافات کا طوفان

---

[1] ابن خلدون جلد ۲ ص ۸۰ و طبری ج ۴ ص ۲۰۳۱ تا ۲۰۳۷۔

[2] ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۹۸

[3] طبری جلد ۵ ص ۲۰۳۷ تا ۲۰۴۱

[4] ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۸۱

برپا تھا، لیکن مسلمانوں کے مقابلہ میں سب متحد تھے، طبری کے یہ الفاظ ہیں، و کان اھل فارس بموت اردشیر مختلفین فی الملک مجتمعین علی قتال خالد متساندین، یعنی اردشیر کی موت کی وجہ سے بادشاہت کے بارے میں ایرانیوں میں اختلاف تھا، لیکن خالدؓ سے جنگ کے بارے میں سب متحد اور ایک دوسرے کے معاون تھے، چنانچہ انہوں نے اپنی مرکزیت قائم کرنے کے لئے فرخزاد کو عنان حکومت سپرد کردی تھی، اور ان کی فوجیں عین التمر، انبار اور فراض تک پھیلی ہوئی تھیں، اس لئے خالدؓ حیرہ کے بعد انبار کی طرف بڑھے، لیکن ان کے پہنچتے پہنچتے یہاں کے باشندے قلعہ بند ہو چکے تھے، چنانچہ ان کے پہنچتے ہی جنگ شروع ہوگئی، ایرانی قلعہ کے اندر سے تیر باری کر رہے تھے، اس لئے مسلمانوں کا جوابی حملہ کامیاب نہ ہوتا تھا، خالدؓ نے قلعہ کے چاروں طرف چکر لگا کر اس کے استحکامات کا اندازہ لگا کر حکم دیا کہ آنکھوں پر تاک تاک کر تیر مارو، اس تدبیر سے دن بھر میں ایک ہزار آنکھیں بیکار کر دیں، اس مصیبت نے انبار کے باشندوں کو گھبرا دیا اور فوج بدحواس ہوگئی، شیرزاد ایرانی سپہ سالار نے یہ صورت دیکھ کر صلح کا پیام دیا، لیکن شرائط ایسے پیش کیے کہ خالدؓ ان کو منظور نہ کر سکے، اور خندق کا جو حصہ زیادہ تنگ تھا اسے بیکار اونٹوں کو ذبح کر کے پاٹ دیا، اور مسلمان اس پر سے اتر کے قلعہ تک پہنچ گئے اور ایرانی سمٹ کر قلعہ کے اندر ہو گئے، مگر وہ آنکھوں کی نشانہ بازی سے پہلے ہی گھبرا گئے تھے، مسلمانوں کی اس غیر متوقع آمد سے اور ہمت چھوٹ گئی اور شیرزاد نے بہمن کو فوج کی حالت جتا کر صلح پر آمادہ کر لیا، اس نے مجبور ہو کر صلح کر لی، اس کے بعد انبار کے باشندوں نے صلح کی خواہش کی، چنانچہ پہلے بواذیج والوں پھر اہل کلوازی نے صلح کر لی۔[1]

عین التمر ...... خالدؓ انبار کی مہم میں مصروف تھے، کہ بہرام چوبین کا لڑکا مہران مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے عین التمر پہنچ گیا، عربی قبائل میں نمر، تغلب اور ایاد، عقہ بن عقہ کے ساتھ علیحدہ مقابلہ پر آمادہ تھے،[2] اس لئے خالدؓ نے انبار کے بعد عین التمر کی طرف بڑھے، ایرانیوں نے ایرانی سپاہ قلعوں میں محفوظ کر دی اور عربی قبائل کو مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بڑھا کر ان پر جاسوس متعین کر دیے۔ کہ اگر ان میں قومی عصبیت نظر آئے تو فوراً تدارک ہو سکے، بعض انصاف پسند ایرانی اس پر معترض ہوئے، ان کو جواب دیا کہ ان ہی کی قوم نے ہمارا ملک تباہ کیا ہے اس لئے انہیں آپس میں کٹانا چاہیے، عقہ مقام کرخ میں اپنی فوج مرتب کر رہا تھا کہ خالد پہنچ گئے، اور اس کو گرفتار کر لیا، اس کی فوج نے سردار کی گرفتاری سے گھبرا کر میدان جنگ چھوڑ دیا، جو بچ گئے وہ گرفتار ہوئے، خالد ان کی قوم فروشی پر بہت مشتعل تھے، اس لئے پہلے عقہ کا کام تمام کر دیا، پھر سب کی گردنیں اڑا دیں، مہران کو عربوں کی حالت کی خبر ملی، تو وہ قلعہ چھوڑ کر بھاگ

---

[1] طبری ص ۲۰۵۹ تا ۲۰۶۱ و فتوح البلدان بلاذری ص ۲۵۵۔

[2] ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۹۔

گیا، لیکن جب شکست خوردہ عرب پہنچے تو پھر اس کی ہمت بندھی اور ایرانی قلعہ بند ہو گئے، خالد سیدھے قلعہ تک بڑھتے چلے گئے،[۱] ایرانیوں نے نکل کر مقابلہ کیا اور تھوڑے مقابلہ کے بعد قلعہ میں داخل ہو گئے، مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا، بالآخر ایرانیوں نے صلح کی درخواست کی لیکن خالدؓ نے انکار کر دیا، اور بزور شمشیر قلعہ فتح کیا،[۲] لیکن فتح کے بعد پھر کوئی سختی نہیں کی اور معمول خراج کے سوا زمین پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا۔[۳]

دومۃ الجندل میں ہمیشہ سے مسلمانوں کے خلاف سازشیں ہوا کرتی تھیں، چنانچہ عہد رسالت میں بھی اسی قسم کی ایک سازش ہوئی تھی، اس لئے غزوہ دومۃ الجندل ہوا تھا، پھر عہد صدیقی میں پھر اس کا ظہور ہوا، حضرت ابوبکرؓ نے اس کے تدارک کے لئے عیاض بن غنم کو روانہ کیا، لیکن کلب، غسان اور تنوخ کی قبائل متحد تھے، اس لئے عیاض کے لئے تنہا ان سب کا مقابلہ کرنا دشوار تھا، انہوں نے خالدؓ کو مدد کے لئے بلا بھیجا، وہ عراق کی مہم چھوڑ کر عیاض کی مدد کو چلے آئے اس وقت یہاں دو حکمران تھے، اکیدر اور جودی، اکیدر کو خالد عہد رسالت میں مطیع کر چکے تھے، اس لئے خالدؓ کی آمد کی خبر سن کر وہ خوف سے جودی کی حمایت سے کنارہ کش ہو گیا، اور جب جودی جنگ کے لیے بالکل آمادہ ہو گیا تو اکیدر دومۃ الجندل چھوڑ کر ہٹ گیا، مگر چونکہ پہلے اس کا شریک رہ چکا تھا، اس لئے گرفتار کرا کے قتل کر دیا گیا، خالدؓ اور عیاض نے دو سمتوں سے دومۃ الجندل کا محاصرہ کر لیا، جودی کی فوج میں متعدد افسر تھے، خود جودی، ودیعہ کلبی، ابن رومانس، ابن ایہم اور ابن حدرجان ان سب نے متحدہ حملہ کیا، جودی اور ودیعہ گرفتار ہوئے، باقی فوج قلعہ میں گھس گئی، مگر قلعہ میں زیادہ گنجائش نہیں تھی، اس فوج کا ایک حصہ باہر رہ گیا، اگر مسلمان چاہتے تو ان میں سے ایک بھی نہ بچ سکتا، لیکن حضرت عاصمؓ نے بنو کلب کو امان دے دی،[۴] اور خالدؓ نے جودی کو قتل کر دیا، اور قلعہ کا پھاٹک اکھاڑ کے اندر گھس گئے اور قلعہ پر قبضہ ہو گیا۔

جنگ حصید و خنافس ...... حضرت خالدؓ نے عراق چھوڑ کر شام چلے آنے کے بعد جزیرہ کے عربوں نے ایرانیوں کو عراق کی واپسی پر توجہ دلائی، وہ ان کا اشارہ پاتے ہی آمادہ ہو گئے اور زرمہر اور روزبہ نے خنافس اور حصید کی طرف فوجیں بڑھا دیں، زبرقان بن بدر حاکم انبار نے قعقاع حاکم حیرہ کو اطلاع دی، انہوں نے ایرانیوں کو آگے بڑھنے سے روکنے کے لئے اسی وقت الگ الگ فوجیں اعبد بن فدکی، اور عروہ بن جعد کی قیادت میں دونوں مقاموں پر روانہ کر دیں، ان دونوں نے بڑھ کر ریف میں ان کو روک دیا، روزبہ اور زرمہر یہاں عربوں کا انتظار کر رہے تھے، کہ خالدؓ دومۃ الجندل سے حیرہ واپس آ گئے اور امرؤ القیس بن کلبی نے اطلاع بھیجی کہ ہذیل

---

[۱] طبری جلد ۴ ص ۲۰۶۳، [۲] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۵۵،
[۳] ایضاً ص ۲۵۷، [۴] ابن خلدون جلد ۲ ص ۳۹،
[۵] طبری جلد ۴ ص ۲۰۶۶ و ابن اثیر جلد ۲ ص ۳۰۳

بن عمران مصیخ میں اور ربیعہ بن بجیر ثنی اور بشر میں، روز بہ اور زرمہر کی امداد کے لئے فوجیں لئے پڑے ہیں یہ خبر سن کر خالدؓ نے عیاض کو حیرہ میں چھوڑا اور خود قعقاع اور ابولیلی کی مدد کو خنافس روانہ ہوگئے، یہ دونوں عین التمر میں تھے، خالد یہیں آ کر ان سے ملے، اور قعقاع خود بڑھے، روز بہ نے زرمہر سے مدد طلب کی، وہ مدد لے کر پہنچا، حصید میں دونوں کا مقابلہ ہوا، زرمہر اور روز بہ دونوں مارے گئے اوران کی فوج ہٹ کر خنافس میں جمع ہوگئی، ابولیلی تعاقب کرتے ہوئے خنافس پہنچے، تو ایرانی خنافس چھوڑ کر مصیخ چلے گئے، خالدؓ کو اس کی اطلاع دی گئی، انہوں نے قعقاع، ابولیلی اور عروہ کو ایک خاص مقام پر شب میں جمع ہونے کا حکم دیا اور خود بھی معینہ شب میں وہاں پہنچ گئے اور سب نے مل کر متحدہ شب خون مارا، ایرانی بالکل بے خبر تھے، اس لئے مدافعت بھی نہ کر سکے اور سب کے سب مارے گئے۔[1]

جنگ ثنی و بشر...... ربیعہ بن بجیر ثنی اور بشر میں بدستور فوجیں لئے پڑا تھا، مصیخ کے بعد خالد نے قعقاع اور ابولیلی کو ثنی پر شبخون مارنے کا حکم دیا، چنانچہ ایک مقرر شب کو تینوں نے مل کر تین سمتوں سے حملہ کیا، صرف ہذیل امیر العسکر باقی بچا اور کل فوج کھیت رہی، ہذیل ثنی سے بھاگ کر بشر پہنچا یہاں بھی عربوں کا ایک جتھا موجود تھا، خالدؓ اس کو صاف کرتے ہوئے رضاب پہنچے، یہاں عقہ کا لڑکا بلال مسلمانوں کا منتظر تھا، مگر خالدؓ کے آتے دیکھ کر یہ بھاگ نکلا۔

جنگ فرائض...... اور خالدؓ رضاب ہوتے ہوئے فرائض کی طرف بڑھے، یہ مقام جنگی نقطہ نظر سے بہت اہم تھا، یہاں شام، عراق اور جزیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں، شام کی سرحد کی وجہ سے رومی بھی ایک فریق بن گئے اور انہوں نے ایرانیوں کی چھاونی اور تغلب وایاد (عرب) سے مدد مانگ بھیجی، ان کو اس میں کیا عذر ہوسکتا تھا، فوراً آمادہ ہو گئے، اور اب مسلمانوں کا مقابلہ ایرانیوں اور رومیوں دونوں سے ہوگیا، اس لئے خالدؓ نے بھی نہایت اہتمام سے اسلامی فوج کو ازسرنو منظم کیا، فرات کے ایک جانب مسلمان تھے، اور دوسری جانب اتحادی اتحادیوں نے پیام دیا کہ یاتم دریا عبور کر کے بڑھو یا ہمیں بڑھنے دو، خالدؓ نے ان کو بڑھنے کا موقع دیا، اور فرات کے اس پار لب دریا دونوں کا مقابلہ ہوا، مسلمان نہایت پامردی سے لڑے اور اتحادیوں کی فوجیں پسپا ہونے لگیں، خالدؓ کی للکار پر مسلمان شہسواروں نے گھیر گھیر کر مارنا شروع کیا، اتحادی دوطرف سے گھرے ہوئے تھے پیچھے ہٹتے تھے تو فرات کا لقمہ بنتے تھے، اور آگے بڑھتے تھے، تو تلوار سامنے تھی، اسی کشمکش میں سب کے سب کام آ گئے، فتح کے دس دن بعد تک مسلمان یہاں مقیم رہے، اس کے بعد حیرہ لوٹ گئے، اس معرکہ کے بعد عراق کی پیش قدمی رک گئی،[2] اور خالدؓ خفیہ حج کو چلے گئے۔

فتوحات شام...... اوپر ان حالات کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے، جن کی بنا پر مسلمانوں کا

[1] الطبری جلد ۴ ص ۲۰۶۷ تا ۲۰۷۰ [2] طبری ج ۴ ص ۲۰۷۳، ۲۰۷۴

ایرانیوں اور رومیوں سے نبرد آزما ہونا ناگزیر امر تھا، اس لئے عراق کے ساتھ ساتھ شام پر بھی فوج کشی ہوئی تھی، اور ہر ہر صوبہ پر علیحدہ علیحدہ فوجیں بھیجی گئی تھیں، خالد عراق کی مہم سر کر چکے تھے، کہ دربار خلافت سے حکم پہنچا کہ عراق چھوڑ کر شام میں اسلامی فوجوں سے مل جائیں، اس حکم کے مطابق حج سے واپس ہونے کے بعد عراق کا انتظام مثنی کے سپرد کر کے، شام روانہ ہو گئے اور راستہ میں حدرداز، ارک، سوی، حوارین، قصم، مرج، رہط وغیرہ سے نپٹتے ہوئے شام پہنچے اور پہلے بصری کی طرف بڑھے۔[1]

بصری...... یہاں اسلامی فوجیں پہلے سے ان کا منتظر تھیں، اس لئے خالدؓ نے آتے ہی بصری کے بطریق پر حملہ کر کے پسپا کر دیا اور اس شرط پر صلح ہوگئی کہ مسلمان رومیوں کی جان و مال کی حفاظت کریں گے اور وہ اس کے عوض میں جزیہ دیں گے۔[2]

اجنادین...... اس وقت مسلمان شام کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے اور ہرقل نے ان کے مقابلہ کے لئے الگ الگ دستے بھیجے تھے، تاکہ ایک مرکز پر جمع نہ ہوں لیکن فلسطین کی مہم عمرو بن العاصؓ کے متعلق تھی بصری کے بعد تذارق اور قبقلاء نے اجنادین (فلسطین) میں اپنی فوجیں ٹھہرائیں، خالدؓ اور ابوعبیدہ بصری سے فارغ ہو کر عمرو بن العاصؓ کی مدد کو پہنچے ۱۳ھ میں مقام اجنادین میں دونوں کا مقابلہ ہوا، تذارق اور قبقلاء دونوں مارے گئے۔

دمشق...... اجنادین کے بعد دمشق کی طرف بڑھے، امیر فوج ابوعبیدہؓ نے تین سمتوں سے اس کا محاصرہ کیا، ایک سمت پر خالدؓ مامور ہوئے تین مہینے تک کامل محاصرہ قائم رہا، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا، اس درمیان میں ایک دن دمشق کے پادری کے گھر لڑکا پیدا ہوا، اس کے جشن میں دمشق کے بے فکرے شرابیں پی کر ایسے بدمست ہو کر سوئے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی، خالدؓ دوران جنگ میں اکثر راتوں کو سوتے نہ تھے، بلکہ فوجی انتظامات اور دشمنوں کی سراغ رسانی میں لگے رہتے تھے،[3] ان کو اس واقعہ کی اطلاع ہوگئی، چنانچہ فوج کی یہ ہدایت دے کر تکبیر کی آواز سنتے ہی شہر پناہ کے پھاٹک پر حملہ کر دینا، چند آدمیوں کے ساتھ کمند ڈال کر شہر پناہ کی دیوار کے اس پار اتر گئے اور پھاٹک کے چوکیدار کو قتل اور اس کا قفل توڑ کر تکبیر کا نعرہ لگایا تکبیر کی آواز سنتے ہی فوج ریلا کر کے اندر داخل ہوگئی، دمشق والے ابھی تک غافل سو رہے تھے اس ناگہانی حملہ سے گھبرا گئے اور ابوعبیدہؓ سے صلح کی درخواست کر کے شہر پناہ کے تمام دروازے کھول دیئے، ایک طرف سے خالدؓ فاتحانہ داخل ہوئے، اور دوسری طرف سے ابوعبیدہؓ مصالحانہ وسط شہر میں دونوں سے ملاقات ہوئی،[4] گو نصف حصہ بزور شمشیر فتح ہوا، لیکن شرائط سب مصالحانہ رکھے گئے۔[5]

---

[1] ابن اثیر ج ۲ ص ۳۱۴،
[2] فتوح البلدان بلاذری ۱۱۹
[3] طبری جلد ۴ ص ۲۱۵۲،
[4] ابن اثیر جلد ۶ ص ۳۲۹،
[5] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۳۰

فحل ...... دمشق کی فتح نے رومیوں کو بہت برہم کر دیا، اور وہ بڑے جوش وخروش کے ساتھ مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے، سقلار رومی فحل میں فوجیں لے کر خیمہ زن ہوا، اس لئے مسلمان دمشق کے بعد ادھر بڑھے، مقدمۃ الجیش خالدؓ کی کمان میں تھا، اس معرکہ میں بھی رومیوں نے بری طرح شکست کھائی۔

دمشق کا دوسرا معرکہ ...... فحل کے بعد ابوعبیدہؓ اور خالدؓ حمص کی طرف بڑھے، یوحنا کے کینسہ کی وجہ سے یہ مقام بھی رومیوں کا ایک اہم مرکز تھا، ہرقل کو خبر ہوئی تو اس نے توذر بطریق کو فوج دے کر مقابلہ کے لیے بھیجا، اس نے دمشق کے مغربی سمت مرج روم میں پڑاؤ ڈال دیا، مسلمان بھی آگے بڑھ کر مرج روم کی دوسری سمت ٹھہرے، اس درمیان میں رومیوں کی ایک فوج شنس کی سرکردگی میں پہنچ گئی، اس لئے خالدؓ توذر کے مقابلہ کو بڑھے اور ابوعبیدہ شنس کے، توذر نے مقابلہ نہیں کیا، بلکہ دمشق واپس لینے کے ارادہ سے آگے بڑھا، خالدؓ بھی عقب سے اس کے ساتھ ہو گئے، دمشق میں یزید بن ابوسفیان موجود تھے، وہ شنس کی آمد کی خبر سن کر اس کے روکنے کو نکلے دمشق کے باہر دونوں میں سخت معرکہ ہوا، ابھی جنگ کا سلسلہ جاری تھا کہ پیچھے سے خالدؓ پہنچ گئے، اور ایک طرف سے انہوں نے اور دوسری طرف سے یزید نے مل کر رومیوں کو پامال کر دیا، اور معدودے چند کے علاوہ کوئی رومی باقی نہ بچا۔[1]

حمص ...... ابوعبیدہؓ نے شیرز، معرہ حمص، اور لاذقیہ وغیرہ کو لے کر بعلبک اور حمص فتح کیا۔

یرموک ...... ان پیہم شکستوں نے رومیوں میں آگ لگا دی اور دو لاکھ کا ٹڈی دل مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے امنڈ آیا،[2] رومی سپہ سالار ماہان اس کو لے کر یرموک کے میدان میں اترا اس وقت مسلمان شام کے مختلف حصوں میں منتشر تھے، یہ سب ایک مرکز پر جمع ہو گئے اور طرفین میں جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں، رومیوں کے جوش وخروش کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ گوشہ نشین راہب وقسیسین اپنی اپنی خانقاہوں سے نکل کر مذہب کا واسطہ دلا کر رومیوں میں جوش پیدا کر رہے تھے، خالدؓ نے جنگ میں کارہائے نمایاں انجام دیئے فوج کو جدید طرز سے ۳۶ حصوں میں تقسیم کر کے سب پر الگ الگ افسر مقرر کیے اور جہاد پر نہایت ولولہ انگیز تقریر کی، اتفاق سے ایک مسلمان کے منہ سے نکل گیا کہ رومیوں کے مقابلہ میں ہماری تعداد بہت کم ہے، خالد غضب ناک ہو کر بولے فتح وشکست تعداد کی قلت وکثرت پر نہیں بلکہ تائید ایزدی پر ہے، اگر میرے گھوڑے کے سم درست ہوتے تو میں اس سے دونی تعداد کی پرواہ نہ کرتا۔[3]

ضروری انتظامات کے بعد عکرمہ بن ابی جہل اور قنستاح بن عمرو کو حملہ کا حکم دیدیا اور یرموک کے میدان میں ہنگامہ کارزار گرم ہو گیا، عین اس حالت میں عیسائی رومی فوج سے نکل کر اسلامی

[1] ایضاً ص ۲۱۸۱ [2] فتوح البلدان ص ۱۴۱
[3] طبری ص ۲۰۹۸

لشکر میں آگیا اور خالدؓ سے مذہب اسلام پر گفتگو شروع کر دی کہ اگر میں تمہارے مذہب میں داخل ہو جاؤں تو کیا میرے لئے آخرت کا دروازہ کھل جائے گا، خالد نے کہا یقیناً چنانچہ وہ میدان جنگ میں مشرف با اسلام ہو گیا۔[1]

اس جنگ کا سلسلہ مدتوں جاری رہا، مسلمان افسروں نے غیر معمولی شجاعت و بہادری کا ثبوت دیا، آخر رومیوں نے شکست کھائی کہ پھر ان کی اتنی بڑی تعداد نہ فراہم ہو سکی۔

حاضر...... یرموک کی فتح کے بعد ابو عبیدہؓ نے خالدؓ کو قنسرین کی طرف بھیجا اور خود حمص واپس ہو گئے، مقام حاضر میں خالدؓ کو میناس رومی ایک بڑی جماعت کے ساتھ ملا، خالدؓ نے اس کو شکست دی، اہل حاضر نے امان کی درخواست کی اور کہا ہم کو اس جنگ سے کوئی تعلق نہ تھا ہماری رائے بھی اس میں شریک نہ تھی، اسلئے ہم کو امان دی جائے، خالدؓ نے ان لوگوں کی درخواست قبول کر لی۔[2]

قنسرین...... حاضر سے قنسرین پہنچے، اہل قنسرین پہلے جنگ کے ارادہ سے قلعہ بند ہو گئے پھر اہل حمص کے انجام پر غور کر کے صلح کی درخواست کی، خالدؓ نے اس شرط پر منظور کر لی کہ شہر کے استحکامات توڑ دیئے جائیں، قنسرین کے بعد ہرقل بالکل مایوس ہو گیا، اور شام پر آخری نگاہ ڈال کر قسطنطنیہ چلا گیا، چلتے وقت یہ حسرت انگیز الفاظ اس کی زبان پر تھے "اے شام! تجھ کو آخری سلام ہے، اب میں تجھ سے جدا ہوتا ہوں، افسوس اس سرزمین میں جس پر میں نے حکمرانی کی ہے، اطمینان خاطر کے ساتھ نہ آسکوں گا۔[3]

بیت المقدس...... قنسرین کے بعد بیت المقدس کا محاصرہ ہوا، عیسائی اس شرط سے بلا جنگ حوالہ کرنے کو آمادہ ہو گئے کہ خود امیر المؤمنین اپنے ہاتھ سے معاہدہ لکھیں، چنانچہ حضرت عمرؓ نے صلح نامہ لکھنے کے لئے شام کا سفر کیا اور تمام افسران فوج کو جابیہ میں طلب کیا خالد بھی آئے، ان کا دستہ دیبا و حریر میں ملبوس تھا، حضرت عمرؓ کی نظر پڑی تو گھوڑے سے اتر پڑے اور کنکریاں مار کر فرمایا، تم لوگوں نے اتنی جلدی اپنی عادتیں بدل دیں،" ان لوگوں نے اسلحہ دکھا کر کہا کہ لیکن سپہ گری کا جوہر نہیں گیا ہے،" فرمایا تب کوئی مضائقہ نہیں۔[4]

حمص کی بغاوت...... ۱۷ھ میں حمص کے باشندے باغی ہو گئے، لیکن ابو عبیدہؓ اور خالدؓ کی بروقت توجہ سے بہت جلد بغاوت فرو ہو گئی اور شام کے پورے علاقہ پر مسلمانوں کا کامل تسلط ہو گیا۔

معزولی...... اسی ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ نے خالدؓ کو معزول کر دیا، معزولی کے سنہ میں مورخین کا بیان مختلف ہے، عام شہرت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی معزول کیا تھا، لیکن یہ بیان صحیح نہیں ہے، صحیح روایت یہ ہے کہ ۱۷ھ میں یعنی خلافت فاروقی کے ۵ سال بعد

---

[1] طبری ص ۲۰۹۸۔　[2] ایضاً ص ۲۳۹۳۔
[3] ابن اثیر ج ۲ ص ۳۸۴　[4] طبری فتح بیت المقدس

معزول ہوئے، ابن اثیر کی بھی یہی تحقیق ہے، وہ لکھتے ہیں، فی ھذہ السنۃ وھی سنۃ سبعۃ عشر عزل خالد بن ولید یعنی ۱۷ھ میں خالد بن ولیدؓ معزول کیے گئے، ان کی معزولی کا سبب یہ ہے کہ خالدؓ فوجی آدمی تھے، ان کا مزاج تند تھا، اس لئے ہر معاملہ میں خود رائی سے کام لیتے تھے، اور بارگاہ خلافت سے استصواب ضروری نہیں سمجھتے تھے، فوجی اخراجات کا حساب و کتاب بھی نہیں بھیجتے تھے، عراق کی پیش قدمی میں روکنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی مرضی کے خلاف بغیر ان کی اجازت کے خفیہ حج کو چلے گئے، ان کا یہ طرز عمل حضرت ابوبکرؓ کو ناگوار ہوا،[۱] اور آپ نے تنبیہ کی انہوں نے بارہا لکھا کہ بغیر میرے حکم کے کوئی کام نہ کیا کرو اور نہ کسی کو کچھ دیا لیا کرو، انہوں نے جواب دیا کہ اگر آپ مجھ کو میری موجودہ حالت پر چھوڑ دیجئے تو کام کرسکتا ہوں، ورنہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوتا ہوں،[۲] اسی زمانہ سے حضرت عمرؓ ان سے برہم رہتے تھے، اور بار بار حضرت ابوبکرؓ کو ان کے معزول کرنے کا مشورہ دیتے تھے، لیکن وہ ہمیشہ جواب دیتے کہ میں اس تلوار کو نیام میں نہیں کرسکتا، جس کو خدا نے بے نیام کیا ہے،[۳] حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں بھی خالدؓ نے یہ روش نہ چھوڑی، لیکن انہوں نے بھی فوراً معزول نہیں کیا، بلکہ عرصہ تک سمجھاتے رہے، چنانچہ پھر ایک مرتبہ لکھا کہ بغیر میری اجازت کے کسی کو ایک بکری بھی نہ دیا کرو، مگر خالدؓ نے کوئی اثر نہیں لیا اور حضرت عمرؓ کو بھی وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکرؓ کو دے چکے تھے۔[۴]

دوسری وجہ یہ تھی کہ عام مسلمانوں کو خیال پیدا ہوگیا تھا کہ اسلامی فتوحات کا دار و مدار خالدؓ کے قوت بازو پر ہے،[۵] جس کو حضرت عمرؓ پسند نہیں کرتے تھے۔

تیسری وجہ یہ تھی کہ حضرت خالدؓ کے اخراجات اسراف کی حد تک پہنچ جاتے تھے جو دوسرے افسروں کے لئے نمونہ نہ بن سکتے تھے چنانچہ شعراء کو بڑی بڑی رقمیں دے ڈالتے تھے، اشعث بن قیس کو دس ہزار انعام یکشت دیا، حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو ابوعبیدہؓ بن جراح کے پاس حکم بھیجا کہ خالدؓ سے دریافت کریں کہ انہوں نے یہ روپیہ کس مد سے دیا ہے، اگر مسلمانوں کے مال سے دیا ہے تو خیانت کی اور اگر اپنی جیب سے دیا ہے تو اسراف کیا ہے، اس لئے دونوں حالت میں وہ معزولی کے قابل ہیں، یہ فرمان عین میدان جنگ میں ابوعبیدہ کو ملا، انہوں نے حضرت خالدؓ سے پوچھا، تم نے یہ روپیہ کہاں سے دیا، کہا اپنے مال سے، اس کے بعد حضرت عمرؓ کا فرمان سنا کر معزولی کی علامت کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتار لی اور عمامہ گردن میں ڈال دیا، خالدؓ نے صرف اس قدر جواب دیا کہ میں نے فرمان سنا اور مانا، اور ابھی میں اپنے افسروں کے

---

[۱] طبری جلد ۴ ص ۲۰۷۵، [۲] اصابہ جلد ۲ ص ۱۰۰،
[۳] طبری ج ۴ ص ۲۰۹۸ [۴] اصابہ ج ۲ ص ۱۰۰
[۵] ابن اثیر ج ۲ ص ۴۱۳

احکام ماننے اور خدمات بجالانے کو تیار ہوں۔[۱]

اس واقعہ سے حضرت عمرؓ کے دبدبہ اور خالدؓ کی حق پرستی، دونوں کا اندازہ ہوتا ہے، معزولی کے بعد دربار خلافت سے طلبی ہوئی، چنانچہ خالدؓ حمص سے ہوتے ہوئے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے شکایت کی کہ آپ نے میرے معاملہ میں زیادتی سے کام لیا ہے، حضرت عمرؓ نے سوال کیا ''تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی'' جواب دیا، مال غنیمت کے حصوں سے، اگر میرے پاس ساٹھ ہزار سے زیادہ نکلے تو آپ لے لیجئے، حضرت عمرؓ نے فوراً حساب کرایا، کل ۲۰ ہزار زیادہ نکلے، وہ بیت المال میں جمع کرا دیئے اور فرمایا کہ ''خالدؓ اب بھی میرے دل میں تمہاری وہی عزت ومحبت ہے'' اور تمام ممالک محروسہ میں فرمان جاری کرادیا کہ میں نے خالدؓ کو خیانت کے جرم یا غصہ وغیرہ کی وجہ سے معزول نہیں کیا ہے بلکہ محض اس لئے معزول کیا کہ مسلمانوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسلامی فتوحات کا دارو مدار خالدؓ کے قوت بازو پر نہیں ہے۔[۲]

مذکورہ بالا فتوحات کے علاوہ خالدؓ دوسری مہموں میں بھی شریک ہوکر داد شجاعت دیتے رہے، لیکن ان میں آپ کی حیثیت معمولی مجاہد کی تھی، اس لئے ان کی تفصیل قلم انداز کی جاتی ہے۔

گورنری...... حضرت عمرؓ نے بمصالح خالدؓ کو معزول کر دیا تھا، لیکن معزول کرنے کے بعد ان سے ان کے رتبہ کے مطابق کام لئے اور ان کے جوہر اور ان کی فطری صلاحیتوں سے سپہ سالاری کے بجائے دوسرے شعبوں میں فائدہ اٹھایا، چنانچہ معزولی کے بعد رہا، حران، آمد، اور لرتہ کا گورنر مقرر کر دیا، لیکن ایک سال کے بعد وہ خود مستعفی ہوگئے۔[۳]

وفات...... گورنری سے استعفاد دینے کے بعد مدینہ میں مقیم ہو گئے اور کچھ دن بیمار رہ کر ۲۲ھ میں وفات پائی، بعض لوگ آپ کی وفات حمص میں بتاتے ہیں، مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت عمرؓ آپ کے جنازہ میں شریک تھے[۴] اور ۲۲ھ میں انہوں نے شام کا کوئی سفر نہیں کیا، آپ کی وفات سے مدینہ کی عورتوں خصوصاً بنی عذرہ میں کہرام برپا تھا۔

اولاد...... اولاد کی تعداد کی تفصیل نہیں ملتی، صرف دو لڑکوں، مہاجر اور عبدالرحمٰن کا نام ملتا ہے دونوں میں باپ کی شجاعت کا اثر تھا، چنانچہ مہاجر بن خالدؓ نے جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی حمایت میں سرگرمی سے حصہ لیا،[۵] اور حضرت معاویہؓ کے عہد میں قسطنطنیہ کے مشہور معرکہ میں

---

[۱] ابن اثیر ص ۴۱۸،　[۲] ابن اثیر ج ۲ ص ۴۱۹،
[۳] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۹۷،
[۴] اصابہ جلد ۲ ص ۱۰۰ اور مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۹۷،
[۵] استیعاب جلد ۱ ص ۱۷۶

فوج کے ایک کمانڈر عبدالرحمن بن خالد بن ولید تھے،[1] حضرت خالدؓ کی کنیت ابوسلیمان تھی، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ اس نام کا بھی لڑکا رہا ہوگا مگر تصریح نہیں ملتی۔

فضل و کمال...... چونکہ ابتدا سے لے کر آخر تک خالدؓ کی پوری زندگی میدان جنگ میں گذری اس لئے ذات نبویؐ سے خوشہ چینی کا موقع کم ملا، وہ خود کہتے تھے کہ جہاد کی مشغولیت نے مجھ کو تعلیم قرآن کے بڑے حصہ سے محروم رکھا،[2] تاہم وہ صحبت نبویؐ کے فیض سے دولت علم سے بالکل بے بہرہ نہ تھے، اور آنحضرت ﷺ کے بعد مدینہ میں جو جماعت صاحب علم وافتا تھی، ان میں ایک ان کا نام بھی تھا، لیکن فطرۃ سپاہی تھے اس لئے مسند افتا پر نہ بیٹھے اور ان کی فتاویٰ کی تعداد دو چار سے زیادہ نہیں ہے،[3] ابن عباسؓ، جابر بن عبداللہ، مقدام بن معدی کرب، قیس بن ابی حازم اشتر نخعی، علقمہ، ابن قیس، جبیر بن نضیر وغیرہ نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں،[4] ان کی مرویات کی تعداد کل اٹھارہ ہے جن میں سے دو متفق علیہ ہیں اور ایک میں بخاری منفرد ہیں۔

(فضائل اخلاق) رضائے نبوی...... صحابۂ کرام کے لئے سب سے بڑی دولت آنحضرت ﷺ کی رضا جوئی اور خوشنودی تھی، اس کے لئے وہ اپنے جذبات کو بھی آنحضرت ﷺ کے تابع فرمان کر دیتے تھے، خالدؓ تند مزاج تھے، لیکن فرمان نبویؐ کے مقابلہ میں ان کی تند مزاجی حلم وعفو سے بدل جاتی تھی، ایک مرتبہ ان میں اور عمار بن یاسرؓ میں کسی معاملہ میں بحث ہوگئی اور سخت کلامی تک نوبت پہنچ گئی، عمارؓ نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی، اتفاق سے اسی وقت حضرت خالدؓ بھی آگئے اور شکایت سن کر بہت برہم ہوئے اور عمار کو برا بھلا کہنا شروع کیا، آنحضرت ﷺ خاموش تھے، عمارؓ نے آبدیدہ ہو کر عرض کی، حضور ان کی زیادتیوں کو ملاحظہ فرما رہے ہیں، آنحضرت ﷺ نے سر اٹھا کر فرمایا کہ "جو شخص عمارؓ سے بغض وعداوت رکھتا ہے وہ خدا سے بغض وعناد رکھتا ہے" خالدؓ پر اس ارشاد کا یہ اثر ہوا کہ ان کا بیان ہے کہ جب میں آنحضرت ﷺ کے پاس اٹھا تو عمارؓ کی رضا جوئی سے زیادہ کوئی چیز میرے لئے محبوب نہ تھی، اور ان سے مل کر ان کو منایا۔[5]

احترام نبویؐ...... خالدؓ کے دل میں آنحضرت ﷺ کا اتنا احترام تھا کہ وہ کسی کی زبان سے آپ کی شان میں کوئی ناروا کلمہ برداشت نہیں کر سکتے تھے، ایک مرتبہ آپ کے پاس کچھ سونا آیا، آپ نے اسے اہل نجد میں تقسیم کر دیا، قریش انصار کو شکایت ہوئی، انہوں نے شکایت کی کہ آپ نے

---

[1] ابوداؤد جلد ا کتاب الجهاد باب قوله تعالى ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة

[2] اصابہ جلد ۲ ص ۹۹

[3] اعلام الموقعین جلد ا فصل اصحاب الفتوى من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم

[4] تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۱۲۴

[5] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۸۹

سونا نجدی سرداروں کو دے دیا، اور ہم لوگوں کو بالکل نظر انداز فرما دیا، آپ نے فرمایا کہ ان کو تالیف قلب کے خیال سے دیتا ہوں، یہ سن کر نجدیوں کے گروہ سے ایک شخص نے کہا کہ محمدؐ خدا سے ڈر! آپ نے فرمایا، اگر میں خدا کی نافرمانی کرتا ہوں تو پھر خدا کی اطاعت کون کرتا ہے؟ خالدؓ کو اس گستاخی پر غصہ آ گیا اور اس کی گردن اڑانے کی اجازت چاہی لیکن آپ نے روک دیا۔[1]

آثار نبوی سے تبریک...... وہ ہر اس چیز کے ساتھ جس کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ شرف انتساب حاصل ہوتا والہانہ عقیدت سمجھتے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کے موئے مبارک ایک ٹوپی میں سلوا لئے تھے، جس کو پہن کر میدان جنگ میں جاتے تھے، یرموک کے معرکہ میں یہ ٹوپی گر گئی تھی، حضرت خالدؓ بہت پریشان ہوئے اور آخر بڑی تلاش و جستجو کے بعد ملی۔[2]

جہاد فی سبیل اللہ...... حضرت خالدؓ کی کتاب زندگی کا سب سے جلی عنوان اور سب سے روشن باب جہاد فی سبیل اللہ ہے، ان کی زندگی کا بیشتر حصہ اسی میں گذرا، غزوات نبویؐ اور عراق و شام کی فتوحات کے حالات میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے، ان کے اسی ذوق جہاد اور شجاعانہ کارناموں کے صلہ میں ان کو دربار نبوی سے سیف اللہ کا لقب ملا تقریباً سوا سو لڑائیوں میں اپنی تلوار کے جوہر دکھائے جسم میں ایک بالشت حصہ بھی ایسا نہ تھا جو تیروں اور تلواروں کے زخم سے زخمی نہ ہوا ہو،[3] ذوق جہاد میں کہا کرتے تھے کہ مجھے میدان جنگ کی وہ سخت رات جس میں اپنے دشمنوں سے لڑوں، اس شب عروسی سے زیادہ مرغوب ہے، جس میں میری محبوبہ مجھ سے ہمکنار ہو،[4] آخر وقت جب اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے تو بڑی حسرت اور افسوس کے ساتھ کہتے تھے کہ میری ساری زندگی میدان جنگ میں گذری اور آج میں بستر مرگ پر جانور کی طرح ایڑیاں رگڑ کے جان دے رہا ہوں،[5] خدا نے آپ کے قدموں میں وہ برکت دی تھی جدھر رخ کیا کبھی ناکام واپس نہ لوٹے، خود کہتے تھے کہ میں نے جس طرف کا رخ کیا فتحیاب ہوا،[6] اس قول کی صداقت پر ان کے کارنامے شاہد ہیں، آنحضرت ﷺ کو ان کی شجاعت پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب انکے ہاتھ میں علم آ جاتا تو آپ مطمئن ہو جاتے چنانچہ غزوہ موتہ میں جب حضرت خالدؓ نے علم سنبھالا تو آنحضرت ﷺ نے غائبانہ فرمایا کہ اب لڑائی کا تنور گرمایا،[7] چونکہ سپہ گری ان کا آبائی پیشہ تھا، اس لئے ان کے پاس سامان حرب کافی تھا، جسکو انہوں نے اسلام لانے کے بعد راہ خدا میں وقف کر دیا تھا۔[8]

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۱۰۵۔ [2] اصابہ جلد ۲ ص ۹۹،
[3] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۰۲، [4] اصابہ جلد ۲ ص ۹۹،
[5] استیعاب جلد ۱ ص ۱۵۸، [6] اصابہ جلد ۲ ص ۹۹،
[7] ابن سعد ق ۲ جلد ۴ تذکرہ خالدؓ،
[8] بخاری کتاب الزکوۃ و اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۰۲

آنحضرت ﷺ کا مدح کرنا..... آنحضرت ﷺ حضرت خالدؓ کی ان جان فروشیوں اور قربانیوں کی بہت قدر فرماتے تھے، اور متعدد موقعوں پر مدحیہ لہجہ میں ان کا اعتراف فرمایا کرتے، فتح مکہ کے موقع پر جب کہ مسلمان مختلف سمتوں سے مکہ میں داخل ہو رہے تھے ایک گھاٹی کی طرف خالدؓ بھی نمودار ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ابو ہریرہؓ سے فرمایا، دیکھو کون ہے، انہوں نے عرض کی خالد بن ولیدؓ فرمایا کہ یہ خدا کا بندہ بھی کیا خوب ہے۔[1] خود بھی قدر دانی فرماتے تھے، اور لوگوں کو بھی ان کا لحاظ رکھنے کی ہدایت فرماتے تھے ایک موقع پر لوگوں سے فرمایا کہ خالدؓ کو تم لوگ کسی قسم کی تکلیف نہ دو، کیونکہ وہ خدا کی تلوار ہے، جس کو اس نے کفار پر کھینچا ہے۔[2]

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو زکوۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تو ابن جمیل، خالدؓ اور عباسؓ نے دینے سے انکار کیا، آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا، تو فرمایا کہ "ابن جمیل فقیر تھا، خدا نے اس کو دولتمند کیا، یہ اس کا بدلہ ہے" لیکن خالدؓ ابن ولید پر تم لوگ زیادتی کرتے ہو، انہوں نے اپنا تمام سامان حرب خدا کی راہ میں وقف کر دیا ہے پھر ان پر زکوۃ کیسی، رہا عباس کا معاملہ تو ان کا میں ذمہ دار ہوں، کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ چچا باپ کی جگہ ہے۔[3]

مزاج..... ان کی پوری زندگی سپاہیانہ تھی، اس لئے مزاج میں حرارت اور تیزی تھی، ذرا سی خلاف مزاج بات پر بگڑ جاتے تھے، عمار بن یاسرؓ کے ساتھ سخت کلامی کا واقعہ اوپر گذر چکا وہ اسی طرح بنو جذیمہ کے معاملہ میں (جن پر آپ نے مشرک سمجھ کر حملہ کر دیا) جب عبدالرحمن بن عوفؓ نے اعتراض کیا تو بہت برہم ہوئے۔[4]

حق پرستی..... لیکن اس تند مزاجی کے باوجود ہٹ دھرمی نہ تھی اور حق بات کو قبول کرنے اور دوسروں کے فضائل کے اعتراف میں عار نہ کرتے تھے، معزولی کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے کہ مجمع عام میں اس طرح معزول کیا جاتا ہے کہ سر سے ٹوپی اتار لی جاتی ہے، عمامہ گردن میں باندھ دیا جاتا ہے، اور آپ دم نہیں مارتے اور جب ان کی وجہ پر ابو عبیدؓ سپہ سالار مقرر ہوتے ہیں تو یہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اب اس امت کا امین تم پر امیر مقرر کیا گیا ہے۔[5]

اشاعت اسلام..... اشاعت اسلام ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے خالدؓ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں اور آپ کے بعد برابر اس فریضہ کو ادا کرتے رہے، فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے اشاعت اسلام کی غرض سے جو سرایا بھیجے ان میں سے متعدد سریے ان کی سرکردگی میں کیے گئے،

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۶۰،
[2] اصابہ جلد ۲ ص ۹۹،
[3] ابوداؤد جلد اص ۲۳ او مسلم جلد اص ۳۶۲ مصر،
[4] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۰۳،
[5] اصابہ جلد ۲ ص ۹۹

اور بنو جذیمہ، بنو عبدالمدان نجرانی ان ہی کوششوں سے مشرف باسلام ہوئے، اور اہل یمن کیا سلام میں حضرت علیؓ کے ساتھ ان کی کوششیں بھی شامل تھیں فتنۂ ردۃ میں طلیحہ کی جماعت بنوہوازن، بنو سلیم اور بنو عامر وغیرہ دوبارہ ان ہی کی کوششوں سے اسلام لائے [1] ان جماعتوں کے علاوہ منفرد طور پر بھی بعض مشہور لوگ آپ کے ہاتھ مشرف باسلام ہوئے جنگ یرموک میں قیصر روم کے سفیر جارج کے قبول اسلام کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے۔[2]

[1] ابن خلدون جلد ۲ بعوث مرتدین،
[2] ابن اثیر جلد ۲ ص ۳۱۲

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ

نام ونسب...... مغیرہ نام، ابوعبداللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، مغیرہ بن شعبہ بن ابی عامر بن مسعود بن معتب بن مالک بن کعب بن عمرو بن عوف بن قیس۔[1]

اسلام...... غزوۂ خندق کے سال ۵ھ میں مشرف باسلام ہوئے، اور اسی زمانہ میں ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔[2]

غزوات...... اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ قیام کیا، غزوۂ حدیبیہ میں آپ کے ساتھ نکلے، قریش اس میں مزاحم ہوئے اور ان کی طرف سے عروہ بن مسعود ثقفی گفتگو کے لئے آیا، اور عرب کے عام قاعدہ کے مطابق دوران گفتگو میں بار بار آنحضرت ﷺ کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتا تھا، مسلمان اس گستاخانہ طریقہ تخاطب کے عادی نہ تھے، مغیرہؓ جو اسوقت ہتھیار لگائے، آنحضرت ﷺ کی پشت کی جانب کھڑے تھے، یہ انداز گفتگو ناگوار ہوا، وہ ہر مرتبہ تلوار کے قبضہ پر ہاتھ لے جاتے تھے، آخر میں ضبط نہ ہوسکا، ڈانٹ کر کہا، خبردار ہاتھ قابو میں رکھو عروہ نے پہچان کر کہا او دغاباز میں نے تیری دغابازی کے معاملہ میں تیری طرف سے کوشش نہیں کی تھی۔[3]

حدیبیہ کے بعد متعدد غزوات میں شرکت کا شرف حاصل کیا، آنحضرت ﷺ نے ایک خاص سریہ میں ان کو اور ابوسفیان کو طائف بھیجا تھا، اس میں انہوں نے نہایت بہادری سے دشمنوں کو شکست دی تھی۔[4]

آخری سعادت...... آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین کے وقت موجود تھے، جب لوگ جسد مبارک کو قبر انور میں رکھ کر نکلے تو انہوں نے عمداً قبر میں اپنی انگوٹھی گرادی، حضرت علیؓ نے کہا نکال لو، انھوں نے قبر میں اتر کر قدم مبارک کو ہاتھ سے مس کیا اور جب مٹی گرائی جانے لگی اس وقت قبر سے نکلے، انہوں نے قصداً اس لئے انگوٹھی گرائی تاکہ یہ شرف ان کے ساتھ مخصوص ہو جائے کہ وہ ذات نبوی سے سب سے آخری جدا ہونے والے ہیں، چنانچہ ہمیشہ لوگوں سے فخریہ کہا کرتے کہ میں تم سب میں آنحضرت ﷺ سے آخری جدا ہونے والا ہوں۔[5]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۴۰۶، [2] استیعاب جلد اول ص ۲۵۸

[3] زمانہ جاہلیت میں مغیرہ نے چند آدمیوں کو قتل کر دیا تھا، مسعود ثقفی نے ان کی دیت ادا کی تھی، یہ واقعہ بخاری کتاب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب میں مفصل مذکور ہے، ہم نے صرف اسی قدر لیا ہے جتنا مغیرہ کی ذات سے متعلق ہے،

[4] مستدرک جلد ۳ ص ۴۴۷، [5] ابن سعد جلد ۳ ق ۲ ص ۷۷، ۷۸

عہد صدیقی...... آنحضرت ﷺ کے بعد شیخین کے عہد کی اکثر معرکہ آرائیوں میں شریک رہے اور بڑے بڑے کارنمایاں کیے، سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے اہل بحیرہ کی طرف گئے، پھر یمامہ کے مرتدوں کی سرکوبی میں پیش پیش رہے۔[1]

عہد فاروقی...... فتنۂ ارتداد کے فرو ہونے کے بعد عراق کی فتوحات میں شریک ہوئے، بویب کی تسخیر کے بعد جب مسلمان قادسیہ کی طرف بڑھے اور رستم نے مصالحت کے لئے مسلمان سفراء بلائے تو کئی سفراء بھیجے گئے، آخر میں یہ خدمت مغیرہؓ کے سپرد ہوئی۔

سفارت...... ایرانیوں نے اسلامی سفیر پر رعب ڈالنے کے لئے بڑی شان وشوکت سے دربار سجایا تھا، تمام افسران فوج دیبا وحریر کے بیش قیمت ملبوسات زیب تن کیے تھے رستم زرنگار تاج سر پر رکھے تخت پر بیٹھا تھا، دربار میں کارچوبی کا فرش تھا، مغیرہؓ پہنچے تو بلا کسی جھجک کے سیدھے رستم کے تخت پر جا کر بیٹھے، ان کا اس دلیری سے رستم کے پہلو بہ پہلو بیٹھ جانا درباریوں کو ناگوار گذرا، انہوں نے ہاتھ پکڑ کے نیچے بٹھا دیا، مغیرہ نے کہا ''ہم عرب ہیں، ہمارے یہاں یہ دستور نہیں ہے کہ ایک شخص خدا بنے اور دوسرے لوگ اس کی پرستش کریں،، ہم سب ایک دوسرے کے برابر ہیں، تم نے ہم کو خود بلایا ہے، ہم اپنی غرض سے نہیں آئے ہیں، پھر تمہارا یہ سلوک کہاں مناسب ہے، اگر تم لوگوں کا یہی حال رہا تو بہت جلد نیست و نابود ہو جاؤ گے، بقائے سلطنت کی یہ شکل نہیں ہے'' ایرانی اس مساوات سے ناآشنا تھے، یہ خیالات سن کر دنگ رہ گئے، رستم بھی نادم ہوا، بولا کہ یہ نوکروں کی غلطی ہے اور حسن تلافی کے طور پر ان کے ترکش سے تیر نکال کر مذاق کے لہجہ میں کہا کہ ان تکلوں سے کیا ہوگا، کہا چنگاری کی لو گو چھوٹی ہو مگر پھر بھی آگ ہے، پھر اس نے تلوار کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ تمہاری تلوار کس قدر بوسیدہ ہے، کہا نیام بوسیدہ ہے لیکن دھار تیز ہے اس کے بعد اصل معاملہ پر گفتگو شروع ہوئی، رستم نے اپنی قوت کی شوکت وعظمت سطوت وجبروت اور عربوں کی حقارت کم مائیگی کا تذکرہ کر کے کہا کہ گو تمہاری جیسی نام چیز قوم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، تاہم اگر تم لوٹ جاؤ تو تمہاری فوج اور سردار فوج کو ان کے مرتبہ کے موافق انعام دیا جائے گا، مغیرہ نے نہایت جوش سے جوابی تقریر کی اور آخر میں کہا کہ اگر تم کو جزیہ نہیں منظور ہے تو تلوار تمہارا فیصلہ کرے گی، رستم یہ سخت جواب سن کر آگ بگولا ہو گیا، بولا کہ آفتاب سے پہلے تمہاری فوج کو تہ بالا کر دوں گا؛ اس گفتگو کے بعد مغیرہؓ واپس چلے آئے[2] اور قادسیہ کی مشہور جنگ میں بھی یہ شریک تھے۔[3]

عراق پر فوج کشی...... ۱۹ھ میں، قومس اور اصفہان والوں نے یزدگرد سے خط و کتابت کر کے مسلمانوں کے خلاف ساٹھ ہزار فوج جمع کی اور مروان شاہ درفش کادیانی لہراتا ہوا نکلا

---

[1] مستدرک جلد ۳ ص ۴۴۷۔
[2] مستدرک ج ۳ ص ۴۴۷
[3] طبری ص ۵ ج ۵ ص ۲۲۴۲ تا ۲۲۵۰۔

حضرت عمار بن یاسرؓ نے دربار خلافت میں اطلاع دی، حضرت عمرؓ نے خود نکلنے کا قصد کیا، لیکن پھر نظام خلافت کے اختلال کے خیال سے ارادہ فسخ کر دیا اور امرائے کوفہ و بصرہ کے نام فرمان جاری کیے کہ وہ اپنی اپنی فوج لے کر نہاوند کی طرف بڑھیں اور نعمان بن مقرن کو سپہ سالار مقرر کر کے ہدایت کر دی کہ اگر تم شہید ہو تو حذیفہ بن یمان تمہاری قائم مقامی کریں اگر وہ بھی شہید ہوں تو جریر بن عبداللہ بجلی جگہ لیں اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مغیرہؓ علم سنبھالیں۔[1]

دوسری سفارت...... جب اسلامی لشکر نہاوند کے قریب پہنچا تو ایرانیوں نے دوبارہ مصالحت کی گفتگو کے لئے ایک سفیر طلب کیا، مغیرہؓ اس خدمت کو ایک مرتبہ حسن وخوبی کے ساتھ انجام دے چکے تھے، اس لئے دوبارہ ان ہی کا انتخاب ہوا، یہ سفیر بن کے گئے تو دربار کا وہی رنگ دیکھا، مردان شاہ سر پر تاج زرنگار رکھے طلائی تخت پر بیٹھا تھا، درباری چپ وراست چمکدار تلواریں لگائے، جن پر آنکھ نہیں ٹھہرتی تھی، کھڑے تھے، مغیرہؓ نے کوئی توجہ نہ کی اور سیدھے گھستے ہوئے چلے گئے، راستہ میں درباریوں نے روکنا چاہا، کہا سفرا کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا جاتا اور مترجم کے ذریعہ گفتگو شروع ہوئی، مردان شاہ نے کہا کہ تم عرب ہو اور عربوں سے زیادہ بدبخت، فاقہ مست اور نجس قوم دنیا میں نہیں ہے، میری سپاہ کب کا تمہارا فیصلہ کر چکی ہوتی لیکن تم اس قدر ذلیل ہو کہ ہم ان کے تیر بھی تمہارے ناپاک خون سے آلودہ کرنا نہیں چاہتے، اب بھی اگر تم واپس چلے جاؤ تو معاف کر دیا جائے گا، ورنہ تمہاری لاشیں میدان میں تڑپتی نظر آئیں گی، انہوں نے حمد ونعت کے بعد جواب دیا کہ بیشک جیسا تمہارا خیال ہے، ایک زمانہ میں ہم ویسے ہی تھے، لیکن ہمارے رسولؐ نے ہماری کایا پلٹ دی اب ہر طرف ہمارے لئے میدان صاف ہے اور بغیر تمہارا تاج وتخت چھینے اس وقت تک نہیں لوٹ سکتے جب تک ''میدان جنگ میں ہماری لاشیں نہ تڑپیں''۔[2] غرض یہ سفارت بے نتیجہ رہی اور طرفین میں لڑائی کی تیاریاں شروع ہو گئیں، مغیرہؓ میسرہ کے افسر مقرر ہوئے، نہاوند کے معرکہ میں اسلامی فوج کے سپہ سالار نعمان بن مقرن ایسے سخت زخمی ہوئے کہ پھر جانبر نہ ہو سکے، لیکن مسلمانوں کے ثبات واستقلال میں کوئی فرق نہ آیا اور بالآخر ایرانیوں کو شکست ہوئی، اختتام جنگ کے بعد معقل، نعمان کی خبر لینے گئے، سانس کی آمد وشد باقی تھی، لیکن نگاہ جواب دے چکی تھی، پوچھا کون، معقل نے بتایا، پوچھا جنگ کا کیا نتیجہ رہا، عرض کی خدا نے کامیاب کیا، فرمایا الحمد للہ، عمرؓ کو اطلاع دو، اور یہ مژدہ سننے کے بعد طائر روح پرواز کر گیا۔[3]

نہاوند کے بعد ایران پر عام فوج کشی ہوئی، ہر حصہ پر الگ الگ فوجیں بھیجی گئیں، ہمدان

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۳۱۱،
[2] طبری ج ۵ ص ۲۶۰۲، ۲۶۰۳،
[3] فتوح البلدان بلاذری ص ۳۱۲، ۳۱۳

کی مہم مغیرہؓ کے سپرد ہوئی، انہوں نے نہایت بہادری سے اس کو سر کیا، پھر اہل ایران کی درخواست پر صلح کر لی۔[1]

بصرہ آباد ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے ان کو یہاں کا گورنر مقرر کیا، انہوں نے اپنے عہد حکومت میں بہت سے نئے انتظامات کیے، باقاعدہ ایک دفتر کھولا، جہاں سے سپاہیوں کی تنخواہیں اور وظیفہ خواروں اور وثیقہ پانے والوں کے وظیفے اور وثیقے ملتے تھے اس سے پہلے کوئی دفتر نہ تھا اس کی ایجاد کا سہرا مغیرہؓ کے سر ہے، کچھ دنوں کے بعد ایک جرم کے الزام میں، ماخوذ ہوئے، لیکن شہادت سے یہ الزام ثابت نہ ہو سکا، حضرت عمرؓ بہت خوش ہوئے کہ ایک صحابی کا دامن معصیت کی آلودگی سے پاک نکلا، تاہم سیاسی مصالح کے لحاظ سے بصرہ سے تبادلہ کر کے عمار بن یاسرؓ کی جگہ کوفہ کا گورنر بنایا، حضرت عمرؓ کی وفات تک یہاں کے گورنر رہے[2] اور جدید عثمانی انتظامات میں معزول کر دیئے گئے۔

عہد معاویہ......اس کے بعد امیر معاویہؓ اور جناب امیر میں اختلافات ہوئے تو ابتدا میں مغیرہؓ جناب امیرؓ کے حامی و طرفدار تھے، چنانچہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مخلصانہ مشورہ دیا کہ اگر آپ اپنی خلافت کو مستحکم کرنا چاہتے ہیں تو طلحہؓ وزبیرؓ کو کوفہ اور بصرہ کا والی بنا دیئے اور امیر معاویہؓ کو ان کے قدیم عہدہ پر واپس کیجئے، پورا تسلط ہو جانے کے بعد پھر جو خیال میں آئے وہ کیجئے گا، لیکن جناب امیرؓ نے جواب دیا کہ طلحہؓ وزبیرؓ کے بارے میں غور کروں گا، لیکن معاویہؓ جب تک اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں گے اس وقت تک نہ ان کو کہیں کا امیر بناؤں گا اور نہ ان سے کسی قسم کی مدد لوں گا، مغیرہؓ اس جواب سے بدظن ہو گئے،[3] امیر معاویہؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور ان کو اپنی طرف مائل کر کے ان سے بیعت لے لی،[4] اب مغیرہؓ معاویہؓ کے ساتھ تھے، اور علی الاعلان جناب امیرؓ کی مخالفت شروع کر دی، مجمع عام میں آپ کے خلاف تقریر کرتے اور لوگوں کو آپ کی مخالفت پر ابھارتے تھے۔[5]

مغیرہؓ کی حمایت نے امیر معاویہؓ کو بڑی قیمتی مدد پہنچائی بڑی بڑی اہم گتھیاں انہوں نے اپنے ناخن تدبیر سے حل کر دیں، امیر معاویہؓ کے دعویٰ خلافت کے سلسلہ میں بعض مواقع ایسے نازک آ گئے تھے کہ اگر مغیرہؓ کا تدبر نہ ہوتا تو امیر معاویہؓ کو سخت ترین دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا، زیادہ دہاۃ عرب میں تھا اور حضرت علیؓ کی طرف سے فارس کا والی تھا، یہ امیر معاویہؓ کا سخت ترین

---

[1] ایضاً ص ۳۱۷، مستدرک جلد ۳ ص ۴۴۸،
[2] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۸، ۴۴۹،
[3] استیعاب جلد ا ص ۲۵۹، [4] اصابہ جلد ۶ ص ۱۳۲،
[5] مستدرک جلد ص ۴۵۰،

دشمن تھا، حضرت حسنؓ کی دست برداری کے بعد گوامیر معاویہؓ سارے عالم اسلامی کے خلیفہ ہو گئے، لیکن زیاد ان کی خلافت نہیں تسلیم کرتا تھا، امیر معاویہؓ نے مشہور جفا کار بسر بن ارطاط کو اس کے مطیع کرنے پر مامور کیا، لیکن اس کی سختیاں بے کار ثابت ہوئیں، اور مغیرہؓ بن شعبہ نے اپنے تدبر سے زیاد کو امیر معاویہؓ کا مطیع بنا کر ایک بڑے خطرہ سے بچالیا۔[1]

کوفہ کی گورنری..... ۴۱ھ میں امیر معاویہؓ نے مغیرہؓ کو ان کے حسن خدمات کے صلہ میں کوفہ کا عامل بنایا، ۴۲ھ میں خارجیوں نے بڑا سخت فتنہ برپا کیا، مغیرہؓ نے نہایت ہوشیاری اور سرعت سے اس کو فرو کیا اور خارجیوں کا ایک سرغنہ مستورد مارا گیا، غرض مغیرہؓ نے امیر معاویہؓ کی خلافت استوار کرنے میں پورا زور صرف کیا۔

وفات..... ۵۰ھ میں کوفہ میں طاعون کی وبا پھیلی، اسی میں انتقال کیا، وفات کے وقت ۷۰ سال کی عمر تھی۔[2]

حلیہ..... سر بڑا، بال بھورے، لب پیوستہ، بازو فراخ اور شانہ کشادہ تھے۔[3]

اولاد..... وفات کے وقت ۳ اولادیں چھوڑیں، عروہ، حمزہ، عقار۔[4]

فضل و کمال..... مغیرہؓ بن شعبہ گوایک مدبر اور فوجی شخص تھے، تاہم ان کو مذہبی علوم سے بھی وافر حصہ ملا تھا، اور اپنے زمرہ میں علمی حیثیت سے ممتاز شخصیت رکھتے تھے، ان کی ۱۳۳ روایتیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، ان میں سے ۹ متفق علیہ ہیں اور ایک میں امام بخاری اور ۲ میں مسلم منفرد ہیں،[5] تلامذہ کا دائرہ بھی خاصہ وسیع تھا، ان میں ان کے تینوں لڑکے عروہ، حمزہ، عقار اور عام لوگوں میں جبیرہ بن دحیہ، مسور بن مخرمہ، قیس بن ابی حازم مسروق بن احدع، نافع بن جبیرہ بن مطعم، عروہ بن زبیر اور عمر بن وہب قابل ذکر ہیں۔[6]

گومغیرہؓ مذہبی علوم سے بے بہرہ نہ تھے، لیکن ان کی عظمت و وقار کا علم و افتا کی مسند کے بجائے سیاست کی خارزار وادیوں میں گڑا تھا اور یہی ان کے کمال کا حقیقی مظہر تھا، عقل و دانش اور تدبر و سیاست کے لحاظ سے وہ عرب کے ممتاز مدبرین میں تھے، ان کا شمار ''دہاۃ عرب'' میں تھا، اور اپنے غیر معمولی دل و دماغ کے سبب سے ''مغیرۃ الرائے'' کہلاتے تھے،[7] اسی وصف کی بناء پر حضرت عمرؓ کے عہد میں بڑے بڑے ذمہ دار عہدوں پر ممتاز رہے۔

قبیصہ بن جابر کا بیان ہے کہ میں عرصہ تک مغیرہؓ کے ساتھ رہا، وہ اس تدبیر و سیاست کے آدمی تھے کہ اگر کسی شہر کے آٹھ دروازے ہوں اور ان میں ایک میں سے بھی بغیر ہوشیاری اور

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۶۸، [2] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۸۲،
[3] اسد الغابہ جلد ۶ ص ۱۳۲، [4] تہذیب التہذیب تذکرہ مغیرہ بن شعبہ،
[5] تہذیب الکمال ص ۳۸۵، [6] تہذیب التہذیب تذکرہ مغیرہ بن شعبہ،
[7] اصابہ و استیعاب تذکرہ مغیرہ بن شعبہ

چالاکی کے گذرنا دشوار ہوتو مغیرہؓ آٹھوں دروازوں سے نکل جاتے ۔[1] اہم امور کی گتھلیاں سلجھانے میں ان کو خاص ملکہ حاصل تھا، جب کسی معاملہ میں رائے قائم کرتے تو اسی میں مفر کی صورت نکلتی ہے۔[2]

ان کی تدبیر وسیاست کے بعض واقعات نہایت دلچسپ ہیں، عموماً اس قسم کے حکام کو رعایا پسند نہیں کرتی ،مغیرہ بھی ان ہی میں تھے ،حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں ان کو بحرین کا گورنر بنایا تھا، یہاں کی رعایا نے ان کی شکایت کی ،حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کردیا،معزولی کے بعد چلتے چلتے رعایا نے ایک بڑی چوٹ یہ لگائی کہ ان کی آئندہ واپسی کے خطرہ روکنے کے لئے یہاں کے زمینداروں نے ایک لاکھ کی رقم جمع کر کے دربار خلافت میں پیش کی اور کہا کہ مغیرہؓ نے سرکاری محاصل سے خیانت کر کے ہمارے پاس جمع کرائی تھی ،حضرت عمرؓ نے نہایت سختی سے بازپرس کی ،معاملہ بہت نازک تھا،رقم موجود تھی سینکڑوں شاہد تھے،کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہ تھی ،لیکن انہوں نے دماغی توازن قائم رکھا،اور نہایت اطمینان کے ساتھ کہا میں نے دولاکھ جمع کیے تھے ایک لاکھ اس نے دبالیا یہ سن کر زمیندار بہت گھبرایا اور حلف لے کر اپنی صفائی پیش کی ،ورنہ ان کو دولاکھ بیت المال میں داخل کرنا پڑتے تھے،مگر یہ واقعہ مغیرہؓ کو بدنام کرنے کے لئے بنایا گیا تھا اس تحقیقات سے غلط ثابت ہوا،حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا،تم نے دولاکھ کا کیوں اقرار کیا، بولے انہوں نے تہمت لگائی تھی ،اور اس کے سوا بدلہ لینے کی کوئی صورت نہ تھی ۔[3]

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۰۲،
[2] مستدرک جلد ۳ تذکرہ مغیرہؓ،
[3] اصابہ جلد ۶ ص ۱۳۲

حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص

نام ونسب...... خالدؓ نام، ابوسعید کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، خالد بن سعید بن العاص بن امیہ ابن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی قرشی اموی، ننہالی تعلق ثقیف سے تھا۔[1]

اسلام...... حضرت خالدؓ ان خوش نصیب بزرگوں میں ہیں جو اس وقت مشرف باسلام ہوئے، جب چند بندگان خدا کے سوا ساری دنیا توحید کی آواز سے ناآشنا تھی، ان ہی کے اسلام سے ان کے گھر میں اسلام کی روشنی پھیلی، ان کے اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں انہوں نے خواب دیکھا کہ یہ ایک آتشیں غار کے کنارے کھڑے ہیں اوران کے والد ان کو اس میں ڈھکیل رہے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ گلا پکڑے ہوئے روک رہے ہیں، اس خواب پریشان نے آنکھ کھول دی، گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور بے ساختہ زبان سے نکل گیا کہ ''خدا کی قسم یہ خواب حقیقت ہے، اوراس کو حضرت ابوبکرؓ سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ تم ایک نہ ایک دن ضرور مشرف باسلام ہوگے، اس لئے میں تم کو دوستانہ مشورہ دیتا ہوں کہ تم فوراً حلقہ بگوش اسلام ہوجاؤ اور تمہارے والد اس آتشین غار میں گریں گے، لیکن تم کو اسلام اس میں گرنے سے بچا لے گا، چنانچہ خالدؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر پوچھا، آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں، آپؐ نے فرمایا بلاشرکت غیر خدائے واحد کی پرستش کرو، مجھ کو اس کا بندہ اور رسول مانو اوران پتھروں کی پوجا چھوڑ دو، جو تمہارے نفع اور نقصان کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے، حتی کہ اس سے بھی لاعلم ہیں، کہ ان کی پرستش کے دعویداروں میں کون ان کی پرستش کرتا ہے اور کون نہیں کرتا، یہ تعلیمات سن کر دل کے ساتھ زبان نے بھی خدا کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی تصدیق کردی۔[2]

آزمائش اور استقامت...... اسلام لانے کے بعد گھر والوں سے چھپ کر آنحضرت ﷺ کے ساتھ دعوت اسلام میں مصروف ہوگئے، والد کو خبر ہوئی تو انہوں نے ان کے بھائیوں کو پکڑنے کے لئے بھیجا، اوران کو گرفتار کرکے لے گئے، پہلے اسلام چھوڑنے کا مطالبہ ہوا، یہاں جواب صاف تھا کہ جان جائے لیکن محمد ﷺ کا مذہب نہیں چھوٹ سکتا، اس جواب پر پہلے زجرو توبیخ شروع ہوئی، جب یہ بے اثر ثابت ہوئی تو زدوکوب کی نوبت آئی اوراس بے دردی سے

---

[1] اصابہ جلد ۲ ص ۱۳۲، [2] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۹۰، [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۴۸

مارے گئے کہ سر پر پڑتے پڑتے لکڑی ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی، جب مارتے مارتے تھک گئے تو پھر باز پرس شروع ہوئی تم نے محمد ﷺ کی حرکتوں کو جانتے ہوئے ان کا ساتھ کیوں دیا؟ تم آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ وہ پوری قوم کی مخالفت کرتے ہیں، ان کے معبودوں اور ان کے آباؤ اجداد کو برا بھلا کہتے ہیں اور اس میں تم بھی ان کی ہمنوائی کرتے ہو، مگر اس مار کے بعد بھی اس بادہ حق کے سرشار کی زبان سے نکلا کہ ''خدا کی قسم! جو کچھ کہتے ہیں سچ کہتے ہیں اور اس میں میں ان کے ساتھ ہوں'' جب سنگدل باپ ہر طرح سے تھک چکا تو، عاجز ہو کر قید کر کے کھانا پینا بند کر دیا، اور لوگوں کو منع کر دیا کہ کوئی شخص ان سے گفتگو نہ کرے چنانچہ یہ کئی دن تک بے آب و دانہ تنہائی کی قید جھیلتے رہے، چوتھے دن موقع پا کر بھاگ نکلے اور اطراف مکہ میں روپوش ہو گئے۔[۱]

ہجرت حبشہ ...... جب مسلمانوں کا دوسرا قافلہ حبشہ جانے لگا تو یہ بھی اپنی بیوی امیمہ یا ہمینہ اور بھائی عمرو کو ساتھ لے کر حبشہ چلے گئے یہیں ان کا صاحبزادہ سعید اور صاحبزادی ام خالد پیدا ہوئیں۔[۲]

ہجرت مدینہ اور غزوات ...... غزوۂ خیبر کے زمانہ میں حبشہ سے مدینہ آئے، گو یہ اس میں شریک نہیں ہوئے تھے، لیکن آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت میں ان کا حصہ بھی لگایا، اس کے بعد عمرۃ القضاء، فتح مکہ، حنین، طائف، تبوک وغیرہ سب میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب رہے۔[۳]

ابتدائی غزوات بدر و احد وغیرہ میں شریک نہیں ہو سکے تھے، اس محرومی پر ہمیشہ متاسف رہے، آنحضرت ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ! ہم لوگ بدر کے شرف سے محروم رہے، آپ نے جواب دیا کہ کیا تم کو یہ پسند نہیں ہے کہ لوگوں کو ایک ہجرت کا شرف حاصل ہو اور تم کو دو کا۔[۴]

مدینہ کا قیام ...... مدینہ آنے کے بعد سے آنحضرت ﷺ نے مراسلات کا عہدہ ان کے متعلق کر دیا تھا، اور وہ تحریری نامہ و پیام کی خدمت انجام دیتے تھے، ۹ھ میں بنو ثقیف کا جو وفد آیا تھا، اس کے اور آنحضرت ﷺ کے درمیان گفتگو کی خدمت ان ہی نے انجام دی تھی، اور وفد کے مشرف باسلام ہونے کے بعد معاہدہ بھی ان ہی نے تحریر کیا تھا۔[۵]

یمن کی گورنری ...... حضرت خالدؓ کے کنبہ بھر میں حکومت کی صلاحیت تھی، اس لئے آنحضرت ﷺ نے تینوں بھائیوں کو حکومت کے عہدوں پر ممتاز کیا تھا، آبان کو بحرین پر، عمرو کو تیماء پر اور خالدؓ کو یمن پر مامور کیا، یہ تینوں تا حیات نبوی خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہے، آپ کی وفات کی خبر سن کر وہاں سے واپس ہوئے، حضرت ابوبکرؓ نے دوبارہ بھیجنا چاہا اور فرمایا کہ تم لوگ آنحضرت ﷺ کے مقرر کردہ عامل ہو، تم سے زیادہ کون اس عہدہ کا مستحق

[۱] طبقات ابن سعد جز ۴ قسم اص ۶۸ و استیعاب ج اص ۱۵۵۔

[۲] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۹۱۔ [۳] استیعاب ج اص ۱۵۴۔

[۴] ابن سعد جز ۴ ق اص ۷۲۔ [۵] زرقانی ج ۴ ص ۹

ہوسکتا ہے، لیکن انہوں نے انکار کردیا اور کہا ہم ابی احیحہ کی اولاد ہیں، آنحضرت ﷺ کے بعد کسی کے عامل نہ بنیں گے۔[1]

حضرت ابوبکرؓ کی بیعت میں تاخیر ...... خالدؓ کو ابتدا میں حضرت ابوبکرؓ کی خلافت سے اختلاف تھا، چنانچہ دو مہینہ تک بیعت نہ کی اور حضرت علیؓ اور عثمانؓ سے جا کر کہا کہ آپ لوگوں نے غیروں کی خلافت کس طرح ٹھنڈے دل سے قبول کر لی، حضرت ابوبکرؓ نے تو کوئی باز پرس نہیں کی، لیکن حضرت عمرؓ بہت برہم ہوئے[2] مگر پھر خالدؓ نے دو مہینے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے حسن اخلاق سے متاثر ہو کر بیعت کر لی۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں فتنۂ ارتداد کی روک تھام میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا، مشہور مرتد عمرو بن معدیکرب زبیدی کو جو اسود عنسی کے حلقہ میں تھا، زخمی کیا، اور اس کی تلوار اور گھوڑا چھین لیا، مگر وہ بچ کر بھاگ گیا[3] فتنۂ ارتداد فرو ہونے کے بعد شام کی فوج کشی کے سلسلہ میں حضرت ابوبکرؓ نے ان کو فوج کے ایک حصہ کا سپہ سالار بنایا لیکن حضرت عمرؓ نے اختلاف کیا کہ جس شخص نے بیعت میں لیت ولعل کی ہو وہ ہرگز اعتماد کے لائق نہیں، پھر وہ کوئی ایسے نبرد آزما بھی نہیں کہ فوجی ذمہ داری ان کے سپرد کی جائے، حضرت ابوبکرؓ پہلے متردد ہوئے لیکن آخر میں حضرت عمرؓ کے اصرار سے مجبور ہو گئے، تاہم معزول نہیں کیا، لیکن سپہ سالاری کے عہدہ سے تنزل کر کے تیماء کی امدادی فوج کے دستہ کا امیر بنا دیا اور ان کی جگہ پر یزید بن ابی سفیان کا تقرر کیا اور خالدؓ کو یہ ہدایتیں دے کر تیماء روانہ کیا کہ "راستہ میں ان مسلمانوں کو جو پہلے ارتداد کی شورش میں نہ شریک ہوئے ہوں ساتھ لے لینا، اور بغیر میرا حکم ملے ہوئے خود حملہ کی ابتدا نہ کرنا۔" رومیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے بہت عربی قبائل کو لے کر مختلف اطراف میں چھاپے مارنا شروع کر دیئے، خالدؓ نے دربار خلافت میں اطلاع بھیجی، وہاں سے مقابلہ کا حکم آیا، لیکن خالدؓ کے بڑھتے بڑھتے رومی منتشر ہو گئے اور عربی قبائل جو ان کے ساتھ ہو گئے تھے، پھر اسلام لے آئے، خالدؓ نے دوبارہ اطلاع بھیجی آپ نے حکم دیا کہ ابھی پیش قدمی جاری رکھو، مگر اس طرح کے دشمن عقب سے حملہ نہ کر سکیں اس حکم کے مطابق یہ آگے بڑھے، باہان رومی مقابلہ کو نکلا، لیکن شکست کھائی، انہوں نے اس کی اطلاع دربار خلافت میں بھیجی، نیز مزید امدادی فوج طلب کی۔[4]

اسی دوران میں عام لشکر کشی ہوئی، عکرمہ ذوالکلاع اور ولید خالدؓ کی مدد کے لئے بھیجے گئے ان کے پہنچتے ہی خالدؓ رومیوں کے مقابلہ میں نکلے، باہان بطریق رومی اپنی فوج کو دمشق کی طرف ہٹا لے گیا، لیکن یہ برابر بڑھتے ہوئے چلے گئے اور دمشق وواقوصہ کے درمیان خیمہ زن ہوئے

---

[1] استیعاب ج ا ص ۱۵۵۔ [2] طبری ص ۲۰۷۹۔
[3] ابن اثیر ج ۲ ص ۲۸۹۔ [4] طبری جلد ۴ ص ۲۰۸۰ تا ۲۰۸۱، ابن اثیر جلد ۲ ص ۳۰۸

باہان کا مسلح دستہ تاک میں لگا ہوا تھا اس نے ہر چہار طرف سے ناکہ بندی کر دی اور خود حملہ کرنے کے لئے بڑھا، راستہ میں خالدؓ کے صاحبزادے سعید ملے ان کو گھیر کر شہید کر دیا، خالدؓ کو خبر ہوئی تو وہ ایسے سراسیمہ ہوئے کہ پیش قدمی روک کر پیچھے ہٹ آئے، اور عکرمہؓ نے ہوشیاری کے ساتھ باہان کو ان کے تعاقب سے روک دیا اور خالدؓ ذوالمروہ میں آکر مقیم ہو گئے، پھر کچھ دنوں کے بعد مدینہ گئے، حضرت ابوبکرؓ نے ان کی کمزوری پر مناسب تنبیہ کی اور فرمایا واقعی عمرؓ اور علیؓ ان کا زیادہ تجربہ رکھتے تھے، کاش میں نے ان کے مشورہ پر عمل کیا ہوتا۔[1] اس کے بعد برابر لڑائیوں میں شریک ہوتے رہے اور گذشتہ کمزوری کی تلافی میں بڑے جوش سے لڑتے تھے، چنانچہ فحل، دمشق وغیرہ میں بڑی جانبازی دکھائی۔

شہادت...... فحل کی مہم کے بعد اسلامی فوج نے مرج صفر کا رخ کیا، اسی درمیان میں خالدؓ نے ام حکیم سے عقد کر لیا اور مرج صفر پہنچ کر بیوی سے ملنے کا قصد کیا، بیوی نے کہا اس معرکہ کے بعد اطمینان سے ملنا زیادہ بہتر ہے، انہوں نے جواب دیا میرا دل کہتا ہے کہ اس لڑائی میں جام شہادت پیوں گا، غرض مرج صفر ہی میں بیوی سے ملاقات کی اور صبح کو احباب کی دعوت کی، ابھی لوگ کھانے سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ رومی میدان میں آ گئے، ایک رومی نے مبارزطلبی کی، خالدؓ مقابلہ کے لئے نکلے اور نکلتے ہی شہید ہو گئے، ان کی عروس کا یہ سبق آموز واقعہ قابل ذکر ہے کہ جزع فزع اور سوگ نشینی کے بجائے شوہر کے خون کے انتقام کیلئے اٹھ کھڑی ہوئی اور مردوں کے دوش بدوش لڑ کر سات رومیوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔[2]

اولاد...... خالد کے امیمہ یا ہمینہ بنت خلف کے بطن سے دو اولادیں ہوئیں، سعید اور امہ یا ام خالد، سعید خالد کی زندگی میں شہید ہو گئے تھے، امہ حضرت زبیرؓ بن عوام سے بیاہی تھیں۔

خاتم نبویؐ...... خالدؓ کی انگوٹھی کا نقش بھی محمد رسول اللہ ﷺ تھا یہ انگوٹھی آنحضرت ﷺ نے ان سے لے لی تھی، جو ہمیشہ آپ کے ہاتھ میں رہی۔[3]

فضل وکمال...... عرب کے عام دستور کے خلاف ان کو لکھنے پڑھنے میں مہارت حاصل تھی چنانچہ یمن والوں کو جو امان نامہ آنحضرت ﷺ نے دیا تھا، اس کی کتابت ان ہی نے کی تھی۔[4]

---

[1] طبری ص ۲۰۸۴ تا ۲۰۸۶،
[2] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۵ تفصیل ابن سعد سے ماخوذ ہے،
[3] استیعاب جلد اص ۱۵۵،
[4] ابوداؤد جلد ۲ ص ۴۵

حضرت شرحبیلؓ بن حسنہ

نام ونسب...... شرحبیل نام، ابوعبداللہ، کنیت، والد کا نام عبداللہ تھا، لیکن یہ شرحبیل کے بچپن میں فوت ہو گئے تھے، اور ان کی ماں حسنہ نے سفیان انصاری سے شادی کر لی تھی اس لئے شرحبیل باپ کے بجائے ماں کی نسبت سے شرحبیل بن حسنہ مشہور ہوئے،[۱] نسب نامہ یہ ہے، شرحبیل بن عبداللہ بن مطاع بن عبداللہ بن غطریف بن عبدالعزیٰ بن جثامہ ابن مالک بن ملازم بن مالک بن رہم سعد بن یشکر بن مبشر بن غوث بن مرفیلہ، ان کے انتساب میں اختلاف ہے، بعض کندی بتاتے ہیں اور بعض تمیمی۔

اسلام و ہجرت ...... شرحبیلؓ دعوت اسلام کے آغاز میں اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے، اور پہلے حبشہ کی ہجرت کی، وہاں سے مدینہ آئے اور ماں کے تعلق سے بنی زریق میں قیام پذیر ہوئے،[۲] ہجرت سے لے کر آنحضرت ﷺ کی وفات تک کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے، کیونکہ بڑا زمانہ حبشہ کے قیام میں صرف ہو چکا تھا، ان کے کارناموں کا آغاز عہد صدیقی سے ہوتا ہے، شام کی فوج کشی میں صوبہ اردن پر مامور تھے۔

بصریٰ کا معرکہ ...... چنانچہ اس سلسلہ کے سب سے پہلے معرکہ بصری میں افسر تھے، آغاز جنگ کے قبل میں اور بصری کے حاکم رومانس میں گفت وشنید بھی ہوئی، لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا، اور یہ فوج مرتب کر کے آگے بڑھ رہے تھے، کہ خالدؓ پہنچ گئے ان کے آنے کے بعد یہ سپہ سالار اعظم ہوئے، اور ان ہی کی سپہ سالاری میں اہل بصری نے جزیہ قبول کیا۔[۳]

اجنادین ...... بصری کے بعد رومی اجنادین میں جمع ہوئے، خالدؓ مقابلہ کو بڑھے، شرحبیلؓ بھی کچھ دور جا کر ان سے مل گئے اور دونوں مل کر رومیوں سے معرکہ آرا ہوئے، اور ایک خونریز جنگ کے بعد مسلمان کامیاب ہوئے۔

دمشق ...... دمشق کی پیدل فوج کے کمان دار تھے[۴] اور اس کے محاصرہ میں یہ باب فرادیش پر متعین تھے،[۵] اور فتح تک اپنے فرائض ادا کرتے رہے۔

فحل ...... دمشق کے بعد جب مسلمان فحل ہوتے ہوئے بیسان کی طرف بڑھنے والے تھے،

---

[۱] اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۹۳۔ [۲] ابن سعد تذکرہ شرحبیل بن حسنہ۔
[۳] فتوح البلدان ص ۱۱۹۔ [۴] طبری ص ۲۱۵۱۔
[۵] فتوح البلدان ص ۱۲۔

لیکن درمیان میں پانی کی وجہ سے فحل میں رک گئے تھے، اس وقت بھی شرحبیلؓ ساتھ تھے، اور ان کے احتیاط کی بنا پر مسلمان ایک خطرناک صورت حال سے بچ گئے، رومیوں نے دریا کا بند توڑ دیا تھا، اس لئے فحل اور بیسان کے درمیان پانی پانی ہو گیا تھا، مسلمان فحل سے آگے نہ بڑھ سکے اور وہیں مقیم ہو گئے، شرحبیلؓ اس نازک موقع پر رات بھر جاگتے رہے، کہ مبادا رومی عقب سے حملہ آور نہ ہو جائیں، ان کی یہ پیش بینی اور احتیاط بہت کام آئی، رومی واقعی ایک دن اچانک پشت سے آ گئے، لیکن شرحبیلؓ ہوشیار تھے، اس لئے رومیوں کو شکست ہوئی۔[1]

بیسان...... فحل کے بعد شرحبیلؓ اور عمرو بن العاصؓ بیسان کی طرف بڑھے، بیسان والے فحل کا انجام دیکھ چکے تھے، اس لئے پہلے سے قلعہ بند تھے، شرحبیلؓ نے پہنچتے ہی محاصرہ کر لیا، عرصہ تک محاصرہ قائم رہا، ایک دن دو چار آدمی نکلے وہ مارے گئے آخر میں مجبور ہو کر دمشق کے شرائط پر صلح کر لی، طبریہ والوں نے بیسان کا حال دیکھ کر ابوالاعور سے خواہش ظاہر کی کہ اس کو شرحبیلؓ سے ملنے کی اجازت دی جائے، انہوں نے اجازت دے دی چنانچہ اس نے ان سے مل کر بیسان کے شرائط پر صلح کر لی۔[2]

صوبہ اردن اور اس کی آبادیاں...... اس کے بعد شرحبیلؓ بن حسنہ نے صوبہ اردن کے تمام شہر نہایت آسانی سے فتح کر لئے اور ان کو لینے میں کوئی زیادہ خونریزی نہیں ہوئی، تقریباً تمام مفتوحہ علاقہ میں دمشق کے شرائط پر صلح ہوئی، اردن کے شہروں میں سوسیہ، افیق، جرش، بیت راس، قدس، جولان وغیرہ قابل ذکر ہیں۔[3]

یرموک...... یرموک کی مہم میں جب مسلمان شام کے مختلف حصوں سے سمٹ کر یرموک میں جمع ہوئے تو شرحبیلؓ بھی آئے اور یزید بن ابی سفیان ایک جگہ ٹھہرے خالدؓ سپہ سالار تھے انہوں نے جدید طریقہ پر فوج کو چھتیس حصوں پر تقسیم کر کے ہر حصہ پر الگ الگ افسر مقرر کیے، چنانچہ میمنہ اور میسرہ کے حصہ پر عمرو بن العاصؓ اور شرحبیلؓ متعین تھے،[4] میدان جنگ رومیوں کے ابتدائی حملہ میں جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور بہت سے مسلمان میدان جنگ سے باہر نکل آئے اس وقت بھی شرحبیلؓ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی اور نہایت جانفروشی سے لڑے اور اخیر تک داد شجاعت دیتے رہے۔

وفات...... ۱۸ھ میں ابھی اسلامی فوجیں شام میں برسر پیکار تھیں کہ عراق، شام اور مصر میں طاعون کی وبا پھیلی، عمرو بن العاصؓ نے مشورہ دیا کہ فوجیں وبائی مقامات سے ہٹا کر

---

[1] اس واقعہ میں روایات مختلف ہیں،
[2] طبری ص ۲۱۵۸،
[3] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۳،
[4] طبری ج ۴ ص ۲۰۱۹،

محفوظ علاقوں میں بھیج دی جائیں، لیکن شرحبیلؓ بڑے متوکل شخص تھے، انہوں نے کہا کہ عمرو بن العاصؓ نادان ہیں، میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ طاعون خدا کی رحمت اور انبیاء کی دعا ہے، اس کے قبل صالحین نے اسی میں وفات پائی ہے اس لئے ہرگز نہ ہٹنا چاہیے [1] چنانچہ یہ کسی طرح نہ ہٹے اور اسی نامراد وبا میں ۶۷ سال کی عمر میں وفات پائی اور گذشتہ صلحائے امت سے جا ملے۔ [2]

فضل وکمال ...... گو ان کی ساری زندگی جہاد کے میدان میں گذری، تاہم احادیث نبوی سے تہی دامن نہ تھے، جعفر بن ربیعہ اور عبدالرحمٰن الاشعری نے ان سے روایت کی ہے۔ [3]

---

۱ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۹۶،
۲ استیعاب جلد ۲ ص ۲۰۵،
۳ تہذیب الکمال ص ۱۹۵

حضرت خبابؓ بن ارت

نام ونسب...... خباب نام، ابوعبداللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، خباب بن ارت بن جندلہ ابن سعد بن خزیمہ بن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم، زمانہ جاہلیت میں غلام بنا کر مکہ میں فروخت کیے گئے [۱]

اسلام...... حضرت خبابؓ ان خوش نصیب بزرگوں میں ہیں جو دعوت اسلام کے بالکل ابتدائی زمانہ میں یعنی زید بن ارقم کے گھر میں آنحضرت ﷺ کے پناہ گزین ہونے کے قبل مشرف باسلام ہوئے [۲] اسلام لانے والوں میں ان کا چھٹا نمبر تھا، اسی لئے ''سادس الاسلام'' کہلاتے ہیں۔

ابتلا وآزمائش...... ان کے اسلام قبول کرنے کے زمانہ میں اسلام کا اظہار تعزیرات مکہ میں ایسا شدید جرم تھا، جس کی سزا میں مال ودولت، ننگ وناموس ہر چیز سے ہاتھ دھونا پڑتا تھا، لیکن حضرت خبابؓ نے اس کے متعلق پرواہ نہ کی اور بہانگ دہل اپنے اسلام کا اظہار کیا [۳] یہ غلام تھے ان کا کوئی بھی حامی ومددگار نہ تھا، اس لئے کفار نے ان کو مشق ستم بنالیا، اوران کو بڑی دردناک سزائیں دیتے تھے، ننگی پیٹھ دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا کر سینہ پر ایک بھاری پتھر رکھ کر ایک آدمی اوپر سے مسلتا اور وہ اس وقت تک ان انگاروں پر کباب ہوتے رہتے جب تک خود زخموں کی رطوبت آگ کو نہ بجھاتی [۴] لیکن اس سختی کے باوجود زبان کلمہ حق سے نہ پھرتی، رحمۃ للعالمین اس کسمپرسی کی حالت میں تالیف قلب فرماتے تھے، لیکن ان کا آقا اتنا سنگدل تھا کہ وہ ان کے لئے اتنا سہارا بھی نہ برداشت کرسکا، اوراس کی سزا میں لوہا آگ میں تپا کر اس سے ان کا سر داغا، [۵] انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ میرے لئے بارگاہ ایزدی میں دعا فرمایئے کہ وہ مجھ کو اس عذاب سے نجات دے، آپ نے دعا فرمائی کہ ''خدایا! خباب کی مدد کرو''۔

جب اس جسمانی سزا سے بھی آتش انتقام سرد نہ پڑی تو مالی نقصان پہنچانے کی کوشش کی، عاص بن وائل کے ذمہ ان کا قرض تھا، یہ جب تقاضا کرتے تو جواب دیتا کہ جب تک محمد ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑو گے، اس وقت تک نہیں مل سکتا، یہ جواب دیتے کہ جب تک تم مرکر دوبارہ زندہ

---

[۱] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۰۲،
[۲] ابن سعد جلد ۳ قسم ا ص ۱۱۶،
[۳] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۱۲،
[۴] ابن سعد جلد ۳ قسم ا ص ۱۱۷،
[۵] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۰۶

ہو گے، میں محمد ﷺ سے الگ نہیں ہوسکتا وہ کہتا اچھا میں مر کر پھر زندہ ہوں گا، اور مجھ کو مال اور اولاد ملے گی، اس وقت تمہارا قرض دوں گا، (اس سے مسلمانوں کے اس عقیدے پر تعریض تھی کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی ملے گی) اس واقعہ پر کلام اللہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔[۱]

افرایت الذی کفر بایتنا و قال لاوتین مالا و ولدا، اطلع الغیب ام اتخذ عند الرحمٰن عهدا، کلا سنکتب ما یقول و نمد له من العذاب مدا، و نرثه ما یقول و یاتینا فردا (مریم ۷۷ - ۹)

اے محمد! کیا تم نے اس شخص کے حال پر نظر کی جس نے ہماری آیات سے کفر کیا اور کہا کہ (قیامت میں بھی) مجھ کو مال اولاد ملے گی، کیا اس کو غیب کی خبر ہوگئی، یا اس خدائے رحمٰن سے عہد لیا ہے، ہرگز نہیں یہ جو کچھ کہتا ہے ہم اس کو لکھ لیتے ہیں اور اس کے عذاب میں ڈھیل دیتے چلے جائیں گے اور جو کچھ وہ کہتا ہے اس کے ہم وارث ہوں اور یہ تنہا ہمارے سامنے لایا جائے گا۔

ہجرت و مواخات...... خباب مدتوں نہایت صبر و استقلال کے ساتھ یہ تمام مصیبتیں جھیلتے رہے، پھر جب ہجرت کی اجازت ملی تو ہجرت کر کے مدینہ آگئے، ہجرت بھی تکلیف و مصائب کے خوف سے نہ کی تھی، بلکہ خاصۃ لوجہ اللہ ہجرت کی تھی، چنانچہ کہا کرتے تھے کہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ خالصتاً لوجہ اللہ،[۲] مدینہ آنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان میں اور خراش بن صمہ غلام تمیم کے درمیان مواخات کرادی۔[۳]

غزوات...... مدینہ آنے کے بعد شروع سے آخر تک تمام غزوات میں شریک رہے۔[۴]

خلافت فاروقی...... حضرت عمرؓ ان کے فضائل کی وجہ سے ان کا بہت احترام کرتے تھے ایک دن یہ ان سے ملنے گئے تو حضرت عمرؓ نے ان کو اپنے گدے پر بٹھایا اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان کے علاوہ صرف ایک شخص اور ہے جو اس پر بیٹھنے کا مستحق ہے، خبابؓ نے پوچھا امیر المومنین! وہ کون؟ فرمایا بلالؓ! آپ نے عرض کیا، وہ میرے برابر کیوں کر مستحق ہوسکتے ہیں، مشرکین میں ان کے بہت سے مددگار تھے، لیکن میرا پوچھنے والا، سوائے خدا کے کوئی نہ تھا، اس کے بعد اپنا استحقاق بتاتے ہوئے اپنے مصائب کی داستان سنائی۔[۵]

علالت و وفات...... ۳۷ھ میں کوفہ میں بیمار پڑے، علاج سے افاقہ ہونے کے بجائے مرض اور بڑھ گیا، اس کی طوالت اور تکلیف سے گھبرا کر کہنے لگے کہ اگر خدا نے رسول اللہ ﷺ سے موت کی دعا کرنے کی ممانعت نہ کی ہوتی تو میں دعا کرتا جب حالت زیادہ نازک ہوئی اور

---

[۱] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ ونرثہ ما یقول، [۲] مسند ابن حنبل جلد ۵ ص ۱۰۹،
[۳] اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۰۷، [۴] ابن سعد جزء ۳ ق ا ص ۱۷،
[۵] مستدرک حاکم ج ۳ تذکرہ خباب بن ارت

کفن لایا گیا تو اسے دیکھ کر آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے فرمانے لگے،، آہ! حمزہؓ کو پورا کفن بھی میسر نہ ہوا تھا، ایک معمولی چھوٹی سی چادر میں کفنائے گئے کہ اگر پیر ڈھنکا جاتا تو سر کھل جاتا اور سر ڈھانکا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے، آخر میں سر ڈھانک کر اذخر (ایک قسم کی گھاس) سے پاؤں چھپائے گئے۔

کچھ لوگ عیادت کرنے کو آئے اور کہا ابو عبداللہ تم کو خوش ہونا چاہیے، کل تک اپنے ساتھیوں سے مل جاؤ گے، یہ سن کر رقت طاری ہوگئی، فرمایا کہ میں موت سے نہیں گھبراتا تم لوگوں نے ایسے لوگوں کو یاد دلایا جو اس دنیا سے اجر کے مستحق اٹھے، مجھ کو خوف ہے کہ کہیں ثواب آخرت کے بدلہ میں مجھ کو یہ دنیا نہ ملی ہو۔[1]

وصیت اور وفات...... کوفہ والے عموماً اپنے مردوں کو شہر کے اندر دفن کرتے تھے لیکن انہوں نے وصیت کردی تھی کہ بیرون شہر دفن کرنا، اس وصیت کے مطابق ان کو شہر کے باہر دفن کیا گیا، آپ پہلے صحابی ہیں جن کی قبر سے کوفہ کے باہر ویرانہ کی آبادی ہوئی وفات کے وقت بہتر ۷۲ سال کی عمر تھی، حضرت علیؓ جنگ صفین سے واپس ہو رہے تھے، خبابؓ کی وفات کی اطلاع ملی چنانچہ آپ نے نماز جنازہ پڑھائی۔[2] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۳۷ھ میں وفات پائی، ایک روایت یہ بھی ہے کہ ۱۹ھ میں مدینہ میں پیوند خاک ہوئے اور حضرت عمرؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

ذریعۂ معاش...... زمانہ جاہلیت میں اور اس کے بعد عرصہ تک تلواریں بنا کر کسب معاش کرتے رہے، اسلام کا ابتدائی زمانہ بہت عسرت میں بسر ہوا، لیکن کچھ دنوں کے بعد خدا نے فارغ البال کیا اور اتنی دولت ملی کہ پھر کسی پیشہ وغیرہ کی احتیاج باقی نہیں رہی، وفات کے وقت چالیس ہزار درہم پس انداز تھے۔[3]

فضل و کمال...... خبابؓ کو آنحضرت ﷺ کے اقوال و اعمال کی بڑی جستجو رہتی تھی اور وہ کبھی کبھی آنحضرت ﷺ کی لاعلمی میں رات رات بھر آپ کے طریقہ عبادت کو دیکھتے اور صبح کو اس کے متعلق استفسار کرتے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ساری رات نماز پڑھی، یہ پوری رات دیکھتے رہے اور صبح کو آکر پوچھا، فدیت بابی و امی یارسول اللہ، رات کو آپ نے ایسی نماز پڑھی کہ اس کے قبل کبھی نہ پڑھی تھی، فرمایا وہ بیم ورجا کی نماز تھی، میں نے بارگاہ ایزدی میں تین چیزوں کی دعا کی تھی، دو مقبول ہوئیں اور ایک نامقبول ایک دعا یہ تھی کہ خدا مسلمانوں کو اس

---

[1] ابن سعد جز ۳ ق ا ص ۱۱۸ حضرت حمزہؓ کی تکفین کا واقعہ بخاری کتاب المغازی اور مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۱۰۹، میں ہے،

[2] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۸۲،

[3] ابن سعد ج ۳ ق ا تذکرہ خبابؓ

عذاب سے نہ ہلاک کرے جس سے گذشتہ امتیں ہلاک ہوئیں اور میرے دشمنوں کو مجھ پر غالب نہ کرے، یہ دونوں دعائیں تو قبول ہو گئیں لیکن تیسری قبول نہیں ہوئی۔[1]

ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۳۳ ہے، ان میں سے ۳ متفق علیہ ہیں اور ۲ میں امام بخاری اور ایک میں مسلم منفرد ہیں،[2] صحابہؓ اور تابعینؒ میں جن بزرگوں نے ان سے حدیثیں سنی ہیں، اُن کے نام حسب ذیل ہیں۔

آپ کے صاحبزادے عبداللہ اور ابوامامہ باہلی، ابو معمر، عبداللہ بن شخیر، قیس ابن ابی حازم، مسروق بن اجدع اور علقمہ بن قیس[3] وغیرہ۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۱۰۸،
[2] تہذیب الکمال تذکرہ خباب بن ارت،
[3] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۳۳،

حضرت سلمہ بن اکوعؓ

نام ونسب...... سنان نام، ابوایاس کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، سنان بن عبداللہ بن عبداللہ بن قشیر بن حزیمہ بن مالک بن سلامان بن اسلم اقصی۔[1]

اسلام وہجرت...... ارباب سیر ان کے زمانہ اسلام کے بارے میں خاموش ہیں، مگر اس قدر مسلم ہے کہ ۶ھ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے، اسلام کے بعد ہجرت کا شرف حاصل کیا اکثر مہاجرین نے مع بال بچوں کے ہجرت کی تھی، لیکن سلمہ نے راہ خدا میں بال بچوں کو بھی چھوڑ کر مدینہ کی غربت اختیار کی۔

غزوات...... مدینہ آنے کے بعد قریب قریب تمام غزوات میں شریک رہے، سب سے پہلے غزوۂ حدیبیہ میں شریک ہوئے اور خلعت امتیاز حاصل کیا، صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں بیعت رضوان کو تاریخ اسلام میں خاص اہمیت حاصل ہے، جب آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان کی شہادت کی خبر سن کر مسلمانوں سے موت پر بیعت لینا شروع کی تو سلمہ نے تین مرتبہ بیعت کی، پہلی مرتبہ سب سے اول جماعت کے ساتھ بیعت کر چکے تھے، دوبارہ آنحضرت ﷺ کی نظر پڑی تو فرمایا سلمہ! بیعت کرو، عرض کیا یارسول اللہ! جاں نثار پہلے ہی بیعت کر چکا ہے، فرمایا کیا ہرج ہے دوبارہ سہی، اس وقت سلمہؓ نہتے تھے، آنحضرت ﷺ نے ایک ڈھال عنایت فرمائی، تیسری مرتبہ آنحضرت ﷺ کی نظر پڑی تو فرمایا کہ سلمہؓ! بیعت نہ کرو گے؟ عرض کی یارسول اللہ! دومرتبہ بیعت کر چکا ہوں، فرمایا تیسری مرتبہ سہی، چنانچہ انہوں نے سہ بارہ بیعت کی، آنحضرت ﷺ نے پوچھا سلمہؓ! ڈھال کیا کی؟ عرض کی کہ میرے چچا بالکل خالی ہاتھ تھے، ان کو دے دی، آپ نے ہنس کر فرمایا، تمہاری مثال اس شخص کی سی ہے کہ اس نے دعا کی کہ خدایا! مجھ کو ایسا دوست دے جو مجھ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز ہو، ابھی بیعت کا سلسلہ جاری تھا کہ اہل مکہ اور مسلمانوں کے درمیان صلح ہوگئی اور لوگ مطمئن ہو کر ایک دوسرے سے ملنے جلنے لگے، سلمہؓ بھی ایک درخت کے نیچے لیٹ رہے، اتنے میں چار مشرکین آئے اور ان کے قریب بیٹھ کر آنحضرت ﷺ کے بارے میں ایسی باتیں کرنے لگے، جب ان کو ناگوار ہوئیں، یہ اٹھ کر دوسرے درخت کے نیچے چلے گئے، ان کے جانے کے بعد چاروں ہتھیار اتار کر اطمینان سے یہ لیٹ گئے، ابھی لیٹے ہی تھے کہ کسی نے نعرہ لگایا، مہاجرین دوڑنا ابن زنیم قتل کر دیئے گئے آواز سن کر سلمہؓ نے ہتھیار سنبھال لئے اور مشرکوں کی

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۶۲

طرف لپکے، یہ سب سو رہے تھے، سلمہؓ نے ان کے اسلحہ پر قبضہ کر کے ان سے کہا خیر اسی میں ہے کہ سیدھے میرے ساتھ چلے چلو، خدا کی قسم! جس نے سر اٹھایا، اس کی آنکھیں پھوڑ دوں گا، چنانچہ ان سب کو کشاں کشاں لا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، ان کے چچا عامر بھی ستر (۷۰) اکہتر (۷۱) مشرک گرفتار کر کے لائے تھے، لیکن رحمت عالم نے سب کو چھوڑ دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

و ھو الذی کف ایدیھم عنکم و ایدیکم عنھم ببطن مکۃ من بعد ان اظفر کم علیھم (فتح۔ ۳)

اور وہ خدا ہی تھا، جس نے عین مکہ میں تم کو کافروں پر فتحیاب کرنے کے بعد ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک دیا۔

مسلمانوں کا قافلہ مدینہ سے واپسی میں ایک پہاڑ کے قریب خیمہ زن ہوا، مشرکین کی نیت کچھ بد تھی، آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہو گئی اور پڑاؤ کی نگرانی کی ضرورت محسوس ہوئی، چنانچہ آپ نے اس شخص کے لئے دعائے مغفرت کی جو پہاڑ پر چڑھ کر نگرانی کرے، سلمہؓ نے یہ سعادت حاصل کی اور رات بھر میں کئی مرتبہ پہاڑی پر چڑھ کر آہٹ لیتے رہے۔[1]

غزوۂ ذی قردہ...... آنحضرت ﷺ کے کچھ اونٹ ذی قردہ کی چراگاہ میں چرتے تھے، ان کو بنو غطفان ہنکا لے گئے، سلمہؓ بن اکوع طلوع فجر کے قبل گھر سے نکلے، تو حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کے غلام نے ان سے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے اونٹ لٹ گئے پوچھا کس نے لوٹا، کہا بنو غطفان نے یہ سن کر آپ نے اس زور کا نعرہ لگایا کہ مدینہ کے اس سرے سے اس سرے تک آواز گونج گئی اور تن تنہا ڈاکوؤں کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے، وہ پانی کی تلاش کر رہے تھے کہ سلمہؓ پہنچ گئے، یہ بڑے قادر انداز تھے، تاک تاک کر تیر برسانا شروع کر دیئے، تیر برساتے جاتے تھے اور یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔

انا ابن الاکوع
الیوم یوم الرضع

میں اکوع کا بیٹا ہوں آج کا دن سخت جنگ کا دن ہے

اور اس قدر تیر باری کی کہ ڈاکوؤں کو اونٹ چھوڑ کر بھاگ جانا پڑا، اور بدحواسی میں اپنی چادریں بھی چھوڑ گئے، اس درمیان میں آنحضرت ﷺ بھی لوگوں کو لے کر پہنچ گئے، سلمہؓ نے عرض کیا، یا رسول! میں نے ان لوگوں کو پانی نہیں پینے دیا ہے، اگر ابھی ان کا تعاقب کیا جائے تو مل جائیں گے، لیکن رحمت عالم نے فرمایا کہ قابو پانے کے بعد درگذر کرو۔[2]

---

[1] مسلم ج ۲ ص ۹۸، ۹۹ مطبوعہ مصر،
[2] بخاری جلد ۲ کتاب المغازی باب غزوۂ ذی قردہ اور مسلم جلد ۲ حوالہ مذکور

خیبر...... اس بعد ہی خیبر کی مہم میں داد شجاعت دی، فتح خیبر کے بعد اس شان سے لوٹے کہ آنحضرت ﷺ کے دست مبارک میں ہاتھ دیئے ہوئے تھے۔[1]

غزوۂ ثقیف وہوازن...... خیبر کے بعد غزوہ ثقیف وہوازن میں شریک ہوئے اس غزوہ کے دوران میں ایک شخص مسلمانوں کے لشکر گاہ میں اونٹ پر سوار ہو کر آیا اور اس کو باندھ کر مسلمان کے ساتھ ناشتہ میں شریک ہو گیا، اس کے بعد چاروں طرف نظر ڈال کر مسلمانوں کی طاقت کا جائزہ لیا اور سوار ہو کر تیزی سے نکل گیا، اس طرح اچانک آنے اور فوراً چلے جانے سے مسلمانوں کو جاسوسی کا شبہ ہوا، ایک شخص نے اس کا تعاقب کیا، سلمہؓ نے بھی پیچھا کیا، اور آگے بڑھ کر اس کو پکڑ لیا، اور تلوار کا ایسا کاری وار کیا کہ ایک ہی وار میں وہ ڈھیر ہو گیا اور ایک سواری پر قبضہ کر کے واپس ہوئے، آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو پوچھا، اس شخص کو کس نے قتل کیا، لوگوں نے عرض کیا سلمہؓ نے، فرمایا تو مقتول کا سب سامان ان کا ہے۔[2]

سریہ بنی کلاب...... ۷ھ میں آنحضرت ﷺ نے ایک دستہ حضرت ابوبکرؓ کی امارت میں بنو فزارہ کی طرف بھیجا، اس میں سلمہؓ بھی تھے، انہوں نے تن تنہا سات خانوادوں کو تہ تیغ کیا، جو لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے، ان کی عورتوں کو گرفتار کر لیا، ان میں ایک لڑکی نہایت حسین تھی، اسے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت سلمہؓ کو دے دیا، وہ جب اسے لے کر مدینہ آئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، سلمہ! یہ لڑکی میرے حوالہ کر دو، عرض کی یا رسول اللہ! میں نے ابھی تک اس کو ہاتھ نہیں لگایا ہے اور لڑکی لا کر حاضر کر دی، آنحضرت ﷺ نے اس کو مکہ بھیج کر اس کے بدلہ میں ان چند مسلمانوں کو آزاد کرایا جو کفار کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے تھے۔[3]

غزوات کی مجموعی تعداد...... اسلام کے بعد بیشتر غزوات میں شرکت کا شرف حاصل کیا، بعض روایتوں میں ہے کہ ۱۴ غزوات میں انہوں نے شرکت کی، ان میں سے سات میں آنحضرت ﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا اور سات وہ تھے جو آنحضرت ﷺ نے مختلف اطراف میں بھیجے،[4] اور مستدرک کی روایت کے مطابق ان غزوات کی تعداد سولہ تک پہنچ جاتی ہے۔[5]

وفات...... آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سے برابر مدینہ میں رہے، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ چھوڑ کر ربذہ میں سکونت اختیار کر لی، وہاں شادی کی اور اولادیں ہوئیں بروایت بخاری ۷۴ھ میں پھر مدینہ واپس ہوئے، واپسی کے دو ہی چار دن کے بعد وفات پائی اور گھوم پھر کر بالآخر دیار حبیب کی خاک کا پیوند ہوئے۔[6]

---

[1] ایضاً باب غزوۂ خیبر، [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۵۱

[3] ابن سعد حصہ مغازی سریہ ابی بکر صدیق سات خانوادوں کے قتل کا ذکر مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۶ میں بھی ہے،

[4] استیعاب جلد ۲ ص ۵۸۴، [5] مستدرک جلد ۳ ص ۵۶۲،

[6] صابہ جلد ۳ ص ۱۱۸،

فضل و کمال...... حضرت سلمہؓ شرف صحبت سے بھی فیضیاب تھے، اور غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہم رکاب رہنے کا زیادہ موقع ملا تھا اور حاشیہ نشینان بارگاہ نبوت سے بھی استفادہ کرتے تھے، چنانچہ رسول ﷺ کے علاوہ حضرت عمرؓ، عثمانؓ اور طلحہؓ سے بھی روایتیں کی ہیں، اس لئے ان کی مرویات کی تعداد ۷۷ تک پہنچ جاتی ہے جن میں سے ۱۶ متفق علیہ ہیں، اور ۵ میں بخاری اور ۹ میں امام مسلم منفرد ہیں۔[1] ان کے رواۃ میں ایاس بن سلمہ، یزید بن عبیدہ، عبدالرحمٰن بن عبداللہ اور محمد بن حنفیہ قابل ذکر ہیں۔[2]

انفاق فی سبیل اللہ...... خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں بہت فیاض تھے، جو شخص خدا کا واسطہ دے کر سوال کرتا اس کو کبھی ناکام نہ واپس کرتے اور فرماتے کہ جو شخص راہ خدا میں نہیں دے گا، پھر کس میں دے گا، لیکن خدا کا واسطہ دے کر مانگنے کو برا سمجھتے تھے اس میں الحاف ہے۔[3]

صدقات سے اجتناب...... مگر اپنی ذات کے لئے صدقہ کا مال حرام سمجھتے تھے، اگر کسی چیز میں صدقہ کا شائبہ بھی ہوتا تو اس کو استعمال نہ کرتے، چنانچہ اپنی صدقہ کی کوئی چیز دوبارہ بقیمت خریدنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔[4]

شدت احتیاط...... تمام اوامر و نواہی میں احتیاط کا یہی حال تھا،[5] چنانچہ بعض ایسے کھیل جن میں جوئے کی مشابہت کا شائبہ نکلتا تھا اپنے بچوں کو نہ کھیلنے دیتے تھے۔[6]

شجاعت...... شجاعت و بہادری خصوصاً پیدل تیز دوڑنے میں تمام صحابہ میں ممتاز تھے صاحب اصابہ لکھتے ہیں کان من الشجعان و یسبق الفرس عدوا،[7] یعنی وہ بہادروں میں سے ایک تھے، اور دوڑ میں گھوڑوں سے مقابلہ کرتے تھے اور ان سے آگے بڑھ جاتے تھے صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بہتر سواروں میں ابو قتادہؓ اور بہتر پیادوں میں سلمہ بن اکوع ہیں، اس تعریف کے بعد آپ کو دو حصے دیئے، سوار کا الگ اور پیدل کا الگ۔[8]

---

[1] تہذیب الکمال ص ۱۴۸،
[2] تہذیب التہذیب تذکرہ سلمہ بن اکوع،
[3] ابن سعد جزء ۴ قسم ۲ ص ۴۰،
[4] ایضاً،
[5] ایضاً،
[6] اصابہ جلد ۳ ص ۱۱۸،
[7] اصابہ جلد ۳ ص ۱۱۸۔
[8] ابن سعد جزء ۴ ق ۲ ص ۳۹

حضرت ابن ام مکتومؓ

نام ونسب...... حضرت ابن ام مکتوم کی کنیت اتنی مشہور ہوئی کہ ان کا اصلی نام بالکل چھپ گیا چنانچہ ارباب سیر نے ان کے مختلف نام لکھے ہیں، بعض عبداللہ کہتے ہیں اور بعض عمرو بتاتے ہیں، باپ کا نام قیس تھا، لیکن ماں کی نسبت سے ابن ام مکتوم مشہور ہوئے، سلسلۂ نسب یہ ہے، عمر بن قیس بن زائد بن اصم بن ہرم بن رواحہ بن حجر بن عدی ابن معیص بن عامر بن لوئی القرشی، ماں کا نام عاتکہ تھا، ننہالی شجرہ عاتکہ بنت عبداللہ ابن عنکثہ بن عامر بن مخزوم ہے۔[1]

اسلام...... ابتدائے بعثت میں سرزمین مکہ میں مشرف باسلام ہوئے، ابن ام مکتومؓ کو ظاہری آنکھوں کی روشنی سے محروم تھے، مگر چشم دل وا تھی، اس لئے مکہ میں جیسے ہی اسلام کا نور چمکا وہ کفر کی تاریکی سے باہر نکل آئے اور ذات نبویؐ سے ایک خاص قرب واختصاص حاصل ہو گیا، چنانچہ اکثر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے مکہ کے مغرور امراء اور روساء بھی مجلس نبویؐ میں آیا کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ سے کہتے تھے کہ ہماری مجلس میں ایسے لوگ برابر نہ بیٹھا کریں، آنحضرت ﷺ کے دل میں یہ لگن تھی کہ کسی طرح قریش کے روساء دعوت قبول کرلیں، اس لئے آپ ان کی خاطر داری کرتے تھے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ روسائے قریش میں تبلیغ فرما رہے تھے کہ اس درمیان میں حضرت ابن ام مکتومؓ آگئے، اور کچھ مذہبی مسائل پوچھنا شروع کر دیئے آنحضرت ﷺ کو ان کی یہ بے موقع گفتگو اس لئے ناگوار ہوئی کہ اس سے روسائے قریش کی تبلیغ میں رکاوٹ پیدا ہوئی اور ان کے دلوں میں تاثر کے بجائے تکدر پیدا ہوتا، اس لئے ابن مکتومؓ کی طرف التفات نہ فرمایا اور بدستور سلسلۂ گفتگو جاری رکھا، آنحضرت ﷺ کا طرز عمل گو تبلیغ حق اور دعوت اسلام کی سچی خواہش پر مبنی تھا تاہم خدا کے دربار میں ناپسندیدہ ہوا اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

عبس و تولی، ان جاء ہ الاعمی، وما یدریک لعله یزکی، او یذکر فتنفعه الذکری اما من استغنی فانت له تصدی و ما علیک الا یزکی واما من جائک یسعی و هو یخشی فانت عنه تلهی (۱۰.۱)

محمد جب تمہارے پاس نابینا آیا تو تم ترش رو ہوئے اور منہ موڑ لیا اور تم کیا جانو کہ عجب نہیں وہ تمہاری تعلیم سے پاک ہو جائے یا نصیحت سنے اور اسکو وہ نصیحت

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۲۷، [2] فتح الباری جلد ۸ ص ۵۳۱

فائدہ بخشے، لیکن جو شخص بے توجہی کرتا ہے اس کی طرف تم خوب توجہ کرتے ہو،
حالانکہ اگر وہ درست نہ ہو تو تم پر کوئی الزام نہیں اور جو تمہارے پاس خدا کے ڈر
سے دوڑتا ہوا آتا ہے تو تم اس سے بے اعتنائی کرتے ہو۔

اس آیت کے نزول کے بعد رسول ﷺ خاص طور پر ابن ام مکتومؓ کا لحاظ رکھتے تھے، اور کاشانہ نبوی میں ان کی بڑی خاطر مدارات ہوتی تھی، حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کو لیموں اور شہد کھلایا کرتی تھیں کہ نزول آیت کے بعد یہ ابن ام مکتوم کا روزینہ تھا۔[1]

ہجرت...... اذن ہجرت کے بعد حضرت ابن ام مکتومؓ بھی ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے اس وقت تک آنحضرت ﷺ نے ہجرت نہیں فرمائی تھی[2] آپ کی ہجرت کے بعد موذنی کے جلیل القدر منصب پر مامور ہوئے، رمضان میں ان کی اذان اختتام سحر کا اعلان ہوتی تھی، اس کے بعد لوگ کھانا پینا بند کر دیتے تھے۔[3]

غزوات...... ہجرت مدینہ کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، لیکن ابن ام مکتومؓ اپنی مجبوری کے باعث جہاد کی شرکت سے معذور رہا کرتے تھے، جب یہ آیت نازل ہوئی۔

لا یستوی القاعدون من المؤمنین و المجاھدون فی سبیل اللّٰہ
(نسا۔ ۹۵)

یعنی وہ مسلمان جو گھروں میں بیٹھے رہتے تھے وہ رتبہ میں مجاہدین
فی سبیل اللہ کے برابر نہیں ہیں۔

اور آنحضرت ﷺ کاتب وحی حضرت زید بن ثابتؓ سے اس کو لکھانے لگے تو ابن ام مکتومؓ بھی پہنچ گئے اور عرض گذار ہوئے یارسول اگر مجھ کو جہاد کرنے کی قدرت ہوتی اور اس کے لائق ہوتا تو میں بھی شرف جہاد حاصل کرتا ان کی یہ پرحسرت آرزو بارگاہ خداوندی میں اتنی پسند ہوئی کہ وحی الٰہی نے ان کو اور ان کے جیسے تمام مجبور اشخاص کو حکم کے ذریعہ سے

لا یستوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی الضرر و
المجاھدون فی سبیل اللّٰہ باموالھم و انفسھم (نسا۔ ۹۵)

یعنی ضرر رسیدہ لوگوں کے علاوہ مسلمان جو گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں وہ مرتبہ
میں ان مجاہدین فی سبیل اللہ کے برابر نہیں ہیں جو اپنے جان و مال سے جہاد کرتے ہیں۔

مستثنیٰ کر دیا[4] اور تمام مجبور اشخاص پر سے شرکت جہاد کا فرض ساقط ہو گیا، لیکن اس حکم

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۶۳۴
[2] ابن سعد جز ۴ ق اص ۱۵۰،
[3] بخاری کتاب الاذان باب اذان قبل الفجر
[4] بخاری کتاب التفسیر باب لایستوی القاعدون

سے ان کا ولولہ جہاد کم ہونے کے بجائے اور بڑھ گیا، چنانچہ نابینا ہونے کے باوجود کبھی کبھی جنگ میں شریک ہوتے تھے اور لوگوں سے کہتے تھے کہ مجھ کو علم دے کر دونوں صفوں کے درمیان کھڑا کر دو، میں نابینا ہوں، اس لئے بھاگنے کا کوئی خطرہ نہیں ہے،[۱] اللہ اللہ یہ جوش فدویت و جاں نثاری کہ ظاہری آنکھیں بے نور ہیں، ایک قدم چلنا مشکل ہے، لیکن جہاد فی سبیل اللہ میں کٹنے کے لئے رگ جاں تڑپ رہی ہے، درحقیقت یہی وہ کمال اخلاص تھا، جس نے ذات خداوندی کو متوجہ کر لیا تھا، اور یہی ولولہ تھا جس نے اسلام کی قوت کا لوہا ساری دنیا سے منوالیا تھا۔

گو حضرت ابن ام مکتومؓ اپنی معذوری کے باعث اکثر جہاد کے شرف سے محروم رہتے تھے، لیکن اس سے بڑھ کر شرف یہ حاصل ہوتا تھا کہ جب آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس اکابر مہاجرین وانصار کے ساتھ کہیں باہر تشریف لے جاتے تو ابن ام مکتومؓ کو جو معذوری کی وجہ سے مدینہ ہی میں رہتے تھے، امامت کی نیابت کا شرف عطا فرماتے تھے، چنانچہ غزوۂ ابوار، ابواط، ذوالعسیر جہینہ، سویق، غطفان، حمراء الاسد، نجران، ذات الرقاع وغیرہ میں ان کو یہ جلیل القدر منصب عطا ہوا، بدر میں بھی کچھ دنوں اس منصب کے حامل رہے لیکن چند روز کے بعد یہ شرف ابولبابہ کی جانب منتقل ہو گیا،[۲] مجموعی حیثیت سے ان کو ۱۳ مرتبہ آنحضرت ﷺ کی نیابت کا شرف حاصل ہوا۔[۳]

وفات...... آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سے خلافت فاروقی کے اختتام تک ان کے حالات پردہ خفا میں ہیں، صرف اس قدر پتہ چلتا ہے کہ جنگ قادسیہ میں علم بلند کیے، زرہ بکتر لگائے میدان کارزار میں کھڑے تھے، واقدی کے بیان کے مطابق ان کی وفات مدینہ میں ہوئی، لیکن زبیر بن بکار کی روایت کی رو سے قادسیہ میں شہادت پائی،[۴] اکثر ارباب سیر اس روایت کو صحیح سمجھتے ہیں۔

جماعت کی حاضری...... نابینا تھے، مسجد نبوی سے گھر دور تھا، راستہ میں جھاڑیاں پڑتی تھیں کوئی راہ نما بھی نہ تھا، ان تمام دشواریوں کے باوجود ابن ام مکتومؓ ہمیشہ مسجد نبوی میں نماز پڑھتے تھے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے گھر پر نماز پڑھنے کی اجازت چاہی، لیکن اذان اور اقامت کی آواز ان کے گھر تک جاتی تھی، اس لئے آپ نے اجازت نہ دی، چنانچہ اسی حالت میں چھڑی سے ٹٹولتے ٹٹولتے مسجد آتے تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں ان کو رہنما دیا تھا۔[۵]

فضل وکمال...... حضرت ابن ام مکتومؓ کا سب سے بڑا طغرائے امتیاز تو یہی ہے کہ ان کو

---

[۱] اصابہ واستیعاب ترجمہ ابن ام مکتوم

[۲] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۱۲۷

[۳] تہذیب الکمال ص ۲۸۹،

[۴] ابن سعد جزو ۴ ص ۱۵۹ و اصابہ جلد ۴ ص ۱۸۴،

[۵] ابن سعد حوالہ مذکور،

۱۳ مرتبہ رسول اللہ کی نیابت کا اعزاز ملا، جس میں وہ مسجد نبوی کی امامت کرتے تھے، اس کے علاوہ قرآن مجید کے حافظ تھے اور مدینہ آنے کے بعد لوگوں کو قرأت سکھاتے تھے،[۱] آنحضرت ﷺ کے فیض صحبت سے احادیث سے بھی ان کا دامن خالی نہ تھا، چنانچہ ان سے انس اور زر بن حبیش نے احادیث روایت کی ہیں۔[۲]

---

[۱] ایضاً ص ۱۵۱،
[۲] تہذیب الکمال ۲۸۹

حضرت بریدہ بن حصیبؓ

نام ونسب...... بریدہ نام، ابوعبداللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے کہ بریدہ بن حصیب بن عبداللہ بن حارث بن اعرج بن سعد بن زراح بن عدی بن سہم بن مازن بن حارث بن سلامان بن اسلم اسلمی۔

اسلام...... بریدہؓ عین زمانۂ ہجرت میں مشرف باسلام ہوئے، اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ جب مرکز نبوت مکہ کے ستم کدہ سے مدینہ کے بیت الامن میں مدینہ میں منتقل ہونے لگا اور کوکبۂ نبوی غمیم پہنچا تو یہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے اسلام پیش کیا بریدہؓ نے بلا پس وپیش قبول کرلیا، ان کے ساتھ بنو اسلم کے ۸۰ خانوادے حلقہ بگوش اسلام ہوئے، پھر کچھ دنوں قرآن کی تعلیم حاصل کرکے گھر لوٹ گئے۔[۱]

ہجرت اور غزوات...... بدر واحد کے معرکے ان کے وطن کے قیام کے زمانہ میں ختم ہو چکے تھے، غالباً ۶ھ یا اس سے کچھ پہلے ہجرت کا شرف حاصل کیا[۲] اور سب سے پہلے صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے اور بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا[۳] ۷ھ میں غزوہ خیبر پیش آیا، اس میں یہ پیش پیش تھے، چنانچہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگوں نے خیبر کا محاصرہ کیا پہلے دن ابوبکرؓ نے علم لیا، لیکن فتح نہ کر سکے، دوسرے دن پھر یہی ہوا، لوگ بہت تھک چکے تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا، جس کو خدا اور اس کا رسول محبوب رکھتا ہے اور وہ بھی خدا اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے وہ فتح کرکے لوٹے گا، لوگ بہت خوش ہوئے کہ کل یہ مہم سر ہوگی، دوسرے دن صبح کو آنحضرت نے فجر کی نماز پڑھ کر علم منگوایا، لوگ اپنی اپنی صفوں میں تھے، پھر علیؓ کو طلب فرمایا، ان کو آشوب چشم کی شکایت تھی، آنحضرت ﷺ نے لعاب دہن لگا کر علم مرحمت فرمایا اور ان ہی کے ہاتھوں خیبر فتح ہوا۔[۴]

۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے مکہ پر چڑھائی کی، اس میں بھی یہ ہمرکاب تھے چنانچہ بیان کرتے تھے کہ فتح کے دن آنحضرت ﷺ نے کئی نمازیں ایک ہی وضو سے پڑھیں۔[۵]

فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت خالدؓ کی ماتحتی میں جو سریہ یمن بھیجا تھا، بریدہؓ بھی

[۱] ابن سعد جز ۴ ق ا ص ۱۷۸ واستیعاب ج ا ص ۶۹، [۲] ایضاً،
[۳] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۷۵ وابن سعد حوالہ مذکور،
[۴] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۳۵۳، [۵] ایضاً ص ۳۵۰

اس میں ساتھ تھے، بعد کو پھر اسی مقام پر حضرت علیؓ کی ماتحتی میں مسلمانوں کی ایک جماعت بھیجی گئی اور پوری فوج کی امارت حضرت علیؓ کو تفویض ہوئی جنگ کے بعد آپ نے مالِ غنیمت میں سے ایک لونڈی خمس میں اپنے لئے مخصوص کر لی، حضرت بریدہ کو یہ بات پسند نہ آئی، انہوں نے لوٹ کر یہ واقعہ آنحضرت ﷺ سے بیان کیا، آپ نے سن کر فرمایا بریدہؓ کیا تم کو علیؓ سے کینہ ہے، انہوں نے صفائی سے اس کا اقرار کیا، فرمایا، ان سے کینہ نہ رکھو، ان کو خمس میں اس سے زیادہ کا حق ہے،[1] دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا اور فرمایا بریدہؓ! کیا مومنین پر میرا حق خود ان کی ذات سے مقدم نہیں ہے، عرض کی ہاں یارسول اللہ! فرمایا! جس کا میں مولیٰ ہوں علیؓ بھی اس کا مولیٰ ہے،[2] حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے یہ لفظ سن کر میری ساری شکایت حضرت علیؓ سے جاتی رہی اور ان سے اتنی محبت ہوگئی جو کسی دوسرے سے نہیں تھی۔[3]

آنحضرت ﷺ کی زندگی میں جس قدر غزوات بھی ہوئے، بریدہؓ تقریباً سب میں شریک تھے، ان کے غزوات کی مجموعی تعداد سولہ ہے،[4] آنحضرت ﷺ نے اپنے مرض الموت میں اسامہ کی زیرسرکردگی جو سریہ شام بھیجا تھا، اس میں بھی یہ شریک اور سریہ کے علمبردار تھے۔[5]

آنحضرت ﷺ کی زندگی بھر دیارِ حبیب میں رہے، آپ کی وفات کے بعد جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بصرہ آباد ہوا تو دوسرے صحابہ کے ساتھ یہاں منتقل ہوگئے اور یہیں مستقل گھر بنا لیا۔[6]

ان کی رگ رگ میں جہاد کا خون دوڑتا تھا، لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ زندگی کا مزہ گھوڑے کدانے میں ہے،[7] اسی جذبہ وولولہ کی بنا پر خلفاء کے زمانہ میں بھی مجاہدانہ شریک ہوتے تھے، حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں خراسان پر فوج کشی ہوئی، اس میں آپ کی تلوار نے اپنے جوہر دکھائے۔

مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی تلوار ہمیشہ نیام میں رہی، چنانچہ شیخین کے بعد جس قدر خانہ جنگیاں ہوئیں ان میں سے کسی میں شریک نہیں ہوئے، بلکہ شدت احتیاط کی بنا پر ان لوگوں کے بارے میں جو اس میں شریک تھے کوئی رائے بھی نہ قائم کرتے تھے، ایک شخص نے حضرت علیؓ، عثمانؓ، طلحہؓ اور زبیر کے بارے میں ان کی رائے معلوم کرنے کے لئے ان کے سامنے

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ باب بعث علی الی الیمن و مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۳۵۰۔
[2] مسند احمد ابن حنبل ج ۵ ص ۳۴۵، [3] ایضاً ص ۳۵۰،
[4] بخاری کتاب المغازی باب کم غزا النبی صلی اللہ علیہ وسلم
[5] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۳۶،
[6] ابن سعد ج ۴ ق ا تذکرہ بریدہؓ بن حصیب [7] ایضاً ص ۱۰۹

ان بزرگوں کا تذکرہ کیا، بریدہؓ فوراً قبلہ رو ہو کر دست بدعا ہو گئے کہ خدایا! علیؓ کی مغفرت فرما، عثانؓ کی مغفرت فرما اور زبیر کی مغفرت فرما پھر اس شخص سے مخاطب ہو کر کہا کہ تو مجھ کو میرا قاتل معلوم ہوتا ہے، اس نے کہا حاشا میں قاتل کیوں ہونے لگا، اس استفسار سے میرا یہ مقصد تھا، فرمایا ان لوگوں کا معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے، اگر وہ چاہے گا تو ان کی نیکیوں کے بدلہ میں بخش دے گا اور اگر چاہے گا تو ان کی غلطیوں کی سزا میں عذاب دے گا۔[1]

وفات...... یزید کے عہد حکومت میں ۶۳ھ میں وفات پائی، دولڑکے یادگار چھوڑے، عبداللہ اور سلیمان۔

فضل وکمال...... فضل وکمال کے اعتبار سے بھی عام صحابہ کی جماعت میں ممتاز ہیں، احادیث نبوی کی کافی تعداد ان کے حافظہ میں محفوظ تھی، ان کی مرویات کا شمار ۱۶۴ حدیثوں تک پہنچتا ہے، اس میں ایک متفق علیہ ہے اور ۲ میں بخاری اور ایک میں مسلم منفرد ہیں،[2] ان کی مرویات تمام تر براہ راست زبان نبوت سے منقول ہیں، ان کے تلامذہ میں ان کے صاحبزادے عبداللہ اور سلیمان اور دوسرے لوگوں میں عبداللہ بن عوس خزاعی، شعبی اور ملیح بن اسامہ قابل ذکر ہیں۔[3]

عام حالات...... حضرت بریدہؓ کو بارگاہ نبویؐ میں پذیرائی حاصل تھی، حضورؐ ان سے بے تکلفانہ ملتے تھے، کبھی کبھی آنحضرت ﷺ ان کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے نکلتے تھے، ایک مرتبہ یہ کسی ضرورت سے کہیں جا رہے تھے، راستہ میں آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوگئی آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور آگے بڑھے۔[4]

حق گوئی...... حق گوئی ان کا خاص وصف تھا، اور وہ بڑی سے بڑی شخصیت کے مقابلہ میں بھی کلمہ حق کے اظہار سے باز نہ رہتے تھے، ایک مرتبہ امیر معاویہؓ کے پاس گئے، ایک شخص بیٹھا ہوا ان سے باتیں کر رہا تھا، بریدہؓ نے کہا میں بھی کچھ کہہ سکتا ہوں، حضرت معاویہؓ سمجھے یہ بھی پہلے شخص کی طرح مجھے سراہیں گے، کہا شوق سے، فرمایا میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھ کو امید ہے کہ قیامت کے دن میں روئے زمین کے کنکر، پتھر اور درختوں کی تعداد کے برابر لوگوں کی شفاعت کروں گا، معاویہ! کیا اس عام شفاعت کے تم مستحق ہو اور علیؓ نہیں ہیں؟[5] (غالباً پہلا شخص حضرت علیؓ کی مذمت کر رہا تھا، اور معاویہ بریدہ کی زبان سے بھی یہی سننا چاہتے تھے)

فرمان نبوی پر عمل...... آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے ایک مرتبہ جو سن لیا، وہ حرز جان بن گیا، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، آپ نے فرمایا کہ میری امت کو ڈھال

---

[1] ابن سعد جزء ۴ ق ا ص ۱۷۶
[2] تہذیب الکمال ص ۴۷،
[3] تہذیب التہذیب ج اول ص ۴۳۳،
[4] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ج ۵ ص ۳۵۰،
[5] ایضاً ص ۳۴۷

کی طرح چوڑے چوڑے اور چھوٹی آنکھ والی قوم تین مرتبہ ہنکائے گی یہاں تک کہ اس کو ہنکاتے ہنکاتے جزیرۃ العرب کے اندر محدود کردے گی، اس کے پہلے ہلہ میں جو لوگ بھاگ جائیں گے، وہ بچ جائیں گے، دوسرے ہلہ میں بعض بچیں گے اور بعض ہلاک ہو جائیں گے، تیسرے ہلہ میں سب کے سب اس آگ میں پڑ جائیں گے لوگوں نے پوچھا یا نبی اللہ! وہ کون ہیں؟ فرمایا ترک، پھر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، وہ لوگ اپنے گھوڑوں کو مسلمانوں کی مسجدوں کے ستونوں سے باندھیں گے، اس ہولناک پیشنگوئی کے بعد بریدہؓ ہمیشہ دو تین اونٹ زادِ سفر اور پانی پینے کا برتن ساتھ رکھتے تھے کہ جیسے ہی یہ وقت آئے فوراً اس عذاب سے بھاگ نکلیں۔[1]

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۳۴۹

حضرت طفیلؓ بن عمرو دوسی

نام ونسب...... طفیل نام، ذوالنور لقب، سلسلۂ نسب یہ ہے، طفیل بن عمرو بن طریف بن العاص بن ثعلبہ بن سلیم بن فہم بن غنم بن دوس بن عدنان بن عبداللہ بن زہران بن کعب ابن حارث بن نصر بن ازد ازدی۔[1]

دوس کے قبیلے سے تھے، اس لئے دوسی کہلاتے تھے، یہ قبیلہ یمن کے ایک گوشہ میں آباد اور خاصہ طاقتور تھا، ایک قلعہ بھی اس کے پاس تھا، حضرت طفیلؓ اس قبیلہ کے رئیس اور غالباً تجارت پیشہ تھے اور اسی تعلق سے مکہ معظمہ آتے رہتے تھے۔

مکہ کا سفر...... جس زمانہ میں آنحضرت ﷺ مکہ میں دعوت اسلام فرمارہے تھے، اس زمانہ میں طفیل کا مکہ آنا ہوا، قریش کے وہ اشخاص جو لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے پاس آنے سے روکتے تھے، ان کے پاس بھی پہنچے اور کہا تم ہمارے شہر میں مہمان آئے ہو، اس لئے ازراہ خیر خواہی تم کو آگاہ کیے دیتے ہیں کہ اس شخص (آنحضرت ﷺ) نے ہماری جماعت میں پھوٹ ڈال کر ہمارا شیرازہ بکھیر دیا ہے اور ہم لوگوں کو بہت تنگ کر رکھا ہے، نہیں معلوم اس کی زبان میں کیا سحر ہے، جس کے زور سے بیٹے کو باپ سے بھائی کو بھائی سے، بیوی کو شوہر سے چھڑا دیتا ہے، ہم کو خوف ہے کہ کہیں تم اور تمہاری قوم بھی ہم لوگوں کی طرح اس کے دام میں نہ آجائے، اس لئے ہمارا دوستانہ مشورہ ہے کہ تم اس سے نہ ملو اور نہ اس کی بات سنو، غرض ان لوگوں نے طفیل کو سب نشیب وفراز سمجھا کر آنحضرت ﷺ کی ملاقات سے روک دیا طفیل نے اس خیال سے کہ مبادہ آنحضرت ﷺ کی آواز کانوں میں نہ پڑ جائے، دونوں کانوں میں روئی ٹھونس لی۔

اسلام...... اتفاق سے اسی حالت میں ایک دن مسجد کی طرف سے گذرے، اس وقت آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، اسلام کا شرف ان کی قسمت میں مقدر ہو چکا تھا، اس لئے تمام احتیاطیں بے کار ثابت ہوئیں اور کچھ آیتیں ان کے کان تک پہنچ گئیں یہ کھڑے ہو کر سننے لگے، تو اس میں بڑی دلآویزی معلوم ہوئی، دل ہی دل میں کہنے لگے کہ میں بھی کیا وہمی ہوں، میں خود اچھا شاعر ہوں، کلام کے محاسن ومعائب کو سمجھ سکتا ہوں، پھر اس شخص کا کلام کیوں نہ سنوں، اگر اس میں کوئی خوبی ہے تو اس کے اعتراف میں بخل نہ کرنا چاہیے اور اگر نا قابل توجہ ہے تو التفات کی ضرورت نہیں، غرض اس طرح دل کی تسلی دے کر پورے غور سے آیات قرآنی سنی، یہ کیا معلوم تھا کہ کلام کے حسن وقبح کا فیصلہ ان کی قسمت کا فیصلہ کردیگا جب تک آنحضرت

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۵۴

ﷺ نماز پڑھتے رہے، طفیل گوش ہوش سے سنتے رہے، ادھر آپ نے نماز ختم کی، ادھر طفیل کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا اور وہ بے اختیارانہ آپ کے پیچھے پیچھے چلے، کاشانہ اقدس پر پہنچ کر قریش کی پوری گفتگو سنا کر عرض کیا اس خوف سے میں نے کانوں میں روئی رکھ لی تھی کہ آپ کا معجزانہ کلام نہ سن سکوں، لیکن خدا کو سنانا منظور تھا، اس لئے یہ احتیاط بے کار ثابت ہوئی، اب آپ اپنی تعلیمات سنایئے، آنحضرت ﷺ نے اسلام کی تعلیمات بتا کر قرآن کی کچھ اور آیات تلاوت فرمائیں، طفیل سن کر متحیر ہو گئے اور بے اختیار زبان سے نکل گیا، خدا کی قسم آج تک اس سے بہتر کلام نہ میرے کانوں نے سنا اور نہ اس سے زیادہ عادلانہ کوئی مذہب دیکھا، میں بطیب خاطر اس مذہب حق کو قبول کرتا ہوں۔

وطن کی واپسی ..... اسلام لانے کے بعد عرض کیا، یارسول اللہ! میں اپنی قوم کا سربرآوردہ شخص ہوں، اس لئے چاہتا ہوں کہ وہاں جا کر اہل وطن کو بھی دعوت اسلام دوں، آپ فرمایئے کہ خدا اس کار خیر میں میری مدد کرے، آنحضرت ﷺ نے اجازت دی اور دعا فرمائی گھر پہنچے تو والد ملنے آگئے، کہا قبلہ! آپ مجھ سے الگ رہیے، اب آپ کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں، انہوں نے کہا کیوں! کہا میں دین اسلام قبول کر کے محمد ﷺ کا طوق غلامی گردن میں ڈال چکا ہوں، اس لئے آپ سے کوئی واسطہ باقی نہیں رہا، باپ کی قسمت میں بھی یہ سعادت لکھی تھی، بولے بیٹا! جو دین تمہارا وہی دین میرا، چنانچہ اسی وقت جواب دیا، جو پہلے والد کو دے چکے تھے، بیوی نے کہا میں تمہارے مذہب کے خلاف کیسے رہ سکتی ہوں، مجھے بھی اس نعمت میں شریک کرو، چنانچہ ان کو بھی مشرف باسلام کیا، گھر روشن کرنے کے بعد قبیلہ کی طرف متوجہ ہوئے، لیکن اس میں آواز بے اثر رہی تو مکہ واپس آئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میری قوم میرا کہنا نہیں مانتی، آپ اس کی ہدایت کے لئے دعا فرمایئے، آپ نے دعا فرمائی کہ "خدایا! دوس کو ہدایت دے اور اس پر ابر رحمت کا نزول فرما" دعا کے بعد ہدایت فرمائی کہ نرمی اور آشتی کے ساتھ جا کر اسلام کی طرف مائل کرو، چنانچہ وہ حسب ارشاد نبویؐ دوبارہ گھر لوٹ کر تبلیغ و ہدایت میں مشغول ہو گئے، اور آنحضرت ﷺ کی دعا برکت سے کچھ دنوں کے بعد دوس کی معتدبہ تعداد اسلام کے حلقہ اثر میں آ گئی۔[1]

آنحضرت کو اپنے قلعہ میں چلنے کی دعوت دینا ..... دائرہ اسلام کی وسعت کے ساتھ ساتھ مشرکین کا مکہ کا جور و ستم بھی بڑھتا جاتا تھا، اور ذات نبویؐ کے ساتھ بھی گستاخیاں کرنے میں ان کو باک نہ تھا اور انہوں نے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی ایذا رسانی کو اپنا مستقل شعار بنا لیا تھا، دوس میں ایک نہایت مضبوط قلعہ تھا، طفیل نے آنحضرت ﷺ کو اپنے اس قلعہ میں منتقل ہو جانے کی دعوت دی اور آپ کی حفاظت کی ذمہ داری لی، لیکن یہ فخر انصار کے لئے مقدر ہو چکا

[1] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۷۵

تھا، اس لئے آپ نے ان کی دعوت قبول نہ فرمائی۔[1]

ہجرت...... اس درمیان میں آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ آگئے، بدر، احد اور خندق کی لڑائیاں بھی ختم ہوگئیں، اور خیبر کی تیاریاں شروع ہوئی تھیں کہ حضرت طفیلؓ تقریباً اسی (۸۰) گھرانوں کے ساتھ مدینہ تشریف لائے، لیکن آنحضرت ﷺ خیبر میں تھے اس لئے یہ پورا قافلہ بھی وہیں روانہ ہوگیا۔

غزوات...... اور یہ سب کے سب غزوۂ خیبر میں شریک ہوئے اور طفیل کی خواہش پر آنحضرت ﷺ نے دوسیوں کو خیبر شکن فوج کے میمنہ پر مقرر کیا، اس کے بعد سے پھر فتح مکہ تک آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب رہے۔[2]

سریۂ ذوالکفین...... اگرچہ دوس کے اکثر خانوادے مشرف باسلام ہو چکے تھے، تاہم مدتوں کے بعد عقائد دفعۃً نہیں بدل سکتے تھے، چنانچہ ذوالکفین نامی بت کا صنم کدہ باقی تھا اور بہت سے لوگ اس کی پوجا کرتے تھے، لیکن طفیل کا موحد دل دوس کے دامن پر شرک کا ایک دھبہ بھی نہیں گوارا کر سکتا تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ مجھ کو ذوالکفین گرانے کی اجازت مرحمت ہو، آپ نے اجازت دے دی۔[3] چنانچہ وہ کچھ دوسیوں کو لے کر گئے اور بتکدہ کو ڈھا کر بت میں آگ لگادی اور یہ شعر پڑھتے جاتے تھے

یا ذالکفین لست من عبادکا

میلادنا اقدم من میلادکا

انی حششت النار فی فوادکا

اے دو ہاتھوں والے بت! اب میں تیرے پرستاروں میں نہیں ہوں، میری پیدائش سے قدیم ہے، میں نے تیرے قلب میں آگ بھر دی۔

غزوۂ طائف...... یہاں سے لوٹتے وقت دوس کے اور چار سو آدمی مع سازوسامان کے ساتھ ہوگئے اور سب طائف میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ غزوۂ طائف میں شریک ہوئے ان کا دستہ الگ تھا، آنحضرت ﷺ نے پوچھا تمہارا علم کون اٹھائے گا، طفیلؓ نے عرض کی، نعمان بن باریہ مدتوں سے اس قبیلہ کے علمبردار ہیں، اس موقع پر بھی وہی اٹھائیں گے آنحضرت ﷺ نے بھی یہ رائے پسند فرمائی۔[4]

طائف کی واپسی کے بعد وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مستقل طور سے رہنے لگے اور

---

[1] مسلم جلد ۱ص ۵۸ باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لا یکفر،
[2] ابن سعد جزء ۴ ق ۱ص ۱۷۶ و استیعاب ج ۱ص ۲۱۸،
[3] ابن سعد جلد ۴ ق ۱ص ۱۷۶
[4] ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۱۴

تا وفات نبوی آپ کے قدموں سے جدا نہ ہوئے۔

فتنہ ارتداد میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا اور طلیحہ ونجد کے فتنوں سے فراغت کے بعد یمامہ میں شریک ہوئے،[1] اور ۱۱ھ میں اسی میں جام شہادت پیا۔[2]

اولاد...... اولاد میں صرف ایک لڑکے عمرو کا نام معلوم ہے، یہ بھی یمامہ کی جنگ میں شریک تھے اور یرموک کے معرکہ میں شہادت حاصل کی۔

فضل وکمال...... حضرت طفیلؓ مذہبی علوم میں کوئی مرتبہ حاصل نہ کر سکے، اس کا سبب یہ تھا کہ وہ ابتدا میں مدینہ میں رہنے کے بجائے اپنے وطن میں اسلام کی دعوت کا فرض ادا کرتے رہے لیکن فضل وکمال کا یہ باب بھی کچھ کم نہیں کہ آپ کی کوششوں سے قبیلہ دوس مشرف باسلام ہوا، البتہ شاعری کی حیثیت سے ممتاز تھے۔

---

[1] مستدرک جلد ۳ ص ۲۶۰۔

[2] استیعاب جلد ۱ ص ۲۱۹

حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ

نام ونسب...... عقبہ نام، ابوعمرو کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے، عقبہ بن عامر بن عبس بن عمرو بن عدی بن عمرو بن رفاعہ بن مودوعہ بن عدی بن غنم بن ربیعہ بن رشدان بن قیس بن جہینہ جہنی ۔[1]

حضرت عقبہؓ آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد مشرف با سلام ہوئے، اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ جب کوکبۂ نبوی منتقل ہوا تو عقبہؓ بکریاں چرا رہے تھے آپ کی تشریف آوری کی خبر سن کر بکریاں چھوڑ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی مجھ سے بیعت لیجئے، آنحضرت ﷺ نے پوچھا بیعت عربیہ کرنا چاہتے ہو یا بیعت ہجرت کہا بیعت ہجرت، چنانچہ بیعت کرکے مدینہ میں مقیم ہو گئے ۔[2]

عہد خلفاء...... غزوات میں شرکت کا پتہ نہیں چلتا، عہد فاروقیؓ میں شام کی فتوحات میں مجاہدانہ شریک ہوئے، دمشق کی فتح کا مژدہ حضرت عمرؓ کے پاس یہی لائے تھے،[3] جنگ صفین میں حضرت امیر معاویہؓ کے طرفدار تھے اور انہی کی حمایت میں لڑے، مصر پر تسلط کے بعد انہوں نے ان کو وہاں کا امیر الخراج بنایا اور نماز کی امامت کا منصب بھی عطا کیا ۔[4]

۴۷ھ میں امیر معاویہؓ کی ایما سے روڈس پر حملہ کیا، لیکن جنگ کے دوران میں معزول کر دیئے گئے اور ان کی جگہ مسلمہ کا تقرر ہوا، معزولی کے بعد جنگ سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی ۔[5]

وفات...... زمانہ وفات کے بارہ میں مختلف روایتیں ہیں، بہ روایت صحیح ۵۸ھ میں وفات پائی۔

فضل وکمال...... علم وفضل کے اعتبار سے حضرت عقبہ ممتاز شخصیت رکھتے تھے، قرآن حدیث فقہ، فرائض اور شاعری سب میں امتیازی پایہ تھا، علامہ ذہبی لکھتے ہیں عقبہؓ فقیہ، کتاب اللہ کے قاری، فرائض کے ماہر، فصیح اللسان، شاعر اور بلند مرتبہ شخص تھے ۔[6]

قرآن کی تلاوت سے خاصا ذوق تھا اور بڑے ذوق وشوق سے اس کی تعلیم حاصل کرتے تھے، بعض سورتیں خود زبان وحی والہام سے سیکھی تھیں، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے قدموں سے چمٹ گئے کہ یارسول ﷺ مجھ کو سورۂ ہود و یوسف پڑھایئے، اس ذوق وشوق نے ان کو قرآن کا قاری بنادیا تھا، ایک قرآن انہوں نے خود مرتب کیا تھا، اس کی ترتیب عثمانی مصحف سے مختلف

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۴۲۳،
[2] ابن سعد جز ۴ قسم ۲ ص ۶۶، واصابہ تذکرہ ابن عامر،
[3] اصابہ جلد ۲ ص ۴۸۹،　[4] کتاب الولاۃ کندی ص ۳۷،
[5] ابن سعد جز ۴ قسم ۲ تذکرہ بن عامر،　[6] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۳۶

تھی، یہ نسخہ نویں صدی ہجری تک مصر میں موجود تھا، اور اس کے اخیر میں عقبہ کے دست وقلم کی لکھی ہوئی تحریر موجود تھی، "قرآن عقبہ بن عامر نے اپنے ہاتھوں سے لکھا" [1]

حدیث...... احادیث نبوی سے بھی تہی دامن نہ تھے، ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۵۵ ہے ان میں سے ۷ متفق علیہ ہیں اور ایک میں بخاری اور ۷ میں مسلم منفرد ہیں [2] گو ان کے علم کے مقابلہ میں یہ تعداد بہت کم ہے، لیکن اکابر صحابہ تک بڑی بڑی مسافت طے کر کے ان سے استفادہ کے لئے آتے تھے، حضرت ابوایوبؓ صرف ایک حدیث سننے کے لئے خاص طور پر مدینہ سے مصر آئے اور سن کر فوراً واپس گئے [3] حضرت ابن عباسؓ جو حبر الامہ تھے، عقبہؓ سے خوشہ چینی کرتے تھے، ان کے تلامذہ کی تعداد کافی تھی، ان میں امامہ، قیس بن ابی حازم، جبیر بن نفیر، بجہ بن عبداللہ جہنی، دخین بن عامر، ربعی بن خراش، عبدالرحمن ابن شماسہ، علی بن رباح قابل ذکر ہیں [4] فقہ میں بھی آپ کو ید طولی حاصل تھا۔

شاعری...... مذہبی علوم کے علاوہ عرب کے دوسرے مروجہ علوم خطابت و شاعری میں بھی دخل تھا، خود بھی خوش گو شاعر تھے۔ [5]

اخلاق...... عقبہؓ گو بلند پایہ صحابی تھے، لیکن مذہبی ذمہ داری سے بہت گھبراتے تھے، وہ اگرچہ ایک زمانہ میں مصر میں امامت کے عہدہ پر رہ چکے تھے، لیکن پھر اس میں احتیاط کرنے لگے تھے، ابوعلی ہمدانی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں لوگوں نے درخواست کی کہ آپ آنحضرت ﷺ کے صحابی ہیں، اس لئے آپ نماز پڑھایئے، فرمایا نہیں! میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے امامت کی اور صحیح وقت پر پورے شرائط کے ساتھ نماز پڑھائی تو امام اور مقتدی دونوں کے لئے باعث اجر ہے اور اگر اس میں کوئی فروگذاشت ہوئی تو امام ماخوذ ہوگا اور مقتدی بری الذمہ ہوں گے۔ [6]

حرمت رسول...... آقائے نامدار ﷺ کی خدمت گذاری ان کا خاص مشغلہ تھا چنانچہ سفر میں آنحضرت ﷺ کی سواری کھینچنے کی خدمت ان ہی کے متعلق ہوتی تھی، کان صاحب بغلة رسول الله صلى الله عليه و سلم الشهباء۔ [7]

اس خدمت و رفاقت کے طفیل میں ان کو بڑے قیمتی دینی فوائد حاصل ہوتے تھے، ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں آنحضرت ﷺ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا میں سواری اقدس کھینچ رہا تھا، آپ نے فرمایا، عقبہ! میں تم کو دو بہترین سورتیں پڑھنے کے قابل بتاتا ہوں، میں

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۲۴۳
[2] تہذیب الکمال ص ۲۶۹
[3] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۵۹
[4] تہذیب الکمال ص ۲۶۹
[5] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۴۵
[6] کتاب الولاۃ کندی ص ۴۷
[7] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۱۵۳

نے عرض کی ارشاد ہو، فرمایا، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس [1]

احترامِ نبوی...... ذات نبوی کا اتنا احترام ملحوظ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی سواری پر بیٹھنا بھی سوءِ ادب سمجھتے تھے، ایک مرتبہ سفر میں مفوضہ خدمت انجام دے رہے تھے، کہ آنحضرت ﷺ نے سواری بٹھادی اور خود اتر کر فرمایا عقبہ! اب تم سوار ہو لو عرض کی سبحان اللہ یا رسول اللہ! میں اور آپ کی سواری پر سوار ہوں! دوبارہ پھر آپ نے حکم دیا، انہوں نے وہی عرض کی، جب زیادہ اصرار بڑھا تو الامر فوق الادب کے خیال سے بیٹھ گئے اور سرکار دو عالم ان کی جگہ سواری کھینچنے کی خدمت انجام دینے لگے۔[2]

عیب پوشی...... عیب پوشی عقبہ کا شیوہ تھا، کسی کی برائی کا اعلان کرنا بہت برا سمجھتے تھے ایک مرتبہ غلام نے آکر عرض کی کہ ہمارے ہمسائے شراب پیتے ہیں، فرمایا جانے دو، کسی پر ظاہر نہ کرنا، اس نے کہا میں محتسب کو خبر کردوں گا، فرمایا بڑے افسوس کا مقام ہے، جانے بھی دو میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے کسی کی عیب پوشی کی، اس نے گویا مردہ کو زندہ کیا۔[3]

سپاہیانہ فنون سے ذوق...... سپاہیانہ فنون سے بڑی دلچسپی تھی، تیراندازی کا بڑا ذوق تھا، اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے، ایک مرتبہ خالد بن ولیدؓ کو بلا کر یہ حدیث سنائی کہ میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر کے بدلہ میں تین اشخاص کو جنت میں داخل کرتا ہے، اس کے بنانے والے کو، خدا کی راہ میں اس کے لے جانے والے کو اور چلانے والے کو، حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ تمام کھیلوں میں صرف تین کھیل جائز ہیں، تیراندازی، گھوڑے کی تادیب اور اپنی بیوی سے ہنسی دل لگی کرنا، جس نے تیراندازی سیکھ کر بھلادی اس نے بڑی نعمت کھو دی۔[4]

اس دلچسپی کی بنا پر ان کے پاس اسلحہ کا بڑا ذخیرہ تھا، چنانچہ وفات کے وقت ان کے پاس ستر کمانیں تھیں، دوسرے لوازم اس کے علاوہ تھے، یہ سارا ذخیرہ خدا کی راہ میں وقف کر گئے۔[5]

سادگی...... عقبہؓ کو فارغ البال تھے، غلام بھی پاس تھے، لیکن غایت سادگی کی بنا پر اپنا کام آپ کرتے تھے۔

---

[1] ایضاً [2] کتاب الولاۃ کندی ص ۸۷
[3] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۱۵۸ [4] ایضاً ص ۱۴۸
[5] ایضاً

حضرت عمیر بن وہبؓ

نام ونسب...... عمیر نام، ابوامیہ کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے، عمیر بن وہب بن خلف ابن وہب بن حذافہ بن حجح، ماں کا نام ام نخیلہ تھا، نانہالی نسب نامہ یہ ہے ام نخیلہ بنت ہاشم بن سعید بن سہم قرشی۔

قبل اسلام...... عمیر قریش کے سر برآوردہ اور بہادر لوگوں میں تھے، قبول اسلام کے پہلے اسلام اور پیغمبر اسلام کے سخت دشمن تھے، بدر میں مشرکین کے ساتھ تھے اور مسلمانوں کی قوت کا اندازہ لگانے کے لئے یہی نکلے تھے، مگر اس غزوہ میں انہوں نے جنگ کو ٹالنے کی بڑی کوشش کی، ابن سعد کا بیان ہے "و قد کان حریصا علی رد قریش عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم ببدر"۔ لیکن جب اس میں ناکامی ہوئی تو دوسرا طریقہ یہ اختیار کیا کہ قریش سے انصار کی تذلیل کے لئے کہا کہ ان کے چہرے سانپوں کی طرح ہیں، جو پیاس سے بھی نہیں مرتے، ان کی یہ مجال کہ ہمارے مقابلہ میں آکر بدلہ لیں، اس لئے ان روشن وتاباں چہرہ والوں (قریش) کو ان سے تعارض نہ کرنا چاہیے، انصار نے جواب دیا، یہ خیال چھوڑ دو، اور اپنے قبیلہ کو جنگ پر آمادہ کرو" جب یہ تدبیر بھی ناکام رہی تو مجبوراً لڑنا پڑا[1] جس کا نتیجہ قریش کی شکست کی صورت میں ظاہر ہوا اور ان کا لڑکا وہب مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوگیا۔

آنحضرت ﷺ کے قتل کا ارادہ...... بدر کی شکست سے مشرکین کی آتش انتقام اور تیز ہوگئی اور وہ مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لئے طرح طرح کے منصوبے سوچنے لگے ایک دن عمیر اور سرخیل مشرکین صفوان بن امیہ آپس میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے، صفوان نے کہا بدر کے مقتولین کے بعد زندگی بے مزہ ہوگئی، عمیر نے کہا بالکل سچ ہے، واللہ! لطف زندگی جاتا رہا، اگر مجھ پر قرض اور اہل وعیال کی پرورش کا بار نہ ہوتا تو میں محمدؐ کے قتل کی کوشش کرتا صفوان یہ سن کر پھولا نہ سمایا، بولا یہ کونسی بڑی بات ہے، تمہارے قرض کی ادائیگی کا میں ذمہ لیتا ہوں اور جس طریقہ سے میں اپنے اہل وعیال کی پرورش کرتا ہوں اسی طرح تمہارے اہل وعیال کی پرورش بھی کروں گا اور عمیر کے لیے ضروری سامان سفر مہیا کر دیا، اس میں ایک سم آلود تلوار بھی تھی اور عمیر یہ ہدایت کر کے کہ ابھی کچھ دنوں میرے حالات پوشیدہ رکھنا مدینہ پہنچے اور مسجد نبویؐ کے دروازہ پر سواری کھڑی کر کے تلوار لئے ہوئے سیدھے آنحضرت ﷺ کی طرف چلے، حضرت عمرؓ دیکھ رہے تھے،

[1] استیعاب ج ۲ ص ۴۳۷

وہ گھبرائے ہوئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی یارسول اللہ! عمیر کو کسی قیمت پر امان نہ دیجئے گا، فرمایا اچھا ان کو لے آؤ، حضرت عمرؓ چند اشخاص کو آنحضرت کی حفاظت کے لئے متعین کر کے خود عمیر کو لانے چلے گئے، وہ تلوار لئے ہوئے داخل ہوئے اس وقت آنحضرت ﷺ نے عمرؓ کو ہٹادیا، عمیرؓ نے سلام وعلیک کی جگہ "انعموا صباحا" جاہلیت کا سلام کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اللہ عزوجل نے تمہارے طریقہ تحیہ سے ہم کو مستغنی کر دیا اور ہمارا طریقہ تحیہ سلام متعین کیا ہے، پھر پوچھا کیسے آنا ہوا عمیرؓ نے کہا اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لئے آخر تم بھی تو ہمارے ہی ہم قبیلہ اور ہم خاندان ہو، آنحضرت ﷺ نے پوچھا، یہ تلوار کیسی گلے میں آویزاں ہے، کہا ان تلواروں کا برا ہو، یہ ہمارے کس کام آئیں، اترتے وقت گلے سے نکالنا بھول گیا تھا، اس لئے لٹکی رہ گئی، پھر آنحضرت ﷺ نے پوچھا، سچ سچ بتاؤ تم کس ارادہ سے آگئے ہو کہا صرف قیدیوں کو چھڑانے کے لئے، فرمایا تم نے صفوان سے کیا شرط کی تھی، اس سوال پر عمیرؓ بہت گھبرائے اور کہا میں نے کیا شرط کی تھی فرمایا ان شرائط کے ساتھ تم نے قتل کا وعدہ کیا تھا۔

اسلام...... یہ سنتے ہی حالت بدل گئی، جس زبان سے آنحضرت ﷺ کے قتل کا عہد کر کے آئے تھے، اسی زبان سے بے اختیار اشھد انک رسول اللہ و اشھدان لا الہ الا اللہ نکل گیا[1] قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ اپنے بھائی کو آرام پہنچاؤ، اور ان کے قیدی چھوڑ دو، چنانچہ وہب کو بغیر فدیہ کے رہا کر دیا گیا۔[2]

مکہ کی واپسی اور اشاعت اسلام...... مکہ میں صفوان نہایت بے چینی سے ان کے کام کا انتظار کر رہا تھا، اور قریش سے کہتا پھرتا تھا، کہ میں تم کو ایسی کامیابی کی خوشخبری سناتا ہوں جس کے بعد بدر کی شکست کا غم بھول جائے گا اور ہر آنے جانے والے سے پوچھتا کہ مدینہ میں کوئی نیا واقعہ تو نہیں پیش آیا (یعنی آنحضرت ﷺ کا کام تمام تو نہیں ہوا) ایک دن بالکل خلاف توقع خبر سنی کہ جو شکار کرنے نکلا تھا، وہ خود شکار ہو گیا، یعنی عمیر مسلمان ہو گئے، اس خبر سے بہت پیچ وتاب کھایا اور عہد کر لیا کہ اب کبھی عمیر سے نہ بولوں گا، اور نہ اس کی کسی قسم کی مدد کروں گا، تمام مشرکین نے عمیرؓ کے اسلام پر اظہار ملامت کیا، اس درمیان میں عمیرؓ نے قرآن کی کچھ تعلیم حاصل کر لی اور آنحضرت ﷺ سے عرض کیا، اگر اجازت ہو تو میں مکہ میں جا کر اشاعت اسلام کا فرض انجام دوں، شاید خدا ان لوگوں کو ہدایت دے آپ نے منظور فرمایا اور عمیرؓ نے مکہ میں آکر بڑی سرگرمی سے تبلیغ شروع کر دی اور ان کی کوششوں سے بڑی تعداد اسلام کے شرف سے بہرہ ور ہوئی۔[3]

ہجرت وغزوات...... مکہ میں عرصہ تک تعلیم وارشاد کا فرض انجام دیتے تھے، پھر احد کے قبل ہجرت کر کے مدینہ آگئے اور احد، تبوک، فتح مکہ وغیرہ تمام معرکوں میں آنحضرت ﷺ کے

[1] اصابہ ج ۵ ص ۳۶، وابن سعد ج ۴ ق اول ۱۴۲،
[2] ابن سعد جز ۴ ق ا ص ۱۴۷ [3] اصابہ جلد ۵ ص ۳۷

ہمرکاب رہے اور اپنی تلوار کے جوہر دکھائے۔[1]

عہد خلفاء...... آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں مہمات امور میں برابر شریک رہے، حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں جب عمرو بن العاصؓ نے مصر پر چڑھائی کی اور ابتدائی فتوحات کے بعد اسکندریہ کی تسخیر میں زیادہ دیر لگی، تو حضرت عمرؓ نے دس ہزار امدادی فوج چار امراء کی سرکردگی میں بھیجی، ان میں ایک عمیرؓ بھی تھے،[2] اور یہ ہدایت کر دی تھی کہ حملہ کے وقت ان چاروں کو آگے آگے رکھنا، چنانچہ ان ہی چاروں کی کوششوں سے اسکندریہ کی مہم سر ہوئی، اسکندریہ کی فتح کے بعد عمرو بن العاصؓ نے متفرق چھوٹے چھوٹے مقامات کی تسخیر کے لئے علیحدہ علیحدہ افسر متعین کیے تھے، اس سلسلہ میں عمیرؓ نے بہت سے مقامات فتح کیے، تنیس، دمیاط، تونہ، دمیرہ، شطا، دقہلہ، بنا اور بوسیر وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔[3]

وفات...... حضرت عمرؓ کے عہد کے آخر عہد خلافت میں وفات پائی۔

---

[1] ابن سعد ق اص ۱۴۷، و اصابہ جلد ۵ ص ۳۷،
[2] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۰
[3] ایضاً ص ۲۲۴

حضرت زید بن خطابؓ

نام ونسب...... زید نام، ابوعبدالرحمٰن کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے، زید بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب ابن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ قرشی عدوی۔

ماں کا نام اسماء تھا، نانہالی سلسلۂ نسب یہ ہے، اسماء بنت وہب بن حبیب اسدی، آپ حضرت عمرؓ کے سوتیلے بھائی اور عمر میں ان سے بڑے تھے۔[1]

اسلام وہجرت...... گوابتداء میں خطابؓ کا گھر حضرت عمرؓ کو سختیوں کے باعث اسلام کی دشمنی سے تیرو تار ہورہا تھا، لیکن حضرت زیدؓ حضرت عمرؓ سے بہت پہلے مشرف باسلام ہوچکے تھے، اور مہاجرین کے پہلے قافلہ کے ساتھ ہجرت کی تھی، اور آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد ان میں اور معن بن عدی عجلانی میں مواخاۃ کرادی۔[2]

غزوات...... مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے بدر میں شرکت کا شرف حاصل کیا، پھر احد میں شریک ہوئے، غایت شجاعت نے زرہ سے بے نیاز کردیا تھا، میدان جنگ میں ننگے بدن گئے، حضرت عمرؓ کو ان سے بڑی محبت تھی، انہوں نے قسم دلا کر اپنی زرہ پہنادی لیکن طالب شہادت کے لئے زرہ عار تھی، تھوڑی دیر پہن کر اتار دی اب عریاں سینہ دشمنوں کا ہدف تھا، حضرت عمرؓ نے سبب پوچھا، فرمایا تمہاری طرح مجھ کو بھی جام شہادت پینے کی تمنا ہے۔[3]

احد کے بعد صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ نے موت پر بیعت لینا شروع کی تو فدا کارانہ جانبازوں کی فہرست میں نام لکھایا۔[4] اس کے علاوہ، خندق حنین اور اوطاس وغیرہ میں بھی برابر شریک رہے۔

حجۃ الوداع میں بھی آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے، اسی موقع پر آپ نے ان سے یہ حدیث بیان فرمائی تھی، کہ جو تم کھاتے پہنتے ہو، وہی اپنے غلاموں کو بھی کھلاؤ پہناؤ، اور اگر وہ کسی جرم کے مرتکب ہوں اور تم نہ معاف کرسکو تو فروخت کرڈالو۔[5]

فتنۂ ردہ اور شہادت...... عہد صدیقی میں فتنۂ ارتداد کے استیصال کے لئے مسلمانوں کے

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۲۸،
[2] استیعاب جلد ۱ ص ۱۹۰،
[3] ابن سعد جزء ۳ ق ۱ ص ۲۷۵،
[4] استیعاب جلد ج ۱ ص ۱۹۰
[5] ابن سعد جزء ۳ ق ۱ ص ۲۷۶

ساتھ نکلے اور متعدد سرکش بے دینوں کو واصل جہنم کیا۔
مشہور مرتد نہار بن عنفوہ جس کے متعلق اس کے زمانہ اسلام میں آنحضرت ﷺ نے پیشنگوئی فرمائی تھی، ان ہی کے ہاتھ سے مارا گیا۔[1]
جنگ یمامہ میں اسلامی فوج کی علمبرداری کا منصب سپرد ہوا،، بنو حنیفہ نے ایک مرتبہ اس زور کا حملہ کیا کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، کچھ لوگ میدان جنگ سے بھاگ نکلے اس سے زید کا جوش اور بڑھ گیا، انہوں نے قسم کھائی کہ میں اس وقت تک نہ بولوں گا جب تک دشمنوں کا منہ نہ پھیر دوں یا خود لڑتے لڑتے شہید ہو جاؤں اور مسلمانوں کو للکارا کہ آنکھیں بند کر کے، داڑھیں داب کر دشمنوں کے قلب میں گھس جاؤ،[2] ایک طرف لوگوں کو ابھارتے تھے، دوسری طرف زبان بارگاہ ایزدی میں معذرت میں مصروف تھی، کہ "خدایا میں اپنے ساتھیوں کی پسپائی پر تیری بارگاہ میں معذرت خواہ ہوں"، اسی حالت میں علم ہلایا، اور دشمنوں کی صفیں چیرتے ہوئے گھستے چلے گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے،[3] آپ کی شہادت کے بعد حضرت سالمؓ نے علم سنبھالا، لوگوں نے کہا سالم! تمہاری علمبرداری سے شکست کا خطرہ ہے، کہا اگر میرے سبب سے شکست ہو تو مجھ سے بدتر حامل قرآن کون ہوگا۔[4]
حضرت عمرؓ کا غم...... حضرت عمرؓ ان کو بہت محبوب رکھتے تھے، ان کی شہادت سے بہت غم زدہ ہوئے اور جب کبھی کوئی مصیبت پیش آتی تو فرماتے کہ سب سے بڑا داغ زیدؓ کا تھا، اس کو اٹھایا اور صبر کیا۔[5] اکثر فرمایا کرتے کہ باد صبا سے زید کی خوشبو آتی ہے اس سے ان کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔[6]
اسی زمانہ میں مشہور شاعر متمم بن نویرہ کا بھائی ایک معرکہ میں خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ سے مارا گیا، متمم اپنے بھائی کا عاشق وشیفتہ تھا، اس حادثہ نے اس کو ایسا وارفتہ کر دیا کہ دیکھنے والوں کو ترس آتا تھا، اسی عالم میں اپنے بھائی کا ایسا رقت انگیز مرثیہ لکھا کہ سننے والے بیقرار ہو جاتے اتفاق سے حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوگئی، آپ نے فرمایا تم کو اپنے بھائی کا کس قدر قلق ہے، کہا ایک مرض کی وجہ سے ایک آنکھ کے آنسو خشک ہو گئے تھے، لیکن بھائی کے غم میں جب سے اشکبار ہوئی ہے، آج تک نہ رکی، حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ رنج والم کی آخری حد ہے، کوئی جانے والے کا

[1] استیعاب ج ۱ ص ۱۹۰،
[2] ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۷۷،
[3] ایضاً ص ۲۷۷
[4] ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۲۵۴، و مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۲۷،
[5] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۲۷
[6] اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۲۷

استاغم نہیں کرتا، اس کے بعد فرمایا خدا زیدؓ کی مغفرت کرے، اگر میں شاعر ہوتا تو میں بھی ان کا مرثیہ کہتا، متمم نے کہا، امیر المومنین، اگر آپ کے بھائی کی طرح میرا بھائی شہید ہوا ہوتا تو میں کبھی اشکباری نہ کرتا، حضرت عمرؓ کو ایک گونہ تسلی ہوگئی، [۱] فرمایا کہ اس سے بہتر تعزیت کسی نے نہیں کی، [۲] لیکن بھائی کے ساتھ شدید تعلق قلب کے باوجود صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا، جس وقت حضرت زیدؓ کی شہادت کی دلخراش خبر ملی، اس وقت بجائے نالہ وشیون کرنے کے فرمایا کہ میرے بھائی دو نیکیوں میں مجھ سے سبقت لے گئے، مجھ سے پہلے اسلام لائے اور مجھ سے پہلے جام شہادت پیا۔[۳]

حلیہ...... حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، رنگ گندم گوں۔

ازواج واولاد...... آپ کی دو بیویاں تھیں، لبابہ اور جمیلہ، لبابہ سے عبدالرحمٰن تھے اور جمیلہ سے اسماء تھیں۔[۴]

فضل وکمال...... آپ سے متعدد اشخاص نے حدیث روایت کی ہے۔

---

[۱] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۲۷۵،
[۲] استیعاب جلد ۱ ص ۱۹۱،
[۳] استیعاب ج ۱ ص ۱۹۱،
[۴] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۲۷۵

حضرت ابورافعؓ

نام ونسب...... نام میں بہت اختلاف ہے، زیادہ مشہور اسلم اور ابورافع کنیت ہے نسبی شرف کے لئے یہ سند کافی ہے کہ آقائے دوعالم ﷺ کی غلامی کا شرف رکھتے تھے اور حضورؐ نے یہ کہہ کر اپنے خاندان میں شامل کرلیا تھا کہ مولی القوم من انفسھم ۱؎ اس مرتبہ کے بعد خاندانی اور نسبی عظمت کا کون سا درجہ باقی رہ جاتا ہے۔

غلامی اور آزادی...... ابتدا میں ابورافعؓ حضرت عباسؓ کے غلام تھے انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دے دیا تھا، آنحضرت ﷺ نے حضرت عباسؓ کے اسلام کی مسرت پر آزاد کردیا۔ ۲؎

اسلام...... حضرت ابورافعؓ ان لوگوں میں ہیں جن کے دل پر نبوت کا پر جلال چہرہ ہی دیکھ کر اسلام کا نقش بیٹھ گیا، ان کے اسلام کے متعلق ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مجھے قریش نے آنحضرت ﷺ کے پاس کسی کام سے بھیجا، آپ کو دیکھتے ہی میرا دل اسلام کی طرف ہو گیا میں نے عرض کی یارسول اللہ! اب میں واپس نہ جاؤں گا، آپ نے فرمایا میں قاصد کو نہیں روکتا اور عہد شکنی نہیں کرتا، اس وقت تم لوٹ جاؤ، اگر کچھ دنوں تک بدستور تمہارے دل میں اسلام کا جذبہ باقی رہا تو پھر چلے آنا، چنانچہ اس وقت تو یہ واپس چلے گئے اور پھر دوبارہ حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ ۳؎

ابتلا و آزمائش...... لیکن بدر تک جابرہ قریش کے خوف سے اسلام کا اعلان نہیں کیا ایک دن چاہ زمزم کی چہار دیواری میں بیٹھے تیر درست کررہے تھے، حضرت عباسؓ کی اہلیہ بھی پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں کہ اتنے میں ابولہب آ گیا اور حجرہ کی طناب کے پاس بیٹھا، اس کے بعد ابوسفیان آئے، ابولہب ان سے بدر کے حالات دریافت کرنے لگا اس نے کہا کیا پوچھتے ہو مسلمانوں نے ہماری ساری قوت تباہ کردی، بہتوں کو تہ تیغ کر ڈالا، کچھ لوگوں کو گرفتار کیا، اس سلسلہ میں ایک واقعہ عجیب وغریب بیان کیا جاتا ہے کہ میدان جنگ میں آسمان سے زمین تک سفید پوش سوار بھرے ہوئے تھے، اس پر ابورافعؓ نے کہا کہ وہ فرشتے تھے، یہ سن کر ابولہب نے ان کے منہ پر زور سے ایک طمانچہ مارا، یہ سنبھل کر لپٹ گئے، مگر کمزور تھے، اس لئے ابولہب نے پٹخ دیا اور

۱؎ ابوداؤد جلد ا ص ۱۶۶،
۲؎ ابن سعد جز ۴ ق ا ص ۵۱،
۳؎ ابوداؤد جلد ا ص ۲۷۳ و مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۹۸

سینہ پر چڑھ کر جہاں تک مار سکا مارا، حضرت عباسؓ کی بیوی سے یہ ظلم نہ دیکھا گیا، انہوں نے ایک ستون اٹھا کر اس زور سے مارا کہ اس کا سر کھل گیا اور بولیں اس کا آقا موجود نہیں اس لئے کمزور سمجھ کر مارتا ہے[۱]

ہجرت...... بدر کے بعد ہجرت کر کے مدینہ گئے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ مقیم ہوئے[۲]

غزوات...... بدر کے علاوہ احد، خندق وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے، آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کی امارت میں یمن کی طرف جو سریہ بھیجا تھا، اس میں یہ بھی تھے، چنانچہ حضرت علیؓ نے اپنی عدم موجودگی میں سریہ کی نگرانی ان کے سپرد کی تھی۔[۳]

وفات...... حضرت علیؓ کے ابتدائی زمانہ خلافت میں وفات پائی۔[۴]

اولاد...... وفات کے وقت ۶ اولادیں تھیں، حسن، رافع، عبیداللہ، معتمر، مغیرہ اور سلمی۔[۵]

فضل وکمال...... اسلام نے غلاموں کو ہر قسم کی ترقی کے جو مواقع عطا کیے ہیں، ابورافع اس کی بہترین مثال تھے، گو یہ غلام تھے، لیکن فضل وکمال میں آزادوں کے ہمسر تھے، ان کی ۶۸ روایتیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، ان میں سے ایک میں بخاری اور ۳ میں مسلم منفرد ہیں۔[۶]

آزادی کے بعد بھی آستانہ نبوی کی خدمت گذاری کا فخر نہ چھوٹا اس لئے ان کو معمولات نبویؐ کے متعلق بہت معلومات تھے، اوران کے بارے میں اکابر صحابہ ان سے استفادہ کرتے تھے، ابن عباسؓ ان کے پاس ایک کاتب لے کر آتے تھے اور سوال کرتے تھے، رسول ﷺ نے فلاں فلاں دن کیا کیا یہ بیان کرتے جاتے تھے، اور کاتب قلم بند کرتا جاتا۔[۷]

تلامذہ...... ان کے سرچشمہ فضل وکمال سے سیراب ہونے والوں کا دائرہ خاصہ وسیع تھا چنانچہ ان کے لڑکوں میں حسن، رافع، معتمر، عبیداللہ، پوتوں میں حسن، صالح اور عام لوگوں میں عطاء بن یسار، ابوغطفان بن طریف، ابوسعید مقبری اور سلیمان بن یسار ان کے خوشہ چینوں میں تھے۔[۸]

عام حالات...... آنحضرت ﷺ نے اگرچہ ابورافع کو آزاد کر دیا تھا، مگر وہ بدستور آپ کی غلامی میں گرفتار رہے، آزادی کے وقت آنکھیں بے اختیار اشکبار ہو گئیں، لوگوں نے کہا آزادی میں رونے کا کیا موقع ہے، کہا آج سے ایک اجر جاتا رہا،[۹] اس کے بعد اگرچہ قانوناً آزاد ہو گئے

---

[۱] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۵۱، [۲] ایضاً ص ۵۲،
[۳] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۹۸، [۴] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۹۱
[۵] تہذیب التہذیب جلد ۱۲ ص ۹۲، [۶] تہذیب الکمال ص ۴۳۹،
[۷] اصابہ جلد ۴ ص ۳۹ [۸] تہذیب التہذیب حوالہ مذکور
[۹] مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۳۲۳

تھے، لیکن خدمت گذاری کا شرف نہیں چھوڑا، چنانچہ سفر وغیرہ میں خیمہ یہی نصب کرتے تھے،[1]
آقائے دوعالمؐ کے ساتھ غلامی کی نسبت بہت محبوب تھی، ہمیشہ اپنے کو آنحضرت ﷺ کا غلام کہتے
تھے، عمرو بن سعید بن عاص نے مدینہ کی امارت کے زمانہ میں اپنا غلام کہلانا چاہا، لیکن یہ برابر
انکار کرتے رہے، تاآنکہ سعید نے ۵۰۰ کوڑے لگا کر زبردستی اپنا غلام کہلایا۔[2]

---

[1] مسلم ج اول ص ۵۰۲ [2] تہذیب التہذیب حوالہ مذکور

حضرت سعید بن عامر بن خدیمؓ

نام ونسب...... سعید نام، سلسلۂ نسب یہ ہے، سعید بن عامر بن خدیم بن سلامان بن ربیعہ بن سعد ابن حج بن عمرو بن ہصیص بن کعب، ماں کا نام اروی تھا، ننہالی سلسلۂ نسب یہ ہے اروی بنت ابی معیط بن ابی عمرو بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔[1]

اسلام وہجرت...... غزوۂ خیبر سے قبل مشرف باسلام ہوئے، اسلام لانے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔[2]

غزوات...... مدینہ آنے کے بعد سب سے اول غزوۂ خیبر میں شریک ہوئے، پھر تمام لڑائیوں میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب رہے۔[3]

جنگ یرموک...... حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں جب حضرت ابوعبیدہؓ نے یرموک کی مہم کے لئے مزید امدادی فوج طلب کی تو حضرت عمرؓ نے ان کو ایک جمعیت کے ساتھ روانہ کیا اس مہم میں انہوں نے بڑے نمایاں کارنامے دکھائے۔

حمص کی گورنری...... عیاض بن غنمؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے ان کی جگہ ابن عامر کو حمص کی گورنری پر مامور کیا، ان کے عہد حکومت میں کسی نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی کہ سعید پر جنون کا اثر رہتا ہے، آپ نے ان کو تحقیق کے لئے طلب کیا، اس طلبی پر حمص کا والی اس سروسامان سے آیا کہ ہاتھ میں ایک عصا تھا، اور کھانے کے لئے ایک پیالہ حضرت عمرؓ نے پوچھا بس اس قدر سامان ہے عرض کی اس سے زیادہ اور کس چیز کی ضرورت ہے پیالہ میں کھاتا ہوں اور عصا پر زادراہ لٹکاتا ہوں پوچھا میں نے سنا ہے تم پر جنون کا اثر ہے ابن عامر نے اس سے انکار کیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا، پھر مجھ کو کیسے اطلاع ملی کہ تم پر غشی کے دورے ہوتے ہیں، کہا ہاں سچ ہے، اسکا سبب یہ ہے کہ حبیب بن عدی کے مصلوب ہوتے وقت میں بھی موجود تھا اور وہ اس حالت میں قریش کے لئے بددعا کرتے تھے اور چونکہ میں بھی قریشی ہوں، اس لئے جب یہ منظر سامنے آتا ہے تو غشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اس تحقیق کے بعد حضرت عمرؓ نے واپس کرنا چاہا، ابن عامر نے جانے سے انکار کیا، مگر حضرت عمرؓ نے مجبور کر کے واپس کیا۔[5]

وفات...... سن وفات میں اختلاف ہے، بعض ۱۹ اور بعض ۲۱ بتاتے ہیں، وفات کے وقت چالیس سال کی عمر تھی۔[6]

---

[1] ابن سعد جز ۴ قسم ۲ ص ۱۳،　[2] اصابہ جلد ۳ ص ۹۹،　[3] استیعاب ج ۲ ص ۵۷۶،
[4] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۱۱،　[5] ایضاً　[6] اسد الغابہ ج ص ۳۱۱

فقر و درویشی...... ابن عامرؓ کا زہد و تقویٰ درجہ کمال کو پہنچا ہوا تھا، حمص کی گورنری کے زمانہ میں اس فقیرانہ شان سے رہتے تھے، کہ ان میں اور عام مساکین میں کوئی امتیاز باقی نہ رہا تھا، حضرت عمرؓ جب حمص گئے تو وہاں کے فقراء کے معاش کا انتظام کرنے کے لئے ان کی فہرست طلب کی، فہرست تیار ہو کر آئی تو منجملہ اور ناموں کے ایک نام سعید بن عامر بھی تھا، حضرت عمرؓ نے پوچھا، یہ سعید بن عامر کون ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا امیر المومنین ہمارے اور آپکے امیر آپ نے حیرت سے پوچھا کہ تمہارا امیر اور فقیر! وظیفہ کیا کرتا ہے؟ لوگوں نے کہا، اس کو وہ ہاتھ نہیں لگاتے، حضرت عمرؓ یہ زہد و ورع سن کر رونے لگے اور فوراً ایک ہزار دینار کی تھیلی ابن عامر کے پاس بھیجی کہ اس کو اپنی ضروریات میں صرف کریں، سعید نے اس کو دیکھتے ہی انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا بیوی نے پوچھا خیریت ہے، کیا امیر المومنین کو خدانخواستہ کوئی گزند پہنچا فرمایا اس سے زیادہ اہم حادثہ ہے، بیوی نے کہا کیا قیامت آگئی، فرمایا قیامت سے بھی زیادہ خطرناک، انہوں نے کہا آخر معاملہ کیا ہے، فرمایا دنیا فتنوں کو لے کر میرے پاس آئی ہے وہ بولیں پھر کوئی تدارک کرو، انہوں نے یہ تدارک کیا کہ پوری رقم ایک توبڑے میں ڈال دی اور ساری رات نماز پڑھتے رہے، صبح کو جب اسلامی لشکر ادھر سے گذرا تو کل روپیہ اٹھا کر اس کی ضروریات کے لئے دے دیا۔[1]

محکوم کی ہمدردی...... محکوموں کی ہمدردی و غمخواری آپ کا نمایاں وصف تھا، جہاں حاکم رہے وہاں کی رعایا آپ کی ہمدردی کی گرویدہ رہی شام کی رعایا آپ سے بہت خوش رہتی تھی، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ شام والے تم سے اس قدر محبت کیوں کرتے ہیں کہا میں ان کی گلہ بانی کے ساتھ ان کے غمخواری بھی کرتا ہوں، آپ نے خوش ہو کر دس ہزار کی گراں قدر رقم ان کو دینا چاہی، انہوں نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ میرے گھوڑوں اور غلاموں کی آمدنی میرے لئے کافی ہے، میں چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کا کام فی سبیل اللہ کروں، حضرت عمرؓ نے اصرار کیا کہ اس کو لے لو، واپس نہ کرو، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو کچھ مال دیا تھا، میں نے بھی تمہاری طرح یہی جواب دے کر واپس کرنا چاہا تھا، تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر بغیر سوال کے خدا دے تو اس کو لے لیا کرو کہ وہ اس کا عطیہ ہے۔[2]

---

[1] ایضاً
[2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۸۶

حضرت عقیل بن ابی طالبؓ

نام ونسب...... عقیل نام، ابو یزید کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے، عقیل بن ابی طالب بن عبدالمطلب ابن ہاشم بن عبد مناف القرشی الہاشمی، ماں کا نام فاطمہ تھا، آپ حضرت علیؓ کے سوتیلے بھائی اور عمر میں ان سے بیس سال بڑے تھے۔[1]

بدر میں گرفتاری...... عقیل کا دل ابتدا سے اسلام کی طرف مائل تھا، لیکن مشرکین مکہ کے خوف سے علی الاعلان اسلام نہیں قبول کر سکتے تھے، چنانچہ بدر میں بادل ناخواستہ مشرکین کے ساتھ شریک ہوئے ان کو شکست ہوئی تو دوسرے مشرکین کے ساتھ یہ بھی گرفتار ہوئے آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ دیکھو میرے گھرانے والوں میں کون کون لوگ گرفتار ہوئے، آپ نے تحقیقات کر کے عرض کیا کہ نوفل، عباس اور عقیل گرفتار ہوئے ہیں یہ سن کر آنحضرت ﷺ خود بہ نفس نفیس تشریف لائے اور عقیل کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا کہ ابوجہل قتل ہوگیا، عقیل بولے اب تہامہ میں مسلمانوں کا کوئی مزاحم باقی نہیں رہا عقیل کے ہاتھ مال ودولت سے خالی تھے، اس لئے حضرت عباسؓ نے اپنی جیب سے ان کا فدیہ دے کر ان کو آزاد کرایا۔[2]

اسلام وہجرت اور غزوات...... آزاد ہونے کے بعد مکہ واپس گئے اور ۸ھ میں باقاعدہ اسلام لا کر ہجرت کا شرف حاصل کیا اور غزوۂ موتہ میں شریک ہو کر پھر مکہ واپس گئے، وہاں جا کر بیمار پڑ گئے، اس لئے فتح مکہ، طائف اور حنین میں شرکت سے معذور رہے،[3] لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حنین میں شریک ہوئے، بلکہ جب مسلمانوں کو ابتدا میں شکست ہوئی اور مہاجرین وانصار کے پاؤں اکھڑ گئے تو اس وقت بھی یہ ثابت قدم رہے۔[4]

عہد مرتضوی...... خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں کہیں پتہ نہیں چلتا، حنین کے بعد امیر معاویہؓ اور جناب امیرؓ کے اختلافات کے زمانہ میں نظر آتے ہیں، یہ گو حضرت علیؓ کے بھائی تھے، لیکن اپنی ضروریات کی بنا پر حضرت امیر معاویہؓ سے تعلقات رکھتے تھے، اور مدینہ چھوڑ کر شام چلے گئے تھے، اس کا سبب یہ تھا کہ عقیل مفلس، مقروض اور روپیہ کے حاجت مند تھے اور جناب امیرؓ کے یہاں یہ شے عنقا تھی، اور امیر معاویہؓ کا خزانہ ہر شخص کے لئے کھلا ہوا تھا، اس لئے افلاس و ناداری نے امیر معاویہؓ کا ساتھ دینے پر مجبور کر دیا تھا، امیر معاویہؓ کے پاس جانے سے پہلے

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۴۲۲، [2] ابن سعد جزء ۴ ق ۱ ص ۲۹،
[3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۴۲۲، [4] اصابہ جلد ۴ ص ۲۵۵

ایک مرتبہ قرض کی ادائیگی کی فکر میں حضرت علیؓ کے پاس بھی گئے تھے، انہوں نے بڑی پذیرائی کی، حسنؓ کو حکم دیا، انہوں نے لاکر کپڑے بدلائے، شام کو دستر خوان بچھا تو صرف روٹی، نمک اور ترکاری آئی، عقیلؓ نے کہا بس یہی سامان ہے حضرت علیؓ نے فرمایا، ہاں! عقیل نے مطلب بیان کیا کہ میرا قرض ادا کردو، حضرت علیؓ نے پوچھا کس قدر ہے، کہا ۴۰ ہزار آپ نے جواب دیا، میرے پاس اتنا روپیہ کہاں؟ تھوڑا صبر کیجئے جب چار ہزار میرا وظیفہ ملے گا تو آپ کو دے دوں گا، عقیل نے کہا تم کو کیا دشواری! بیت المال تمہارے ہاتھ میں ہے، مجھ کو وظیفہ کے انتظار میں کب تک رکھو گے، حضرت علیؓ نے فرمایا میں مسلمانوں کا امین ہوں، آپ چاہتے ہیں کہ خیانت کر کے ان کا مال آپ کے حوالہ کردوں یہ جواب سن کر عقیل چلے گئے اور امیر معاویہؓ کے پاس پہنچے، امیر معاویہؓ نے پوچھا تم نے علیؓ اور ان کے ساتھیوں کو کیسا پایا، جواب دیا، وہ لوگ رسول کے صحیح صحابی ہیں، بس صرف اس قدر کمی ہے کہ آنحضرت ﷺ ان میں نہیں ہیں، اور تم اور تمہارے ساتھی ٹھیک ابوسفیان کے حواریوں کی طرح ہو، مگر اس موزانہ کے بعد بھی دوسرے دن امیر معاویہؓ نے دربار میں انہیں بلوا کر پچاس ہزار درہم دلوائے۔[1]

عقیل کے شام جانے کے بعد امیر معاویہؓ لوگوں کے سامنے ان کو مثال میں پیش کر کے ان کو اپنی حمایت پر آمادہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر میں حق پر نہ ہوتا تو علیؓ کے بھائی ان کو چھوڑ کر میرا ساتھ کیوں دیتے، ایک مرتبہ لوگوں کے سامنے یہی دلیل پیش کر رہے تھے، عقیلؓ بھی موجود تھے، انہوں نے جواب دیا کہ میرا بھائی دین کے لئے بہتر ہے اور تم دنیا کے لئے، یہ دوسری بات ہے کہ میں نے دنیا کو دین پر ترجیح دی، رہا آخرت کا معاملہ تو اس کے لئے اس کے لئے خدا سے حسن خاتمہ کی دعا کرتا ہوں۔[2]

وفات...... امیر معاویہؓ کے اخیر عہد یا یزید کے ابتدائی زمانہ میں وفات پائی۔[3]

اہل وعیال...... عقیلؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، ان کی بیوی اور اولادوں کے نام یہ ہیں۔

بیوی	اولاد
ام سعید	یزید، سعید
خلیلہ	علی، محمد، رملہ
ام بنین	جعفر، اکبر، ابوسعید، احول
ام ولد	
اسماء بنت سفیان	مسلم، عبداللہ، عبدالرحمن، عبداللہ، الاصغر

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۴۲۳، [2] ایضاً، [3] اصابہ جلد ۴ ص ۲۵۵

ان کے علاوہ جعفر، اصغر، حمزہ، عثمان، ام ہانی، اسماء، فاطمہ، ام قاسم، زینب اور ام نعمان وغیرہ مختلف لونڈیوں کے بطن سے تھیں۔[1]

ذریعۂ معاش...... آنحضرت ﷺ نے خیبر کی پیداوار سے ڈیڑھ سو وسق سالانہ مقرر فرمایا تھا۔[2]

استعداد علمی...... ہجرت کے بعد پھر مکہ لوٹ گئے تھے اور عرصہ تک وہاں مقیم رہے، اس لئے صحبت نبوی سے فیضیاب ہونے کا بہت کم موقع ملا، اسی لئے رسول کے عزیز ہونے کی حیثیت سے علم میں ان کا جو پایہ ہونا چاہیے تھا، وہ نہ پیدا ہو سکا، تاہم حدیث کی کتابوں میں ان کی دو چار روایتیں موجود ہیں، محمد حسن بصری اور عطا آپکے زمرۂ رواۃ میں ہیں۔[3]

مذہبی علوم کے علاوہ جاہلی میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے، چنانچہ علم الانساب کے جو عربوں کا خاص علم تھا، بڑے ماہر تھے، ایام عرب کی داستانیں بھی ان کو از بر تھیں اور ان علوم میں لوگ ان سے استفادہ کرتے تھے، چنانچہ مسجد نبویؐ میں نماز کے بعد بیٹھتے تھے اور لوگ ان سے مستفید ہوتے تھے۔[4]

آنحضرت ﷺ کی محبت...... آنحضرت ﷺ ان سے بہت محبت کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ ابو زید مجھ کو تمہارے ساتھ دوہری محبت ہے، اسی قرابت کے سبب سے، دوسری اس وجہ سے کہ میرے چچا تم کو محبوب رکھتے تھے۔[5]

پابندی سنت...... عقیل شادی و مسرت کے موقعوں پر بھی جبکہ لوگ عموماً کچھ نہ کچھ بے اعتدالی کر جاتے ہیں مسنون طریقوں کا لحاظ رکھتے تھے، ایک مرتبہ نئی شادی کی، صبح کو احباب مبارک باد دینے آئے اور عرب کے قدیم دستور کے مطابق ان الفاظ میں تہنیت پیش کی کہ " بالرفاء والبنین" اگرچہ ان الفاظ میں کوئی خاص قباحت نہیں تھی، لیکن چونکہ مسنون طریقہ تہنیت موجود تھا، اس لئے کہا کہ یہ نہ کہو بلکہ، "بارک اللہ لک و بارک اللہ علیک" کہو کہ ہم کو اسی کا حکم ملا ہے۔[6]

---

[1] ابن سعد جزء ۴ ق ۱ ص ۲۹۔
[2] بلاذری جلد ۳ ص ۲۲۲۔
[3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۷۶۔
[4] مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۲۰۱۔
[5] تہذیب الکمال ص ۲۷۰۔
[6] استیعاب جلد ۲ ص ۵۲۳

حضرت نوفل بن حارثؓ

نام ونسب ...... نوفل نام، ابو حارث کنیت، نسب نامہ یہ ہے، نوفل بن حارث بن عبد المطلب ابن ہاشم بن عبد مناف بن قصی قرشی ہاشمی، ماں کا نام غزیہ تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے، غزیہ بنت قیس بن طریف بن عبد العزیٰ بن عامرہ بن عمیرہ بن ودیعہ بن حارث بن فہر، نوفل، آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی تھے۔

بدر ...... دعوت اسلام کے زمانہ میں آنحضرت ﷺ کے عزیز قریب بھی آپ کے دشمن ہو گئے تھے، لیکن نوفل کے خون میں ہمیشہ یکساں برادارانہ محبت قائم رہی، چنانچہ حالت شرک میں بھی آپ سے مقابلہ کرنا پسند نہ کرتے تھے، بدر میں جب طوعاً وکرہاً مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کو نکلے، اس وقت یہ پرخلوص اشعار ورد زبان تھے۔

حرام علی حرب احمد اننی
اری احمد امنی قریبا اواصرہ

مجھ پر احمد سے جنگ کرنا حرام ہے، وہ میرے قریبی عزیز ہیں

اسلام ...... بدر میں جب مشرکین کو شکست ہوئی تو دوسرے قیدیوں کے ساتھ یہ بھی گرفتار ہوئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، نوفل فدیہ دے کر رہا ہو جاؤ، عرض کی یا رسول اللہ! میرے پاس فدیہ کے لائق کوئی چیز نہیں، فرمایا جدہ والے نیزے فدیہ میں دو، اس کے جواب میں انہوں نے آپ کی رسالت کا اعتراف کیا اور ہزار نیزے فدیہ میں پیش کیے اور ذیل کے اشعار میں اپنے خیالات کا اظہار کیا[1]

الیکم الیکم اننی لست منکم
تبرات من دین الشیوخ الاکابر

دور ہو، دور ہو، میں تمہاری جماعت میں نہیں ہوں، میں قریش کے بڑے بوڑھوں کے دین سے بیزار ہوں۔

شھدت علی ان النبی محمد
اتی بالھدی من ربہ و البصائر

میں نے شہادت دی ہے کہ محمد نبی ہیں اور خدا کی جانب سے وہ ہدایت اور بصیرت لائے ہیں۔

---

[1] ابن سعد جز ۴ ق اص ۳۰

و ان رسول اللہ یدعوا الی التقی

و ان رسول اللہ لیس لشاعر

اور رسول اللہ تقویٰ کی طرف بلاتے ہیں اور رسول اللہ شاعر نہیں ہیں۔

علی ذلک احی ثم لبث موقنا

و اثوی علیہ میتا فی المقابر

میں اسی پر زندہ رہوں گا اور اسی پر میں قبر میں موت کی حالت میں سوؤں گا اور

پھر اسی پر قیامت کے دن اٹھوں گا۔

اسلام کے بعد پھر مکہ واپس چلے گئے، غزوہ خندق یا فتح مکہ کے زمانہ میں حضرت عباسؓ کے ساتھ مدینہ کے قصد سے روانہ ہوئے، ابواء پہنچ کر ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب نے لوٹنے کا ارادہ کیا، نوفلؓ نے کہا، اس شرک کدہ میں کہاں جاتے ہو، جہاں کے آدمی رسول اللہ سے لڑتے اور ان کی تکذیب کرتے ہیں، اب خدا نے رسول ﷺ کو عزت دی ہے، اور ان کے ساتھی بھی زیادہ ہو گئے ہیں، ہمارے ساتھ چلے چلو، چنانچہ یہ قافلہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچا۔[1]

نوفل اور عباسؓ سے قدیم تعلقات تھے، اس لیے آنحضرت ﷺ نے ان دونوں میں مواخات کرادی اور قیام کے لیے دو مکان مرحمت فرمائے، ایک مکان رحبۃ القضا میں مسجد نبویؐ کے متصل تھا اور دوسرا بازار میں ثنیۃ الوداع کے راستہ پر۔[2]

غزوات...... مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے فتح مکہ میں شریک ہوئے، پھر طائف وحنین وغیرہ میں داد شجاعت دی، خصوصاً حنین میں نہایت شجاعت و پامردی سے مقابلہ کیا اور اس وقت بھی جب مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور وہ بے ترتیب ہو گئے ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی،[3] اس غزوہ میں انہوں نے مسلمانوں کی بڑی گراں قدر مدد کی تھی، ۳ ہزار نیزے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیے، آپ نے مدحیہ فرمایا "میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے نیزے مشرکوں کی پیٹھ توڑ رہے ہیں"۔

وفات...... حضرت عمرؓ کے خلیفہ ہونے کے ایک سال ۳ ماہ بعد مدینہ میں وفات پائی حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں سپرد خاک کیا۔[4]

اولاد...... وفات کے بعد متعدد اولادیں چھوڑیں، عبد اللہ، عبد الرحمٰن ربیعہ، سعید، مغیرہ، نوفل کی اولاد مدینہ، بصرہ اور بغداد میں بکثرت پھیلی، عبد اللہ، امیر معاویہؓ کے زمانہ میں مدینہ کے

---

[1] ابن سعد جزء ۴ ق ۱ ص ۳۰۔

[2] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۴۶۔

[3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۴۶

[4] ابن سعد جزء ۴ ق ۱ ص ۳۱

قاضی اور سعید فقیہ تھے۔[1]

عام حالات:

آنحضرت ﷺ وقتاً فوقتاً ان کی خبر گیری فرمایا کرتے تھے، ان کو شادی کی ضرورت ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے ایک عورت سے شادی کرادی، ان کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان نہ تھا، آنحضرت ﷺ نے ابو رافع اور ابو ایوب کے ہاتھ اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی اور اسکے بدلے تیس صاع جَو لے کر عطا کی۔[2]

---

[1] ابن سعد ج ۴ ق ا ص ۱۳۱

[2] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۴۶

حضرت فضل بن عباسؓ

نام ونسب...... فضل نام، ابو محمد کنیت، "ہمرکاب رسول" لقب، سلسلۂ نسب یہ ہے، فضل ابن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی، ماں کا نام لبابہ تھا، آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی تھے۔

اسلام...... بدر کے قبل مشرف باسلام ہوئے[1] اس زمانہ میں ان کا پورا گھر اسلام سے منور ہو چکا تھا، لیکن مشرکین کے خوف سے اعلان نہیں کیا تھا۔[2]

ہجرت...... فتح مکہ کے کچھ دنوں پہلے اپنے والد بزرگوار حضرت عباس کے ساتھ ہجرت کی۔

غزوات...... ہجرت کے بعد غزوۂ فتح ہوا، سب سے پہلے اسی غزوہ میں فضل شریک ہوئے۔ اس کے بعد حنین کا معرکہ پیش آیا، اس میں غیر معمولی جان فروشی دکھائی، اور مسلمانوں کی ابتدائی شکست میں جب فوج کا بڑا حصہ منتشر ہوگیا، ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی اور بدستور پیکر اقدس کے ساتھ جمے رہے۔[3]

پھر حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس شان سے نکلے کہ آپ کی سواری پر سوار تھے، اسی دن سے "ردف رسول" یعنی ہمرکاب رسول لقب ہوگیا، اسی درمیان میں قبیلہ خثعم کی ایک نوجوان اور خوبصورت عورت حج کے متعلق ایک مسئلہ پوچھنے آئی، حج میں منہ چھپانا عورتوں کے لیے درست نہیں، اس لیے اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا، فضل بھی نہایت خوش رو تھے، وہ ان کی طرف گھورنے لگی اور یہ بھی اس کو دیکھنے لگے آنحضرت ﷺ بار باران کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیتے تھے، مگر یہ پھر اس کی طرف رخ کر دیتے آخر میں آپ نے فرمایا: "برادر عزیز! آج کے دن جو شخص آنکھ، کان اور زبان پر قابو رکھے گا اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے"[4] رمی جمار کے وقت آنحضرت ﷺ کی پشت پر چادر آڑ کیے ہوئے سایہ کیے کھڑے تھے۔[5]

آخری سعادت...... فضلؓ نے آنحضرت ﷺ کی آخری خدمت کی سعادت بھی حاصل کی، آپ نے مرض الموت میں جو آخری خطبہ دیا تھا، اس کے لیے دو سعادت مندوں کے

---

[1] ابن سعد جزو ۴ ق ۱ ص ۳۷،
[2] مسند احمد بن حنبل بروایت ابو رافع،
[3] ابن سعد جزو ۴ ق ۱ ص ۳۷،
[4] ابن سعد جزو ۴ ق ۱ ص ۳۷ تھوڑے تغیر کے ساتھ یہ واقعہ بخاری کتاب العمرہ باب حج المرأۃ میں بھی مذکور ہے،
[5] ابو داؤد ج ۱ ص ۹۶

سہارے زنانخانہ سے باہر تشریف لائے تھے، ان میں سے ایک حضرت فضل تھے، اور ان ہی کے ذریعہ سے مسلمانوں میں خطبہ دینے کا اعلان کرایا تھا۔ا سب سے آخری سعادت جسد اطہر کے غسل کی حاصل ہوئی، چنانچہ جن لوگوں نے آپ ؐ کو غسل دیا تھا، ان میں ایک فضل بھی تھے، وہ پانی ڈالتے تھے اور حضرت علیؓ نہلاتے تھے۔۲

وفات...... آپ کی وفات کے بارہ میں مختلف روایتیں ہیں، بعض کہتے ہیں کہ شام میں طاعون عمواس میں وفات پائی، بعض کا خیال ہے کہ اجنادین کے معرکہ میں شہید ہوئے، دوسری روایت زیادہ مستند ہے، امام بخاری نے بھی اس پر اعتماد کیا ہے۔۳

حلیہ...... نہایت حسین وجمیل تھے۔۴

اہل وعیال...... اولاد میں صرف ام کلثوم تھیں، جن کے ساتھ بعد میں حضرت حسنؓ نے شادی کی اور ان کی طلاق کے بعد ابو موسی اشعریؓ کے عقد میں آئیں۔۵

فضل وکمال...... فضل بن عباسؓ سے ۲۴ حدیثیں مروی ہیں، ان میں ۳ متفق علیہ ہیں،۶ اکابر صحابہ میں ابن عباسؓ، اور ابو ہریرہؓ اور عام لوگوں میں کریب قثم بن عباس بن عبید اللہ ربیعہ بن حارث، عمیر، ابو سعید، سلیمان بن یاسر، شعبی، عطاء بن ربی رباح، وغیرہ نے روایتیں کی ہیں۔۷

---

۱ اصابہ ج ۵ ص ۲۱۲، ۲ استیعاب جلد ۲ ص ۵۳۵،
۳ اصابہ ج ۵ ص ۲۱۲، ۴ ایضاً،
۵ استیعاب جلد ۲ ص ۵۳۵، ۶ تہذیب الکمال ص ۳۰۹،
۷ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۸۰

حضرت طلیب بن عمیرؓ

نام ونسب ...... طلیب نام، ابوعدی کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے، طلیب بن عمیر بن وہب بن عبد بن قصی بن کلاب بن مرہ قرشی عبدری، آپ کی ماں اروی عبدالمطلب کی لڑکی اور آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں۔[1]

اسلام ...... آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں پناہ گزین ہونے کے بعد دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے، قبول اسلام کے بعد گھر اور ماں سے کہا "میں خلوص دل سے اسلام لاکر محمدؐ کا پیرو ہوگیا ہوں"، ان نیک خاتون نے جواب دیا کہ تمہارے بھائی غیروں سے زیادہ تمہاری مدد کے مستحق ہیں، اگر مجھ میں مردوں جیسی قوت ہوتی تو ان کو کفار کی دراز دستیوں سے بچاتی، ماں کے اس شریفانہ جذبات کو سن کر کہا کہ پھر آپ کو اسلام لانے سے کیا چیز روکتی ہے، آپ کے بھائی حمزہ بھی اسلام لاچکے تھے، بولیں مجھ کو اپنی بہنوں کا انتظار ہے کہ وہ کیا کرتی ہیں، ان کے بعد میں بھی ان ہی کی پیروی کروں گی، طلیب نے اصرار کیا کہ میں آپ کو خدا کا واسطہ دلاتا ہوں، آپ محمدؐ کے پاس چلیے اور ان کی رسالت اور خدا کی توحید کا قرار کیجئے۔

ماں کا اسلام ...... ان خاتون کا دل شروع سے آنحضرت ﷺ کی جانب مائل تھا، اس لیے اس اصرار پر انکار کی ہمت نہ ہوئی اور اسی وقت کلمہ توحید زبان پر جاری ہوگیا۔

اروی عورت تھیں مگر اسلام کے بعد مردانہ ہمت واستقلال کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی امکانی مدد کرتی رہیں، نسائیت کی وجہ سے عملی امداد سے تو مجبور تھیں، مگر زبان سے جو کچھ بن پڑتا تھا، کہتی تھیں اور اپنے فرزند کو آنحضرت ﷺ کی امداد واعانت پر آمادہ کرتی تھیں۔[2]

آنحضرت ﷺ کی مدد ...... ابتدائے اسلام میں جب آنحضرت ﷺ پر ظلم وستم کی بجلیاں گرج گرج کر برستی تھیں، طلیبؓ آنحضرت ﷺ کی حمایت کرتے تھے، مشرکین نے حضور انور کی ایذا رسانی کو اپنا مستقل شیوہ بنالیا تھا، ایک مرتبہ عوف بن صبرہ سہمی آپ کی شان میں ناروا الفاظ استعمال کررہا تھا، طلیبؓ نے اس کو اونٹ کی ہڈی سے مار کر زخمی کردیا تھا، لوگوں نے ان کی ماں سے شکایت کی، ان نیک خاتون نے جواب دیا۔[3]

ان طلیبا نصر ابن خالہ
واساہ فی ذمہ ومالہ

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۹۵۔ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۳۹۔
[3] اصابہ ج ۳ ص ۲۹۵

طلیب نے اپنے ماموں کے بیٹے کی مدد کی اور اس کے خون اور اس کے مال کی غمخواری کی۔

ایک مرتبہ ابواہاب بن عزیز دارمی کو قریش نے آنحضرت ﷺ کے مارنے پر آمادہ کیا، مگر قبل اس کے کہ وہ یہ ناپاک ارادہ پورا کرتا، حضرت طلیبؓ سے ملاقات ہوگئی، آپ نے اس کے ارادہ فاسد کو اسی کے ساتھ پورا کر دکھایا۔

مشرکین کا سرغنہ ابولہب جو مسلمانوں کی ایذا رسانی میں سب سے آگے رہتا تھا، ان کا حقیقی ماموں تھا، جب اس نے مسلمانوں کو قید کیا تو طلیبؓ نے اس کو مارنے میں بھی دریغ نہ کیا، اس جرأت پر مشرکین نے ان کو باندھ دیا، لیکن ابولہب کے بھانجے تھے، اس لیے اس نے خود چھوڑ دیا اور اپنی بہن سے شکایت کی، انہوں نے جواب دیا کہ طلیب کی زندگی کا بہترین دن وہی ہے، جس میں وہ محمد کی مدد کریں۔[1]

ہجرت و مواخات...... کفار مکہ کے ظلم و ستم کا مقابلہ کرنا آسان نہ تھا، اس لیے ہجرت ثانیہ میں حبشہ چلے گئے، وہاں سے مدینہ آئے عبداللہ بن سلمہ عجلانی کے مہمان ہوئے۔[2]

بدر...... جس شخص نے ظلم و ستم کی گھٹاؤں میں رسول ﷺ کی علانیہ مدد کی وہ آزادی ملنے کے بعد کب خاموش رہ سکتا تھا، اس لیے مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے معرکہ بدر عظمیٰ میں شریک ہو کر حق شجاعت ادا کیا۔[3]

وفات...... بدر کے بعد سے وفات تک کے حالات پردہ میں ہیں، لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی بھر جہاد میں شریک ہوتے رہے، چنانچہ اسی سلسلہ میں اجنادین کی جنگ میں جمادی الاولیٰ ۱۳ھ میں شہادت پائی، وفات کے وقت کل ۵۳ سال کی عمر تھی، اولاد کوئی نہ تھی۔[4]

---

[1] اصابہ جلد ۳ ص ۲۹۵۔

[2] ابن سعد جزء ۳ ق ۱ ص ۸۷۔

[3] استیعاب جلد ۱ ص ۲۱۶۔

[4] ابن سعد جلد ۳ ۔ ۸۷ ق اول

حضرت ثوبانؓ

نام ونسب...... ثوبان نام، ابوعبداللہ کنیت، خاندانی تعلق یمن کے مشہور حمیری خاندان سے تھا، غلام تھے، آنحضرت ﷺ نے خرید کر آزاد کر دیا، اور فرمایا دل چاہے اپنے خاندان کے پاس چلے جاؤ اور دل چاہے میرے ساتھ رہو، میرے ساتھ رہو گے تو اہل بیت میں شمار ہوگا، انہوں نے خدمت نبویؐ کی حاضری کو اہل خاندان پر ترجیح دی اور زندگی بھر خلوت جلوت میں آپؐ کے ساتھ رہے۔[1]

آپ کی وفات کے کچھ دنوں بعد تک مدینہ ہی میں مقیم رہے، لیکن آقا کے سانحہ رحلت نے گلشن مدینہ کو خار بنا دیا، اس لئے یہاں کا قیام چھوڑ کر رملہ (شام) میں اقامت اختیار کر لی اور مصر کے فتوحات میں شریک ہوتے رہے، پھر رملہ سے منتقل ہو کر حمص میں گھر بنا لیا، اور یہیں ۵۴ھ میں وفات پائی۔[2]

فضل وکمال...... ثوبان رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص تھے اور ان کو خلوت وجلوت ہر وقت ساتھ رہنے کا موقع ملتا تھا، اس لئے قدرۃً وہ علوم نبویؐ سے زیادہ بہرہ ور ہوئے، چنانچہ ان سے ۱۲۷ حدیثیں مروی ہیں، وہ حفظ حدیث کے ساتھ اس کی اشاعت کا فرض بھی ادا کرتے تھے، علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ ثوبان ان لوگوں میں تھے جنہوں نے حدیثیں حفظ کیں اور اسی کے ساتھ ان کی اشاعت بھی کی۔[3]

آپ کے حفظ حدیث کی بنا پر لوگ آپ سے حدیثیں سنتے تھے، ایک مرتبہ لوگوں نے حدیث سننے کی خواہش کی، آپ نے فرمایا جو مسلمان خدا کے لئے ایک سجدہ کرتا ہے، خدا اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کی خطاؤں سے درگذر کرتا ہے۔[4]

محدثین دوسروں سے سنی ہوئی حدیثوں کی تصدیق ان سے چاہتے تھے، معدان بن طلحہ نے جو بلند پایہ محدث تھے، حضرت ابودرداءؓ سے ایک حدیث سنی تو ثوبان سے اس کی تصدیق کی،[5] آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جو جماعت صاحب علم وافتا تھی، اس کے ایک رکن یہ بھی تھے۔[6]

ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی وسیع تھا، معدان بن طلحہؒ، راشد بن سعدؒ، جبیر بن نفیرؒ، عبدالرحمٰن

---

[1] اسد الغابہ جلد ا ص ۲۴۹، ومستدرک حاکم جلد ۵ ص ۴۸۱،

[2] استیعاب جلد اول ص ۸۱ وفات کا ذکر مستدرک میں ہے،

[3] ایضاً، [4] مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۲۷۶،

[5] ابوداؤد ج اول ص ۳۴۷، [6] اعلام الموقعین ج ا ص ۹۵

بن غنم، ابو ادریس خولانی، آپ کے خوشہ چینوں میں تھے۔[1]

اخلاق و عادات...... ان کو احترام نبویؐ میں اتنا غلو تھا کہ غیر مسلموں سے بھی کوئی لفظ ایسا نہیں سن سکتے تھے، جس سے ذرا بھی نبوت کے احترام کو صدمہ پہنچتا ہو، ایک مرتبہ ایک یہودی عالم نے آکر السلام علیک یا محمدؐ! کہا ثوبانؓ بگڑ گئے اور اس زور سے اس کو دھکا دیا کہ وہ گرتے گرتے بچا، اس نے سنبھل کر اس برہمی کا سبب پوچھا بولے تو نے یا رسول اللہ! کیوں نہ کہا وہ بولا، اس میں کیا گناہ تھا کہ میں نے ان کا خاندانی نام لیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہاں میرا خاندانی نام محمدؐ ہے۔[2]

نبوت کا احترام تو بڑی چیز ہے، ثوبانؓ آپ کے ساتھ اپنی غلامی کی نسبت کا بھی احترام کرتے تھے، اگر کوئی شخص اس میں ذرا کمی کرتا تو متنبہ کرتے تھے، حمص کے قیام کے زمانہ میں بیمار ہوئے، یہاں کا والی عبداللہ بن قرط ازدی عیادت کرنے نہیں آیا، آپ نے اس کو ایک رقعہ لکھوایا کہ اگر موسیٰ اور عیسیٰ کا غلام تمہارے یہاں ہوتا، تو تم اس کی عیادت کرتے، والی کو یہ رقعہ ملا تو اس بدحواسی کے ساتھ گھر سے نکلا کہ لوگ سمجھے کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آگیا۔[3] اسی حالت میں آپ کے گھر پہنچا اور دیر تک بیٹھا رہا۔[4]

پاس فرمان رسول...... آنحضرت ﷺ کے فرمان کا اس قدر لحاظ کرتے تھے، کہ جو حکم آپ نے دے دیا وہ ہمیشہ جان کے ساتھ رہا اور ہر اس کام سے احتراز کرتے رہے، جس میں آپ کی عدول حکمی کا کوئی خفیف سا بھی پہلو نکلتا ہو ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ کبھی کسی سے سوال نہ کرنا، اس حکم کے بعد عمر بھر کبھی کسی کے سامنے دست سوال نہ دراز کیا، حتیٰ کہ اگر سواری کی حالت میں کوڑا ہاتھ سے چھوٹ جاتا تو خود اتر کے اٹھاتے مگر کسی کو اٹھانے کو نہ کہتے۔[5]

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۱، [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۸۱،
[3] مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۸۰،
[4] مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۸۰، [5] ایضاً ص ۲۷۷

حضرت عمرو بن عبسہؓ

نام ونسب...... عمرو نام ابو نجیح کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے، عمرو بن عبسہ بن عامر بن خالد بن غاضرہ ابن عتاب ابن امراؤالقیس، ماں کا نام رملہ بنت وقیعہ تھا، یہ خاتون قبیلہ بنی حزام سے تھیں، عمرو مشہور صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ کے ماں جائے بھائی تھے۔[1]

اسلام...... عمرو ابتدا ہی سے سلیم الفطرت تھے، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں جب کہ سارا عرب بت پرستی میں مبتلا تھا، ان کو اس سے نفرت تھی اور بت پرستوں کو گمراہ سمجھتے تھے، بعثت نبوی کی خبر پاکر مکہ آئے، اس وقت آنحضرت ﷺ مشرکین کے معاندانہ روش کے باعث علی الاعلان دعوت اسلام نہیں کرتے تھے، اس لئے عمرو بن عبسہؓ نے خفیہ طور پر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر سوال کیا، آپ کون ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا نبی ہوں، پوچھا نبی کیا چیز ہے؟ فرمایا مجھ کو خدا نے بھیجا ہے، پوچھا کن تعلیمات کے ساتھ؟ فرمایا صلہ رحمی، بت شکنی اور توحید کے ساتھ پوچھا کسی اور نے بھی اس دعوت کو قبول کیا؟ فرمایا ایک غلام اور ایک آزاد نے اس وقت صدیق اکبرؓ اور سرخیل عشاق بلالؓ آپ کے ساتھ تھے، اس سوال و جواب کے بعد عرض کی، مجھ کو بھی خدا پرستوں کے زمرہ میں داخل کیجئے، میں آپ کے ساتھ ہی رہوں گا، فرمایا ایسی حالت میں جب کہ ہر چہار جانب سے میری مخالفت کے طوفان اٹھ رہے ہیں، میرے ساتھ کیسے رہ سکتے ہو اس وقت تم وطن واپس جاؤ، میرے ظہور کے بعد پھر چلے آنا۔

وطن کی واپسی...... غرض مشرف باسلام ہونے کے بعد حسب ارشاد نبوی وطن لوٹ گئے، اور آنے جانے والوں سے برابر حالات کا پتہ چلاتے رہے، اتفاق سے یثرب کے کچھ اشخاص آپ کے یہاں آگئے، ان سے پوچھا کہ جو شخص مدینہ آیا ہے، اس کا کیا حال ہے انہوں نے کہا کہ لوگ جوق در جوق اس کی طرف ٹوٹ رہے ہیں، اس کی قوم نے تو اس کے قتل کر دینے کا تہیہ کر لیا تھا، مگر قتل نہ کرسکی، اب وہ مدینہ آگیا ہے۔

ہجرت...... اس خبر کے بعد مدینہ روانہ ہوگئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنا تعارف کرایا، آپ نے فرمایا، میں نے تم کو پہچان لیا، تم مکہ میں مجھ سے ملے تھے، پھر کچھ صوم و صلوۃ کے مسائل وغیرہ دریافت کرکے وہیں مقیم ہوگئے۔[2]

غزوات...... بدر، احد، حدیبیہ اور خیبر وغیرہ کے معرکے وطن کے زمانہ قیام میں ختم ہو چکے

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۶۱۶، [2] مسلم جلد ۱ ص ۳۰۷، ۳۰۸، و مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۱۲

تھے، سب سے پہلا غزوہ جس میں ابورہم شریک ہوئے فتح مکہ ہے،[1] طائف میں بھی شرکت کا ایک روایت سے پتہ چلتا ہے، ان کا بیان ہے کہ طائف کے محاصرہ میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص خدا کے راستہ میں ایک تیر چلائے گا، اس کے لئے جنت میں ایک دروازہ کھل جائے گا، یہ بشارت سن کر میں نے ۱۶ تیر چلائے [2] طائف کے علاوہ اور کسی غزوہ کی شرکت کی تصریح نہیں ملتی، لیکن اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی بعض غزوات میں شرکت کا شرف حاصل کیا۔

وفات...... زمانہ وفات صحت کے ساتھ نہیں بتایا جا سکتا، ارباب سیر قیاساً آخر عہد عثمانی بتاتے ہیں، چنانچہ صاحب اصابہ نے محض اس قیاس پر کہ یہ عہد عثمانی کے فتنوں اور معاویہؓ کے زمانہ میں کہیں نظر نہیں آتے، ان کا زمانہ وفات آخر عہد عثمانی لکھا ہے،[3] لیکن مسند احمد بن حنبل میں سلیم بن عامر سے روایت ہے کہ امیر معاویہؓ اور رومیوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا، جس کی رو سے امیر معاویہؓ ایک مدت معینہ تک ان پر حملہ نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ یہ اس حساب سے حملہ کی تیاریاں کر کے چلے کہ رومیوں کی سرحد تک پہنچتے پہنچتے میعاد ختم ہو جانے کے ساتھ ہی فوراً حملہ کر دیا جائے، اس وقت حضرت عمرو بن عبسہؓ پکارتے پھرتے تھے، کہ وعدہ وفا کرو، دھوکہ نہ دو۔[4]

اس روایت سے یہ احتمال ہوتا ہے کہ امیر معاویہؓ کے زمانہ تک زندہ تھے، لیکن اگر صاحب اصابہ کا قیاس صحیح مانا جائے تو یہ واقعہ اس عہد کا ہوگا، جب معاویہؓ عہد عثمانی میں شام کے گورنر تھے، کیوں کہ اس زمانہ میں بھی ان کے اور رومیوں کے درمیان نبرد آزمائیاں ہوتی رہتی تھیں۔

فضل وکمال...... عمرو بن عبسہؓ کو گو صحبت نبویؐ سے فیضیاب ہونے کا کم موقع ملا، تاہم جو لمحات بھی میسر آئے ان میں خوشہ چینی سے غافل نہ رہے، چنانچہ مدینہ آنے اور اپنا تعارف کرانے کے بعد سب سے پہلا سوال آنحضرت ﷺ سے یہی کیا کہ علمني ما علمک الله آپ کو جو خدا نے سکھایا ہے، وہ تھوڑا مجھے بھی سکھایئے، اسی لئے اس قلیل مدت کے باوجود آپ کی ۴۸ روایتیں کتب حدیث میں موجود ہیں،[5] اور آپکے رواۃ کے نام حسب ذیل ہیں، عبداللہ بن مسعود، سہیل بن سعد، ابوامامہ باہلی، معدان بن ابی طلحہ، ابوعبداللہ صنابحی، شرحبیل بن سخط وغیرہ۔

---

[1] اصابہ جلد ۵ ص ۵۔ [2] ایضاً ص ۲،
[3] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۱۳، یہ روایت ترمذی میں بھی ہے،
[4] اصابہ جلد ۵ ص ۲، [5] تہذیب الکمال ص ۲۹۱

حضرت ولید بن ولیدؓ

نام ونسب...... ولید نام، سلسلۂ نسب یہ ہے، ولید بن ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم القرشی، مشہور صحابی خالد بن ولیدؓ اور آپ ایک ہی ماں کے بطن سے تھے[1]

بدر کی شرکت اور گرفتاری...... بدر میں مسلمانوں کے خلاف مشرکین کے ساتھ لڑنے نکلے اور شکست کھا کر عبداللہ بن جحش کے ہاتھوں گرفتار ہوئے، دونوں بھائی خالد بن ولیدؓ اور ہشام بن ولید چھڑانے کے لئے آئے، حضرت عبداللہ بن جحش نے چار ہزار فدیہ طلب کیا، خالدؓ کو اتنی بڑی رقم دینے میں تردد ہوا، ہشام نے کہا تم کو کیا لاگ ہوگی، تم تو ان کے بھائی ہو نہیں، اگر عبداللہ اس سے بھی زیادہ مانگیں تو بھی چھڑانا ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رہائی کے معاوضہ میں نقد کے بجائے ان کے والد کی زرہ، تلوار اور خود طلب کی، مجبوراً یہ قیمت بھی ادا کی، اور گلوخلاصی کے بعد بھائیوں کے ساتھ گھر روانہ ہو گئے، ذوالحلیفہ پہنچ کر بھاگ آئے، اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے، دوبارہ جب بھائی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا، جب تم کو اسلام ہی لانا تھا تو پھر فدیہ کے قبل کیوں نہ مسلمان ہو گئے، خواہ مخواہ والد کی نشانیاں بھی ضائع ہوئیں اور کوئی نتیجہ نہ نکلا، کہا اس وقت اس لئے اسلام نہیں لایا کہ میں بھی اپنے قبیلہ کے لوگوں کی طرح فدیہ دے کر آزاد ہونا چاہتا تھا، تا کہ قریش کو یہ طعنہ دینے کا موقع نہ ملے کہ ولید فدیہ کے ڈر سے مسلمان ہو گیا۔

قید محن...... اسلام لانے کے بعد مکہ لوٹ گئے، راستہ میں بھائیوں نے تو کوئی تعرض نہ کیا مگر مکہ پہنچ کر دور سے بلاکشانِ اسلام کی طرح ان کو بھی قید کر دیا، اور عیاش بن ابی ربیعہؓ اور سلمہ بن ہشامؓ کے ساتھ طوق وسلاسل کی نگرانی میں دن کاٹنے لگے، بدر کے قبل آنحضرت ﷺ عیاش اور سلمہ کے لئے دعا فرماتے تھے، بدر کے بعد جب ولید قید ہوئے تو ان کے لئے بھی دعا فرمانے لگے۔

قید سے فرار...... عرصہ تک قید محن کی مصیبتیں جھیلتے رہے، ایک دن موقع پا کر نکل بھاگے اور سیدھے مدینہ پہنچے، آنحضرت ﷺ نے عیاش اور سلمہ کا حال پوچھا، عرض کیا ان پر بہت سختیاں ہو رہی ہیں، ایک بیڑی میں دونوں کے پیر ڈال دیئے گئے ہیں، فرمایا تم واپس جاؤ، وہاں کا لوہار اسلام قبول کر چکا ہے، اس کے یہاں ٹھہرو اور قریش سے آنکھ بچا کر خفیہ عیاش اور سلمہ کے پاس پہنچو اور ان سے کہو کہ میں رسول اللہ ﷺ کا فرستادہ ہوں میرے ساتھ نکل چلو،

---

[1] استیعاب جلد ۲ ص ۶۱۹

ایک کارنامہ...... اس فرمان کے مطابق یہ مکہ پہنچے اور عیاش وسلمہ سے مل کر ان کو آنحضرت ﷺ کا پیام سنادیا، یہ دونوں نکل کر ساتھ ہوگئے، قریش کو خبر ہوئی تو خالد بن ولید نے کچھ لوگوں کو لے کر تعاقب کیا، مگر ناکام رہے اور یہ مختصر قافلہ بخیر وخوبی مدینہ پہنچ گیا۔[1]

عمرۃ القضاء اور خالد کا اسلام...... عمرۃ القضاء میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے خالد اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے، اس لئے کہیں روپوش ہوگئے تھے، کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ کا سامنا نہ ہو، آپ نے ولیدؓ سے فرمایا اگر خالد میرے پاس آئے تو میں ان کا اعزاز واکرام کرتا، مجھ کو سخت تعجب ہے کہ ان جیسے زیرک ودانا شخص کے دل میں ابھی تک اسلام کا اثر نہیں ہوا، چنانچہ ولید نے خالدؓ کو خط لکھا، اس خط سے انکا دل اسلام کی طرف مائل ہوگیا، اور یہ میلان آئندہ چل کر اسلام کی شکل میں ظاہر ہوا۔[2]

وفات..... وفات کے متعلق دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ جب مسلمہ اور ہشام کو چھڑا کر واپس ہورہے تھے، تو مدینہ سے کچھ فاصلہ پر اس قسم کے صدمات پہنچے کہ مدینہ آتے آتے انتقال کر گئے لیکن ارباب سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ عمرۃ القضاء میں موجود تھے، علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں۔ و الصحیح انه شهد مع رسول الله صلى الله عليه وسلم عمرة القضاء،[3] اور عمرۃ القضاء ۷ھ کے آخر میں ہوا، اور اس روایت کی رو سے ان کا انتقال عمرۃ القضاء سے دو سال پہلے ۵ھ میں ماننا پڑے گا، کیونکہ ۲ھ کے آخر میں ایمان لائے اور اسلام کے بعد ہی بھائیوں نے قید کردیا، جس کی مدت زیادہ سے زیادہ دو سال ہوگی، رہائی کے بعد فوراً حضرت سلمہؓ اور ہشامؓ کو چھڑانے گئے، یہ کل مدت ۵ھ سے آگے نہیں بڑھتی دو سال حالت کفر کے، ڈیڑھ سال قید کے اور زیادہ سے زیادہ دو چار مہینہ سلمہؓ اور ہشام کے چھڑانے وغیرہ میں صرف ہوئے ہوں گے، ان کی مجموعی مدت ۵ھ سے آگے نہیں بڑھتی، اس لئے یہ روایت قطعاً غلط ہے، البتہ عمرۃ القضاء کے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہے اور یہ مسلم ہے کہ ۸ھ کے اندر ہی آپ کا انتقال ہوگیا تھا۔[4]

ماں کی بیقراری...... آپ کے انتقال کے وقت آپ کی ماں زندہ تھیں، ان کے دل پر قیامت گذر گئی، یہ دل دوز صدمہ ان کے لئے نا قابل برداشت تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کو ماتم کرنے کی مخصوص اجازت دے دی تھی، اور وہ نہایت دل دوز لہجہ میں یہ مرثیہ پڑھتی تھیں جس کا ایک شعر یہ ہے۔[5]

---

[1] ابن سعد جز ۴ ق اص ۹۷، ۹۸، واستیعاب ترجمہ ولید بن ولید۔
[2] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۹۳۔
[3] استیعاب جلد ۲ ص ۶۲۰۔
[4] ابن سعد جز ۴ ق اص ۹۸ [5] ابن سعد جز ۴ ق ص ۹۸

يا عين فابكي للوليد بن الوليد بن المغيره

كان الوليد بن الوليد فتى العشيرة

اے آنکھو! اس ولید کی یاد پر اشکبار ہو، جو شجاعت اور بہادری میں اپنے باپ کی مثل خاندان کا ہیرو تھا۔

آنحضرت ﷺ نے سنا تو فرمایا یہ نہ کہو بلکہ قرآن کی یہ آیت تلاوت کرو

وجائت سكرة الموت بالحق ذلك ما كنت منه تحيد (ق. ۲)

اور موت کی بے ہوشی ضرور آکر رہے گی اس وقت کہا جائے گا کہ یہ وہ ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔

حضرت سلمہؓ بن ہشام

نام ونسب...... سلمہ نام، سلسلہ نسب یہ ہے، سلمہ بن ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر المخزومی القرشی، ماں کا نام ضباعہ تھا، سلمہؓ مشہور دشمن اسلام ابوجہل کے بھائی تھے۔[1]

اسلام، ہجرت اور شدائد...... دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت کر کے حبشہ گئے، لیکن کچھ دنوں کے بعد اہل مکہ کے اسلام کی غلط خبر سن کر دوسرے مہاجرین کے ساتھ واپس آ گئے، اس خبر کی تردید کے بعد اور لوگ تو واپس چلے گئے، لیکن ان کو ابوجہل نے نہ جانے دیا اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانا شروع کیں، کھانا پینا بالکل بند کر دیا، مار پیٹ بھی کرتا تھا، لیکن یہ وہ نشہ نہ تھا جس کو سختی کی تلخی اتار دیتی، اس لئے اس کی تمام کوششیں ناکام ہوئیں، ابھی اسلام بھی اتنا قوی نہیں ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ کچھ مدد فرماتے لیکن نماز کے بعد سلمہ اور ان کے ساتھیوں کے لئے دعا فرماتے تھے، کہ خدایا ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ربیعہ کو مشرکین مکہ کی سختیوں سے نجات دلا۔[2]

رہائی اور ہجرت...... ولید کے حالات میں ان کے ذریعہ سلمہؓ کی رہائی اور ان کے مدینہ آنے کا واقعہ گذر چکا ہے۔[3]

مغازی...... بدر کا معرکہ ان کی قید کے زمانہ میں ختم ہو چکا تھا، رہائی کے بعد اور تمام لڑائیوں میں برابر شریک ہوتے رہے، غزوۂ موتہ میں جن صحابۂ کرام کے پیر اکھڑ گئے تھے، ان میں ایک سلمہؓ بھی تھے، اس ندامت میں انہوں نے باہر نکلنا چھوڑ دیا، جب باہر نکلتے تو لوگ ''فرار'' بھگوڑا کہہ کر طعنہ زنی کرتے تھے،[4] لیکن رحمۃ للعالمین ''کرار'' حملہ آور کہہ کر حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔[5]

وفات...... عہد صدیقی میں شام کی فوج کشی میں شریک ہوئے، اسی سلسلہ میں حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ۱۴ھ میں مرج روم کے معرکہ میں شہید ہو گئے۔[6]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۴۱، [2] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۹۶،
[3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۵۲ و ابن سعد ص ۹۶،
[4] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۴۰، [5] اصابہ جلد ۳ ص ۱۲۰،
[6] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۵۲

حضرت عبداللہ بن سہیلؓ

نام ونسب...... عبداللہ نام، ابوسہیل کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے، عبداللہ بن سہیل بن عمرو ابن عبدشمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی، ماں کا نام فاختہ تھا، ننہالی سلسلۂ نسب یہ ہے، فاختہ بنت عامر بن نوفل بن عبد مناف بن قصی۔[1]

اسلام وہجرت...... دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے ہجرت ثانیہ میں مہاجرین کے قافلہ کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ گئے۔[2]

مکہ کی واپسی...... حبشہ سے مکہ واپس آئے، ان کے باپ تبدیل مذہب پر بہت غضبناک تھے، اس لئے قابو پانے کے بعد قید کر کے ارتداد پر مجبور کرنا شروع کر دیا،[3] انہوں نے مصلحت وقت کے خیال سے بظاہر ان کا کہنا مان لیا، لیکن دل میں بدستور اسلام کی محبت قائم رہی۔

غزوات...... ہجرت عظمیٰ کے بعد مشرکین مکہ بڑے اہتمام سے مسلمانوں کا استیصال کرنے نکلے عبداللہؓ بھی اپنے والد کے ساتھ مشرکین کے گروہ میں تھے، والد مطمئن تھے کہ اطاعت شعار بیٹا کہنے میں آگیا، یہ نہ معلوم تھا کہ مذہب کی چنگاریاں اندر ہی اندر سلگ رہی ہیں جو موقع پاتے ہی بھڑک اٹھیں گی، چنانچہ جب جنگ کی تیاریاں شروع ہوئی تو، عبداللہؓ موقع پا کر نکل گئے اور اسلامی فوج میں آکر شامل ہوگئے، اس وقت والد پر حقیقت حال واضح ہوئی، لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا، اس لئے خاموش رہے اور عبداللہ باطمینان مشرکین کے مقابلہ میں نبرد آزما ہوئے۔[4]

اس کے بعد احد، خندق اور صلح حدیبیہ وغیرہ میں برابر شریک رہے، فتح مکہ میں جب کفار کی قوتیں ٹوٹ چکیں اور ہمتیں پست ہوگئیں اور ان کے لئے سوائے دامن رحمت کے کوئی جائے پناہ باقی نہ رہی، عبداللہ کے والد کا نام بھی مجرموں کی فہرست میں تھا، اب ان کے لئے بجز روپوشی کے کوئی چارہ نہ تھا، اس لئے گھر میں گھس کر اندر سے کواڑے بند کر لئے اور عبداللہ سے کہلا بھیجا کہ آنحضرت ﷺ سے میری جان بخشی کراؤ، ورنہ میں قتل کر دیا جاؤں گا، سعادت مند لڑکا خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض گذار ہوا، یا رسول اللہ! میرے والد کو امان دے دیجئے رحمت عالمؐ

---

[1] ابن سعد جزء۳ ق ا ص ۲۵۵، [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۸۰،
[3] ایضاً، [4] ابن سعد جزء ۳ ق ا ص ۲۹۵

نے فرمایا وہ خدا کی امان میں ہیں اطمینان سے گھومیں پھریں اور حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میں جو شخص ان سے ملے تو سختی سے نہ پیش آئے، خدا کی قسم، وہ صاحب عقل وشرف ہیں، ان کے جیسا زیرک آدمی اسلام سے ناواقف نہیں رہ سکتا۔[1]

جنگ یمامہ اور شہادت..... خلافت صدیقی ۱۲ھ میں جنگ یمامہ میں شریک ہوئے، اور جواثہ کے معرکہ میں شہید ہوئے، اس وقت ان کی عمر کل ۳۸ سال کی تھی، اور ان کے والد سہیل زندہ تھے، حضرت ابوبکرؓ نے عبداللہ کی شہادت پر تعزیت فرمائی اس پر انہوں نے کہا ''میں نے سنا ہے شہید اپنے گھرانے کے ستر آدمیوں کی سفارش کر سکتا ہے، مجھ کو امید ہے کہ میرا شہید لخت جگر پہلے میری سفارش کرے گا''۔[2]

۱؎ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۸۱،
۲؎ ابن سعد جز ۳، ق ۱ ص ۲۹۶

حضرت معیقیبؓ بن ابی فاطمہ دوسی

نام ونسب...... معیقیبؓ نام، نسبی تعلق قبیلہ ازد سے تھا اور بنی عبد شمس کے حلیف تھے۔[1]

اسلام وہجرت...... دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں ہجرت کر کے حبشہ گئے، وہاں سے خیبر کے زمانہ میں مدینہ آئے۔[2]

غزوات...... مدینہ آنے کے بعد تمام لڑائیوں میں شریک ہوتے رہے، بعض روایتوں سے بدر اور بیعت رضوان کی شرکت کا شرف بھی ثابت ہوتا ہے، اس اعتبار سے وہ خیبر سے بھی پہلے مدینہ آچکے تھے، لیکن صحیح روایت یہی ہے کہ خیبر کے بعد مدینہ آئے اور بدر وخیبر میں شریک نہیں ہوئے، ابن سعد نے بھی ان کو صحابۂ کرام کے اسی زمرہ میں لکھا ہے، جو قدیم الاسلام تو تھے، لیکن بدر میں شریک نہیں رہے۔

عہد شیخین ...... آنحضرت ﷺ کی زندگی میں خاتم رسالت ان ہی کے پاس رہتی تھی، آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ عمرؓ خاتم برداری کی حیثیت سے ان کا خاص لحاظ کرتے تھے، چنانچہ دونوں بزرگوں کے عہد میں مالیات کا صیغہ ان کے متعلق رہا، اور بیت المال میں خازن کے عہدہ پر ممتاز تھے۔[3]

حضرت عمرؓ کو ان سے بہت محبت تھی، ان کو جذام کی شکایت ہوگئی تھی حضرت عمرؓ نے علاج میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، جہاں مشہور اطباء کا پتا چلتا تھا، بلا کر علاج کراتے تھے، لیکن کوئی فائدہ نہ ہوتا تھا، آخر میں دو یمنی طبیبوں سے علاج کرایا جس سے مرض تو زائل نہیں ہوا، البتہ آئندہ بڑھنے کا خطرہ باقی نہ رہا، عموماً لوگ جذامی آدمیوں کے ساتھ کھانے پینے سے پرہیز کرتے ہیں، لیکن حضرت عمرؓ ان کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھاتے اور فرماتے کہ یہ طرز عمل تمہارے ساتھ مخصوص ہے۔[4]

عہد عثمانی اور وفات...... حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کا بھی وہی طرز عمل رہا اور غالباً خاتم برداری کا قدیم منصب بھی ان ہی کے سپرد تھا، کیونکہ آنحضرت ﷺ کی انگوٹھی ان ہی کے ہاتھ سے بیر معونہ میں گری تھی،[5] اسی عہد کے آخر میں وفات پائی۔[6]

---

[1] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۸۶،
[2] استیعاب ج ۱ ص ۲۹۰،
[3] استیعاب ج ۱ ص ۲۹۰،
[4] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۸۷،
[5] مسلم ج ۲ ص ۲۱۴ مطبوعہ مصر،
[6] اسد الغابہ ج ۴ ص ۴۰۳

اولاد ...... آپ کی اولادوں میں صرف محمد بن معیقیب کا پتہ چلتا ہے، انہوں نے آپ سے روایت بھی کی ہے۔[1]

علمی حالت ...... علمی حیثیت سے کوئی ممتاز شخصیت نہ تھی، تاہم نوشت وخواند میں پوری مہارت رکھتے تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے جب اپنی املاک وقف کی تو اس وقف نامہ کی کتابت ان ہی نے کی تھی،[2] احادیث نبوی کے خوشہ چین بھی تھے، چنانچہ ان کی متعدد روایات احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں، ان میں دو متفق علیہ ہیں، اور ایک میں امام مسلم منفرد ہیں۔[3]

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۲۵۴،

[2] ابوداؤد جلد ۲ ص ۹،

[3] تہذیب الکمال ص ۳۹۷

حضرت عبداللہؓ بن حذافہ سہمی

نام ونسب...... عبداللہ نام، ابو حذیفہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عبداللہ بن حذافہ بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم بن عمرو بن ھصیص بن کعب بن لوی قرشی سہمی۔[1]

اسلام وہجرت...... عبداللہ دعوت اسلام کی ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے، اسلام لانے کے بعد عرصہ تک آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے، پھر مہاجرین کے دوسرے قافلہ کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ گئے۔[2]

سفارت..... ۶ھ میں جب آنحضرت ﷺ نے قرب وجوار کے سلاطین کے پاس دعوت اسلام کے خطوط بھیجے تو شہنشاہ ایران کے پاس دعوت نامہ لے جانے کی خدمت ان کے سپرد ہوئی کہ اس کو ایرانی گورنر متعینہ بحرین تک پہنچادیں اور وہ اس کو دربار ایران بھیج دیں، انہوں نے اسکو امیر البحرین کے پاس بحفاظت پہنچادیا۔[3]

مغازی...... بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے، حضرت ابو سعید خدریؓ بدری بتاتے ہیں، لیکن موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحٰق وغیرہ تمام اسکے مخالف ہیں۔

امارت سریہ...... آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک سریہ کا امیر بنا کر بھیجا اور ماتحتوں کو ہدایت فرمادی کہ کسی بات میں ان کی عدول حکمی نہ کرنا، منزل مقصود پر پہنچ کر عبداللہ کو کسی بات پر غصہ آگیا اور مجاہدین سے کہا کیا تم لوگوں کو آنحضرت ﷺ نے میری اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے، سب نے کہا ہاں دیا ہے، کہا اچھا! لکڑیاں جمع کر کے اس میں آگ دے دو اور پھاند پڑو، سب نے لکڑیاں جلائیں اور پھاند نے کو تھے کہ دفعۃً کسی خیال سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، اور بعض لوگوں نے کہا ہم نے آگ سے بچنے کے لئے رسول ﷺ کی پیروی کی ہے، اور پھر خود وہی آگ میں کودیں، یہ مباحثہ یہاں تک جاری رہا کہ آگ ٹھنڈی ہوگئی اور اس درمیان میں ان کی آتش غضب بھی سرد پڑ گئی، واپس آکر سب نے آنحضرت ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا، اگر تم لوگ آگ میں گھس گئے ہوتے تو پھر کبھی نہ نکلتے، اطاعت صرف ان ہی چیزوں میں واجب ہے جس کی خدا نے اجازت دی ہے۔[4]

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۴۲۔ [2] ایضاً۔
[3] بخاری جلد ۲ کتاب المغازی باب النبی صلی اللہ وسلم الی کسریٰ وقیصر۔
[4] بخاری کتاب الاحکام باب السمع والطاعۃ للامام مالم یکن معصیۃ

خلفاء کا عہد...... عہد فاروقی میں فتوحات شام میں شریک تھے، سوء اتفاق سے ایک معرکہ میں رومیوں نے گرفتار کرلیا، رومیوں کا قاعدہ تھا کہ جب وہ کسی کے سامنے اپنا مذہب پیش کرتے ہیں اور وہ انکار کرتا تو اس کو ایک عظیم الجثہ تانبے کی گائے کے جوف میں جس میں زیتون کا تیل کھولتا ہوتا تھا، ڈال لیتے، چنانچہ انہوں نے ان کے سامنے اپنا مذہب پیش کر کے کہا، اگر تم اس کو نہیں قبول کرو گے تو تم کو گائے پر قربان کر دیا جائے گا، مگر اس سے مطلق خوفزدہ نہ ہوئے، اور قبول مذہب سے انکار کر دیا، ان جلادوں نے ان کی عبرت پذیری کے لئے ایک دوسرے مسلمان قیدی کو بلا کر عیسویت کی دعوت دی، اس نے بھی انکار کیا تو اس کو زیتون کے کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا وہ کشتہ حق جل بھن کر کباب ہو گیا، یہ منظر دکھا کر بولے، اگر نہیں قبول کرتے تو تمہارا بھی یہی حشر ہوگا، لیکن جذبہ حق اس سے زیادہ آزمائش کے لئے تیار تھا، پھر انکار کر دیا، حکم ہوا ڈال دو، آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے، رومیوں نے کہا آخر ڈر کر رونے لگے، فرمایا میں اپنے انجام پر نہیں روتا بلکہ اپنی کم مائگی پر آنکھیں اشکبار ہیں کہ صرف ایک جان خدا کی راہ میں کام آئے گی، کاش ایک جان کے بجائے میرے ہر موئے بدن میں ایک مستقل جان ہوتی تو یہ سب راہ خدا میں نثار ہوتیں، یہ قوت ایمانی دیکھ کر وہ لوگ دنگ رہ گئے اور اس شرط پر رہا کر دینے کے لئے تیار ہو گئے کہ شاہ روم کی پیشانی کو بوسہ دیں، لیکن اس پرستار حق کا لب ایک صلیب پرست کی بہتانی سے آلودہ نہیں ہو سکتا تھا اس سے انکار کیا اس انکار پر انہوں نے مال و دولت اور حسن و رعنائی کے سبز باغ دکھائے، آپ نے ان دل فریبیوں کو بھی نہایت حقارت سے ٹھکرا دیا، آخر میں ان سے کہا، اگر میری پیشانی کو چوم لو تو تمام مسلمان قیدی چھوڑ دیے جائیں گے، مسلمانوں کی جان سب سے زیادہ عزیز تھی، اسلئے اس پر آمادہ ہو گئے اور ایک بوسہ کے صلہ میں اسی مسلمانوں کی گراں بہا جانیں بچ گئیں، جب واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے فرط مسرت سے ان کی پیشانی چوم لی، بعض صحابہؓ آپ سے مزاحاً کہتے کہ تم نے ایک بے دین کی پیشانی کا بوسہ دیا، جواب دیتے ہاں چوما، لیکن اس کے بدلہ میں اسی ۸۰ مسلمانوں کی جانیں بچ گئیں۔[1]

وفات...... حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں مصر میں وفات پائی۔[2]

نسب کی تحقیق...... ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے جلال کی حالت میں فرمایا کہ تم لوگوں کو جو پوچھنا ہو پوچھو، اس وقت جو بات پوچھو گے بتاؤں گا، آپ نے اٹھ کر پوچھا میرا باپ کون ہے، فرمایا، ابو حذیفہ![3] آپ کی ماں نے سنا تو کہا کہ تم نے رسول سے کتنا خطرناک سوال کیا تھا، اگر خدانخواستہ وہ کچھ اور بتاتے تو میں سب کے سامنے رسوا ہوتی، جواب دیا کہ میں نسب کی تحقیق

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۴۳۔

[2] استیعاب جلد ۱ ص ۳۵۷۔

[3] بخاری کتاب الفتن وابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۳۹

کرنا چاہتا تھا۔

فضل وکمال..... آپ سے متعدد حدیثیں مروی ہیں، ان میں سے ایک بخاری میں بھی ہے آپ سے روایت کرنے والوں میں ابووائل، سلیمان اور ابن یسار قابل ذکر ہیں۔[1]

---

[1] تہذیب الکمال ص ۱۹۴

حضرت حجاجؓ بن علاط

نام ونسب..... حجاج نام، ابو محمد کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے، حجاج بن علاط بن خالد بن نویرہ ابن خشر بن ہلال میں عبید بن ظفر بن سعد بن عمرو بن بہز بن امرؤ القیس بن بہثہ بن سلیم بن منصور سلمی۔[1]

اسلام..... حجاج خیبر کے قبل مشرف باسلام ہوئے، اسلام کا محرک یہ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ چند ساتھیوں کے ساتھ مکہ جارہے تھے، راستہ میں ایک بھیانک وادی میں رات ہوگئی اس لئے سب لوگ وہیں شب باش ہوگئے، حجاجؓ سب کی پاسبانی کرنے لگے، اتنے میں کوئی شخص تلاوت کرتا سنائی دیا۔

یا معشر الجن و الانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموٰت و الارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطان (رحمن)

اے جن وانس کے گروہ، اگر تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ اور تم بغیر سلطان کے نہ نکل سکو گے۔

مکہ پہنچے تو یہ واقعہ قریش سے بیان کیا، انہوں نے کہا معلوم ہوتا ہے تم بھی بے دین ہو گئے، یہ تو وہی کلام ہے، جو محمدؐ کے زعم میں ان کے اوپر نازل ہوتا ہے، حجاج نے اس واقعہ کی تصدیق اپنے ہمراہیوں سے کرائی اور مدینہ آکر مشرف باسلام ہو گئے۔[2]

ہجرت..... ان کی بیوی مکہ میں رہتی تھیں اور کل مال ومتاع بھی وہی تھا، اسلام لانے کے بعد کل اثاثہ مدینہ منتقل کرنے کی ضرورت ہوئی، ورنہ مشرکین کا دست تطاول دراز ہو جاتا، لیکن وہ لوگ مشتبہ ہو چکے تھے، آسانی سے لانا بھی ممکن نہ تھا، اس لئے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ایک تدبیر کی اجازت مانگی، آپ نے مصلحۃً دے دی، یہ اجازت لے کر مکہ گئے قریش نے آنحضرت ﷺ کے حالات دریافت کرنا شروع کیے، انہوں نے کہا محمد ﷺ نے بہت سخت شکست کھائی، ان کے تمام ساتھی مارے گئے وہ خود گرفتار کر دیئے گئے ہیں اور عنقریب تم لوگوں کے سامنے لا کر قتل کیے جائیں گے، قریش کے لئے اس سے بڑھ کر مژدہ کیا ہوسکتا تھا، آن کی آن میں یہ خبر تمام شہر میں پھیل گئی اس طرح مشرکین کو خوش کر کے کہا محمد ﷺ کا ساز وسامان فروخت ہورہا ہے، اگر تم لوگ کوشش کرو تو آسانی سے وصول ہوسکتا ہے، سب اس ''کار خیر'' کے لئے تیار ہو گئے اور کوشش کر کے کل بقایا وصول کرا دیا، اس کے بعد گھر کا کل اندوختہ لیا، حضرت عباسؓ کے

---

[1] اسد الغابہ ج ۱ ص ۳۰۸۔ [2] استیعاب جلد ا ص ۱۳۲

کانوں تک یہ خبر پہنچی تو ان کو اس قدر صدمہ ہوا کہ خود واقعہ کی تحقیق کے لئے بھی نہ آسکے اور ایک لڑکے کی زبانی بلا بھیجا، حجاجؓ ان کے پاس گئے، اور ان کو تخلیہ میں لے جا کر اصل واقعہ سنایا کہ میں نے روپیہ وصول ہو جانے کے لئے یہ خبر مشہور کی تھی، میں خود مشرف باسلام ہو چکا ہوں، اگر اہل مکہ کو اس کی خبر ہو جاتی تو ایک حبہ بھی نہ دیتے آنحضرت ﷺ خدا کے فضل سے بالکل محفوظ ہیں، خیبر کا میدان بھی مسلمانوں کے ہاتھ رہا اور آنحضرت ﷺ حیی بن اخطب رئیس خیبر کی لڑکی کے ساتھ ایام عروسی بسر کر رہے ہیں، لیکن جب تک میں ان کی زد سے نہ نکل جاؤں اس وقت تک اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کرنا، چنانچہ تین دن تک حضرت عباسؓ بالکل خاموش رہے، چوتھے دن جب اطمینان ہو گیا کہ حجاج اہل مکہ کی دسترس سے باہر ہو گئے تو کپڑے بدل کر حجاج کے مکان پر گئے، اور ان کی بیوی سے واقعہ بیان کیا، پھر مسجد میں آئے، یہاں بھی وہی تذکرہ تھا، آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر فتح کر لیا، حیی بن اخطب کی لڑکی ان کی زوجیت میں آئی، بنی ابی حقیق سرداران یثرب کی گردنیں اڑا دی گئیں اور حجاج اپنا مال و متاع لے کر روانہ ہو گئے، لوگوں نے پوچھا تم نے کس سے سنا، فرمایا حجاج سے ان لوگوں نے ان کی بیوی سے تحقیق کیا تو واقعہ سچ نکلا، اس کے پانچویں دن مدینہ سے بھی خبریں آ گئیں، لیکن اب کیا ہو سکتا تھا، حجاج قابو سے نکل چکے تھے، اس لئے خاموش ہو گئے۔[۱]

غزوات...... خیبر کے کچھ ہی دنوں پہلے مشرف باسلام ہوئے، اس لئے سب سے پہلے اسی غزوہ میں شریک ہوئے، فتح مکہ کے زمانہ میں مدینہ سے باہر تھے، آنحضرت ﷺ نے حملہ کا ارادہ کیا تو ان کو بلوا بھیجا۔[۲]

تعمیر مکان و مسجد...... حجاج جو دولت مند تھے، اور اپنا کل اثاثہ مکہ سے لے آئے تھے چنانچہ مدینہ میں اپنا ذاتی مکان بنوایا اور ایک مسجد تعمیر کرائی۔[۳]

وفات...... وفات کے بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ عہد فاروقی کی ابتدا میں وفات پائی اور دوسری یہ کہ جنگ جمل میں کام آئے، لیکن پہلی روایت زیادہ مستند ہے، جنگ جمل میں یہ خود نہیں بلکہ ان کے لڑکے معرض قتل ہوئے تھے۔[۴]

تمول...... حجاج تمام صحابہ میں مال و دولت سے ممتاز تھے، اور بنو سلیم کی کانیں ان ہی کی ملکیت میں تھیں۔[۵]

اولاد...... حجاج کے متعدد اولادیں تھیں، ایک معرض جو جنگ جمل میں کام آئے اور دوسرے غصر، یہ اس قدر حسین تھے، کہ اکثر عورتیں ان پر شیفتہ ہو جاتی تھیں، اسی خطرہ سے حضرت عمرؓ نے ان کو مدینہ سے بصرہ منتقل کر دیا تھا۔[۶]

---

[۱] ابن سعد جز ۴ قسم ۲ ص ۱۴، ۱۵۔　[۲] ایضاً ص ۱۵۔
[۳] اصابہ جلد ا ص ۳۲۷۔　[۴] ایضاً ص ۳۲۷۔
[۵] استیعاب جلد ا ص ۱۳۲۔　[۶] اصابہ جلد ۶ ص ۲۶۰

حضرت ابو برزہ سلمیؓ

نام ونسب...... فضلہ نام، ابو برزہ کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے، فضلہ بن عبداللہ بن حارث ابن جبال بن ربیعہ بن دعبل بن انس بن خزیمہ بن مالک بن سلامان بن اسلم بن اقصی اسلمی۔

اسلام وغزوات...... دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اسلام لائے اسلام کے بعد جس قدر غزوات ہوئے سب میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب رہے،[1] فتح مکہ میں خون کا ایک قطرہ نہیں گرا تھا، اور رحمت عالمؐ نے تمام دشمنان اسلام کے لئے عفوودرگذر کا اعلان فرمادیا تھا، چند معاندین جن کا عناد اور جن کی سرکشی حد سے بڑھی ہوئی تھی البتہ اس سے مستثنیٰ تھے اور ان کا خون ہدر کردیا گیا تھا، ان میں ایک عبداللہ بن خطل تھا، یہ پہلے اسلام لا چکا تھا، مگر اپنے ایک مسلمان خادم کو قتل کردیا، اور اسلامی عدالت کے قانون قصاص سے ڈر کر پھر مرتد ہوکر مکہ بھاگ گیا، (زرقانی فتح مکہ) اس کی دو طوائفیں تھیں جو بازاروں میں آنحضرت ﷺ کی ہجو گاتی پھرتی تھیں،[2] اس لئے جب مکہ فتح ہوا تو امان کے لئے خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر لٹک گیا، آنحضرت ﷺ سے لوگوں نے کہا کہ وہ کعبہ کے غلاف کی پناہ میں ہے، آپ نے فرمایا اس کو قتل کردو، آقا کا اشارہ پاتے ہی ابو برزہؓ نے قتل کردیا۔[3]

ابو برزہؓ آنحضرت ﷺ کی زندگی بھر مدینہ میں رہے، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مصر میں رہنے لگے، جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، نہروان میں خارجیوں کا مقابلہ کیا، پھر خراسان کی فتوحات میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔[4]

وفات...... زمانہ وفات میں اختلاف ہے، بعض ۶۰ھ اور بعض ۶۵ھ بتاتے ہیں، دوسری روایت زیادہ صحیح ہے، کیونکہ مروان اور ابن زبیر کے ہنگاموں تک زندہ تھے، اور کہتے پھرتے تھے، کہ یہ سب دنیا کے لیے جھگڑتے ہیں،[5] وفات کے بعد ایک لڑکا مغیرہ یادگار چھوڑا۔

فضل وکمال...... ابو برزہؓ کو آنحضرت ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا کافی موقع ملا، اس لئے احادیث نبوی کی معتدبہ تعداد ان کے حافظہ میں محفوظ تھی، انکی مرویات کی مجموعی تعداد ۴۶ ہے، ان میں ۲۷ متفق علیہ ہیں، ان کے علاوہ ۲ بخاری میں اور ۴ مسلم میں منفرد ہیں۔[6]

---

[1] ابن سعد جلد ۴ ص ۴،
[2] ابوداؤد کتاب الجهاد باب في قتل الاسير صبرا، [3] ایضاً،
[4] اصابہ جلد ۶ تذکرہ نضلہ، [5] ایضاً، [6] تہذیب الکمال ص ۴۰۶

ان کے تلامذہ کی تعداد بھی کافی ہے، ذیل کے نام قابل ذکر ہیں۔
مغیرہ، ابومنہال ریاحی، ارزق بن قیس، ابوعثمان نہدی، ابوالعالیہ ریاحی، کنانہ ابن نعیم ابو الزاع، رابسی، ابوالوضی، سعید بن عبداللہ، ابوالسواری عدوی، ابوطالب، عبدالسلام وغیرہ۔[1]

زہد وعفاف..... حضرت ابو برزہؓ میں زہد وعفاف کا رنگ بہت نمایاں تھا، نہ کبھی بیش قیمت کپڑا پہنا اور نہ گھوڑے پر سوار ہوئے، گیروے رنگ کے دو کپڑوں سے ستر پوشی کرتے تھے، ان کے ایک معاصر عائذ بن عمر بیش قیمت کپڑا بھی پہنتے اور گھوڑے پر بھی سوار ہوتے تھے، ایک شخص نے ان دونوں کے درمیان پھوٹ ڈلوانے کے خیال سے عائذ سے آکر کہا، ابو برزہ کو دیکھئے، وہ لباس اور وضع قطع میں بھی آپکی مخالفت کرتے ہیں، آپ خز (ایک بیش قیمت کپڑا) استعمال کرتے ہیں، اور گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں اور وہ ان دونوں چیزوں سے احتراز کرتے ہیں، لیکن صحابہ کی اخوت لباس اور طرز معاشرت کے اختلاف سے بلند تھی، جواب دیا، خدا ابو برزہ پر رحم کرے، آج ہم میں ان کے رتبہ کا کون ہے، یہاں سے مایوس ہوکر یہ شخص ابو برزہؓ کے پاس پہنچا اور ان سے کہا عائذ کو دیکھئے، آپ کی وضع تک ان کو ناپسند ہے، گھوڑ سواری میں ہے، خز کا لباس زیب تن ہے، مگر یہاں بھی وہی جواب ملا کہ خدا عائذ پر رحم کرے، ہم میں ان کا ہمرتبہ کون ہے؟[2]

مسکین نوازی..... مسکین نوازی ان کا خاص شعار تھا، صبح وشام معمولاً فقراء اور مساکین کو کھانا کھلاتے تھے، حسن بن حکیم اپنی ماں کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ ابو برزہؓ ایک کاسہ ثرید (ایک قسم کا عربوں کا مرغوب کھانا) صبح اور ایک کاسہ شام بیواؤں، یتیموں اور مساکین کو کھلاتے ہیں۔[3]

احترام نبوت..... ذات نبویؐ کے ساتھ کسی قسم کا طنز وتمسخر برداشت نہیں کرسکتے تھے، عبداللہ ابن زید کو حوض کوثر کے متعلق کچھ پوچھنا تھا، اس نے لوگوں سے پوچھا، حوض کوثر کے متعلق کون بتا سکتا ہے، انہوں نے ابو برزہ کا نام لیا، عبیداللہ نے ان کو بلا بھیجا یہ گئے، اس نے آتے دیکھا تو بہ سبیل استہزاء کہا کہ تمہارے یہ محمدی ہیں ابو برزہؓ نے برہمی سے جواب دیا، خدا کا شکر ہے کہ میں ایسے زمانہ تک زندہ رہا جس میں شرف صحبت پر عار دلایا جاتا ہے، اور اسی برہمی کی حالت میں تخت پر بیٹھ گئے، عبیداللہ نے اپنا سوال پیش کیا، انہوں نے جواب دیا کہ جو شخص اس (حوض کوثر) کو جھٹلائے گا، وہ نہ اس کے پاس جانے پائے گا اور نہ خدا اس کو اس سے سیراب کرے گا یہ کہا اور اٹھ کے چلے آئے۔[4]

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۴۴۶، [2] ابن سعد ق ا جز ۷ ص ۳۵
[3] ابن سعد ا جز ۷ ص ۳۵، [4] ابن سعد ق ا جز ۷ ص ۳۵،

حضرت ہشامؓ بن عاص

نام ونسب...... ہشام نام، ابو معیط کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے، ہشام بن عاص بن وائل ابن ہاشم بن سعید بن سہم قرشی، اموی، مشہور صحابی عمرو بن عاص فاتح کے چھوٹے بھائی تھے۔[1]

اسلام وہجرت...... خوش بختی اور بد بختی عمر کے تفاوت پر منحصر نہیں، گو ہشامؓ عمرو بن العاصؓ سے عمر میں چھوٹے تھے، لیکن ان کی قسمت ان سے زیادہ اور ان کا بخت ان سے زیادہ بیدار تھا، چنانچہ عمرو بن العاصؓ جب کفر کی ضلالت میں گھرے ہوئے تھے، اس وقت ہشام کی پیشانی پر اسلام کا نور چمک رہا تھا، اسلام کے بعد مہاجر قافلہ کے ساتھ حبشہ گئے، کچھ دنوں رہ کر آنحضرت ﷺ کی ہجرت کی خبر سن کر مکہ واپس آئے، یہاں سے پھر مدینہ کا قصد کیا، لیکن باپ اور اہل خاندان نے قید کر دیا، عرصہ تک محصور رہے، غزوۂ خندق کے بعد موقع ملا تو مدینہ آئے۔[2]

غزوات...... بدر، احد اور خندق وغیرہ کی لڑائیاں ان کے ایام اسیری میں ختم ہو چکی تھیں، البتہ خندق کے بعد جتنے معرکے پیش آئے سب میں داد شجاعت دی۔[3]

عہد خلفاء...... ہشام اس خاندان کے ممبر تھے، جو سپہ سالاری کے عہدہ جلیل کا حامل اور اپنی شجاعت وشہامت میں ممتاز تھا، اس لئے تلواروں کی چھاؤں میں ان کی نشو ونما ہوئی تھی، آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں ان کی تلوار کے جوہر چمکے، پھر عہد فاروقی میں شام کی مہم میں شریک ہوئے، ایک ہی دو معرکوں کے بعد اجنادین کا معرکہ پیش آیا، اس قبقلاء اور تذارق رومی میں سپہ سالار ایک لشکر جرار کے ساتھ اجنادین میں مسلمانوں کے مقابلہ میں آئے، جمادی الاولیٰ ۱۳ھ میں دونوں کا سخت مقابلہ ہوا،[4] مسلمانوں میں کچھ کمزوری پیدا ہو چلی تھی، ہشامؓ نے دیکھا تو جوش میں آکر سر سے خود اتار کر پھینک دی اور للکار کر بولے مسلمانو! یہ غیر مختون تلوار کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے، جو میں کرتا ہوں وہی تم کرو، یہ کہہ کر رومیوں کی صفیں چیرتے ہوئے قلب لشکر میں گھستے چلے گئے اور مسلمانوں کو غیرت دلاتے جاتے تھے کہ

---

[1] استیعاب جلد ۲ ص ۶۱۱ کنیت اصابہ میں ہے،
[2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۴۰،
[3] ایضاً،
[4] ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۳۰،

مسلمانو! میں عاص بن وائل کا بیٹا ہشام ہوں، میرے ساتھ آؤ تم لوگ جنت میں بھاگتے ہو، اسی طرح للکارتے شجاعت اور بہادری سے لڑتے مارتے شہید ہو گئے۔[1] حضرت عمرؓ کا علم ہوا تو فرمایا خدا ان پر اپنی رحمت نازل کرے، اسلام کے بہترین مددگار تھے۔[2]

ہشام کی شہادت کے بعد ایک مرتبہ چند قریشی خانہ کعبہ کے عقب میں بیٹھے ہوئے تھے، کہ عمرو بن العاصؓ طواف کرتے ہوئے گذرے، ان کو دیکھ کر لوگوں نے آپس میں سوال کیا کہ ہشامؓ افضل تھے، یا عمرو بن العاصؓ عمرو بن العاصؓ نے اس کو سن لیا، طواف ختم کرنے کے بعد آکر پوچھا، تم لوگ کیا باتیں کرتے تھے، انہوں نے کہا "تمہارا اور تمہارے بھائی کا مقابلہ کر رہے تھے، کہ دونوں میں کون افضل ہے" کیا میں تم کو ایک واقعہ سناتا ہوں اس سے فضیلت کا اندازہ ہو جائے گا، ہم اور وہ دونوں یرموک کی جنگ میں شریک ہوئے اور رات بھر شہادت کے لئے دست بدعا رہے، صبح ہوئی تو ان کی دعا کا ثمرہ مل گیا اور میری دعا نا مقبول ہوئی، اس سے تم فضیلت کا اندازہ کرلو۔[3]

فضائل...... اسلام کی پختگی کا آخری درجہ ایمان ہے، ہشامؓ کا اسلام اسی درجہ میں تھا، خود زبان نبوتؐ نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ ابن العاص مومنان یعنی ہشامؓ وعمروؓ۔[4]

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۴۰، شہادت کا ذکر ابن اثیر جلد ۲ فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۰ میں بھی ہے،

[2] ابن سعد جزء ۴ ق ا ص ۱۴۳،

[3] ابن سعد جزء ۴ ق ا ص ۱۴۱، اس روایت میں اجنادین کے بجائے یرموک کا نام ہے، غالباً راوی سے سہو ہو گیا ہے، یا ان دونوں لڑائیوں کی قربت کی وجہ سے خود عمرو بن العاصؓ کو التباس ہو گیا، ورنہ اجنادین میں ان کی شہادت طے شدہ ہے،

[4] مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۵۳

حضرت قدامہؓ بن مظعون

نام ونسب..... قدامہ نام، ابوعمر کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے، قدامہ بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح القرشی الجمحی، قدامہؓ حضرت عمرؓ کے بہنوئی تھے۔[1]

اسلام وہجرت...... دعوت اسلام کے آغاز میں دولت اسلام سے بہرور ہوئے اور اپنے بھائی عثمان اور عبداللہ کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ گئے۔[2]

مغازی...... پھر حبشہ سے مدینہ آئے، اور سب سے پہلے غزوۂ بدر میں شرکت کا شرف حاصل کیا اور احد، خندق وغیرہ میں شریک ہوتے رہے۔[3]

بحرین کی گورنری...... حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں قدامہؓ کو بحرین کا گورنر مقرر کیا، اسی زمانہ میں ان پر شراب نوشی کی حد جاری ہوئی، گو حضرت عمرؓ کے سامنے انہوں نے اس جرم کا اقرار نہیں کیا، اور بدری صحابی ہونے کی حیثیت سے ان کا بیان لائق اعتماد تھا، لیکن حضرت عمرؓ کے نزدیک شہادت جرم ثابت ہو گیا تھا، اس لئے آپ نے حد جاری کی اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ جارود بنو عبد قیس کا سردار حضرت عمرؓ کے پاس قدامہ کی شراب نوشی کی شکایت لے کر آیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا، تمہارے علاوہ اور کون شاہد ہے، عرض کیا! ابو ہریرہؓ، ان کو بلا کر پوچھا انہوں نے شراب پیتے ہوئے تو نہیں دیکھا البتہ نشے میں قے کرتے ہوئے دیکھا حضرت عمرؓ نے فرمایا، صرف اتنی شہادت سے جرم نہیں ثابت ہوتا، مزید تحقیقات کے لئے قدامہؓ کو بحرین سے طلب کیا، جب وہ آئے تو جارود نے حضرت عمرؓ سے ان پر حد جاری کرنے کا مطالبہ کیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا، تم شاہد ہو یا فریق! کہا شاہد، فرمایا بس شہادت کا فرض ادا کر چکے، اب تم خاموش رہو، تیسری مرتبہ پھر جارود نے قسم دلا کر حد کا مطالبہ کیا، اس اصرار پر حضرت عمرؓ کو شبہہ ہوا، آپ نے فرمایا تم اپنی زبان قابو میں رکھو، ورنہ مجھ کو تنبیہ کرنی پڑے گی، جارود نے کہا عمر! یہ انصاف سے بعید ہے، کہ تمہارا ابن عم شراب پیئے، اور تم الٹے میری تنبیہ کرو، ابو ہریرہ نے حضرت عمر سے کہا کہ اگر آپ کو شک ہو تو قدامہ کی بیوی کو بلا کر پوچھ لیجئے، آپ نے ان کی بیوی ہندہ کو بلا کر شہادت طلب کی، انہوں نے ابو ہریرہؓ کی تصدیق کی، اس پر عدل فاروقی جوش میں

---

[1] استیعاب جلد ۲ ص ۵۲۸، [2] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۱۹۸،
[3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۷۹

آ گیا، اور فرمایا قدامہ! حد کے لئے تیار ہو جاؤ، قدامہؓ نے کہا، اگر بالفرض میں نے ان لوگوں کی شہادت کے بموجب شراب پی بھی تو آپ کو اجرائے حد کا حق نہیں ہے، فرمایا کیوں! عرض کیا خدا فرماتا ہے۔

لیس علی الذین امنوا و عملوا الصلحت جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا و امنوا و عملوا الصلحت (مائدہ ۔۱۱)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو جو کچھ انہوں نے (تحریم کے قبل) کھا یا اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، جبکہ پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کیے۔

فرمایا تم تاویل میں غلطی کر رہے ہو، اگر تم خدا سے ڈرتے تو قطعی حرام چیزوں سے احتراز کرتے، اس وقت حضرت قدامہؓ بیمار تھے، اس لئے حضرت عمرؓ نے لوگوں کو مشورہ سے کچھ دنوں کے لئے حد کا اجراء ملتوی کر دیا، لیکن اثبات جرم کے بعد اجرائے حد میں تاخیر آپ کے لئے بار تھی، اس لئے لوگوں سے دوبارہ مشورہ کیا، اس مرتبہ بھی سب نے التوا کا مشورہ دیا، فرمایا مجھ کو یہ زیادہ پسند ہے کہ وہ کوڑوں کے نیچے خدا سے ملیں، بہ نسبت اس کے کہ میں خدا سے ملوں اور ان کا بار میری گردن پر ہو، غرض اسی بیماری کی حالت میں حد جاری کی، اور قدامہؓ سے تعلقات منقطع کر لئے، کچھ دنوں کے بعد دونوں نے ساتھ حج کیا، لوٹتے وقت ایک مقام پر حضرت عمرؓ کی آنکھ کھل گئی، خواب میں آپ کو قدامہؓ سے صفائی کرنے کی ہدایت ہوئی، بیدار ہوتے ہی قدامہؓ کو بلوایا، مگر انہوں نے ملنے سے انکار کر دیا دوسری مرتبہ پھر آدمی بھیجا کہ اگر آسانی سے نہ آدیں تو زبردستی لایا جائے، چنانچہ وہ آئے اور آپ نے خود گفتگو کی ابتدا کی اور پھر بدستور تعلقات قائم ہو گئے۔[1]

وفات ...... عمر کے ۶۸ مرحلہ طے کرنے کے بعد حضرت علیؓ کے عہد خلافت ۳۶ھ میں وفات پائی۔[2]

اہل وعیال ...... آپ کے تین بیویاں اور ایک لونڈی تھی، جن سے سب ذیل اولادیں ہوئیں۔

نام بیوی	نام اولاد
ہند بنت ولید	عمر، فاطمہ
فاطمہ بنت ابی سفیان	عائشہ
صفیہ بنت خطاب	رملہ
ام ولد	حفصہ

---

[1] استیعاب جلد ۲ ص ۵۳۹۔ [2] اصابہ جلد ۵ ۳۴۳

حضرت ابو احمدؓ بن جحش

نام ونسب...... عبد نام، ابو احمد کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے، عبد بن جحش بن رباب بن یعمر بن جبیر ابن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر، ان کی والدہ امیمہ عبد المطلب کی بیٹی تھیں، اور ام المومنین حضرت زینب کے حقیقی اور آنحضرت ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔[1]

اسلام وہجرت...... وہ اپنے بھائی عبداللہ اور عبیدہ اللہ کے ساتھ دعوت اسلام کے آغاز یعنی آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں پناہ گزین ہونے کے قبل مشرف با سلام ہوئے، اور بھائیوں ہی کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے، اور مبشر بن عبد المنذر کے گھر مہمان ہوئے۔

ابو سفیان کی شرارت..... مکہ میں ایک جماعت تھی، جس کا مقصد صرف اسلام کو نقصان پہنچانا اور مسلمانوں کو اذیت دینا تھا، ابو سفیان اور ابو جہل اس کے سرغنہ تھے، ابو احمد ہجرت کے بعد ان کے قابو سے باہر ہو چکے تھے، اس لئے براہ راست ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ انہوں نے ان کا گھر ابن علقمہ عامری کے ہاتھ بیچ ڈالا، فتح مکہ میں جب مسلمان فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے، اور دشمنان اسلام کی قوتیں ٹوٹ گئیں اس وقت ابو احمدؓ نے سب کے سامنے مکان کا مطالبہ کیا، لیکن آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے ذریعہ سے چپکے سے کچھ کہلا دیا، انہوں نے ابو احمدؓ کے کان میں جا کر کہہ دیا، اس کے بعد پھر آخر دم تک انہوں نے مکان کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ بعد کو ان کی اولاد سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے ذریعہ سے کہلایا تھا، کہ تم اس سے مکان کو جانے دو، اس کے عوض میں تم کو خلد بریں قصر ملے گا۔[2]

وفات...... سن وفات صحیح طور پر متعین نہیں کیا جا سکتا، لیکن ۳۰ھ کے قبل وفات پا چکے تھے، کیونکہ ان کی بہن حضرت زینبؓ کا انتقال ۲۰ھ میں ہوا اور یہ ان کی زندگی میں وفات پا چکے تھے۔[3]

ازواج واولاد...... اولاد کوئی نہ تھی، گھر میں تنہا بیوی تھیں، ایک مرتبہ عتبہ بن ربیعہ، عباس

---

[1] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۶۷،
[2] ابن سعد جز ۳ قسم ۱ ص ۶۷،
[3] استیعاب جلد ۲ ص ۲۳۱

بن مطلب اور ابو جہل ادھر سے گذرے، رفاعہ کو تنہا دیکھ کر عتبہ نے ٹھنڈی سانس لی کہ "افسوس آج بنی جحش کے گھر میں کوئی رہنے والا تک نہیں" ابو جہل جو اپنی کینہ پروری کا ہر جگہ ثبوت دیتا تھا، بولا ان پر روتے کیا ہو، یہ سب ہمارے بھتیجے کا کیا دھرا ہے، ان ہی نے ہمارا شیرازہ درہم برہم کیا۔[1]

فضل و کمال..... شاعری قریش کا طغرائے کمال تھا، حضرت ابو احمدؓ بھی شاعر تھے، چنانچہ ابوسفیان نے ان کو گھر بیچا تو انہوں نے ایک منظوم شکایت لکھی، جس کے دو شعر یہ ہیں۔[2]

اقطعت عقدک بیننا
و الجاریات الی ندامہ
دار ابن عمک بعتھا
تشری بھا عنک الندامہ

---

[1] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۳۴۔

[2] ابن سعد جز ۴ ق ا ص ۷۶

حضرت عمروؓ بن سعید بن العاص الاکبر

نام ونسب...... عمرو نام، ابوعقبہ کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے، عمرو بن سعید العاص بن امیہ بن عبدشمس القرشی الاموی، ماں کا نام صفیہ تھا، قبیلہ بنومخزوم سے تعلق رکھتی تھیں، حضرت عمروؓ خالد بن ولیدؓ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔[1]

اسلام وہجرت...... ان کے گھر میں سب سے پہلے ان کے بھائی خالد بن سعید مشرف باسلام ہوئے۔[2] ان کے کچھ دنوں کے بعد عمرو دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، تیسرے بھائی ابان نے جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے، دونوں بھائیوں کے اسلام پر اشعار میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا اس کا ایک شعر یہ ہے

الا لیت میتا بالظریبة شاھد
لما یفتری فی الدین عمرو خالد

ان تینوں کے والد مقام ظریبہ میں دفن تھے، ان کی طرف اشارہ کرکے کہتا ہے کہ ''کاش ظریبہ کا مرنے والا دیکھتا کہ عمرو اور خالد نے دین میں کیا افتراء پردازی کی ہے''۔

حضرت عمروؓ نے بھی اس کا جواب نظم میں دیا جس کا آخری شعر یہ ہے

فدع عنک میتا قد مضی بسبیلہ
و اقبل علی الحق الذی ھو اظھر

''اب اس مرنے والے کا تذکرہ چھوڑ دو جو اپنا راستہ لے چکا اور اس حق کی طرف آؤ جس کا حق ہونا بالکل عیاں ہے''

عمرو بن سعید نے اپنے بھائی خالد کی ہجرت کے دو سال بعد ہجرت ثانیہ[3] میں مع اپنی بیوی فاطمہ کے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور وہاں سے مسلمانوں کے قافلہ کے ساتھ کشتی کے ذریعہ غزوۂ خیبر کے دوران میں مدینہ آئے۔[4]

غزوات...... مدینہ آنے کے بعد فتح مکہ، حنین، طائف اور تبوک وغیرہ تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب رہے۔[5]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۱۰۶۔ [2] ایضاً۔
[3] اصابہ جلد ص ۳۰۰۔ [4] ابن سعد جزء ۴ ق ۱ ص ۷۳۔ [5] استیعاب جلد ۲ ص ۴۴۱

امارت...... آنحضرت ﷺ نے ان کو مدینہ کے مغربی مقامات تبوک، خیبر اور فدک وغیرہ کا عامل مقرر کیا،[1] جہاں وہ حیات نبوی تک اپنی خدمات نہایت جانفشانی سے انجام دیتے رہے، آنحضرت ﷺ کی خبر وفات سن کر وہاں سے واپس ہوئے واپسی کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تم سے زیادہ امارت کا کون مستحق ہوسکتا ہے؟[2] اور دوبارہ واپس جانے کی خواہش کی، لیکن آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے عامل نہ بنیں گے۔[3]

فتوحات شام اور وفات...... امارت سے واپسی کے کچھ ہی دنوں بعد شام پر فوج کشی کی تیاریاں شروع ہوئیں، عمروؓ بھی اس میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور ۱۳ھ میں اجنادین کے معرکہ میں نہایت جوش وخروش سے لڑے، جب مسلمانوں کے پیروں میں ذرا بھی لغزش ہوتی تو یہ للکار کر ثبات واستقلال پر آمادہ کرتے، ایک مرتبہ جوش میں آکر کہا کہ میں اپنے ساتھیوں کا میدان جنگ میں پلہ کمزور نہیں دیکھ سکتا، اب میں خود گھستا ہوں یہ کہہ کر دشمنوں کے قلب میں گھستے ہوئے گئے اور بڑی بے جگری سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، شہادت کے بعد دیکھا گیا تو سارا بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا شمار کرنے پر تیس سے زیادہ زخم جسم پر نکلے۔[4]

---

[1] ایضاً ص ۴۲۲۔ [2] اصابہ جلد ۴ ص ۳۰۱۔

[3] استیعاب جلد ۱ ص ۱۵۵۔

[4] واقعہ کی تفصیل اصابہ جلد ۴ ص ۳۰۱ سے ماخوذ ہے لیکن شہادت کا تذکرہ فتوح البلدان بلاذری فتح اجنادین میں ہے۔

حضرت مسطحؓ بن اثاثہ

نام ونسب...... عوف نام، ابوعباد کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے، مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب ابن عبد مناف بن قصی قرشی مطلبی، عوف حضرت ابوبکرؓ کے خالہ زاد بھائی تھے۔[1]

اسلام وغزوات...... مسطح بہت ابتدا میں مشرف باسلام ہوئے، البتہ ہجرت کا وقت متعین نہیں ہے، لیکن بدر کے قبل ہجرت کر کے مدینہ آ چکے تھے، اور بدر میں شریک تھے، بدر کے بعد اور غزوات میں بھی ان کی شرکت کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ وہ غزوہ بنومصطلق جس میں افک کا واقعہ پیش آیا، یہ شریک تھے اور اس فتنہ میں ان کا دامن بھی محفوظ نہ رہ سکا، جب منافقین نے یہ واقعہ مشہور کیا تو بعض صحابہؓ بھی ان کے دام فریب میں آ گئے، ان میں ایک مسطح بھی تھے جنگ سے واپسی کے بعد انہوں نے یہ واقعہ اپنی ماں سے بیان کیا، وہ حضرت عائشہ کے پاس گئیں اور کسی بات پر مسطح کو بددعا دی، حضرت عائشہؓ نے کہا تم بدری صحابی کو بددعا دیتی ہو، انہوں نے کہا تم کو نہیں معلوم، ان لوگوں نے کیا افتراء پردازیاں کی ہیں اور کل واقعہ حضرت عائشہ کو سنایا، حضرت عائشہؓ کو اس افتراء پردازی کا سب سے پہلے ان ہی کے ذریعہ سے علم ہوا، مسطح حضرت ابوبکرؓ کے خالہ زاد بھائی تھے، اس لئے وہ ان سے مسلوک ہوتے رہتے تھے، جب انہوں نے افک کے واقعہ میں شرکت کی اور قرآن پاک نے اس کو افتراء قرار دیا تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کو امداد کرنا بند کر دی اور فرمایا کہ اب مسطح پر ایک حبہ نہیں خرچ کروں گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

> و لا یاتل اولوا الفضل منکم و السعة ان یوتوا اولی القربی و المسکین و المهاجرین فی سبیل الله و لیعفوا و لیصفحوا الا تحبون ان یغفر الله لکم و الله غفور رحیم .(نور ۔ ۲)
>
> تم میں سے جو لوگ صاحب فضیلت اور صاحب مقدرت ہیں، وہ قرابت والوں محتاجوں اور مہاجرین فی سبیل اللہ کو امداد نہ دینے کی قسم نہ کھائیں اور چاہیے کہ معاف کر دیں، اور درگذر کریں، مسلمانو! کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مدد کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت کے نزول کے بعد پھر حضرت ابوبکرؓ صدیق بدستور ان کی خبرگیری کرنے لگے،[2] لیکن چونکہ ایک محصنہ پر تہمت لگائی تھی اور اس کی سزا قرآن نے یہ تجویز کی تھی۔

---

[1] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۵۴، [2] بخاری جلد ۱ ص ۳۶۴، ۳۶۵

و الذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة (نور ۔ ۲)

یعنی جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لاسکیں تو ان کو اسی کوڑے لگاؤ۔

اس لئے دوسرے لوگوں کے ساتھ ان پر بھی حد جاری ہوئی۔[1]

وفات...... زمانۂ وفات میں اختلاف ہے، بعض روایتوں سے ۳۴ھ عہد عثمانی میں وفات ثابت ہوتی ہے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کے عہد تک زندہ تھے، اور جنگ صفین میں ان کی حمایت میں لڑے اور اسی سال ۳۷ھ میں انتقال فرمایا، وفات کے وقت ۵۶ سال کی عمر تھی،[2] آخری روایت زیادہ مستند ہے۔

---

[1] اسد الغابہ ج ۴ ص ۳۵۵، [2] ایضاً

حضرت مرثد بن ابی مرثد غنویؓ

نام ونسب...... مرثد نام، سلسلۂ نسب یہ ہے، مرثد بن کناز بن حصین بن یربوع بن جہینہ بن سعد بن طریف بن خرشہ بن عبید بن سعد بن عوف بن کعب بن جلاں بن غنم بن یحییٰ ابن یعصر بن سعد ابن قیس عیلان بن مضر۔[1]

اسلام وہجرت...... مرثد بہت ابتدا میں مکہ میں مشرف باسلام ہوئے اور بدر کے قبل ہجرت کرکے مدینہ گئے، آنحضرت ﷺ نے اوس بن صامت سے مواخات کرادی۔[2]

بدر...... سلسلۂ غزوات کے سب سے پہلے غزوۂ بدر میں شریک ہوئے، میدان جنگ میں آنحضرت ﷺ کے پہلو بہ پہلو سبل نامی گھوڑے پر سوار داد شجاعت دے رہے تھے۔[3]

نزول آیۃ...... زمانہ جاہلیت میں مکہ کی عناق نامی ایک طوائف سے تعلقات تھے، تحریم زنا کے بعد قطع تعلق کرلیا، مرثد نہایت قوی اور بہادر آدمی تھے، اس لئے قیدیوں کو مکہ سے مدینہ لے جانے کی خدمت ان ہی کے سپرد تھی، اس سلسلہ میں ایک مرتبہ مکہ جانے کا اتفاق ہوا، چاندنی رات میں ایک گلی سے گذر رہے تھے، اتفاق سے عناق کی نظر پڑ گئی اس نے آواز دی، یہ رک گئے، اس نے اپنے مخصوص دلربائی کے انداز میں بڑی خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہا، اور شب باشی کی خواہش کی، فرمایا عناق، اب خدا نے زنا حرام کردیا ہے، اس کو اس خشک جواب پر غصہ آ گیا اور لوگوں سے کہہ دیا کہ مرثد یہاں کے قیدی مدینہ لے جاتے ہیں، چنانچہ آٹھ آدمیوں نے ان کا تعاقب کیا، مگر یہ ایک محفوظ مقام پر چھپ گئے اور جب وہ لوگ تلاش کرکے واپس ہو گئے تو مدینہ کا راستہ لیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! عناق سے میرا نکاح کردیجئے، آپ نے کوئی جواب نہیں دیا، اور اس کے بعد یہ حکم نازل ہوا۔[4]

الزاني لا ينكح الا زانية او مشركة و الزنية لا ينكحها الا زان او مشرک و حرم ذلک علي المؤمنين (نور . ۱)

---

[1] ابن سعد جز ۳ قسم ا ص ۳۲، [2] استیعاب جلد ۲ ص ۲۷۲،

[3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۲۱،

[4] یہ واقعہ استیعاب جلد ۱ ص ۲۷۲ میں مفصل اور ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۰۳ میں مجمل مذکور ہے، ابن جریر نے اس آیت کے نزول کے سلسلہ میں منجملہ اور واقعات کے یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے۔

بدکردار مرد بدکار عورت یا مشرک سے نکاح کریگا اور بدکردار عورت کو بدکار مرد

یا مشرک کے سوا کوئی نکاح میں نہ لائے گا اور ایمان والوں پر یہ حرام ہے۔

شہادت...... بنوعضل وقارہ نے اسلام لانے کے بعد آنحضرت ﷺ سے مذہبی تعلیم کے لئے چند معلم بھیجنے کی درخواست کی تھی، آپ نے ان کی درخواست پر باختلاف روایت حضرت مرثدؓ یا عاصم بن ثابت کی زیر امارت ایک جماعت بھیجی، یہ لوگ مقام رجیع تک پہنچے تھے کے بنو ہذیل اچانک ننگی تلواریں لئے ہوئے آ گئے اور کہا ہمارا مقصد تمہارا خون بہانا نہیں ہے بلکہ تمہارے بدلہ میں اہل مکہ سے روپیہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور تمہاری حفاظت جان کا عہد کرتے ہیں، حضرت مرثدؓ، خالدؓ اور عاصمؓ نے کہا کہ ہم مشرکین سے کسی قسم کا عہد کرنا نہیں چاہتے اور تینوں نے لڑ کر جان دی۔[1]

فضل وکمال...... فضل وکمال کے ثبوت کے لئے یہ واقعہ کافی ہے کہ مذہبی تعلیم کے لئے آنحضرت ﷺ نے ان کا انتخاب فرمایا تھا، چونکہ آنحضرت ﷺ کی حیات میں انتقال کر گئے، اس لئے ان کے علمی جوہر کھلنے نہ پائے تاہم ان کی روایت سے حدیث کی کتابیں یکسر خالی نہیں ہیں۔[2]

۱؎ ابن سعد حصہ مغازی ص ۳۹، ۲؎ تہذیب الکمال ص ۳۷۲

حضرت ابورہمؓ غفاری

نام ونسب...... کلثوم نام، ابورہم کنیت، "منحور" لقب، سلسلۂ نسب یہ ہے، کلثوم بن حصین بن خالد عسعس بن زید بن عمیس بن احمس بن غفار[1]

اسلام...... آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔

غزوۂ احد..... سب سے پہلے احد میں شریک ہوئے اور ایک تیر سینہ پر کھا کر نشان امتیاز حاصل کیا، آنحضرت ﷺ نے زخم پر لعاب دہن لگایا، چونکہ سینہ پر آنحضرت ﷺ نے لعاب دہن لگایا تھا، اور سینہ کو "نحر" کہتے ہیں اس مناسبت سے لوگ ان کو "منحور" کہنے لگے۔[2]

صلح حدیبیہ میں بھی آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے، اور بیعت رضوان میں شرف بیعت حاصل کیا۔[3]

اس کے بعد غزوۂ خیبر میں شریک ہوئے، اور مال غنیمت میں سے آنحضرت ﷺ نے ان کو دوہرا حصہ دیا۔[4]

فتح مکہ میں شریک نہ ہو سکے تھے، لیکن اس میں اس سے بھی بڑا یہ شرف حاصل ہوا کہ جب آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے لئے نکلے تو مدینہ میں ان کو اپنا قائم مقام بنا گئے اس کے علاوہ عمرۃ القضاء میں بھی یہ شرف حاصل ہوا تھا۔[5]

طائف کے محاصرہ میں بھی شریک تھے، واپسی کے وقت یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ جب آنحضرت ﷺ طائف سے واپسی کے بعد جعرانہ کی طرف چلے تو ابورہمؓ کی اونٹنی آپ کی اونٹنی سے بھڑ گئی اور ان کے جوتے کا کنارہ ران مبارک سے رگڑ کھا گیا، آنحضرت ﷺ کو اس کی خراش سے تکلیف ہوئی، آپ نے ان کے پاؤں کو کوڑے سے کونچ کر فرمایا پاؤں ہٹاؤ، میری ران میں خراش آگئی، ابورہمؓ بہت خوفزدہ ہوئے کہ مبادا وحی کے ذریعہ اس گستاخی کی تنبیہ نہ ہو، صبح کو جب قافلہ جعرانہ پہنچ کر خیمہ زن ہوا تو ابورہمؓ حسب معمول اونٹ چرانے نکل گئے، مگر دل میں یہ خطرہ لگا رہا، اس لئے واپس آتے ہی لوگوں سے دریافت کیا تو بظاہر اس خطرہ کی صحت کے آثار نظر آئے، معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے یاد فرمایا تھا، چنانچہ یہ ڈرتے ڈرتے حاضر خدمت ہوئے

[1] اصابہ جلد ۷ ص ۶۸۔ [2] ابن سعد جز ۴ ق ا ص ۱۸۰۔
[3] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۹۔ [4] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۹۶۔
[5] استیعاب جلد ۲ ص ۲۶۸

لیکن یہ قیصر وکسریٰ کی شہنشاہی نہ تھی، جس میں ادنیٰ گستاخی بھی سخت ترین پاداش کا مستحق بنا دیتی ہے، بلکہ رحمۃ للعالمین کے لطف وکرم کا دربار تھا، جس میں آقا غلام، مالک اور مملوک کا کوئی امتیاز نہیں اور جس کی تعزیرات میں غیظ وغضب، سزا اور انتقام سے زیادہ لطف وترحم کی دفعات ہیں، چنانچہ جب یہ پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ تم نے مجھ کو تکلیف پہنچائی تھی، اس کے بدلہ میں میں نے تمہارے پیر کو کوڑے سے ہٹایا تھا، اب اس کے عوض یہ بکریاں انعام میں لو، حضرت ابورہمؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی اس وقت کی رضامندی میرے لئے دنیا ومافیہا سے بہتر تھی۔[1]

غزوۂ تبوک میں بھی شریک ہوئے اور اپنے ساتھ اپنے اور بہت سے قبیلہ والوں کو شریک کیا، اس غزوہ میں عرب میں ایسا قحط اور ایسی شدت کی گرمی تھی کہ لوگوں کا گھروں سے نکلنا دشوار تھا، اور منافقین مسلمانوں کو شرکت جنگ سے منع کرتے تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ کو اس کے لئے خاص اہتمام کی ضرورت پیش آئی، چنانچہ جب ابورہمؓ نے حسب معمول دوسرے غزوات کی طرح اس میں بھی شرکت کے لئے تیاریاں شروع کیں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، تم جا کر اپنے قبیلہ والوں کو جنگ پر آمادہ کرو، اس ارشاد کی تعمیل میں انہوں نے قبیلۂ غفار کے بہت سے لوگوں کو شرکت پر آمادہ کر دیا، اور ان کی معتد بہ تعداد اس غزوہ میں شریک ہوئی۔[2]

اتفاق سے اس مرتبہ بھی واپسی میں ان کی سواری آنحضرت ﷺ کی سواری کے پہلو میں تھی، رات کا وقت تھا، بار بار غنودگی طاری ہو جاتی تھی، اس لئے آنحضرت ﷺ کی سواری سے بھڑ جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا تھا، اس لئے جہاں ایسا موقع آتا وہ فوراً اپنی سواری ہٹا لیتے۔[3]

وفات...... وفات کے بارہ میں ارباب سیر خاموش ہیں۔

فضل وکمال...... آپ سے دو حدیثیں مروی ہیں۔[4]

---

[1] ابن سعد جزء ۴ قسم ۱ ص ۱۸۰، [2] ابن سعد جزء ۴ ق ۱ ص ۱۸۰
[3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۸۰، [4] تہذیب الکمال ص ۳۲۱

حضرت عمروؓ بن امیہ

نام ونسب...... عمرو نام، ابوامیہ کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے، عمرو بن امیہ بن خویلد بن عبداللہ ابن یاس بن عبید بن ناشرہ بن کعب بن جدی بن حمزہ بن بکر بن عبدمناۃ بن کنانہ کنانی۔[1]

اسلام...... بدر اور احد کی لڑائیوں میں مشرکین کے ساتھ تھے، اور مسلمانوں کے خلاف نہایت شجاعت اور پامردی سے لڑے، لیکن بدر واحد کے معرکوں میں جو شخص مسلمانوں کے خون سے پیاس بجھانے آیا تھا، وہ احد کے بعد اسلام کے سرچشمہ ایمان سے سیراب ہوگیا۔[2]

بیر معونہ...... اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے بیر معونہ میں شریک ہوئے، اس کا واقعہ یہ ہے کہ ۴ھ میں ابو براء قبیلہ کلاب کے رئیس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر درخواست کی کہ کچھ مسلمان ہمارے قبیلہ میں دعوت اسلام کے لئے بھیجئے آپ نے فرمایا مجھ کو نجد والوں کی طرف سے خطرہ ہے، لیکن اس کی ضمانت کے بعد ستر آدمیوں کی جماعت منذر بن عمرو کی ماتحتی میں بھیج دی، ان لوگوں نے بیر معونہ پہنچ کر قیام کیا اور حرام بن ملحان کے ہاتھ آنحضرت ﷺ کا دعوت نامہ عامر بن طفیل کے پاس بجھوادیا، اس نے ان کو قتل کردیا، اور عصیہ، رعل اور ذکوان وغیرہ کے قبائل میں منادی کرادی، یہ سب جمع ہوگئے، یہاں جب حرام کی واپسی میں دیر ہوئی تو مسلمان ان کی تلاش میں نکلے لیکن آگے بڑھ کر رعل وذکوان وغیرہ کا سامنا ہوگیا ان سب نے مل کر مسلمانوں پر حملہ کرکے ان کی پوری جماعت تہ تیغ کردی، صرف حضرت عمرو بن امیہ کو عامر بن طفیل نے یہ کہہ کر کہ "میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی نذر مانی تھی" چھوڑ دیا، اور نشان ذلت کے طور پر پیشانی کے بال تراش لئے، یہ واپس ہورہے تھے، کہ راستہ میں دو کلابی شخص ملے، ان دونوں کو آنحضرت ﷺ نے امان دے دی تھی، لیکن عمروؓ کو معلوم نہ تھا، اس لئے دونوں کو قصاص میں قتل کردیا آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ کو بہت صدمہ ہوا، اور دونوں کی دیت ادا کی۔[3]

حضرت عمروؓ کی سفارت اور نجاشی کا اسلام...... ۶ھ میں آنحضرت ﷺ نے ان کو نجاشی کے پاس دعوت اسلام کا خط لے جانے پر مامور کیا، اس خط میں دعوت اسلام کے علاوہ مہاجرین کی میزبانی کی سفارش اور حضرت ام حبیبہؓ (جو اس وقت مہاجرین حبش کے ساتھ حبشہ میں موجود تھیں) کے ساتھ نکاح کا قیام بھی تھا، اس دعوت نامہ کے اثر سے نجاشی حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا اور آنحضرت ﷺ کے نامہ مبارک کے جواب میں ایک عریضہ لکھا،

---

[1] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۸۶، [2] استیعاب جلد ۲ ص ۴۴۳، [3] ابن سعد حصہ مغازی ص ۳۶

جس میں اسلام کا اقرار، قدم بوسی کی تمنا اور مہاجرین کی میزبانی وغیرہ کا ذکر تھا، اس کے بعد نجاشی نے حضرت ام حبیبہؓ کو آنحضرت ﷺ کی طرف سے نکاح کا پیام دیا، اور خود آنحضرت ﷺ کی طرف سے وکیل بنا اور نکاح کے بعد آپ کی طرف سے چار سو دینار مہر معجّل ادا کیا۔[1]

ایک سریہ...... اس سفارت کے بعد ابوسفیان کی ایک شرارت کا بدلہ لینے کی خدمت سپرد ہوئی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ ابوسفیان قریش کے کچھ لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے قتل پر آمادہ کر رہا تھا، ایک اعرابی نے اس کا بیڑا اٹھایا اور ابوسفیان نے ضروری سامان مہیا کر دیا، وہ مدینہ پہنچا، آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف رکھتے تھے یہ بھی وہیں پہنچا، لیکن آنحضرت ﷺ اس کی نیت تاڑ گئے، فرمایا کہ یہ کوئی فریب کرنا چاہتا ہے، اعرابی حملہ کرنے ہی والا تھا کہ حضرت اسید بن حضیرؓ نے جھپٹ کر دبوچ لیا، اعرابی کے ازار سے خنجر گرا، جرم کھلا ہوا تھا، کسی شاہد کی ضرورت نہ تھی، لیکن رحمۃ للعالمین نے معاف کر دیا، اس نے پورا پورا واقعہ سنایا، چونکہ اس جرم کا اصل بانی ابو سفیان تھا اور اس کی بدولت اہل مدینہ اور قریش کی باہمی جنگ کی سی حالت قائم تھی، اس لئے آنحضرت ﷺ نے عمرو بن امیہ اور سلمہ بن اسلم کو اس غرض سے بھیجا کہ اگر موقع ملے تو اس فتنہ کے بانی کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا جائے، یہ دونوں بزرگ مکہ پہنچے، لیکن معاویہ نے خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے ان کو دیکھ لیا اور قریش کو خبر کر دی، ان لوگوں نے کہا، ان کا آنا بے سبب نہیں ہے اور یہ کوئی نہ کوئی حرکت ضرور کریں گے ان لوگوں نے جب دیکھا کہ راز فاش ہو گیا تو مکہ سے نکل گئے راستہ میں عبید اللہ بن مالک اور بنو ہذیل کا ایک آدمی ملا، عمروؓ نے عبید اللہ کا اور سلمہ نے دوسرے شخص کا کام تمام کر دیا، اس کے بعد قریش کے دو جاسوس ملے جوان ہی کی تلاش میں پھر رہے تھے، ان دونوں بزرگوں نے ان میں سے بھی ایک کو قتل کر دیا اور ایک کو پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے۔[2]

وفات...... امیر معاویہؓ کے آخری عہد امارت ۶۰ھ کے قبل مدینہ میں وفات پائی۔[3]

اولاد...... جعفر، عبداللہ اور فضل تین لڑکے یادگار تھے۔[4]

فضل وکمال...... فضل وکمال میں گو کوئی ممتاز حیثیت نہ تھی، تاہم ان کی ۲۰ روایات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، تلامذہ میں ذیل کے نام ہیں، عبداللہ، جعفر، فضل، زبرقان، شعبی، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، ابوقلابہ، جرمی اور ابوالمہاجر۔[5]

عام حالات...... شجاعت وشہامت اور جرأت ودلیری میں عرب کے ممتاز لوگوں میں تھے،[6] اس لئے آنحضرت ﷺ اہم امور کی تکمیل ان کے سپرد فرماتے تھے۔[7]

---

[1] طبری ص ۱۵۶۹، ۱۵۷۰۔ [2] ابن سعد جز ۲ ق ا ص ۶۸۔
[3] تہذیب الکمال ص ۲۸۷۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۶۔
[5] تہذیب الکمال ص ۲۸۷۔ [6] تہذیب التہذیب حوالہ مذکور۔
[7] اسد الغابہ ج ۴ ص ۸۶

حضرت ابانؓ بن سعید بن العاص

نام ونسب..... ابان نام، سلسلۂ نسب یہ ہے، ابان بن سعید بن العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی القریشی الاموی، ماں کا نام ہند بنت مغیرہ تھا، ان کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت پر عبد مناف پر آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے۔[1]

زمانہ جاہلیت...... اسلام لانے کے قبل ابان بھی دوسرے اہل خاندان کی طرح آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے سخت خلاف تھے، چنانچہ جب ان کے بھائی خالدؓ اور عمرو مشرف باسلام ہوئے تو انہوں نے اشعار میں اظہار ناراضگی کیا،[2] جس کا ایک شعر یہ ہے

الا لیت میتا بالظر یبہ شاھد
لما یفتری فی الدین عمرو و خالد

کاش ظریبہ میں موت کی نیند سونے والا دیکھتا کہ عمرو اور خالد نے دین میں کیا افتراء کیا ہے۔

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی حمایت میں اپنے بھائی عبیدہ اور عاص کے ساتھ لڑنے نکلے، عبیدہ اور عاص مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے، لیکن ابان بچ کر نکل گئے۔[3]

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو قریش کے پاس صلح کی گفت وشنید کے لئے بھیجا تو وہ ابان ہی کے یہیں مہمان ہوئے تھے، کیوں کہ یہ حضرت عثمانؓ کے عزیز تھے، اور ان ہی نے ان کی حفاظت کی ذمہ داری لی تھی۔[4]

ایک راہب سے گفتگو...... گو وہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف تھے تاہم اصل حقیقت کی جستجو رہتی تھی، اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بارہ میں واقف کاروں سے پوچھا کرتے تھے، اس وقت شام اصحاب علم وخبر کا مرکز تھا، یہ تجارت کے سلسلہ میں وہاں جایا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک راہب سے کہا میں قبیلہ قریش سے تعلق رکھتا ہوں اسی قبیلہ کا ایک شخص اپنے کو خدا کا فرستادہ ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ کو بھی خدا نے عیسیٰؑ اور موسیٰؑ کی طرح نبی بنا کر بھیجا ہے، راہب نے نام پوچھا، انہوں نے کہا محمدؐ راہب نے صحف آسمانی کی رو سے نبی مبعوث کا

---

[1] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۳۵، [2] ایضاً،
[3] اصابہ جلد ۱ ص ۱۰، [4] استیعاب جلد ۱ ص ۳۵

نسب وغیرہ بتایا، ابان نے کہا یہ تمام باتیں تو اس شخص میں موجود ہیں، راہب نے کہا تو خدا کی قسم وہ شخص عرب پر اقتدار حاصل کرنے کے بعد تمام دنیا پر چھا جائے گا، تم واپس جانا تو خدا کے اس نیک بندے تک میرا اسلام پہنچا دینا، چنانچہ ابان جب واپس ہوئے تو رنگ بدل چکا تھا اور اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ وہ پرخاش باقی نہ رہی۔[1]

اسلام و ہجرت...... کچھ دنوں تک آبائی مذہب کی لاج اور ہم چشموں کی طعنہ زنی کے خیال سے خاموش رہے لیکن زیادہ دنوں تک جذبۂ حق نہ دب سکا اور خیبر کے قبل مشرف باسلام ہو گئے[2] اور غالباً اسلام کے بعد ہی ہجرت کی سعادت بھی حاصل کی۔

غزوات...... اسلام لانے کے بعد ہی آنحضرت ﷺ نے ایک سریہ کا امیر بنا کر نجد روانہ کیا، وہاں سے کامیاب ہو کر واپس ہوئے تو خیبر فتح ہو چکا تھا، اسی وقت حضرت ابو ہریرہؓ بھی مہاجرین حبش کے ساتھ واپس ہوئے تھے، دونوں نے عرض کی یا رسول اللہ خیبر کے مال غنیمت سے کچھ ہم لوگوں کو بھی مرحمت ہو، ان میں اور حضرت ابو ہریرہؓ میں پہلے سے کچھ چشمک تھی، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ان لوگوں کو نہ دیجئے، ابان کو غصہ آ گیا بولے پہاڑ کی بھیڑی اتری وہ بھی بولی! آنحضرت ﷺ نے دونوں کو خاموش کیا۔[3]

نجد کی مہم کے علاوہ ان کو دوسرے سریوں کی امارت بھی عطا کی گئی۔

بحرین کی امارت...... علاء بن حضرمی کو معزول کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو بحرین کے بری اور بحری دونوں حصول کا عامل مقرر کیا، آپ کی وفات تک یہ اپنے فرائض ذمہ داری سے انجام دیتے رہے، وفات کی خبر سن کر وہاں سے واپس ہوئے۔[4]

خلافت صدیقی...... حضرت ابو بکرؓ کی بیعت عام کے بعد قریش کے جو چند افراد کچھ دنوں تک ان کی بیعت سے دست کش رہے تھے، ان میں ایک ابان بھی تھے، لیکن جب بنو ہاشم نے بیعت کر لی، تو ان کو بھی کوئی عذر نہ ہوا، صدیق اکبرؓ نے آنحضرت ﷺ کے کسی عامل کو معزول نہیں کیا تھا، ابان بھی آپؐ کے مقرر کردہ عامل تھے، اس لیے ان سے دوبارہ واپس جانے کی خواہش کی، لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں آنحضرت ﷺ کے بعد کسی کا پیش کردہ عہدہ قبول نہیں کر سکتا، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ دنوں تک اس عہدہ پر قائم نہیں رہے اور خلیفہ اول کے اصرار پر یمن کی گورنری قبول کر لی۔[5]

وفات...... زمانہ وفات میں بہت اختلاف ہے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت

---

[1] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۳۶، [2] استیعاب جلد ۱ ص ۳۵،
[3] بخاری جلد ۲ کتاب المغازی غزوہ خیبر میں دو مختلف قسم کی روایتیں ہیں ہم نے دونوں کی تطبیق کی کوشش کی ہے،
[4] استیعاب جلد ۱ ص ۳۵، [5] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۳۷

ابوبکرؓ کے آخر عہد خلافت میں جنگ اجنادین میں شہادت پائی، ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ جنگ یرموک میں شہید ہوئے، ایک روایت کے مطابق پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت تک زندہ تھے، اور مصحف عثمانی ان ہی کی نگرانی میں حضرت زید بن ثابت کاتب وحی نے لکھا تھا، لیکن ان سب میں مستندتر اجنادین کی شہادت کی روایت ہے چنانچہ مصعب، زبیر اور دوسرے نسابوں کا بھی یہی خیال ہے۔[1]

---

[1] استیعاب جلد ۱ ص ۳۶

حضرت نعیم بن مسعودؓ

نام ونسب...... نعیم نام، ابوسلمہ کنیت نسب نامہ یہ ہے، نعیم بن مسعود بن عامر بن انیف بن ثعلبہ ابن قنفذ بن حلاوہ بن سبیع بن بکر بن اشجع بن ریث بن عطفان غطفانی اشجعی۔

قبل اسلام...... غزوۂ احزاب ۵ھ میں اپنے قبیلہ کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کو نکلے تو نعیم اس وقت آبائی مذہب پر تھے، لیکن آنحضرت ﷺ سے قدیم شناسائی کی بنا پر ان کا دل اسلام سے متاثر تھا، غزوۂ احزاب میں یہ اثر پورے طور پر نمایاں ہوگیا، چنانچہ ایک دن کسی کو اطلاع دیئے بغیر مغرب وعشاء کے درمیان آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ نماز میں مشغول تھے اس سے فارغ ہونے کے بعد ان کو دیکھا، پوچھا کیسے آئے ہو عرض کیا حلقہ بگوش ہونے آیا ہوں، جو خدمت میرے قابل ہو اس کے لیے حاضر ہوں، فرمایا اگر ان قبائل (احزاب کا اجتماع) کو کسی طرح ہٹا سکتے ہو تو ہٹانے کی کوشش کرو، گو عرب کے ٹڈی دل قبائل کا منتشر کرنا آسان نہ تھا، اس لیے نعیم نے ان میں پھوٹ ڈلوادی، پہلے بنو قریظہ کے پاس گئے اور کہا قریش اور غطفان کا کوئی اعتبار نہیں، اگر موقعہ ملا تو وہ مسلمانوں سے لڑیں گے ورنہ واپس جائیں گے، تم لوگوں کو ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ رہنا ہے، اس لیے تم درمیان میں پڑ کر خواہ مخواہ کیوں جھگڑا خریدتے ہو، اگر تم کو قریش کا ساتھ ہی دینا ہے تو ان کے کچھ آدمی امانت کے طور پر اپنے یہاں رکھ لو کہ وہ کسی قسم کی بدعہدی نہ کرسکیں، ان لوگوں نے یہ مشورہ قبول کیا، اس کے بعد ابوسفیان کے پاس گئے، اور کہا قریظہ مسلمانوں کے ساتھ کشیدگی پر بہت نادم ہیں اور ان سے ازسرنو تعلقات خوشگوار بنانا چاہتے ہیں، چنانچہ انہوں نے محمدؐ کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم قریش اور غطفان کے ۷۰ ستر آدمی عنقریب تمہارے پاس بھیجیں گے، تم ان کی گردن اڑا کر اپنا بدلہ لینا، اوران دونوں کے ہٹانے میں بھی ہم تمہارے معاون ومددگار رہیں گے، اس لئے میرا دوستانہ مشورہ ہے کہ تم ان کے دام فریب میں نہ آؤ، اگر وہ ضمانت وغیرہ میں کچھ آدمی مانگیں تو ہرگز نہ دو، اس کے بعد قبیلہ غطفان کو بھی یہی مشورہ دیا، یہ خود اس قبیلہ کہ آدمی تھے، اس لیے سب نے متفقہ ان کی تائید کی۔

اس کے بعد بنو قریظہ نے ابوسفیان کے پاس آدمی بھیجا کہ ہم کو خطرہ ہے کہ تم لوگ ہم کو چھوڑ کر محمدؐ کا ساتھ دو گے، اس لئے ہم اس وقت محمدؐ سے لڑنے میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتے جب تک ہمارے اطمینان کے لیے ستر آدمی ضمانت کے طور پر ہمارے یہاں نہ بھیج دو، ابوسفیان

نے کہا نعیم کا کہنا سچ تھا، اس کے بعد غطفان کے پاس بھی یہی پیغام بھیجا، لیکن سب نے آدمی دینے سے انکار کر دیا اور کہا ہم آدمی تو نہیں دے سکتے اگر تم کو یقین نہیں ہے تو ہم سے الگ ہو کر تم خود مسلمانوں سے مقابلہ کرو، یہودیوں نے کہا توراۃ کی قسم نعیم کا کہنا بالکل سچ تھا، غرض اس کے بعد کسی کو ایک دوسرے پر اعتبار نہیں رہا، اور آپس میں پھوٹ پڑ گئی۔[۱]

اتفاق سے اسی دوران میں ہوا کا ایسا طوفان آیا کہ خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں اور چولھوں پر سے ہانڈیاں الٹ گئیں، غرض کچھ نا اتفاقی اور کچھ موسم کی خرابی کی وجہ سے سب نے اپنی اپنی راہ لی اور نعیم کی کارکردگی سے کفار کے بادل ہوا بن کر اڑ گئے۔

ہجرت...... اس غزوہ کے بعد ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔[۲]

غزوات...... غزوۂ احزاب کے بعد دوسرے غزوات میں بھی شریک ہوتے رہے غزوۂ تبوک میں اپنے قبیلہ کو ابھار کر لائے، پھر فتح مکہ کے لیے بنو اشجع کو آمادہ کرنے کے لئے گئے۔[۳]

وفات...... وفات کے بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ جنگ جمل میں کام آئے دوسری یہ کہ اسی عہد میں وفات پائی۔[۴]

فضل وکمال...... کے اعتبار سے کوئی قابل ذکر مرتبہ نہ تھا، تاہم ان کے صاحبزادے سلمہ نے ان سے روایتیں کی ہیں۔[۵]

---

[۱] ابن سعد جز ۴ ق ۲ ص ۲۰،
[۲] ایضاً،
[۳] ایضاً،
[۴] استیعاب ج اول ص ۳۱۲ تذکرہ نعیم بن مسعود،
[۵] تہذیب الکمال ص ۴۰۳

حضرت واقد بن عبداللہؓ

نام ونسب......واقد نام، والد کا نام عبداللہ تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے۔ واقد بن عبداللہ بن عبد مناف بن عرین بن ثعلبہ بن یربوع بن حنظلہ بن مالک بن زید مناۃ بن تمیم تمیمی حنظلی۔

اسلام و ہجرت......دعوت کے آغاز یعنی آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں پناہ گزین ہونے کے قبل مشرف باسلام ہوئے اور اذن ہجرت کے بعد وطن چھوڑ کر مدینہ کی غربت اختیار کی اور رفاعہ بن عبدالمنذر کے مہمان ہوئے، آنحضرت ﷺ نے غربت کی اجنبیت دور کرنے کے لئے ان میں اور بشر بن براء بن معرورؓ میں مواخاۃ کرادی۔[1]

غزوات......ہجرت عظمی کے بعد آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے سریہ مقام نخلہ میں عبداللہ ابن جحش کی زیر امارت قریش کی نقل وحرکت کا پتہ چلانے کے لئے بھیجا، اس میں حضرت واقدؓ بھی تھے، ان لوگوں نے منزل مقصود پر پہنچ کر قیام کیا، ابھی یہ لوگ پہنچے ہی تھے کہ قریش کا قافلہ ادھر سے گذرا، مسلمانوں نے حملہ کرنے کا مشورہ کیا، لیکن رجب کا مہینہ تھا جس میں عرب میں خونریزی حرام تھی، اس لیے سب ابتدا کرتے ہوئے جھجک محسوس کر رہے تھے، لیکن حضرت واقدؓ نے ہمت کر کے عمرو بن حضرمی کو تیر کا نشانہ بنادیا، مکہ والوں نے آنحضرت ﷺ کے پاس شکایت کہلا بھیجی کہ تم لوگ بھی شہر حرام کی حرمت کرتے ہو اور اس میں خونریزی کرنا برا سمجھتے ہو، پھر تمہارے آدمی نے ہمارے ایک آدمی کا خون کیوں بہایا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔[2]

یسئلونک عن الشهر الحرام قتال فيه قل قتال فيه كبير و صد عن سبيل الله و كفر به و المسجد الحرام و اخراج اهله منه اكبر عندالله و الفتنة اكبر من القتل (بقره . ۲٦)

اے محمد! مشرکین تم سے شہر حرام میں لڑائی کے متعلق پوچھتے ہیں، ان سے کہہ دو کہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے لیکن خدا کی راہ سے روکنا اور لوگوں کو مسجد حرام میں نہ جانے دینا اور اس مسجد میں عبادت کرنے والوں کو نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے، اور فساد برپا کرنا قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔

[1] ابن سعد ج ۳ ق ا ص ۲۸۴،
[2] تفسیر ابن جریر جلد ۲ ص ۱۹۴

سریہ نخلہ میں ایک مشرک کا سب سے پہلا خون تھا جو حضرت واقدؓ کے ہاتھ سے بہا اس سریہ کے بعد بدر، احد، خندق وغیرہ کی تمام معرکہ آرائیوں میں برابر شریک ہوتے رہے۔[1]

وفات...... حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔[2]

فضل وکمال...... فضل وکمال کے لحاظ سے گوکوئی لائق ذکر مرتبہ نہ پا سکے، تاہم ان کی ایک آدھ روایت کتب احادیث میں موجود ہے۔

---

[1] ابن سعد جز ۳ ق اس ۲۸۴۔ [2] ایضاً

حضرت عیاش بن ابی ربیعہؓ

نام ونسب...... عیاش نام، ابوعبدالرحمٰن کنیت، نسب نامہ یہ ہے، عیاش بن ابی ربیعہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم مخزومی، عیاش مشہور دشمن اسلام ابوجہل کے ماں جائے بھائی تھے۔[1]

اسلام وہجرت...... گوعیاش ابوجہل جیسے کینہ پرور کے بھائی اور اس کے ہم صحبت تھے تاہم ان کا آئینہ قلب کدورتوں سے پاک اور پرتو حق قبول کرنے کے لیے آمادہ تھا چنانچہ دعوت اسلام کی ابتدائی ایام میں یعنی آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں تشریف لانے کے قبل دولت، اسلام سے بہرہ ور ہوئے، اور ہجرت ثانیہ میں مع اپنی بیوی اسماء کے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے، یہاں ایک صاحبزادہ عبداللہ پیدا ہوئے، پھر حبشہ سے مکہ آئے، اور مکہ سے حضرت عمرؓ کے ساتھ ہجرت مدینہ کا شرف حاصل کیا۔[2]

ابتلاوآزمائش...... ابوجہل جو دوسروں کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرتا تھا، اور اس جرم میں اپنے زیردستوں کوسخت سے سخت سزائیں دیتا تھا، اپنے بھائی کا اسلام کس طرح ٹھنڈے دل سے گوارا کر لیتا، چنانچہ انکی تلاش میں مکہ سے مدینہ آگیا، اور عیاش سے کہا کہ والدہ تمہاری جدائی سے سخت بے قرار ہیں، اور انہوں نے قسم کھالی ہے کہ جب تک وہ تم کو دوبارہ نہ دیکھ لیں گی اس وقت تک نہ سر میں تیل ڈالیں گی اور نہ سایہ میں بیٹھیں گی، عیاشؓ ماں کی یہ حالت سن کر ان کی محبت میں ابوجہل کے ساتھ مکہ واپس آگئے، یہاں پہنچ کر ابوجہل نے ان کو قید کر دیا، اور عرصہ تک اس قید میں گرفتار رہے، آنحضرت ﷺ دوسرے مسلمان قیدیوں کے ساتھ ان کے لیے بھی دعا فرماتے تھے، کہ خدایا ان کو مشرکین کے ظلم سے نجات دلا۔[3]

عیاشؓ کے ساتھ ایک اور بزرگ ولید بھی اسی جرم میں قید تھے، وہ کسی طرح چھوٹ کر نکل گئے اور آنحضرت ﷺ سے ان کی مصیبت بیان کی، آنحضرت ﷺ نے انہیں دوبارہ عیاشؓ اور سلمہؓ کو چھڑانے کے لیے واپس کیا چنانچہ یہ مکہ گئے اور ان دونوں بزرگوں کو قید سے نکال لائے۔[4]

وفات...... حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں فتوحات شام میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور ایک روایت کی رو سے اسی سلسلہ میں یرموک یا یمامہ کے معرکہ میں شہید ہوئے، اور دوسری روایت کی

---

[1] اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۶۱، [2] ابن سعد جزو ۴ ق ا ص ۹۵
[3] استیعاب جلد ۲ ص ۵۰۹ [4] ابن سعد جزو ۴ ق ا ص ۹۵

رو سے شام میں وفات پائی، لیکن طبری کے بیان کے مطابق شام سے واپس ہو کر مکہ میں پیوند خاک ہوئے۔[1]

فضل وکمال......ان کی روایات احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں، ان سے روایت کرنے والوں کی تعداد میں انس اور عبدالرحمٰن قابل ذکر ہیں۔[2]

[1] اصابہ جلد ۲ ص ۴۰۔ [2] تہذیب الکمال ص ۳۰۰

حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب...... یسار نام، ابوفکیہہ کنیت، نسبی تعلق قبیلہ ازد سے تھا، ابتدا میں بنو عبد دار کے غلام تھے۔[1]

اسلام وشدائد...... دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے، آغاز دعوت میں آزاد مسلمان بھی مشرکین مکہ کے ظلم وستم سے محفوظ نہ تھے، ابوفکیہہؓ تو بے یار ومددگار غلام تھے اور سنگدل آقا خود آمادہ ستم تھے، اس لیے اسلام لانے کے بعد ظلم وستم کا نشانہ بن گئے اور بنو عبدداران کو طرح طرح کی دردانگیز سزائیں دیتے تھے، ٹھیک دوپہر کو تپتی ہوئی ریت پر منہ کے بل لٹا کر پیٹھ پر ایک بھاری پتھر رکھ دیتے تاکہ جنبش نہ کرسکیں اور اس عبرت انگیز سزا کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہتا جب تک ابوفکیہہؓ بے ہوش نہ ہوجاتے، ایک مرتبہ امیہ نے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر گھسیٹ کے جلتی ہوئی ریت میں ڈال دیا، ادھر سے ان کا بیٹا صفوان گذرا یہ بھی ''گرگ زادہ'' تھا، ابوفکیہہؓ سے پوچھا کیا یہ (امیہ) تیرے رب نہیں ہیں؟ اس حالت میں انہوں نے جواب دیا کہ میرا رب خدا ہے، اس جواب پر صفوان نے غضب ناک ہوکر ابوفکیہہؓ کا گلا گھونٹنا شروع کیا اس کے دوسرے بھائی نے للکارا کہ ذرا اور زور سے صفوان نے شکنجہ اور کس دیا اور اس وقت چھوڑا جب موت کا خطرہ پیدا ہوگیا، حسن اتفاق سے اسی وقت ستم زدہ غلاموں کے مولیٰ (ابوبکر صدیق) ادھر سے گذرے، انہوں نے اس حال میں دیکھا تو خرید کر آزاد کردیا۔[2]

ہجرت ووفات...... آزادی کے بعد ہجرت ثانیہ میں حبشہ چلے گئے، لیکن طرح طرح کے المناک عذاب سہتے سہتے قویٰ ضعیف اور اعضاء کمزور ہوچکے تھے اس لیے ہجرت کے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ سکے، اور غزوۂ بدر کے قبل انتقال کرکے کشتگان خنجر تسلیم میں جاملے۔[3]

---

[1] اصابہ جلد ۲ ص ۷۶

[2] اسد الغابہ جلد ۵

[3] ابن سعد جلد ق ا ص ۹۱

حضرت عبداللہ بن مخرمہؓ

نام ونسب...... عبداللہ نام، ابو محمد کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے، عبداللہ بن مخرمہ بن عبدالعزیٰ بن ابی قیس بن عبد ود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی قرشی، عامری، ماں کا نام بہنانہ تھا اور قبیلہ بنو کنانہ سے تعلق رکھتی تھیں۔[1]

اسلام وہجرت...... آغاز دعوت میں مشرف باسلام ہوئے، اسلام کے بعد ہجرت حبشہ کا شرف حاصل کیا، پھر وہاں سے مدینہ آئے پھر وہاں سے مدینہ آئے اور کلثوم بن ہدم کے یہاں اترے، آنحضرت ﷺ نے ان میں اور فروہ بن عمرو بیاضی میں مواخاۃ کرادی۔[2]

غزوات...... مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے بدر عظمیٰ میں شریک ہوئے اور بدری ہونے کا امتیاز حاصل کیا، اس وقت ان کی عمر تیس سال تھی، بدر کے بعد احد اور خندق وغیرہ تمام معرکوں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے۔[3]

شہادت...... حضرت عبداللہ کا جذبۂ شہادت اتنا بڑھا ہوا تھا کہ ہر موئے بدن خونابہ فشانی کے لیے بے قرار رہتا تھا، چنانچہ وہ دعا کیا کرتے تھے، کہ ''خدایا تو مجھے اس وقت تک دنیا سے نہ اٹھا جب تک میرے جسم کا جوڑ جوڑ تیری راہ میں زخموں سے چور چور نہ ہو جائے۔'' یہ دعا قبول ہوئی اور بہت جلد اس کا موقع مل گیا، حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں فتنۂ ارتداد کی مہم میں مجاہدانہ شریک ہوگئے اور مرتدوں کے مقابلہ میں اس بے جگری سے لڑے کہ جسم کے تمام جوڑ بند زخموں سے چور ہوگئے، رمضان کا مبارک مہینہ تھا، روزہ رکھے ہوئے تھے، عبداللہ بن عمرؓ غروب آفتاب کے وقت جب کہ ابن مخرمہؓ کا آفتاب عمر لب بام آچکا تھا، ان کی خبر لینے آئے انہوں نے پوچھا ابن عمرؓ تم افطار کر چکے؟ انہوں نے کہا ہاں، فرمایا میرے لیے بھی پانی لاؤ، لیکن پانی آتے آتے ابن مخرمہ تشنہ لب حوض کوثر پر پہنچ گئے اس وقت ان کا اکتالیسواں سال تھا۔[4]

اہل وعیال...... اولاد میں صرف ایک صاحبزادہ مساحق کا پتہ چلتا ہے، یہ زینب بنت سراقہ کے بطن سے تھے۔[5]

فضل وکمال...... ابن مخرمہؓ علم وعمل اور زہد وورع کے لحاظ سے ممتاز شخصیت کے مالک تھے، صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں و کان فاضلا عابدا یعنی ابن فکیہہؓ فاضل اور عبادت گذار تھے۔[6]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۲، [2] ابن سعد جلد ۳ ق ا ص ۲۹۴، [3] ایضاً
[4] استیعاب جلد اول ص ۳۷۰، [5] ابن سعد جلد ۳ ق ا ص ۲۹۴،
[6] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۳

حضرت نعیم النحامؓ

نام ونسب...... نعیم نام، نحام لقب، نسب نامہ یہ ہے، نعیم بن عبداللہ بن اسید بن عوف بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب عدوی قرشی، نحام کے لقب کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے جنت میں نعیم کی ''نحمہ'' یعنی آواز سنی اسی وقت سے نحام ان کا لقب ہو گیا۔[1]

اسلام...... نعیم نے اس وقت توحید کی دعوت پر لبیک کہا جب کل ۹ یا ۱۰ بندگان خدا نے اس دعوت حق کا جواب دیا تھا، حتی کہ حضرت عمرؓ بھی اس وقت تک کفر کی تاریکی میں محصور تھے۔[2] لیکن اس زمانہ میں اسلام کا اظہار تعزیرات مکہ میں شدید ترین جرم تھا، اس لیے عرصہ تک اسلام کا اعلان نہ کر سکے، ہجرت کے اذن کے بعد جب مسلمانوں کے لیے بیت الامن مدینہ کا دروازہ کھلا تو انہوں نے بھی ہجرت کا ارادہ کیا، مگر بنی عدی کی جن بیواؤں اور یتیموں کی پرورش اور خبر گیری کرتے تھے، انہوں نے التجا کی کہ ہم کو چھوڑ کر نہ جائیے، جس مذہب میں دل چاہے رہیے مگر جانے کا قصد نہ کیجئے آپ سے کوئی شخص تعرض نہیں کر سکتا، پہلے ہم سب کی جانیں قربان ہو جائیں گی، اس وقت آپ کو کوئی گزند پہنچ سکے گا، اس مجبوری کی بنا پر ابتدا میں ہجرت کا شرف حاصل نہ ہو سکا،[3] لیکن یتیموں اور بیواؤں کی پرورش خود ایسی فضیلت ہے، جس کے مقابلہ میں ہجرت کی تاخیر چنداں اہمیت نہیں رکھتی۔

ہجرت...... ۶ھ میں اپنے چالیس اہل خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ گئے، آنحضرت ﷺ نے گلے لگا کر بوسہ دیا[4] اور فرمایا نعیم تمہارا قبیلہ تمہارے حق میں میرے قبیلہ سے بہتر تھا، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کا قبیلہ بہتر تھا، فرمایا یہ کیسے؟ میرے قبیلہ نے تو مجھ کو نکال دیا، مگر تمہارے قبیلہ نے تم کو ٹھہرائے رکھا، عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی قوم نے آپ کو ہجرت پر آمادہ کیا، اور میری قوم نے مجھ کو اس شرف سے محروم رکھا۔[5]

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۵۹،

[2] استیعاب جلد اول ص ۳۱۱

[3] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۳۳ حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے کہ حبشہ کی ہجرت میں شریک تھے، لیکن اور تمام ارباب سیر اسکے مخالف ہیں۔

[4] ابن سعد جلد ۴ ق ا ص ۱۰۶

[5] اصابہ جلد ۶ ص ۲۴۸،

غزوات...... مدینہ آنے کے بعد تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب رہے۔
وفات...... بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں اجنادین کے معرکہ میں شہادت پائی اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۵ھ میں یرموک میں شہید ہوئے۔[1]
اولاد...... وفات کے بعد اولاد ذکور میں ابراہیم اور اناث میں امہ چھوڑیں، اوّل الذکر زینب بنت حنظلہ کے بطن سے تھے اور ثانی الذکر عاتکہ بنت حذیفہ کے بطن سے تھیں۔[2]
عام حالات...... نہایت فیاض، رحم دل، یتیموں کا ملجا، بیواؤں کا ماویٰ اور غریبوں کے مددگار تھے، بنی عدی میں یتیموں اور بیواؤں کے علاوہ اور جس قدر فقراء تھے، ان سب کو مہینہ مہینہ کر کے کھانا کھلاتے تھے۔[3]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۳۴،
[2] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۰۲،
[3] ایضاً

حضرت معمرؓ بن عبداللہ

نام ونسب...... معمر نام، باپ کا نام عبداللہ، سلسلۂ نسب یہ ہے۔ معمر بن عبداللہ بن نضلہ بن عبدالعزیٰ بن حرثان بن عوف بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب القرشی العدوی۔

اسلام وہجرت...... معمر ابتدائے دعوت اسلام میں اسلام لائے، اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے، پھر وہاں سے مکہ واپس آئے اور عرصہ تک یہاں مقیم رہے، اس لئے مدینہ کی ہجرت میں تاخیر ہوئی اور بالکل آخر میں یہ شرف حاصل ہوسکا۔[1]

حجۃ الوداع...... اسلام کے بعد کا زمانہ زیادہ تر حبشہ اور مکہ میں گذارا تھا، اس لئے غزوات میں شرکت کا موقع نہ مل سکا اور مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے، اس سفر میں سواری مبارک کا اہتمام انہی کے سپرد تھا اور کجاوہ وغیرہ یہی کستے تھے، ایک دن کسی حاسد نے اس کو ڈھیلا کردیا جس سے وہ چلنے میں ہلنے لگا، صبح کو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "رات تنگ ڈھیلا معلوم ہوتا تھا"، عرض کی میں نے حسب معمول کس کر باندھا تھا، اس شرف پر کسی حاسد نے ڈھیلا کردیا ہوگا، تاکہ میری جگہ کسی دوسرے کو یہ خدمت سپرد کردی جائے، آپ نے فرمایا "تم مطمئن رہو، میں تمہارے علاوہ کسی دوسرے کو نہ مقرر کروں گا" اسی حج میں ان کو موئے مبارک تراشنے کا شرف حاصل ہوا، جب یہ استرا لے کر تیار ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے مزاحاً فرمایا "معمر تم کو رسول اللہ (ﷺ) نے اپنے کان کی لو پر قابو دے دیا ہے اور تمہارے ہاتھ میں استرہ ہے" عرض کی خدا کی قسم یارسول اللہ! یہ خدا کی کتنی بڑی نعمت اور اس کا کتنا بڑا احسان ہے کہ مجھ کو حضورؐ کے بال تراشنے کا شرف حاصل ہورہا ہے۔[2]

فضل وکمال...... معمر کو آنحضرت ﷺ کی صحبت کا زیادہ موقع نہیں ملا تھا اس لیے صرف دو حدیثیں مروی ہیں۔[3]

احتیاط...... تاہم عملی زندگی میں ادنی ادنی باتوں میں بڑی احتیاط کرتے تھے، ایک مرتبہ غلام کو گیہوں دیا کہ اس کو بیچ کر اس کی قیمت سے جو خرید لائے، غلام نے بیچنے کے بجائے جو سے بدل لیا اور جو کی مقدار زیادہ تھی، ان کو معلوم ہوا تو باز پرس کی کہ تم نے ایسا کیوں کیا، تبادلہ میں مساوات کا لحاظ رکھا کرو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کھانے کی چیزوں کا تبادلہ کھانے کی چیزوں کے ساتھ برابر برابر ہونا چاہیے، اور اسی وقت غلام کو بھیج کر واپس کرادیا۔[4]

---

[1] ابن سعد جز ۴ ق اص ۱۰۲ ترجمہ معمر
[2] مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۴۰۰
[3] تہذیب الکمال ص ۳۸۴،
[4] مسلم جلد ا ص ۶۳۳ طبع مصر

حضرت عمرو بن عوفؓ

نام ونسب...... عمرو نام، ابوعبداللہ کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے، عمرو بن عوف بن زید بن ملیحہ ابن عمرو بن بکر بن افرک بن عثمان بن عمرو بن اد بن طابخہ بن الیاس بن مضر۔

اسلام وہجرت...... عمرو بن عوفؓ ابتدائے دعوت اسلام میں مشرف باسلام ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئے۔[1]

غزوات......ابن سعد کی روایت کے مطابق سب سے پہلے غزوہ ابواء میں شریک ہوئے لیکن بعض خندق بتاتے ہیں۔[2]

غزوہ تبوک...... غزوہ تبوک کے زمانہ میں عرب میں ایسا سخت قحط تھا کہ ذی حیثیت صحابہ کے لیے اس میں شریک ہونے کا انتظام مشکل تھا نادار صحابہ کا تو ذکر ہی نہیں، چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے غزوہ تبوک کے لیے تیاریاں شروع کیں اور دولتمند صحابہ اپنا ساز وسامان درست کیا تو وہ صحابہ جو ایمان کی لازوال دولت کے سوا مادی دولت سے تہی دامن تھے، خدمت نبوی میں حاضر ہوئے، ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے، ان سب نے مل کر درخواست کی کہ "ہم بالکل بے مایہ ہیں، اگر ہمارے لئے کچھ انتظام فرمایا جائے، تو ہم بھی شرف جہاد سے محروم نہ رہیں"، یہاں فقر وفاقہ کے سوا کیا تھا، جواب ملا، میرے پاس کیا ہے یہ لوگ جہاد کی محرومی پر غمگین وملول روتے ہوئے واپس ہوئے، مگر ان آنسوؤں نے دامن رحمت کو نم کر دیا اور اس حکم نے ان کو جہاد سے مستثنیٰ کر دیا۔[3]

ولا على الذين اذا ما اتوک لتحملهم قلت لا اجد ما احملکم
عليه تولوا واعينهم تفيض من الدمع حزنا الا يجدوا ما ينفقون.

(توبہ۔ ۱۲)

اور نہ ان لوگوں پر (الزام) ہے جو تمہارے پاس آئے کہ ان کو سواری بہم پہنچا دو تو تم نے جواب دیا کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر تم کو سوار کروں (یہ سن کر) وہ لوٹ گئے، خرچ نہ میسر آنے کے غم میں ان کی آنکھیں اشکبار تھیں۔

وفات...... امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں مدینہ میں وفات پائی۔[4]

---

[1] استیعاب جلد ۲ ص ۴۵۰، [2] اصابہ جلد ۵ ص ۹
[3] تفسیر ابن جریر جلد ۱۰ ص ۱۳۶ [4] استیعاب جلد ۲ ص ۴۵۱

حضرت عثمان بن طلحہؓ

نام ونسب...... عثمان نام، والد کا نام طلحہ تھا، نسب نامہ یہ ہے، عثمان بن طلحہ بن عبداللہ بن عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبدالدار بن قصی بن کلاب بن مرہ قرشی العبدری ماں کا نام سنامہ تھا، یہ قبیلہ بنی عمرو سے تھیں، عثمانؓ کے والد طلحہ احد میں مشرکین کے ساتھ صف آرا تھے اور حضرت علیؓ کے مقابلہ میں آئے لیکن ذوالفقار حیدری سے نہ بچ سکے، زمانہ جاہلیت میں خانہ کعبہ کی کلید برداری کا منصب طلحہ کے متعلق تھا، اور زمانہ اسلام میں یہ وراثت عثمان کو ملی۔[1]

اسلام وہجرت...... فتح مکہ کے پہلے خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ کے ساتھ اسلام قبول کیا، اور ۸ھ میں ہجرت کر کے مدینہ کا قیام اختیار کیا۔[2]

غزوۂ فتح...... ہجرت کے بعد سب سے پہلے غزوۂ فتح میں شریک ہوئے اور خانہ کعبہ میں آنحضرت ﷺ کے جلو میں داخل ہوئے، اس وقت کلید برداری کے منصب پر یہی فائز تھے، آنحضرت ﷺ نے ان سے کنجی طلب کی، انہوں نے گھر جا کر ماں سے مانگی، ماں نے دینے سے انکار کر دیا، (غالباً یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئی تھیں) بولے ابھی حوالہ کر دو ورنہ خدا کی قسم یہ تلوار پیٹھ میں اتار دوں گا اور کنجی لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کی، آپ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے، یہ بھی ساتھ ساتھ تھے دونوں کے اندر جانے کے بعد دروازہ اندر سے بند کر لیا گیا،[3] پھر تطہیر کعبہ کے بعد جب آنحضرت ﷺ برآمد ہوئے تو کنجی عثمانؓ کے حوالہ کر کے فرمایا، جو شخص اس کو تم سے چھینے گا وہ ظالم ہوگا۔[4]

وفات...... تا حیات نبوی مدینہ میں رہے، آپ کی وفات کے بعد کلید برداری کے فرائض کی وجہ سے پھر مکہ گئے اور یہیں ۴۲ھ میں وفات پائی۔[5]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۷۲، [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۲۹،
[3] مسلم جلد ا ص ۵۰۸ طبع مصر [4] استیعاب جلد ۲ ص ۴۴۷،
[5] ایضاً

حضرت سہل بن بیضاءؓ

نام ونسب...... سہل نام، والد کا نام وہب، نسب نامہ یہ ہے، سہل بن وہب بن ربیعہ ابن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث بن فہر بن مالک، ماں کا نام بیضاء تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے۔ بیضاء بنت جحدم بن عمرو بن عائش بن ظرب بن حارث بن فہر، سہل باپ کے بجائے ماں کی نسبت سے مشہور ہوئے، چنانچہ عام طور پر سہل بن بیضاء کہلاتے تھے۔

قبل از اسلام...... اسلام لانے سے پہلے بھی منصف مزاج اور رقیق القلب تھے، چنانچہ دعوت اسلام کے آغاز میں جب قریش نے آپس میں معاہدہ کر کے آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھ آپ کے خاندان والوں کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا اور بنی ہاشم کئی برس تک مصیبتیں جھیلتے رہے تو آخر میں بعض خدا ترس اور منصف مزاج آدمیوں نے اس معاہدہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا اور ان کی کوششوں سے یہ معاہدہ ٹوٹا، ان عدل پرور لوگوں میں سہل بھی تھے[1]

اسلام...... اس واقعہ کے کچھ دنوں کے بعد سہل مشرف باسلام ہوئے لیکن مشرکین مکہ کے خوف سے اپنے اسلام لانے کا اعلان نہیں کیا اور مذہبی فرائض خفیہ ادا کرتے رہے۔

بدر...... غزوۂ بدر تک انہوں نے اسلام کا اعلان نہیں کیا تھا اور مشرکین مکہ ان کو آبائی مذہب پر سمجھتے تھے، چنانچہ اپنے ساتھ بدر میں لے گئے، جب مشرکین کو شکست ہوئی تو سہل بھی گرفتار ہوئے، عبداللہ بن مسعودؓ ان کے اسلام سے واقف تھے اور مکہ میں ان کو نماز بھی پڑھتے دیکھ چکے تھے، چنانچہ ان کی شہادت پر سہل کی رہائی ہوئی[2]

ہجرت اور غزوات...... رہائی کے بعد مستقلاً مدینہ میں رہنے لگے اور بعض بعض غزوات میں بھی شریک ہوئے[3]

وفات...... زمانہ وفات کی تعیین نہیں کی جاسکتی مگر اس قدر مسلم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد وفات پائی۔

---

[1] استیعاب جلد ۲ ص ۵۸۵

[2] ابن سعد جلد ۴ ق ۱ ص ۱۵۶،

[3] ایضاً

حضرت سہیل بن بیضاءؓ

نام ونسب...... سہیل نام، ابو موسیٰ کنیت، باپ کا نام وہب تھا، حضرت سہیل مذکور الصدر بزرگ حضرت سہل کے حقیقی بھائی تھے۔

اسلام وہجرت...... دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے،[1] اسلام کے بعد ہجرت کر کے حبشہ گئے، وہاں عرصہ تک مقیم رہے اور جب اسلام کے علانیہ تبلیغ ہونے لگی تو مکہ واپس آئے، پھر آنحضرت ﷺ کے ساتھ مدینہ گئے۔[2]

غزوات...... مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے بدر میں شریک ہوئے، اس وقت ان کی عمر ۳۰ سال کی تھی اس کے بعد احد اور خندق وغیرہ کے تمام معرکوں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے،[3] غزوۂ تبوک میں آپ کے ساتھ آپ کی سواری پر سوار تھے، راستہ میں آپ نے ان کو تین بلند آواز سے پکارا، یہ برابر جواب دیتے رہے اور لوگ بھی اس پکار کا مقصد سمجھ گئے، اور سب آپ کے گرد جمع ہو گئے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے خدا کی توحید کی شہادت دی اس پر خدا آتش دوزخ حرام کر دے گا اور جنت یقینی ہو جائے گی۔[4]

وفات...... تبوک سے واپسی کے بعد ۹ھ میں وفات پائی، آنحضرت نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھائی،[5] موت کے بعد ان کی کوئی اولاد یادگار نہ تھی۔

---

[1] بعض ارباب سیر لکھتے ہیں کہ انہوں نے بھی اپنا اسلام چھپایا تھا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، یہ عبداللہ بن مسعود سے بھی پہلے اسلام لا چکے تھے، اور حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی، پھر مدینہ جانے کے بعد غزوات میں برابر شریک ہوتے رہے، اسلام چھپانے والے ان کے بھائی حضرت سہل تھے، جو بدر میں گرفتار ہوئے اور عبداللہ بن مسعود کی شہادت پر چھوڑے گئے، ابن سعد کا بھی یہی خیال ہے، دیکھو ابن سعد جلد ۴ ق ا ص ۱۵۶۔

[2] استیعاب جلد ۲ ص ۵۶۱۔ [3] ابن سعد جلد ۳ قسم ا ص ۳۰۲

[4] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۶۳۰ مستدرک میں تبوک کا ذکر نہیں ہے لیکن ابن سعد نے تصریح کر دی ہے۔

[5] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۶۹

حضرت ابوقیس بن حارثؓ

نام ونسب...... نام اور کنیت دونوں ابوقیس ہے، والد کا نام حارث تھا، نسب نامہ یہ ہے ابو قیس بن حارث بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم قرشی السہمی، ان کے دادا قیس بن عدی سرداران قریش میں سے تھے، اور باپ حارث اس کینہ پرور گروہ میں تھا، جو قرآن کا مضحکہ اڑایا کرتا تھا، اور جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی۔[1]

الذین جعلوا القران عضین فو ر بک لنسئلنهم اجمعین عما
کانوا یعلمون فاصدع بما تؤمر و اعرض عن المشرکین انا
کفیناک المستهزئین. (حجر. ۵)

جن لوگوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تمہارے رب کی قسم ہم ان
کے اعمال کی ضرور باز پرس کریں گے پس تم کو حکم دیا گیا ہے اس کو کھول کر سنا دو اور
مشرکین کی پرواہ نہ کرو، جو لوگ تم پر ہنستے ہیں ہم ان کے لیے کافی ہیں۔

اسلام وہجرت...... لیکن اسی آزر کے گھر میں ابوقیس جیسا بت شکن پیدا ہوا، جن نے دعوت حق کی آواز سنتے ہی لبیک کہا اور سبقت فی الاسلام کا شرف حاصل کیا، اسلام کے بعد پھر ہجرت حبشہ کا شرف حاصل کیا۔[2]

غزوات...... احد اور خندق وغیرہ سب میں شریک ہوئے۔[3]

شہادت...... حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں ارتداد کے سلسلہ کی مشہور جنگ یمامہ میں شہادت پائی۔[4]

---

[1] استیعاب جلد ۲ ص ۷۰۲۔ [2] اصابہ جلد ۷ ص ۱۵۹۔
[3] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۸۹ [4] اصابہ جلد ۷ ص ۱۵۸

حضرت ابو کبشہؓ

نام ونسب...... سلیم نام، ابو کبشہ کنیت، وطن اور نسب کے بارہ میں مختلف روایات ہیں، بعض فارسی، بعض دوسی اور بعض مکی بتاتے ہیں، ابو کبشہ غلام تھے آنحضرت ﷺ نے خرید کر آزاد کیا۔[1]

اسلام...... ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور پر نہیں بتایا جا سکتا، شرف غلامی سے قیاس ہوتا ہے کہ دعوت اسلام کے قریب تر زمانہ میں اس شرف سے مشرف ہوئے ہوں گے۔

ہجرت...... مکہ کے ارباب ثروت اور صاحب وجاہت مسلمانوں کی عزت وآبرو تک مشرکین کے ہاتھ محفوظ نہ تھی، ابو کبشہؓ غلام تھے، ان کا پشت پناہ کون تھا، اس لیے اذن ہجرت کے بعد مدینہ چلے آئے اور کلثوم بن ہدم کے یہاں مقیم ہوئے۔[2]

غزوات...... مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے بدری ہونے کا شرف حاصل کیا، پھر احد اور دوسرے غزوات میں بھی شریک ہوئے تھے۔[3]

مشرکین کی سفاہت...... کفار قریش آنحضرت ﷺ کی شان اقدس میں طرح طرح کی گستاخیاں کرتے تھے، چنانچہ ایک سفاہت یہ بھی تھی، کہ آپ کو نعوذ باللہ ابو کبشہ کا بیٹا کہتے تھے، ارباب سیر اس کی مختلف توجیہیں کرتے ہیں، ان میں سب سے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ ابو کبشہؓ کے ننہالی اجداد میں کوئی شخص ابو کبشہ گذرا تھا، جو تمام عرب کے خلاف "شعریٰ" کی کو پرستش کرتا تھا، آنحضرت ﷺ نے سرے سے بت پرستی کے خلاف آواز بلند کی تھی، اس لیے عربوں کی مخالفت کے اس اشتراک کی بناء پر لوگ کہنے لگے کہ یہ دوسرا اس کا بیٹا پیدا ہوا اور یہ ابو کبشہؓ صحابہ کرام میں تھے، اس لیے ادھر ڈال دیا کہ محمد ابو کبشہ کے بیٹے ہیں۔[4]

وفات...... ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ یوم سہ شنبہ کو جس دن حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے وفات پائی۔[5]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۸۲،　[2] ابن سعد جلد ۳ ق ۱ ص ۳۳
[3] استیعاب جلد ۲ ص ۶۷۴　[4] استیعاب جلد ۲ ص ۶۷۴،
[5] ابن سعد جلد ۳ ق ۱ ص ۳۳،

حضرت سلیط بن عمروؓ

نام ونسب...... سلیط نام، والد کا نام عمرو تھا، نسب نامہ یہ ہے، سلیط بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود بن نضر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی قرشی، ماں کا نام خولہ تھا، ننھیالی شجرہ نسب یہ ہے، خولہ بنت عمرو بن حارث بن عمرو بن عبس۔

اسلام...... دعوت اسلام کے آغاز میں مکہ میں مشرف باسلام ہوئے، اور حبشہ کی ہجرت کا شرف حاصل کیا،[1] پھر مدینہ آئے۔

غزوات...... مدینہ آنے کے بعد بدر احد، خندق وغیرہ تمام معرکوں میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب رہے۔[2]

سفارت...... ۶ ھ میں جب آپ نے آس پاس کے امراء اور سلاطین کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے تو ہوزہ بن علی حنفی کے پاس خط لے جانے کی خدمت سلیط کے سپرد ہوئی، ہوزہ نے بڑی خاطر و مدارت کی اور انعام واکرام اور خلعت سے نوازا اور جواب میں لکھا کہ تم جس چیز کی دعوت دیتے ہو بہت بہتر ہے، لیکن میں بھی عرب کا ایک معزز و مقتدر شخص ہوں، اس لیے اگر بعض امور میں مجھے بھی شریک کرلو تو میں تمہاری پیروی کے لیے تیار ہوں، آنحضرت ﷺ نے یہ جواب سنا تو فرمایا کہ اگر وہ زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی مانگے تو میں نہیں دے سکتا۔[3]

شہادت...... حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں فتنہ ارتداد کی مشہور جنگ یمامہ میں شہید ہوئے، اولاد میں تنہا ایک لڑکے سلیط بن سلیط تھے۔[4]

---

[1] اصابہ جلد ۳ ص ۲۱۵،
[2] ابن سعد جزو ۴ ق ۱ ص ۱۴۹ بدر کی شرکت کا ذکر اصابہ میں ہے
[3] زرقانی جلد ۳ ص ۲۰۰، ۲۰۱
[4] ابن سعد جزو ۴ ق ۱ ص ۱۴۹۔

حضرت ابو مرثد غنویؓ

نام ونسب...... کناز نام، ابو مرثد کنیت، باپ کا نام حصین تھا، نسب نامہ یہ ہے، کناز بن حصین ابن یربوع بن جہینہ بن سعد بن طریف بن خرشہ بن عبید بن سعد بن عوف بن کعب بن جلان ابن غنم بن یحیٰی ابن یعصر بن سعد بن قیس بن عیلان بن مضر۔

اسلام وہجرت...... ابو مرثد نے آغاز دعوت میں اسلام قبول کیا اور اذن ہجرت کے بعد مدینہ گئے، آنحضرت ﷺ نے ان میں اور عبادہ بن صامتؓ میں مواخاۃ کرادی۔[1]

غزوات...... بدر، احد، خندق اور دوسری معرکہ آرائیوں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے،[2] مشہور صحابی حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ ہجرت کر کے مدینہ آگئے تھے، لیکن ان کے اہل و عیال مکہ میں ان کے حلیف کے نگرانی میں تھے، جب آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کا ارادہ کیا تو حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے اپنے بال بچوں کی حفاظت کے خیال سے اپنے حلیف کو اس کی خفیہ تحریری اطلاع دے دی، آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہوئی، تو آپ نے چند سوار حضرت علیؓ کی سرکردگی میں اس تحریر کی تلاش میں دوڑائے ان میں ایک ابو مرثد بھی تھے، ان لوگوں نے خاخ کے باغ میں خط لے جانے والی عورت کو گرفتار کر لیا اور جامہ تلاشی لے کر خط برآمد کیا۔[3]

وفات...... حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت ۱۲ھ میں چھیاسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔[4]

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۲۱ [2] ایضاً
[3] بخاری جلد ۲ ص ۹۲۵، [4] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۹۴،

حضرت ذوالشمالینؓ

نام ونسب...... عمیر نام، ابو محمد کنیت، ذوالشمالین لقب، نسب نامہ یہ ہے، عمیر بن عبد عمرو بن نضلہ بن عمرو بن غبشان بن سلیم بن مالک بن عبسی بن حارثہ ابن عمرو بن عامر۔[1]

اسلام وہجرت...... ان کا زمانہ اسلام متعین نہیں قبول اسلام کے بعد مدینہ ہجرت کی، اور سعد بن خثیمہ کے مہمان ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ان میں اور یزید بن حارث میں مواخاۃ کرادی۔[2]

شہادت...... حضرت ذوالشمالینؓ ان خوش نصیب بزرگوں میں تھے، جن کا دامن زیادہ عرصہ تک دنیا سے ملوث نہ ہونے پایا، مدینہ آنے کے بعد بدر عظمٰی میں شریک ہوئے ان کا اوّل و آخر غزوہ یہی تھا، اس میں جام شہادت پی کر پاک وصاف دنیا سے اٹھ گئے،[3] غربت کے غمگسار بھائی یزید نے بھی جو زندگی میں رفیق تھے، سفر آخرت میں ساتھ نہ چھوڑا اور انہوں نے بھی اسی غزوہ میں مرتبہ شہادت حاصل کیا۔[4]

---

[1] بعض ارباب سیر ذوالشمالین اور ذوالیدین ایک ہی شخص کو قرار دیتے ہیں جو محض التباس ہے، یہ دونوں دو شخص ہیں، احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ذوالیدین کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے، ''جس کو صحیحین نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ۴ رکعتوں کے بجائے دو ہی رکعتیں نماز پڑھ کر سلام پھیر دیا، تمام صحابہ متحیر تھے، لیکن کسی کو پوچھنے کی ہمت نہ پڑتی تھی، ذوالیدین جری آدمی تھے، انہوں نے بڑھ کر پوچھا، یا رسول اللہ نماز کم کر دی گئی یا آپ بھول گئے، آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے تصدیق چاہی سبھوں نے تائید کی کہ ہاں آپ نے دو ہی رکعتیں پڑھیں، تصدیق کے بعد آپ نے بقیہ دو رکعتیں پوری کر کے سجدہ سہو کیا (بخاری کتاب الاذن باب ہل یاخذ الامام اذا شک بقول الناس اس روایت کے راوی ابو ہریرہؓ ہیں جو غزوہ خیبر ۷ھ میں اسلام لائے اور ذوالشمالین اس کے پانچ سال قبل بدر ۲ھ میں شہید ہو چکے تھے، اس لیے ذوالیدین اور ذوالشمالین، دونوں ایک شخص نہیں ہو سکتے، دونوں کے نام میں بھی فرق ہے، ذوالیدین کا نام خرباق ہے اور ذوالشمالین کا عمیر تھا۔

[2] ابن سعد جز ۳ ق ا ص ۱۱۸،

[3] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۴۱

[4] ابن سعد جز ۳ ق ا ص ۱۱۹

حضرت ابوسبرہ بن ابی رہمؓ

نام ونسب...... ابوسبرہ کنیت ہے، مگر اس کی شہرت نے اصل نام چھپادیا، نسب نامہ یہ ہے۔ ابوسبرہ بن ابی رہم بن عبدالعزیٰ بن ابی قیس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی قرشی عامری، ان کی والدہ برہ عبدالمطلب کی بیٹی تھیں اور رشتہ سے آنحضرت ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی ہوئے۔[1]

اسلام وہجرت...... حضرت ابوسبرہؓ سابقین اسلام میں تھے، اور حبشہ کی دونوں ہجرتوں کا شرف حاصل کیا، دوسری ہجرت میں ان کی بیوی کلثوم بھی ساتھ تھیں، ہجرت مدینہ کے بعد دوسرے مہاجرین کے ساتھ حبشہ سے مدینہ آئے اور منذر بن محمد کے یہاں اترے آنحضرت ﷺ نے ان میں اور سلمہ بن سلامہ میں مواخاۃ کرادی۔[2]

غزوات...... مدینہ آنے کے بعد بدر، احد اور خندق وغیرہ جس قدر غزوات ہوئے سب میں شریک رہے،[3] تا حیات نبوی ﷺ مدینہ میں قیام رہا، آپ کی وفات کے بعد مکہ چلے آئے بدری صحابیوں میں تنہا یہی ہیں جنہوں نے مدینہ کا قیام ترک کر کے دوبارہ مکہ کی سکونت اختیار کی۔[4]

وفات...... اور یہیں حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔[5]

---

[1] ایضاً ص ۲۹۳
[2] ایضاً
[3] استیعاب جلد ۲ ص ۷۰۶
[4] اصابہ جلد ۷ ص ۱۸۱
[5] ابن سعد جزو ۳ ق ۱ ص ۲۹۳

حضرت خنیس بن حذافہؓ

نام ونسب...... خنیس نام، ابوحذیفہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، خنیس بن حذافہ بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوئی قرشی، ام المومنین حضرت حفصہ پہلے ان ہی کی زوجیت میں تھیں، ان کے انتقال کے بعد ام المومنین کے زمرہ میں شامل ہوئیں۔[1]

اسلام وہجرت...... آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں پناہ گزین ہونے سے پہلے آپ کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے اور پھر وہاں سے مدینہ آئے اور رفاعہ بن عبدالمنذر کے مہمان ہوئے، آنحضرت ﷺ ان میں اور ابی عبس بن جبیر میں مواخاۃ کرادی۔[2]

غزوات وشہادت...... سب سے پہلے بدر عظمٰی میں تلوار کے جوہر دکھائے پھر احد میں شریک ہوئے اور میدان جنگ میں زخم کھایا، زخم کاری تھا، اس سے جان بر نہ ہو سکے اور اسی صدمہ سے ۳ھ میں مدینہ میں وفات پائی، آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پہلو میں دفن کیے گئے، وفات کے وقت کوئی اولاد نہ تھی۔[3]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۲۵،

[2] ابن سعد جزو ۳ ق ا ص ۲۸۶

[3] ابن سعد جزو ۳ ق ا ص ۲۸۶، زخمی ہونے کا واقعہ استیعاب سے ماخوذ ہے

حضرت عتبہ بن مسعودؓ

نام ونسب...... عتبہ نام، والد کا نام مسعود تھا، نسب نامہ یہ ہے، عتبہ بن مسعود بن غافل بن حبیب ابن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن حارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ حضرت عتبہؓ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود کے حقیقی بھائی تھے۔[1]

اسلام وہجرت...... دعوت اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے، ہجرت ثانیہ میں حبشہ پھر وہاں سے مدینہ گئے۔[2]

غزوات...... مدینہ آنے کے بعد سب سے اول احد میں شریک ہوئے اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کی ہم رکابی کا فخر حاصل کرتے رہے۔[3]

وفات...... حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی، ان ہی نے نماز جنازہ پڑھائی۔[4] حضرت عبداللہ بن مسعود اس وقت زندہ تھے، ان کو بھائی کی موت کا سخت قلق ہوا، ضبط وتحمل کے باوجود بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔[5] لوگوں نے تعجب کے لہجہ میں پوچھا آپ بھی روتے ہیں؟ جواب دیا میرا بھائی آنحضرت ﷺ کی صحبت کا میرا ساتھی تھا اور عمرؓ بن الخطاب کے علاوہ مجھے دنیا میں سب سے زیادہ محبوب تھا۔[6]

فضل وکمال...... عبداللہ بن مسعودؓ اپنے فضل وکمال کے لحاظ سے حبر الامۃ کہلاتے تھے عتبہ بھی اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے ان سے کم نہ تھے، لیکن دنیا سے کم سن گئے اس لیے ان کے جوہر نہ چمکنے پائے۔[7]

---

[1] ابن سعد جلد ۴ ق ۱ ص ۹۳،
[2] ایضا
[3] استیعاب جلد ۲ ص ۵۰۸
[4] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۵۸
[5] ابن سعد جلد ۴ ص ۹۳،
[6] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۵۸
[7] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۵۸

حضرت صفوان بن بیضاءؓ

نام ونسب...... صفوان نام، ابوعمرو کنیت نسب نامہ یہ ہے۔ صفوان بن وہب بن ربیعہ بن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث بن فہر فہری، حضرت صفوانؓ حضرت سہلؓ اور سہیلؓ کے بھائی تھے۔

اسلام وہجرت...... حضرت سہلؓ ارض مکہ میں مشرف باسلام ہوئے اور اذن ہجرت کے بعد مدینہ آئے اور کلثوم بن ہدم کے یہاں اترے، آنحضرت ﷺ نے ان میں اور رافع بن معلیٰ میں مواخاۃ کرادی۔[1]

غزوات...... ہجرت کے بعد سب سے اول عبداللہ بن جحش کے ساتھ ایک سریہ میں بھی شریک ہوئے، پھر بدر عظمیٰ میں شرکت کا شرف حاصل کیا، ابن اسحٰق کی روایت کی رو سے اسی غزوہ میں طعیمہ ابن عدی کے ہاتھ سے جام شہادت پیا، لیکن ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں طاعون عمواس میں وفات پائی اور بعض روایتوں سے ۳۸ھ میں وفات کا پتہ چلتا ہے۔[2]

حضرت سنان بن ابی سنانؓ

نام ونسب...... سنان نام سلسلۂ نسب یہ ہے، سنان بن ابی سنان بن محصن بن حرثان بن قیس بن لبد بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔

اسلام وہجرت...... زمانہ اسلام وہجرت متعین نہیں، غالباً اپنے والد حضرت ابی سنانؓ کے ساتھ اسلام لائے ہوں گے اور ان ہی کے ساتھ ہجرت کی ہوگی۔

غزوات...... بدر واحد وخندق وغیرہ تمام لڑائیوں میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب رہے،[3] ۶ھ میں غزوہ تبوک میں شریک ہوئے اور بیعت رضوان میں جب آنحضرت ﷺ نے موت کی بیعت لینی شروع کی تو سنانؓ نے بھی ہاتھ بڑھایا، آنحضرت ﷺ نے پوچھا کس چیز پر بیعت

[1] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۳۰۳،

[2] اصابہ جلد ۳ ص ۲۵۱ و اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۷

[3] ابن سعد جلد ۳ ق ۱ ص ۶۹

کرتے ہو عرض کی کہ جو آپ کے دل میں ہے۔[۱]
وفات...... ۳۲ھ میں وفات پائی۔

حضرت آنسہؓ

نام ونسب...... آنسہ نام، ابو مسروح کنیت، سراۃ میں پیدا ہوئے، نسب کے لیے یہ شرف کافی ہے کہ سرور عالمؐ کی غلامی کا طوق ان کی گردن میں تھا۔[۲]
اسلام وہجرت...... اس شرف کی بنا پر آنسہ دعوت اسلام کے آغاز ہی میں مشرف باسلام ہوئے۔ اور ہجرت کے زمانہ میں مدینہ گئے اور سعد بن خثیمہ کے مہمان ہوئے،[۳] اور جب تک زندہ رہے، آنحضرت ﷺ کی خدمت گذاری محبوب مشغلہ رہا۔
غزوات...... ہجرت کے بعد بدر عظمیٰ میں شریک ہوئے اور روایت سے معلوم ہوتا کہ اسی میں جام شہادت پیا۔
وفات...... لیکن زیادہ روایتیں حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں وفات کی ہیں۔[۴]

حضرت طفیل بن حارثؓ

نام ونسب...... طفیل نام، والد کا نام حارث، نسب نامہ یہ ہے، طفیل بن حارث بن مطلب ابن عبد مناف قرشی مطلبی، ماں کا نام سخیلہ تھا، یہ ثقفی قبیلہ سے تھیں۔
اسلام وہجرت...... بدر کے قبل مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت کر کے مدینہ گئے، آنحضرت ﷺ نے ان میں اور سفیان بن نسر میں مواخاۃ کرادیا۔[۵]
غزوات...... مدینہ آنے کے بعد تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب رہے بدر، احد اور خندق وغیرہ میں کوئی غزوہ نہ چھوٹا۔[۶]

---

[۱] ایضاً واستیعاب جلد ۲ ص ۷۰۷، ابن عبدالبر نے یہ واقعہ حضرت ابی سنان کی طرف منسوب کیا ہے جو صحیح نہیں ہے، کیوں کہ ابی سنان بیعت رضوان کے قبل بنو قریظہ میں وفات پا چکے تھے،
[۲] اسد الغابہ ج ا ص ۱۳۲ [۳] ابن سعد ج ۳ ق ا ص ۳۳
[۴] ایضاً واصابہ تذکرہ آنسہ [۵] ابن سعد ج ۳ ق ا ص ۳۵
[۶] استیعاب جلد ا ص ۲۱۶

وفات..... عمر کے ستر مرحلے طے کرنے کے بعد ۳۲ھ میں وفات پائی۔[1]
اولاد..... اولاد میں صرف عامر بن طفیل کا پتہ چلتا ہے۔[2]

حضرت سائبؓ بن عثمان

نام ونسب..... سائب نام، باپ کا نام عثمان تھا، نسب نامہ یہ ہے، سائب بن عثمان بن مظعون بن ابن حبیب بن وہب بن حدافہ بن جمح بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوئی بن غالب قرشی الجمحی ماں کا نام خولہ تھا، نانہالی سلسلۂ نسب یہ ہے، خولہ بنت حکیم بن امیہ بن حارثہ بن اوقص۔

ہجرت حبشہ اور واپسی..... دعوت اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے،[3] اور ۵ھ میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے،[4] وہاں سے اہل مکہ کے اسلام کی افواہ سن کر واپس آئے قریب پہنچے تو یہ خبر غلط نکلی اس وقت واپس جانا بھی دشوار تھا سخت کشمکش میں مبتلا ہوئے، بالآخر حضرت عثمان بن مظعون اور ولید بن مغیرہ کی حمایت حاصل کر کے مکہ میں مقیم ہو گئے۔[5]

ہجرت مدینہ..... بدر سے پہلے اپنے پورے کنبہ کے ساتھ مکہ کی سرزمین چھوڑ کر یثرب کی غریب الوطنی اختیار کی،[6] مدینہ آنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان میں اور حارثہ بن سراقہ انصاری میں مواخاۃ کرادی۔[7]

نیابت رسول..... بدر سے پہلے آنحضرت ﷺ چھوٹے چھوٹے دستے قریش کے کاروان تجارت کا پتہ لگانے کے لئے بھیجتے تھے، اور بعض میں بہ نفس نفیس شرکت فرماتے تھے، اسی سلسلہ کے ایک سریہ لواط میں جب نکلے تو سائب کو مدینہ میں اپنی قائم مقامی کا شرف عطا فرمایا۔[8]

غزوات..... سائب مشہور تیر انداز تھے، اس لیے غزوات میں بڑے جوش وولولہ کے ساتھ شریک ہوتے تھے، چنانچہ بدر، احد، خندق اور ان کے علاوہ تمام معرکوں میں داد شجاعت دی۔[9]

وفات..... حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت ۱۲ھ میں جنگ یمامہ میں شریک ہوئے اور جنگ میں ایسا کاری زخم کھایا کہ اس کے صدمہ سے کچھ دنوں بعد وفات پا گئے، وفات کے وقت ۳۰ سال سے کچھ اوپر عمر تھی۔[10]

---

[1] ایضاً　[2] ابن سعد جلد ۳ ق ۱ ص ۳۵
[3] اصابہ جلد ۳ ص ۲۰،　[4] ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۲۹۲،
[5] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵،　[6] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۲۸۸،
[7] ایضاً ص ۲۹۲،　[8] سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۳۴۱
[9] استیعاب ج ۲ ص ۵۸۸　[10] ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۲۹۲

حضرت عامر بن ابی وقاصؓ

نام ونسب...... عامر نام، والد کا نام ابی وقاص تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے، عامر بن ابی وقاص بن وہیب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب، ماں کا نام حمنہ تھا، ننہالی شجرہ یہ ہے، حمنہ بنت سفیان بن امیہ بن عبدشمس امویہ، عامر مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران کے حقیقی بھائی اور امیر معاویہؓ کے بھانجے تھے۔[1]

اسلام...... حضرت عامرؓ کے نانا ابوسفیان اسلام اور پیغمبر اسلام کے سخت دشمن تھے، لیکن حضرت عامرؓ نے اس ماحول میں اور اس وقت دعوت اسلام کو لبیک کہا، جب مسلمانوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی تھی، چنانچہ اسلام لانے والوں میں انکا دسواں نمبر ہے۔[2]

اس وقت انکی والدہ زندہ تھیں، ان کولڑکے کی اس "بے راہ روی" کا سخت صدمہ ہوا، انہوں نے قسم کھالی کہ جب تک عمر اسلام سے تائب نہ ہوں گے اس وقت تک وہ نہ سایہ میں بیٹھیں گی اور نہ کھانا کھائیں گی، حضرت سعد بھی اس وقت دولت اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے، ماں کی اس بے جا ضد پر بولے، اماں آپ عامر کے لیے عہد کیوں کرتی ہیں، میرے لئے کیجئے، انہوں نے کہا کیوں؟ کہا تاکہ اس وقت تک آپ نہ سایہ میں بیٹھ سکیں اور نہ کھا سکیں، جب تک اپنے جائے قیام دوزخ کو نہ دیکھ لیں، انہوں نے جواب دیا میں تیرے لیے کیوں عہد کروں، میں اپنے سعادت مند بیٹے کے لیے عہد کرتی ہوں، اس پر آیت نازل ہوئی۔[3]

و ان جاھداک علی ان تشرک بی ما لیس لک بہ علم فلاتطعھما و صاحبھما فی الدنیا معروفا (لقمان)

اگر تیرے ماں باپ تجھ کو اس بات پر مجبور کریں کہ تو کسی کو میرا شریک بنا جس کا تجھ کو کوئی علم نہیں تو اس میں ان کی اطاعت نہ کر ہاں دنیا میں بھلائی کے ساتھ ان کی رفاقت کر۔

ہجرت اور غزوات...... بالآخر ماں کی اس بیجا ضد سے تنگ آکر ہجرت ثانیہ میں حبشہ چلے گئے، اور وہاں سے حضرت جعفرؓ کے ساتھ مدینہ آکر احد[4] میں شریک ہوئے،[5]

وفات...... حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں شام میں وفات پائی۔[6]

---

[1] ابن سعد ج ۴ ق ۱ ص ۱۹۱،　[2] استیعاب ج ۲ ص ۶۱ ۳
[3] اسد الغابہ ج ۳ ص ۹۷ بعض ارباب سیر اس کا نزول حضرت سعد کے متعلق کرتے ہیں
[4] اصابہ ج ۶ ص ۱۹　[5] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۹۱،　[6] اصابہ ج ۴ ص ۱۲

حضرت وہب بن سعدؓ

نام ونسب...... وہب نام، والد کا نام سعد تھا، نسب نامہ یہ ہے، وہب بن سعد بن ابی سرح بن حارث بن حبیب بن جذیمہ بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی۔

اسلام وہجرت...... زمانہ اسلام متعین طور پر نہیں بتایا جاسکتا، لیکن سرزمین مکہ ہی میں اسلام لائے، اسلام کے بعد مدینہ ہجرت کی اور کلثوم بن ہدم کے یہاں اترے، آنحضرت ﷺ نے ان کو اور سوید بن عمرو کو رشتہ اخوت میں منسلک کر دیا۔[1]

غزوات...... مدینہ آنے کے بعد احد، خندق اور حدیبیہ وغیرہ تمام معرکوں میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب رہے۔[2]

شہادت...... غزوہ موتہ ۸ھ میں حق مذہب ادا کرتے ہوئے، شہید ہوئے، ان کے اسلامی بھائی سوید جنہوں نے زندگی میں رفاقت کی تھی، موت میں بھی ساتھ دیا، چنانچہ وہ بھی اس جنگ میں شہید ہوئے،[3] شہادت کے وقت ان کی عمر ۴۰ سال تھی۔[4]

حضرت عبداللہ بن حارثؓ

نام ونسب...... عبداللہ نام، والد کا نام حارث تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے، عبداللہ بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی، ماں کا نام غزیہ تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے غزیہ بنت قیس، بن طریف بن عبدالعزیٰ بن عامرہ بن عمیرہ بن ودیعہ بن حارث بن فہر، آبائی نام عبد شمس تھا، اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے عبداللہ رکھا تھا۔[5]

اسلام وہجرت...... فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کر کے مدینہ آئے۔[6]

غزوات...... گو ان کی شرکت غزوات کی تصریح وتفصیل نہیں ملتی، لیکن اس قدر مسلم ہے کہ اس شرف سے محروم نہ تھے۔

وفات...... چنانچہ کسی غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ نکلے، وادی صفرا میں پہنچ کر وفات پا

[1] ابن سعد جز ۳ ق ا ص ۲۹۶۔ [2] ایضاً۔ [3] استیعاب ج ۲ ص ۶۱۸۔
[4] اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۶۵۔ [5] ابن سعد جز ۴ ق ا ص ۳۳ [6] ایضاً

گئے، آنحضرت ﷺ نے اپنے پیراہن مبارک میں کفنا کر دفن کیا، اور فرمایا کہ ان کو سعادت مل گئی۔[1]

حضرت عمرو بن سراقہؓ

نام ونسب...... عمرو نام، والد کا نام سراقہ تھا، شجرہ نسب یہ ہے، عمرو بن سراقہ بن معتمر بن انس اواہ بن زراح بن عدی بن کعب بن لوئی قرشی عدوی۔

اسلام وہجرت...... دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور بلا کشان اسلام کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئے اور رفاعہ بن عبدالمنذر کے یہاں مہمان ہوئے۔[2]

غزوات...... مدینہ آنے کے بعد تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب رہے بدر، احد، اور خندق سب میں شرف جہاد حاصل کیا،[3] بڑے معرکوں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے سرایا بھی شریک ہوتے رہے، بعض سریوں میں فاقہ پر فاقہ ہوتے، لیکن ابرو پر شکن تک نہ پڑتی، عامر بن ربیعہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک سریہ میں عمرو بن سراقہ ہمارے ہمراہ تھے، راستہ میں فاقہ کی نوبت آگئی، عمرو چھریرے بدن کے نازک اندام اور لمبے آدمی تھے، اس لیے ان کی حالت زیادہ نازک ہوگئی، اور پتھر باندھ کر چلنے کے لائق ہوئے۔[4]

وفات...... حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی اولاد کوئی نہ تھی۔[5]

حضرت عبداللہ بن سراقہؓ

نام ونسب...... عبداللہ نام، نسب نامہ یہ ہے، عبداللہ بن سراقہ بن معتمر بن انس بن اواہ بن زراح بن عدی بن کعب بن لوئی قرشی عدوی۔

حضرت عبداللہ مذکور الصدر صحابی حضرت عمروؓ کے بھائی تھے۔

اسلام وہجرت...... بدر کے قبل مشرف باسلام ہوئے اور مکہ سے براہ راست مدینہ آئے اور

---

[1] اصابہ ج ۴ و ابن سعد حوالہ مذکور

[2] ابن سعد جز ۳ ق ا ص ۲۸۱،

[3] اصابہ ج ۴ ص ۲۹۹،

[4] ابن سعد جز ۳ ق ا ص ۲۸۱،

[5] ایضا

رفاعہ بن عبدالمنذر کے یہاں اترے۔[1]

غزوات...... مدینہ آنے کے بعد بدر، احد وغیرہ تمام معرکوں میں شریک ہوتے رہے۔[2]

وفات...... حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی، وفات کے بعد ان کی نسل نہ چلی۔[3]

حضرت اسود بن نوفلؓ

نام ونسب...... اسود نام، والد کا نام نوفل تھا، شجرہ نسب یہ ہے، اسود بن نوفل بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ قرشي اسدی ماں کا نام فریعہ تھا، نانہالی نسب نامہ یہ ہے، فریعہ بنت عدی بن نوفل بن عبدمناف بن قصی، حضرت اسود ام المومنین خدیجۃ صدیقہ کے بھتیجے اور ورقہ بن نوفل کے بھائی تھے، ان کے والد نوفل سخت کینہ پرور مشرک اور مسلمانوں کے بڑے دشمن تھے۔[4]

اسلام...... لیکن جس گھر میں خدا کا نام لینا سخت ترین جرم تھا، اسی میں اسود نے توحید کی صدا بلند کی۔[5]

ہجرت...... سبقت اسلام کے ساتھ اسود نے ہجرت حبشہ کا شرف بھی حاصل کیا اور وہاں سے آنحضرت ﷺ کے مدینہ آنے کے بعد مدینہ گئے۔[6]

حضرت ثمامہ بن عدیؓ

نام ونسب...... ثمامہ نام باپ کا نام عدی تھا، نسبی تعلق قریش سے تھا، لیکن اس کی تصریح نہیں ملتی کہ اس کی کس شاخ سے تعلق تھا۔[7]

اسلام...... زمانہ اسلام کی تعیین بھی نہیں کی جا سکتی مگر اتنا معلوم ہے کہ یہ شرف ابتدائی ایام

---

[1] ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۱۰۲

[2] استیعاب ج ۱ ص ۳۹۳ واصابہ ترجمہ عبداللہ بن سراقہ

[3] تہذیب الاسماء ص ۱۹۹

[4] اسد الغابہ ج اول ص ۸۹

[5] ایضاً

[6] اصابہ ج ۱ ص ۷۵

[7] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۴۹

میں حاصل ہوا، چنانچہ ارباب سیر نے آپ کو مہاجرین اولین کے زمرہ میں شامل کیا۔[1]
غزوات...... ہجرت کے بعد بدر عظمیٰ میں شریک ہو کر امتیاز خاص حاصل کیا۔[2]
حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں صنعا کی مسند حکومت پر سرفراز ہوئے، آپ کی شہادت کے وقت یہیں تھے، یہ المناک خبر سن کر آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اسی حالت میں خطبہ دیا، ضبط گریہ گلوگیر تھا، بمشکل چند جملے کہہ سکے کہ امت محمد ﷺ میں آج خلافت سلطنت سے بدل گئی، اب جو شخص جس چیز پر قابض ہوگا اس کو کھائے گا۔[3]

حضرت سعد بن خولہؓ

نام ونسب...... سعد نام، والد کا نام خولہ تھا، یہ عجمی نژاد یمنی مسکن اور بنو عامر بن لوئی کے حلیف تھے۔
اسلام وہجرت...... حضرت سعد سابقین اسلام میں تھے، حضرت جعفرؓ کے ساتھ حبشہ کی ہجرت کی، وہاں سے مدینہ آئے اور کلثوم بن ہدم کے یہیں قیام پذیر ہوئے۔[4]
غزوات...... بدر، احد، خندق اور حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے اور بدر میں پچیس سال کی عمر تھی۔[5]
وفات...... حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکہ گئے، یہیں بیمار پڑے اور وفات پا گئے،[6] مہاجرین کے لیے مکہ میں مرنا آنحضرت ﷺ پسند نہ فرماتے تھے، اس لیے سعد کی وفات سے بہت محزون ہوئے۔[7]
اولاد...... آپ کی وفات کے دو ہی دن بعد آپ کی بیوی سبیعہ بنت حارث کے بطن سے ایک اولاد ہوئی، لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد فوت ہو گئی۔

---

[1] اصابہ ج ۱ ص ۲۱۲، [2] اسد الغابہ جلد اول ص ۲۴۹،
[3] استیعاب ج اول ص ۷۹ [4] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۲۹۷،
[5] ایضا [6] مسلم ج اول ص ۷۸۵ طبع مصر،
[7] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۲۹۷،

حضرت معمر بن ابی سرح رضی اللہ عنہ

نام ونسب...... ابو سعید کنیت، نسب نامہ یہ ہے، معمر بن ابی سرح بن ربیعہ بن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث بن فہر فہری، ماں کا نام زینب تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے، زینب بنت ربیعہ بن ہلال بن ضباب بن حجیر بن عبد بن معیص بن عامر بن لوئی۔

اسلام وہجرت...... دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اسلام لائے، دوسری ہجرت میں حبشہ گئے، وہاں سے مدینہ ہجرت کی اور کلثوم بن ہدم کے مہمان ہوئے۔[1]

غزوات...... بدر، احد اور خندق تمام مشہور لڑائیوں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے۔[2]

وفات...... حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔[3]

ازواج واولاد...... حضرت معمرؓ کے دو بیویاں تھیں، امامہ بنت عامر اور حضرت ابوعبیدہؓ کی بہن، پہلی کے بطن سے عبداللہ تھے اور دوسری سے عمیر۔[4]

حضرت محمیہ بن جزء رضی اللہ عنہ

نام ونسب...... محمیہ نام، والد کا نام جزء تھا، نسب نامہ یہ ہے محمیہ بن جزء بن عبد یغوث ابن عویج بن عمرو بن زبید الاصغر، بنو جمح کے حلیف تھے، حضرت عباسؓ کے چھوٹے صاحبزادے فضل کے ساتھ ان کی صاحبزادی بیاہی تھیں۔

اسلام وہجرت...... دعوت اسلام کے ابتدائی ایام میں اسلام لائے، اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔[5]

غزوات...... غزوہ مریسیع (بنو مصطلق) کے زمانہ میں ہجرت کی، اسی غزوہ سے شرکت کی ابتدا ہوئی۔[6]

آنحضرت ﷺ نے ان کو خمس کا عامل بنایا، غزوہ مریسیع میں بھی یہ خدمت انہی کے سپرد

---

۱ ابن سعد جلد ۳ ق ا ص ۳۰۴۔ ۲ ایضاً

۳ تہذیب التہذیب ج اول ص ۹-۲۔ ۴ ابن سعد [illegible]

۵ ابن سعد ج ۴ ق ا ص ۱۵۵۔ ۶ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۹۵۔

تھی۔[1]

آنحضرت ﷺ ان سے بہت خوش رہا کرتے تھے، ایک مرتبہ اظہار خوشنودی کے طور پر نہایت خوبصورت لونڈی عطا فرمائی تھی۔[2]

حضرت عدی بن نضلہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب...... عدی نام، والد کا نام نضلہ تھا، شجرہ نسب یہ ہے، عدی بن نضلہ بن عبد العزی ابن حرثان بن عوف عویج بن عدی بن کعب۔

اسلام وہجرت...... دعوت اسلام کے آغاز میں مکہ میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت کر کے حبشہ گئے۔[3]

وفات...... وقت پورا ہو چکا تھا، اس لیے مدینہ جانے کی نوبت نہیں آئی اور اسی غربت کدہ میں پیوند خاک ہو گئے، مہاجرین میں عدی پہلے شخص ہیں، جنہوں نے ارض حبشہ کو آرام گاہ بنایا۔[4]

اولاد...... وفات کے بعد متعدد اولادیں یادگار چھوڑیں، صاحبزادوں میں نعمان اور نعیم اور صاحبزادیوں میں آمنہ تھیں، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں نعمان کو بیسان کا عامل بنایا تھا، یہ شاعر آدمی تھے، ایک غزل میں ایک عورت کی تشبیب کر ڈالی حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے فوراً معزول کر دیا، نعمان نے بڑی صفائی پیش کی کہ اس کا مقصد شاعری تھا واقعہ سے اس کو کوئی تعلق نہیں، لیکن آپ نے کوئی عذر معقول نہ سمجھا اور فرمایا، ان اشعار کے بعد تم میرے عامل نہیں رہ سکتے۔[5]

حضرت یزید بن زمعہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب...... یزید نام، والد کا نام زمعہ تھا، نسب نامہ یہ ہے، یزید بن زمعہ بن اسود بن مطلب ابن اسد بن عبد العزی قریشی اسدی، ماں کا نام قریبہ تھا، ننھالی شجرہ یہ ہے، قریبہ بنت

[1] اصابہ ج ۶ ص ۱۹۰ ابن سعد بحوالہ مذکور
[2] اصابہ ج ۶ ص ۱۹۸
[3] ابن سعد جزو ۴ ق ۱ ص ۱۰۳،
[4] ایضاً اصابہ ج ۴ ص ۲۲۳،
[5] ابن سعد جزو ۴ ق ۱ ص ۱۰۳

ابی امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم، قریبہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی بہن تھیں، یزید کا خاندان زمانہ جاہلیت سے مشورہ کے عہدہ جلیل کا حامل چلا آتا تھا، اور ظہور اسلام کے وقت یہ اس پر فائز تھے [۱]

اسلام و ہجرت...... دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے [۲]

غزوات وشہادت...... مدینہ آنے کے بعد آنحضرت ﷺ کے ساتھ برابر جہاد میں شریک ہوتے رہے، غزوہ طائف میں بھی آپکے ساتھ تھے، اتفاق سے میدان جنگ میں ان کا گھوڑا بھڑک کر بھاگا، انہوں نے پکڑ کر شہید کر دیا، [۳] کوئی اولاد نہ تھی۔

حضرت سکران بن عمروؓ

نام ونسب...... سکران نام، والد کا نام عمرو تھا، نسب نامہ یہ ہے، سکران بن عمرو بن عبد شمس ابن عبدود بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی قرشی عامری، ماں کا نام حبی تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے، حبی بنت قیس بن ضبیس بن ثعلبہ بن حبان بن غنم بن ملیح بن عمرو خزاعی۔

اسلام و ہجرت...... دعوت اسلام کے آغاز میں اسلام قبول کیا اور ہجرت ثانیہ میں مع اپنی اہلیہ کے حبشہ گئے۔

وفات...... موسیٰ بن عقبہ کی روایت کے مطابق حبشہ میں وفات پائی، اور ابن اسحاق کی روایت کے رو سے حبشہ سے مکہ آئے اور مدینہ جانے کی نوبت نہ آسکی یہیں وفات پا گئے، [۵] ان کی وفات کے بعد ان کی بیوی سودہؓ ام المومنین کے زمرہ میں شامل ہوئیں۔

حضرت ابوسنانؓ بن محصن

نام ونسب...... وہب نام، ابوسنان کنیت، والد کا نام محصن تھا، نسب نامہ یہ ہے، وہب ابن

[۱] اصابہ ج ۶ ص ۳۴۰، [۲] ابن سعد ج ۴ ق ۱ ص ۸۹،
[۳] ایضاً و استیعاب ج ۲ ص ۶۲۴ واقعہ کی تفصیل ابن سعد میں ہے
[۴] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۵۰، [۵] استیعاب ج ۲ ص ۵۹۹، ابن سعد حوالہ مذکور

محصن بن حرثان بن قیس بن لبہ بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ، وہب مشہور صحابی، حضرت عکاشہ بن محصن کے بھائی اور قبیلہ بنو عبد شمس کے حلیف تھے۔

اسلام وہجرت...... زمانہ اسلام کی صحیح تعیین نہیں کی جاسکتی مگر اتنا مسلم ہے کہ اذن ہجرت کے پہلے اسلام لاچکے تھے، اور بدر سے پہلے مدینہ آگئے تھے۔

بدر...... مدینہ آنے کے بعد ہی بدر کا معرکہ پیش آیا، چنانچہ اول اول اسی میں شریک ہوئے پھر احد اور خندق میں جان بازیاں دکھائیں۔[1]

وفات.... ۵ھ میں بنو قریظ کی مہم میں نکلے اور دوران محاصرہ میں انتقال کر گئے، اور بنو قریط کے قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔[2]

بعض ارباب سیر کا بیان ہے، کہ ابو سنان صلح حدیبیہ میں موجود تھے اور بیعت رضوان میں سب سے پہلے انہوں نے بیعت کی تھی، لیکن یہ محض التباس ہے، غزوہ بنو قریظہ میں ان کی وفات مسلم ہے اور بیعت اس سے ایک سال بعد ٦ھ میں ہوئی، بیعت کرنے والے یہ نہیں بلکہ ان کے لڑکے سنان بن ابو سنان تھے۔

حضرت فراس بن نضرؓ

نام ونسب...... فراس نام، والد کا نام نضر تھا، نسب نامہ یہ ہے فراس بن نضر بن حارث ابن علقمہ بن کلدہ بن عبد مناف بن عبد دار بن قصی، ماں کا نام زینب تھا، ننہالی شجرہ یہ ہے زینب بنت بناش بن زرارہ بن اسد بن عمرو بن تمیم تمیمی۔

اسلام وہجرت...... مکہ میں ابتداء میں مشرف باسلام ہوئے، اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔[3]

شہادت...... ان کی مدنی زندگی کے حالات کچھ نہیں معلوم، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شام کی لڑائیوں میں شریک ہوئے، اور اس سلسلہ کے مشہور معرکہ یرموک میں جام شہادت پیا۔[4]

---

[1] ابن سعد ج ۳ ق ا ص ۶۵،
[2] اصابہ ج ۸ ص ۹۲
[3] ابن سعد ج ۴ ق ا ص ۹۰،
[4] اصابہ واستیعاب ترجمہ فراس

حضرت حاطب بن حارثؓ

نام ونسب...... حاطب نام، والد کا نام حارث تھا، نسب نامہ یہ ہے، حاطب بن حارث بن معمر بن حبیب ابن وہب بن حذافہ بن جمح، ماں کا نام قتیلہ تھا، ننہالی سلسلۂ نسب یہ ہے قتیلہ بنت مظعون ابن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح۔

اسلام وہجرت...... دعوت اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں مع اہل وعیال حبشہ گئے۔[1]

وفات...... پیمانۂ عمر لبریز ہو چکا تھا، اس لئے مدینہ جانے کی نوبت نہ آسکی اور اسی سرزمین کو آرام گاہ بنایا[2] ۷ھ میں آپ کے اہل وعیال مدینہ واپس ہوئے، بچوں میں محمد اور حارث یادگار تھے۔[3]

حضرت معمر بن حارثؓ

نام ونسب...... معمر نام والد کا نام حارث تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، معمر بن حارث بن معمر ابن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح، ماں کا نام قتیلہ تھا، حضرت معمر مشہور صحابی حضرت عثمانؓ ابن مظعون کے بھانجے تھے۔

اسلام وہجرت...... آنحضرت کے ارقم کے گھر میں تشریف لانے کے قبل مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت کے زمانہ میں مکہ سے مدینہ گئے، آنحضرت ﷺ نے ان میں اور معاذ بن عفراءؓ میں مواخاۃ کرادی۔[4]

غزوات...... مدینہ آنے کے بعد بدر واحد وخندق وغیرہ تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔[5]

وفات...... حضرت عمر کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

---

[1] ابن سعد ج ۴ ق ا ص ۱۴۷، [2] اصابہ ج ا ص ۳۱۵

[3] ابن سعد حوالہ مذکور [4] ابن سعد جزو ۳ ق ا ص ۲۹۳

[5] استیعاب ج اول ص ۲۷۸

حضرت ابورہم اشعریؓ

نام ونسب...... مجدی نام، ابورہم کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے، مجد بن قیس بن حضار بن جرب بن عامر بن بکر بن عامر بن عذر بن وائل بن ناجیہ بن جماہر بن اشعر، حضرت ابورہم مشہور صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے چھوٹے بھائی تھے۔[1]

اسلام وہجرت...... بڑے بھائی کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے، اور ان ہی کے ساتھ حبشہ گئے اور حضرت جعفرؓ کے ساتھ مدینہ آئے یہ جنگ خیبر کا زمانہ تھا، مگر ابورہم اس میں شریک نہ ہوسکے تھے تاہم آنحضرت ﷺ نے خیبر کے مال غنیمت میں ان کا حصہ بھی لگایا اور فرمایا تم لوگ دوہرے مہاجر ہو، ایک مکہ سے حبشہ کی ہجرت دوسری حبشہ سے مدینہ کی۔[2]

مدینہ آنے کے بعد سے ان کے حالات کا پتہ نہیں چلتا، پھر دورفتن میں نظر آتے ہیں، یہ طبعاً ہنگامہ پسند تھے، فتنہ کے زمانہ میں بھی بہت نکلتے تھے، اور حضرت ابوموسیٰ ان کو روکتے تھے۔

حضرت ابوبردہؓ

نام ونسب...... عامر نام، ابوبردہ کنیت، یہ بھی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے بھائی تھے۔

اسلام...... بھائی کے ساتھ اسلام لائے اور ان ہی کے ساتھ حبشہ گئے، پھر وہاں سے حضرت جعفر کے ساتھ مدینہ آئے۔[3]

مدینہ آنے کے بعد کے حالات کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

حضرت حارث بن خالدؓ

نام ونسب...... حارث نام، والد کا نام خالد، نسب نامہ یہ ہے، حارث بن خالد بن صخر بن

---

[1] ایضاً　　[2] اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۴۵۔
[3] استیعاب ج ۲ ص ۶۴۵۔　　[4] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۹۔

عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ

اسلام و ہجرت...... دعوت کے ابتدائی زمانہ میں اسلام لائے اور دوسری ہجرت میں مع اپنی اہلیہ ریطہ کے حبشہ گئے۔[1]

وفات...... حبشہ میں ان کے چار اولادیں ہوئیں، موسیٰ، عائشہ، زینب اور فاطمہ، حبشہ سے مدینہ کی واپسی میں ایک مقام پر پانی پیا، اس میں سمیت تھی، اس کے اثر سے گھر کا گھر صاف ہو گیا، البتہ خود بچ گئے، اور راہ خدا میں پورے گھر کو دفنا کر یکہ و تنہا مدینہ آئے، آنحضرت ﷺ نے ان کی دلجمعی کے لیے یزید بن ہاشم کے غلام کی لڑکی سے شادی کر دی۔[2]

حضرت عیاض بن زہیرؓ

نام ونسب...... عیاض نام، ابوسعد کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے، عیاض بن زہیر بن ابی شداد ابن ربیعہ بن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث بن فہر قرشی، ماں کا نام سلمیٰ تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے سلمیٰ بنت عامر بن ربیعہ بن ہلال بن مال بن ضبہ بن حارث۔[3]

اسلام و ہجرت...... زمانہ اسلام کی تعیین نہیں کی جا سکتی ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے وہاں سے مدینہ آئے اور کلثوم بن ہدم کے یہاں اترے۔[4]

غزوات...... بدر واحد اور خندق وغیرہ تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب رہے۔[5]

وفات...... ۳۰ھ میں وفات پائی۔[6]

---

۱ ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۹۵۔ ۲ اسد الغابہ جلد اول ص ۲۹۰۔

۳ ارباب سیر میں عیاض بن زہیر اور عیاض بن غنم فہری کے بارہ میں سخت اختلاف ہے بعض ان دونوں کو دو شخص بتاتے ہیں اور عیاض بن غنم کو عیاض بن زہیر کا بھتیجا کہتے ہیں اور بعض دونوں کو ایک ہی شخص لکھتے ہیں اور نسبت کی توجیہ یوں کرتے ہیں کہ عیاض بن زہیر اپنے دادا زہیر کی طرف منسوب ہو گئے ورنہ دراصل وہ ان کے بیٹے نہیں بلکہ پوتے اور اصل سلسلہ یوں ہے عیاض بن غنم بن زہیر، بہرحال ابن [illegible] کے نزدیک یہ دو شخص ہیں انہوں نے ان دونوں کے حالات الگ الگ لکھے ہیں لیکن عیاض بن غنم کا نام مہاجرین کے زمرہ میں نہیں ملتا اس لیے وہ ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔

۴ ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۳۰۵۔ ۵ ایضاً

۶ [illegible] ص ۲۹۱

حضرت خبابؓ

نام ونسب...... خباب نام، ابو یحییٰ کنیت، حباب بنو نوفل بن عبد مناف کے حلیف اور مشہور صحابی حضرت عتبہؓ بن غزوان کے غلام تھے۔

اسلام وہجرت...... ان کے اسلام کا زمانہ متعین نہیں، لیکن قیاس ہے کہ اپنے آقا حضرت عتبہؓ کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے ہوں گے، حضرت عتبہؓ قدیم الاسلام تھے، ان ہی کے ساتھ انہوں نے ہجرت کی، آنحضرت ﷺ نے ان میں اور تمیم کے غلام خراش بن صمہ میں مواخاۃ کرادی[1]

غزوات...... مدینہ آنے کے بعد سب سے پہلے بدر عظمیٰ میں شریک ہوئے، پھر احد اور خندق وغیرہ میں داد شجاعت دی۔[2]

وفات...... حضرت عمرؓ کے عہد خلافت ۱۹ھ میں مدینہ میں وفات پائی، وفات کے وقت پچاس سال کی عمر تھی۔[3]

حضرت مسعود بن ربیعؓ

نام ونسب...... مسعود نام، ابو عمیر کنیت، نسب نامہ یہ ہے، مسعود بن ربیع بن عمرو بن سعد بن عبد العزیٰ۔

اسلام وہجرت...... دعوت اسلام کے آغاز یعنی آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں تشریف لانے سے پہلے مشرف باسلام ہوئے پھر ہجرت کے زمانہ میں مکہ سے مدینہ گئے آنحضرت ﷺ نے غربت کی اجنبیت دور کرنے کے لیے ان میں اور ابو عبید بن تیہان میں مواخاۃ کرادی۔[4]

غزوات...... مدینہ آنے کے بعد بدر، احد اور خندق وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوتے رہے۔[5]

وفات...... ۳۰ھ میں وفات پائی، وفات کے وقت ساٹھ سال سے اوپر کی عمر تھی۔[6]

---

[1] ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۳۸۳،۳۶۲
[2] ایضاً
[3] استیعاب ج اول ص ۱۵۶
[4] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۵۷
[5] ابن سعد جز ۳ ق ۱ ص ۱۱۲
[6] استیعاب ج ۱ ص ۲۵۱

حضرت ربیعہؓ بن اکثم

نام ونسب...... ربیعہ نام، ابو یزید کنیت، نسب نامہ یہ ہے ربیعہ بن اکثم بن سنجرہ بن عمرو بن بکیر ابن عامر بن غنم بن دودان بن اسد بن خذیمہ اسدی

اسلام وہجرت...... بدر کے قبل مشرف باسلام ہوئے، اسلام کے بعد ہجرت کر کے مدینہ گئے۔[1]

شہادت...... اور سب سے پہلے بدر عظمی میں شرکت کا امتیاز حاصل کیا، پھر اس کے بعد تمام مہموں، احد، خندق اور حدیبیہ وغیرہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب رہے اور غزوہ خیبر میں حارث یہودی کے ہاتھ سے جام شہادت پیا۔[2]

حضرت عمیر بن رئابؓ

نام ونسب...... عمیر نام، والد کا نام رئاب تھا، شجرہ نسب یہ ہے عمیر بن رئاب بن حذیفہ بن جہشم ابن سعد بن سلہم، ماں کا نام ام وائل تھا، نانہالی نسب نامہ یہ ہے، ام وائل بنت معمر بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح۔

اسلام وہجرت...... اذن ہجرت کے قبل اسلام لائے اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔[3]

شہادت ...... عراق کی مہم میں خالد بن ولیدؓ کے ساتھ تھے اور عین التمر کے معرکہ میں شہید ہوئے۔[4]

---

[1] ایضاً ص ۱۸۵

[2] ابن سعد جزو ۳ ق اول ص ۶۷،

[3] ابن سعد جزو ۴ ق اول ص ۱۴۵،

[4] ابن سعد جلد ۲ ص ۴۳۸

حضرت عمرو بن عثمانؓ

نام ونسب...... عمرو نام، والد کا نام عثمان تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، عمرو بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ۔

اسلام و ہجرت...... مکہ میں دعوت اسلام کے آغاز میں اسلام لائے اور ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔[1]

وفات...... حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایران کی فوج کشی میں شریک ہوئے اور اس سلسلہ کے مشہور معرکہ قادسیہ میں شہادت پائی، شہادت کے وقت کوئی اولاد نہ تھی۔[2]

حضرت خطاب بن حارثؓ

نام ونسب...... خطاب نام والد کا نام حارث تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے، خطاب بن معمر بن حبیب ابن وہب بن حذافہ بن جمح۔

اسلام...... دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اسلام لائے، اور ہجرت ثانیہ میں مع اپنے بچوں کے حبشہ گئے۔[3]

وفات...... حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔[4]

حضرت عاقل بن ابی بکیرؓ

نام ونسب...... حضرت عاقل چار بھائی تھے، عاقل، ایاس، خالد اور عامر، ان کے والد کا نام ابی بکیر تھا، ان سب کا نسب نامہ یہ ہے، ابناء ابی بیر بن عبد یا لیل بن ناشب بن غیرہ ابن سعد بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ کنانی لیثی۔

---

[1] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۹۲
[2] اصابہ ج ۵ ص ۷،
[3] ابن سعد جز ۴ ق ۱ ص ۱۰۹
[4] اصابہ جلد ۳ ص ۱۸

اسلام و ہجرت ..... ارقم کے گھر میں قبول اسلام کا آغاز ان ہی چاروں بھائیوں سے ہوا تھا چنانچہ آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے یہی چاروں مشرف باسلام ہوئے اور سب نے مع بال بچوں کے لیے ایک ساتھ مدینہ کی ہجرت کی اور مکہ میں گھر کا دروازہ بالکل بند ہو گیا، مدینہ آنے کے بعد چاروں رفاعہ بن عبدالمنذر کے یہاں اترے،[1] اور آنحضرت ﷺ نے ایاس اور حارث بن خزیمہ میں خالد اور یزید بن دشنہ میں، عاقل اور مجذر بن زیاد میں، اور عامر اور ثابت بن قیس بن شماس میں مواخاۃ کرادی۔

غزوات ..... مدینہ آنے کے بعد چاروں غزوات میں شریک ہوتے رہے، عاقل ان سب میں زیادہ خوش نصیب تھے، انہوں نے بدر میں مالک بن زہیر کے ہاتھوں حیات جاوید حاصل کی،[2] اس کے بعد خالد نے بدر اور احد کے معرکوں میں شرکت کے بعد سریہ رجیع میں ۴ھ میں جام شہادت پیا،[3] عامر، بدر، احد اور خندق میں آنحضرت ﷺ کے ہم رکاب رہے اور ۱۲ھ میں مرتدوں کی سرکوبی پر مامور ہوئے اور اس سلسلہ کی مشہور جنگ یمامہ میں شہادت حاصل کی،[4] سب سے آخر میں ایاس، بدر، احد، خندق، خیبر اور دوسری معرکہ آرائیوں میں شریک ہوتے رہے،[5] ۳۴ھ میں راہی ملک بقا ہوئے،[6]

اس طرح آخر الذکر بزرگ کے سوا ۱۳ سال کی مدت میں تین بھائی خدا کی راہ میں کام آئے۔

حضرت عبداللہ الاصغرؓ

نام ونسب ..... عبداللہ نام، والد کا نام شہاب تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، عبداللہ بن شہاب ابن عبداللہ بن حارث بن زہرہ بن کلاب، عبداللہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بھائی اور امام شعبی کے نانا تھے۔

ہجرت ..... دعوت اسلام کے ابتدائی ایام میں اسلام قبول کیا اور اذن ہجرت کے بعد حبشہ گئے۔[7]

وفات ..... پیمانہ عمر لبریز ہو چکا تھا، اس لیے مدینہ آنے کی نوبت نہ آسکی، اور اسی غربت کدہ میں پیوند خاک ہوئے۔[8]

---

[1] ابن سعد جزو ۳ ق ۱ ص ۲۸۳،
[2] ایضا
[3] استیعاب ج ۱ ص ۱۵۶،
[4] استیعاب ج ۲ ص ۵۱۱،
[5] استیعاب ج ۱ ص ۱۳۸،
[6] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۱۵۳،
[7] ابن سعد جزو ۴ ق ۱ ص ۹۴ و اصابہ ج ۴ ص ۱۸۵
[8] ایضا

حضرت قیس بن عبداللہؓ

نام ونسب...... قیس نام، والد کا نام عبداللہ تھا، نسبی تعلق قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ سے تھا، ان کی لڑکی آمنہ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کی دایہ تھیں، اور یہ خود ان کے پہلے شوہر عبیداللہ بن جحش کی زوجہ تھی۔[1]

اسلام وہجرت...... دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور اپنے آقا عبیداللہ بن جحش کے ساتھ مع اپنی بیوی برکہ بنت یسار کے حبشہ گئے، عبیداللہ نے یہاں مذہب عیسوی قبول کر لیا، لیکن قیس نے اس میں آقا کی پیروی نہ کی اور اپنے مذہب پر قائم رہے۔[2]

حضرت مالک بن زمعہؓ

نام ونسب...... مالک نام، والد کا نام زمعہ تھا، نسب نامہ یہ ہے، مالک بن زمعہ بن قیس ابن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی، مالک ام المومنین حضرت سودا کے حقیقی بھائی تھے۔[3]

اسلام وہجرت...... دعوت اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں مع اپنی بیوی عمیرہ کے حبشہ گئے،[4] اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہیں۔

---

[1] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۲۱، واصابہ جلد ۵ ص ۶۲۔

[2] ابن سعد جز ۴ ق ا ص ۷۷

[3] ابن سعد جز ۴ ق ا ص ۱۵۰،

[4] ایضاً

حضرت حاطب بن عمروؓ

نام ونسب...... حاطب نام، والد کا نام عمرو تھا، نسب نامہ یہ ہے، حاطب بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی، ماں کا نام اسماء تھا۔

اسلام وہجرت...... آنحضرت ﷺ کے ارقم کے گھر میں تشریف لانے کے قبل مشرف باسلام ہوئے، اسلام کے بعد حبشہ کی ہجرت کی، دونوں ہجرتوں کا شرف حاصل کیا،[1] پھر وہاں سے مدینہ گئے اور رفاعہ بن عبدالمنذر کے مہمان ہوئے۔[2]

غزوات...... مدینہ آنے کے بعد بدر عظمی میں شریک ہوئے،[3] بدر کے بعد احد میں بھی شرکت کا پتہ چلتا ہے،[4] مگر اس کے بعد کے حالات معلوم نہیں۔

حضرت اربد بن حمیرؓ

نام ونسب...... اربد نام، ابومخشی کنیت، نسباً قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ سے تھے۔

اسلام وہجرت...... مکہ میں مشرف باسلام ہوئے، پھر ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے، وہاں سے ہجرت کے زمانہ میں مدینہ آئے۔[5]

غزوات...... اور بدر عظمی میں شریک ہوئے، بدر کے بعد کے حالات کا پتہ نہیں چلتا۔[6]

---

[1] استیعاب ج۱ ص ۱۳۳۔
[2] ابن سعد جزو ۳ ق ۱ ص ۲۹۶۔
[3] اصابہ جلد اول ص ۳۱۵۔
[4] ابن سعد حوالہ مذکور۔
[5] اسد الغابہ جلد اول ص ۵۸
[6] ابن سعد جلد ۳ ق ۱ ص ۶۹

حضرت جہم بن قیسؓ

نام ونسب...... جہم نام، ابوخزیمہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، جہم بن قیس بن عبداللہ ابن شرحبیل بن ہاشم بن عبدمناف بن عبدالدار بن قصی، ماں کا نام رہیمہ تھا۔[1]

اسلام وہجرت...... دعوت اسلام کے آغاز میں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت ثانیہ میں مع بیوی بچوں کے حبشہ گئے، یہیں ان کی بیوی حریملہ نے وفات پائی۔[2] ان کی وفات کے حالات نہیں معلوم۔

حضرت ہاشم بن ابوحذیفہؓ

نام ونسب...... ہاشم نام، والد کا نام ابوحذیفہ تھا، نسب نامہ یہ ہے، ہاشم بن ابوحذیفہ ابن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم مخزومی۔

ہجرت...... حضرت ہاشمؓ قدیم الاسلام تھے، ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے۔[3]

وفات...... وفات کے متعلق صرف اس قدر معلوم ہے کہ اس وقت کوئی اولاد نہ تھی۔

تمت

[1] ابن سعد واسد الغابہ ترجمہ جہم،
[2] ایضا
[3] ابن سعد جزو چہارم قسم اول صفحہ ۹۹